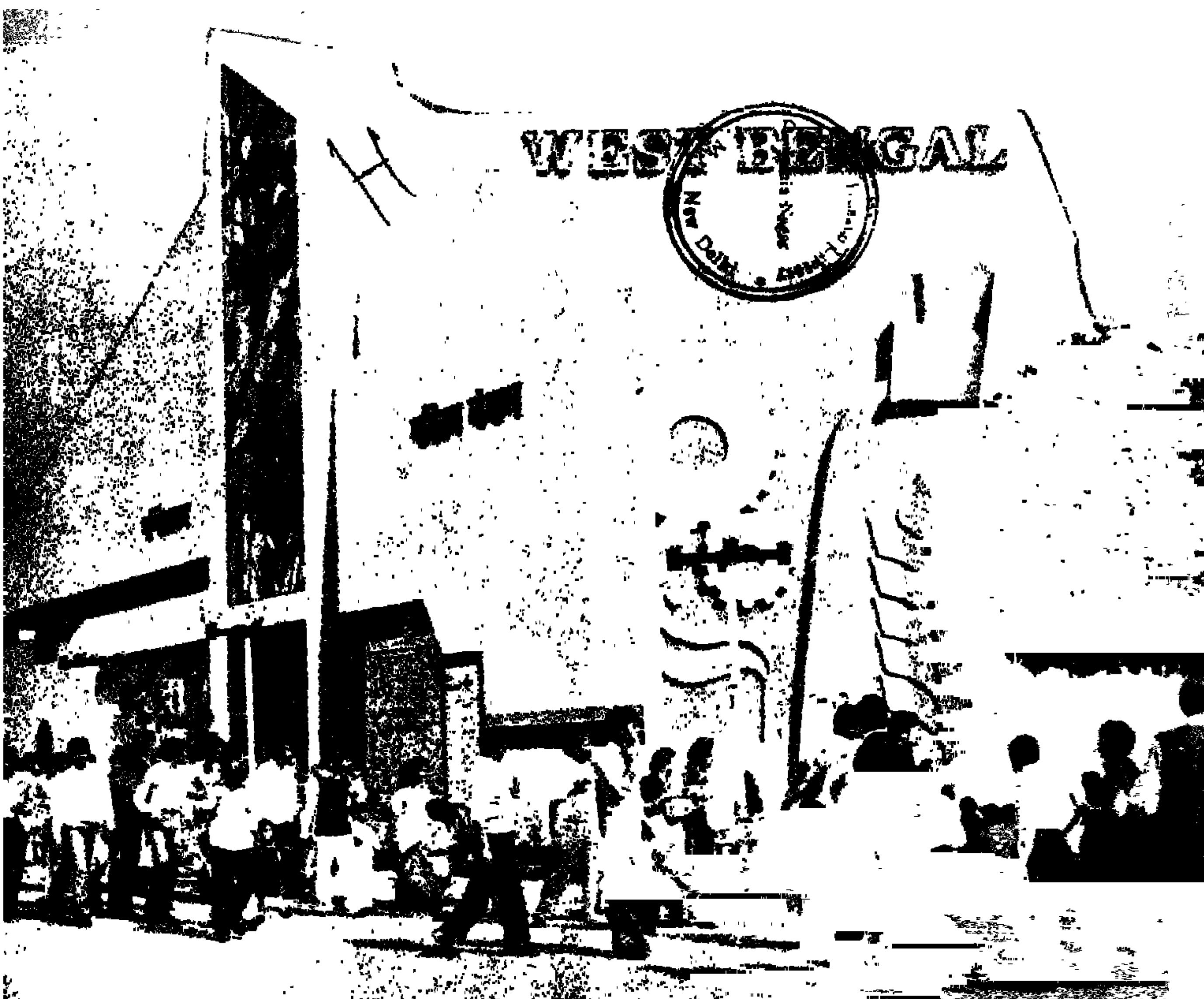
مغربی بنگال

یکم جنوری ۱۹۸۷ء



کلکتہ

مغربی بنگال

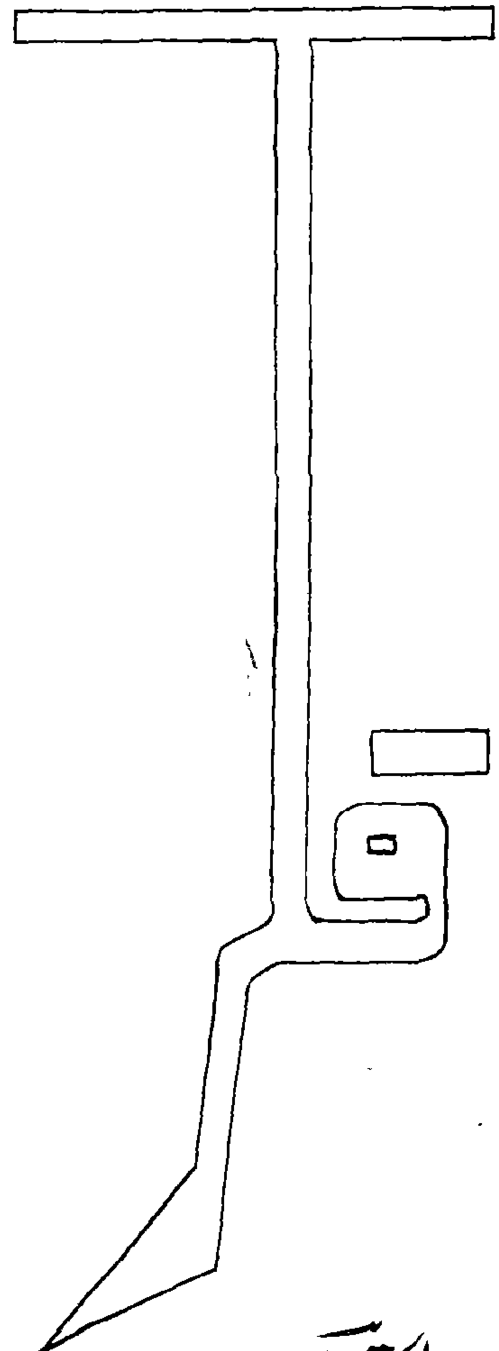
جلد نمبر ۳۱ ــــ یکم جنوری ۱۹۸۴ء ــــ شمارہ نمبر ۱

مدیر اعلیٰ ــــ پرتین بھٹاچاریہ
مدیر ــــ دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون ــــ محمد اعظم

شرحِ خریداری : سالانہ تین روپئے
اس شمارے کی قیمت
۱۲ پیسے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۸ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو محبانِ و شہیدانِ وطن بنیوتی، باَدل اور دینیش کی یادگار پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہوئے





نہیں ہر چند کسی گم شدہ جنت کی تلاش
اک نہ اک خلدِ طرب ناک کا ارماں ہے ضرور
بزمِ دوشینہ کی حسرت تو نہیں ہے مجھ کو
میری نظروں میں کوئی اور شبستاں ہے ضرور

مٹ چکے، برباد جہاں ہو کے، سبھی کچھ کھو کے
بات کیا ہے کہ زیاں کا کوئی احساس نہیں
کارفرما ہے کوئی تازہ جنونِ تعمیر
دلِ مضطر ابھی آماجگہِ یاس نہیں

تازہ دم بھی ہوں، مگر پھر یہ تقاضا کیوں ہے
ہاتھ رکھ دے مرے ماتھے پہ کوئی زہرہ جبیں
ایک آغوشِ حسیں شوق کی معراج ہے کیا
کیا یہی ہے اثرِ نالۂ دلہائے حزیں

مہ وشوں کا طرب انگیز تبسم کیا ہے
ہے تو سب کچھ مگر یہ خواب اثر کیوں ہو جائے
حسن کی جلوہ گہِ ناز کا افسوں تسلیم
یہی قرباں گہِ اربابِ نظر کیوں ہو جائے

میں نے سوچا تھا کہ دشوار ہے منزل اپنی
اک حسیں بازوئے سیمیں کا سہارا بھی تو ہو
دشتِ ظلمات سے آخر کو گزرنا ہے مجھے
کوئی رخشندہ و تابندہ ستارا بھی تو ہو

آگ کو کس نے گلستاں نہ بنانا چاہا
جل بجھے کتنے خلیل آگ گلستاں نہ بنی
ٹوٹ جانا درِ زنداں کا تو دشوار نہ تھا
خود زلیخا ہی رفیقِ مہِ کنعاں نہ بنی

بہ ایں انعامِ وفا اُف یہ تقاضائے حیات
زندگی وقفِ غمِ خاک نشیناں کر دے
خونِ دل کی کوئی قیمت جو نہیں ہے تو نہ ہو
خونِ دل نذرِ چمن بندیِ دوراں کر دے

اسرار الحق مجاز

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال پورے ہو گئے

مختلف ریاستوں میں تقریبات منائی گئیں

حال ہی میں مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال پورے ہونے پر ملک کی مختلف ریاستوں میں رنگارنگ تقریبات منائی گئیں۔ اس موقع پر نمائشوں اور سیمینار کا انتظام کیا گیا۔ پریس کانفرنس ہوئی۔ ہزاروں ہزار لوگوں نے ان نمائشوں کی سیر کی اور سیمینار میں شرکت کی۔ اس سیمینار میں مشہور و معروف مقررین نے حصہ لیا۔ ان پروگراموں میں شرکت کرنے والے لوگوں کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کی کارگذاریوں اور کامیابیوں کی بابت ہندوستان کے لوگوں میں کافی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

مدراس میں مذکورہ نمائش کے افتتاح کے بعد شری پربیتند را کرشنا بھٹاچاریہ، ڈائرکٹر، شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، نے اپنی تقریر میں نمائش بینوں کو خوش آمدید کہا اور ایسی نمائشوں کے انعقاد کے مقاصد اور اہمیت کی تشریح کی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایسی نمائشوں کا دیگر ریاستوں میں بھی انتظام کیا گیا ہے۔

شری کے۔ اے۔ کرشنا سوامی، وزیر برائے ڈیئری ڈیولپمنٹ، تامل ناڈو، نے بھی اس موقع پر افتتاحی تقریر کی جس کا متن درج ذیل ہے:

"اس دل افروز جشن" سے خود کو وابستہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے اور میں اسے باعث افتخار سمجھتا ہوں۔ میں اس تقریب کے منتظمین کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اس نمائش کا افتتاح کرنے کا نادر موقع فراہم کیا۔ اس نمائش میں مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کی مختلف کامرانیوں کی تشریح کی گئی ہے۔ ایک بار پھر میں ذاتی طور پر اپنی طرف سے اور ہماری پارٹی کے محترم سربراہ شری ایم۔ جی۔ آر کی طرف سے اس نمائش کے حکام کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مغربی بنگال کے شعبہ اطلاعات کے ڈائرکٹر نے اپنی استقبالیہ تقریر میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی مختلف میدانوں میں کامرانیوں اور کامیابیوں کی وضاحت کی۔

یہ بات نہایت ہی مناسب ہے کہ یہ جشن مدراس میں، جو تامل ناڈو کا ہیڈ کوارٹر ہے، منعقد کیا گیا۔ تامل ناڈو، ہندوستان کی دیگر ریاستوں کی بہ نسبت مغربی بنگال سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اوائل دور سے تامل ناڈو اور مغربی بنگال دونوں کے درمیان ادب، آرٹ اور مختلف میدانوں میں قریبی رشتہ قائم ہے۔ اگر ہم ان دونوں ریاستوں کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ ان دونوں ریاستوں کے درمیان ہر میدان میں بہت قریبی رشتہ قائم رہا ہے۔ ہمارا ایک قومی [illegible] بھارتی تھا، مغربی بنگال نے بھی ہمیں مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور دیا۔ آج ٹیگور کی نظم ہماری قومی نظم بن چکی ہے۔ آزادی کی جدوجہد کی تاریخ میں ہمیں ان دونوں ریاستوں کے درمیان تعلقات کے بہت سارے واقعات نظر آتے ہیں۔ جب نیتا جی سبھاش چندر بوس نے ہندوستانی قومی فوج کے لئے نئی بھرتی شروع کی تو اس میں بہت سارے تامل مردوں اور عورتوں نے شرکت کی۔

جب ہم بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کی سالگرہ مناتے ہیں تو اس وقت ہمیں ان باتوں کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایسی کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے بائیں محاذ حکومت کو کتنی مشکلات کا سامنا

کرنا پڑا ہوگا۔ مجھے یہ دیکھ کر کافی مسرت حاصل ہوئی کہ اتنی ساری مشکلات کے باوجود بائیں محاذ حکومت آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اس نمائش میں حکومت کی کامیابیوں کی بڑی اچھی طرح تشریح کی گئی۔ مجھے اس بات سے مسرت حاصل ہوئی کہ اس کا افتتاح کرنے کا موقعہ مجھے ملا۔ مختلف میدانوں، جیسے اصلاحات آراضی، تعلیم، غذائی اجناس کی تقسیم وغیرہ میں حکومت مغربی بنگال کی کامیابیاں بہت ہی دلچسپ اور ہمت افزا ہیں۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور دیگر وزراء ان کامیابیوں کے علمبردار ہیں۔ حکومت مغربی بنگال کی پرخلوص اور شدید کوششوں کے باوجود اب بھی بہت سارے مسائل کو حل کرنا ہے۔ لیکن ریاستی حکومت کے مالی اختیارات بہت ہی محدود ہیں۔ اس لئے شری جیوتی باسو نے اپنی تقریروں میں بار بار ریاستی حکومتوں کو اور بھی زیادہ اختیارات دئے جانے کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کیا۔ یہ صرف مغربی بنگال کا ہی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ تو تمام ریاستی حکومتوں کا مسئلہ ہے۔ ہمارے وزیر اعلیٰ شری ایم۔ جی۔ آر بھی وقتاً فوقتاً اس سوال کو اٹھاتے رہتے ہیں۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ مرکز۔ ریاست تعلقات اور اختیارات کو از سر نو منظم کیا جائے۔

میں اس اہم گھڑی میں ایک اہم نقطہ پر زور دینا چاہتا ہوں۔ آج سے ۳۶ سال قبل ہندستان کو آزادی ملی لیکن آج بھی ۶۰ فیصد سے زیادہ آبادی غربت کی سطح سے نیچی سطح پر زندگی گزار رہی ہے۔ بے روزگاری کا مسئلہ سارے ملک میں کشمیر سے کنیا کماری تک، بہت ہی شدید بن چکا ہے۔ ہمارے ہندستانی عوام کو اس بات پر یقین کامل تھا کہ انگریزوں کے ہاتھوں سے سیاسی اختیارات کی تبدیلی کے بعد ان کی غربت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ ایک خواب ثابت ہوا۔

مہاتما گاندھی نے ایک بار کہا تھا "حقیقی آزادی تو اس وقت حاصل ہوگی جب ہم آخری شخص کی آنکھوں سے آنسو پونچھ لیں گے" بھگت سنگھ اور وی۔ او۔ چدمبرم جیسے عظیم رہنماؤں نے ملک کی آزادی کے لئے اپنی جان قربان کر دی لیکن ان کے سماجی انصاف کا خواب اب صرف ایک سراب بن گیا ہے۔

اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ کیا ہم لوگوں نے اپنے منصوبوں کے لئے کروڑوں روپئے خرچ نہیں کئے؟ آزادی کے بعد بہت ساری پارٹیاں برسر اقتدار آئیں۔ بہت سارے منصوبوں کو ہم نے پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ لیکن کیا ہم سماجی انصاف میں کامیابی حاصل کر سکے؟

دستور پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر امبیدکر نے کہا تھا "ہم لوگ صرف سیاسی آزادی دے رہے ہیں لیکن اپنی معاشی اور سماجی آزادی کے لئے لوگوں کو جد و جہد کرنی ہوگی، جب تک کہ ہم لوگ معاشی اور سماجی آزادی حاصل نہ کر لیں، اس وقت تک سیاسی آزادی بے معنی ہو جاتی ہے۔ حکومت میں سیاسی پارٹیاں تبدیل ہو سکتی ہیں لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

ہمارے موجودہ دستور میں بہت سارے تضادات ہیں اور یہ سماجی اور حقیقی آزادی کے فروغ کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔ جب دستور رائج کیا گیا تھا تو اس وقت لوگ اس کا مناسب طور پر تجزیہ کرنے کے خواہاں نہ تھے۔ لوگوں کو قومی سربراہوں پر پورا یقین تھا، کیوں کہ ان لوگوں نے ملک کی آزادی کے لئے کافی قربانیاں دی تھیں اس لئے کہیں بھی شور و غوغا نہیں مچایا گیا۔

اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوتے پارلیمنٹ نے ۷ ادیں دفعہ کو پاس کر دیا۔ اس دفعہ کے تحت صرف ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت دی گئی۔ ۱۹۶۵ء میں تامل ناڈو میں بہت زیادہ شور و غل مچایا گیا تھا۔ ہندی کے خلاف شدید مزاحمت کا اظہار کیا گیا۔ وہاں اب بھی ہندی کی مخالفت جاری ہے۔

اب سارے ملک میں یہ نعرہ لگایا جا رہا ہے کہ مرکز۔ ریاست تعلقات اور اختیارات کو از سر نو منظم کیا جائے۔ یہ صرف ایک سیاسی پارٹی کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ ایک قومی سوال ہے۔ ریاستی حکومتوں کو عوام کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ لیکن وہ سب بے بس ہیں کیوں کہ مالی وسائل اور اختیارات تو مرکز کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس لئے ریاستوں کو زیادہ اختیارات دینے کیلئے شری جیوتی باسو اور شری ایم آر جی نے آواز اٹھائی۔

جب تک کہ ہم اس میں ترمیم نہیں لاتے، اس وقت تک اشتراکیت یا قومی یکجہتی قائم نہیں کی جا سکتی۔ جب تک کہ لوگوں

کو اس بات کی ضمانت نہیں دی جاتی کہ ان کی بنیادی ضرورتیں پوری کر دی جائیں گی اس وقت تک امن بحال نہیں ہوگا، اور اس وقت تک جذباتی یکجہتی کو فروغ حاصل نہیں ہوگا۔ ریاستی حکومتیں بہت سارے محاذوں اور میدانوں میں کامیابی کے خواب دیکھ سکتی ہیں، لیکن یہ خواب صرف سراب ہی ہوں گے اور اس کی وجہ سے مرکز اور ریاستوں کے درمیان تعلقات میں تناؤ پیدا ہوگا۔ اس کے نتیجے میں قومی یکجہتی کو خدشہ لاحق ہو جائے گا۔ ایسے حالات میں سرکاریہ کمیشن کے قیام کا ذکر کرنا بہتر ہوگا۔ یہ بروقت اور دانشمندانہ فیصلہ ہے۔ اس سے تبدیلی کا رجحان پایا جاتا ہے۔

ہمارے دستور میں تضادات اور شگاف ہیں۔ جب تک ہم انہیں دور نہیں کرتے اس وقت تک امن بحال نہیں ہوگا۔ ہم امیر و غریب کے درمیان خلا کو پُر نہیں کر سکتے۔ طبقاتی تنازعات جاری رہیں گے۔

اس لئے یہ ہر شخص کا، جو یکجہتی میں دلچسپی لیتا ہے، فرض ہے کہ وہ اختیارات کی از سر نو تنظیم کے سوال پر غور و خوض کرے۔ یہ سوال ہمارے محترم رہنما آنجہانی شری آئن نے، جب وہ وزیر اعلیٰ تھے، اٹھایا تھا۔ اب مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اسی سوال کو اٹھا رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ متعلقہ افراد اس سوال پر مکرر غور و خوض کریں گے۔

میں ایک بار پھر آپ لوگوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ سنہرا موقع فراہم کیا۔

شری کرشنا سوامی کے بعد شری سبھاش چکرورتی، وزیر برائے اسپورٹس، خدمات نوجوانان اور ڈیری ڈیولپمنٹ، حکومت مغربی بنگال نے تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ دیگر ریاستوں میں اس قسم کی نمائش کا انتظام کرنا، مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کا ایک کارنامہ ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ محدود مالی وسائل کے باوجود ریاستی حکومت نے مختلف شعبوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی ٭٭

ہوہو

از خود روشن ہو جاتے ہیں ٭

بشکریہ "آجکل" دہلی

(باقی صفحہ ۶/۶)

ایسے Paradoxes جمیل انتہائی فنکارانہ طور پر پیدا کرتے ہیں۔ کلینتھ بروکس تو شاعری میں Paradoxes کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ یہی وہ قوت اختراع ہے جو جمیل کی انفرادیت کی شناخت بنتی ہے۔

یہ غزل دیکھئے ؎

جمیل کو گھر ہی مبارک کہ اب تو ساماں بھی وہی ہے
جو دل کی وحشت کا ہے تقاضا خرد کا میلان بھی وہی ہے

خودی محبت کے فلسفے میں ہے اس کے جذبوں کی موت لیکن
یہ گھاو دل میں اتر کے دیکھو تو عشق کی جان بھی وہی ہے

پہنچ سے نظروں کی دور جا کر جو دل کو آواز دے رہا تھا
تھکے ہوئے شوق کی نذ عت سے اب پریشان بھی وہی ہے

بنی تھی ہمدرد عشق کی جب تو عقل کو یہ بھی دیکھنا تھا
کہ جس کو نقصان وہ سمجھتا ہے اس کا نقصان بھی وہی ہے

ہماری میزان آگہی میں یقین کیا ہے گماں کی شدت
جو شک کی آغوش میں پلا ہو اصولاً ایمان بھی وہی ہے

جمیل کیسی خدا پرستی وہی گھمنڈ خواہشوں کی مستی
ڈبوئی جس نے ہماری کشتی تمہارا طوفان بھی وہی ہے

جمیل فیضانِ آگہی سے جنوں کا صحرا ہے صرف ٹھنڈا
ہوس کا بازار بھی وہی ہے، خرد کی دوکان بھی وہی ہے

٭٭

جمیل مظہری کے یہاں پیاس اور سراب، سفر اور تھکن، جبیں اور سجدہ اور بانسری اور نغمہ کے الفاظ مسلسل استعمال ہوئے ہیں۔ اس طرح یہ الفاظ کیلی مٹی معلوم ہوتے ہیں اور جمیل جس طرح چاہتے ہیں ان سے طرح طرح کی شبیہ وضع کر لیتے ہیں۔ یہاں بھی ان کا جدلیاتی عمل کام کرتا ہوتا ہے اور مخصوص لب و لہجہ کو مستقل بنایا جاتا ہے لیکن ایسے جدلیاتی عمل میں Paradoxes نمایاں ہوتے ہیں اور تشکیک کی دنیا بستی چلی جاتی ہے۔

ایلیٹ ٹے نی سن کی نظم "ان میموریم" کا جائزہ لیتے ہوئے اسی امر کا اظہار کرتا ہے کہ ایمان و آگہی کے مقابلے میں "ان میموریم" کو تشکیک کا پہلو زیادہ قابلِ مطالعہ بناتا ہے، اگر اس کی یہ رائے مان لی جائے تو یقیناً جمیل کی غزل میں کیا انکی پوری شاعری کے امتیازات ہو

جمیل مظہری کی غزل گوئی

وہاب اشرفی

"فکرِ جمیل" میں عرضِ حال کے عنوان سے جمیل مظہری نے اپنی غزلوں کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"جب بھی غزل کہنے بیٹھا تو اپنے اشعار کو الفاظ و افکار کی ثقالت سے بچا نہ سکا، غزل ہونے کو ہو گئی لیکن بندش میں نہ وہ لطافت پیدا ہوئی اور نہ ترکیبِ خیال میں وہ رعنائی، نہ زبان میں وہ لوچ، نہ بیان میں وہ تاثیر جو تغزل کی جان ہے ـــــ اسی دبستانِ غالب کا ایک طالب علم ہوتے ہوئے بھی ع "نکتہ چند ز پیچیدہ بیان آر" ـــــ کا بھی قائل نہ رہا لیکن اس کا کیا علاج کہ میرے ذہن کی الجھن میری غزلوں میں الفاظ و افکار کی الجھن بنتی رہی اور لوگ اسے اپنی سادگی سے فلسفہ سمجھتے رہے۔"

ظاہر ہے اکثر لوگ جمیل مظہری کے ان امور کو انکی خاکساری پر محمول کریں گے لیکن جو نکتہ یہاں قابلِ غور ہے وہ یہ کہ اپنی غزلوں کے حوالے سے جمیل خود کو کسی نہ کسی طرح دبستانِ غالب کا ایک طالب علم تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ اقبال کا نام نہیں لیتے جس کے حوالے کے بغیر ان کی غزلوں کے حقیقی مزاج تک رسائی محال ہے۔ دراصل جمیل کی شاعری کی فکری بنیادیں انہیں تغزل کی روایتی حدوں کی شکست و ریخت پر مجبور کرتی رہیں اور انہیں اقبال کے لب و لہجہ کے قریب لاتی رہیں کہ اقبال نے غزل کا جو مزاج بنایا تھا اور اسے نیا آہنگ بخشا تھا وہ روایتی تصورِ تغزل سے یکسر الگ بھی تھا اور فکری تصورات کو سمیٹ لینے کی بے پناہ صلاحیت بھی رکھتا تھا یعنی جمیل کے افکار و آرا اقبال سے الگ تھے لیکن جمیل اقبال کے بعض تصورات کی زد میں بھی ان کے لب و لہجہ سے اثرات قبول کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی غزلوں کے بہت سے اشعار سے اقبال کا آہنگ بہت نمایاں ہے۔

ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

تار بہ ربطِ صفات، خار بسینۂ حیات
بار بدوشِ کائنات، راز تری نقاب کا

شعر کے معنوی پہلو سے صرف نظر کیجئے تو اس کا آہنگ اقبال کے لب و لہجہ کی شہادت بن جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ محض ایک شعر کی بنیاد پر لب و لہجہ کی یکسانیت کا جواز مناسب نہیں۔ میں پھر اس کی تکرار کروں گا کہ معنوی پہلوؤں کو نظر انداز کیجئے تو اقبال کا مس کو لین اندازِ غزل جمیل کے کتنے ہی اشعار میں نمایاں ہوگا۔ ایک پوری غزل دیکھی جا سکتی ہے :

تجھے حق نہیں کہ خفا ہو تو مری بے دلیِ نیاز پر
میں لٹا چکا ہوں متاعِ دل ترے عشوہ ہائے مجاز پر

بڑی ذلتوں سے ادا ہوا اسی آستانۂ ناز پر
وہ جو قرض تھا تری بندگی کا مری جبینِ نیاز پر

ہے غلط یہ نوحہ گری اگر، دلِ نوحہ گر سے خفا نہ ہو
جو پسند ہو وہی دھن بجا تجھے اختیار ہے ساز پر

میں اِدھر اُدھر جو بڑھا رہا ہوں ہوس کے دستِ دراز کو
مری زندگی کا یہ طنز ہے تری شانِ بندہ نواز پر

وہ حیاتِ عشق کی اک گھڑی کہ شبِ وصال کہیں جسے
سرِ شام ہی سے گراں ہے وہ کسی چشمِ سحر طراز پر

میں جمیلؔ اب ہم آرزو کی ہوس کروں بھی تو کس طرح
نہ وہ اعتبار ہے سوز پر، نہ وہ اختیار ہے ساز پر

❖ ❖

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آواز لہجے کے اعتبار سے دبستانِ غالب کی ہے اور کس کو انکار ہوگا کہ یہ لہجہ اقبال کا تتبع نہیں ہے۔ دراصل جمیلؔ اک مدت تک اقبال کی فکر کے گرد گھومتے رہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اقبال کے فلسفیانہ تصورات انہیں PROVOKE کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انکی کاٹ میں ان کے متضاد سمت چلنے کی کوشش کرتے رہے۔ اقبال کے تصور خودی ہی کو لے لیجئے۔ جمیلؔ اپنے بہت سے شعروں میں لفظ "خودی" سے Inspiration لیتے رہے۔ اقبال کے یہاں خودی ایک بلیغ، مربوط اور فلسفیانہ تصور تھا۔ جمیلؔ اسے لفظ کی سطح پر برتتے رہے۔ لہذا ان کے یہاں خودی کا کوئی تصور نہ بن سکا بلکہ سیال لفظ اور محض لفظ بن کے مختلف صورتوں میں ڈھلتا رہا۔ "فکر جمیل" میں "خودی" کے بہت سے اشعار ہیں۔ میں چند یہاں نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ؎

بدنام نہ کیوں ہو خمِ گردن پہ خودی کا
مارا ہے ازل سے تری سجدہ طلبی کا

کچھ بھی نہ ملا ہاتھ کو کشکول بنا کے
پر دستِ دعا کاسۂ خالی ہے خودی کا

نہ وہ احترامِ خرد رہا نہ وہ اعتبارِ دعا رہا
جو امید دل سے چلی گئی تو خودی رہی نہ خدا رہا

کھلی جو آنکھیں تو اپنی حالت یہ تھی خدا، خودی کی دنیا
وہی طبیعت تھی خار و خس کی، وہی تقاضائے رنگ و بو تھا

اللہ بچائے اس خودی سے
جو بھیس لئے ہو بے خودی کا

وہ بھی ہے دست ہوس دستِ دعا جس کو کہیں
انفعال اپنی خودی کا ہے، خدا جس کو کہیں

ہے دل میں احساسِ درد اب تک اگرچہ دیوانہ ہو گیا ہوں
جہاں خودی ہے نہ بے خودی ہے اک ایسی دنیا میں کھو گیا ہوں

دفا کو تھوڑی سی بے نیازی کم التفاتی نے تیری دے دی
اب اور کیا چاہئیے خودی کو تری محبت کی بے خودی میں

وہ بے خودی سے میسر ہو یا خودی سے ملے
جمیلؔ چاہیے اک کیفِ مستقل مجھ کو

میرے خمِ انوسع نے رکھ لی مری خودی کی لاج
اک لطیف طنز ہے ابروئے رخ شگیں پہ وہ

کہاں تک اشعار لکھتا جاؤں۔ مقصود یہ ہے کہ خودی اور بے خودی کے الفاظ تواتر سے جمیلؔ نے برتے ہیں انکی عقبی زمین میں اقبال ہر جگہ موجود ہے لیکن جمیلؔ کی ریزہ چینی انہیں سمٹنے نہیں دیتی۔ خود نہ نفی بنتی ہے نہ اثبات، ہاں ذہن کے انتشار کی عکاسی ضرور بن جاتی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ Ironical سچویشن پیدا کر دیتی ہے۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ میں جمیل سے خودی کے بارے میں اقبال کی طرح، کوئی واضح فلسفیانہ تصور چاہتا ہوں بلکہ مطلب بس یہ ہے کہ جمیلؔ کی نگاہوں سے اقبال اوجھل نہیں ہوتا بلکہ ان کی ذہنی جہل قدمی کے لئے ہرا بھرا وسیع میدان بن جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں کبھی کبھی جمیلؔ اقبال کے الٹ باتیں کہنے سے بھی پرہیز نہیں کرتے اور بالکل اقبال کے ڈکشن میں:

اقبال کا شعر ہے ؎

نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں، نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

جمیلؔ اقبال سے الگ ہو کے کہتے ہیں ؎

ہے فروغ روئے ایاز سے تب وتابِ سینۂ غزنوی
تب وتابِ سینۂ غزنوی کی لپک ہے روئے ایاز میں

اقبالؔ نے صنم آشنا دل کے نفسیاتی چور کو پکڑنے کی کوشش کی تھی ؎

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

جمیلؔ کو چہ عشق کی نماز کی وارفتگی میں گمن ہیں ؎

یہ نماز صحنِ حرم نہیں، یہ صلوٰۃ کوچۂ عشق ہے
نہ دعا کا ہوش سجود میں نہ ادب کی شرط نماز میں

یہ صورتحال وہاں بھی ابھری ہے جہاں جمیلؔ باضابطہ طور پر تشکیک کے شاعر بن کے ابھرے ہیں۔ یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ تشکیک "دبستانِ غالبؔ" کی طالب علمی سے وجود میں آئی ہے لیکن یہ تفہیم جمیلؔ کا ناقابلِ قبول مفروضہ ہے۔ غالبؔ کی تشکیک اور ایمان و آگہی میں حدِ فاصل قائم کرنی مشکل ہے کہ غالبؔ کے نزدیک زندگی اور اس کے لوازمات ہنسنے ہنسانے کے موضوعات ہیں جبکہ جمیلؔ کے یہاں تشکیک اقبالؔ کے ایمان و آگہی سے مسلسل ٹکرا رہی ہے اس طرح کہ محض اسی بنیاد پر انہیں فکری شاعروں کی صف میں رکھا جاتا ہے کہ غیر محتاط طور پر فلسفی شاعروں کے زمرے میں۔ کوئی بھی محسوس کر سکتا ہے کہ اقبالؔ کے یہاں روشنی کا استعارہ ایمان و آگہی کے لئے ہے۔ اس کے برخلاف جمیلؔ تیرگی کو جدلیاتی معنی بخش دیتے ہیں۔ کچھ اشعار نقل کرتا ہوں ؎

امڈ رہی ہیں ہر طرف گھٹائیں
اللہ رے ناز تیرگی کا

ہم لوگ ہیں تیرگی کے مارے
کھانے دو فریب روشنی کا

تیرگی حجاب تھی، روشنی حجاب تھی
زندگی حجاب تھی، جو بھی تھا حجاب تھا

ہوا میں شمعیں اگر جلائیں تو اس میں تیرا قصور کیا ہے
ہوا نے کی تیرگی سے سازش، بجا ہے خفگی تری ہوا پر

ستم ہے اے روشنی ستم ہے کہ وہ بھی اب دھوپ کی ہے زد میں
ذرا سا سایہ جو رہ گیا تھا گھنے درختوں کی تیرگی میں

اب تو دھوپ آ پہونچی جھاڑیوں کے اندر بھی
اب پناہ لینے کو تیرگی کہاں جائے

کہو نہ یہ کہ محبت ہے تیرگی سے مجھے
ڈرا دیا ہے پتنگوں نے روشنی سے مجھے

❖ ❖

روشنی کے مقابلے میں تیرگی کو ترجیح اقبالؔ کے مثبت تصور ایمان و آگہی کا رد ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جمیلؔ کے شاعرانہ جوہر نے ایک منفی صورت واقعہ کو دل پذیر اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جمیلؔ کے اس نقطۂ نظر نے شاعرانہ طور پر انہیں کمزور نہیں بنایا ہے بلکہ ان کی انفرادیت کا واضح نقش بن گیا ہے۔ چنانچہ جہاں وہ اقبالؔ کے ڈکشن سے الگ ہوئے ہیں ایک مخصوص لب و لہجہ کا امتیاز حاصل کر لیا ہے۔ اچھی شاعری کے لئے یہ بھی بہت اہم ہے کہ جانے بوجھے الفاظ میں نئے معنی پیدا کئے جائیں بلکہ مثبت لفظ سے منفی اور منفی سے مثبت معنی حاصل کئے جائیں تو اسکی دنیا بدل جاتی ہے اور زیادہ دلکش ہو جاتی ہے۔ میں نے جمیلؔ مظہری کے شعری رویّے سے ایک الگ مضمون میں تفصیلی بحث کی ہے جو میری کتاب "معنی کی تلاش" میں شامل ہے اس لئے میں یہاں اسکی تکرار نہیں کروں گا بس اس اشارے پر بس کروں گا کہ جمیلؔ نے جس طرح تیرگی کو نئے معنی دئے اس طرح جمیلؔ کے یہاں گمرہی بھی عین آگہی ہے۔

وحشت خرد ہے اور خرد وحشت
جو فائدہ ہے وہی نقصان بھی ہے

یقین اور گمان ہم معنی ہیں، شک اور ایمان میں حدِ فاصل ہے، خدا پرستی اور خواہشوں کی مستی کے درمیان لکیر نہیں کھینچی جا سکتی، شک اور ایمان ایک ہی شئے، آگہی ہوس بھی ہے اور آگہی بھی وغیرہ وغیرہ۔

(باقی صفحہ ... پر)

ہندستان بین الاقوامی تجارتی میلہ
نئی دہلی، ۱۹۸۳ء

نومبر میں نئی دہلی میں منعقدہ ہندستان بین الاقوامی تجارتی میلہ میں مغربی بنگال نے شرکت کی۔ نئی دہلی کے پرگتی میدان میں یہ میلہ منعقد ہوا تھا۔ اس میدان کے گیٹ نمبر ۲ کی مخالف سمت میں ۲۲۰۰ مربع میٹر پر مشتمل ایک مستقل قطعہ اراضی پر مغربی بنگال کا پویلین واقع تھا۔ اس پویلین کے سامنے کے حصہ کو بہت ہی شاندار طریقہ سے سجایا گیا تھا۔ ایک نمونہ پیش کیا گیا تھا جس میں ایک فولاد کے کارخانے اور شیشہ کے کارخانے کے مناظر پیش کئے گئے تھے۔ ان مناظر کو بجلی سے روشن کیا جاتا تھا اور ان سے مغربی بنگال کی صنعتوں میں محنت کش طبقہ کا اہم کردار عیاں ہو جاتا۔ اس کے علاوہ دیہی صنعتوں اور دستکاری کی مصنوعات کی بھی نمائش کی گئی۔

اس سال مغربی بنگال پویلین میں سرکاری اور غیر سرکاری صنعتی اداروں کی ۲۶ یونٹوں نے اپنی اپنی مصنوعات کی نمائش کی دست کاری، ہتھ کرگھے کے تیار کپڑے، چمڑے کی مصنوعات، چائے اور مٹھائیاں کافی فروخت ہوئیں۔

اس میلہ میں شرکت کرنے والی ۲۶ یونٹوں میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

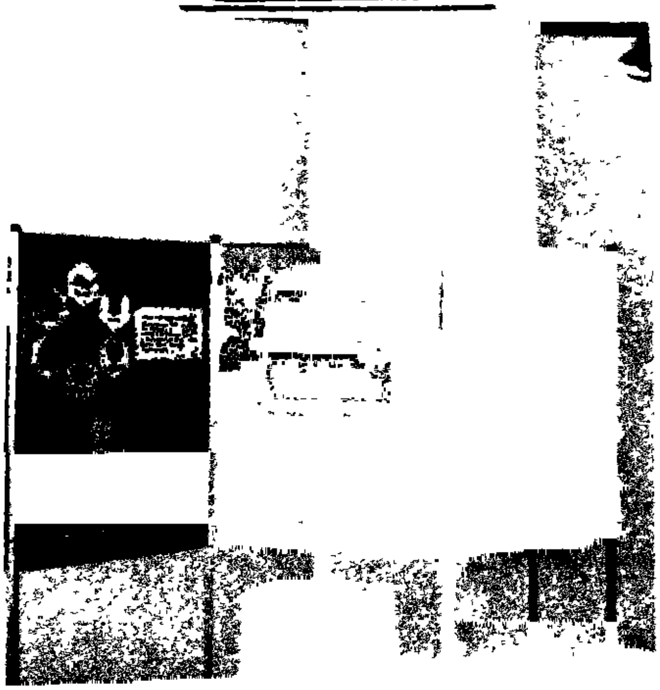
بنگال کیمیکل اینڈ فارماسیوٹیکل لمیٹیڈ، بنگال امیونٹی کمپنی لمیٹڈ، مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن لمیٹڈ، مغربی بنگال الکٹرونکس انڈسٹری ترقیاتی کارپوریشن لمیٹڈ، انڈین ہیلتھ انسٹی ٹیوٹ اینڈ لیبوریٹری لمیٹڈ، دیہی اور چھوٹی صنعت نظامت، نیو سنٹرل جوٹ مل کمپنی لمیٹڈ، مغربی بنگال ریاستی امداد باہمی بنکروں کی سوسائٹی (تانتوجا)، مغربی بنگال دستکاری ترقیاتی کارپوریشن (منجوشا)، مغربی بنگال چائے ترقیات کارپوریشن لمیٹڈ وغیرہ۔

مغربی بنگال کی دیہی اور چھوٹے پیمانے کی ۵۰ صنعتوں نے اس نمائش میں شرکت کی اور یہاں کے اسٹالوں میں الکٹرونکس اور بجلی کی جدید انجینئرنگ مصنوعات کی نمائش کی۔ ان مصنوعات سے مغربی بنگال کی الکٹرونکس کے میدان میں کامیابی اور ترقی عیاں ہو جاتی ہے۔

یہاں مختلف اسٹالوں سے ہتھ کرگھے کے کپڑے اور پوشاک، دستکاری کی اور چمڑے کی مصنوعات اور مٹھائیاں فروخت ہوئیں اور تقریباً ۹ لاکھ روپئے کا سامان فروخت کیا گیا۔ بنگال پوٹریز، جو اب ریاستی حکومت کے زیر انتظام ہے، کے کاؤنٹر پر کافی بھیڑ ہوئی اور لوگوں نے یہاں سے بون چائینا کے چائے سیٹ اور ڈنر سٹ خریدے۔

مغربی بنگال پویلین میں شرکت کرنے والے مختلف کاروباری اداروں نے کئی لاکھ روپے کا تجارتی معاہدہ کیا۔ یہاں نمائش میں پیش کردہ پاٹ کی مصنوعات، پیالی برتن، انجینئرنگ کے سامان، دستکاریوں کی مصنوعات اور چمڑے کی چیزوں میں تجارتی وفد نے کافی دلچسپی کا اظہار کیا۔

یہ میلہ ۱۴ نومبر سے شروع ہوا اور دو ہفتے تک جاری رہا۔



سرورق پر۔ نئی دہلی میں منعقدہ ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ میں مغربی بنگال کا پویلین

مغربی بنگال میں چھوٹی صنعتوں کی نمایاں کارگذاریاں

حکومت مغربی بنگال کی دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کا شعبہ گزشتہ چھ برسوں سے مغربی بنگال میں بڑی اور متوسط درجے کی صنعتوں سے شدید مسابقت کے درمیان، نئی یونٹیں قائم کرنے، مزید روزگار کے مواقع فراہم کرنے اور خاص طور پر دیہی اور چھوٹی صنعتوں میں موجودہ روزگار کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔

اس شعبہ نے دیہی اور چھوٹی صنعتوں کی گوناگوں ترقی کیلئے بہت ساری اہم اسکیموں کو روبہ عمل لایا۔ ان میں سے چند اسکیمیں درج ذیل ہیں:

(۱) چھوٹی صنعتوں، چمڑے کی صنعتوں اور دستکاری میں ریاستی صنعتی اداروں کے ساتھ چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی شمولیت (۲) حاشیائی سرمایہ کاری کی گنجائش (۳) چھری، چاقو کی صنعتیں، لکڑی صنعتیں، چھوٹی انجینیرنگ صنعتیں، کھیل کود کے سامان تیار کرنے والی صنعتیں، چھوٹے پیمانہ کی مختلف صنعتوں کی نظامت کی ترقی، رسہ سازی کی صنعتیں، قالین سازی کی صنعتیں لاکھ اور شہد کی مکھیوں کی پرورش، چمڑہ کی خوش رنگ مصنوعات، سنگ اور لکڑی کی کندہ کاری، ادبی لباس کی تیاری وغیرہ صنعتوں میں تربیت دینے کی سہولتوں کی گنجائش (۴) خاص طور پر درگا پور، آسنسول اور ہلدیہ کے علاقوں میں معاون صنعتوں کی ترقی کے پروگرام (۵) اضلاع مرشدآباد، مدناپور، مغربی دیناجپور اور مالدہ میں چمڑے کی صنعتوں میں عام امدادی مراکز کا قیام (۶) نئی یونٹیں قائم کرنے کے لئے بڑھاوا دینے کی گنجائش (۷) دستکاری اور کھادی کی مصنوعات کی فروخت پر چھوٹ کی سہولتیں (۸) لاکھ کی پرورش کرنے والوں کو لاکھ کیڑے کی سپلائی، اور (۹) پنچایت سمیتیوں کی مدد تاکہ وہ مضافاتی بازار قائم کرسکیں اور ان کا انتظام کرسکیں۔

ڈاکٹر بھبتوش دت کمیٹی کی سفارشات کے مطابق، ریاستی حکومت نے احکامات جاری کردئے جن کے تحت حکومت کے شعبے / دفاتر صرف چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کی مصنوعات کو براہ راست خریدیں گے، نیز ڈبلو۔ بی۔ ایس۔ آئی۔ سی، ڈبلو۔ بی۔ ایس، ایل۔ آئی۔ ڈی۔ سی، ڈبلو۔ بی۔ کے اور دی۔ آئی بورڈ، ڈبلو۔ بی۔ ایچ اور بی ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور ریاستی مرکزی بشمول امداد باہمی سوسائٹی کی ایجنسیوں کی معرفت دیگر مصنوعات خریدی جائیں گی۔ دیگر مصنوعات کی بابت ریاستی حکومت نے اس پالیسی کو اپنایا ہے کہ بڑی اور درمیانی درجہ کی یونٹوں کی مصنوعات کے لئے جو قیمتیں دی جاتی ہیں، اگر وہی مصنوعات چھوٹے پیمانہ کی یونٹوں سے خریدی جائیں تو چھوٹی یونٹوں کو ۱۵ فیصد زیادہ رقم بطور قیمت فروخت دی جائے۔

خام اشیاء کی فراہمی کے سلسلے میں چند سال پیشتر جو صورتحال تھی اب اس میں کافی بہتری ہوئی ہے۔ کمیاب خام اشیاء جیسے لوہا، اسپات، موم وغیرہ اب آسانی سے دستیاب ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ریزرو بینک آف انڈیا نے قرض کی فراہمی کے سلسلے میں جو پابندی عائد کی تھی اب اس میں کچھ نرمی پیدا کی گئی ہے اور ان دونوں باتوں کی وجہ سے مغربی بنگال میں اب مقابلتاً ایک موافق صنعتی صورتحال پیدا ہوگئی ہے۔

ترقیاتی ایجنسیوں اور مالیاتی اداروں کے، دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے شعبہ کی کوششوں کے ساتھ ساتھ، معاون امداد کے نتیجے میں اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ۸۲-۸۳ء میں چھوٹے پیمانہ کی صنعت کی ۷۵۰۰ یونٹیں قائم کی جائیں گی۔ مزید اور مکمل روزگار کے مسئلہ پر بھی غائر غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ چھوٹے پیمانہ کی یونٹوں کی تیار کردہ مصنوعات کو بازار میں فروخت کرنے کی سہولتیں فراہم کرنے کے پیش نظر مختلف بلاکوں میں دیہی بازاروں میں مصنوعات کی فروخت کے لئے کاؤنٹر کھولے گئے ہیں۔ ایسے کاؤنٹروں سے چھوٹی صنعتوں کو اور مقامی کاریگروں کو اپنی مصنوعات براہ راست فروخت کرنے کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کا شعبہ

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ



مغربی بنگال کی مجلسِ وزارت، ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ، وزیر صنعت و حرفت، صنعتی نو تعمیر اور عوامی ادارے، کی اچانک موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے ـــــ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ڈاکٹر بھٹاچاریہ مجاہد آزادی تھے۔ آپ نے آزادی کی جدوجہد میں عملی طور پر شرکت کی تھی۔ آپ نیتاجی سبھاش چندر بوس کے مخلص پیرو تھے۔ آپ نے بائیں اور فارورڈ بلاک کے ایک ماہر سربراہ ہونے کی حیثیت سے آزادی کے بعد عوام کی فلاح و بہبود کے سلسلے میں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے انتھک محنت اور مسلسل کوششیں کیں۔ آپ کیمسٹری کے ایک مشہور سائنسداں تھے۔ ڈاکٹر بھٹاچاریہ کو لوگ عوامی مسائل کی بابت انکی گہری بصارت اور ٹھوس نظریے کیلئے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

ایک تجربہ کار ٹریڈ یونین لیڈر اور بعد میں ایک قانون ساز اور وزیر ہونے کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ محنت کش طبقہ کی معاشی حالت میں بہتری لانے کیلئے کوششیں کیں۔ اس ریاست کی صنعتی فضا میں نئی روح پھونکنے کی انکی کوششوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائیگا اور اس میدان میں انکی غیر حاضری کو شدت سے محسوس کیا جائیگا۔

مغربی بنگال کی مجلسِ وزارت آنجہانی ڈاکٹر بھٹاچاریہ کے سوگوار بیٹوں اور خاندان کے دیگر افراد سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے +

(حکومت مغربی بنگال کی کابینہ کی تعزیت)

ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ، وزیر صنعت و حرفت، حکومت مغربی بنگال، ۱۷ دسمبر ۱۹۸۳ء کو شام کے وقت اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔ ان پر دل کا دورہ پڑا تھا۔

جمعرات کے دن یعنی ۱۵ دسمبر ۱۹۸۳ء کو جب وہ رائٹرس بلڈنگ میں اپنے کمرے میں کام میں مشغول تھے کہ یکایک انکی طبیعت ناساز ہو گئی۔ سینہ میں درد ہونے لگا۔ انہیں فوراً ان کے گھر پہونچا دیا گیا اور وہاں ڈاکٹر انکی دیکھ بھال کرتے رہے ـــ ان کے ڈاکٹروں کے مطابق ڈاکٹر بھٹاچاریہ بہت سارے امراض میں مبتلا تھے۔ علاج و معالجہ سے انکی حالت میں کچھ بہتری ہوئی، لیکن ان کے رشتہ داروں کے بیان کے مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۸۳ء کی شام کے چھ بجکر ۴۰ منٹ پر وہ یکایک بے ہوش ہو گئے اور اس کے چند منٹوں کے بعد ہی انکی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

انکی موت کی خبر پاتے ہی فارورڈ بلاک کے سربراہ جیسے شری اشوک سین، شری امر پرشاد چکرورتی اور شری نالنی گوہا اور دیگر پارٹیوں کے سربراہ اور کارکنندگان، ڈاکٹر بھٹاچاریہ

کو آخری خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ان کے گھر پہونچ گئے۔

۸ ار دسمبر ۱۹۸۲ء کی صبح کو نو ۹ بجے ڈاکٹر بھٹاچاریہ کے جسدِ خاکی کو پھولوں سے سجا کر ایک لاری کے ذریعہ سنترا گاچھی ہوڑہ سے کلکتہ لایا گیا۔ انکی ارتھی کو پہلے بو بازار میں فارورڈ بلاک کے دفتر میں لایا گیا۔ اس کے بعد ارتھی کو اسمبلی ہاؤس کے باہر اور وہاں سے رائٹرس بلڈنگس کے باہر لے جایا گیا۔ پھر یہاں سے ہوڑہ میونسپلٹی کے دفتر میں لایا گیا اور اس کے بعد بانس تلہ گھاٹ لے جایا گیا جہاں ان کے جسدِ خاکی کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔

بو بازار میں فارورڈ بلاک کے دفتر میں بائیں محاذ کے چیرمین شری سروج مکھرجی، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، مغربی بنگال کی کابینہ کے دیگر اراکین، مغربی بنگال کے سابق وزیر اعلیٰ شری ایس۔ ایس۔ رائے اور مرکزی وزیر مالیات شری پرنوب مکھرجی اور دیگر افراد نے ڈاکٹر بھٹاچاریہ کی ارتھی پر پھولوں کے ہار چڑھائے پھر اسمبلی ہاؤس کے سامنے اسپیکر جناب ہاشم عبدالحلیم نے اور ڈپٹی اسپیکر جناب کلیم الدین شمس اور کانگریس (آئی) کے سبرتو مکھرجی نے پھولوں کے ہار چڑھائے۔

اتوار کی صبح یعنی ۱۹ ار دسمبر ۱۹۸۲ء کو مغربی بنگال کے گورنر شری اے۔ پی۔ شرما آنجہانی بھٹاچاریہ کے گھر گئے اور وہاں انہوں نے آنجہانی کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور انکے پسماندگان، سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

بائیں محاذ کمیٹی کے چیرمین شری سروج مکھرجی نے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر بھٹاچاریہ کی اچانک موت پر اپنے دلی غم کا اظہار کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ڈاکٹر بھٹاچاریہ بہت ہی پرانے اور عظیم انقلابی تھے۔ انکی خدمتِ خلق کی وجہ سے سبھی انہیں عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انکی موت کی وجہ سے سیاست کو عظیم نقصان پہونچا ہے۔ شری مکھرجی نے آنجہانی کے پسماندگان اور فارورڈ بلاک کے کارکنندگان سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۱۷ ار دسمبر کو مالدہ میں تھے لیکن ڈاکٹر بھٹاچاریہ کی اچانک موت کی خبر پاتے ہی وہ کلکتہ لوٹ آئے۔ انہوں نے اپنے ایک تعزیتی پیغام میں کہا کہ "میرے ساتھی اور ہماری ریاست کے ایک ممتاز سیاسی رہنما ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ کی اچانک موت سے مجھے دلی صدمہ پہونچا۔ کنائی بابو ہماری عوامی زندگی میں چار دہائی سے بھی زیادہ عرصہ تک رہے اور ہمیشہ غریب اور پسماندہ لوگوں کے کاز کو آگے بڑھانے کیلئے حتی الامکان کوششیں کیں۔ ایک مجاہد آزادی ایک ٹریڈ یونینسٹ اور بعد میں مغربی بنگال کے ایک وزیر ہونے کی حیثیت سے انہوں نے عوام کا دل موہ لیا اور سبھوں نے انکی تعریف کی۔ انہوں نے تعلیم کے میدان میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا۔ کنائی بابو نے مغربی بنگال کی بائیں اور جمہوری طاقتوں کو مستحکم بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انکی موت سے ہماری ریاست ایک اہل اور باکمال سیاسی رہنما سے محروم ہو گئی۔ میں آنجہانی کے پس ماندگان اور ان کے سیاسی ساتھیوں سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔"

آنجہانی بھٹاچارجی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے، فارورڈ بلاک کے اہم رہنما شری اشوک گھوش نے کہا کہ "میں ڈاکٹر بھٹاچاریہ کے ساتھ گزشتہ چالیس برسوں سے کام کر رہا ہوں۔ آنجہانی بالکل سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے اور تمام طبقے کے لوگ ان سے آسانی سے ملاقات کر سکتے تھے۔ وہ پارلیمانی ہنر کے بہت ماہر تھے اور بہت ہی قابل وزیر تھے۔ جس طریقہ سے انہوں نے اپنے شعبہ کے نظم و نسق کا انتظام کیا اسے سبھوں نے سراہا۔ انکی اچانک موت سے پارٹی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہونچا۔"

آنجہانی ڈاکٹر بھٹاچاریہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے شری سرگوہا نے کہا کہ آنجہانی نیتاجی کے بہت ہی اچھے پیروکار تھے۔

شری رام چٹرجی، وزیر ریاست برائے شہری دفاع نے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے ڈاکٹر بھٹاچاریہ کی موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ آنجہانی نے مزدور و محنت کش طبقہ کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی ساری زندگی گذار دی۔

سی پی آئی کی ریاستی کونسل کے سکریٹری شری بشوناتھ مکھرجی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ محب وطن اور جمہوریت پسند سربراہ آنجہانی ڈاکٹر بھٹاچاریہ کی موت سے مغربی بنگال میں بائیں تحریک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہونچا۔

بھارت چیمبر آف کامرس کے صدر شری این۔ کے۔ راج گھاٹیہ نے ڈاکٹر بھٹاچاریہ کی اچانک موت پر دلی رنج کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شری بھٹاچاریہ سادگی اور انکساری کے نمونہ تھے۔ انہوں نے

مزید کہا کہ شری بھٹاچاریہ نے ہمیشہ صنعت اور تجارت کی بہتری اور ترقی کے کام میں مدد دی اور مغربی بنگال کی معاشی احیائے نو کے لئے پرخلوص کوششیں کیں۔

آنجہانی ڈاکٹر بھٹاچاریہ کے سوگ میں ایک سرکاری اعلانیہ کے مطابق سوموار ۱۹ دسمبر ۱۹۸۳ء کو کلکتہ کے رجسٹرار آف انشورنس اور اشاپ یونیورسٹی کلکتہ کے دفاتر کے علاوہ حکومت مغربی بنگال کے دیگر دفاتر اور اسکول و کالج بند رہے اور ریاستی سرکاری عمارتوں پر اتوار اور سوموار کو یعنی ۱۸ اور ۱۹ دسمبر کو قومی پرچم سرنگوں رہا۔ ۲۰ دسمبر کو حکومت مغربی بنگال کی کابینہ نے اپنی ایک نشست میں ڈاکٹر بھٹاچاریہ کی موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا اور ایک تعزیت نامہ درج ریکارڈ کیا۔

ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ ـــ مختصر سوانح حیات:

ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ ۱۹۱۹ء میں سنترا گاچھی ہوڑہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کلکتہ سے کیمسٹری میں ایم۔ ایس سی کی ڈگری اور ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔ اپنے طالب علمی کے زمانے ہی میں وہ فارورڈ بلاک سے وابستہ ہوگئے کیونکہ وہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کے تصورات سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ انہوں نے طالب علمی کے زمانے سے ہی سیاسی اور آزادی کی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

ڈاکٹر بھٹاچاریہ نے مختصر عرصے کے لئے ایک کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا لیکن ۱۹۴۲ء میں "ہندستان چھوڑو تحریک" کے دوران انہیں روپوش ہونا پڑا۔ بعد میں انہیں بمبئی میں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ بمبئی میں ایک کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے گئے تھے۔ گرفتار کرنے کے بعد انہیں پہلے ناسک جیل میں رکھا گیا اس کے بعد انہیں دمدم جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں انہیں رہا کر دیا گیا۔

ڈاکٹر بھٹاچاریہ، فارورڈ بلاک کے پورے وقت کے کارکن تھے۔ بعد میں وہ پارٹی کی مرکزی سکریٹریٹ کے اور مغربی بنگال ریاستی کمیٹی کے ممبر بن گئے۔ ایک تجربہ کار ٹریڈ یونین سربراہ ہونے کے ناطے وہ مغربی بنگال میں سوتی کپڑے کی صنعت میں ٹریڈ یونین تحریک سے وابستہ تھے اور اپنی پارٹی کے ٹریڈ یونین کے صدر بھی تھے۔

۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر بھٹاچاریہ ہوڑہ میں سنکرائیل حلقہ انتخاب سے مغربی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں پھر اسی حلقہ انتخاب سے وہ انتخاب میں کامیاب ہوئے اس کے بعد متعدد بار وہ اسمبلی میں شیب پور حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے۔

ڈاکٹر بھٹاچاریہ ہوڑہ میونسپلٹی کے چیئرمین رہ چکے تھے۔

آزادی کے بعد سے انہوں نے بہت ساری جمہوری تحریکوں میں بشمول غذائی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا اور کئی بار خود کو گرفتار بھی کرایا۔

۱۹۶۹ء کی دوسری متحدہ محاذ حکومت میں ڈاکٹر بھٹاچاریہ زراعت اور اجتماعی ترقیات شعبوں کے وزیر تھے۔ اس کے بعد پہلی اور دوسری بائیں محاذ حکومتوں میں وہ کاروبار و صنعت شعبہ کے وزیر تھے۔ ایک وزیر ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اس ریاست کی جلد از جلد صنعت کاری کے کام کے لئے جی توڑ محنت کی اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے مغربی بنگال میں ہلدیہ پٹرو۔ کیمیکل کومپلکس پروجیکٹ اور الکٹرونکس پروجیکٹ کی تکمیل کے کام میں گہری دلچسپی لی۔

پسماندگان میں ان کا صرف دو بیٹے ہیں۔ انکی بیوی کا انتقال پہلے ہی ہو چکا ہے۔

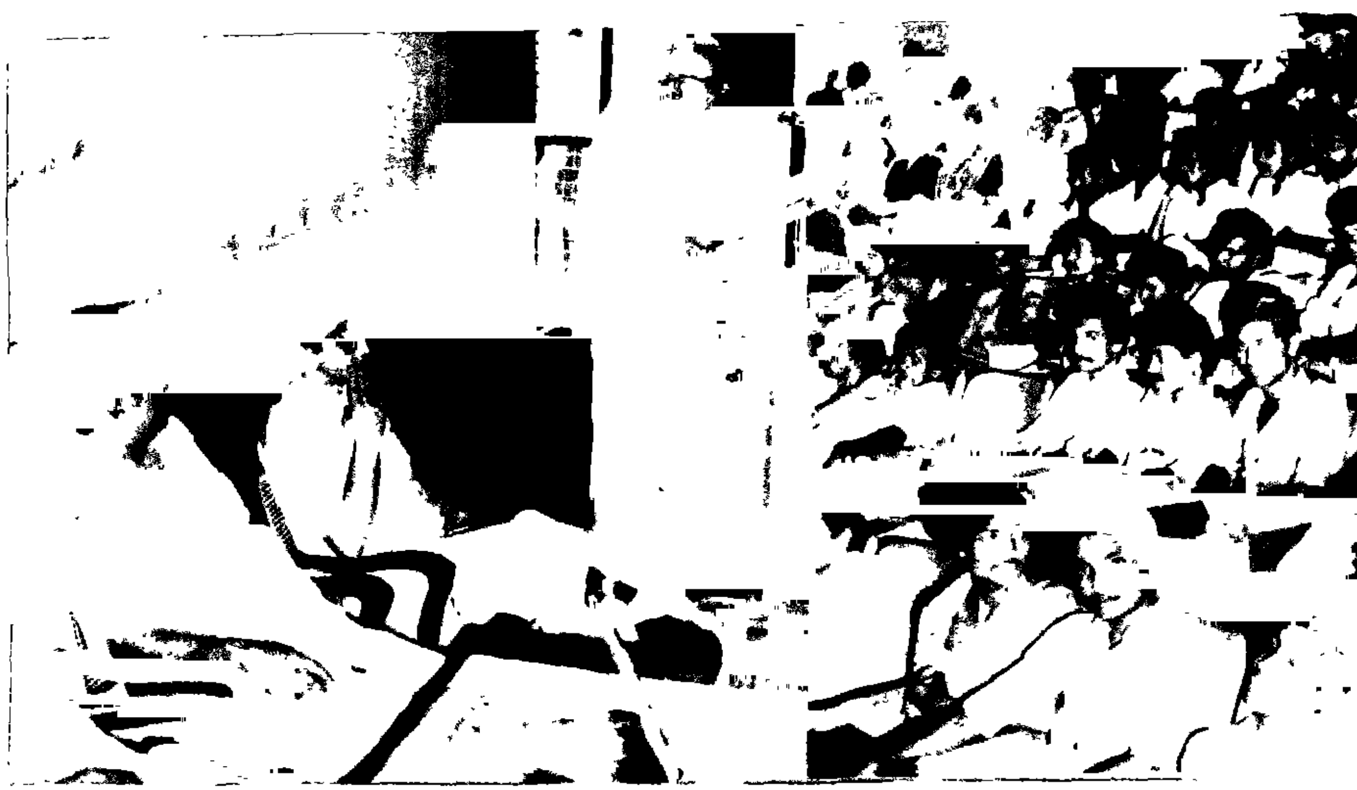
(بقیہ صفحہ ۔۔ کا)

ہی گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ مختلف بلاکوں میں دیہی بازاروں میں کاؤنٹر کھولے جا رہے ہیں اور پنچایت سمیتیاں ضلع صنعت مراکز کے تعاون کے ساتھ ایسے کاؤنٹروں کا انتظام کرتی ہیں۔ ایسے کاؤنٹروں سے چھوٹی صنعتوں کی مقامی یونٹیں اور کاریگر اپنی مصنوعات براہ راست فروخت کرتے ہیں۔

<u>الکٹرونکس صنعت کی ترقی کیلئے اقدامات</u> : دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کا شعبہ چھوٹے پیمانہ کے صنعتی سیکٹر میں الکٹرونکس صنعت کو فروغ دینے کے پروگرام پر خصوصی زور دے رہا ہے۔ ایسی صنعتوں میں ٹیپ ریکارڈر، انورٹر، ریڈیو سیٹ، وولٹیج اسٹبلائزر، آڈیو اور ویڈیو کیسیٹ، ٹرانسفارمر، مائیکرو پروسیسر وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں۔ (باقی آئندہ)



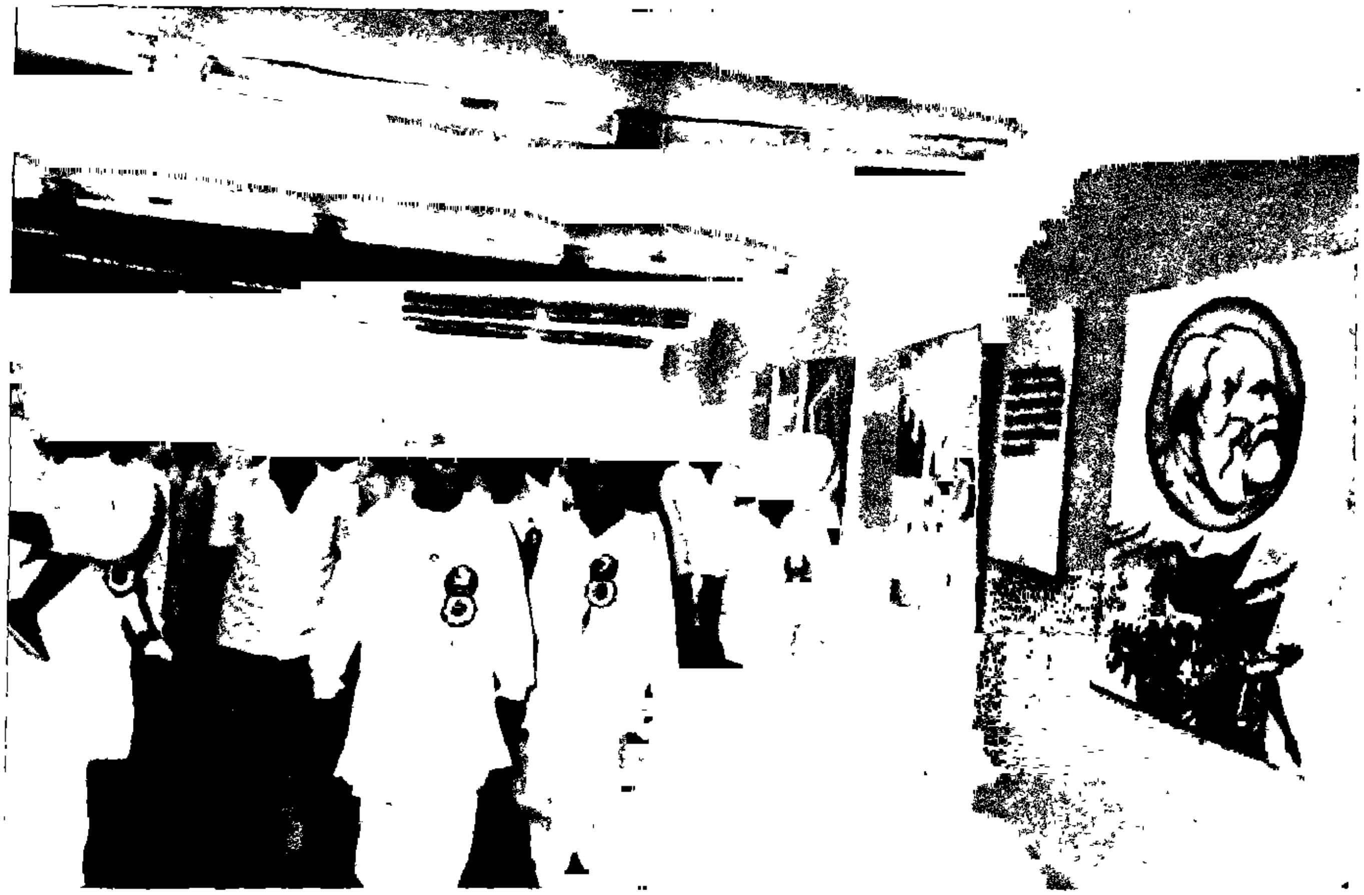
مغربی بنگال میں
بائیں محاذ کے چھ سال
پورے ہونے کے موقع پر روبجے
وانڈھیبن منعقدہ تقریب میں
مغربی بنگال کے وزیر برائے
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور
شری پربھاش پھدیکار،
اندھرا پردیش کی وزیر سماجی
رفاہ شریمتی کے پرتیبھا
بھارتی اور مغربی بنگال کے
وزیر خدمات نوجوان و
اسپورٹس شری سبھاش
چکرورتی ایک نمائش
سگلہ میں :



شری ای کے نایانار تری وندرم میں قومی یک جہتی پر ایک منعقدہ سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے۔ تصویر میں شری پربھندر کرشنا بھٹاچاریہ ڈائریکٹر شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال ڈائس پر دیکھے جا سکتے ہیں

MAGHREBI BANGAL
1 January 1984

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 31 No. 1
PRICE 12 Paise



شری [illegible] اعلیٰ مغربی بنگال رابندرا سدن کے مقابل میدان میں کارل مارکس کی صدسالہ برسی کے موقع پر منعقدہ ایک تقریب کی نمائش گاہ میں

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya. Editor: Dhirendra Dutta. Associate M D. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt of West Bengal and printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۳۱ ــــ ۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۸۴ء ــــ شمارہ نمبر ۲

شرح خریداری

سالانہ : تین روپئے
اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۲۵ پیسے



بچہ آرٹسٹ شری توشار متولی اپنے ہاتھوں سے بنائی کارل مارکس کی تصویر، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو بطور تحفہ پیش کرتے ہوئے۔

غزل

طلوعِ صبح ہے نظریں اٹھا کے دیکھ ذرا
شکستِ ظلمتِ شب مسکرا کے دیکھ ذرا

غمِ بہار و غمِ یار ہی نہیں سب کچھ
غمِ جہاں سے بھی دل کو لگا کے دیکھ ذرا

بہار کون سی سوغات لے کے آئی ہے
ہمارے زخمِ تمنا کو آ کے دیکھ ذرا

ہر ایک سمت سے اک آفتاب ابھرے گا
چراغِ دیر و حرم تو بجھا کے دیکھ ذرا

وجودِ عشق کی تاریخ کا پتہ تو چلے
ورق الٹ کے تو ارض و سما کے دیکھ ذرا

ملے تو تو ہی ملے اور کچھ قبول نہیں
جہاں میں حوصلے اہلِ وفا کے دیکھ ذرا

تری نظر سے ہے رشتہ مرے گریباں کا
کدھر ہے میری طرف مسکرا کے دیکھ ذرا

جاں نثار اختر

نیا بین الاقوامی معاشی نظام

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۲۳ دسمبر ۸۲ء کو کلکتہ میں ایسوسی ایٹیڈ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے زیر اہتمام منعقدہ "نئے بین الاقوامی معاشی نظام کی طرف" سمپوزیم میں تقریر کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں نئے معاشی نظام کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ وزیر اعلیٰ کی تقریر کا متن درج ذیل ہے:

اس سمپوزیم کو "ایک نئے بین الاقوامی معاشی نظام کی طرف" کے موضوع پر ایسوسی ایٹیڈ چیمبرس کے زیر اہتمام اس مذاکرہ میں شرکت کرنے سے مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ یہ تو صرف تبادلۂ خیالات کے ذریعہ ہی ان مسائل کی بابت جن سے عوام دوچار ہیں، بیداری کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ ایسے مذاکرات اور بحث و مباحثے سے ہم اپنے خیالات کو مناسب طور پر ایک سانچہ میں ڈھال سکتے ہیں اور اس نقطۂ نظر سے ان سب خیالات اور خیالات پر مبنی اقدامات کے فروغ میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہ بڑی اچھی بات ہے کہ آپ لوگوں نے نئے بین الاقوامی معاشی نظام پر گفت و شنید کرنے کے لئے موضوع کا انتخاب کیا۔ اس نظام کے تصور کے مفہوم سے اب تقریباً سبھی لوگ واقف ہیں۔ سنہ ۱۹۶۰ء سے انجمن اقوام متحدہ، جو تقریباً ۱۵۰ قومی حکومتوں کے نمائندوں کا اجتماع ہے، ترقی پذیر ملکوں میں افزائش کی نسبتاً کم شرح اور امیر و غریب قوموں میں آمدنی کی سطح میں بڑھتے ہوئے فرق کے سلسلے میں کافی پریشان ہے۔ اس لئے اس بین الاقوامی ادارہ نے ساتویں دہائی کے عرصہ کو ترقی کی دہائی کا عرصہ قرار دیا۔ ایک نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے سلسلہ میں تجاویز توان کاوشہائے پیہم کے نتائج ہیں، جو اس وقت سے جاری ہیں۔

میرے خیال میں نیا بین الاقوامی معاشی نظام تو ایک تصور ہے جو نسبتاً چند چھوٹی چھوٹی چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اوّل یہ کہ امیر و غریب ملکوں کے درمیان آمدنی اور آمدنی کی شرحوں میں جو فرق ہے اسے کم سے کم کر دینا چاہیئے۔ اس مقصد کی برآوری کے لئے امیر ملکوں کو اس بات پر آمادہ کرنا پڑے گا کہ وہ ہر سال اپنی قومی پیداوار کی ایک چھوٹی سی کسر کو الگ کر لے اور اسے غریب ملکوں کے درمیان عطیات یا قرض کے طور پر تقسیم کر دے۔ دوسری بات یہ کہ امیر ملکوں کو اپنی غیر ملکی تجارت کے مسائل کے سلسلہ میں کشادہ دل ہونا چاہیئے اور غریب ملکوں کی پیش کردہ مصنوعات کی فروخت کے سلسلہ میں انہیں "تجارتی تحفظ" کی پالیسیوں کو اپنانے میں ذرا نرمی برتنی چاہیئے۔ تیسری بات یہ کہ غریب ملکوں کو سرمایہ اور ٹکنالوجی برآمد کرتے وقت امیر قوموں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ ڈسپلن کے چند اصولوں کی خلاف ورزی نہ کریں۔ چوتھی بات یہ کہ بین الاقوامی سطح پر اس طرح کے انتظامات کئے جانے چاہئیں کہ ضروریاتِ زندگی کی چیزوں، جنہیں غریب قومیں تیار کرتی ہیں، کی قیمتیں اچھی اور مناسب سطحوں پر مستحکم ہو جائیں اور اس طرح اس بات کا خیال رکھا جائے کہ تجارت کے بین الاقوامی مسائل میں ناموافق تبدیلی سے مذکورہ ممالک بری طرح متاثر نہ ہوں۔

مذکورہ بالا چار مقاصد کے ساتھ ساتھ ایک اور بھی مقصد ہے۔ ہم اس بات سے قطع نظر نہیں کر سکتے کہ ترقی پذیر ملکوں کو اپنی تجارتی اور ترقیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے اکثر زرِ مبادلہ کی ادائیگی کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لمبے عرصہ کے سرمایہ۔ فنڈ، جو غریب ملکوں، کو عطیات یا امداد کی دیگر شکلوں میں، امیر ممالک دے سکتے ہیں، کے علاوہ غریب ممالک کو کافی مقدار میں وسائل کی مسلسل ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ ایسے وسائل سے وہ اپنے خارجی اکاؤنٹس کے مختصر عرصے کے مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ نئے بین الاقوامی

معاشی نظام (این آئی ای سی) کے نئے پکار سے یہ مضمر ہے کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کو از سر نو طور پر یہ حکم دینا چاہئے کہ اس چیلنج کا مقابلہ کیا جائے۔

جیسا کہ آپ سب یہ جانتے ہیں کہ انجمن اقوام متحدہ نے نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے مقاصد کی بابت بیداری اجاگر کرنے کے لئے مختلف سطحوں پر کانفرنس اور ورک شاپس کے انتظامات کرنے میں سربراہی کی۔ ایسا نظام جو تمام اقوام کے بین الاقوامی استحصال سے آزاد ہوگا، باہمی خیر سگالی کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوگا اور اس طرح عالمی امن کے کاز کو مزید مستحکم بنائے گا۔ مغربی ممالک میں بھی نیک ارادے کے بہت سارے افراد ہیں جنہوں نے نئے بین الاقوامی معاشی نظام کی آمد میں تیزی لانے کے کام میں خود کو محو کر دیا۔ مجھے مثال کے طور پر کلب آف روم میں پیرسن کمیشن کی اور حالیہ برانڈٹ کمیشن کی باتیں یاد آتی ہیں۔ لیکن از راہ مہربانی مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دیجئے کہ کیا ان لامتناہی بحث و مباحثے سے ٹھوس نتائج برآمد ہوئے ہیں؟ - جواب نفی میں ہے۔ اور اسکی وجہ کیا ہے اس کے لئے ہمیں زیادہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے تصور کی بابت زیادہ تر گفت و شنید مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے دائرہ عمل کے اندر ہوتی۔ یہ تصور کر لیا گیا کہ ایسے ممالک ایسے نظام کی سرپرستی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ کہ ان ملکوں میں ایسا کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس سلسلے میں میرے خیالات اس سہ پہر کو یہاں بیٹھے ہوئے بہت سارے لوگوں کے خیالات سے مختلف ہوں گے۔ مغربی سرمایہ داری تو بذات خود ایک بیمار جانور ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے اسے بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ اس موقع پر مجھے سن ۱۹۳۰ء کا معاشی بحران یاد آتا ہے۔ جون مے نارڈ کینس کے معاشی اصولوں کے اطلاق سے اور بعد میں دوسری عالمی جنگ چھڑ جانے سے اسکی اندرونی تضادات کو کچھ عرصہ تک ڈھانک کر رکھا گیا۔ کم و بیش گزشتہ بیس برسوں سے مغربی سرمایہ داری کو معاشی مالیاتی بحران سے دوچار ہونا پڑا۔ اس بحران کے چیلنج کا اس کے پاس واحد جواب یہ ہے کہ اسلحہ سازی میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کی جائے اور اس طرح تباہ کن تھرمو نیوکلیئر جنگ کو ناگزیر بنا دیا جائے۔ ایک اندرونی طبقاتی ڈھانچہ جسے صرف آبادی کی اکثریت کو ان کی جائز مانگوں سے محروم رکھ کر برقرار رکھا جا سکتا ہے، دیر یا سویر میں مانگ کی کمی کے تضاد میں پھنس گیا، اور اب بہت سارے سرمایہ دارانہ ملکوں میں یہ منظر نمودار ہو رہا ہے۔ ایک روبہ زوال سرمایہ دارانہ نظام، جو خود اپنے مسائل سے دوچار ہے، غریب ملکوں کی شاید ہی مدد کر سکے۔ وہ تمام افراد جو اپنی ثقافت کے دائرہ عمل میں مساوات کے حامی نہیں ہیں وہ بین الاقوامی نظام میں مساوات کو برداشت نہیں کر سکیں گے

این۔ آئی۔ ای۔ او کو سہارا دینے کے کام میں مغربی سرمایہ دارانہ ممالک میں ارادہ کی مکمل کمی ہے اور یہ بات اس حقیقت سے عیاں ہو جاتی ہے کہ پیرسن اور برانڈٹ کمیشن کی، ترقیاتی امداد کے لئے مختص کردہ معمولی نشانے کو بھی سرمایہ دارانہ ملکوں کی اکثریت پورا کرنے سے بار بار کتراتی رہتی ہے۔ بین الاقوامی ترقیاتی ایسوسی ایشن کیلئے فنڈ کو دوبارہ پُر کرنے کے سلسلہ میں بھی یہی بات دیکھی جاتی ہے۔ جب امیر ممالک کو اس بات کا یقین دلایا جاتا ہے کہ جو فنڈ غریب ملکوں کو دئے جائیں گے ان سے وہ پرانے آلات و ہتھیار خریدیں گے، تبھی وہ بیرونی امداد کے سلسلے میں کچھ جوش و خروش دکھاتے ہیں ورنہ وہ ناخوش مسافر بن جاتے ہیں۔

جب بھی مالیاتی اداروں کی نو تنظیم کا سوال پیدا ہوتا ہے، تو یہی کہانی دہرائی جاتی ہے۔ اس وقت تک بین الاقوامی معاشی نظام قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اہم اہم بین الاقوامی مالیاتی ادارے، عالمی بنک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی از سر نو تنظیم نہ کی جائے اور ترقی پذیر ممالک ان اداروں کے کام کاج میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینا شروع نہ کر دیں۔ مغربی سرمایہ دارانہ ممالک نے، کبھی کبھی اشارہ کنایہ کے علاوہ اس معاملے کو آگے بڑھانے کے لئے کسی قسم کے رجحانات کا اظہار نہیں کیا۔ یہ تو دولت ہے جو بات کرتی ہے اور یہ سرمایہ دارانہ حکومتیں بین الاقوامی دولت پر اپنے اختیارات سے حاشیائی طور پر دست بردار ہونے پر رضامند نہیں ہیں۔ ان ملکوں کے عام رویئے کی ایک موثر تفسیر یہ ہے کہ عالمی بنک، جسے عالم وجود میں آئے تقریباً چالیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے کا ہمیشہ صدر ایک امریکی شہری رہا اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کا، مغربی یورپ کے ممالک کا ایک شہری رہا۔

ان ممالک نے تجارت اور ترقیات پر اقوام متحدہ [illegible] [illegible] ابتدا مخصد کریں۔

تجویز کردہ اجناس کی قیمتوں کے استحکام کے لئے عام فنڈ کے [illegible] کی جتنی شدت سے مخالفت کی تھی، اس سے ان کے الگ تھلگ رہنے کے رجحان کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ جیسے اور جامعہ کے سلسلے میں بہت اصرار کرتے ہیں تاکہ ترقی پذیر ملکوں سے درآمدات کی ہمت افزائی نہ ہو اور اس طرح یہاں بھی پرانی کہانی دہرائی جاتی ہے۔ نئی دہلی میں گزشتہ سال ناوابستہ ملکوں کی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں موجودہ عالمی مالیاتی اداروں کے ڈھانچوں اور کارکردگی کا از سر نو جائزہ لینے کے لئے ایک تجویز پیش کی گئی تھی۔ آج کے اس مذاکرہ میں موجود اصحاب اس بات سے ناواقف نہیں ہوں گے کہ کس طرح مغربی سرمایہ دارانہ ملکوں نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔

اس بات سے مجھے اکثر حیرت ہوتی ہے کہ کیا ترقی پذیر ممالک اپنی توانائی اور وقت کو بہتر طور پر استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ایک نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے قیام کی کوشش میں سوشلسٹ ملکوں سے قریبی تعلقات پیدا کریں اور بات چیت کریں۔ گرچہ سوشلسٹ ممالک ہماری تمام معاشی اور تکنیکی امداد جن کی ہمیں ضرورت ہے، ہمیں فراہم نہیں کر سکتے اور برآمدات کے مسائل کو حل کرنے میں ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے تاہم ہم ہندوستان میں اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہم لوگوں نے بین الاقوامی تجارت میں جو اہم کامیابیاں حاصل کیں ان کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ہم نے سوشلسٹ ملکوں کے ساتھ رشتہ ناطہ قائم کیا ہے کیونکہ سوشلسٹ ممالک باہمی مراعات کے اصول پر عمل کرتے ہیں۔ وہ ترقی پذیر ملکوں کا استحصال نہیں کرتے اور نہ صرف اپنے فوائد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ایسے رشتے سے تیسری دنیا کی کاروباری بول چال کی صلاحیت کو کافی تقویت پہونچی۔ اب ایسے ممالک ہندوستان کے بڑے تجارتی ساتھیوں کے روپ میں نمودار ہوئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہمیں غیر استحصالی تکنالوجی پیش کرنے میں پیش پیش رہے اس تکنیکی مدد سے ہماری بھاری صنعت کی نشوونما میں کافی مدد ملی اور اس طرح خود اعتمادی کے ساتھ ترقی کی رفتار میں کافی تیزی پیدا ہو گئی۔ علاوہ اس رشتہ کے پیش نظر مغربی سرمایہ دارانہ ملکوں نے ان ملکوں سے معاشی تعلقات قائم کئے تاکہ یہ ممالک سوشلسٹ [illegible] اشتراکیتی ممالک سے قریبی معاشی رشتہ قائم رکھنے سے بہت سارے ترقی پذیر ممالک پس و پیش کرتے ہیں اور اس کی وجہ تو بلاشبہ ظاہر ہے۔ ان ملکوں کے اندرونی ڈھانچے ایسے ہیں کہ وہ سوشلزم کے ملکوں سے بامعنی رشتہ قائم رکھنے میں بے چینی محسوس کرتے ہیں۔ یہ ایک بنیادی گومگو کا معاملہ ہے اور اس میں متعدد ترقی پذیر ممالک مبتلا ہیں۔ ایک مزید نقطہ جس کی میں وضاحت کرنی چاہتا ہوں یہ ہے کہ اگر آپ کا اندرونی نظام غیر منصفانہ اور غیر مساوی ہے اور اس نظام میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ کا بلا روک ٹوک استحصال کرتا ہے تو مساوات پر مبنی بین الاقوامی معاشی نظام کا ذکر کرنا ایک مہمل سی بات ہو جاتی ہے۔ امیر حکومتوں کو کی جانے والی نصیحت کچھ حد تک بے اثر ہو جاتی ہے، جب ناصح خود اپنی غلطیوں کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے میں کہنا چاہتا ہوں کہ ایک نئے بین الاقوامی معاشی نظام کا اہم جز تو ہر ترقی پذیر ملک میں گھریلو اصلاحات کا پروگرام ہونا چاہئے۔ ایسا پروگرام خود اعتمادی کے جذبہ کو فروغ دے گا اور زیادہ سے زیادہ معاشی مواقع فراہم کرے گا۔ ایسی بیرونی نو تعمیر سے گھریلو امن قائم ہوگا، ساتھ ہی سماجی استحکام قائم ہوگا اور ان کی وجہ سے قوم کی اپنے ذرائع سے ترقی کی رفتار میں سرعت پیدا ہو جائے گی۔ اس اقدام سے اس کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ملکوں کی جب وہ بات چیت کرنے بیٹھیں گے، کاروباری گفت و شنید کرنے کی قوت میں اور بھی زیادہ استحکام پیدا ہوگا اور اس طرح وہ خارجی ایجنسیوں کے دباؤ سے محفوظ رہیں گے کیونکہ ایک قوم جو خود کفیل ہوتی ہے، وہ بہت زیادہ حد تک بیرونی وسائل کو ترک کر سکتی ہے، بہ نسبت اس ملک کے، جس کا خود اعتمادی پروگرام ابھی ابتدائی مرحلہ پر ہے۔

مجموعی طور پر بہت سی باتوں کا انحصار اس امر پر ہے کہ آیا ترقی پذیر ممالک سب ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں اور ایک مستحکم متحدہ محاذ بنا سکتے ہیں۔ بد قسمتی سے غریب قوموں کے ارباب حل و عقد میں بہت تفرقہ پایا جاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے امیر ممالک اپنی غیر منصفانہ سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ خواہ یہ نئے مالیاتی اداروں کے

(باقی صفحہ ۱ پر)

اندرونِ ریاست وسائل کی حصولیابی میں مغربی بنگال کی گوناگوں کامیابیاں

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے، برسرِ اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی سے، عوام کی فلاح و بہبود کے کام میں سرگرم عمل ہوگئی لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ مرکز مغربی بنگال کو منصوبوں کی مدوں پر کافی امداد فراہم نہیں کرتا۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ ریاستی حکومت اپنے وسائل کو اکٹھا کرنے میں ناکام رہی۔ اس سلسلے میں جناب ایم۔ ایم انصاری صاحب نے اکنامک اینڈ پولیٹیکل ویکلی (معاشی و سیاسی ہفتہ وار)، ۳ دسمبر ۱۹۸۳ء میں اپنے ایک مضمون بعنوان "ریاستوں کے منصوبوں کی سرمایہ کاری" علاقائی ترقی کے لئے ایک تناظر میں وسائل کی حصولیابی اور مرکزی امداد کے سلسلے میں اعداد و شمار پیش کئے۔ ان اعداد و شمار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ منصوبوں کی مد پر جو کل اخراجات ہوتے ان کے پیش نظر (چھٹے منصوبہ میں) ریاستوں کے اندرون ریاست اکٹھا کئے جانے والے وسائل پورے ملک کی شرح کی ۴ر۵۷ فیصد ہے وہاں مغربی بنگال میں یہ شرح ۶ر۸۰ فی صد ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تیسرے، چوتھے، پانچویں اور چھٹے پنج سالہ منصوبوں کے دوران فی کس وسائل کی حصولیابی قومی شرح کے تناسب میں مغربی بنگال کا تناسب علی الترتیب ۱۰۳، ۴۳، ۷۷ اور ۱۰۰ فیصد تھا۔ اور ان منصوبوں کے عرصہ میں مرکزی امداد کی علی الترتیب ۷۹، ۸۳، ۱۴ اور ۴۷ فی صد تھی ـــــ وزیر مالیات کے پیش کردہ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

جدول ۱ ریاستوں کے اپنے محاصل، مجموعی منصوبہ اخراجات کے تناسب کی شکل میں

(فی صد)

ریاست	پہلا منصوبہ	دوسرا منصوبہ	تیسرا منصوبہ	سالانہ منصوبہ	چوتھا منصوبے	پانچواں منصوبہ	چھٹا منصوبہ
پنجاب	۱۲ر۴	۴۱ر۷	۴۷ر۲	۵۷ر۰	۷۷ر۱	۷۳ر۲	۸۴ر۷
ہریانہ	—	—	—	۴۵ر۹	۷۸ر۸	۷۳ر۷	۸۶ر۹
مہاراشٹر	۶۸ر۶	۶۵ر۴	۶۱ر۵	۷۱ر۵	۷۶ر۲	۸۲ر۴	۸۵ر۸
گجرات	۶۴ر۸	۶۶ر۰	۵۲ر۹	۶۳ر۰	۷۱ر۷	۷۸ر۰	۹۳ر۷
مغربی بنگال	۲۶ر۱	۵۳ر۲	۴۸ر۳	۳۰ر۴	۴۱ر۵	۶۲ر۲	۸۰ر۶
کرناٹک	۳۱ر۹	۵۱ر۱	۳۷ر۵	۴۳ر۵	۵۵ر۳	۶۹ر۱	۷۶ر۲
تامل ناڈو	۵۴ر۳	۴۸ر۹	۴۵ر۳	۵۴ر۷	۶۴ر۳	۵۶ر۰	۷۸ر۹
کرالا	۳۵ر۱	۵۱ر۹	۳۳ر۰	۳۸ر۶	۴۸ر۹	۵۳ر۲	۷۲ر۲
راجستھان	۹ر۱	۴۱ر۰	۲۳ر۳	۱۲ر۴	۳۱ر۱	۵۵ر۴	۶۹ر۱

آندھرا پردیش	۴۵٫۰	۴۷٫۰	۳۶٫۲	۳۱٫۸	۴۵٫۴	۵۹٫۱	۷۰٫۸
مدھیہ پردیش	۳۵٫۸	۳۳٫۸	۲۴٫۰	۱۴٫۴	۴۶٫۶	۶۵٫۶	۷۳٫۳
اتر پردیش	۴۷٫۹	۴۶٫۹	۳۶٫۴	۴۲٫۹	۵۶٫۱	۵۶٫۳	۶۷٫۰
اڑیسہ	۲۰٫۲	۲۵٫۸	۲۸٫۸	۲۳٫۶	۳۷٫۸	۴۲٫۰	۵۶٫۰
بہار	۴۶٫۶	۵۲٫۵	۳۴٫۹	۲۹٫۰	۳۱٫۲	۴۳٫۹	۶۰٫۹
تمام ریاستیں	۳۹٫۱	۴۹٫۴	۴۰٫۸	۴۳٫۶	۵۷٫۴	۶۴٫۱	۷۵٫۴

جدول ۲ : فی کس منصوبہ بند اخراجات کا اشاریہ

منصوبہ بند اخراجات

ریاست	پہلا منصوبہ	دوسرا منصوبہ	تیسرا منصوبہ	سالانہ منصوبہ	چوتھا منصوبہ	پانچواں منصوبہ	چھٹا منصوبہ
پنجاب	۴۴۶	۲۸۶	۲۳۶	۱۵۰	۲۳۰	۲۰۶	۱۷۰
ہریانہ	—	—	—	۱۵۲	۲۶۱	۱۹۰	۲۱۲
مہاراشٹر	۱۱۸	۱۱۳	۱۱۴	۱۳۸	۱۴۵	۱۴۸	۱۴۵
گجرات	۱۳۶	۱۴۷	۱۲۰	۱۴۰	۱۴۹	۱۴۵	۱۶۳
مغربی بنگال	۱۳۸	۹۴	۸۹	۶۵	۶۰	۷۹	۹۳
کرناٹک	۸۷	۱۲۲	۱۱۱	۱۱۷	۹۳	۱۰۴	۹۱
تامل ناڈو	۷۷	۱۱۳	۱۰۹	۱۱۸	۹۸	۷۹	۹۰
کیرالا	۶۷	۱۱۶	۱۱۳	۱۲۲	۱۱۵	۸۸	۶۶
راجستھان	۱۰۳	۱۰۴	۱۰۸	۹۳	۸۸	۹۴	۹۵
آندھرا پردیش	۹۰	۱۰۳	۱۰۱	۹۷	۷۲	۹۵	۸۴
مدھیہ پردیش	۸۷	۹۴	۹۳	۷۳	۸۳	۹۷	۱۰۸
اتر پردیش	۶۷	۶۷	۸۰	۸۸	۹۶	۹۳	۷۸
اڑیسہ	۱۴۱	۱۰۶	۱۳۵	۱۰۲	۸۳	۸۲	۸۱
بہار	۶۷	۷۸	۷۴	۶۷	۶۲	۵۹	۶۸
تمام ریاستیں	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰
متغیرہ نوٹ سے فرق کی شرح	۱۰۰	۵۴	۴۰	۳۰	۳۰	۴۴	۴۲

جدول نمبر ۳ : منصوبہ کیلئے ریاستوں کے اپنے وسائل فی کس کا اشاریہ

ریاستوں کے اپنے وسائل

ریاستیں	پہلا منصوبہ	دوسرا منصوبہ	تیسرا منصوبہ	سالانہ منصوبہ	چوتھا منصوبہ	پانچواں منصوبہ	چھٹا منصوبہ
پنجاب	۱۴۷	۲۴۸	۱۰۳	۱۰۶	۳۰۸	۲۵۴	۱۹۱
ہریانہ	—	—	—	۱۶۲	۳۵۸	۲۱۹	۲۴۴
مہاراشٹر	۲۱۳	۱۴۸	۱۷۰	۲۲۷	۲۰۰	۱۹۱	۱۶۴
گجرات	۲۲۷	۱۹۶	۱۵۴	۲۰۴	۱۸۵	۱۷۷	۱۸۰
مغربی بنگال	۹۳	۱۰۴	۱۰۳	۴۶	۴۳	۷۷	۱۰۰
کرناٹک	۷۳	۱۲۸	۱۰۰	۱۱۵	۹۱	۱۱۳	۹۲
تامل ناڈو	۱۰۷	۱۱۳	۱۲۲	۲۳۵	۱۱۰	۶۹	۹۵
کرالا	۶۰	۱۴۰	۸۹	۱۰۸	۹۹	۷۴	۸۲
راجستھان	۲۷	۸۸	۵۷	۴۷	۴۹	۸۲	۸۹
آندھرا پردیش	۱۰۷	۹۶	۸۹	۶۹	۵۷	۸۸	۷۹
مدھیہ پردیش	۸۰	۶۸	۵۷	۲۳	۶۸	۹۹	۱۰۵
اترپردیش	۸۷	۶۸	۷۰	۸۸	۹۰	۸۲	۶۹
اڑیسہ	۳۳	۵۶	۱۲۷	۷۷	۵۶	۵۴	۶۰
بہار	۸۰	۸۴	۶۲	۴۶	۳۵	۴۱	۵۴
تمام ریاستیں	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰
مقررہ نمونے سے فرق کی شرح	۹۸	۵۸	۲۶	۴۸	۱۰۱	۶۶	۵۷

جدول نمبر ۴ : فی کس مرکزی امداد کا اشاریہ

مرکزی امداد

ریاستیں	پہلا منصوبہ	دوسرا منصوبہ	تیسرا منصوبہ	سالانہ منصوبہ	چوتھا منصوبہ	پانچواں منصوبہ	چھٹا منصوبہ
پنجاب	۶۳۳	۳۲۳	۳۲۸	۱۱۵	۱۲۸	۱۲۲	۱۰۶
ہریانہ	—	—	—	۱۱۴	۱۲۹	۱۳۹	۱۱۳
مہاراشٹر	۵۸	۷۷	۷۵	۷۱	۸۱	۷۳	۸۴

گجرات	۷۹	۱۰۰	۸۶	۹۱	۹۴	۸۲	۱۰۸
مغربی بنگال	۱۴۷	۸۵	۷۹	۷۹	۸۳	۸۴	۷۴
کرناٹک	۹۶	۱۱۵	۱۱۹	۱۱۸	۹۷	۸۹	۸۸
تامل ناڈو	۵۸	۱۱۲	۱۰۰	۹۲	۸۱	۹۴	۷۷
کرالا	۷۱	۹۲	۱۲۸	۱۳۲	۱۲۴	۱۱۵	۹۷
راجستھان	۱۵۰	۱۱۹	۱۴۳	۱۴۴	۱۴۰	۱۱۷	۱۰۵
آندھرا پردیش	۷۹	۱۰۸	۱۰۹	۱۱۸	۹۱	۱۰۸	۱۰۰
مدھیہ پردیش	۹۲	۱۱۹	۱۱۹	۱۱۲	۱۰۳	۹۳	۱۱۷
اتر پردیش	۵۴	۶۵	۸۷	۸۸	۱۰۵	۱۱۲	۱۰۵
اڑیسہ	۲۰۸	۱۵۴	۱۴۰	۱۲۱	۱۲۱	۱۳۲	۱۴۵
بہار	۵۸	۷۳	۸۳	۸۲	۹۸	۹۲	۱۰۸
تمام ریاستیں	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰
مقررہ نمونے سے فرق کی شرح	۱۵۶	۶۶	۶۵	۲۴	۲۱	۱۹	۱۸

مذکورہ بالا تمام اعداد و شمار جناب ا[illegible] انصاری صاحب [illegible] "اکنامکس اینڈ پولیٹیکل ویکلی" (معاشی و سیاسی ہفتہ وار) میں شائع ہونے والے ایک مضمون بعنوان "ریاستوں کے منصوبوں کی سرمایہ کاری [illegible] کے لئے ایک ناظر" سے ماخوذ ہیں۔

(باقی صفحہ ۔ سے)

تیام کا معاملہ ہو یا ضروری چیزوں کے اسٹاک قائم کرنے کا مسئلہ ہو یا امیر قوموں سے زیادہ مالی امداد حاصل کرنے کا مسئلہ ہو۔ آخری تجربہ میں غریب ممالک اجتماعی بات چیت کی مستحکم صلاحیت کے ذریعہ ہی اس میدان میں آگے بڑھ سکتے ہیں اور متحدہ اقدام کے ذریعہ ایسا کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ بلاشک و شبہ یہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر غریب ممالک متحدہ محاذ قائم کر سکیں تو انہیں سوشلسٹ ملکوں سے کافی امداد حاصل ہوگی۔ یہ دونوں طاقتیں متحدہ طور پر لازمی تبدیلیاں لائیں گی جنہیں دیگر قومیں بادل ناخواستہ قبول کریں گی۔ صرف اس نقطۂ نظر سے میں نئے بین الاقوامی معاشی نظام کی مناسبت کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتا ہوں کیونکہ ایسا نظام تمام ملکوں میں تمام سطحوں پر فلاح و بہبود کی سہولتیں فراہم کرے گا۔

(باقی صفحہ ۱۲ کا)

وہ سب سے آگے رہتے اور انہوں نے جوش و خروش اور زبردست طریقہ سے جدوجہد کی اور انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ ایسی کامیابی بہت ہی کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے:

"اور اس لئے مارکس اپنے دور کے ایسے شخص تھے جن سے سب سے زیادہ نفرت کیا جاتا تھا اور جو سب سے زیادہ افتراء پرداز تھے حکومتوں نے انہیں اپنے علاقوں سے باہر نکال دیا۔ بورژوا، قدامت پسند اور جمہوریت پسند دونوں، مارکس کے خلاف رسوائی کی مہم میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کیا کرتے۔ مارکس نے ان سبھوں کو مکڑی کے جالے کی طرح الگ پھینک دیا۔ ان لوگوں کو فراموش کر دیا اور جب مجبور ہو جاتے تو صرف اسی وقت ان لوگوں کو جواب دیتے انکی موت کے بعد بھی آج لاکھوں انقلابی محنت کش لوگ انہیں یاد کرتے، انکی عزت کرتے ہیں اور ان سے پیار کرتے ہیں۔"

"ان کا نام صدیوں قائم رہے گا اور ان کے ساتھ انکی تصانیف بھی۔"

کارل مارکس کو لوگ صدیوں تک یاد رکھیں گے

از: کنائی بھومک، وزیر چھوٹی آبپاشی کا شعبہ، حکومتِ مغربی بنگال

ہم اس سال (۱۹۸۳ء) عظیم فلسفی اور انقلابی کارل مارکس، جنہیں صدیوں تک لوگ یاد رکھیں گے کی صد برسی منا رہے ہیں۔ مارکس ایک آرام طلب نظریات داں نہ تھے۔ وہ ایک عملی انسان تھے اور جب بھی عمل کا وقت آتا وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ہچکچاتے نہیں۔ انہوں نے تیس سال کی مدت تک بہت سی کتابیں لکھیں، بہت سارے پمفلٹس شائع کئے، بہت سارے مضامین اور خطبے لکھے۔ انہوں نے اپنے منتزع تصورات پر ہی قناعت نہ کی بلکہ انہوں نے معیشت اور سیاست کے مطالعہ میں خود کو غرق کر دیا۔ ان کی پراوڈھیونس کے فلسفہ جسے عام طور پر فلسفہ کی غربت کہتے ہیں، کی تنقید کافی مشہور ہے۔ اس کے بعد ہم کمیونسٹ دستور (۱۸۴۸ء) کو فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔ اس دستور کو انہوں نے اپنے معاون، دوست اور ساتھی اینجلس کی مدد سے لکھا۔

کمیونسٹ دستور میں جو بنیادی سچائی ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ دستور عالمگیر اہمیت کا ایک تاریخی دستاویز ہے۔ ساری دنیا میں آج بھی اس دستاویز کی پکار "دنیا کے مزدورو! ایک ہو" سنائی دیتی ہے۔ انہوں نے منطقی مادیت کی تھیوری لکھی اور اسے تمام تاریخی ترقی کی بنیاد قرار دیا۔ انکی معاشی تھیوری کے مطابق یہ صرف انسانی محنت ہی ہے جو تمام قدریں پیدا کرتی ہے اور اس طرح نفع کے تمام ذرائع اسی پر مبنی ہیں۔ محنت فاضل قدر کا واحد ذریعہ ہے۔ چونکہ صرف محنت ہی فاضل قدر پیدا کر سکتی ہے اور اس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے اس لئے اپنی مجموعی پیداوار پر نفع کی سرمایہ دارانہ شرح کم ہو جاتی ہے۔ اس سے بے روزگاری بڑھتی ہے۔ محنت کش طبقہ کی غربت میں اضافہ ہوتا ہے اور کسانوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔

فرسٹ انٹرنیشنل، انٹرنیشنل ورکنگ مینس ایسوسی ایشن (۱۸۶۴ء) نے مارکس کی عملی انقلابی سرگرمیاں دیکھیں۔ وہ اس انٹرنیشنل کے روح رواں بن گئے، اس کے صحیح اور سچے رہنما بن گئے۔ فرسٹ انٹرنیشنل، پرولتاریت کے بین الاقوامی استحکام کے فروغ میں ایک اہم سنگ میل بن گیا، ساتھ ہی مارکسزم کو محنت کش طبقہ کی تحریک سے متحد کرنے کے طریقہ کار میں فرسٹ انٹرنیشنل اہم قدم ثابت ہوا۔

فرسٹ انٹرنیشنل میں مارکس نے بہت سارے غیر پرولتاری رجحانات، تجدد پسندی اور نوتفرقہ پرستی کے خلاف مسلسل جدوجہد کی۔ مارکس نے محنت کش طبقہ کے انقلابی امکانات میں حکومت دشمن لوگوں کی غیر یقینی کی اور کامیاب انقلاب کے لئے معروضی حالات کو سمجھنے میں ان کی نااہلیت کی سخت تنقید کی۔ مارکس نے اس بات کو بالکل عیاں کر دکھایا کہ انقلابی جدوجہد کی معروضی فروری سطحوں کو چھوڑ کر چھلانگ مارنے کیلئے حکومت دشمن لوگوں کی کوششیں، ایسی یکایک بلا تحریک بغاوت کے لئے ان کا پرچار اور اس حقیقت سے انکار کہ محنت کش طبقہ کی تحریک کی رہنما طاقت پارٹی ہوتی ہے اور دراصل بورژوازی کے ہاتھوں خود کو حوالہ کر دینا ہے اور ان لوگوں کی اطاعت کو قبول کرنا ہے۔ مارکس محنت کش تحریک کے اندر پھوٹ پیدا کرنے والی حرکتوں کے خلاف تھے۔ انہوں نے اس بات میں علیحدگی کی نوعیت کو پرولتاریتی کاز کو دھوکہ دینے سے تعبیر کیا۔

اس انٹرنیشنل نے ایک پرولتاری ریاست قائم کرنے کی بنی نوع انسان کی تاریخ میں اس نے اپنی کوشش میں پہلی بار تھوڑا ہی سے محنت کش طبقہ کو تیار کیا، اور اس کا اظہار ۱۸۷۱ء کے پیرس کمیون

ہوتا ہے۔ پیرس کمیون کے بعد محنت کش طبقہ کی تحریکوں میں مارکسزم آہستہ آہستہ پیوست ہوتی گئی۔ عالمی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، مارکسزم کی وسیع اشاعت کا دور اور عوام سوشلسٹ مزدور پارٹیوں کے قیام کا دور۔

مارکس اور انجلیس نے یہ بات دریافت کی کہ پرولتاریت میں ایسی طاقت ہے جو مسلسل اور انقلابی طریقے سے سماجی جبر و تشدد کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ پرولتاریت خود کو آزاد کرا سکتی ہے اور اسے ایسا کرنا بھی چاہئے۔ لیکن پرولتاریت سرمایہ دارانہ سماج کی معاشی بنیاد یعنی پیداوار کے ذرائع کی ذاتی ملکیت، سرمایہ دارانہ مسابقت، استحصال اور پیداوار میں انارکی کو اکھاڑے بغیر خود کو آزاد نہیں کراسکتی۔ اس لئے محنت کش طبقہ کی سماجی نجات کے معنی یہ ہیں کہ تمام محنت کش لوگوں کو استحصال اور جبر و تشدد کے شکار لوگوں کو سماجی نجات ملے۔

مارکس اور انجلیس کی تعلیمات کو لینن کی تصانیف نے نئے تاریخی تجربات سے مالا مال کردیا اور ان لوگوں کی تعلیمات اس دنیا میں رونما ہونے والے پہلے سوشلسٹ انقلاب کی تصوراتی پرچم بن گئیں۔ یہ انقلاب ۱۹۱۷ء میں روس میں رونما ہوا۔

لینن نہ صرف ایک عظیم عالم ہونے کی بلکہ انقلابی جدوجہد کے ایک عظیم ناظم ہونے کی حیثیت سے مارکس اور انجلیس کے قابل جانشین تھے۔ عظیم اکتوبر انقلاب کے سربراہ اور سوویت ریاست کے بانی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے ہی سب سے پہلے اشتراکیتی تعمیرات کے مسائل کی وضاحت کی اور انہیں عملی زندگی میں تبدیل کرنے کے کام میں رہنمائی کی۔ اشتراکیت، عالم اور فلسفی جس کا خواب برسوں سے دیکھ رہے تھے، اشتراکیت جسے مارکس اور انجلیس نے خواب سے سائنس میں تبدیل کردیا، سوویت یونین اور دیگر سوشلسٹ ملکوں میں لاکھوں لاکھ محنت کش لوگوں کی زندگی کا ٹھوس مرقع بن گئی۔

مارکسزم مارکسزم ہے کیوں کہ اس کے عمل کا ادراک ہی اس کی تھیوری کی بنیاد ہے، ورنہ یہ دنیا کی حالت کی ایک تفسیر بن جاتا، خواہ یہ تفسیر دیگر تفسیرات سے کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو۔ اگر مارکسزم تصورات سے مسلمہ دستور کے تصور کو نکال دیا جائے تو یہ سائنسی تصورات کا عالمی تغیر پذیر اور انقلابی نظام نہیں بن سکتا۔ مارکسزم

درحقیقت ایک [illegible] کا رہنما ہے کیونکہ یہ علم و عمل کے درمیان پل تعمیر کرتا ہے۔ آج کے دنوں میں بھی مارکسزم کے مسلمہ دستور کے تصورات کی اہمیت کم نہیں ہوتی ہے۔ انقلابی عمل گرچہ پیچیدہ ہے تاہم آج کی دنیا کو بدلنے کا یہ واحد راستہ ہے۔ یوں تو دنیا بدلتی رہتی ہے لیکن آج بھی دنیا کو بدلنے کا کام اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ ماضی میں تھا۔ ہمارے مستقبل کو بدلنے میں اور سنوارنے میں ہم عملی اقدامات پر جو زور دیتے ہیں، اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم ترقیاتی تھیوری کی اہمیت کو نظرانداز کردیتے ہیں۔

ایک سماجی اقدام اگر یہ محنت کش طبقہ کے مفاد کی خاطر پیداوار کے طریقہ کار میں تبدیلی لاتے، مارکسزم کا تخلیقی اطلاق ہے۔ ایسی تبدیلی لانی اسی وقت ممکن ہے جب تبدیلی لانے کے طریقہ کار میں عوام کو شامل کرلیا جائے۔ اس طرح کی تبدیلی لانے کے لئے بائیں محاذ حکومت کے اختیارات بہت ہی محدود ہیں۔ دستور کے تحت ریاستی حکومتوں کے اختیارات بہت ہی محدود ہیں۔ ایسے محدود اختیارات کے تحت پیداوار کے طریقہ کار میں نمایاں تبدیلی لانا بائیں محاذ حکومت کیلئے ممکن نہیں۔

مارکس نے موجودہ دور کے پیداوار کے سرمایہ دارانہ طریقہ کار کی ترقی اور سماج کے بورژوائی نظام کا خصوصی قانون دریافت کیا۔ یہ قانون فاضل قدر کا قانون ہے۔ اس نے بورژوائی اور اشتراکیتی دونوں ماہرین معاشیات کو جو تاریکی میں ادھر ادھر ٹٹول لیتے پھرتے تھے، تاریکی سے روشنی میں لایا۔

اپنے دوست کارل مارکس کی موت پر انجلس نے بہت ہی سیدھے سادے الفاظ میں اظہار تعزیت کیا، اس کا بیان ذکر بیجا ہوگا: "کارل مارکس ایک انقلابی رہنما تھے۔ ان کی زندگی کا یہی مقصد تھا کہ سرمایہ دارانہ سماج کو اور ان ریاستی اداروں کو جنہوں نے ایسے سماج کو عالم وجود میں لایا، ہمیشہ کے لئے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ایک نہ ایک طریقہ سے تعاون کیا جاتے۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے جدید پرولتاریت کو ان کے طبقاتی شعور سے بیدار کیا۔ اس طبقہ کی ضرورتوں سے، اسکی نجات اور آزادی کے لئے ضروری شرائط سے آگاہ کیا۔ اس جدوجہد میں

(باقی صفحہ ۔۔ پر)

مغربی بنگال میں چھوٹی صنعتوں کی نمایاں کارگزاری

(دوسری اور آخری قسط)

چمڑے کی صنعت کیلئے تربیتی معہ خدمات مراکز: چمڑا صنعت کو فروغ دینے کیلئے اضلاع مغربی دیناجپور، مدناپور، مرشد آباد، ندیا، مالدہ، بیربھوم، جلپائی گوڑی اور ہوڑہ میں تربیتی مع خدمات مراکز کے قیام کی منظوری دی گئی اور ان میں سے اضلاع مرشد آباد، مدناپور اور مغربی دیناجپور میں تربیتی مراکز نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان اسکیموں کو ڈبلو۔ بی۔ ایس۔ ایل۔ آئی۔ ڈی۔ سی کے ذریعہ ضلع صنعتی مراکز کی امداد کے ساتھ، پایہ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے۔

کاروبار ترقیاتی پروگرام کے تحت نئے کاریگروں کو رسہ سازی، دستکاری، لاکھ کی مصنوعات کی تیاری، کپڑوں میں بلاک چھپائی میں اور چھوٹے کاروباریوں کو کھادی اور دیہی صنعتوں میں تربیت دینے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

جائزہ: چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کے لئے بنیادی اعداد و شمار حاصل کرنے کے سلسلے میں حکومتِ ہند کی مدد سے مردم شماری/نمونہ جائزہ کی ایک نئی اسکیم کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اس کام کے لئے ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۷۰۰۰ ایسی یونٹوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

مرکز کے زیرِ اہتمام نباتاتی گیس پلانٹ کی تنصیب کی ایک اور اسکیم کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اس کے اسکیم کے تحت سال رواں میں ۲۵۰۰ اور آئندہ سال ۳۰۰۰ ایسے پلانٹ نصب کئے جائیں گے۔

ہتھ کرگھا سوتی کپڑے کی کوآپریٹوس: ہتھ کرگھا صنعت مغربی بنگال کی بہت ہی اہم اور مشہور گھریلو صنعت ہے اور مضافاتی علاقوں میں زراعت کے بعد اسی صنعت میں سب سے زیادہ افراد برسرِ روزگار ہیں۔ اس ریاست میں تقریباً ۲ء۱ لاکھ ہتھ کرگھے ہیں اور ان میں تقریباً ۵ لاکھ افراد براہِ راست برسرِ روزگار ہیں۔ اس ریاست میں جتنا کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔ ہتھ کرگھے اس کا تقریباً ۴۰ فیصد کپڑا تیار کرتے ہیں۔ مغربی بنگال کے دیہی علاقوں میں ہتھ کرگھے کے بنکر رہتے ہیں۔ ان بنکروں کی معاشی بنیاد میں بہتری لانے اور اس صنعت کی مناسب طور پر ترقی کے لئے استحصال نہ کرنے والے ادارہ کی حیثیت سے کوآپریٹو کے کردار کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے اس لئے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ۸۵-۱۹۸۴ء کے آخر تک کم از کم ۶۰ فیصد ہتھ کرگھے صنعتوں کو کوآپریٹو کے تحت لایا جائے۔ نیز کوآپریٹو سوسائیٹیوں کو خام اشیاء اور دیگر ضروری سہولتیں، کام کرنے کا سرمایہ اور بازاروں میں مصنوعات کی فروخت کی سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں اور بھی کئی اسکیموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ نمونہ کی کوآپریٹو کو منتظم کرنے اور ان بنکروں کی، جن کے پاس کرگھے نہیں ہیں، کوآپریٹو سوسائیٹیاں قائم کرنے، کوآپریٹو کی حصص سرمایہ بنیاد کو مستحکم بنانے، بہتر آلات وغیرہ کی سپلائی، ہتھ کرگھے کے تیار کردہ کپڑوں کی فروخت پر امداد، آر۔ بی۔ آئی اسکیم کے تحت بنکوں کے قرض پر سود میں امداد، ان بنکروں کو جن کے پاس کرگھے نہیں ہیں، کرگھوں کی سپلائی، بنکروں کو کام کرنے کے سرمایہ اور حصص سرمایہ کے لئے قرض کی فراہمی کے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ موجودہ سوت کاتنے کی کوآپریٹو ملوں میں کرگھوں کی تعداد کو بڑھا کر ۲۵۰۰۰ کر دیا جائے گا اور اس سلسلے میں ۵ء۳ کروڑ روپئے خرچ کئے جائیں گے۔ سوت کاتنے کی دو کوآپریٹو ملیں قائم کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں ۲۵۰۰۰ کرگھے ہوں گے۔ ایک مل مدناپور اور دوسری بانکوڑا میں ہے۔ اس کے علاوہ پبلک سیکٹر میں بھی رائے گنج میں ایک اور سوت کاتنے کی مل قائم کی جا رہی ہے۔ بنکروں کی کوآپریٹو سوسائیٹیوں کے ممبروں کی رفاہ کے لئے کرگھے بنکروں کے لئے پروویڈنٹ فنڈ اسکیم رائج کی گئی ہے۔ ایک بنکر جتنا کماتا ہے اسے فی روپیہ تین پیسے کے حساب سے اس

میں جمع کرانا پڑے گا۔ یہ سوسائٹی اس کے نام اس فنڈ میں ۲ پیسے اور حکومت ۳ پیسے جمع کرے گی۔

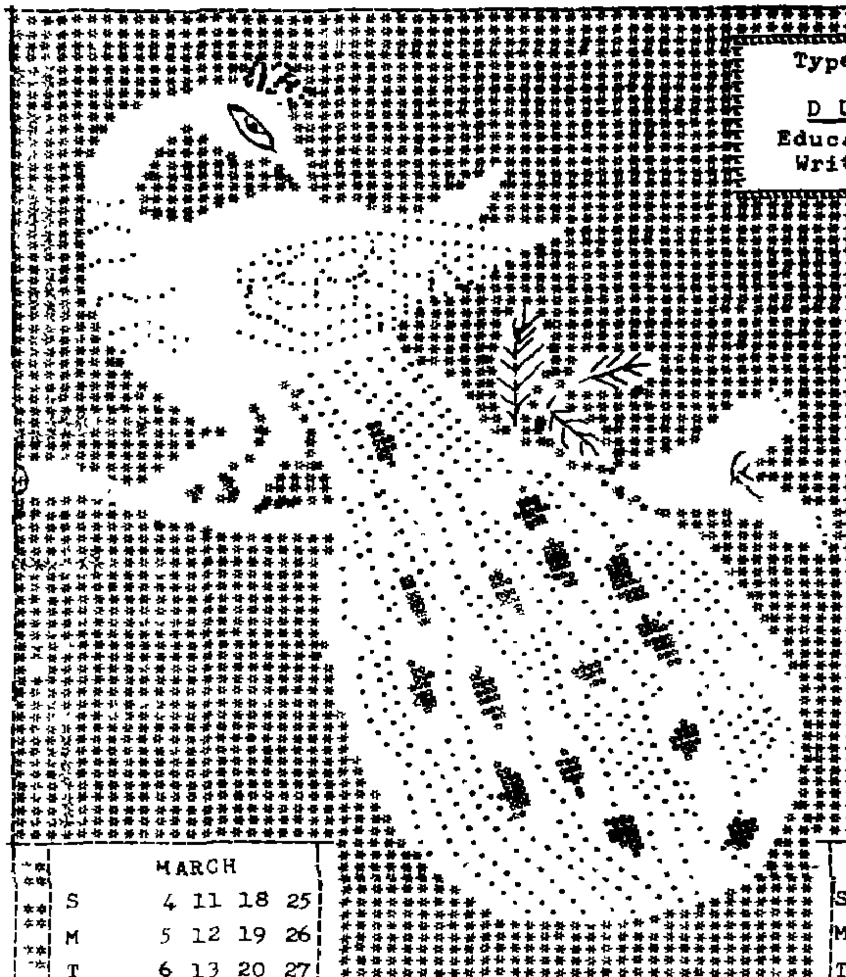
ریشم صنعت کو ابڑھاو: ریشم کی بناوٹ کی بہتری کے لئے ریشم بنکروں کی دس نئی کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کی گئیں بنگال کے بنکروں کے درمیان ریشم کی بناوٹ بھی کامیابی کے ساتھ رائج کی گئی۔ بوچاری، بنکروں کی کم قیمت کی ساڑھیوں کی تیاری کی اسکیم چالو کر دی گئی اور ایسی ساڑھیوں کو وشنوپوری ساڑھی کہتے ہیں۔

جنتا پوشاک اسکیم کے تحت ۶۰ لاکھ سے زیادہ دھوتیاں، ساڑھیاں اور لنگیاں تیار کی جاتی ہیں اور اس اسکیم سے تقریباً ۴۰۰۰ بنکر خاندانوں کو روزگار فراہم کیا جا رہا ہے۔

ریشم سازی کی توسیع: زیر غور عرصہ میں ریشم سازی میں کامیابی قابل ذکر ہے۔ نہ صرف شہتوتوں کے درختوں کی پیداوار میں بلکہ بہتر کوالٹی کے ریشم کی تیاری میں بھی اضافہ ہوا۔ اس سلسلے میں چند اقدامات کئے گئے ہیں تاکہ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کرنے والوں کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ مختلف اضلاع میں خاص طور پر مالدہ، مرشدآباد، کلمپونگ میں خشک کرنے کے ۱۰ چیمبروں کی تنصیب کے لئے اقدامات کئے گئے۔ ریشم کے کیڑوں یعنی کویے کو خشک کرنے میں ان چیمبروں سے کویوں کی پرورش کرنے والوں کو کافی فائدہ پہونچا کیوں کہ فروخت کرنے سے قبل کویوں کو خشک کر لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس اقدام سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ریشم کی کوالٹی کافی بہتر ہو جاتی ہے۔ دیسی چرخوں کی جگہ دھاگہ لپیٹنے کی مشین نصب کرنے کی اسکیم کے تحت مالدہ میں ۱۰۰ دیسی چرخوں کی جگہ مشینیں نصب کی گئیں۔ برہمپور اور مالدہ میں دو دستی پلانٹ نصب کئے گئے۔ اضلاع مغربی دیناجپور اور جلپائی گوڑی میں شہتوت کی بہتر پیداوار کے لئے ڈولومائیٹ مٹی کی مفت سپلائی کے پروجیکٹ کو اپنایا گیا۔ خام ریشم کی پیداوار میں بہتری کے لئے ضلع مغربی دیناجپور میں کویوں کی پرورش کے مراکز قائم کئے گئے۔

کوچ بہار اور چوبیس پرگنہ جیسے چند ضلعوں میں کویوں کی پرورش کا انتظام کیا گیا۔ ان ضلعوں میں کویوں کی پرورش کرنے والوں کو شہتوت درخت کے پودے مفت سپلائی کئے جاتے ہیں نیز انہیں ایسے پودوں کو اپنے علاقوں میں لے جانے کے لئے گاڑی کا کرایہ بھی دیا جاتا ہے۔ ان اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ وہ سب اپنے اپنے علاقہ میں شہتوت اور بھی زیادہ وسیع علاقوں میں اگائیں اور اپنے علاقہ میں بہتر شہتوت کے درخت اگائیں۔ بہتر شہتوت کے پودوں کی سپلائی کے لئے مرشدآباد اور مغربی دیناجپور میں دو فارم کھولے گئے ہیں۔ شہتوت کے بیج اور پودوں کو کیڑے مکوڑوں سے پاک صاف رکھنے کے لئے مرشدآباد، ندیا اور کوچ بہار جیسے اضلاع میں جراثیم کش ادویہ چھڑکنے کے لئے آٹھ دستے قائم کئے گئے۔ ۲۴ پرگنہ، ندیا اور کوچ بہار جیسے اضلاع میں کویوں کی پرورش کے کام میں بہتری اور وسعت پیدا ہوئی ہے۔ ریشم کے دھاگے لپیٹنے والی یونٹیں اس ریاست کے بنکروں کی اہم ضرورت کو پورا کر رہی ہیں۔ ان علاقوں میں جہاں کویوں کی پرورش نہیں کی جاتی وہاں کے جنگلاتی علاقوں میں "ٹسر" کے کیڑوں کی پرورش میں بہتری لانے کے لئے کئی ایک پروجیکٹوں پر عمل کیا جا رہا ہے۔ نیز شعبہ جاتی پرورش گاہوں میں بھی ان پروجیکٹوں پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ پرولیا، بانکوڑہ، مدناپور اور بیربھوم کے مختلف بلاکوں میں ان پروجیکٹوں پر عمل کیا جا رہا ہے۔

بین ریاستی ٹسر پروجیکٹ کے تحت اضلاع بیربھوم، پرولیا اور مدناپور میں ۴۸ ہیکٹرس قطعات آراضی پر ٹسر کے میزبان پودوں یعنی ارجن پودوں کی کاشت کی گئی۔ اس پروجیکٹ کا مقصد یہ ہے کہ قبائلی لوگوں کی معاشی بہتری ہو۔ نیز دو پروجیکٹوں پر یعنی کولہ کی پرورش میں خود روزگاری کے پیش نظر قبائلیوں کے لئے علاقائی ترقیاتی پروجیکٹ اور غیر شہتوتی یعنی "ٹسر" کی پرورش کے پروجیکٹ پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اسطرح شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے لوگوں کی معاشی بہتری کے لئے بلاک ترقیاتی پروجیکٹ کے تحت ٹسر کی پرورش کی اسکیم کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔



Typed & designed
By
D U L A L K A R
Education Department
Writers' Buildings

1984

JANUARY

S	1	8	15	22	29	
M	2	9	16	*	30	
T	3	10	17	24	31	
W	4	11	18	25		
T	5	12	19	*		
F	6	13	20	27		
S	7	14	21	28		

FEBRUARY

S		5	12	19	26
M		6	13	20	27
T		*	14	21	28
W	1	8	15	22	29
T	2	9	16	23	
F	3	10	17	24	
S	4	11	18	25	

MARCH

S		4	11	18	25
M		5	12	19	26
T		6	13	20	27
W		7	14	21	28
T	1	8	15	22	29
F	2	9	16	23	30
S	3	10	*	24	31

APRIL

S	1	8	15	22	29
M	2	9	16	23	30
T	3	10	17	24	
W	4	11	18	25	
T	5	12	19	26	
F	6	13	*	27	
S	7	*	21	28	

MAY

S		6	13	20	27
M		7	14	21	28
T	*	*	15	22	29
W	2	9	16	23	30
T	3	10	17	24	31
F	4	11	18	25	
S	5	12	19	26	

JUNE

S		3	10	17	24
M		4	11	18	25
T		5	12	19	26
W		6	13	20	27
T		7	14	21	28
F	1	8	15	22	29
S	2	9	16	23	30

JULY

S	1	8	15	22	29
M	2	9	16	23	30
T	3	10	17	24	31
W	4	11	18	25	
T	5	12	19	26	
F	6	13	20	27	
S	7	14	21	28	

AUGUST

S		5	12	19	26
M		6	13	20	27
T		7	14	21	28
W	1	8	*	22	29
T	2	9	16	23	30
F	3	10	17	24	31
S	4	11	18	25	

SEPTEMBER

S	30	2	9	16	23
M		3	10	17	*
T		4	11	18	25
W		5	12	19	26
T		*	13	20	27
F		7	14	21	28
S	1	8	15	22	29

OCTOBER

S		*	14	21	28
M	*	*	15	22	29
T	*	*	16	*	30
W	*	10	17	24	31
T	*	11	18	25	
F	*	12	19	26	
S	*	13	20	27	

NOVEMBER

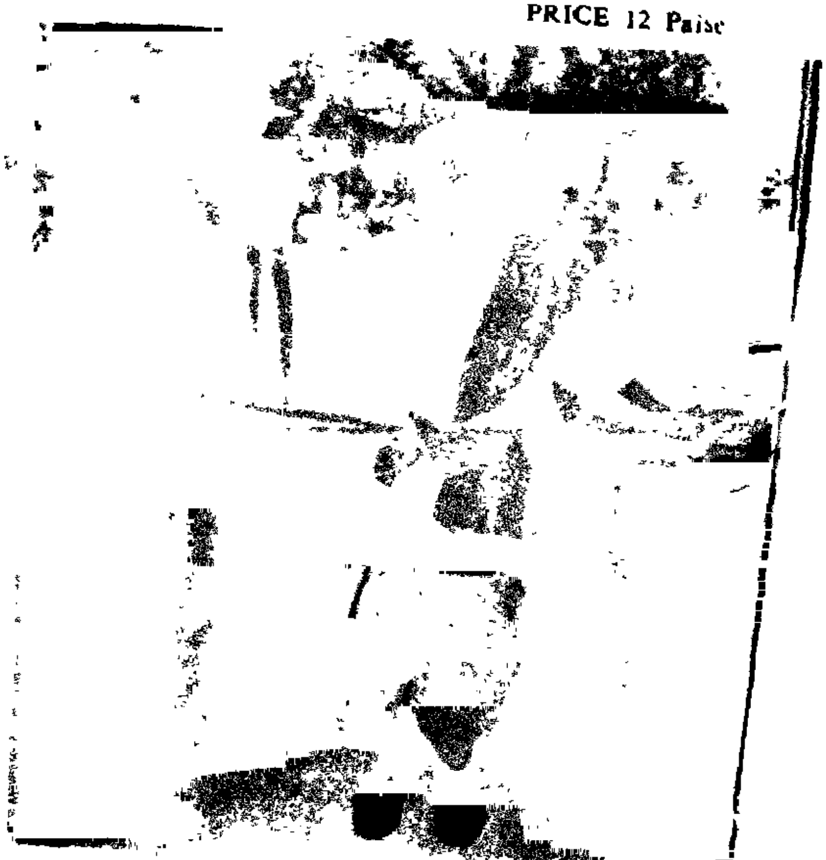
S		4	11	18	25
M		5	12	19	26
T		6	13	20	27
W		7	14	21	28
T	1	*	15	22	29
F	2	9	16	23	30
S	3	10	17	24	

DECEMBER

S	30	2	9	16	23
M	31	3	10	17	24
T		4	11	18	*
W		5	12	19	26
T		*	13	20	27
F		7	14	21	28
S	1	8	15	22	29

MAGHREBI BANGAL
15th January 1984

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 31 No. 2
PRICE 12 Paise



شری امریندو مکھوپادھیا، وزیر، مویشیوں
کی پرورش و پرداخت اور پناہ گزینوں کی بحالی
شعبہ جات، حکومتِ مغربی بنگال، ۸ جنوری
۱۹۸۴ء کو ندا میں سیاحوں کے لئے ٹورسٹ
ڈے سنٹر کا افتتاح کرتے ہوئے۔



سیاحوں کے لئے ٹورسٹ ڈے سنٹر ندیا

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor Dhirendra Dutta Associate Md. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. I Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.


مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

یوم جمہوریہ نمبر

جلد نمبر ۳۱ — یکم فروری سنہ ۱۹۸۴ء — شمارہ نمبر ۳

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹا چاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ : تین روپے
اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۳۰ پیسے



۲۶ر جنوری سنہ ۸۴ء کو ریڈ روڈ، کلکتہ میں یوم جمہوریہ کے موقعہ پر مغربی بنگال کے گورنر شری اے۔پی۔ شرما پیریڈ کی سلامی لیتے ہوتے۔ تصویر میں مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

قید

مخدوم محی الدین

قید ہے قید کی معیاد نہیں
جور ہے جور کی فریاد نہیں، داد نہیں
رات ہے رات کی خاموشی ہے تنہائی ہے
دور محبس کی فصیلوں سے بہت دور کہیں
سینۂ شہر کی گہرائی سے گھنٹوں کی صدا آتی ہے
چونک جاتا ہے دماغ
جھلملا جاتی ہے انفاس کی لَو
جاگ اٹھتی ہے مری شمعِ شبستانِ خیال
زندگانی کی اک اک بات کی یاد آتی ہے
شاہ راہوں میں گلی کوچوں میں انسانوں کی بھیڑ
ان کے مصروف قدم
ان کے ماتھے پہ تردد کے نقوش
ان کی آنکھوں میں غمِ دوش اور اندیشۂ فردا کا خیال
سیکڑوں لاکھوں قدم
سیکڑوں لاکھوں عوام
سیکڑوں لاکھوں دھڑکتے ہوئے انسانوں کے دل
جورِ شاہی سے غمیں، جبرِ سیاست سے نڈھال
جانے کس موڑ پہ یہ دھن سے دھماکہ ہو جائیں
سالہا سال سے افسردہ و مجبور جوانی کی امنگ
طوق و زنجیر سے لپٹی ہوئی سو جاتی ہے
کروٹیں لینے میں زنجیر کی جھنکار کا شور
خواب میں زیست کی شورش کا پتہ دیتا ہے
مجھے غم ہے کہ مرا گنجِ گراں مایۂ عمر
نذرِ زنداں ہوا
نذرِ آزادیِ زندانِ وطن کیوں نہ ہوا۔

ہندستان کا دستور اور وفاقی ڈھانچے کا خواب

از: بھبتوش رائے

ملک کی آزادی کے بعد دستور ہند کو اپنایا گیا۔ ہمارا دستور ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء سے لاگو ہو گیا۔ اس دن سے ہر سال اسی تاریخ کو سارے ملک میں یوم جمہوریہ منایا جاتا ہے۔

کسی بھی ملک کے دستور پر بحث و مباحثہ کرنے کیلئے کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز دستور پر بہت سارے زاویوں سے بحث کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر ہندستان کے دستور کے لئے تو مختصر دائرے میں رہتے ہوئے کچھ کہنا اور بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ یہ دنیا کا سب سے بڑا تحریری دستور ہے۔ بہر حال یہ بات باعث مسرت ہے کہ موجودہ صورتحال کے پیش نظر مجھے چند خصوصی نقاط کی وضاحت کرنے کو کہا گیا ہے۔

ایک نقطہ ہندستان کے دستور میں درج "وفاقیت" ہے۔ اس کا پس منظر ہو سکتا ہے کہ ایک خواب تھا۔ ظاہر ہے کہ پس منظر کا خواب آزادی کے قبل کے دنوں کا تھا۔

پہلے میں وفاقیت پر روشنی ڈالوں گا، اسکی وضاحت کروں گا، اس کے بعد اسے اپنے خوابوں کے سانچے میں ڈھالوں گا کہ دیکھوں کس حد تک یہ اس میں سما سکتا ہے۔

دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ ہندستان کے دستور کو اپنایا گیا لیکن بالغوں کے ووٹ کی بنیاد پر عوام کے منتخب نمائندوں پر دستور ساز اسمبلی مشتمل نہ تھی۔ اس طرح دستور ساز اسمبلی میں عوام کی رضا و رغبت کی جھلک نہیں ملتی چنانچہ دستور ساز اسمبلی میں جو تقاریر ہوئیں، جو فیصلے کئے گئے وہ تشفی بخش نہ تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آزادی کے لئے جدوجہد کے دوران ہندستانی قومی کانگریس نے یہ فیصلہ کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ ہندستان کا دستور تیار کرنے کے لئے بالغوں کے ووٹوں کی بنیاد پر دستور ساز اسمبلی کی تشکیل کی جائے گی لیکن آخر میں اس فیصلہ کو روبہ عمل لایا نہ گیا۔ وجہ تو ظاہر ہے اور اس پر اب بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک وفاقی ریاست کی مختلف یونٹوں کو خود فیصلہ کرنے کا یا حکومت کرنے کا حق حاصل ہے اور صرف چند خصوصی معاملوں میں جن کا تعلق عام یونٹوں کے مشترکہ مفاد سے ہے اور ہر جوان کی نشوونما اور ترقی میں معاون ثابت ہوں گے، وفاقی حکومت کو اختیارات دے دیئے گئے ہیں۔ وفاقی حکومت کو اس بات کی اجازت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ یونٹوں کی سرگرمیوں اور پالیسیوں میں، جہاں تک ان کا خصوصی امور سے کوئی رشتہ نہیں ہے، دخل اندازی کرے۔ یہ وفاقیت کا بنیادی تصور ہے اور اسے عالمگیر قبولیت حاصل ہے۔

لیکن ہندستان میں ہمیں ایک مختلف تصویر نظر آتی ہے۔ جب ہم دستور ہند کی تمہید سے آگے بڑھ کر پہلے باب میں پہونچتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ریاستیں تو ہندستانی وفاق یا دستور میں درج تسمیہ کے مطابق ہندستان کا یونین، بناتی ہیں لیکن ریاستوں کے نام، علاقہ وغیرہ سے متعلقہ گنجائش میں وفاقیت کے تصور کو چکنا چور کر دیا گیا ہے۔ ریاستیں اپنے نام، علاقہ وغیرہ کے لحاظ سے بھی

خود مختار نہیں ہیں۔ پارلیامنٹ میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ ریاستوں کی منظوری حاصل کئے بغیر ریاستوں میں مذکورہ تبدیلیاں لا سکتی ہے۔ ایک ریاست کو کئی ریاست میں تقسیم کر دیا جا سکتا ہے اور دو یا زیادہ ریاستوں یا ریاستوں کے علاقوں کو ایک دوسرے سے ملا کر ایک ریاست قائم کی جا سکتی ہے۔ یہ تمام کام مرکز یا مرکزی حکام ہی کر سکتے ہیں اور دستور کی دفعات کے تحت مرکزی حکام متعلقہ ریاستوں سے خیالات حاصل کئے بغیر ایسا کر سکتے ہیں۔

اگر ہم دستور کے مطالعہ میں رفتہ رفتہ آگے بڑھیں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ بہت ساری دفعات میں ایسی گنجائشیں رکھی گئی ہیں جن کے ذریعہ خود فیصلہ کرنے کے حقوق کی آزادی پر مرکزی آتھوریٹی یعنی مرکزی حکومت یا مرکزی قانون سازوں کو دئے گئے اختیارات کے ذریعہ حملہ کیا جاتا ہے یا کرایا جاتا ہے۔ ہمیں اس بات کو بھی زیر غور رکھنا چاہئے کہ جمہوریت کے پارلیمانی نظام میں، ہمارے دستور میں جس کی گنجائش رکھی گئی ہے، قانون ساز کے معنی بر سر اقتدار پارٹی کے ہیں اور دوسرے الفاظ میں کارکنندگان ہیں۔ دستور میں ایسی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ریاست کی وزارت اور ریاستی قانون ساز اسمبلی اس عرصہ تک جس کے لئے عوام نے ووٹ کے ذریعہ انہیں منتخب کیا تھا، قائم نہیں رہ سکتی اگر مرکزی حکومت اسے گرانے کا فیصلہ کرے۔ اس اقدام کو دستور میں "صدر راج" کہا گیا ہے۔

مزید برآں گرچہ ریاستی قانون ساز اسمبلی کے ممبران عوام کے منتخب نمائندے ہوتے ہیں، اور ان کا انتخاب دستور کی دفعات کے تحت ہوتا ہے، اور اس انتخاب کا طریقہ کار بھی وہی ہے جو مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ممبروں کے انتخاب کا ہے۔ لیکن ریاستی اسمبلی کے پاس کردہ قوانین کو اس وقت تک قوانین نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ انہیں ریاست کے گورنر کی منظوری حاصل نہ ہو جائے اور عجیب بات یہ ہے کہ گورنر کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ بلوں کو اپنی رضامندی دینے سے انکار کر سکتا ہے یا صدر کی منظوری کے لئے اسے صدر کے پاس بھیج سکتا ہے گورنر کون ہے — دستور ہند کی ایک خصوصی تخلیق؟ گورنر کو عوام منتخب نہیں کرتے۔ وہ یوں کہئے کہ ایک افسر ہوتا ہے جسے مرکزی حکومت مقرر کرتی ہے۔ گورنر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ریاستی وزراء یا حکومتوں کی سرگرمیوں سے مرکز کو باخبر رکھے اور اس بات کا فیصلہ کرے کہ کسی بھی موضوع کی بابت ریاستی اسمبلی کی پاس کردہ بل کو وہ اپنی منظوری دے کر ایکٹ میں تبدیل کر سکتا ہے یا سفارش کے لئے حکومت کے حوالے کر سکتا ہے یا پرکھنے کے لئے صدر کے پاس بھیج سکتا ہے۔ ان دفعات کے پیش نظر اس بات کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں کہ کس حد تک ریاستوں کو مرکزی حکومت کے رحم و کرم پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ حقائق کہانیوں سے زیادہ اجنبی ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو دستور ہند کی وفاقیت کے استحکام کا پرچار کرتے ہیں، یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ دستور کو اپنانے کے بعد ۳۳ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اس عرصے میں ۷۰ سے زیادہ مواقع پر ریاستی وزارتوں کو معطل کر کے صدر راج نافذ کر دیا گیا۔ وفاقیت بے معنی ہو جاتی ہے جب ملحق یونٹیں اپنے لوگوں کی رضا کے مطابق کام نہیں کر سکتیں اور کوئی بھی بیرونی حاکم عوام کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی دیگر وفاقوں کی طرح ہندوستان کے دستور میں ایسی فہرستیں ہیں جن میں ایسے موضوعات کے نام درج ہیں جو مرکزی حکومت، ریاستی حکومتوں اور دونوں حکومتوں کے لئے مخصوص ہیں۔ یعنی ریاستی فہرست، مرکزی فہرست اور مشترکہ فہرست اور وفاق کی خصوصیت کا یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ ایسے موضوعات جن کا فہرستوں میں ذکر نہیں ہے ریاستوں کے خصوصی موضوعات ہوں گے۔ سیاسی اصطلاح میں ایک وفاق میں بقیہ اختیارات تو ملحق یونٹوں کو نہ کہ وفاقی حکومت کو سونپے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں صورتحال بالکل مختلف ہے۔ یہاں دستور یہ کہتا ہے کہ مرکزی حکومت کو بقیہ اختیارات حاصل ہیں۔ دستور میں ایک اور بھی دفعہ ہے جس میں یہ باتیں درج ہیں کہ کسی بھی موضوع پر اگر ریاست کے ایکٹ اور مرکز کے ایکٹ میں تصادم ہو جائے تو مرکز کا ایکٹ ریاستی ایکٹ پر غالب رہے گا۔ اس دفعہ سے مرکزی حکومت

کو بلا روک ٹوک یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ مشترکہ فہرست میں شامل کسی بھی موضوع پر کسی بھی ریاستی ایکٹ کو باطل قرار دے سکتا ہے۔ نیز مشترکہ فہرست میں ترمیم لانے کی ذمہ داری صرف پارلیمنٹ کو ہی سونپی گئی ہے۔ اس دفعہ کا لب لباب یہ ہے کہ مرکزی حکومت اگر چاہے تو وہ ریاستی قانون ساز اسمبلی کے پاس کردہ ایکٹ کو باطل قرار دے سکتی ہے۔

ان تمام باتوں سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ دستور کی دفعات کے تحت ملحق یونٹوں کی قانون ساز تنظیمیں تقریباً مجہول بن چکی ہیں۔

اب میں مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے درمیان مالیاتی انتظامات کا ذکر کروں گا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وصول کردہ محاصل اور دولت کا بہت بڑا حصہ مرکزی حکومت کو ملتا ہے اور ریاستی حکومتوں کو برائے نام کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔ ریاستی حکومتوں کو اس لئے تقریباً تمام باتوں کے لئے مرکزی حکومت کی مالیاتی امداد — عطیہ یا قرضوں کی شکل میں۔ پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ خواہ یہ معاملہ منصوبہ بند پروجیکٹوں کی تکمیل کے لئے ہو یا قدرتی حادثات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہو یا ریاستی حکومتوں کے ملازمین کی تنخواہوں اور بھتّے کے اخراجات پورے کرنے کے لئے یا اسی طرح کے دیگر مقاصد کے لئے ہوں۔ ریاستی حکومت کو مرکزی حکومت کے پاس جانا پڑتا ہے اور اسکی مدد کے لئے التجا اور منت کرنی پڑتی ہے۔ دستور کی دفعات کے تحت وسائل کی تقسیم کا بھی نظام ہے۔ مزید برآں ریاستوں کو اپنے منصوبے کی سائز اور مواد کی بابت فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس کے لئے انہیں منصوبہ بندی کمیشن کے حکم پر بلا چوں چرا عمل کرنا پڑتا ہے۔ یہ کمیشن تمام عملی مقاصد کے لئے مرکزی حکومت کے ایک شعبہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ریاستوں کا مرکزی حکومت پر مالیاتی انحصار وفاقیت کو اور بھی مضحکہ خیز بنا دیتا ہے کیونکہ مالی انحصار سے مراد تمام باتوں کے سلسلے میں انحصار ہے۔

انتظامی شعبہ میں بھی ریاستوں کو کل ہند سروس افسروں جیسے آئی اے ایس، جے۔ پی۔ ایس کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ افسران ریاستی انتظامیہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں لیکن ان پر ریاستی حکومت کو کنٹرول کرنے اور ان کے خلاف اقدامات کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ انہیں مقرر کرنے اور ان کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار صرف مرکزی حکومت کو ہی ہے۔

مرکزی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ریاستوں سے مشورہ کئے بغیر ریاستوں میں اپنی مسلح فورس جیسے سی۔ آر۔ پی، صنعتی تحفظ فورس وغیرہ کو ریاستوں میں بھیج سکتی ہے۔

پھر ریاستی حکومتوں کو اس بات کی آزادی نہیں دی گئی ہے کہ وہ اپنے یہاں کارخانے اور صنعتیں قائم کر سکیں۔ انہیں اس کے لئے مرکزی حکومت کی، لائسنس وغیرہ کی صورت میں، اجازت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی صنعتوں کے لئے مالیاتی سہولتوں کے لئے بھی انہیں مرکز پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ مالیات کے سلسلہ میں ایک اہم نقطہ یہ بھی ہے کہ ریاستی حکومتوں کو مالی قرض اپنی پڑوسی ریاستوں سے بھی لینے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ عوام سے قرض لے کر فنڈ اکٹھا نہیں کر سکتیں۔ روپئے چھاپنے کا اختیار صرف مرکزی حکومت کو حاصل ہے۔

میں نے اپنے اس مختصر سے مضمون میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ دستورِ ہند اپنی نوعیت کے لحاظ سے کتنا وحدانی ہے اور ایک وفاقی نظام میں ریاستوں کو جتنے حقوق حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں ہماری ملحق ریاستوں کو کتنے کم حقوق اور اختیارات حاصل ہیں اور کس طرح مرکزی حکومت نے خود کو حد سے زیادہ اختیارات اور حقوق کا سرچشمہ بنا لیا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ خدشہ تو اس بات سے لاحق ہوتا ہے کہ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے ہیں ریاستوں کے حقوق اور اختیارات چھین لئے جا رہے ہیں اور ریاستوں کو کمزور بنا کر مرکز زیادہ سے زیادہ طاقتور بنتا جا رہا ہے۔ آج ۲۶ جنوری ۱۹۸۴ء کو جبکہ ہم نے اپنی جمہوریت کے ۳۴ سال مکمل کر لئے، یہ بہت ہی دردناک بات ہے کہ ہندوستان کی ریاستیں سیاسی، مالی اور انتظامیہ کے لحاظ سے بہت ہی کم طاقتور ہیں اور ۱۹۵۰ء جب دستور کو اپنایا گیا تھا، کے مقابلے میں آج مرکز بہت زیادہ طاقتور بن چکا ہے۔

باقی صفحہ ۱۳ پر

انیس رفیع

جمہوریت : کل آج اور کل

ملک کو غلامی سے چھڑانا ملک کے ہر باشعور فرد کی سوچ میں داخل تھا مگر اس مقصد کو کیسے حاصل کیا جائے؟ اس کے لئے مختلف طریقے اور راستے سامنے آئے۔ ہر شخص، رہنما اور صاحب فکر و نظر نے اپنے اپنے طور سے حالات کا جائزہ لیا اور آزادی حاصل کرنے کی صورتوں پر غور کیا اور اخذ شدہ نتائج کے مطابق عملی اقدامات کا اعلان کیا۔ اگر انسانی تاریخ کے حوالے سے بات کی جائے تو ہم دیکھیں گے کہ ایک ہی مقصد کی برآری کے لئے دو اختلافی اور واضح لکیروں پر ترجیحات طے ہوتی ہیں۔ ہر جدوجہد داخلی تضاد کا شکار ہوتی ہے اور یہی تضاد جدوجہد کی کامیابی کی بشارت ہوتی ہے۔ ہماری آزادی کی جدوجہد خطرناک مراحل طے کرتی ہوئی جب بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں داخل ہوئی تو پتہ چلا کہ اسے ایک نیا رخ چاہئے اور اس نئے رخ کی ضرورت ہمارے مجاہدین کو انقلابِ روس نے محسوس کرائی اور یہی وہ موڑ ہے جہاں ہم نے جدید سیاسی اور اقتصادی نظریات کی روشنی میں اپنی جدوجہد آزادی کا تجزیہ کیا اور حصولِ آزادی کے بعد یعنی آنے والے کل کے لئے اپنے سیاسی اور معاشی ڈھانچے کا ایک ذہنی خاکہ تیار کیا۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اس خاکے میں جمہوریت اور سوشلزم سرِفہرست تھے۔ ۱۹۲۵ء کے بعد ہماری جدوجہد آزادی ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ کسانوں اور مزدوروں کو ایک نیا شعور ملا۔ اترپردیش، گجرات، بہار کے مزدوروں اور کسانوں نے برطانوی حکومت کے خلاف کتنے معرکے کئے جس میں بمبئی ٹکسٹائل مل کی ہڑتال بہت اہم تھی۔ ڈیڑھ لاکھ مزدور تقریباً ۵ مہینہ کارخانے سے باہر رہے۔ یہی نہیں بلکہ سامراجی قوت کو انقلابی قوت کے ذریعہ نیست و نابود کرنے کے لئے پرعزم انقلابیوں نے انتہا پسند طریقے اپنائے جس نے برطانوی حکومت کی جڑیں ہلادیں۔ ان انقلابیوں نے ایک برطانوی پولس افسر کے قتل کے بعد اپنے اعلان میں بتایا کہ:

"لاکھوں کروڑوں عوام کے چہیتے لیڈر (لالہ لاجپت رائے) کا ایک معمولی پولس افسر کے ہاتھوں قتل قوم کے لئے باعثِ ہتک ہے۔ لہٰذا ہندستان کے نوجوانوں کا یہ عین فرض تھا کہ اس پولس افسر کو صفحۂ ہستی سے مٹادیں۔ ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ ایک شخص کو قتل کرنا پڑا مگر کیا کیجئے کہ یہ شخص اس غیر انسانی، غیر منصف نظام کا حصہ تھا جس کو مٹا دینا بہت ضروری تھا۔ اس کی موت سے برطانوی حاکموں کے ایک دلال کا خاتمہ ہوگیا۔ انسانی خون بہانا ہمارے لئے ایک تکلیف دہ بات ہے مگر انقلابی ضرورتوں کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہے۔ ہمارا مقصد ہے اس انقلاب کے لئے کوشاں ہونا جو آدمی کے ہاتھوں آدمی کے استحصال کا خاتمہ کردے۔" (بھگت سنگھ، چندر شیکھر آزاد، راج گرو)

ہماری دستور ساز اسمبلی نے شہیدانِ آزادی کے خواب کو تعبیر دینے کے لئے ایک ایسے دستور کا انعقاد کیا جس نے ہمیں عظیم جمہوریت بخشی۔ دستور نے (اپنی تمہید میں) عوام کے لئے مساوی حقوق، سماجی انصاف اور آپسی بھائی چارگی کا اعلان کیا۔

دستور کے مطابق ہمیں سیاسی حقوق ملے۔ ہمیں یہ حق بھی ملا کہ ہم ہماری پسند کے نمائندہ کو اسمبلی اور پارلیامنٹ

میں بھیجیں — سو ہم نے کیا۔

قیامِ جمہوریہ کے بعد کا ایک دہائی تو محض امید میں گزر گئی۔ ہم نئے حکمران تھے۔ ہمیں بہت کچھ سیکھنا تھا۔ جمہوریت اور انتظامیہ کے تقاضے کیا تھے انہیں بھی دیکھنا تھا۔ پھر بھی یہ دھاتی ایسی تھی کہ اربابِ اقتدار نے عوامی اور قومی تناظر میں سوچنے کی زحمت فرمائی تھی۔ مگر آزادی کی جنگ میں شریک رہنماؤں کے مرنے یا معطل ہونے سے قوم اور عوام کا بھلا سوچنے والوں کی کمی ہوتی گئی اور حکومت میں وہ لوگ شامل ہوتے جن کا تعلق عوام سے برائے نام تھا۔ یا تھا بھی تو اس دائرے میں محصور تھا جو مفاد کی لکیر سے بنا تھا۔ ذاتی منفعت، آپسی بغض و عناد نے اپنی رسیاں کس لیں۔ اور ان میں جکڑ گئیں جمہوریت کی جڑیں۔ جمہوریت کو اس جکڑ سے چھڑانے وہ لوگ بھی آئے جن کے وعدوں کے پٹارے بھی وعدوں سے کافی پھول گئے تھے۔ مگر جڑوں کو اس سے آزاد کرنے کے عمل میں ان کا پٹارہ بھی پھٹ گیا۔ اور پھر اس پٹارے میں جو کچھ تھا ادھر ادھر بکھر گیا۔

پھر وہی پرانی رسی جمہوریت کے گلے میں پڑ گئی۔

ایسے میں جو ہونا تھا سو ہو رہا۔ گرچہ ہم نے بیشتر میدانوں میں حیرت ناک ترقی کی ہے۔ مگر ان ترقیوں کے پھل؟ پھل یقیناً آئے تھے۔ پر اس کے رس زمین پر نہیں ٹپکے۔ اوپر ہی اوپر بوتل میں داخل ہو گئے۔ اور اب جمہوریت کی نشانیاں بوتلوں میں بند ہیں۔ دراصل 2 - TIER والے اس کمپارٹمنٹ میں جمہوریت اپر برتھ (UPPER BIRTH) پر آرام سے لیٹی ہے۔ اور لوئر برتھ (LOWER BIRTH) پر کئی لوگ نشستیں حاصل کرنے کی جنگ میں مصروف ہیں۔ یہاں ایک فیصلہ کی ضرورت ہے ہمارے کل کی جمہوریت کا "آئندہ" اس حال کے آئینے میں وہی ہے جس کا اعلان نصف صدی سے بھی پہلے شہید بھگت سنگھ، آزاد اور گرو راج نے کیا تھا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ LOWER BIRTH جلد از جلد UPPER BIRTH ہو جائے لیکن انتظار ہے ایک اچھے

کنڈکٹر کا جو دیکھے کہ اوپر والے برتھ پر کوئی بلا ٹکٹ کیوں لیٹا ہے؟

کب آئے گا وہ کنڈکٹر؟

عوامی انتظار کی گھڑیاں زیادہ طویل نہیں ہوتیں!!

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۹ کا)

لگی کہ سوسائٹی کی پرانی عمارت ضرورتوں کو پورا کرنے [illegible] کافی ہے لیکن حکومتِ ہند اور حکومتِ مغربی بنگال نے [illegible] دکھائی اور ۱۹۶۰ء میں نئی نو منزلہ عمارت تیار ہونا شروع ہوئی جس کا سنگِ بنیاد ۴ نومبر ۱۹۵۹ء کو ہندوستان کے وزیرِ تعلیم پروفیسر ہمایوں کبیر نے رکھا تھا۔ جب چار منزلیں تیار ہو گئیں تو [illegible] فروری ۱۹۶۵ء کو صدرِ جمہوریہ ہند ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن نے افتتاح کیا۔ نئی عمارت بھی ضروریات کو پورا کرنے میں ناکافی ہے۔

حالیہ برسوں میں سوسائٹی کو زبردست مالی بحران کا سامنا کرنا پڑا اور اس کا اثر دیکھ ریکھ اور کارکردگی پر بھی پڑا [illegible] ہوا۔ حکومتِ ہند نے بہرحال سوسائٹی کی بھرپور مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

۱۱ جنوری ۱۹۸۴ء کو وزیرِ اعظم شریمتی گاندھی نے دو صد سالہ تقریبات کا افتتاح کرنے کے بعد سہ منزلہ نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا جس کی تعمیر میں دو کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔ یہ عمارت سوسائٹی کا دو صد سالہ بلاک ہوگی۔ [illegible] بین الاقوامی مہمان خانہ، آڈیٹوریم ہال وغیرہ بھی شامل ہیں۔

سوسائٹی ایشیاٹک ڈی پیرس کے سکریٹری جے فیلوزیٹ نے کہا تھا کہ سر ولیم جونس کی تالیفات صرف آفاقی ہی نہیں [illegible] پوری انسانیت کی ہیں۔ امید ہے ان کے افکارِ عالیہ کو اپنی مشترکہ جدوجہد کے ذریعہ مشعلِ راہ بنانا چاہیے۔

نیا سفر ہے پرانے چراغ گل کر دو

فریبِ جنتِ فردا کے جال ٹوٹ گئے
حیات اپنی امیدوں پہ شرمسار سی ہے
چمن میں جشنِ ورودِ بہار ہو بھی چکا
مگر نگاہِ گل و لالہ سوگوار سی ہے

(۱)

فضا میں گرم بگولوں کا رقص جاری ہے
افق پہ خون کی مینا چھلک رہی ہے ابھی
کہاں کا مہرِ منور، کہاں کی تنویریں
کہ بام و در پہ سیاہی جھلک رہی ہے ابھی

(۲)

فضائیں سوچ رہی ہیں کہ ابنِ آدم نے
خرد گنوا کے، جنوں آزما کے کیا پایا
وہی شکستِ تمنّا، وہی غمِ ایّام
نگارِ زیست نے سب کچھ لٹا کے کیا پایا

(۳)

بھٹک کے رہ گئیں نظریں خلا کی وسعت میں
حریمِ شاہدِ رعنا کا کچھ پتہ نہ ملا
طویل راہ گذر ختم ہو گئی لیکن
ہنوز اپنی مسافت کا منتہا نہ ملا

(۴)

سفر نصیب رفیقو! قدم بڑھائے چلو
پرانے راہنما لوٹ کر نہ دیکھیں گے
طلوعِ صبح سے تاروں کی موت ہوتی ہے
شبوں کے راج دلارے ادھر نہ دیکھیں گے

(۵)

ساحر لدھیانوی

لینن اور ہندستان کے انقلابی رہنما

از : اے . نسیم

عظیم اکتوبر اشتراکیتی انقلاب کے بعد، انقلاب کے اور محنت کش لوگوں کے سربراہ رہی۔ آج لینن کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی اور وہ ساری دنیا کے محنت کش طبقہ کے لوگوں کے رہبر بن گئے۔ ساری دنیا میں سامراجیت کے شکنجہ سے نجات پانے کے لئے مجاہدین کو اپنی جدوجہد میں اس انقلاب کے سربراہ سے کافی فیض حاصل ہوا۔ جب روسی پرولتاریت کی فتح کی خبر ہندستان میں پہونچی تو اس وقت ہندستان کے مجاہدین آزادی کو اس خبر سے کافی تقویت پہونچی۔ ان میں عزم نو پیدا ہو گیا۔

روس میں انقلاب کی کامیابی کے بعد ہندستان کے بہت سارے باشندے تمام مشکلات اور پابندیوں کو عبور کرتے ہوئے مزدوروں اور کسانوں کی پہلی اشتراکیتی ریاست سوویت روس پہونچے اور ماسکو کا بھی دورہ کیا۔ ان ہندستانیوں میں ایک رفیق احمد صاحب تھے۔ وہ اب بھی زندہ ہیں۔ اس طرح بہت سارے لوگوں نے (جن میں ہندستان کے لوگ بھی شامل ہیں) جو اس وقت یورپ میں تھے سوویت روس جا کر ذاتی طور پر لینن سے ملاقات کی۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف اکتوبر انقلاب کے بعد ہی ہندستانیوں کو لینن کی بابت معلومات حاصل ہوئیں۔ اس بات کی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ اس انقلاب سے قبل کئی ایک ہندستانیوں نے لینن سے ملاقات کی۔

۱۹۰۷ء میں میڈم بی۔ آر۔ کاما اور شری ایس۔ آر رانا نے دوسرے انٹرنیشنل کے اسٹٹگارٹ کانگریس میں سرکاری نمائندوں کی حیثیت سے شرکت کی۔ میڈم کاما فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی کی ممبر تھیں۔ ۱۹۱۰ء میں ایک فرانسیسی اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ایک لاسینو بنا کاما، جنہیں "ہندو سوشلسٹ" کہا جاتا تھا نے سینے میں ڈیپارٹمنٹ کے سوشلسٹ فیڈریشن کے کانگریس میں شرکت کی۔ جب میڈم کاما اور شری رانا اسٹٹگارٹ سے واپس آئے، تو انہوں نے پیرس میں دیگر ہندستانی انقلابیوں کو لینن، روسی سوشلسٹوں اور جنگ کے مسئلہ اور قوموں کے خود فیصلہ کرنے کے حق کی بابت ان کے خیالات سے روشناس کرایا۔ اس طرح ہندستانی قوم پرستوں کی ایک جماعت جس میں شری دریندرا ناتھ چٹو پادھیہ شامل تھے، روس کا دورہ کیا، لینن سے ملاقات کی اور اس وقت کے اہم سیاسی مسائل پر لینن کے افکار و آرا سے واقف ہوئے۔

اکتوبر انقلاب کے بعد پروفیسر جبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری پہلے ہندستانی تھے جنہوں نے لینن سے ملاقات کی۔ یہ دونوں بہت عرصہ تک جرمنی میں رہے لیکن یہ دونوں کسی انقلابی جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ دونوں اپنے نام کو بدل کر جبار صاحب سے احمد ھادی اور ستار صاحب سے محمد حارث کے نام سے روس گئے۔ انہوں نے ۲۳ نومبر ۱۹۱۸ء کو کریملن میں لینن سے ملاقات کی اور انہیں اکتوبر انقلاب کی کامیابی کیلئے ہندستان کے لوگوں کی طرف سے ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ انہوں نے لینن کو بتایا کہ قوموں کے اظہار خودی کے لئے ان کی (لینن کی) پکار برٹش کی حائل کردہ تمام رکاوٹوں کو پار کرتی ہوئی ہندستان پہونچ چکی ہے اور اب ہندستان کے لوگوں میں یہ اعتماد پیدا ہو چکا ہے کہ وہ برٹش سامراجیوں کو ہندستان سے نکال باھر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس ملاقات کے دو دنوں کے بعد یعنی ۲۵ نومبر ۱۹۱۸ء

کو لینن نے کل روس مرکزی ایگزیکیوٹو کمیٹی میں جناب جبار اور جناب ستار کو مدعو کیا۔ اس کمیٹی کے بہت سارے اہم مسائل پر گفت و شنید کرنے کے لئے یہ نشست ہوئی تھی۔ اس کمیٹی میں ان دونوں ہندستانیوں نے تقریریں کیں:

"روسی انقلاب کے رہنما، کامریڈس، دوستو!

آپ لوگوں سے ذاتی طور پر بات چیت کرنے کا جو موقع ہمیں فراہم کیا گیا ہے اس کے لئے ہم آپ کے مشکور ہیں اور ہندستان کے لوگوں کی طرف سے آپ لوگوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ روسی انقلاب کو بھی ہم ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہیں کہ اس نے ہمارے لئے ایک نئی امید لائی اور ہماری جدوجہد میں ہمیں ایک نئی راہ دکھلائی۔"

جناب جبار اور جناب ستار نے روسی انقلاب کی کامیابی پر خراج تحسین کے طور پر لینن کو صندل لکڑی کی ایک چھڑی، جس کا سرا ہاتھی دانت کا بنا تھا، پیش کی۔ یہ چھڑی ماسکو میں لینن عجائب خانہ میں ابھی بھی ہے۔

۱۹۱۸ء میں "پراودا" اخبار میں لینن کے نام ہندستان کے لوگوں کا ہدیۂ تہنیت کا پیغام شائع ہوا۔ پیغام یوں تھا۔

"آپ کو (لینن) اس عظیم فتح پر جسے آپ نے جمہوریت کے مفاد میں حاصل کی، ہندستان دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔ ہندستان ان اعلیٰ اور انسان دوست اصولوں کو، جن کا آپ نے برسراقتدار آنے کے بعد اعلان کیا، کافی سراہتا ہے۔"

راجہ مہندر پرتاپ، جنہوں نے ۱۹۱۵ء میں کابل میں ہندستان کی عارضی حکومت کی تشکیل کی تھی اور اس حکومت کے وہ سربراہ بھی تھے، ۱۹۱۹ء کے شروع شروع میں نئی سوویت حکومت، جس کے سربراہ لینن تھے، سے تعلقات قائم کرنے کے لئے ماسکو گئے۔ راجہ پرتاپ نہ صرف ایک مجاہد آزادی تھے بلکہ اچھے فلسفی اور مصنف بھی تھے۔ وہ بہت ساری باتوں کے سلسلے میں لینن سے گفت و شنید کرنے کے خواہاں تھے۔

راجہ پرتاپ کے ساتھ مولانا برکت اللہؒ، جو اس عارضی حکومت کے وزیر اعظم بھی تھے، مولوی عبدالرّب پشاوری، پیڑومل منڈیام ہر تیرادی، بھائیکر آچاریہ، دلیپ سنگھ جل، جناب ابراھیم بھی تھے۔ ان لوگوں نے ۷ رمئی ۱۹۱۹ء میں کریملن میں لینن سے ملاقات کی اور ہندستان کی آزادی سے متعلق بہت سی باتوں پر گفت و شنید کی۔ بات چیت کے بعد راجہ مہندر پرتاپ نے اپنے لکھے بہت سارے پمفلیٹس، جس میں محبت کا مذہب بھی شامل تھا لینن کو دئے۔ لینن نے "محبت کا مذہب" پمفلیٹ کو پڑھا اس کے بعد انہوں نے راجہ کو مشورہ دیا:

"مذہب ہندستان کے لوگوں کو نہیں بچائے گا۔ ٹولسٹائی، ان کی طرح دیگر لوگوں نے روس میں بھی ایسی کوششیں کیں لیکن وہ سب ناکام رہے۔ آپ ہندستان واپس جائیے اور وہاں طبقاتی جدوجہد کا پرچار کیجئے اور اس طرح ہندستان کی آزادی کا راستہ نزدیک آجائے گا۔"

مولانا برکت اللہ نے لینن سے ہندستان میں بغاوت اور انقلاب کی ضرورت کی بابت بات چیت کی۔ اس کے بعد لینن نے تمام لوگوں سے فرداً فرداً بات چیت کی لیکن انہوں نے ابراہیم صاحب کو کچھ زیادہ وقت دیا۔ ابراہیم صاحب پنجاب کے کسان تھے۔ لینن نے ان سے زرعی مسائل پر بات چیت کی۔

مانوندرا ناتھ رائے (اصل نام نریندرا ناتھ بھٹاچاریہ) میکسیکو سے ایک نمائندہ کی حیثیت سے ماسکو میں ۱۹ رجولائی سے ۷ راگست ۱۹۲۰ء تک منعقدہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کے دوسرے کانگریس میں شرکت کی۔ ابانی مکھرجی اور اچاریہ اس کانگریس میں ہندستانی وفد تھے۔ انہوں نے کانگریس میں لینن سے ملاقات کی۔ ان لوگوں نے لینن سے ہندستان کی صورتحال اور ہندستان میں قومی آزادی تحریک کے مسائل کی بابت گفت و شنید کی۔

جولائی ۱۹۲۱ء میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کے تیسرے کانگریس میں بہت سارے ہندستانی انقلابیوں نے شرکت کی۔ یہ سب برلن سے آئے تھے۔ ان انقلابیوں میں دریندرا ناتھ چٹوپادھیا، پنڈرنگ سداشیو کھان کھوبے اور جی۔ انبیا خان لوھانی شامل تھے۔ ۷ رجولائی ۱۹۲۱ء کو ان لوگوں نے "ہندستان اور عالمی انقلاب" پر ایک تھیسس لینن کے پاس بھیجا۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط لکھا — "ہمیں امید ہے کہ جب آپ کو فرصت ہوگی تو ہم آپ ہندستان کی بابت گفت و شنید کریں گے۔"

دوسرے ہی دن لینن نے انگریزی میں اس خط کا جواب لکھا :" میں نے بہت ہی دلچسپی کے ساتھ آپکی تھیسس کا مطالعہ کیا۔ میں جلد ہی آپ لوگوں سے بات چیت کروں گا "۔ اور چند دنوں کے بعد لینن نے ان سے بات چیت کی۔

سوامی وویکانند کے بھائی شری بھوپیندرا ناتھ دت انقلابی رہنما تھے۔ وہ اس وقت یورپ میں تھے۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل کے سربراہوں نے انہیں اور دیگر ہندوستانی انقلابیوں کو ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کی بابت گفت وشنید کرنے کے لئے مدعو کیا۔ ۲۳ر اگست ۱۹۲۱ء کو شری بی۔ این۔ دت نے لینن کے پاس اپنی تھیسس "کمیونسٹ انقلاب ـــ ہندوستانی مسئلہ کا آخری حل" بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی بھیجا۔

عزیز کامریڈ!

میں ایک ہندوستانی ہوں اور دیگر ہندوستانی انقلابیوں کے ساتھ مغربی یورپ سے یہاں پہونچا ہوں۔ میرے ایک مضمون کی تصحیح کردہ کاپی آپ کے پیش خدمت ہے۔ یہ مضمون ہندوستان کی صورتحال اور اس ملک میں انقلابی طاقتوں کی نوعیت اور خصوصیت کی بابت ہے۔

ہندوستان کی انقلابی تحریک کے اغراض ومقاصد کی بابت بہت سارے نظریے پیش کئے گئے۔ اس مضمون میں میں نے اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا اگر آپ میرے اس مضمون کا مطالعہ کریں اور اپنی قیمتی رائے سے مجھے نوازیں۔

آپ کا مخلص

بھوپیندرا ناتھ دت

لینن اس وقت گورکی میں تھے اور انکی صحت بھی اچھی نہ تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے اس مضمون کا غائر مطالعہ کیا اور ۲۶ر اگست ۱۹۲۱ء کو شری بی۔ این۔ دت کو جواب لکھا۔

پیارے کامریڈ دت!

میں نے آپکی تھیسس کا غائر مطالعہ کیا۔ ہمیں سماجی طبقوں کی بابت بحث ومباحثہ نہیں کرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ نوآبادیاتی کے سوال پر میری تھیسس کو رد بہ عمل لانا بہتر ہوگا۔ اگر ہندوستان میں کسانوں کی یونینیں ہیں، تو آپ اس سلسلے میں اعداد وشمار اکٹھا کیجئے۔

آپ کا

وی۔ اولیانو (لینن)

لینن کے اس مشورہ کا دت پر بہت گہرا اثر ہوا۔ وہ ہندوستان واپس آئے۔ مزدوروں اور کسانوں کے درمیان کام کیا اور بعد میں یعنی ۱۹۵۲ء میں اپنی مشہور کتاب "ہندوستان کی معیشت اراضی کے مناظرہ منطقی" لکھی۔

لینن کے تصورات نے ہندوستان کی قومی تحریک پر زبردست اثر کیا۔ گیا میں کانگریس کے ۱۹۲۲ کے سیشن میں ایک پمفلٹ بنام "ہم کیا چاہتے ہیں" ممبروں کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ اس پمفلٹ کے آخری باب کا عنوان تھا " انقلابی عوامی اقدام"۔ اس باب میں مکمل آزادی حاصل کرنے کیلئے اقدامات کا ذکر تھا۔ لینن کی براہ راست سربراہی اور رہنمائی کے تحت کمیونسٹ انٹرنیشنل کے چوتھے کانگریس میں اپنائے گئے اصولوں کی بنیاد پر یہ پمفلٹ تیار کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے ہندوستان کی قومی تحریک میں انقلابی عوامی اقدامات کا تصور، مرکزی نقطہ بن گیا۔

دستیاب حقائق سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ لینن نے ہندوستانی انقلابیوں سے ربط ضبط قائم رکھا تھا۔ اپنی بہت ہی مشغول زندگی اور گرتی ہوئی تندرستی کے باوجود لینن ہندوستانی انقلابیوں کو کافی وقت دیا کرتے تھے۔ جون ۱۹۱۹ء میں لینن نے جی۔ وی۔ جی چیرین کو لکھا ہے " آپ نے اس ہندوستانی کی مدد کرنے کیلئے کیا کیا؟ .... کیا اس کے مضمون کو شائع کردیا یا کسی اور سلسلے میں اس کی مدد کی؟"۔

ایک ہندوستانی پروفیسر جناب ایم۔ برکت اللہ نے لینن کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں انہوں نے ہندوستان میں برٹش سامراجیت کے خلاف جدوجہد کا ذکر کیا تھا اور یہ درخواست کی تھی کہ بولشیوزم پر ان کے مضمون کو شائع کردیا جائے۔ لینن نے اس خط کے سلسلے میں جی چیرین کو خط لکھا تھا۔ جناب برکت اللہ نے،

"روس بمقابلہ لینن" ایک لمبا سا مضمون لکھا تھا اور ترکی زبان میں قزاکستان سے شائع ہونے والے ایک اخبار میں سلسلہ وار اسے شائع کیا گیا۔

نومبر ۱۹۲۱ء میں شری ابانی مکھرجی نے مالابار بغاوت پر ایک مضمون لکھا اور اشاعت کے لئے اسے لینن کے پاس بھیج دیا۔ لینن نے اس مضمون کو اشاعت کے لئے "پروادا" کے حوالے کر دیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے "پروادا" کو یہ خط بھی لکھا:

"ہندوستانی کامریڈوں کے لئے اخبار میں زیادہ سے زیادہ جگہ دی جانی چاہئے تاکہ انکی ہمت افزائی ہو اور ہندوستان اور اسکی انقلابی تحریک کی بابت زیادہ معلومات حاصل ہوں۔"

جناب شوکت عثمانی ایک ہندوستانی انقلابی تھے۔ ان کا چند سال قبل انتقال ہوا۔ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں کریملن میں لینن سے اپنی ملاقات کا یوں ذکر کیا ہے:

"مارچ ۱۹۲۱ء میں میں اور میرے کامریڈ عبدالمجید دونوں بین الاقوامی ٹریڈ یونین لیڈروں کے وفد میں شامل تھے۔ وفد کے تمام ممبروں کو کریملن کی سیر کرائی گئی۔ اس وفد میں تقریباً ۲۲ افراد شامل تھے۔ اس وفد سے ملاقات کرنے کے لئے لینن اپنے دفتر سے باہر آئے اور وفد کے تمام ممبروں کو خوش آمدید کہا اور ان سے پوچھا کہ ماسکو شہر انہیں پسند آیا؟

ایک دن لینن نے مشرق کے عوام کی یونیورسٹی کے ہندوستانی طلبار کو دعوت دی کہ وہ سب ان سے کریملن میں ملیں۔ ان طلبار میں جناب رفیق احمد بھی شامل تھے۔ اس ملاقات میں لینن نے طلبار سے اچھی اچھی باتیں کیں۔

اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے طلبار نے کہا: "دیکھو ہم لوگ ہاسٹل میں جو چائے پیتے ہیں لینن اور ان کے ساتھی بھی وہی چائے پیتے ہیں۔ چائے میں خشک سیب ملا دیا گیا تھا۔ سبھوں نے چینی اور دودھ کے بغیر یہ چائے پی (سوویت حکومت کے ایک حکم نامہ کے تحت ان دنوں چینی اور دودھ صرف بچے ہی استعمال کر سکتے تھے)۔

طلبار نے مزید کہا: "لینن نے ہم لوگوں سے کہا: یہاں سیکھنے کے ہر موقعہ کو بروئے کار لاؤ، لیکن صرف کتابوں سے ہی نہیں۔ دیکھو لوگ انقلاب کو کس طرح لے جا رہے ہیں اور جب تم سب ہندوستان واپس جاؤ گے تو وہاں تم نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد شروع کر دو گے۔"

بعد میں ۱۹۲۲ء میں ماسکو میں مشرق کے لوگوں کی کانفرنس کے دوران جناب رفیق احمد کو لینن سے ملاقات کرنے کا موقعہ ملا۔ رفیق احمد صاحب ابھی بھی بقید حیات ہیں اور بھوپال میں رہتے ہیں۔ انہیں وہ منظر یاد ہے جب لینن نے اس کانفرنس میں یہ اعلان کیا تھا کہ سامراجیت اور نوآبادیت کے خلاف ساری دنیا کے لوگوں کی جدوجہد کی سوویت روس تائید کرتا ہے اور اس جدوجہد میں وہ لوگوں کی مدد کرے گا۔" ان کی اس تقریر پر سامعین نے انہیں دل کھول کر داد دی۔

لینن نے اپنے دوران زندگی میں ان تمام لوگوں کو محرک بنا دیا جنہوں نے ان سے ملاقات کی۔ آج بھی ہندوستان میں لاکھوں لاکھ لوگ بہتر زندگی اور بہتر مستقبل کے لئے اپنی جدوجہد میں ان سے جلا پاتے ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر ۶ کا)

اور یہ وہ خواب نہ تھا جس کی تعبیر کے لئے آزادی کی جدوجہد کے دنوں میں اعلان کیا گیا تھا اور جس کے لئے عہد کیا گیا تھا جب برٹش حکومت نے حکومتِ ہندوستان ایکٹ ۱۹۳۵ء پاس کیا تو اس وقت صوبوں کو بہت ہی کم اختیارات دئیے گئے اور حد سے زیادہ اختیارات حکومتِ مرکز کو دے دئیے گئے اور اس وقت مجاہدین آزادی نے اس بات کی شدید مخالفت کی تھی۔ اسی کے ساتھ ہی اس بات کا اعلان کیا گیا تھا اور عہد کیا گیا تھا کہ آزاد ہندوستان کی وفاقی ساخت ہوگی اور ہر صوبہ کو اپنی بابت فیصلہ کرنے کے اختیارات حاصل ہوں گے اور باقی ماندہ اختیارات بھی ریاستوں کو دے دئیے جائیں گے۔

اس عہد سے چشم پوشی کی گئی، خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ مرکز۔ ریاست تعلقات پر از سر نو غور کرنے کی مانگ پر آج جو جدوجہد رونما ہو رہی ہے وہ اسی منزل کی طرف ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ صحیح معنوں میں وفاقی ڈھانچہ کے بغیر ہندوستان اتنی تفریق کے ساتھ خوشحال نہیں ہو سکتا، ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ ہماری عظیم ذمہ داری ہے کہ ہم اس رونما ہونے والی جدوجہد کو مستحکم بنائیں۔

۲۶ جنوری ——— ایک تاثر

ڈاکٹر یوسف تقی

★★

یہ دن ہے وہ دن
کہ جس کی نساط
ہمارے اجداد کے لہو کا ہر ایک قطرہ
تھا جنسِ ارزاں

یہ دن ہے وہ دن
کہ جس کو پانے کی آرزو میں
ہزاروں آنکھوں کے خواب جھلسے
ہزاروں چہروں کے رنگ بدلے

یہ دن ہے وہ دن
کہ جس کے سینے میں ہم نے رکھے
وہ سنگِ اوّل
کہ جس میں کندہ تھے
عدل و انصاف و حریت کے
اخوتِ قوم اور رجّت کے
اصول سارے
مگر جو سوچوں "یہ دن" نے آخر
گزشتہ سالوں میں کیا دیا ہے؟
ہمارے اجداد کی قربانیوں کا
صلہ ملا بھی تو کیا ملا ہے؟
ذہن شعلوں سے بھر گیا ہے
شرم آنکھوں سے خون بن کر ٹپک رہی ہے
گزشتہ سالوں میں
خود اپنے پاؤں سے ہم نے اپنی
جمہوریت کو کچل دیا ہے
گزشتہ سالوں میں
ساری قدریں، جو ہم کو ورثے میں
دی گئی تھیں
مٹا دیں ہم نے

گزشتہ سالوں میں
ہم نے اپنے دلوں کی کھیتی کو خوں سے سیراب کر دیا ہے
گزشتہ سالوں میں نفرتوں کی
فصیل اونچی ہوتی ہے ہم سے
گزشتہ سالوں میں
ہم نے کھولی ہیں
ارضِ ہند کے ہر ایک خطے میں
قتل گاہیں
گزشتہ سالوں کے
فصلِ گُل میں
ببول بوتے ——— ببول کاٹے
جو لحظہ لحظہ فنا کے رستوں پہ بڑھ رہے ہیں
جو ریزہ ریزہ بکھر رہے ہیں
جو قطرہ قطرہ پگھل رہے ہیں
اگر نہ سنبھلے
اگر نہ سمٹے
اگر نہ تھمے
تو شاید اک دن
ہماری تاریخ عہدِ رفتہ کی بھولی یادوں میں
جا چھپے گی۔

OO

جوابِ دو

بنگلہ : موکلیش بسواس —— اردو : مصطفیٰ اکبر

بخیسر ۲۷ ویں برس کی طویل مدت گزر چکی ہے

اسی طرح سے
محل کی چوٹی پہ تاج بن کر
مچل رہا ہے ترنگا جھنڈا
عمر بڑھتی ہی جا رہی ہے
نمودِ آزادیٔ وطن کی
ہائے آزادی

بوڑھی عورت کواڑ کھولے
کسی کی آمد کی منتظر ہے
اداس آنکھوں میں تلخ یادوں کا قافلہ ہے
کہ جس کے جھرمٹ سے جھانکتا ہے
کسی کا چہرہ
لہو میں لت پت
لہو میں اپنے کسی کے ماتھے کا رنگ بھر کر

یہ بوڑھی عورت یوں آگے پیچھے چہار جانب
نہ جانے کیا ڈھونڈتی ہے
تلاش کیا ہے؟
حدِ نظر تک ہے نا امیدی کا کالا بادل
نگاہیں مایوسیوں کی پہنائیوں میں گم ہیں
خموش ہیں دل کی دھڑکنیں بھی
ضمیر کی نبض مضمحل ہے
یہ ستمگاروں کی خواب گاہیں
زمیں کی تہ میں دھنس رہی ہیں
جوانی جینے کی لذتوں کو گنوا رہی ہے

فریب پرور دنوں کے لمحے
معانی کے مستحق نہیں ہیں

یہ بوڑھی عورت کواڑ کھولے
کھڑی ہے کب سے سوال بن کر
جواب دو کوئی
کہ جنگِ آزادیٔ وطن میں
شریکِ راہِ سفر کو کھو کر
ہوئی تھی جو سرخرو معزز
زمانے بھر کی نگاہ میں معتبر ہوئی تھی
وہ معتبر باوقار عورت
کیا ہوئی ہے

ہے چار جانب سکوت طاری ★★

ایشیاٹک سوسائٹی
ثقافتی اشتراک کا روشن مینارہ

از: ———— شری پی۔ آر۔ چودھری

کلکتہ کی مشہور شاہراہ علے پارک اسٹریٹ میں قائم ایشیاٹک سوسائٹی ایک ایسا ادارہ ہے جو مغربی زبانوں کے ساتھ سنسکرت کے نسلی تعلقات کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشرق اور مغرب کے درمیان ثقافتی اشتراک کا ایک یادگار مینارہ ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے۔ اس ادارہ کی بنیاد ۱۵ جنوری ۱۷۸۴ء میں ڈالی گئی تھی۔ اس دن جو میٹنگ ہوئی تھی اس میں کلکتے کے تیس معزز یورپی باشندوں نے شرکت کی تھی اور صدارت کے فرائض سر رابرٹ چیمبرس نے انجام دئے تھے جو بنگال میں فورٹ ولیم کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تھے۔ سر ولیم جونس نے جو ایک جج تھے ایشیاٹک سوسائٹی کے نام سے ایک سوسائٹی کی بنیاد ڈالنے کی تجویز رکھی تھی۔ سوسائٹی کے پہلے صدر کی حیثیت سے سر ولیم جونس نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا تھا:

"اب اگر دریافت کیا جائے کہ ہماری تحقیقات کے مقاصد کیا ہیں تو ہم یہی جواب دیں گے کہ انسان اور فطرت، کیونکہ یہ ایک دوسرے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں"

وہ یادگار الفاظ سوسائٹی کے اغراض و مقاصد کے لئے ایک محاورہ بن گئے اور ان الفاظ کو قواعد کی عرضداشت میں شامل کر لیا گیا۔

"تحقیقات کا جہاں تک تعلق ہے وہ ایشیا کے حدود تک ہوں گے اور انہی کے اندر تحقیقات کی جائیں گی لیکن انکی وسعت بڑھتی جائے گی جو انسان اور فطرت تک پہونچ جائے گی"

رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف لندن کے صدر نے ۱۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ اپنے افتتاحی خطبے میں سر ولیم جونس نے کہا تھا ———— "ایک سوسائٹی کے ادارے کا کام تاریخ بلدیاتی، نیچرل، نوادرات، فنون، سائنس اور ادب کی تفتیش کرنا ہوگا جس کا تعلق ایشیا سے رہے گا"

انہوں نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ "جہاں تک علم و تحقیقات کی مختلف شاخوں کا تعلق ہے خواہ وہ سائنسی ہوں یا ادبی وہ ایشیا سے متعلق ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی کو اگر ہلاٹو کے دور کی اصطلاح میں حقیقی اکاڈمی کا نام دیا جا سکتا ہے جو بہت وسیع ہوگا"

ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے ۱۰ جنوری ۱۹۴۲ء کو اپنے خطبے میں کہا تھا ———— "ایشیاٹک سوسائٹی، جس کی بنیاد سر ولیم جونس نے رکھی تھی مشرق کی عظمت اور تہذیب کے مفاد کی ذمہ دار ہے۔ پورے یورپ میں اس ادارے کو دوسری ایسوسی ایشنوں پر فوقیت حاصل ہے جو انیسویں صدی کے پہلے نصف میں یورپ میں شروع ہوئی تھی"

برسلز نیچرلسٹس سوسائٹی کے صدر ایل۔ ایل۔ فرمور اور اعزازی سکریٹری آر۔ لینڈیل کے الفاظ میں "سر ولیم جونس نے کلکتہ میں ۱۷۸۴ء میں جس ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی تھی اس نے ایشیا میں ان سبھی چیزوں، جن کا تعلق انسان اور فطرت سے ہے تحقیق کے لئے ایک روشن دیا جلایا تھا جس سے تاریخی، لسانی،

آثار قدیمہ اور سائنس پر تحقیقات جاری ہیں۔ وہ ایک روشن چراغ
ہے جس کی روشنی کم نہیں ہوتی۔ سوسائٹی کی تحقیقات میں دن
بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ہندوستان کی فطری تاریخ، آثارِ
قدیمہ، فنون کے ذخائر اب انڈین میوزیم میں ہیں جس کی بنیاد
۱۸۷۶ء میں ڈالی گئی تھی۔ سوسائٹی کے نیچرل ہسٹری کا جہاں تک
تعلق ہے اس میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ سروے،
نباتات، جیولوجیکل، زولوجیکل کے شعبوں میں تحقیقات جاری ہیں
اور اب انڈین میوزیم میں انکی ترقی ہو رہی ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی
آف بنگال کے تحت انڈین سائنس کانگریس ایسوسی ایشن
عالم وجود میں آئی۔ اسی طرح نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سائنس آف
انڈیا کی تشکیل ہوئی اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے نوجوان
اور بوڑھے ہندوستان کی فطری تاریخ کی تحقیقات میں مصروف
ہیں۔

۲۰۰ برسوں کے طویل عرصے میں ایشیاٹک سوسائٹی
نے ایک نہایت شاندار لائبریری قائم کرلی جس میں مخطوطات، شائع
شدہ کتابیں اور کافی تعداد میں تالیف کی ہوئی مطبوعات ہیں۔ ہندوستان
اور دنیا کے دوسرے علاقے میں دوسری ایشیاٹک سوسائٹیاں بھی
قائم ہوگئی ہیں لیکن سبھوں نے کلکتہ کو ہی بنیاد بنایا ہے۔

بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پونا کے ڈائریکٹر
آر۔ این۔ دندیکر کے بموجب "انسٹی ٹیوٹ نے یوں تو بہت زیادہ تحقیقی
کام کئے لیکن ہندوستان کے قومی المیہ مہابھارت کی جو تنقیدی
تالیف کی گئی ہے اسے ایشیاٹک سوسائٹی نے فراہم کیا تھا۔"

رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (۱۹۴۶ء - ۱۹۴۲ء)
کے سابق جنرل سکریٹری ڈاکٹر کالی داس ناگ کے بموجب "سر ولیم
جونس اور ان کے لائق جانشین ایچ۔ ٹی۔ کول بروک اور ان کے
رفقاء کی مساعی سے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے نایاب
مخطوطات، سنسکرت کی کتابیں، گرامر اور ڈکشنریاں شائع کیں۔
اسی کے ساتھ ساتھ ایشیاٹک ریسرچز (۱۸۳۹ء - ۱۷۸۹ء) میں بھی کام
ہوا صرف سنسکرت پر ہی خصوصی توجہ نہیں دی گئی بلکہ ایشیا کی مختلف
زبانوں اور مختلف تہذیبوں کی طرف ہمارے دانشوروں نے توجہ دی اور

سوسائٹی کے محققین نے ان پر تحقیقات کیں۔ سوسائٹی کی طرف سے
جرنل کا، روایتوں، یادگاروں، ببلیوتھیکا انڈیکا (اصل میں ببلیوتھیکا
ایشیاٹیکا) نکالے گئے۔ چینی کردار بنگال میں سر ولیم جونس نے شائع
کیا اور مارشمین نے کوحین چینی محترم تارپٹ کی مدد کی اور اسی
طرح اکامائٹ — لاطینی ڈکشنری (۱۸۲۸ء) شائع ہوئی۔ تبتی گرامر
اور ڈکشنری بھی ہماری سوسائٹی نے ہنگری کے ممتاز محقق کوما ڈی
کورو (۱۸۴۲ - ۱۷۸۴ء) کی مدد سے تیار کی تھی۔ ان کی تحقیقات سے
رائے بہادر سرت چندر داس، ڈاکٹر ستیش چندر ودیابھوشن اور
دوسروں نے استفادہ کیا۔

ہمارے پہلے ہندوستانی صدر ڈاکٹر راجندر لال مترا
نے ۱۸۸۴ء میں پہلی صدی کا جائزہ تصنیف کیا۔ ہندوستانی آرکیالوجی، فائن
آرٹس اور نصابی تنقید پر بے مثال کام کئے گئے اور اس میں مشہور
پنڈتوں جیسے ستیہ برتا سامسری، ہری پرشاد شاستری اور دوسروں
نے نمایاں تحقیقات کیں۔ مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کی عربی اور فارسی
اور دوسری زبانوں پر فیاضانہ توجہ دی گئی۔ ہمارے مشہور سکریٹری
جیمس پرنسپ (۱۸۴۰ - ۱۷۹۹ء) نے قبل از وقت مرگ اشوک کے کتبات کا
جائزہ لیا اور ہندوستانی تاریخ وتہذیب کا سائنسی مطالعہ کیا۔

ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کے الفاظ میں "سر ولیم جانس
نے ۲ر فروری ۱۷۸۶ء میں تیسری جنرل میٹنگ کے موقع پر جو
خطبہ دیا تھا اس میں ایشیاٹک سوسائٹی نے رسمی طور پر اعلان کیا تھا
کہ یورپی دنیا میں نصاب کے ذریعہ ہندوؤں کی تاریخ و تہذیب،
ہندوستان میں سنسکرت زبان اور ہندوستانی تہذیب و ادب کا احیاء
کیا جائے گا اور یونان اور لاطینی سے اس کا جو تعلق ہے اس پر
تحقیقات کی جائیں گی۔ سر جونس کے اقوال کو وقتاً فوقتاً سالانہ کتب
میں دہرایا جاتا ہے:"

سنسکرت زبان نادر اور شاندار جزئیات پر مشتمل
ہے، یونانی سے بھی زیادہ مکمل، لاطینی سے زیادہ قابل اور دوسری
زبانوں سے زیادہ صاف ستھری ہے۔ گرامر کے سارے جزئیات موجود
ہیں۔ تینوں زبانوں کا جائزہ لیا جائے تو منبع تقریباً ایک ہی نظر آئے
گا لیکن سنسکرت کو اولیت حاصل رہے گی۔ سنسکرت کے محاورے

سف سستھرے اور شفاف ہیں۔ سنسکرت کی ارتقائی منزلوں کا جائزہ
لیا جائے تو فارسی کو بھی اسی خاندان میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ سر
ولیم جونس نے جو مشورے لسانی اسکالروں کو دئے تھے انہیں صحیح راہ
پر عمل کر کے جذب کیا گیا اور زبانوں کے اسی گروپ میں شامل کیا گیا۔
تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ ایک ہی خاندان کے نکالے گئے ممبران ہیں۔
ایک نئی انسانی سائنس جس کا تقابلی فلسفہ یا لسانیات کا جائزہ لیا گیا تو
معلوم ہوا کہ بے شمار یگانگی ہے۔

سر ولیم جونس ان لوگوں کے فرزندوں کے انتہائی روشن
خیال ایک کامیاب ماہر عرب اور ماہر ایرانیات تھے۔ ہندوستان میں آنے
کے چند برسوں کے بعد ہی سنسکرت کے وہ ایک عظیم اسکالر یورپی
باشندوں میں ہو گئے۔ جونس نے کالی داس کے مشہور و معروف
ڈرامہ شکنتلا کا انگریزی میں (۱۷۸۹ء) ترجمہ کیا۔ ان کا یہ کام بین الاقوامی
ادب میں ایک بے مثال خدمت ہے۔ اسی طرح انہوں نے سنسکرت
سے ہیتو پدیش اور منوسمرتی (۱۷۹۴ء) کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

۱۷۸۴ء میں جب ایشیاٹک سوسائٹی کا قیام عمل میں
آیا تو اس میں آخری لفظ "کے" بھی شامل تھا اور یہ سلسلہ
۱۸۲۵ء تک جاری رہا۔ ۱۸۲۵ء میں ایشیاٹک سے انگریزی لفظ
"کے" حذف کر دیا گیا۔ ۱۸۲۹ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف
گریٹ بریٹین اور آئرلینڈ عالم وجود میں آئی اور سوسائٹی نے
ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) سے درخواست کی کہ وہ اس تنظیم سے
منسلک ہو جائے لیکن درخواست کو شکریہ کے ساتھ نامنظور کر دیا
گیا۔ ۱۸۰۴ء میں بمبئی میں لٹریری سوسائٹی آف بمبئی قائم ہوئی اور وہ
لندن سوسائٹی سے منسلک ہو گئی اور اس کا نام رائل ایشیاٹک سوسائٹی
بمبئی رائج ہو گیا۔ ۱۸۳۲ء میں سوسائٹی نے مسٹر جیمس پرنسپ سے
اجازت حاصل کی کہ کیپٹن جے۔ ڈی ہربرٹ کے سائنس میں رسالہ
گلیننگس کو جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی کے نام سے
شائع کیا جائے۔ مسٹر جیمس پرنسپ نے لندن کے جرنل آف دی
رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو مدنظر رکھتے ہوئے سرورق پر "آف بنگال"
کا اضافہ کرنے کی بھی اجازت دی۔ بنگال کے اضافے پر شروع میں
ایشیاٹک سوسائٹی کونسل نے کوئی خاص توجہ نہیں دی کیونکہ پرنسپ نے
رسمی اجازت نہیں دی تھی۔ ۱۸۴۲ء میں جب ایشیاٹک سوسائٹی کونسل نے رسالہ
کی اشاعت کا کام شروع کیا تو رسالہ کا نام "ایشیاٹک سوسائٹی آف
بنگال" ہی رکھا گیا اور وہ رسالہ پوری دنیا میں کافی مقبول ہوا تو وہی
نام بحال رکھا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں سوسائٹی نے جب قوانین کا کوڈ بنایا
تو اس میں بھی "آف بنگال" کا نام باقی رکھا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں کونسل
کے سامنے پھر یہ سوال آیا کہ سوسائٹی کے نام سے "آف بنگال"
خارج کر دیا جائے لیکن جنوری ۱۹۰۰ء میں ممبروں کی جنرل باڈی نے
کونسل کی اس تجویز کو منظور نہیں کیا اور اس طرح صرف ایشیاٹک
سوسائٹی ہی نام رہا۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء کو سوسائٹی نے اپنی
۱۵۰ویں صد سالہ تقریبات منائیں تو اس وقت کے صدر نے تجویز
رکھی کہ سوسائٹی کا شاہی کردار بھی بحال کیا جائے اس لئے ادارے کا نام
"دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف انڈیا (ایشیاٹک سوسائٹی
آف بنگال)" رکھا جائے۔ اس سلسلے میں ایک درخواست برطانوی
حکومت کے پاس روانہ کی گئی اور جب ۱۹۳۶ء میں شاہی اجازت
حاصل ہو گئی تو ادارے کا نام "دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال"
کیا گیا۔

چند ممبروں کے مشورے اور حکومت ہند کے مکتوب کی بنیاد
پر سوسائٹی کے نام میں دوبارہ تبدیلی لائی گئی۔ حکومت ہند کا مکتوب
جولائی ۱۹۴۹ء میں موصول ہوا تھا۔ نام "دی ایشین سوسائٹی"
رکھا گیا لیکن ۲ر جنوری ۱۹۵۰ء کو جب سوسائٹی کی جنرل میٹنگ ہوئی
تو اس میں فیصلہ کیا گیا کہ یکم جولائی ۱۹۵۱ء سے پہلے ہی یہ نام تبدیل
کر دیا جائے اور صرف ایشیاٹک سوسائٹی رکھا جائے۔

سوسائٹی کی مطبوعات میں ایشیاٹک ریسرچ (۱۷۸۸
سے ۱۸۳۹ — ۲۰ جلدیں اور ایک انڈکس) جرنل آف دی ایشیاٹک
سوسائٹی آف بنگال، پہلا سیریز: (۱۸۳۲-۱۹۰۴ - دو حصوں
میں ہر ایک ۷۵ جلدیں — اس کے علاوہ متعدد فاضل اور ضمیمہ
شمارے) — کارروائیاں (۱۸۶۵-۱۹۰۴ — ۴۰ جلدیں)،
جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال — مکتوبات،
سائنس اور ایشیاٹک (۱۹۳۵-۱۹۵۲ — ۱۸ جلدیں ۱۹۰۸-۱۹۳۵
۶ جلدیں، ۱۹۰۶) — ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی یادگار —

۱۹۳۵ - ۱۹۰۵ - ۱۲ جلدیں۔

۱۹۷۱ سے مندرجہ ذیل سیریز شروع ہوئی:۔

(الف): پبلک لکچر سیریز، ۱۹۷۱ء (ب) ایشیاٹک سوسائٹی کا ماہوار بلیٹن، جنوری ۱۹۷۲ء (ج) سیمینار سیریز ۱۹۷۲ء (سیمنار کی کارروائیاں سائنس اور ادب دونوں میں)، (د) بمان بہاری مجمدار میموریل لکچرشپ سیریز، ۱۹۷۱ء۔ اس کے علاوہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۷۴ء کے درمیان مونوگراف کی ۲۴ جلدیں شائع کی گئیں۔

سوسائٹی نے ایک بہت ہی شاندار لائبریری بھی بنائی جس میں مختلف النوع کی بہترین کتابیں، جرائد اور مخطوطات موجود ہیں۔ لائبریری میں جنرل سیکشن، سنسکرت سیکشن، اسلامک سیکشن، سائی نو تبتی سیکشن اور جنوب مشرقی ایشیائی سیکشن موجود ہیں۔

۱۷۹۶ء میں ہی سوسائٹی نے اپنے ارادے کا اعلان کیا کہ ایک میوزیم بنایا جائے گا اور اس کی شروعات ڈاکٹر این ولیچ سپرنٹنڈنٹ کے تحت ۱۸۱۴ء میں ہوئی۔ سوسائٹی نے ۱۸۲۹ء اور دوبارہ ۱۸۵۷ء میں حکومت کے سامنے تجویز رکھی کہ کلکتہ میں ایک پبلک میوزیم قائم کیا جائے۔ طویل مذاکرات کے بعد کلکتہ میں ۱۸۶۶ء میں انڈین میوزیم پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ سوسائٹی نے قیمتی ذخائر میوزیم کو قرض کی شکل میں دیا۔ بہرحال سوسائٹی کا اپنا میوزیم ابھی بھی برقرار ہے جس میں اشوک کے زمانے کے کتبے، چند تانبے کے کتبات اور چند ہزار سکے۔ تانبے کی پلیٹوں کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ تیسری صدی قبل مسیح سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک کا احاطہ کئے ہوتے ہیں اور ہندستانی تاریخ وتہذیب کو سمجھنے میں بڑی آسانیاں ہوتی ہیں۔ سکوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندستان کی پوری تاریخ کا احاطہ کئے ہوتے ہیں۔ آثار قدیمہ کے تئے بھی ہر قسم کے ریکارڈ سوسائٹی کے پاس موجود ہیں۔ ان مسودوں سے ۱۹ویں اور ۲۰ ویں صدی کی سماجی اور اقتصادی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ قانونی مسودے بھی موجود ہیں جن سے چاٹگام اسلحہ خانہ پر حملہ، گاندھی جی کے مکتوبات، نوا کھالی کے امن مشن وغیرہ کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔

سوسائٹی کے کمروں میں مصوری، نقاشی، مجسمے اور سنگ تراشی کا نہایت عمدہ اور نادر ذخیرہ موجود ہے۔ زیادہ تر تصویریں سوسائٹی کے سکریٹری (۱۸۰۲) رابرٹ ہوم کے برش کی مرہون منت ہیں۔ روبن، گیڈو، ڈومینوچیو، رینالڈ کنالیٹی، کیسل، رودریچ، چنری، پوسے، ڈینئل وغیرہ کی مصوری ہیں۔

۱۹۷۱ء سے ایک ریسرچ ڈائرکٹوریٹ بھی سوسائٹی میں کام کر رہا ہے۔ اسی طرح سات ریسرچ فیلوشپ ہے جیسے سر ولیم جونس فیلوشپ برائے سنسکرت، جیمس پرنسپ فیلوشپ برائے ایپی گرافی، راجہ راجندر لال مترا فیلوشپ برائے بدھازم، سر آر۔ جی کیسے فیلوشپ برائے عربی وفارسی، مہامہوپادھیا ہری پرشاد شاستری فیلوشپ برائے قدیم ہندستانی مذہب، تاریخ، سرت چندر رائے فیلوشپ برائے انتھروپولوجی اور ڈاکٹر میگھناد ساہا فیلوشپ برائے فزکس۔

سوسائٹی کی بنیاد پڑنے کے ۲۰ سال تک اسکی اپنی کوئی عمارت نہیں تھی نشستیں پرانے سپریم کورٹ کے گرانڈ جیوری روم میں ہوا کرتی تھیں۔ ۱۷۹۴ء میں جب سر ولیم جونس کا انتقال ہو گیا تو اس سلسلے میں چند دشواریاں پیش آئیں۔ ۱۷۹۴ء میں سوسائٹی نے حکومت سے درخواست کی کہ ایک عمارت کے لئے مفت جگہ کی منظوری دی جائے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ ہر ممبر کو ایک سونے کا مہر سہ ماہی چندہ اور داخلے کے لئے دو سونے کا مہر دینا ہوگا۔ ۱۸۰۵ء میں حکومت نے پارک اسٹریٹ کے نکڑ پر زمین کا ایک قطعہ منظور کیا اور مغربی حصہ بھی فاضل دیا گیا جو ۱۸۴۹ء میں مستقل طور سے دے دیا گیا۔ ۱۸۰۵ء میں جو عمارت بننے کے لئے شروع ہوئی تھی وہ ۱۸۰۸ء میں مکمل ہوئی۔ عمارت کا منصوبہ کیپٹن لاک نے تیار کیا تھا۔

ایک صدی گزرنے کے بعد یہ بات محسوس کی جانے

باقی صفحہ نمبر ۸ پر

ملک کو تباہی سے بچانے کیلئے اجتماعی کوشش ضروری ہے

(شری جیوتی باسو)

ہندستان کا اتحاد سب سے مقدم ہے

(ڈاکٹر فاروق عبداللہ)

کام کرنیکے حق کو دستور میں درج بنیادی حقوق میں شامل کرلیا جائے

(شری چندرجیت)

کلکتہ میں سیاسی پارٹیوں اور غیر کانگریس (آئی) ریاستی حکومتوں کے وزرائے اعلیٰ کی سہ روزہ خصوصی کانفرنس

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے جمعہ ۱۳ر جنوری سنہ ۸۴ء کی صبح کو گریٹ ایسٹرن ہوٹل کلکتہ میں سیاسی پارٹیوں اور غیر کانگریس (آئی) ریاستی حکومتوں کے وزرائے اعلیٰ کی چوتھی خصوصی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں مرکزی حکومت کے منصوبوں اور پروگراموں پر تنقید کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ آج ان کے نتیجہ میں سارا ملک سنگین مسائل سے دوچار ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہمیں اپنی اجتماعی کوششوں کے ذریعہ ان مسائل کو حل کرکے ملک کو تباہی سے بچانا ہے۔ وزیر اعلیٰ کے خطبۂ استقبالیہ کا متن درج ذیل ہے:

"مجھے آپ لوگوں کو کلکتہ اور مغربی بنگال میں خوش آمدید کہتے ہوئے دلی مسرت حاصل ہورہی ہے۔ ہم لوگ ایسے وقت میں مل رہے ہیں جب قوم آزادی کے بعد سے شدید ترین مسائل سے دوچار ہے۔ اپنی اجتماعی کوششوں کے ذریعہ ہمیں ان مسائل کے حل تو تلاش کرنے کی کوششیں کرنی چاہئیں۔ باہمی گفت و شنید سے، جسے ہم لوگوں نے وجے واڑہ سے شروع کیا تھا، پھر نئی دہلی اور سری نگر میں اس کا سلسلہ جاری رکھا تھا، مجھے امید ہے کہ یہاں ہم لوگ اپنے سوچ وچار کو اور بھی آگے لے جاسکیں گے۔

مختلف تصورات اور نظریات کے حامل حضرات آج یہاں موجود ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے یہاں ملنے اور بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ ہم سب یہ محسوس کرتے ہیں کہ قوم کے مفادات کی یہ مانگ ہے کہ ہم ایک ساتھ صلاح و مشورہ کریں۔ آج جو سب حضرات یہاں آئے ہیں اور موجود ہیں، وہ سب، میں یہ جرأت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں، ہندستانی ووٹ دہندگان کی اکثریت کی خواہشات اور جذبات کی اجتماعی طور پر ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ بات ہم لوگوں پر ہی منحصر ہے کہ ہم سب مشکل قومی مسائل کو حل کرنے کے لئے کم سے کم پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کریں، کیونکہ ایسے مسائل کی بنیاد پر ہی ہم ملک کے طول اور عرض میں

رائے عامہ کو ہموار کر سکتے ہیں۔

آپ سب اس بات سے ضرور متفق ہوں گے کہ ایک مشترکہ پروگرام کی بنیاد کے سلسلے میں اتفاق کے لئے ایسے مسلسل بحث و مباحثہ کی ضرورت میں اضافہ ہو گیا ہے کیوں کہ مرکز میں حکمراں پارٹی اپنی نا اہل اور موقعہ شناس پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں کر رہی ہے۔ کانگریس (آئی) نے اپنی حکومت کے چار سال پورے کر لئے اور اس نے قوم کو تباہی کے غار کے کنارہ لا کر کھڑا کر دیا۔ خود اعتمادی کی منزل کو کم و بیش فراموش کر دیا گیا۔ شریمتی اندرا گاندھی نے خارجی قرض لینے کا جو پروگرام مرتب کیا تھا، اس کے تحت ہمارا ملک اب ۲۵۰۰۰ کروڑ روپے کا مقروض ہو گیا ہے۔ ہمارے ملک نے نہ صرف بلا امتیاز قرض لیا بلکہ ایسی شرائط پر قرض لیا جو قوم کے وقار کے لئے اہانت آمیز ہے۔ یہ قرض انٹرنیشنل مونیٹوری فنڈ جیسے بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے لئے گئے۔ مزید برآں گزشتہ سال مرکز نے غیر سرکاری، غیر ملکی بینکوں سے قرض لے کر قرض کو دوگنا کر دیا۔ آئی۔ ایم۔ ایف کی ہدایت کے مطابق بلا امتیاز درآمدات کی پالیسی کی وجہ سے، ہمارے زر مبادلہ کا بقایا اب ۔۔۔ کروڑ روپے سے بھی کم ہے۔ یہ رقم اس رقم سے بھی کم ہے جس کی ملک کو ایک مہینہ کی درآمدات کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

شریمتی گاندھی کی حکومت نے بیرونی ملکوں کے ہاتھوں قومی مفادات کو اس طرح گروی رکھنے کے خلاف کامیابی اور کامرانی کی ایک بھی مثال پیش نہیں کی۔ ایک بار پھر افراط زر کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ سال رواں میں بہت ہی اچھی فصل ہوئی ہے لیکن تھوک قیمت کا اشاریہ گزشتہ سال کے مقابلے میں اب دس فیصد زیادہ ہے، اسی طرح صارفین قیمت کا اشاریہ تقریباً دوگنا زیادہ ہے۔ بے روزگاروں کی تعداد اگر ہم مبادلہ روزگار کے دفاتر میں درج بے روزگاروں کے نام پر ہی اکتفا کریں، ۲ کروڑ سے زیادہ ہو چکی ہے ——— شہروں اور دیہاتوں میں اور بھی کئی لاکھ بے روزگار افراد ہیں جنہوں نے مبادلہ روزگار کے دفاتر میں اپنے نام درج نہیں کرائے۔ ملیں اور کارخانے یکے بعد دیگرے بند ہوتے جا رہے ہیں۔ صنعتی افزائش کی شرح، دس سال قبل جتنی تھی، اب اس کی نصف ہو گئی۔ معاشی مسائل تو کانگریسی حکومت نے ہی پیدا کئے اور اسے ان کا حل نہیں مل رہا ہے نیز سارے ملک میں غربت اور بے روزگاری وسیع پیمانہ پر پھیل چکی ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر اب کانگریسی حکومت نے مداری کے کھیل کا سہارا لیا اور غلط اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ موجودہ منصوبہ کے دوران ۷،۵ کروڑ لوگوں کو غربت کی سطح سے اوپر اٹھا لیا گیا ہے۔ بدحالی کے آثار تو بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور جب تک پیداوار اور تقسیم کے اندرونی ڈھانچہ کو از سر نو طور پر مرتب نہیں کیا جاتے گا، برآمدات کے فروغ کے خالی خولی نعرہ بازی معیشت کو تباہی سے بچا نہیں سکتی۔

کانگریس (آئی) کے پاس ان مسائل کا کوئی جواب نہیں ہے کیوں کہ یہ تو کانگریس کے ہی منصوبے اور پالیسیاں ہیں جنہوں نے اتنی پریشان کن صورتحال پیدا کی ہے۔ اس کا جواب تو اس کے پاس صرف یہ ہے کہ معیشت کو اور بھی وسیع پیمانہ پر کثیر الاقوامی کارپوریشنوں اور بڑے بڑے اجارہ داروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ حکمراں پارٹی کی براہِ راست دعاؤں سے بدعنوانی کو قانونی شکل دے دی گئی ہے اور پاس و لحاظ کرتے ہوئے لائسنس اور دیگر سہولتیں اپنے عزیز و اقارب کے درمیان آسانی اور آزادی سے تقسیم کر دی جاتی ہیں۔

معیشت کی ایسے وسیع پیمانے پر بدنظمی اور قومی اخلاقیات کی بامقصد بے حرمتی کے خلاف عوام کی بے چینی جیسے جیسے بڑھتی گئی ویسے ویسے کانگریس (آئی) پارٹی نے ظلم و ستم کے آلات کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ لوگوں کو عدالتی کارروائی کئے بغیر حراست میں رکھنے اور مزدوروں اور کسانوں کے صنعتی اقدامات پر پابندی عائد کرنے کے سلسلہ میں کالے قوانین کو نافذ العمل بنا دیا گیا۔ جبر و تشدد کے ہتھیاروں کیلئے اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا گیا۔ ان میں سے بہت سارے اخراجات غریب لوگوں پر عائد بلا واسطہ ٹیکس کے بوجھ میں اضافہ کر کے اور چھپائی کے پریس کا سہارا لیکر،

پورے کئے جاتے ہیں۔ ایک طرف شریمتی گاندھی کی حکومت نے ریزرو بینک آف انڈیا سے اوور ڈرافٹ (قرض) لینے پر ریاستی حکومتوں پر سخت تنقیدیں کیں۔ دوسری طرف بذات خود انکی حکومت نے گزشتہ چند برسوں میں ریاستوں کے اوور ڈرافٹ سے چار گنا زیادہ رقوم کے نوٹ چھاپے۔

ان کی پارٹی اور حکومت کی مصلحت پرستی کی کوئی حد نہیں ہے۔ مزید وہ سب سماج کے محروم طبقے اور شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور اقلیتوں کے لئے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن تمام منصوبوں اور اعلانات کے باوجود ان طبقوں کے لوگ آج بھی سماجی انصاف سے محروم ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ایک طرف انکی پارٹی اصلاحات اراضی کی ضرورت کا بڑی طرفداری سے اعلان کرتی ہے۔ لیکن دوسری طرف ان کی حکومت نے ہماری ریاستی اسمبلی سے پاس کردہ اصلاحات اراضی بل کو صدر کی منظوری حاصل ہونے سے روک رکھا ہے۔ شریمتی گاندھی غریبوں کے حال زار کی بابت مقدس بیانات جاری کرتی ہیں لیکن عوامی تقسیم کے نظام کو وسیع کرنے سے مسلسل انکار کرتی ہیں تاکہ اس اقدام سے غریب لوگوں کو بڑھتی ہوئی ... اس دور میں کچھ فائدہ ہوتا۔ کانگریسی حکومت بیروزگاری کے سلسلے میں بہت ہی زور و شور سے باتیں کرتی ہیں، لیکن وہ کسانوں کو اچھی قیمتوں سے محروم رکھنے کی پالیسی کو روبہ عمل لاتی ہیں۔ یہ کانگریسی حکومت محنت کشوں کے مفادات کی حفاظت کرنے میں اور جائز حقوق کے لئے ان کی جدوجہد کی تائید کرنے میں ناکام رہی۔

آپ لوگوں نے یہ بات بھی دیکھی ہے کہ جیسے جیسے آئندہ لوک سبھا انتخاب کے دن قریب آتے جا رہے ہیں، تمام پارٹیوں پر زور دینے کی ضرورت اور مشترکہ مطالبات کے لئے جدوجہد کرنے کیلئے متحد ہونے کی کوششیں کر رہی ہیں، ان کا حملہ اور بھی زیادہ مرکوز ہوگیا ہے اور بڑھ گیا ہے۔ کلکتہ میں انکی پارٹی کے حالیہ اجلاس میں کارگزاری کی نوعیت کا خاکہ جہاں تمام اپوزیشن پارٹیوں کے لئے کھلی سازش کی گئی اور جھوٹ اور تہمت کا سہارا لیا گیا۔ اسی مسئلہ کے ساتھ ساتھ میں جموں و کشمیر اور کرناٹک

کی ریاستی حکومتوں کے خلاف ذہن صاف کرنے کی شریمتی گاندھی نے جو کھلی چھوٹ دے دی ہے، اس کے سلسلہ میں ذکر کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔ ان کی پارٹی اور انکی انتظامیہ، دونوں ہی ان حکومتوں کو الٹنے کے لئے کمترین اور ناگفتہ بہ ذرائع کو استعمال کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے بحث و مباحثہ کے دوران ہمیں وزیر اعظم کو انتباہ کرنے کا موقعہ ملے گا کہ انکی پارٹی کے ایسے اقدامات ہندوستان کے تمام لوگوں کے غم و غصہ کو ابھاریں گے۔

جب وہ مخالف پارٹیوں پر یہ الزام عائد کرتی ہے کہ جمہوری طریقے سے انکی منتخب حکومت کو یہ پارٹیاں پریشان کرنے کی کوشش کرتی ہیں، تو مجھے اس بات سے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت انہیں اخلاقیات اور اصولوں کا بالکل خیال نہیں رہتا۔ آپ سب اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ الزام صرف انکی پارٹی پر ہی عائد ہوتا ہے۔ یہ تو ان کی پارٹی اور ان کی حکومت ہے جو ریاستوں میں جمہوری طریقہ سے منتخب حکومت کو الٹنے کی کوششیں کر رہی ہے۔ دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان مخالفین کے ساتھ جو ملک کو منقسم کرنے والی طاقتوں سے جدوجہد کر رہے ہیں تعاون کرنے اور اس سلسلہ میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے وہ اور انکی پارٹی بری طرح ناکام ہوئی ہیں۔ یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ اپنے ساتھیوں کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے حکمراں پارٹی ایسی طاقتوں کو بروئے کار لاتی ہے۔

دوستو! مجھے امید ہے کہ کلکتہ میں ہمارے تین دنوں میں انتخابی کمیشن کے حالیہ انتخابی اصلاحات اور ریاستی گورنروں کے کردار کی بابت تجاویز جیسے اہم مسائل پر بھی ہمیں بحث و مباحثہ کرنے کا موقع ملے گا۔ ہمیں اس حقیقت کو بھی زیر غور رکھنا ہے کہ سرکاریہ کمیشن کی تقرری کو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہو رہا ہے، لیکن اس درمیان مرکز ریاست کے، جنکی بابت ہم لوگوں نے سری نگر میں کچھ حد تک تفصیل سے ذکر کیا تھا، سلسلہ میں چند اہم مسائل کو زیر غور رکھنے کے لئے ابھی تک نہ مرکزی حکومت نے اور نہ اس کمیشن نے کچھ ٹھوس اقدامات کئے۔ درحقیقت کانگریسی لیڈروں کی باتوں اور مرکزی حکومت کی طرف سے کئے گئے اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ قوم کی وفاقی نظام کو کمزور بنا دیا جائے۔ ایک مستحکم ہندوستان کی

کی صرف اسی وقت تعمیر کی جا سکتی ہے جب مرکز اور ریاستوں کے درمیان اختیارات قانونی طور پر حق بجانب منقسم ہوں۔

مجھے امید ہے کہ اگر یہاں انتظامات کے سلسلہ میں کسی قسم کی کچھ کمی رہ گئی ہے تو ہمارے معزز مہمان اسے درگزر کریں گے۔ میں یہاں اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مغربی بنگال کے عوام اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان تین دنوں میں انہیں عزت مآب مہمانوں نے میزبانی کرنے کا شرف بخشا۔ کل سہ پہر کو ہم لوگوں نے ایک عام جلسہ کا انتظام کیا ہے جہاں ہمارے شہروں اور اضلاع کے لوگ آپ لوگوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے جمع ہوں گے اور آپ لوگوں کے جذباتی پیغامات کو سنیں گے"۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی افتتاحی تقریر کے بعد خصوصی کانفرنس کی کارروائی شروع ہوئی۔

اس کانفرنس میں کانگریس (ایس)، کانگریس (ج)، راشٹریہ کانگریس، جنتا پارٹی، متحدہ محاذ، ڈیموکریٹک سوشلسٹ پارٹی، نیشنل کانفرنس، سی پی آئی (ایم)، سی۔ پی۔ آئی، ڈی۔ ایم۔ کے، تیلگو دیشم، جن وادی پارٹی، فارورڈ بلاک، انقلابی سوشلسٹ پارٹی اور اکالی دل کے نمائندوں اور وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ، شری این۔ ٹی۔ راما راؤ، شری آر۔ کے۔ ہیگڑے، شری نرپین چکرورتی اور شری جیوتی باسو نے شرکت کی۔

اس کانفرنس میں بہت سارے مسائل پر جن سے ہندوستان اور اس کے عوام دوچار ہیں، بحث و مباحثہ ہوا اور سبھوں نے اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے مشترکہ اور متحدہ طور پر اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس خصوصی کانفرنس میں معاشی مسائل کے سلسلہ میں عوام کی راحت کو ہموار کرنے کے لئے اقدامات، آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ پر حملہ، آفات ناگہانی کے دوران ریاستوں کو دی جانے والی مرکزی امداد کے طریقہ کار میں تبدیلی، سرکاریہ کمیشن کی سست رفتاری کے پیش نظر مرکز۔ ریاست تعلقات کا از سر نو جائزہ، غیر کانگریس (آئی) منتخب حکومتوں کو الٹنے کیلئے مرکز کی کوشش اور شیڈولڈ کاسٹ، ٹرائب، پسماندہ لوگوں اور اقلیتوں کی فلاح و بہبود اور ترقی اور دیگر موضوعات پر بحث و مباحثہ ہوا اور بہت ساری قراردادیں اتفاق رائے سے منظور کی گئیں۔ (منظور کردہ قراردادوں کی تفصیل صفحات ۲۵۔۔۔ میں درج ہیں)۔

بحث و مباحثہ کا افتتاح کرتے ہوئے شری ایم۔ کرونا ندھی، ڈی۔ ایم۔ کے کے سربراہ نے کہا کہ سسٹم کے علاوہ دیگر ریاستوں میں ۲۲ بار ریاستی حکومتوں کو توڑا گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کی پارٹی گرچہ علاقائی ہے تاہم وہ قومی نصب العین اور قومی مفادات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہے۔

جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ حزب اختلاف کا اتحاد ملک کے اتحاد کے لئے ضروری ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ملک میں بے روزگاری اور غربت بڑھتی ہی جا رہی ہے لیکن ریاستوں کو ذرائع آمدنی سے قصداً محروم رکھا جا رہا ہے۔

سی پی آئی (ایم) کے جنرل سکریٹری ای۔ ایم۔ ایس۔ نمبودری پد نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شریمتی اندرا گاندھی کا ان باتوں کی تنقید کی کہ قیمتوں میں اضافہ ملک کی معاشی ترقی کی ناگزیر صورتحال ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وزیر اعظم کو ملک کی معیشت کی بابت کافی معلومات فراہم نہیں ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ کانگریس (آئی) رہنماؤں کی تقریروں سے جو وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں اس بات کو اجاگر کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ سرکاریہ کمیشن کے ذریعہ مرکز۔ ریاست تعلقات پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ڈیموکریٹک سوشلسٹ پارٹی کے جناب سیرق اسم صاحب نے اپنی تقریر میں غیر کانگریسی (آئی) حکومتوں کو خاص طور پر جموں و کشمیر اور کرناٹک کی ریاستی حکومتوں کو متزلزل کرنے کے لئے کانگریس (آئی) کی سازشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا کہ عجیب تماشہ ہے کہ کانگریس (آئی) پارٹی خود تو فرقہ اور ذات پات کی بنیاد پر ملک میں انتشار پھیلاتی ہے لیکن حزب اختلاف

اس لئے الزامات عائد کرتی ہے اور اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے۔ کانگریس (آئی) کی ان [illegible] کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے مزید کہا کہ قیمتیں تیزی سے بڑھتی جا رہی ہیں اور ان کے ساتھ بے روزگاری بھی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایسے حالات میں عوام کی عدالت میں دستک دینی ہوگی اور جد و جہد کو جاری رکھنا ہوگا اور ملک کے لئے ایک متبادل معاشی پروگرام پیش کرنا ہوگا۔

جن وادی دل کے سربراہ شری چندر جیت یادو نے اپنی تقریر میں کہا کہ ملک میں جمہوری ڈھانچہ کے باوجود کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی ہے اور ملک کی اسی فیصد آبادی کو کچل دیا گیا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اناج زیادہ ہونے کے باوجود قیمتیں بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کام کرنے کے حق کو دستور میں درج بنیادی حقوق میں شامل کر لینا چاہئے۔

جنتا پارٹی کے سربراہ شری چندر شیکھر نے ملک کی معاشی صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ قیمتوں میں بلا روک ٹوک اضافہ، بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور بین الاقوامی قرض سے ملک کی معاشی حالت ابتر ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک سماجی و معاشی ڈھانچہ میں تبدیلی نہیں کی جائے گی اس وقت تک ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مرکزی حکومت کام کے بدلے اناج پروگرام میں رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے حالانکہ اس پروگرام نے دیہی علاقوں میں بے روزگاروں کو زیر قابو رکھا تھا۔ انہوں نے معاشی مسائل جن سے قوم دوچار ہے، ایک تحریک چلانے کے لئے عوام کو یکجا کرنے کے لئے قوم کو للکار دی۔

تیلگو دیشم کے جنرل سکریٹری شری پی۔ اوپندر نے اس اجتماع میں اس بات کا انکشاف کیا کہ پچھلے دنوں جس نوجوان نے آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ شری این۔ ٹی۔ راما راؤ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا، اس نے اعتراف کیا کہ اس کا تعلق کانگریس (آئی) سے ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے [illegible] لوگوں کو آفت ناگہانی سے نجات دلانے کا زور و شور سے اعلان کیا [illegible] لیکن جب ہماری ریاست نے گزشتہ اگست اور اکتوبر [illegible] سیلابات سے متاثر ہونے والے لوگوں کی امداد کے لئے جتنی رقم مرکز سے طلب کی تھی اس سے بہت ہی کم رقم مرکز نے ریاستی حکومت کو دی۔

سی پی آئی کے شری اندرادیپ سنہا نے اپنی تقریر میں اس امید کا اظہار کیا کہ اس کانفرنس میں ملک کو درپیش اہم مسائل کے سلسلے میں آئندہ راستے سے کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔ انہوں نے آئندہ کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے اتحاد اور یکجہتی کی ضرورت پر زور دیا۔

شری کے۔ پی۔ اونی کرشنن، کانگریس (ایس) کے سربراہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ پنجاب اور آسام کے مسائل تو قومی مسائل ہیں اور انہیں قومی پلیٹ فارم پر ہی حل کرنا چاہئے۔

آر۔ ایس۔ پی کے سربراہ شری تریدیپ چودھری نے ان معاشی مسائل پر جن سے عوام دوچار ہیں، عوامی تحریک چلانے کی تائید کی۔

اس خصوصی کانفرنس میں مذکورہ تجاویز پر کافی بحث و مباحثہ ہوا۔ سبھوں نے اس بات پر زور دیا کہ مرکز کی معاشی پالیسیوں کو مکمل طور پر نئے ڈھانچے میں ڈھالا جائے اور اس مقصد کے لئے غریب اور درمیانی طبقہ کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے متبادل معاشی پروگرام بھی پیش کیا گیا۔

اس کانفرنس میں معاشی صورتحال پر بحث و مباحثہ کے دوران اس بات پر زور دیا گیا کہ سارے ملک میں معاشی خود اعتمادی کی قومی پالیسی کو بحال کیا جائے اور رعایتی اور سرمایہ کاری کی پالیسیوں کے رخ کو موڑ دیا جائے کیوں کہ ان پالیسیوں سے بین الاقوامی کارپوریشن اور اجارہ داروں کو ہی فائدہ پہونچتا ہے اور غریب اور محنت کش لوگوں کی تکالیف اور مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس قرارداد میں ضروری چیزوں کی مناسب قیمتوں میں کافی مقدار میں سپلائی کی مانگ کا ذکر کیا گیا۔ نیز اس قرارداد میں کام کرنے کے حق کو دستور میں درج بنیادی حقوق میں شامل کرنے پر زور دیا گیا۔

باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر

سیاسی پارٹیوں اور غیر کانگریس (آئی) وزراء اعلیٰ کی حالیہ سہ روزہ کانفرنس میں منظور کردہ قراردادیں

(الف) معاشی صورتحال کی بابت قرارداد

سیاسی پارٹیوں اور وزرائے اعلیٰ کی یہ کانفرنس شدید بحران پر، جس نے قوم کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، غور کرتی ہے۔ مرکز میں کانگریس (آئی) کے برسر اقتدار آئے پورے چار سال ہوگئے انتخاب سے قبل ووٹروں سے اپیل کرتے ہوئے اس پارٹی کے سربراہ نے وعدہ کیا تھا کہ ضروری چیزوں کی قیمتوں کو کم کرنے اور لوگوں کی معاشی حالت میں بہتری لانے اور ذات پات، فرقہ واریت اور پھوٹ ڈالنے کے دیگر رجحانات کا، جن سے قومی وحدت کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے، مقابلہ کرنے کے لئے وہ عوام کو سرگرم عمل حکومت دیں گے۔ تجربہ شاہد ہے کہ کانگریس (آئی) پارٹی ان وعدوں کو پورا کرنے کا ذرا سا بھی ارادہ نہیں رکھتی۔ ہر مسئلہ جس سے ملک اور عوام دوچار ہیں نہ صرف بلا حل جوں کا توں ہے بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ کوئی بھی پارٹی، تنظیم یا کوئی بھی شخص جو دل سے قوم کے مفاد اور فلاح و بہبود کا خواہاں ہے، ملک اور اس کے عوام کی حالت کی بتدریج ابتری کے پیش نظر خاموش تماشائی نہیں رہ سکتا۔

مرکز میں کانگریس (آئی) حکومت کی سب سے بڑی ناکامیوں میں سے ایک ناکامی قیمتوں کے سلسلہ میں ہے۔ اسکی قیمت پالیسی کے دیوالیہ کا ایک اشاریہ یہ ہے کہ گرچہ اس سال برسات کے موسم میں اچھی اور کافی بارش ہوئی اور مرکزی حکومت بہت زیادہ پیداوار کا دعویٰ بھی کرتی ہے، تاہم تمام ضروری چیزوں مع اناج کی قیمتوں کی سطح تیزی سے اونچی ہوتی جارہی ہے حالانکہ ان مہینوں میں بھی جب قیمتیں عام طور سے کچھ حد تک گر جاتی ہیں۔ گزشتہ ایک سال میں تھوک فروشی کی قیمتوں کے اشاریہ میں ۱۰ فیصد اضافہ ہوا اور خردہ فروخت اور صارفین کی قیمتوں کے اشاریہ میں اس سے کہیں زیادہ اضافہ ہوا۔ مرکزی حکومت کے ترجمان اور حکومت کرنے والی پارٹی نے بذات خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ اضافہ حسب معمول نہیں ہے اگرچہ وہ سب اس کا غیر تشفی بخش جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کو عیاں کرنے کی ضرورت ہے کہ کانگریس (آئی) حکومت نے بذات خود بلا روک ٹوک قیمتوں میں اضافہ کرنے کے لئے ایسی طاقتوں کو کھل کر چھوٹ دی۔ ان بنیادی چیزوں کی انتظامی قیمتیں یکے بعد دیگرے بڑھائی جارہی ہے۔ اس کے فضول اخراجات کی تفاصیل نے تو تمام ریکارڈوں کو توڑ دیا اور اسکی وجہ سے گزشتہ تین برسوں میں ۱۵۰۰۰ کروڑ روپئے کی مالیاتی کمی ہوئی۔ مرکزی حکومت نے بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کو بلا روک ٹوک بے حساب امداد فراہم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ روپئے پیسے کی سپلائی میں اضافہ کرنے کے لئے پورے بنک کے نظام کو اس طرح روبہ کار لایا گیا ہے کہ جس سے سماج میں مفاد پرستوں کو، جنہوں نے قیمتوں میں اضافہ کیا، فائدہ پہونچا۔ کانگریس (آئی) حکومت کی حقیقی صورت اس حقیقت سے عیاں ہوجاتی ہے کہ ایک چیز کی زیادہ سے زیادہ پیداوار کے باوجود اس کی قیمتوں میں کمی نہیں ہوتی، بلکہ قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی تو سرکاری اسٹاک سے چیزوں، جیسے اناج اور شکر کی سپلائی میں کمی و بیشی کرکے قیمتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

کمپنی باڑی کرنے کے لئے ضروری چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ کے باوجود مرکزی حکومت نے اس بات کی کوشش بھی نہیں کی

کسانوں کو ان کی پیداوار کے لئے مناسب قیمتیں دی جائیں تاکہ وہ پیداوار کے اور اپنے رہن سہن کے بڑھتے ہوئے اخراجات پورا کر سکیں۔ صارفین اور زرعی پیداوار کرنے والوں کو درمیانی لوگوں دھوکے فروشوں کے چنگل سے محفوظ رکھنے کے بجائے کانگریس (آئی) حکومت نے ان مناہروں کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ ایک طرف صارفین اور دوسری طرف غریب اور متوسط درجہ کے کسانوں کا خون چوس لیں۔

روزگار کی صورت حال بھی بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ صنعتی اور دیگر شعبوں میں پیداوار کی پالیسیاں اتنی ناقص ہیں کہ نو مزدوروں کی بڑی اکثریت کو روزگار فراہم نہیں ہوتا۔ ان بے روزگاروں، جن کے نام تبادلۂ روزگار کے دفاتر میں درج ہیں، کی بڑی اکثریت کو روزگار فراہم نہیں کیا جا سکتا۔ سارے ملک میں ایسے بے روزگاروں کی تعداد ۴ر۲ کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ نیز دیہی علاقوں میں ایسے بے ہنر مزدوروں کی کثیر تعداد ہے، جنہوں نے اپنے نام تبادلۂ روزگار کے دفاتر میں درج نہیں کرائے۔ اگر ان کی تعداد کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ تبادلۂ روزگار کے دفاتر میں جتنے بے روزگاروں کے نام درج ہیں ان سے ملک میں بے روزگاری کا بہت کم اشاریہ ظاہر ہوتا ہے۔

کانگریس (آئی) حکومت کی معاشی اور صنعتی پالیسیوں نے بے روزگاری کی صورت حال میں براہ راست ابتری پیدا کی۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے حکم پر سر جھکاتے ہوئے اس نے صنعتی اشیاء کی بلا روک ٹوک درآمدات کی اجازت دے دی ہے۔ اس نے بڑے اجارہ داروں اور بین الاقوامی کارپوریشنوں کو ان علاقوں میں آنے کی اجازت دی، جو اس سے قبل چھوٹی صنعتوں اور چھوٹے کاریگروں کے لئے مخصوص تھے۔ اس نے کام کے بدلہ اناج پروگرام کو ترک کر دیا حالانکہ اس پروگرام کے ذریعہ دیہی علاقوں میں لاکھوں لوگوں کو کام کاج فراہم کیا جاتا تھا۔ ایسی باتوں سے کانگریس (آئی) پالیسی کی دھاندلی بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔ ایک طرف تو یہ اصلاحات آراضی کی باتیں کرتی ہے لیکن دوسری طرف اس کی حکومت ریاستی اسمبلیوں سے پاس کردہ اصلاحات آراضی بلوں کو صدر کی منظوری حاصل کرنے

ست روک کے رکھتی ہے۔ تعلیمی پروگرام کا تو بہت پرچار کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی غیر کانگریسی (آئی) ریاستی حکومتوں کے ابتدائی تعلیم پر کئے گئے مصارف کی مذمت کی جاتی ہے۔

مرکز میں حکمراں پارٹی کی دانستہ اور نادانستہ غلط اقدامات اور شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور معاشی لحاظ سے کمزور دیگر طبقوں پر بڑھتے ہوئے ظلم نے بے روزگار دیہی غریبوں کی مصیبتوں اور پریشانیوں میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ گرچہ کانگریس (آئی) پارٹی یہ بہانہ کرتی ہے کہ وہ سماج کے کمزور طبقے کے لوگوں کی محافظ ہے لیکن اس کی تنظیم پر اوپر سے نیچے تک حکمراں طبقہ کے سب سے زیادہ ظالم لوگوں کا تسلط ہے اور یہ لوگ بدمعاشوں کی پرائیوٹ فوج تیار کرنے کے علاوہ پولس اور دیگر انتظامی ہتھیار استعمال کرتے ہیں تاکہ مفادات کے غریب لوگوں کے لئے پرامن طور پر زندگی گذارنا مشکل ہو جائے۔

شہری علاقوں میں بھی بندیاں اور تالہ بندیاں، جو مرکز کی پالیسیوں کے ناگزیر نتائج ہیں، زیادہ سے زیادہ برسر روزگاروں کو بے روزگاروں میں شامل کر رہی ہیں۔ اعداد و شمار بتا رہے ہیں کہ ایسی بندیوں اور تالہ بندیوں کی وجہ سے صنعتوں میں کام کرنے کے سبب سے زیادہ دنوں کا نقصان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بدترین سماج دشمن جرائم جیسے ڈکیتی، قتل، بے گناہ لوگوں کا قتل عام، عورتوں کے خلاف تشدد اور انہیں جلا دینا وغیرہ، کے مرتکبوں کو با اثر ذرائع کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مرکزی حکومت کے زیر انتظام ملک کے دارالسلطنت کو تو بدترین بدنامی حاصل ہے۔

جبکہ عام لوگ تیزی سے بڑھتی ہوئی قیمتوں اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں کانگریس (آئی) حکومت بڑی سنگدلی سے امیر اور با اثر لوگوں کے کاز کی خدمت کرنے اور غریبوں پر اور بھی زیادہ بوجھ لاد دینے کے لئے ریاستی اختیارات کے ہتھیاروں کو استعمال میں لاتی ہے۔ اس نے آبکاری کی شرحوں میں کمی کر دی اور اس کے ساتھ ہی ریفریجریٹروں، گاڑیوں اور ٹیلی ویژنوں کی قیمتیں کچھ کم ہو گئیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ روز مرہ کے استعمال کی ضروری چیزوں جیسے چاول، چینی، کھانے کا تیل، کوئلہ،

ادویہ وغیرہ کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا۔ یہ براہِ راست ٹیکسوں کے بوجھ کو، جو زیادہ امیر لوگوں پر پڑتا ہے، کم کرتی ہی جا رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ بلاواسطہ ٹیکس، جسے زیادہ تر غریب اور درمیانی درجہ کے لوگ برداشت کرتے ہیں، کے بوجھ کو زیادہ ہی کرتی جا رہی ہے۔ اس نے اجارہ دار سیکٹر کے مفاد کو فروغ دینے کے لئے نہ کہ عام استعمال کی چیزوں کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے عوامی مالیاتی اداروں کے وسائل کو استعمال کیا۔

پیداوار، قیمتوں اور روزگار کے محاذ میں مایوس کن صورتحال نے کانگریس (آئی) کی حکومت کی معاشی پالیسیوں کے کھوکھلے پن کو عیاں کر دیا ہے۔ ایک ایک شعبہ میں خود اعتمادی کی قومی منزل کو بالکل الٹ دیا گیا ہے۔ تینتیس[۳۳] برسوں کی منصوبہ بندی کے باوجود مرکزی حکومت اس ملک کی معیشت کو جدید ترقی پذیر معیشت میں تبدیل کرنے کے سلسلے میں نمایاں اقدامات کرنے میں ناکام رہی۔ ایسی پالیسیوں کو، جن کے اتنے افسوسناک نتائج برآمد ہوتے ہیں، بدلنے کی جگہ مرکز میں حکومت اسی دیوالیہ پن کے راستہ پر گامزن رہنے کا اصرار کرتی ہے۔ اس طریقہ کار سے قوم کا بیرونی قرض اب ۲۵۰۰۰ کروڑ روپئے کے قریب ہو گیا اور اسکی ادائیگی کا بوجھ تو برسوں تک قوم کی گردن پر پھانسی کا پھندا بنا رہیگا۔

ان پالیسیوں کی وجہ سے محنت کش طبقوں کی مصائب اور غربت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ قومی معیشت میں جتنی بہتری ہونے کی لوگوں کو امید تھی، اتنی نہیں ہوتی، صرف مٹھی بھر بڑے کاروباریوں کو ہی فائدہ پہونچا۔ شہری اور مضافاتی علاقوں میں ان مٹھی بھر لوگوں کی ریاستی انتظامیہ پر گرفت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اسکی وجہ سے سیاسی بدعنوانی میں وسیع پیمانے پر اضافہ ہوتا جا رہا ہے کالے دھن کی متوازی معیشت مستقل طور پر پھیلتی جا رہی ہے اور انتخابات میں زر کی طاقت کی حکومت بڑھتی جا رہی ہے۔

ان باتوں سے قدرتی طور پر تمام لوگوں میں شدید بے چینی کی لہر پیدا ہو گئی ہے اور عام احتجاج اور جد و جہد کی شکلوں میں رونما ہو رہی ہے۔ عوام کی ایسی قانونی بے صبری کے کھلے اظہار کی روشنی میں مثبتی اقدامات کرنے کی جگہ کانگریس (آئی) حکومت نے بہت سارے ظالمانہ اقدامات کا سہارا لیا۔ "ناسا" اور "ایسما" جیسے ناگفتہ بہ قوانین، عدالتی کارروائی کے بغیر لوگوں کو زیر حراست رکھنے، کسانوں اور مزدوروں کے عام اقدامات پر پابندی عائد کرنے، اور اسی طرح کے دیگر اقدامات کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ عوام کے جمہوری حقوق پر ایسے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر جمہوری پارٹی، تنظیم اور انفرادی طور پر لوگوں کو لازمی طور پر آگے بڑھنا چاہئے۔

حکمران پارٹی کے ایسے غیر جمہوری طریقہ کار نے قوم کو شدید بحران کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ ذات پات کی تفریق، فرقہ واریت اور ملک سے الگ ہونے کے رجحانات نے ملک کی سیاسی فضا کو پراگندہ کر دیا ہے اور اس سے قومی وحدت اور یکجہتی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ حکمران پارٹی مرکز کے یک طرفہ اقدامات اور پالیسیوں کے خلاف بے چینی کے اظہار کو "علاقائیت" اور "قوم دشمن" کا نام دیکر ملامت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ اپنے مفادات کے مقصد کی برآوری کے لئے ملک کو منقسم کرنے والی طاقتوں کو موقعہ بہ موقعہ استعمال کر رہی ہے۔

اس کانفرنس میں شامل ہونے والی تمام پارٹیاں یہ عہد کرتی ہیں کہ وہ سب عزم مصمم کے ساتھ ایسے خطرناک رجحانات کا مقابلہ کریں گی اور ملک کے مفادات کی حفاظت کریں گی۔ اس کانفرنس کا یہ مطالبہ ہے کہ :

(۱) مرکزی حکومت کو، تھوک فروشوں کے نفع کو بہت زیادہ حد تک کم کر کے مناسب قیمت پر صارفین کو کافی مقدار میں لازمی چیزوں کی سپلائی کرنے اور ایسی چیزوں کی عوامی تقسیم کیلئے وسیع پیمانہ پر جامع انتظام کرنے کی ضمانت دینی چاہئے۔ اس کے لئے عام استعمال کی چیزوں، جن کی غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے، کے حق میں پیداوار میں ترجیحات کو بدلنے اور اہم غذائی اجناس، دال، کھانے کا تیل، نمک، چینی، گھر کا کوئلہ، کراسن تیل، عام کپڑے، کاغذ، جان بچانے والی ادویہ، ماچس وغیرہ جیسی ضروری چیزوں کی امداد، سپلائی میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ ان تمام چیزوں پر آبکاری شرحوں کو بہت زیادہ حد تک کم کر دینا چاہئے اور ان کی باضابطہ سپلائی کو زیرِ نگرانی کی جانی چاہئے۔

(۲) ریاستی ایجنسیوں کے ذریعہ کافی مقدار میں زرعی پیداوار خریدی جائے اور اس کے لئے اچھی اور مناسب قیمتیں دی جائیں۔

(۳) عام مصارف کی چیزوں کی پیداوار میں اضافہ کرنے اور تمام لوگوں معہ چھوٹے کاریگروں اور دست کاروں کے لئے روزگار کے مواقع میں توسیع کرنے کے لئے معاشی پالیسیوں کو مکمل طور پر نئے ڈھانچہ میں ڈھالا جائے۔

(۴) "کام کے لئے خوراک" کو پھر سے شروع کیا جائے اور اس کی توسیع کی جائے۔

(۵) کام کرنے کے حق کو دستور میں بنیادی حقوق میں شامل کرلیا جائے

(۶) موجودہ اصلاحات آراضی کے قوانین میں جو خامیاں ہیں انہیں دور کرکے، ان قوانین کو روبہ عمل لایا جائے اور ریاستی اسمبلیوں کے پاس کردہ اصلاحات آراضی کے بل کو فوراً منظوری دی جائے۔

(۷) کسانوں کو کم شرح سود پر قرض آسانی سے فراہم کئے جائیں اور انہیں کھیتی باڑی کے لئے ضروری خام اشیاء سپلائی کی جائیں۔

(۸) کسان مزدوروں کے لئے کم از کم اجرت کے قانون کو روبہ عمل لایا جائے اور مضافاتی لوگوں کے رہن سہن اور کام کرنے کے حالات میں بہتری لانے کے لئے دیگر اقدامات کئے جائیں۔

(۹) مرکزی حکومت کی مزدور دشمن پالیسیوں کو باطل قرار دیا جائے اور ناگفتہ بہ اقدامات جیسے "نا سا" اور "اسما" کو منسوخ کر دیا جائے اور ٹریڈ یونینوں کی قومی مہم کمیٹی کے مرتب مطالبات کو قبول کرلیا جائے اور صنعتی بندی اور تالہ بندی کی روک تھام کرنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں۔

(۱۰) معاشی خود اعتمادی کی پالیسی کو بحال کر دیا جائے اور مالی اور سرمایہ کاری کی پالیسیوں کو جن سے غریب اور محنت کش طبقوں کے خون پسینہ پر بڑے بڑے اجارہ داروں کی ہمت افزائی ہوتی ہے منسوخ کر دیا جائے اور

(۱۱) شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب، مذہبی اقلیتوں، عورتوں اور سماج کے دیگر کمزور طبقوں پر جسمانی حملوں اور ان سے کی جانے والی مسلسل معاشی ناانصافیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کیلئے مستحکم اقدامات کئے جائیں۔

یہ کانفرنس تمام جمہوری پارٹیوں، عوامی تنظیموں اور انفرادی طور پر لوگوں سے، ساتھ ہی حکمران پارٹی کے ان لوگوں سے جو اپنی پارٹی کے کام کاج سے نالاں ہیں، پرجوش اپیل کرتی ہے کہ وہ ان مطالبات کی تائید میں آواز بلند کریں۔ مرکزی حکومت کی ان پالیسیوں اور اقدامات کے رجحانات کو صرف لوگوں کی متحدہ رضا ہی بدل سکتی ہے۔

اس کانفرنس کو ملک کے سارے لوگوں کو یکجا کرنے اور عمل کے مرکوز پروگرام کی اشد ضرورت کا احساس ہے تاکہ مرکزی حکومت مذکورہ بالا مطالبات کو منظور کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس لئے آئندہ تین مہینوں میں مشترکہ طور پر عمل کے مندرجہ ذیل پروگرام کو روبہ عمل لانے کی تجویز پیش کی جاتی ہے۔

(۱) سارے ملک میں ۱۳ فروری ۱۹۸۴ء کو "یوم مطالبہ" منایا جائے اور اس دن عوام اپنے احتجاج کا اظہار کریں۔

(۲) فروری ۱۹۸۴ء کے آخر میں ریاست وار جلسے منعقد کئے جائیں اور (۳) مستقبل میں کئے جانے والے اقدامات کے پروگرام مرتب کرنے کیلئے مارچ ۱۹۸۴ء کے آخر میں ایک قومی جلسہ منعقد کیا جائے۔

(ب): غیر کانگریسی (آئی) ریاستی حکومتوں کو الٹنے کیلئے کانگریس (آئی) کی کوششوں کی بابت قرارداد

کانگریس (آئی) حکام کے اس اعلان کے ساتھ ساتھ کہ اب اس کے لئے یہ ضروری بن چکا ہے کہ غیر کانگریس (آئی) حکومتوں کو الٹنے کے اقدامات، خواہ وہ کتنا ہی خراب اور نفرت انگیز کیوں نہ ہوں، کرے، غیر کانگریس (آئی) پارٹیوں کے زیر انتظام ریاستی حکومتوں

پر کانگریس (آئی) پارٹی اور مرکز میں اسکی حکومت نے مرکوز حملہ کرنا شروع کر دیا ہے۔

کرناٹک میں، ممبران قانون ساز اسمبلی کو خریدنے کے لئے "حرام" روپے کا استعمال کیا جا رہا ہے، رشوت دی جا رہی ہے، اس کے ساتھ ہی گورنر کے دفتر کو، جن حکومت جس کے سربراہ رام کرشنا ہیج ہیں، کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ جموں و کشمیر میں، حکومت کو اتار پھینکو مہم نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ کانگریس (آئی) پارٹی کے تمام ممبران مکر و فریب کے کام میں مشغول ہو گئے ہیں۔ لوگوں کو تشدد کے لئے اکسایا جا رہا ہے۔ مقصد یہ کہ جمہوری طور پر منتخب ریاستی حکومت کو غیر مستحکم بنا دیا جائے۔ آندھرا پردیش، مغربی بنگال اور تری پورہ کی حکومتوں کو مسلسل حملوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کلکتہ میں کانگریس (آئی) پارٹی کے حالیہ اجلاس کو مغربی بنگال کی بائیں حکومت کو بدنام کرنے کے موقعہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔

آندھرا پردیش کی قانون ساز اسمبلی نے اس ریاست میں قانون ساز کونسل کو ختم کر دینے کے لئے ایک بل پاس کیا تھا لیکن اس بل کی منظوری کے کام کو التوا میں رکھکر مرکزی حکومت ریاستی حکومت کی راہ میں روڑے اٹکا رہی ہے تاکہ یہ حکومت عوام سے جنہوں نے اسے برسر اقتدار لایا ہے، کئے گئے وعدوں کو پورا نہ کر سکے۔

سیاسی اور معاشی اختیارات کی تقسیم کی بابت جیسا کہ اکتوبر ۱۹۸۳ء کی سرینگر کانفرنس کے بیان سے ظاہر ہے، اور مرکز۔ریاست تعلقات کی بابت غیر کانگریس (آئی) پارٹیوں کی متحدہ آواز نے کانگریس (آئی) کو اس حد تک لرزا دیا ہے کہ اب اس نے ایسی اصلاحات کے متلاشیوں کی حب الوطنی پر شک و شبہ کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے۔

اب وقت آ چکا ہے کہ کانگریس (آئی) کے سربراہوں سے یہ کہا جائے کہ وہ حزب اختلاف پارٹیوں میں اور انکی اپنی حکومت کی ناکارکردگی میں غیبی ہاتھ پر تہمت لگانے سے باز آئیں۔ اب یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اس پارٹی کو انتباہ کیا جائے کہ اگر وہ جمہوری طور پر منتخب حکومتوں کو، جن کے سربراہ غیر کانگریس (آئی) پارٹیاں ہیں، الٹنے کے لئے مزید کوششیں کی تو سارے ہندستان کے لوگوں کی متحدہ قوتوں کی طرف سے اسکی مزاحمت کی جائے گی۔ اس لئے یہ نشست آزادی اور جمہوریت کے عاشقوں سے یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ سب عوام کے فیصلہ کو رد کرنے اور ملک میں جمہوری اداروں کو برباد کرنے کے لئے کانگریس (آئی) کی شیطانی تحریکوں کو زیر غور رکھیں۔

(ج) شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب، پسماندہ طبقوں اور اقلیتوں کی بابت قرارداد

سیاسی پارٹیوں اور وزرائے اعلیٰ کی یہ کانفرنس شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب، دیگر پسماندہ طبقوں اور اقلیتوں کے خلاف بڑھتے ہوئے ظلم و تشدد پر اپنی تشویش کا اظہار کرتی ہے اور عوام کے ایسے مظلوم لوگوں کے لئے محدود طور پر بھی سماجی انصاف اور تحفظ فراہم کرنے کے سلسلہ میں ریاستوں میں اور مرکز میں کانگریس (آئی) حکومتوں کی ناکامی کو زیر غور رکھتی ہے۔ صدیوں پرانی سماجی منافرت تو اب بھی بین جماعتی تعلقات کو پراگندہ کرتی رہتی ہے، اس لئے ہمارے سماج کے کمزور طبقوں کی ابھرتی ہوتی خواہش کہ سماج میں انہیں بھی معاشی اور سماجی حقوق حاصل ہوں، مفاد پرستوں کے غصہ کو مدعو کرتی ہے اور سارے ملک میں فرقہ ورانہ اور ملک کو تقسیم کرنے والی طاقتیں اس بات کی منظم کوششیں کر رہی ہیں کہ سماجی ہم آہنگی کو درہم برہم کر دیا جائے اور عوام کی توجہ کو ان کی مشترکہ جدوجہد سے دوسری طرف پھیر دیا جائے۔ یہ مہم ملک کی قائم کردہ سیکولر جمہوریت کی بنیاد کو آہستہ آہستہ اکھاڑ دے رہی ہے۔ شیڈولڈ ٹرائب جو جنگل کی پیداوار پر اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، شیڈولڈ کاسٹ جو قطعاتِ آراضی طلب کر رہے ہیں، اقلیتیں جو معاشی اور ثقافتی انصاف

کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں، ان سبھوں کو ایک ادارہ جس پر ان مفاد پرستوں کا تسلط ہے، کی نظرِ کرم کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ برسوں سے کانگریس (آئی) پارٹی ان لاچار اور غریب لوگوں کو، ان کی آرزوؤں سے زبانی ہمدردی ظاہر کر کے اپنے ووٹ بینک کے لئے استعمال کیا ہے، اس کے ساتھ ہی کانگریس (آئی) پارٹی ان لوگوں کے لئے ایسے مواقع فراہم کرنے میں مسلسل ناکام رہی جن سے یہ اپنی شخصیت کو جاگ[illegible] سکیں۔ منڈل کمیشن اور گوپال سنگھ [illegible] پسماندہ طبقوں کی دستوری ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے جو سفارشات پیش کی تھیں ان کے سلسلے میں مرکز میں حکومت کرنے والی پارٹی نے جس [illegible] کا مظاہرہ کیا تھا، اس سے اس پارٹی نے سیدھے سادے کرنے کا رجحان عیاں ہو جاتا ہے۔

یہ نشست اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ موجودہ سماجی۔ معاشی ڈھانچہ میں کمزور طبقوں کے لئے اس بات کی کم ہی امید ہے کہ وہ اپنے بنیادی حقوق کو بروئے عمل لا سکتے ہیں اور سماجی انصاف انہیں حاصل ہو سکتا ہے۔ سماجی بیداری میں بنیادی تبدیلی اور ذات پات پر مبنی سماج کے قیام کے ذریعہ ہی ان کے مسائل کا مستقل حل فراہم کیا جا سکتا ہے۔

یہ نشست تمام سیاسی پارٹیوں کو مدعو کرتی ہے کہ پسماندگان کے کاز کو آگے بڑھانے کے لئے جی توڑ محنت کے ساتھ اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں اور اس کے ساتھ ساتھ مرکزی حکومت سے یہ مطالبہ بھی کریں کہ مرکز ان پسماندگان کو زندگی اور جائیداد کے تحفظ اور مواقع کے حقیقی مساوات فراہم کرنے کے سلسلے میں مناسب اقدامات کرے۔ اس نشست کا یہ خیال ہے کہ حل تو موجودہ دستوری تحفظ کے پرخلوص اطلاق میں ہے اور اس کام کیلئے قومی یکجہتی کاؤنسل اور اقلیتی کمیشن کی بہت ساری سفارشات کی جلد از جلد تکمیل کی ضرورت ہے۔

خاص طور پر شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب، پسماندہ طبقے اور اقلیتوں کے درمیان تحفظ کے احساس [illegible] کے [illegible] کے لئے یہ ضروری ہے کہ [illegible] پر پولس اور [illegible] کرنے والے [illegible] میں مناسب نمائندگی

دی جائے۔ سماجی خیرسگالی کی فضا میں بہتری لانے کے لئے تعلیمی نصاب کی کتابوں خاص طور پر ادب اور تاریخ کی کتابوں سے قابل اعتراضات موضوعات کو حذف کر دیا جائے اور فرقہ وارانہ پروپیگنڈا کی روک تھام کی جائے۔

(د) پنجاب کی صورت حال کی بابت قرارداد

[illegible]ب کی صورتحال کی شدت بڑی پریشان کن ثابت ہو[illegible] پنجابی ہندو اور سکھ، دونوں کی زبان ایک ہے، [illegible] ایک ہے اور دونوں ہی ایک شاندار میراث کے مساوی [illegible] دار ہیں، لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے سے غیر بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ایسی صورتحال ملک اور ریاست کے لئے کافی خطرناک ہے۔

[illegible] اختلاف کی نئی دہلی میں منعقدہ نشست میں وزیر اعظم سے [illegible] اپیل کی گئی تھی کہ وہ سہ طرفہ کانفرنس فوری طور پر [illegible] بارہ طلب کریں اور ان کے مسائل کو حل کریں۔ یہ بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ تنگ سیاسی رجحانات کی وجہ سے اس تجویز پر غور نہیں کیا گیا اور اس طرح اس تنازع کو جاری رہنے دیا گیا اور آج جس کے بہت سارے بدنتائج رونما ہو رہے ہیں۔

دریائی پانی تنازعہ ایکٹ ۱۹۶۵ء کے تحت پانی کے تنازعہ کے سلسلے میں ایک ٹرائی بونل قائم کرنے کے سلسلے میں مطالبات کو تمام پارٹیوں اور لوگوں کی تائید حاصل تھی۔ سہ طرفہ بات چیت میں مجموعی طور پر ان باتوں پر رضامندی کا اظہار کیا گیا کہ "دو اور لو" کے نیک جذبے کے ساتھ چنڈی گڑھ کو پنجاب کے دائرہ عمل میں رہنے دینا چاہئے اور پنجاب کے چند علاقوں کو ہریانہ میں منتقل کر دینا چاہئے اور ہریانہ کو اپنے دارالسلطنت تعمیر کرنے کے لئے کافی مالیاتی معاوضہ دینا چاہئے۔ حزبِ مخالف نے اس

معاہدہ کی تائید کی اور اس سلسلہ میں نئی دہلی میں منعقدہ نشست نے ایک قرارداد بھی منظور کی۔

پنجاب کی صورتحال تمام سیاسی پارٹیوں اور دیگر افراد کے لئے اس امر کو لازمی بنا دیتی ہے کہ :

(۱) تشدد کے تمام واقعات اور فرقہ وارانہ قتل خاص طور پر بے گناہ لوگوں کا ظالمانہ قتل کی پرزور مذمت کی جائے اور

(۲) عبادت گاہوں کے تقدس کا احترام کیا جائے، ایسی مقدس جگہوں میں قاتلوں کی رہائش یا مقدس مقامات کی بے حرمتی کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا جائے۔

اتنے دنوں کے باوجود ہم اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ سہ طرفہ نشست فوراً طلب کی جائے تاکہ زیر غور مسائل کا دوستانہ حل تلاش کیا جائے اور تمام سیاسی پارٹیوں، غیر سیاسی لوگوں اور اداروں کو ریاست کے شہروں اور دیہاتوں میں فرقہ وارانہ امن اور خیرسگالی کو برقرار رکھنے کے لئے مشترکہ طور پر مہم چلانی چاہئے۔

(ھ) شری این۔ ٹی۔ راما راؤ پر حملہ کی بابت قرارداد

سیاسی پارٹیوں اور وزرائے اعلیٰ کی کلکتہ کانفرنس آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ شری این۔ ٹی۔ راما راؤ کی زندگی پر قاتلانہ حملہ کی پرزور مذمت کرتی ہے اور قاتل کی چھری سے خوش قسمتی سے ان کے بچ جانے پر خوشی کا اظہار کرتی ہے۔ اس کانفرنس نے بہت ہی حیرت کے ساتھ تیلگو دیشم کے جنرل سکریٹری کی باتیں سنیں جب انہوں نے اس واقعہ کی تفاصیل کا ذکر کیا۔ اس نوجوان کو جس نے چھری دکھائی تھی، جب بے بس کر دیا گیا تو اس وقت اس نے نعرے لگائے "اندرا گاندھی زندہ باد" اس کے بعد اسے پولس کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ بہت ہی تشویش ناک بات ہے، لیکن ہمارے لئے اس سے بھی زیادہ پریشانی

کی بات یہ ہے کہ اب کانگریس (آئی) سارے ملک میں تشدد اور ایسی بے باکی کی فضا تیار کر رہی ہے۔

یہ کانفرنس ایسے تشدد کے خلاف پرزور احتجاج کرتی ہے اور اس میں پوشیدہ خطرات سے لوگوں کو آگاہ کرتی ہے۔

(و) پاٹ ملوں کے مزدوروں کی ہونے والی ہڑتال کی بابت قرارداد

سیاسی پارٹیوں اور وزرائے اعلیٰ کی کلکتہ کانفرنس اس صورتحال کی بابت، جس نے سارے ملک میں اور خاص طور پر مغربی بنگال میں ۲ لاکھ پاٹ مل مزدوروں کو ۱۲ جنوری ۱۹۸۴ء سے لامحدود عرصہ تک عام ہڑتال کرنے پر مجبور کر دیا، اپنے گہرے تشویش کا اظہار کرتی ہے۔

اس کانفرنس کے خیال میں اجرت میں اضافہ اور اجرتوں کی شرحوں وغیرہ کی بابت اور وسیع پیمانے پر چھنٹائی کے خلاف مزدوروں کے مطالبات حق بجانب ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس صنعت میں تمام ٹریڈ یونینوں نے، بلا لحاظ سیاسی اور تصوراتی فرق، مل مالکوں کے غیر مصالحتی رویے کے پیش نظر مشترکہ طور پر اس مجوزہ ہڑتال کی آواز بلند کی ہے۔

یہ کانفرنس اس بات پر افسوس کا اظہار کرتی ہے کہ اس تنازعہ میں مداخلت کرنے کیلئے مرکزی حکومت نے اب تک کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ کانفرنس مرکزی شعبۂ کامرس اور خاص طور پر شعبۂ محنت کے وزیروں سے پرزور درخواست کرتی ہے کہ وہ اس ہڑتال کو ختم کرنے کے لئے فوری اقدامات کریں تاکہ اس بڑی صنعت میں مالک اور مزدوروں کے درمیان سمجھوتہ ہو جائے۔

(ز) گرناڈا میں ٹیلی ویژن کمپنی کی حرکت کی مذمت کی بابت قرارداد

سیاسی پارٹیوں اور وزرائے اعلیٰ کی کلکتہ کانفرنس، مائی قدر ؟

کلکتہ میں حزبِ اختلاف کا جلسۂ عام

کانگریس (آئی) کے خلاف متحدہ جدوجہد کرنے کا عہد

کلکتہ کے بریگیڈ پیریڈ گراؤنڈ میں سنیچر، ۱۴ر جنوری ۱۹۸۴ء کو ایک عام جلسہ منعقد ہوا جس میں حزبِ اختلاف کی تمام پارٹیوں کے سربراہوں نے، جو یہاں خصوصی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے آئے تھے، شرکت کی اور لوگوں سے خطاب کیا۔ اس جلسہ کی صدارت مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کی۔

شری باسو نے عام جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں ان دنوں ہمیں بھیانک حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر ایسے وقت میں ہم متحد نہ ہوتے تو مطلق العنان اندرا کانگریس ہمیں مکمل طور پر ختم کر دے گی اور ملک سے جمہوریت کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ملک کے عوام کو متحد ہو کر کانگریس (آئی) کے ظلم و ستم کا بھرپور جواب دینا ہے۔ انہوں نے کہا حزبِ اختلاف کی اس کانفرنس میں ملک کی معاشی صورتحال، قیمتوں میں اضافہ اور سیاسی اور سماجی حقوق کے سوال پر بحث کی جا رہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ شری رام کرشنا ہیگڑے کی حکومت کو الٹنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ وہاں ایم۔ ایل۔ اے کو خریدا جا رہا ہے۔ کشمیر میں ڈاکٹر عبداللہ کی حکومت کو الٹنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ کیرالا میں بھی ایسی سازش کی جا رہی ہے۔ انہوں نے عوام کو ہوشیار کیا کہ آنے والے دن انتہائی بھیانک ہوں گے لہٰذا متحد ہو کر ہمیں ان حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ، وزیر اعلیٰ، جموں و کشمیر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر کے لوگ، شریمتی اندرا گاندھی کے ۱۹۷۵ء سے دیئے گئے نعرے "غریبی ہٹاؤ" کے کھوکھلے پن سے واقف ہو چکے ہیں۔ کشمیریوں کو خوراک کی بات چھوڑیئے، کافی پانی فراہم نہیں ہے۔ گزشتہ چند مہینوں سے نیشنل کانفرنس غریبوں کو امداد فراہم کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور اس کام کو کانگریس (آئی) برداشت نہ کر سکی۔ یہ نیشنل کانفرنس کو قوم دشمن قرار دینے کی کوشش کر رہی ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ نے مزید کہا کہ "میرا پرچم ترنگا غریبوں کے خون سے لال سرخ ہو گیا ہے۔ کانگریس (آئی) کی چاپلوسی ہمیں نکال باہر نہیں کر سکتی۔"

کلکتہ میں حال ہی میں منعقدہ کانگریس (آئی) سیشن میں ان کی حکومت کے خلاف شریمتی اندرا گاندھی نے جو تنقیدیں کی تھیں ان کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر عبداللہ نے کہا کہ "ہر کشمیری کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ہندوستانی ہے۔ اگر پاکستان ہم لوگوں پر حملہ کرے تو ہم لوگ ہی سب سے پہلے اس کے بم کا شکار بنیں گے اور ہم لوگ ہی سب سے پہلے اس کے حملہ کا جواب دیں گے۔"

انہوں نے مزید کہا کہ "کشمیر میں کسی بھی کانگریس (آئی) کے ممبر کے گھر کو آگ سے جلا کر برباد نہیں کیا گیا۔ کسی بھی کانگریس (آئی) کے حامی کو جیل میں نہیں ڈالا گیا۔ اس کی جگہ نیشنل کانفرنس کے حامیوں کو پولس نے پیٹا، ان لوگوں پر پتھراؤ کیا گیا اور اس کے باوجود ان لوگوں کو قوم دشمن کہا جاتا ہے۔"

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ
"کلکتہ اور کانپور میں کرکٹ ٹسٹ میچوں میں کافی گڑبڑی ہوئی تھی۔
دہلی میں ڈی سی ایم فٹ بال ٹورنامنٹ کے دوران پولس نے
گولی چلائی تھی اس کے باوجود سری نگر میں کرکٹ میچ میں اگر
تھوڑی بہت گڑبڑی ہوئی تو اس کا وسیع پیمانہ پر پرچار کیا گیا
اور اسے "قوم دشمن سرگرمیاں" کہکر اس کی خوب مذمت کی
گئی۔"

ان کی تقریر کے دوران یہ اعلان کیا گیا کہ کشمیر میں پھر
دنگا فساد شروع ہوگیا ہے، یہ سنتے ہی ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے کہا کہ
کشمیر میں غیر کانگریس (آئی) حکومت کو الٹنے کے لئے یہ
تمام واقعات تو کانگریس (آئی) کے بہانے ہیں۔ انہوں نے حزب
اختلاف کی تمام پارٹیوں سے اپیل کی کہ وہ مرکز کی اس چاپلوسی کے
خلاف متحد رہیں۔

آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ شری این۔ ٹی راما راؤ،
جو بخار میں مبتلا تھے، اپنے زخمی ہاتھ کو بینڈیج اور لکڑی سے
باندھے وہاں آئے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مذہبی منافرت، کالے
بازاری، بدعنوان ناظم اور دل بدلنے والے سیاسی لیڈران نے
ملک کو تباہی کے کنارہ پر لاکر کھڑا کردیا۔ نیز مرکز کے اختیارات کے
غلط استعمال نے بھی ملک کی حالت کو اتنی ابتر بنادی۔ پنجاب اور
آسام کی صورتحال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرکز ریاستوں کی ترقی
کے کام کاج کی دیکھ بھال نہیں کرسکتا۔ ریاستوں کی ترقی اور مرکز کی
ناانصافیوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے انہوں نے ایک نئے
انقلابی جوش کا پرچار کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ریاستوں کے
استحکام سے ہی مرکز مستحکم ہوسکتا ہے۔ اعضاء مضبوط
رہیں گے تو جسم بھی مضبوط رہے گا۔

کرناٹک کے وزیر اعلیٰ شری رام کرشنا ہیگڑے نے
ہندستانی میں تقریر کرتے ہوئے کانگریس (آئی) کو وارننگ دی کہ
وہ غیر کانگریس (آئی) حکومتوں کو الٹنے کی مکروہ سازش سے
باز آئے ورنہ اسکا انجام برا ہوگا۔ انہوں نے مزید کہا کہ کرناٹک میں
ممبران اسمبلی کو خریدنے کے لئے فی کس ۱۵ سے ۲۵ لاکھ روپیہ
تک خرچ کیا جارہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس خصوصی کانفرنس
میں ہمیں ٹھوس اور موثر قدم اٹھانے کی امید ہے۔

جنتا پارٹی کے صدر شری چندر شیکھر نے تقریر کرتے
ہوئے کہا کہ شریمتی گاندھی حزب اختلاف کو نیست ونابود کرنے پر
تلی ہوئی ہیں۔ وہ غریبوں کی فلاح وبہبود کے لئے اقدامات
کرنے کی خواہاں ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ پسند نہیں
کرتیں کہ سرمایہ داروں کو کسی قسم کا نقصان پہونچے۔ دوسرے
الفاظ میں وہ غریبوں کو درحقیقت غریب بنانا چاہتی ہیں۔ ملک
کے کروڑوں لوگ اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ پیداوار میں
اضافہ کے باوجود غربت میں کیوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ شریمتی
گاندھی کی معاشی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ
آج بھی ملک میں ۶۰ فیصد لوگوں کو دو وقت کا کھانا نصیب نہیں
ہوتا، لاکھوں گاؤں میں پینے کا پانی نہیں ملتا، ملک کے ۶۵ فیصد
لوگ ان پڑھ ہیں، ۸۰ فیصد مریض ادویہ سے محروم ہیں، ۷۰ لاکھ
بچے بھوک اور غربت سے اندھے ہوجاتے ہیں۔ "غیر ملکی قرض
کہاں گئے؟" انہوں نے سوال کیا۔

انہوں نے مزید کہا کہ نام نہاد غیر ملکی حملہ کے خطرے
کا ذکر کرتے ہوئے شریمتی اندرا گاندھی لوگوں کی توجہ کو اصل
مسئلے سے ہٹانے کی کوشش کررہی ہیں۔

ڈیموکریٹک سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر سید میر قاسم
صاحب نے کہا کہ کشمیریوں کی حب الوطنی پر شک کیا جارہا ہے
جنہوں نے اپنے خون سے کشمیر کو سینچا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ
ملک میں سوشلزم کا کھوکھلا نعرہ بلند کیا جارہا ہے سیکولرزم
اور جمہوریت کو کانگریس (آئی) سے خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ ہم
جمہوریت کی بقا اور ترقی کے لئے متحدہ طور پر اپنی کوششوں کو جاری
رکھیں گے۔

کانگریس (ایس) کے سربراہ شرد پوار نے کہا کہ حزب
اختلاف پارٹیوں کے مختلف نظریات اور خیالات کے باوجود ہم سب
یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ملک میں غریبوں، ہریجنوں اور دیگر پسماندہ
طبقہ کے لوگوں پر ظلم وستم ڈھایا جارہا ہے۔ ان کی حالت روز بروز

بگڑتی جا رہی ہے۔ حکمراں پارٹی کے خلاف عوام میں زبردست بے چینی پھیل گئی ہے۔ عوام کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کانگریس (آئی) حکومت کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھاتی۔ غیر کانگریسی (آئی) حکومت کے خلاف سازشیں کی جا رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان تمام باتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم سبھوں کو متحد ہو جانا ہوگا۔

تری پورہ کے وزیر اعلیٰ شری نرپین چکرورتی نے اپنی تقریر میں کہا کہ کانگریس (آئی) منتشر ہو چکی ہے۔ اسے غریبوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اسے صرف سرمایہ داروں سے ہمدردی ہے۔ ملک میں کارخانوں کو بند کر کے مزدوروں کو کام سے بٹھا دیا جا رہا ہے۔ چند لوگوں کے ہاتھوں میں سرمایہ اکٹھا ہو چکا ہے۔ علیحدگی پسند قوتیں ابھر رہی ہیں۔ ان تمام باتوں کی روک تھام کرنے کے لئے ہمیں متحدہ طور پر کھڑا ہونا ہے۔

جن وادی دل کے سربراہ شری چندر جیت یادو نے کہا کہ انقلاب کے نعرہ کے ساتھ ہم لوگوں نے آزادی کی تحریک شروع کی تھی اور ملک کو آزاد کرایا تھا۔ اب غریبی اور ... مٹانے کے لئے ہم نعرہ لگا رہے ہیں۔ ہم معاشی ... جا ... ہیں۔ ملک میں تاریکی چھا گئی ہے۔ ہمیں ایک انقلاب برپا ... ہے۔ حکمراں جماعت فرقہ وارانہ فسادات برپا کرنے ... لی ہوئی ... ہیں آج ... ہندوستان کی تعمیر کرنے کا عہد کرنا ہے۔

سی پی آئی کے سربراہ شری ... رجیت ... کہا ... ملک میں وسط مدتی انتخابات کا چرچا ہو رہا ہے ... ذریعہ انتخابات میں ... نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا ... سبھوں کو متحدہ طور پر جد و جہد کرتے اور ... بڑھنے ... ضرورت ہے ... کاری بھیانک صورت اختیار کر چکی ہے۔ ... ۱۷ ... لاکھ ... مزدور ہڑتال کر ... ہم ایک ... کے ... جنگ ... رہے ہیں اور رہ رہے ... اصلاح ...

کانگریس دل کے سربراہ شری بوٹا سنگھ ... نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ شریمتی اندرا گاندھی ہر محاذ پر ناکام ہو چکی ہیں۔ ملک میں بے روزگاری بڑھ رہی ہے، قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ حکمراں پارٹی لوگوں کو تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی پر سرگرم عمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سب ملک میں اتحاد اور امن کے خواہاں ہیں۔

سی پی آئی (ایم) کے سربراہ شری ای۔ ایم۔ ایس نمبودری پد نے اپنی تقریر میں کہا کہ کانگریس (آئی) کی حکومت ملک کو معاشی، سماجی اور سیاسی تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ لوگ غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ملک کے اہم مسائل پر غور کرنے کے لئے ہم متحد ہو رہے ہیں۔

ان کے علاوہ اس خصوصی کانفرنس میں شرکت کرنے والی اور بھی پارٹیوں کے سربراہوں نے اس جلسہ میں تقریریں کیں اور اپنی تقریر میں قومی امور پر روشنی ڈالی ۞

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کے خلاف الزامات کے جواب

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت عوام کی وسیع تائید اور تعاون کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے رہی ہے۔ مغربی بنگال کے عوام کی کافی بڑی اکثریت کو بائیں محاذ حکومت کی کارگذاریوں سے کافی تشفی حاصل ہوئی ہے، گرچہ ریاستی حکومت موجودہ نظام کے تحت دائرے میں گھری ہوئی ہے اور اس کے اختیارات بھی بہت محدود ہیں۔ چونکہ یہ حکومت غریبوں اور پسماندہ لوگوں کے کاز کی علمبردار ہے اور بہت سارے رفاہی پروگراموں کی تکمیل کے ذریعہ ان لوگوں کی مشکلات اور دکھ درد کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے اس لئے اسے مفاد پرستوں اور بہتیرے سیاسی مخالفین کے قہر وغضب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس حکومت کے وجود سے ہندستان کے دیگر علاقوں میں بھی کانگریس (آئی) پارٹی کی حکومتوں کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ وقت کے ساتھ اس حکومت کے خلاف طاقتیں اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کر رہی ہیں کیوں کہ بہت ہی مایوسی کے ساتھ وہ یہ دیکھتی ہیں کہ لوگوں کی جمہوری بیداری کو اجاگر کرنے اور انہیں ہمت اور اعتماد کے جذبہ سے سرشار کرنے میں یہ حکومت ایک اہم آلہ کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔

بائیں محاذ حکومت کے لئے یہ بات باعث حیرت نہیں کہ حال ہی میں کلکتہ میں منعقدہ کل ہند کانگریس (آئی) کمیٹی کے جلسہ اور کلکتہ کے بریگیڈ پریڈ گراؤنڈ میں دیگر کانگریس (آئی) رہنماؤں کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی اور ان کے بیٹے شری راجیو گاندھی نے اپنی تقریروں میں ریاستی حکومت پر زبردست حملے کئے۔ جو الزامات ان لوگوں نے عائد کئے، اس سے قبل ان کے ساتھیوں نے بھی ایسا کیا تھا اور اب ان لیڈروں نے یہ ضروری سمجھا کہ انہیں دہرایا جائے کیوں کہ انتخابات کے دن نزدیک آ رہے ہیں۔ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ ان کانگریسیوں کو، جو آپس ہی میں جھگڑتے رہتے ہیں، متحد کر دیا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی جائے کہ وہ بائیں محاذ حکومت کے لئے مسائل پیدا کریں۔

شریمتی گاندھی نے بریگیڈ پریڈ گراؤنڈ میں اپنی تقریر میں ریاستی حکومت پر ایک عجیب الزام عائد کیا کہ ریاستی حکومت کی بدعملی کی وجہ سے بنگال کی ثقافت کو خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔ ان کے الزامات کو آج مغربی بنگال میں موجودہ ثقافتی حقیقت سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے۔ سابق کانگریسی حکومت کی ثقافت پر کوئی پالیسی نہ تھی۔ بائیں محاذ حکومت شروع ہی سے اس ریاست کی ثقافتی روایت کی جامع تصویر کی عکاسی کرنے کے لئے بہت سارے اقدامات کر رہی ہے۔ اس حکومت نے ادبی اور ثقافتی میدان میں رابندر ناتھ اور دیگر مشہور لوگوں کو جتنی اہمیت دی اس سے قبل اتنی اہمیت کسی نے بھی نہیں دی اور ریاستی حکومت ان کی تصانیف کی لوگوں کے درمیان اشاعت کر رہی ہے۔ یہ تنقید کہ بائیں محاذ حکومت بنگال کی ثقافت کے روشن خیال اور عالم رہنماؤں کو بدنام کر رہی ہے، بالکل غلط ہے۔ حکومت کی یہی کوشش رہی ہے کہ اچھی اور صحت مند ثقافت کو فروغ دینے کے لئے رائے عامہ کو ہموار کیا

جائے اور ایک انحطاط پذیر ثقافت کے خلاف مسلسل مہم جاری رکھی جائے۔ ٹیگور کی تصانیف کی اشاعت، ضلع اور سب ڈویژن شہروں میں رابندرا بھون کی تعمیر، نئے تھیٹرہال کی تعمیر، قبائلی ثقافت کی تحقیق، ریاستی آثار قدیمہ عجائب خانہ کی تعمیر، لوک ثقافت انسٹی ٹیوٹ، نیپال اکیڈمی، اردو اکیڈمی اور سنگیت اکیڈمی کا قیام، ریاستی اور ضلع سطحوں پر لوک۔ تقریبات منعقد کرنا، کلکتہ میں آزادی کے لئے جدوجہد میں بنگال کے کردار کی بابت مستقل نمائش کا انعقاد، رام موہن، شاعر مدھوسودن دت اور بنگال کے بہت سارے مشہور لوگوں کے مجسمے کی تنصیب، ادیبوں، فن کاروں اور ثقافتی تنظیموں کو مالی امداد کی فراہمی، سینکڑوں لائبریریوں کا قیام اور ایسی لائبریریوں کو کتابیں وغیرہ خریدنے کے لئے مالی عطیات کی فراہمی، ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے اقدامات ریاستی حکومت نے اس ریاست کے ثقافتی ڈھانچہ کو مضبوط بنانے اور مالامال کرنے کیلئے کئے۔

گزشتہ ساڑھے چھ برسوں میں اس حکومت نے کلاس XII تک تعلیم مفت کردی۔ کلاس V تک کے طلبار کو کتابیں حکومت کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔ کئی ہزار اسکول اور بہت سارے نئے کالج قائم کئے گئے۔ سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں کانگریس کے دورِ حکومت میں تعلیمی بجٹ ۱۱۲ کروڑ روپئے کا تھا لیکن سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء میں تعلیم کے لئے بجٹ میں ۲۱۸ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ تعلیمی میدان کو افراتفری اور بدعنوانی سے پاک وصاف بنادیا گیا، حالانکہ سنہ ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۷ء جب یہاں کانگریس پارٹی برسرِ اقتدار تھی تو تعلیمی فضا افراتفری اور بدعنوانی سے پراگندہ ہوچکی تھی۔

بہت سارے موضوعات کے نصابات کو جدید طرز پر مرتب کیا گیا تاکہ طلبار کو معروضی حقائق اور صحیح معلومات فراہم ہوں۔ رابندرا ناتھ کی تخلیقات کو نصابات میں مناسب جگہ دی گئی اور ہماری تاریخ کی کتابوں میں ہمارے قومی سربراہوں کی سرگرمیوں اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی۔ مختلف مکاتبِ خیال کے مشہور لوگوں اور نمایاں ماہرینِ تعلیم پر مشتمل کمیٹیوں کی سفارشات کی بنیاد پر نصابات از سرِ نو مرتب کئے گئے۔

شریمتی گاندھی نے اس بات کی بھی شکایت کی ہے کہ بہت سارے شعبوں میں مغربی بنگال پیچھے ہے۔ اس شکایت کی بابت یہ بلا روک ٹوک کہا جاسکتا ہے کہ غلط اور نقصان دہ مرکزی منصوبہ بندی ہی کم و بیش مغربی بنگال کے مسائل کی ذمہ دار ہے۔ یہ ریاست جو بائیں اور جمہوری تحریک کی مرکز ہے نہ صرف بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں بلکہ اس سے قبل کے عرصہ میں بھی، مرکزی حکومت کے امتیازی سلوک کی شکار بن چکی ہے۔ اس ریاست میں نشوونما اور ترقی کی مستحکم فضا پیدا کرنے میں مدد دینے کے لئے مرکزی حکومت نے کسی قسم کی قابلِ ذکر دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ بہت سارے صنعت کاروں، بینکوں اور مالیاتی اداروں نے، اس ریاست کو اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے تعاون اور مدد دینے کی جگہ ایک منفی کردار ادا کیا۔ مختلف ادوار میں سابق مشرقی پاکستان سے ۶۰ تا ۷۰ لاکھ پناہ گزینوں کے اس ریاست میں آجانے سے اس ریاست کے مسائل اور بھی پیچیدہ بن گئے۔ مزید مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کو کانگریس سے جو اس ریاست میں آزادی کے بعد سے برسرِ اقتدار تھی، ایک مایوس کن میراث ملی۔ مساوی کرایہ کی پالیسی، جسے مغربی بنگال میں کانگریس حکومت نے قبول کیا تھا، سے اس ریاست کو کافی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ نیز مغربی بنگال کو کنٹرولڈ قیمتوں پر خام اشیار بھی فراہم نہیں کی جاتیں، حالانکہ ان اشیار کی یہاں کافی ضرورت ہے۔ مغربی بنگال کی معیشت کو بھی شدید بحران سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ مرکز نے اس ریاست میں نئی صنعتیں، جیسے الکٹرونکس، ہالدیہ میں پٹروکیمیکل صنعتیں، جہاز سازی اور جہاز مرمت وغیرہ قائم کرنے کے لئے ٹال مٹول اور نارضامندی کا اظہار کیا۔ ریاستی حکومت نے اپنے محدود وسائل کے ساتھ اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ مغربی بنگال میں الکٹرونکس صنعتیں قائم کرنے کے لئے صنعت کاروں کو حسبِ ضروری مواقع فراہم کئے جائیں۔ صنعتی سیکٹر میں سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کرنے کیلئے فیاضانہ بڑھاوا دینے کی اسکیم کا اعلان کیا گیا اور اس سلسلہ میں

بہت سارے نشوونما مراکز قائم کئے گئے۔ محنت کش طبقہ کی جائز شکایتوں کو دور کرنے کے لئے بائیں محاذ حکومت کی کوششیں ثمر آور ثابت ہوئیں۔ اس کے نتیجے میں صنعتی امن قائم ہوا اور تیز تر ترقی کی ایک نئی فضا پیدا ہوئی۔ چھوٹے اور متوسط درجہ کی صنعتوں کی ترقی کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے۔ اس میدان میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ ایسی یونٹوں کی تعداد ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۸۹۷۸ تھی جو ۸۲-۱۹۸۱ء میں بڑھکر ۱۵۸۶۰ ہوگئی۔ اسی طرح ایسی یونٹوں میں برسر روزگار لوگوں کی تعداد ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۴۲۷۵۱ سے بڑھکر ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۱۱۲۲۰۹۹ ہوگئی۔ دیہی اور مضافاتی علاقوں میں تباہ کن سیلابوں کے باوجود کام کرنے کے ۲۵ کروڑ دن اور کروڑوں روپئے کی مالیت کے پیداواری اثاثے پیدا کئے گئے۔ قحط اور سیلاب سے متاثر لوگوں کو شہروں کی طرف جانا نہیں پڑا، جیسا کہ اس سے قبل ایسے واقعات رونما ہوتے تھے۔ آپریشن برگہ نے برگداروں کو، جس زمین پر وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں، اسکی ملکیت کا حق دے دیا۔ کانگریس کے دورِ حکومت میں ۱۴ سال تک پنچایت انتخابات نہیں ہوئے لیکن جمہوریت کو نچلی سطح تک برقرار رکھنے کے لئے بائیں محاذ حکومت نے سہ رخی انتخابات کرائے۔ اس حکومت نے اس ریاست کے غریب لوگوں جن میں شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب کے لوگ، معذور افراد، عورتیں، بچے، متوسط طبقہ کے ملازمین، اساتذہ وغیرہ شامل ہیں، کی فلاح وبہبود کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔ بے روزگاروں کو بے روزگاری بھتہ، بوڑھے کسانوں اور بیوہ عورتوں کو پنشن کی اسکیم کو روبہ عمل لاکر بائیں محاذ حکومت نے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں کو خلوص کے ساتھ پورا کرنے کی کوششیں کرتی رہی ہے۔

شریمتی اندرا گاندھی کے بیٹے شری راجیو گاندھی نے بھی حکومت مغربی بنگال پر بہت سارے الزامات عائد کئے۔ انہوں نے اس ریاست کے امن وامان کی صورتحال پر سخت تنقید کی لیکن یہ امر بالکل واضح ہے کہ دیگر ریاستوں، جہاں کانگریس کی حکومت ہے، کے مقابلہ میں مغربی بنگال میں امن وامان کی صورتحال بہتر ہے۔ اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش میں جرائم کی شرحیں بہت زیادہ ہیں۔ مرکزی وزارت داخلہ کی حالیہ رپورٹ دیگر ریاستوں میں امن وامان کی صورتحال کی ابتری کی شاہد ہے۔ یہاں صرف ایک قسم کے جرم کے اعداد وشمار کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اتر پردیش، مہاراشٹر، راجستھان اور بہار میں اس سال زنا بالجبر کے بہت سارے واقعات ہوئے۔ اس رپورٹ کے مطابق اتر پردیش میں زنا بالجبر کے ۴۹۷ کیس اور اگست ۱۹۸۳ء تک مہاراشٹر میں ۳۳۶ (اس میں جولائی اور اگست میں بمبئی کے کیس شامل نہیں ہیں)، جولائی تک راجستھان میں ۲۲۲ کیس اور اگست تک بہار میں ۲۱۲ کیس ہوئے۔ اسی ۱۹۸۳ء سال کے پہلے تین مہینوں میں مغربی بنگال میں زنا بالجبر کے ۹۲ کیس ہوئے۔

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ گزشتہ ساڑھے چھ برسوں میں مغربی بنگال میں ریاستی حکومت کی رفتارِ زندگی سست کرنے کی کوششیں تو کی گئیں لیکن ناکامی ہوئی۔ جب کبھی بھی گمراہ لوگ اپنے سر اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو ریاستی حکومت بروقت اقدامات کرتی ہے اور انکی چال کو ناکام بنا دیتی ہے۔ عورتوں، ہریجنوں اور اقلیتوں معہ شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب کے لوگوں پر ظلم ڈھانا تو بہت ساری ریاستوں میں ایک عام بات ہوگئی ہے لیکن مغربی بنگال میں اس بات پر کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے کہ کہیں بھی ایسے ظلم وستم کے واقعات رونما نہ ہوں۔

ہماری ریاست کے لوگ قومی اتحاد اور یکجہتی کے پرچم کو اونچا رکھتے ہیں۔ یہاں لوگوں کو منقسم کرنے والی طاقتوں کو ابھرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ سیاسی قتل کے جتنے واقعات رونما ہوئے ان میں سے زیادہ تر واقعات تو کانگریس (آئی) کے اندرونی باہمی فسادات اور بائیں پارٹیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے کی وجہ سے رونما ہوئے۔ بہت سارے کیسوں میں تو کانگریس (آئی) کے لوگوں نے پہلے حملہ کیا اور لوگوں پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑا۔ قتل کے تمام واقعات کی مناسب طور پر تفتیش کی گئی اور جب ضرورت

سمجھی گئی ملزمین کو گرفتار بھی کیا گیا۔ اس سلسلے میں مرکز نے پوچھ گچھ بھی کی تھی۔ ریاستی حکومت نے تمام حقائق اور اعداد و شمار کے ساتھ مرکزی حکومت کو جواب دے دیا۔ گزشتہ پنچایت انتخابات سے قبل امن و امان کی صورت حال کی بابت کانگریس (آئی) پارٹی نے ریاستی حکومت کو بدنام کرنے کی مہم شروع کی تھی جو ناکام ثابت ہوئی۔ کانگریس (آئی) نے بیر بھوم کے ایلمبل علاقہ میں رونما ہونے والے چند واقعات کے سلسلے میں ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ اس علاقہ کے نہ کانگریس کے کسی شخص نے نہ کسی اور نے عورتوں پر ظلم کرنے کی بابت شکایت درج کی۔ اس بات کی اطلاع ملی کہ بعد میں دہلی سے دو کانگریس (آئی) ایم۔ پی نے اس علاقہ کا دورہ کیا اور دو عورتوں سے پوچھ گچھ کی۔ لیکن پولیس کے پاس اور حکومت کے پاس کسی قسم کی مخصوص شکایات نہیں کی گئی۔ یہ سراسر جھوٹ ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کانگریس (آئی) کتنے نیچے گر سکتی ہے۔

کانگریس (آئی) کے سربراہ یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ بائیں پارٹیوں کے حامیوں نے بہت سارے کانگریس (آئی) کے لوگوں کا خون کیا لیکن اس سلسلہ میں وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، اور یہ بات اس حقیقت سے عیاں ہو جاتی ہے کہ اس سلسلے میں مختلف لیڈروں نے مختلف اعداد و شمار یعنی ایک سو سے تین ہزار تک پیش کئے۔

شری راجیو گاندھی نے اس سلسلہ میں تنقید کی کہ اس ریاست میں گزشتہ پانچ برسوں میں زرعی بہتری نہیں ہوئی اور غذائی پیداوار ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۹۰ لاکھ ٹن سے کم ہو کر ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۵۸ لاکھ ٹن ہو گئی۔

یہ حقیقت ہے کہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں غذائی پیداوار ۴۳ر ۵۸ لاکھ ٹن ہوئی، لیکن گزشتہ پانچ برسوں میں (۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۲ء تک) غذائی اجناس کی اوسط پیداوار ۵ر ۷۷ لاکھ ٹن تھی۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں غذائی پیداوار میں کمی کی وجہ یہ ہے کہ اس سال بارش انتہائی حد تک کم ہوئی اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیسویں صدی میں کہیں بھی اتنی کم بارش ہونے کی مثال نہیں ملتی۔ بردوان اور ہگلی جیسے اہم زرعی ضلعوں میں بارش ۴۰ تا ۶۰ فیصد کم ہوئی۔ اہم اہم اخبارات کے بہت سارے مشاہدین نے اس ریاست کا دورہ کیا اور انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے یہ کہا کہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں غذائی پیداوار حسب معمول پیداوار کی نصف ہوگی یعنی ۳۹ لاکھ ٹن۔

یہ ایک کامرانی ہے کہ اس ریاست میں کسانوں نے ایسی مایوس کن پیش گوئی کے باوجود اور بہت ہی مشکل حالات کے تحت، اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر اور جی توڑ کوشش کر کے ۴ر ۵۸ لاکھ ٹن غذائی اجناس پیدا کیں۔ کسانوں کی مرکوز کوششوں کے ذریعہ ہی ایسا کرنا ممکن ہو سکا۔ ریاستی حکومت کی زرعی، چھوٹی آبپاشی اور دیگر شاخوں نے کسانوں کی بھر پور تائید کی۔ مذکورہ شاخوں نے کم سے کم نمی میں زیادہ سے زیادہ غذائی اجناس کی پیداوار کی ٹکنالوجی سے کسانوں کو روشناس کرایا، ساتھ ہی کسانوں کو حسب ضرورت علاقوں کے لئے بیج اور کھاد سپلائی کی۔

بارش کی کمی کی وجہ سے بہار اور اڑیسہ میں پیداوار میں اتنی ہی کمی ہوئی۔ چنانچہ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ صرف مغربی بنگال میں پیداوار میں کمی کی تنقید کی گئی اور ۸۳-۱۹۸۲ء میں زراعت کو جن ناموافق قدرتی حالات کا سامنا کرنا پڑا، اس کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

اس صورت حال میں بہتری لانے کے لئے حکومت مغربی بنگال نے ۸۴-۱۹۸۳ء میں خصوصی اقدامات کئے۔ اگر ایسے اقدامات نہیں کئے جاتے تو چھوٹی اور معاشیاتی کسانوں کو اچھی کوالیٹی کے بیج نہیں ملتے اور انہیں بازار میں دستیاب ناقص بیجوں کو استعمال کرنا پڑتا۔ اچھی فصل اگانے کے لئے ۸۴-۱۹۸۳ء میں چھوٹے اور معاشیاتی کسانوں کے درمیان ۱۱ لاکھ چھوٹی تھیلیاں تقسیم کی گئیں۔ ۱۹۸۳ء میں بہت ہی ناموافق وقت میں برسات شروع ہوئی لیکن خوش قسمتی سے جولائی کے آخر سے حسب خواہ بارش ہوئی۔ اس کے ساتھ کسانوں اور سرکاری ایجنسیوں نے مرکوز طور پر کوششیں کیں اور اب اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ سال رواں میں غذائی اجناس کی پیداوار ۸۲ تا ۸۵ لاکھ ٹن ہوگی۔

چھٹے منصوبہ کے بنیادی سال میں یعنی ۸۰-۱۹۷۹ء میں غذائی اجناس کی پیداوار صرف ۶ر ۷۰ لاکھ ٹن ہوئی، اور منصوبہ کے چوتھے سال میں یعنی ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۸۵ لاکھ ٹن کی پیداوار خاطر خواہ

بہتری کی نشاندہی کرتی ہے۔

شری گاندھی کا یہ تبصرہ کہ اس ریاست میں غیر سرمایہ کاری کی وجہ بجلی کی کمی ہے اور لائسنس کے اجراء سے انکار کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ دو برسوں میں اس ریاست میں ۱۰۳ درمیانی پیمانہ کی اور ۱۷۷۴ چھوٹے پیمانہ کی یونٹیں قائم کی گئیں۔ مرکز نے بھی صنعتی لائسنس کے معاملہ پر غور کرتے وقت اس سے قبل اس مسئلہ کو نہیں اٹھایا۔ مغربی بنگال میں الیکٹرونکس صنعت قائم کرنے کے سوال پر مرکزی حکومت نے ایک عجیب نظریہ پیش کیا کہ مغربی بنگال ایک سرحدی ریاست ہے اس لئے ایسی صنعتوں کے لئے جائے وقوع کے لحاظ سے یہ علاقہ ناموزوں ہے۔ پٹرو کیمیکل کمپلکس، جہاز مرمت کارخانہ وغیرہ سے بھی اس ریاست کو محروم رکھا گیا۔ وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ بجلی کی کمی ہے، لیکن اصل وجہ سیاسی التفات ہے۔ شری گاندھی کا یہ الزام کہ یہاں مزدوروں کی ہڑتال وغیرہ سے کارخانے بند ہو گئے ہیں، بھی نہایت ہی نامعقول ہے۔ مزدوروں کے خلاف یہ ایک بہتان ہے اور مفاد پرستوں کو اس سے دلی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ریزرو بینک آف انڈیا کی رپورٹ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ مزدوروں کی ہڑتال اور بے چینی سے صرف ۲ فی صد یونٹیں بند ہوئیں۔ دیگر بندیوں کے لئے انتظامیہ اور دیگر افراد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ریاستی حکومت کے مالیاتی انتظامیہ کی بابت بھی شری راجیو گاندھی کا الزام نہایت عجیب و غریب ہے۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ حکومتِ مغربی بنگال کے نمائندے اکثر فقیروں کا کاسہ لے کر دہلی جاتے ہیں۔ کتنے ناگفتہ بہ الفاظ انہوں نے استعمال کئے۔ مرکزی حکومت کے پاس جو فنڈ ہے وہ کانگریس پارٹی کی ملکیت نہیں ہے۔ یہ الزام ملک کی وفاقی حیثیت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ دیگر ریاستوں کی طرح ریاست مغربی بنگال بھی مختص مالیاتی فنڈ کے سلسلے میں اپنا منصفانہ حصہ طلب کرنے کیلئے مرکز سے رجوع کرتی ہے۔ گزشتہ ساڑھے چھ برسوں میں مرکزی حکومت نے ۶۹۳۲ کروڑ روپئے بطور آمدنی ٹیکس، آبکاری اور کارپوریشن ٹیکس وصول کئے لیکن اس ریاست کو اس کے حصص کے طور پر صرف ۱۵۳۳ کروڑ روپئے ملے۔ یہ رقم وصول کردہ ٹیکس کی پوری رقم کی ۴۰ فی صد سے بہت ہی کم ہے۔ اس بات سے حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ گویا مغربی بنگال ہی مرکز کو مالی امداد ف[illegible] کر رہا ہے۔

۱۹۷۶-۷۷ء سے ریاستوں کے کل اخراجات سے منصوبہ بند اخراجات کی فی صدی سے وابستہ اعداد و شمار درج ذیل ہیں :

۵۲ر۳۱ فیصد (۱۹۷۶-۷۷ء)، ۸۱ر۳۱ فی صد (۱۹۷۷-۷۸ء)
۳۰ر۲۷ فیصد (۱۹۷۸-۷۹ء)، ۴۲ر۳۰ فیصد (۱۹۷۹-۸۰ء)
۷۴ر۳۳ فی صد (۱۹۸۰-۸۱ء)، ۰۰ر۲۹ فیصد (۱۹۸۱-۸۲ء) اور
۵۲۔۳۱ فیصد (۱۹۸۲-۸۳ء)۔

ریاست اپنے منصوبہ بند اخراجات میں کافی اضافہ نہ کر سکی، کیونکہ اسے مرکز کو قرض بھی واپس کرنا تھا۔ یہ ماضی کے کانگریسی دور کی ایک میراث ہے۔ ۸ ویں مالیاتی کمیشن سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ ان قرضوں کو منسوخ کر دے۔ پھر ریاستی حکومت کا یہ خیال ہے کہ غیر منصوبہ بند اخراجات کے تحت ایسی بہت سی مدیں ہیں جن کی طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ غیر منصوبہ خرچ جیسے پرائمری تعلیم پر خرچ کو قطعی طور پر پیداواری سمجھنا چاہیئے۔ ریاستی حکومت کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اس نے اس مد میں تقریباً ۲۰۰ کروڑ روپئے خرچ کئے۔ اس مد پر اور ملازمین، اساتذہ کی تنخواہوں اور اسی طرح کے دیگر اخراجات پر غیر منصوبہ بجٹوں میں کافی اضافہ کیا گیا تاکہ عام لوگوں کی مدد کی جا سکے کیوں کہ کانگریسی دورِ حکومت میں ان لوگوں کے مفادات سے غفلت برتی گئی تھی۔ اس ملک کی دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں مغربی بنگال کے لوگوں پر ریاستی حکومت کی عائد کردہ ٹیکس کی شرحیں سب سے کم ہیں اور اوسط لوگوں کے رہن سہن کے اخراجات بھی سب سے کم ہیں۔

اس ریاست کے اوور ڈرافٹ (قرض) کے مسئلہ پر مرکز بہت ہی شور و غل مچاتا ہے۔ ایسی صورتحال کے رونما ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرکز اس ریاست کو فنڈ کا زیادہ حصہ، جس کے پانے کا اسے حق حاصل ہے، دینے سے کتراتا ہے۔ پھر یہ بات بھی دیکھی گئی ہے

(باقی صفحہ ۴۱ پر)

مغربی بنگال اصلاحات آراضی (دوسری ترمیم) ایکٹ ۱۹۸۱ء
کی معاشی اور سماجی اہمیت

از بدھادیب بوس

مغربی بنگال اصلاحات آراضی (دوسری ترمیم) ایکٹ ۱۹۸۱ء (اس کے بعد سے اسے صرف ترمیمی ایکٹ کہا جائے گا) مغربی بنگال کی مجلس قانون ساز نے ۹ اپریل ۱۹۸۱ء کو پاس کیا اور اس کے تقریباً دو سال قبل اس قانون کو صدر کی منظوری حاصل کرنے کے لئے دہلی بھیج دیا گیا لیکن ابھی تک اس ایکٹ کو صدر کی منظوری نہیں ملی۔

آئیے ہم یہاں اس ترمیمی ایکٹ پر غور و خوض کریں اور یہ معلوم کریں کہ یہ مغربی بنگال کے لوگوں کے لئے کتنی سماجی۔ معاشی اہمیت کا حامل ہے۔

دستور ہند کی دفعہ ۳۹ کے کلاز "بی" اور "سی" کے تحت اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ریاستی حکومت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے گی کہ (۱) عوام کے مادی وسائل کی ملکیت اور ان پر اختیارات اس طرح منقسم ہوں کہ ان سے عوام بہتر طور پر مستفید ہوں اور (۲) معاشی نظام کی کارگذاریاں ایسی ہوں کہ ان سے دولت اور پیداوار کے ذرائع چند لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز نہ ہو جائیں اور عام لوگوں کو نقصان پہونچے۔

اس ترمیمی ایکٹ کا مقصد یہی ہے کہ مذکورہ بالا باتوں کے سلسلے میں ریاستی حکومت کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

زمین بہت ہی اہم سماجی دولت اور پیداوار کا اہم ذریعہ ہے۔ ہندستان کے دیگر علاقوں کے ساتھ ساتھ مغربی بنگال میں بھی قطعات آراضی زمین داروں اور جوت داروں کے ہاتھوں میں مرکوز ہیں۔

قطعات آراضی کس حد تک زمین داروں اور جوت داروں کے ہاتھوں میں مرکوز ہیں اس کے سلسلے میں مکمل طور پر قومی نمونہ جائزہ نہیں لیا گیا۔ مغربی بنگال جائداد حصولیابی ایکٹ ۱۹۵۳ء کے تحت ایک شخص کتنے قطعات آراضی کا مالک رہ سکتا ہے، اس کی انتہائی حد مقرر کر دی گئی۔ لیکن اس ایکٹ کے دائرہ عمل سے خود کو باہر رکھنے کے لئے زمین داروں اور جوت داروں نے اپنے بڑے بڑے قطعات آراضی کی ملکیت چوری چھپے اور ناجائز طریقے سے اپنے رشتہ داروں، بے نامداروں، اپنے ملازمین اور دوستوں کے نام تبدیل کر دی تاکہ وہ مذکورہ ایکٹ کے دائرہ عمل سے باہر رہیں۔ حقوق کے دیہی ریکارڈس پر بھی اسی طرح نظر ثانی کی گئی۔ اس طرح مغربی بنگال کے ۶۰ فیصد قطعات آراضی صرف چند لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد زمین کے مالکوں کی کل تعداد کے دس فیصد سے زیادہ نہیں ہے پھر بھی مغربی بنگال میں فی کس ۲۷ر ایکڑ قطعات آراضی ہیں۔ اتنے کم قطعات آراضی پر مغربی بنگال میں قطعات آراضی کے مالکوں کو نہ صرف اپنی خوراک اور ضروریات زندگی کی دیگر چیزوں کے لئے کھیتی باڑی کرنی پڑتی ہے بلکہ بڑے اور چھوٹے شہروں میں رہنے والے ڈیڑھ کروڑ لوگوں کے لئے بھی خوراک اور دیگر زرعی خام اشیا فراہم کرنی پڑتی ہے۔ زرعی اور غیر زرعی قطعات آراضی کی ملکیت میں اتنے وسیع فرق کی وجہ سے زرعی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو نہیں سکتا۔

آبادی میں اضافہ کی رفتار اور بڑے اور چھوٹے شہروں کی توسیع
کے ساتھ ساتھ غیر زرعی قطعات آراضی کیلئے اور انکے استعمال کیلئے ان کے مطالبات
میں بھی تیزی سے اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ قدرتی طور پر غیر زرعی قطعات
آراضی سے نفع کی شرح میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے،
لیکن اس نفع کا بڑا حصہ چند مٹھی بھر زمینداروں کی جیب میں جاتا ہے۔
ان حقائق کو جاننے کے لئے ہمیں اعلیٰ معاشی اصولوں کے سوالوں
پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ چند اجارہ دار مالکوں کے
ہاتھوں اتنے قطعات آراضی کے مرکوز ہوجانے سے آمدنی کی تفریق
اور بھی وسیع ہوجاتی ہے، غربت میں اضافہ ہوتا ہے، لوگوں کی اکثریت
میں بے روزگاری بڑھتی ہے اسکی وجہ سے ان کی قوت خرید کم ہوجاتی
ہے اور صنعت میں انجماد پیدا ہوجاتا ہے اور عام معاشی بحران رونما
ہوتا ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اے۔ای۔ ایکٹ
اور ایل۔آر۔ ایکٹ کے اہم مقاصد یہ ہیں کہ زمینداروں اور جوتداروں
کی فاضل زمینوں کو حاصل کر لیا جائے اور انہیں بے زمین اور غریب
کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے، لیکن ایسا کرنے میں
ناکامی ہوئی۔ قطعات آراضی کی ملکیت، جس کے سلسلے میں فلوڈ کمیشن
نے اعداد و شمار اکٹھا کئے تھے، کے ایک مناسب تخمینہ سے یہ بات معلوم
ہوئی کہ اگر اے۔ای۔ ایکٹ کے تحت قطعات آراضی کی انتہائی حد
کے اصول کو صحیح منظر ثانی کردہ دیہی ریکارڈ کی بنیاد پر پایۂ تکمیل تک
پہونچایا جائے تو اس اقدام سے تقریباً ۵۰ لاکھ ایکڑ فاضل قطعات
آراضی کا حق ملکیت حکومت کو حاصل ہوجائے گا اور حکومت ان قطعات
آراضی کو ۳۰ لاکھ بے زمین اور غریب کاشتکاروں کے درمیان تقسیم
کر سکے گی۔ ۱۹۵۵ء سے بارہ سال کی مدت کے دوران صرف پانچ
لاکھ زرعی زمین پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہوگیا۔ اس ریاست
میں بہت سارے قطعات آراضی کو زمینداروں اور جوتداروں نے
ہزاروں بے نامی اور فرضی لگانداری تیار کرکے، جعلی دستاویزات،
غیر رجسٹرڈ عمل نامہ، جعلی کرایہ۔ رسید اور عدالتی کارروائی جیسے
اقدامات کے ذریعہ دوسروں کے نام منتقل کر دیا۔ یوں تو فرضی
ٹرسٹ اور وقف موجود ہیں اس کے باوجود قطعات آراضی کی انتہائی
حد کے دائرہ عمل کی گرفت سے خود کو باہر رکھنے کے لئے بہت سارے
زمینداروں اور جوتداروں نے بہت سارے نئے ٹرسٹ اور وقف
قائم کئے۔ غلط طریقے سے زرعی قطعات کو ان کی مدوں کے تحت پیش کیا
گیا جن پر انتہائی حد کے قانون کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بہت سارے
فرضی اور بے نامی منتقلیوں اور جھوٹی درجہ بندی کو نظر ثانی کردہ
دیہی ریکارڈ میں درج کر دیا گیا۔ اسی طرح اور بھی بہت ساری منتقلی
اور جھوٹی درجہ بندی کردہ قطعات آراضی کو عدالتوں کے ذریعہ
قانون بنا دیا گیا۔ (باقی آئندہ)

(باقی صفحہ ۳۹ کا)
کہ مرکز اپنی کمی کو پورا کرنے کیلئے کروڑوں روپئے کے نوٹ چھپواتا
ہے۔ تین سال کی مدت میں مرکز نے اپنی کمی کو پورا کرنے کے لئے
۱۰ ہزار کروڑ روپئے کے نوٹ چھاپے، جبکہ تمام ریاستوں نے کل
۲۵۰۰ کروڑ روپئے بطور اوور ڈرافٹ حاصل کئے۔
مرکزی فنڈ کی فراہمی کے سلسلے میں بھی سیاسی بنیاد پر
مغربی بنگال سے امتیاز برتا جاتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ وسائل
کی حصولیابی میں مغربی بنگال تمام ریاستوں سے آگے ہے مغربی
بنگال کو فی کس منصوبہ بند امداد سب سے کم فراہم کی جاتی ہے۔
قومیائے بینک جن کے صدر دفاتر کلکتہ میں واقع ہیں، اس
ریاست میں اتنی سرمایہ کاری نہیں کرتے جتنی کہ انہیں کرنی چاہئے۔ ایسی
بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ مرکز کی غلط اور تفریق کی پالیسی
کا ریاست کی معیشت پر کتنا برا اثر پڑا۔
حکومت مغربی بنگال کے خلاف یہ ساری مہم جھوٹ اور
تہمت پر مبنی ہے اور اس مہم کا مقصد یہ ہے کہ اس ریاست کے عام
لوگوں کو گمراہ کیا جائے لیکن عوام کی بڑی اکثریت بیدار ہے اور وہ تمام
باتوں کو ٹھوس طور پر معائنہ اور مطالعہ کرتی ہے اور ان سے نتائج
حاصل کرتی ہے۔ بار بار مغربی بنگال کے عوام نے بائیں محاذ حکومت کے
پروگرام، پالیسیوں پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا اور ان پالیسیوں کو تسلیم
کیا۔ ایسے جھوٹ اور تہمت کی تردید کرنے کے لئے مسلسل
کوششوں کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کو گمراہ نہ کیا جاسکے اور کانگریس
(آئی) کی رجعی اور رجعت پسند طاقتیں آگے بڑھ نہ سکیں۔

کلکتہ اور مضافات میں
یومِ جمہوریہ کی تقریبات
شاندار طور پر منائی گئیں
مغربی بنگال کے گورنر نے پیریڈ کی سلامی لی

کلکتہ اور مضافات میں ۲۶ر جنوری ۸۴ء کو یوم جمہوریہ کی تقریبات دھوم دھام سے منائی گئیں۔ اس دن صبح کے وقت مغربی بنگال کے گورنر شری اے۔ پی۔ شرما نے ریڈ روڈ، کلکتہ میں ایک دلکش مارچ پاسٹ کی سلامی لی جس میں دفاعی سروسیں، نیم فوجی دستہ، پولیس، شہری اور رضاکار تنظیموں، اسکولی بچوں اور دیگر اداروں نے حصہ لیا۔

کلکتہ میدان میں یوم جمہوریہ کی تقریبات کا آغاز قومی پرچم لہراتے ہوتے دو ایم۔ آئی۔ ہیلی کوپٹروں کی اڑان سے ہوا۔ ان ہیلی کوپٹروں نے حاضرین پر پھول اور پھول کی پتیاں نچھاور کیں۔ نیز بینڈ باجوں کے ساتھ موسیقی کی دھنیں سنائی گئیں۔ اس موقعہ پر گھوڑ سواروں نے بھی گھوڑوں کی نمائش کی۔ فوجی ساز و سامان کی نمائش ہوئی۔ ایک معذور شخص نے اپنے ایک ہاتھ سے موٹر سائیکل چلاکر لوگوں کا دل موہ لیا۔ اسکولوں کے بچوں اور بچیوں نے اس پیریڈ میں حصہ لیا۔

یہ پروگرام تقریباً دو گھنٹوں تک جاری رہا

اسی دن شام کو راج بھون میں گورنر شری اے۔ پی۔ شرما نے ۲۰۰ سے زائد مجاہدین آزادی کو ایک استقبالیہ دیا۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے بھی اس استقبالیہ میں شرکت کی۔ گورنر اور وزیر اعلیٰ دونوں نے ان مجاہدین آزادی سے بات چیت کی۔ ان کی خیر و عافیت پوچھی۔ ان میں سے چند مجاہدین پہیے والی گاڑیوں سے وہاں پہونچے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ یوم جمہوریہ کے موقع پر مجاہدین آزادی کو استقبالیہ دیا گیا۔

مغربی بنگال کے اضلاع میں شان و شوکت سے یوم جمہوریہ منایا گیا۔ بردوان میں تقریباً دس ہزار لوگوں نے یوم جمہوریہ کے موقع پر مسلح افواج، ہوم گارڈ اور این۔ سی۔ سی کے کیڈٹوں کی پیریڈ دیکھی۔ بردوان کے ڈویژن کمشنر نے اس پیریڈ کی سلامی لی اور قومی پرچم لہرایا۔ مغربی بنگال قومی کریڑا اور شکتی سنگھ نے اس موقعہ پر جسمانی کرتب دکھائے۔

۲۶ر جنوری ۸۴ء کو مغربی بنگال کے تمام سرکاری اور نیم سرکاری دفتروں میں قومی پرچم لہرائے گئے ٭

تصویریں : چوتھے سرورق پر

اوپر : کلکتہ میں منعقدہ سیاسی پارٹیوں اور غیر کانگریس (آئی) کی خصوصی کانفرنس میں شرکت کرنے والے سربراہ۔ تصویر میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ڈاکٹر فاروق عبداللہ، شری زین چکرورتی، شری آر۔ کے۔ ہیگڑے اور شری این۔ ٹی۔ راماراؤ دیکھے جا سکتے ہیں۔

درمیان : مغربی بنگال کے وزیر مالیات اور شری آئی۔ کے۔ گجرال، خصوصی کانفرنس کے سلسلے میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوتے۔

نیچے : بریگیڈ پریڈ گراؤنڈ، کلکتہ میں ۱۴ر جنوری ۸۴ء کو غیر کانگریسی (آئی) وزراء اور دیگر سیاسی پارٹیوں کے رہنما عام جلسہ کو خطاب کرتے ہوتے ٭

ترسیلِ زر کا پتہ
بزنس منیجر : شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳ر آر۔ این۔ مکرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

۲۶ جنوری ۱۹۸۴ء

قومی یکجہتی اور اتحاد کو مضبوط بنائیے

★ ایک خوشحال ہندوستان کی تعمیر کیلئے ہم لوگوں نے جو عہد کیا تھا آج کے دن ہم اس عہد کو دہراتے ہیں۔ ہم لوگوں نے عوام کو معاشی اور سماجی انصاف فراہم کرنے کا، خیال اور اظہارِ خیال کی آزادی اور مساوی حیثیت کی ضمانت دینے کا عہد کیا تھا۔

★ ان عظیم مقاصد اور آرزوؤں کو پورا کرنے کیلئے ہمیں مسلسل کوششیں کرنی چاہئیں!

★ حد سے زیادہ مرکزیت نے ملک میں علاقائی عدم توازن اور سیاسی مطلق العنانی کو جنم دیا ہے۔ معاشی میدان میں علاقوں کے درمیان تفریق نے افتراق پسندوں اور علاقائی اور دیگر رجعت پسند طاقتوں کو متحرک بنا دیا۔ اس کے نتیجے میں قو[illegible]حاد اور یکجہتی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

★ سیاسی اور قانو[illegible]ں کے ساتھ ساتھ مرکز اور ریاستوں کے معاشی اور مالی تعلقات پر فوری اور غائر غور و خوض کرنے کی اور انہیں از سرِ نو مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

★ معاشی اختیارات کی تفویض، وسائل کی مساوی تقسیم اور اختیارات کی لامرکزیت پورے ملک کی معیشت کو مستحکم بنا دے گی اور ایک بہتر مستقبل کے لئے راہ ہموار کر دے گی۔

★ آئیے ہم ایک نئے ہندوستان کے عظیم کام کے لئے خود کو از سرِ نو طور پر وقف کر دیں۔

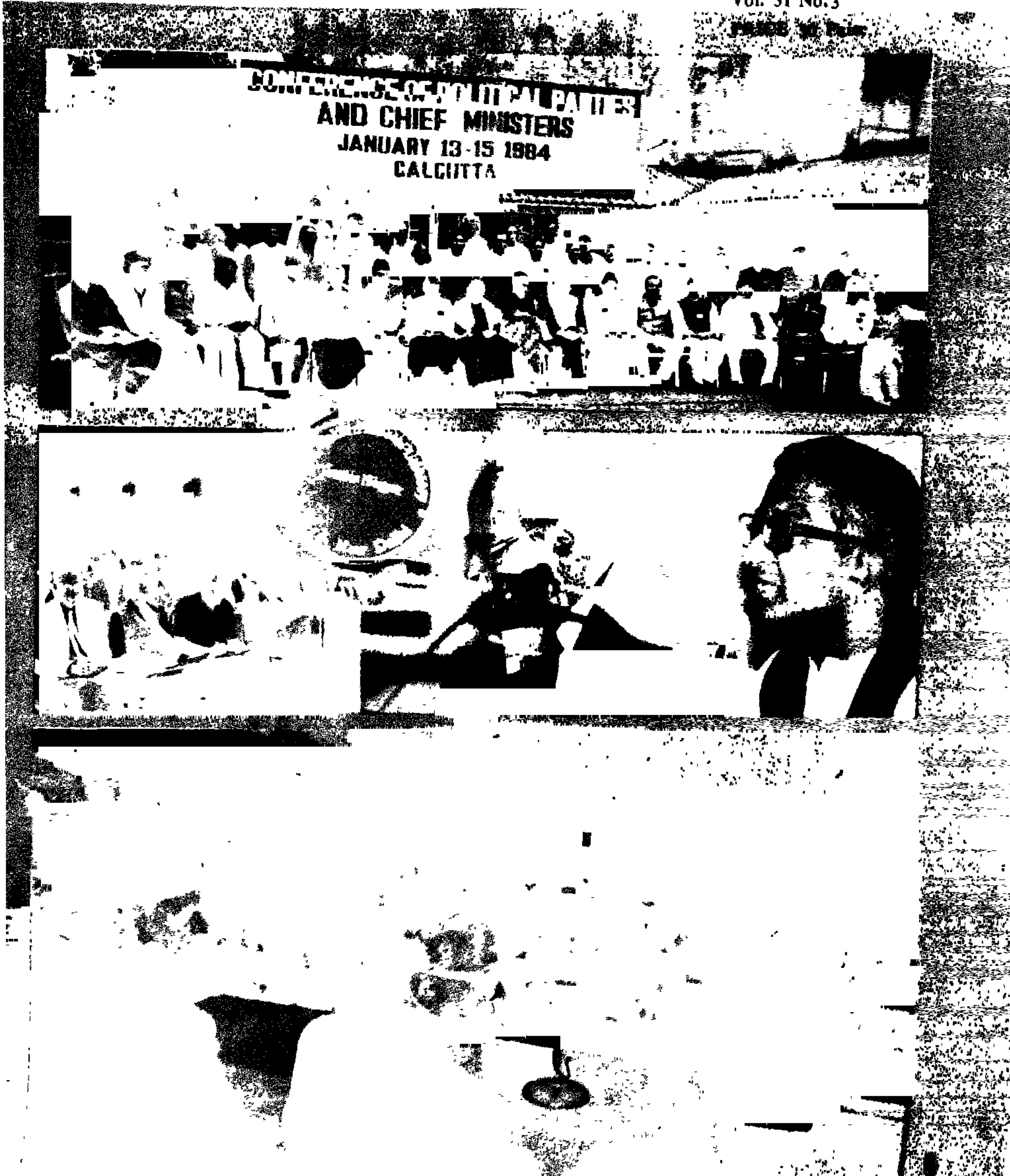
حکومت مغربی بنگال



Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T Printers, 54/1C. Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
1 FEBRUARY 1984

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 31 No.3





پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ ۱۵ فروری ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۴

شرحِ خریداری

قیمت : ۱۲ پیسے فی پرچہ

سالانہ : ۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



مغربی بنگال کے اسکولوں کے طلباء کی جونیر فٹ بال ٹیم کے کھلاڑی وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے ساتھ۔

اندھیرا

مخدوم محی الدین

رات کے ہاتھ میں اک کاسۂ دریوزہ گری
یہ چمکتے ہوئے تارے یہ دمکتا ہوا چاند
بھیک کے نور میں مانگے کے اجالے میں مگن
یہی ملبوسِ عروسی ہے یہی ان کا کفن
اس اندھیرے میں وہ مرتے ہوئے جسموں کی کراہ
وہ عزازیل کے کتوں کی کمیں گاہ
"وہ تہذیب کے زخم"

خندقیں
باڑھ کے تار
باڑھ کے تاروں میں الجھے ہوئے انسانوں کے جسم
اور انسانوں کے جسموں پہ وہ بیٹھے ہوئے گدھ
وہ تڑختے ہوئے سر
میتیں ہات کٹی پاؤں کٹی
لاش کے ڈھانچے کے اِس پار سے اُس پار تلک
سرد ہوا
نوحہ و نالہ و فریاد کناں
شب کے سناٹے میں رونے کی صدا
کبھی بچوں کی کبھی ماؤں کی
چاند کے تاروں کے ماتم کی صدا
رات کے ماتھے پہ آزردہ ستاروں کا ہجوم
صرف خورشیدِ درخشاں کے نکلنے تک ہے

رات کے پاس اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں
رات کے پاس اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں

کلکتہ میونسپل کارپوریشن ایکٹ ۱۹۸۰ء

کی اہم باتیں :

حکومت مغربی بنگال نے ۴ر جنوری ۱۹۸۴ء سے کلکتہ میونسپل کارپوریشن ایکٹ ۱۹۸۰ء لاگو کر دیا ہے۔

مقامی حکومت اور شہری ترقیات کے وزیر شری پرشانتو سور نے ۱۸ر ستمبر ۱۹۷۹ء کو مغربی بنگال اسمبلی میں اس بل کو پیش کیا تھا۔ اسمبلی نے اس بل کو اس ایوان کی سلیکٹ کمیٹی کے حوالے کر دیا۔ اس کمیٹی نے اس بل پر غور وخوض کرنے کے بعد جو رپورٹ داخل کی تھی اسے ۲۹ر اپریل ۱۹۸۰ء کو اس اسمبلی میں پیش کیا گیا اور اسمبلی نے ۷ر مئی ۱۹۸۰ء کو اس بل کو پاس کر دیا۔ بعد میں گارڈن ریچ، جادب پور اور ساؤتھ سبربن میونسپلٹیوں کے علاقوں کو کلکتہ کارپوریشن کے علاقوں میں ضم کرنے کیلئے ۲ر ستمبر ۱۹۸۳ء کو ایکٹ کی جدول ۱ اور ۲ میں ترمیم لائی گئی۔

کلکتہ کی میونسپل حکومت کی بابت یہ سلسلہ وار چوتھا ایکٹ ہے۔ اس ایکٹ میں شہری انتظامیہ کے لئے بھی حکومت کے کابینہ نظام کو رائج کیا گیا، جہاں کلکتہ میں شہری امور کے کام کاج کے روزمرہ کے انتظام کے لئے میئر۔ ان کاؤنسل کو ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

کارپوریشن کے ۱۴۱ منتخبہ ممبروں سے ہی میئر۔ ان کاؤنسل کے ممبران منتخب ہوں گے۔

اس ایکٹ کی تشکیل کرنے والوں نے "مضبوط میئر نظام" پر زور دیا، جہاں صرف کارپوریشن کے منتخب ممبران ہی میئر کا انتخاب کر سکتے ہیں اور میئر ان کاؤنسل میں اپنے ساتھیوں کو میئر ہی نامزد کر سکتا ہے۔

اس ایکٹ کے تحت سارے ہندستان میں کلکتہ پہلا شہر ہوگا جس کا انتظام ایک پورے وقت کا سیاسی انتظامیہ کرتا ہے۔ اور یہ انتظامیہ منتخب کرنے والے عوام کے سامنے اپنی کارکردگی کیلئے ذمہ دار ہوگا۔

اس ایکٹ کی رو سے اس شہری حکومت کی دو شاخیں ہوں گی، ایک مشورہ دینے والی اور دوسری عمل کرنے والی۔ اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے میئر کی جگہ منتخبہ ممبروں کا منتخب کردہ چیرمین ہوگا جو کارپوریشن کے جلسوں کی صدارت کرے گا۔ اس کا کردار وہی ہے جو ہندستان کے پارلیمانی نظام میں اسپیکر کا ہے۔

اس کارپوریشن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے ممبروں کی اکثریت کے ووٹوں کے ذریعہ ایک خاص ممبر کو میئر۔ ان۔ کاؤنسل سے ہٹا سکتا ہے۔

میئر۔ ان۔ کاؤنسل کے ذریعہ کارپوریشن کے مالی انتظامیہ کی جانچ پڑتال کرنے اور اسے بہتر طور پر استعمال میں لانے کے سلسلے میں اس ایکٹ میں میونسپل اکاؤنٹس کمیٹی کا وہی کردار ہے جو پارلیمانی اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں میں پبلک اکاؤنٹس کمیٹیوں کا ہے۔

اختیارات کی وسیع تقسیم :- مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ حکومت کی نچلی سطحوں تک زیادہ سے زیادہ

اختیارات کی تقسیم کی جاتے ۔ اس پالیسی کی روشنی میں اس ایکٹ میں ۱۵ انتظامی کمیٹیوں کی تشکیل کی گنجائش رکھی گئی ہے ۔

یہ کمیٹیاں مقامی سطح پر اپنے فرائض انجام دیں گی ۔ ان کے فرائض کی قانونی طور پر وضاحت کردی گئی ہے اور اس ایکٹ کے تحت انتظامی اور مالیاتی تائید فراہم کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے ۔

اس نئی اسکیم کے تحت میونسپل کمشنر، جو کارپوریشن کا اہم اگزیکیوٹیو افسر ہوگا اتور کے زیر نگرانی اور اس کے تحت کام کرے گا، اگرچہ میونسپل قوانین کے تحت کمشنر کو بہت سارے اختیارات دئے گئے اور اسے بہت سارے فرائض کو روبہ عمل لانا ہوگا ۔

ریاستی حکومت کے ذریعہ منسوخی :-

کارپوریشن کو منسوخ کردینے کی انتہائی حد بارہ ۱۲ مہینے مقرر کی گئی ہے ۔ اس مدت کو صرف چھ مہینے تک بڑھایا جاسکتا ہے ۔ حکومت ایک نوٹس جاری کرنے کے بعد ہی میونسپل کارپوریشن کو منسوخ کرسکتا ہے ۔ منسوخ کرنے سے قبل کارپوریشن کو موقعہ دینا ہوگا کہ وہ عرضداشت پیش کرے جس پر ایک کمیٹی غور و خوض کرے گی ۔

میونسپل فنڈ کے تحت الگ الگ اکاؤنٹس :-

مالیاتی نظام میں بہتری لانے کے پیش نظر اس ایکٹ میں میونسپل فنڈ کو ۵ بڑے مدوں میں تقسیم کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے ۔ پانی کی سپلائی ۔ صفائی ۔ اور نکاس ، سڑک ، ترقی اور بہتر حالت میں رکھنے کے اقدامات ، بستی خدمات ، کاروباری پروجیکٹس اور عام اکاؤنٹ ۔

اس ایکٹ میں ایک اور اچھی بات کی گنجائش رکھی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مخصوص مقاصد کے لئے ، ریاستی حکومت کارپوریشن کو عطیات دے گی اور ایسے عطیات خصوصی سیکٹر میں کارپوریشن کے اپنے وسائل کے متناسب ہوں گے ۔ اس طرح بستی سروس سیکٹر میں کارپوریشن اگر ایک روپیہ خرچ کرے گا تو حکومت کی طرف سے اسے ڈور روپے بطور امداد فراہم کئے جائیں گے ۔

جائیداد ٹیکس ایکٹ میں اصلاحات :

کلکتہ کارپوریشن کے جائیداد ٹیکس کے نظام میں بہت ساری خامیاں تھیں اور انکی وجہ سے زیادہ مالیت کی جائداد پر ٹیکس کا شرح بہت ہی کم تھی ۔ اسکی وجہ سے کلکتہ کارپوریشن کو سال میں ۳۸ر ۱ کروڑ روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا ۔ اب اس نظام کی جگہ خطِ مستقیم نظام رائج کیا گیا ۔ اس نظام کے تحت مالیت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ٹیکس کی شرح میں اچھل کر اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے تحت جائیداد کی قیمت میں ہر ۶۰۰ روپے کے اضافہ پر ٹیکس کی شرح میں ایک فیصد کا اضافہ ہوگا ۔

کلکتہ میں ٹیکس دینے والوں کی اکثریت کیلئے ٹیکس کی شرحوں میں کمی کی جارہی ہے ۔ ۱۹۵۱ء کے ایکٹ میں ۱۰۰۰ روپے یا اس سے کم کی ملکیت پر ٹیکس کی سب سے کم شرح ۱۵ فیصد تھی ، لیکن اب اس نئے ایکٹ کے تحت ۶۰۰ یا اس سے کم روپے کی ملکیت پر ٹیکس کی شرح ۱۱ فیصد کردی گئی ہے ۔

خطِ مستقیم نظام اور شرحوں کی کمی دونوں کا مشترکہ اثر یہ ہوا کہ ۷۰۰۰ ، یا اس سے کم روپے کی سالانہ مالیت پر ٹیکس کی شرح ۴۳ر فیصد سے ۳۲ر ۵ فیصد تک کم کردی گئی ہے ۔ ٹیکس عائد کرنے کی موجودہ شرحوں کے مطابق کلکتہ میں ٹیکس دینے والے نوّے ۹۰ فیصد لوگوں کو اس نئے قانون سے فائدہ پہونچے گا ۔

نیز اس خطِ مستقیم نظام کے تحت ، اگرچہ کلکتہ میں نوّے ۹۰ فی صد ٹیکس دینے والوں کو فائدہ پہونچے گا ، تاہم کارپوریشن کو شہری محاصل کے طور پر ایک تخمینہ کے مطابق ۶ر ۱ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے ۔

اس کے علاوہ ٹیکس ادا کرنے والے ان تمام لوگوں کو جن کی جائیداد کی مالیت ۳۰۰ روپئے یا اس سے کم ہے ، اس قانون کے پیش نظر ٹیکس کی ادائیگی کے قانون سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا ۔ ایسے لوگوں کی موجودہ تعداد ۱۱۶۱۴ ہے (یعنی کلکتہ میں ٹیکس ادا کرنے والوں کی کل تعداد کا ۵ ، ۷ر ۸ فیصد) ۔

ٹیکس کی وقت پر ادائیگی کیلئے دی جانے والی چھوٹ کی شرح ۲/۱ ۸ فیصد سے بڑھا کر ۵ فیصد کردیا گیا۔

ایسے مکانات کے سلسلے میں بھی جہاں مالک اور کرایہ دار دونوں ہی کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، ٹیکس کی شرحوں میں کمی کردی گئی ہے۔

کلکتہ میں نئے مکانات تعمیر کرنے کی ہمت افزائی کرنے کے سلسلے میں نئے رہائشی مکانات کو پہلے تین برسوں کے لئے مستحکم شرحوں پر ۲۵ فیصد چھوٹ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ایک نئی عمارت پر اس وقت سے ٹیکس عائد ہوگا، جب یہاں کرایہ داری کا سرٹیفکیٹ جاری کردیا جائے گا۔

سڑکوں کا نظام: اس ایکٹ کے تحت تمام بڑی سڑکوں میں فٹ پاتھ تعمیر کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ نیز تمام سڑکوں کو، ان کی اہمیت، وسعت، گاڑیوں کی آمد و رفت کی کثرت وغیرہ کے پیش نظر چھ حصوں میں منقسم کردیا گیا ہے۔

سی، ایم، ڈی، اے کلکتہ پولس [illegible] خدمات ایجنسیوں کے کام کاج میں تال میل کو قائم رکھنے کے لئے ایک میونسپل اسٹریٹس ٹکنیکل کمیٹی قائم کی گئی ہے۔

عمارتوں کے متعلق قوانین:- عمارتوں اور عمارتوں کے استعمال کی بابت ضوابط میں بھی بہت ساری ترمیمات لائی گئیں۔ عمارتوں اور شہری منصوبہ بندی ذیلی قوانین سے متعلقہ دفعات کے درمیان تعلقات کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اب ۵۰۰ مربع میٹر سے زیادہ قطعات آراضی پر تعمیر کی جانے والی عمارتوں کے پلان پر پہلے میونسپل عمارت کمیٹی غور و خوض کرے گی اور یہ کمیٹی کلکتہ میونسپل کارپوریشن، سی ایم ڈی اے، کلکتہ پولس اور مغربی بنگال فائر سروس کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔

ٹرائی بونلس: تنازعات کے کیسوں پر غور و خوض کرنے اور جلد از جلد فیصلہ کرنے کے لئے میونسپل آسسمنٹ ٹرائی بونلس اور میونسپل بلڈنگ ٹرائی بونل سے متعلقہ دفعات میں ترمیم لائی گئی ہے۔

مغربی بنگال میں کاشتکاری کی سہولتوں کیلئے ۲۰ ہزار سے زیادہ کم گہرے ٹیوب ویل

مرکزی اور ریاستی حکومتیں مشترکہ طور پر چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کی مدد کرنے کے سلسلہ میں زراعت میں بہتری لانے کے لئے ۱۲ کروڑ روپے کی ایک اسکیم کو بروئے عمل لا رہی ہیں۔ اس اسکیم تحت ۲۰۰۰۰ سے زیادہ کم گہرے ٹیوب ویل نصب کئے جائیں گے اور اس سلسلہ میں ہر بلاک کے لئے ۳٫۵ لاکھ روپے مختص کئے گئے ہیں۔

عام طور پر ہر ایک کسان کو، جس کے پاس ایک ہکٹائر زمین ہے، ایک کم گہرے ٹیوب ویل بٹھانے پر جتنا خرچ ہوگا اس کا ایک تہائی حصہ بطور عطیہ دیا جائے گا۔ نیز ایک کسان کو جس کے پاس ۱۵ ایکڑ زمین ہے، ٹیوب بٹھانے کے کل اخراجات کی ۲۵ فیصد رقم اور امداد باہمی فارموں اور شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے کسانوں کو مذکورہ اخراجات کی ۵۰ فیصد رقم بطور عطیہ دی جائیگی۔ باقی خرچ بنک کے قرض سے پورا کیا جائے گا۔

اگر تمام بنک آسان شرائط پر قرض جلد از جلد فراہم کرے تو اسی مالی سال میں ۲۰ ہزار سے زیادہ کم گہرے ٹیوب ویلس بٹھا دئیے جائیں گے اور اس طرح دو لاکھ قطعات آراضی کو آب پاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

اگر ربیع کے موسم تک اس اسکیم کو پایہ تکمیل تک نہ پہونچایا جا سکے تو اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ بورو موسم تک اس اسکیم کو مکمل کرلیا جائے گا ؛

طنز نگاری کا قطب مینار: کنہیا لال کپور

ہربھگوان شاد

عصرِ حاضر کے شہنشاہِ طنز نگاری جناب کنہیا لال صاحب کپور جنہیں آج مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے جب موگا سے ہجرت کر کے جالندھر آئے تو بلاشبہ اس صحافتی دار الخلافہ کی ادبی محفلوں کو نئی زندگی کا پیغام ملا۔ ادبی ماحول پر مسلط جمود ختم ہو گیا۔ اور آئے دن ادبی تقاریب کا اہتمام کیا جانے لگا۔ دراصل کپور صاحب اپنے آپ میں ایک انجمن تھے۔ ان کی باغ و بہار طبیعت مرنجان مرنج مزاج کی بدولت دیکھتے ہی دیکھتے جالندھر میں ان کے مداحوں، بہی خواہوں، اور پرستاروں کا طبقہ اتنا پھیل گیا کہ وہ جس طرف بھی نکل جاتے لوگ انکی قدم بوسی کا فخر حاصل کرتے نظر آتے۔

یہ ٹھیک ہے کہ موگا سے جالندھر آ کر کپور صاحب بہت خوش تھے۔ آکاش وانی اور دور درشن کے لئے لکھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک روزنامہ کے لئے کالم لکھنا بھی شروع کر دیا۔ کہاں موگا کے کالج سے ریٹائرمنٹ، کے بعد وہ اپنے آپ کو کسی حد تک بیکار محسوس کرنے لگ گئے تھے اور کہاں جالندھر کہ انہیں صبح و شام خامہ فرسائی کرنی پڑتی۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوتے بھی وہ لاہور کی یادوں کو اب تک فراموش نہیں کر سکے تھے۔ ایک دن باتوں باتوں میں ماضی کی ادبی محفلوں کا تذکرہ چل نکلا تو کہنے لگے "لاہور، لاہور تھا۔ اس جیسا ادبی ماحول جالندھر، چنڈی گڑھ، دہلی، لکھنؤ یا بمبئی، حیدر آباد کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ اور تو اور لاہور بھی اب تقسیم وطن سے پہلے جیسا لاہور نہیں رہا۔

پھر انہوں نے مولانا ظفر علی خاں، شمس العلماء حضرت تاجور نجیب آبادی، ڈاکٹر ایم۔ ڈی تاثیر، حفیظ جالندھری، عاشق بٹالوی، اشتراکی ادیب باری، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، اوپندر ناتھ اشک، راجا مہدی علی خاں، شبلی بی کام، صلاح الدین احمد، حاجی لق لق اور کرشن چندر وغیرہ ادیبوں، شاعروں، مزاح نگاروں اور نقادوں کا تذکرہ اس انداز سے چھیڑا کہ دوپہر سے شام ہو گئی۔

کچھ لوگوں کا یہ بیان غلط ہے کہ کرشن چندر اور کنہیا لال کپور ہم جماعت تھے۔ تاہم یہ ٹھیک ہے کہ ان دونوں کی عمر میں معمولی فرق تھا اور دونوں بنیادی طور پر ضلع لائلپور کے رہنے والے تھے۔ دونوں نے تعلیم لاہور میں حاصل کی مگر ان کا تعارف بہت آگے چل کر ہوا۔ سنہ ۱۹۳۶ء کے وسط کا ذکر ہے دونوں تعلیم سے فراغت پانے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے نا آشنا ایک اصطبل نما ہوسٹل میں رہ کر کوئی اچھی سروس حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ انہی دنوں رسالہ "ادبی دنیا" میں کرشن چندر کا افسانہ "یرقان" شائع ہوا۔ یرقان غالباً کرشن چندر کا پہلا افسانہ تھا۔ اس کے اچھوتے انداز بیان اور نشتر کی طرح چبھتی ہوئی زبان نے ادبی حلقوں کو چونکا دیا۔ کپور صاحب بھی اس افسانہ کے مداحوں میں سے تھے۔ اپنے ایک روم میٹ سے یہ جان کر کپور صاحب کو مسرت انگیز حیرت ہوئی کہ یرقان کا خالق اسی ہوسٹل میں ان کے کمرے کے ساتھ والا کمرہ میں رہائش پذیر ہے۔ پھر کیا تھا۔

ملاقات کی۔ اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اُنکی رفاقت کی گانٹھ اتنی مضبوط ہو گئی کہ صرف موت ہی انہیں جدا کر سکی ہے۔ کرشن چندر سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کپور صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے :

"چھریرا بدن، درمیانہ قد، گندمی رنگ، خوبصورت آنکھیں، مغربی لباس میں ملبوس، یہ تھا کرشن چندر وہ مجھے ادیب بالکل نظر نہ آیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا تھا، ایک طالبعلم ہے جو قبل از وقت بوڑھا ہو گیا ہے وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ میں نے اس کے اسلوب بیان کی تعریف کی۔ وہ نہ مسکرایا نہ اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔ بس کبھی کبھی کھانس لیتا یا تھوک دیتا۔ ایک آدھ بار اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر نہ جانے کیا سوچ کر اس نے مسکرانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے اس سے مل کر خاصی مایوسی ہوئی اور مجھے بالکل یقین نہ آیا کہ 'یرقان' نام کا افسانہ اس نے لکھا ہے۔ دوسرے دن میں پھر اس کے پاس گیا اور پوچھا۔ خدارا بتا دیجئے کیا 'یرقان' واقعی آپ نے لکھا ہے ؟"

کنہیا لال کپور بھی اپنے ملنے جلنے والوں کی دل شکنی نہیں کر سکتے تھے۔ رفاقت، محبت، شفقت اور رواداری کا ایک ایسا مجسمہ تھے وہ کہ ان کی ذات گرامی سے فیضان ان گنت لوگوں نے حاصل کیا لیکن مایوس ہونے والا شاید ایک بھی آدمی ڈھونڈنے سے نہ مل سکے۔ ایک مرتبہ ان کے مکان پر ایک نوآموز افسانہ نگار اپنے کچھ افسانے لے کر ان کے پاس آیا اور دیباچہ نگاری کی درخواست کی۔ کپور صاحب افسانہ نگار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو مسودہ رکھ لیا اور اسے دو ہفتے بعد آنے کو کہا۔ میں نے بعد میں پوچھا اگر افسانے معیاری نہ ہوتے تو....... وہ کہنے لگے۔ اگر اس میں ادیب بننے کی صلاحیت موجود ہے تو دیباچہ کے بجائے مشورہ دے کر اس کی حوصلہ افزائی کروں گا۔ ادبی دنیا میں جہاں ساتھیوں کی ٹانگیں کھینچنی فیشن ہو گیا ہے کپور صاحب جیسی مصلح کل شخصیت کا دم پُر فتن ماحول میں مشعل کی مانند تھا مگر اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہا۔

طنز و مزاح تمام اصناف ادب میں دشوار گذار صنف ہے۔ یہ ایک ایسا خار دار راستہ ہے کہ ہر کس و ناکس اس کی جادہ پیمائی نہیں کر سکتا۔ طنز و مزاح کی چاشنی ہر ادیب کی تحریر میں تھوڑی بہت ہوتی ہے مگر طنز نگاری کو اپنانے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اور جو گنتی کے چند طنز نگار ہیں ان میں کپور صاحب کا نام سر فہرست تھا۔ عام روش سے ہٹ کر کپور صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر چیز کو اس کے اصل روپ میں دیکھنے کے عادی تھے اور اسی روپ میں وہ اس چیز کو عوام کے سامنے پیش کر دیتے۔ "اپنے منہ میاں مٹھو بنا" کے زیر عنوان لکھتے ہیں :

"ہمارے ایک شاعر دوست تھے جو مشاعروں میں ہوٹ ہونے کے عادی تھے مگر اس کے ساتھ اپنے منہ میاں مٹھو بننا بھی انہیں خوب آتا تھا۔ کسی مشاعرہ سے لوٹنے کے بعد اکثر کہتے : "علی گڑھ کا مشاعرہ لوٹ کر آرہا ہوں جب ہم نے مطلع پڑھا تو میاں ممتاز احمد ایڈوکیٹ جو صدر مشاعرہ تھے، نے اٹھ کر ہمیں گلے لگایا اور کہا۔ حضور یہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ ایسا مطلع نواب داغ دہلوی کہا کرتے تھے یا اب آپ کہتے ہیں۔ اس پر مشہور بزرگ شاعر جناب شاطر مٹنوی نے اپنا دیوان بادولت کو پیش کرتے ہوئے کہا اسے اپنا مال سمجھ کر گھر لے جایئے اور اس کے عوض

اپنا یہ مطلع مجھے دے دیجئے ۔"

سجاد احمد کا ہر دلعزیز خاکہ " مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ " تو آپ کی نظروں سے ضرور گزرا ہوگا ۔ کنہیا لال کپور صاحب نے دوستوں کے مسئلے کو مروجہ صورت میں لیا ہے ۔ لکھتے ہیں ۔ " مجھے میرے دوستوں کو بچاؤ " ملاحظہ فرمائیے ــــ اور اس کے بعد مسکرائیں ، ہنسیں یا کڑھیں ۔ یہ آپ کی مرضی ! ـــ ہماری رائے میں اور بھی بہت سی عادتیں ہیں جن کے باعث کسی شخص سے اس کے دوستوں کو بچائے رکھنے کی ضرورت ہے ۔ مثال کے طور پر ایک دوست کا کرکے مارِ آستین کا کردار ادا کرنا اور دوستوں کو یہ شعر پڑھنے پر مجبور کرنا ؎

جنہیں ہم غیر سمجھے تھے وہی مشکل میں کام آئے
بنایا تھا جنہیں اپنا وہ مارِ آستیں نکلے

ہر نئی اور قیمتی کتاب دوستوں سے مستعار لینا اور واپس نہ کرنا ۔ جب مانگے کی بہت سی کتابیں اکٹھی ہو جائیں تو دوستوں سے شکوہ کرنا کہ کسی نے کتابیں رکھنے کے لئے ہمیں الماری نہیں دلائی ۔ اپنی بیوی کو میکے بھیج کر ہر روز کھانا کسی نہ کسی دوست کے یہاں کھانا اور ہوٹل میں نہ جانے کے لئے کہنا کہ کیا ہوٹل کا کھانا بھی کوئی کھانا ہوتا ہے ۔ یہ تو آہستہ آہستہ اثر کرنے والا نسخہ ہے ۔ گھر کا بھیدی ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ دوست کے گھر کی لنکا ڈھانے کے لئے الرٹ رہنا ۔

کپور صاحب اب محفلِ دنیا سے اٹھ گئے ہیں ۔ وہ اب واپس نہیں آئیں گے ۔ ان کا دم غنیمت تھا ۔ صفِ اول کا طنز نگار ہونے کے ساتھ ساتھ تمام اوصافِ حمیدہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھے ، جو کسی کو بلند اخلاق بناتے ہیں ۔ یہ اردو زبان کے لئے بہت بڑا المیہ ہے کہ ایک عظیم اہلِ قلم اس سے ناطہ توڑ گیا ہے ؎

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

یہ امر ہمارے لئے اطمینان بخش ہے کہ ان کے ادب پارے اب بھی تشنگانِ ادب میں قہقہے اور مسکراہٹیں بکھیرتے رہیں گے ۔

"پھوہڑ بیوی" کے موضوع پر ان کے ایک انشائیہ کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے :

" بدصورت بیوی کو یہ سوچ کر برداشت کیا جا سکتا ہے کہ بدصورت عورت خدا کو پسند ہے ۔ بات بات پر روٹھنے والی بیوی کو یہ کہہ کر معاف کیا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی عادت نہیں ادا ہے ۔ فضول خرچ بیوی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مزاج لڑکپن سے شاہانہ ہے ۔ مگر پھوہڑ بیوی ایک ایسی مصیبت ہے جس کی اچھائی کا کوئی پہلو تلاش نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ ہر بات اور ہر کام اس بدسلیقگی سے کرتی ہے کہ بیچارہ قسمت کا مارا شوہر دانت پیس کر رہ جاتا ہے ۔"

(بشکریہ " پاسبان " چنڈی گڑھ)

بقیہ صفحہ ۱۴ کا

کر دیا اور جہاں دیوانی عدالتوں نے فیصلہ کر دیا تو وہاں اس کے فیصلے کے مطابق عمل کرنا ریونیو افسر کے لئے لازمی قرار دیا گیا ، خواہ اس سلسلہ میں ریونیو افسر کے خیالات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں ۔

اس لئے اس بات کی امید نہیں کی جا سکتی کہ ایسی صورتحال میں اصلاحات اراضی کے اقدامات کو مکمل طور پر روبہ عمل لایا جا سکتا ہے ۔ جائداد حصولیابی ایکٹ اور اصلاحات آراضی ایکٹ دو زرعی اصلاحات کے قوانین ہیں ، اور دستور کی دفعہ ۳۱ الف کے تحت انہیں تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے ۔ اگر موجودہ حالات میں مذکورہ بالا قوانین تحت محاصل عدالتوں کو ایک پوری تشکیل کردہ عدالت کی حیثیت نہ دی جائے اور دیوانی عدالتوں کو اس بات کی اجازت دی جاتی رہے کہ دہ محاصل عدالتوں کے قانونی دائرہ اختیارات کی خلاف ورزی کرے تو اس کے نتائج پورے سماج کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے ۔ (ختم شد)

دوسری اور آخری قسط

مغربی بنگال اصلاحات آراضی (دوسری ترمیم) ایکٹ سنہ ۱۹۸۱ء

کی معاشی اور سماجی اہمیت

سنہ ۱۹۶۷ء اور سنہ ۷۰-۱۹۶۹ء کی دونوں متحدہ محاذ حکومتوں نے اور اب بائیں محاذ حکومت نے دیہی ریکارڈوں میں مذکورہ بالا غلطیوں کو درست کرنے کے لئے، قطعات آراضی کی انتہائی حد سے متعلق قانون کو روبہ عمل لانے کے لئے اقدامات کئے، لیکن ان سے خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہو سکے کیوں کہ زمینداروں اور جوتداروں نے وسیع پیمانہ پر قانونی چارہ جوئی شروع کر دی۔ رمیش سمہ بمقابلہ ریاست مغربی بنگال کیس میں کلکتہ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ ریونیو افسر کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ حقوق کے ریکارڈس تیار کرنے اور ان پر نظر ثانی کرتے وقت ملکیت جن میں بے نامی شامل ہے' کے پیچیدہ سوال پر غور و خوض کریں۔ سب سے عجیب حقیقت یہ ہے کہ اصلاحات آراضی قوانین جو بہت ہی اہم سماجی۔ معاشی اقدام ہے، کو بھی جائداد کے عام قوانین کے تحت رکھا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ عدالتوں کے اختیارات کے سوال کو بھی۔ ایسی صورتحال میں بامعنی اصلاحات آراضی کیلئے تمام کوششیں بے ثمر ثابت ہوں گی۔

ایل۔ آر۔ ایکٹ میں سنہ ۷۲-۱۹۷۱ء میں ترمیم لائی گئی۔ اس ترمیم کی وجہ سے بڑے بڑے زمینداروں کے زیر اختیار فاضل زرعی زمینیں اور باغات کو حکومت کے لئے حاصل کرنا ممکن ہو سکا، لیکن اس ترمیم سے بھی حسب خواہ فائدہ نہ ہوا اور اسکی وجہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

اس لئے متحدہ محاذ اور بائیں محاذ حکومتوں کی پرخلوص اور مسلسل کوششوں کی وجہ سے اب تک صرف تیرہ ۱۳ لاکھ ایکڑ فاضل قطعات آراضی پر ریاستی حکومت کو حق اختیار حاصل ہو گیا۔ ایل۔ آر۔ ایکٹ کے تحت غیر زرعی زمین کو حکومت اپنے زیر اختیار نہیں لے سکتی، اس لئے اس ریاست میں زیادہ تر قطعات آراضی بڑے زمینداروں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اصلاحات آراضی کے مذکورہ دو قوانین میں جو خامیاں ہیں اور عالیہ عدالتی فیصلوں کے پیش نظر اس بات کی امید نہیں کی جا سکتی کہ ریاستی حکومت مزید قطعات آراضی کو اپنے اختیار میں لا سکے گی۔ اس کی وجہ سے ریاستی حکومت کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

لیکن کیا ایک حکومت جس نے دستور کے اصول اور مقاصد کے پیش نظر یہ عہد کیا تھا کہ وہ سماجی دولت اور پیداوار کے ذرائع کی مرکزیت کو ختم کر دے گی اور سماج کے مالی وسائل پر کنٹرول اور ان کی ملکیت کے سلسلے میں از سر نو ایک ڈھانچہ تیار کرے گی تاکہ ان سے عام لوگوں کو فائدہ پہونچے' کیلئے۔ اس بہانہ پر کہ قوانین میں خامیاں ہیں اور عدالتوں کے فیصلوں سے دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں، خاموش بیٹھے رہنا جائز ہے؟ کسی بھی حالت میں قوانین اور عدالتیں عوام اور دستور سے بالاتر نہیں ہو سکتیں۔ اگر قطعات آراضی کے سلسلے میں جو موجودہ قوانین ہیں، ان سے معاشی تفریق پیدا ہوتی ہے اور استحصال کو برقرار رکھا جا سکتا ہے تو ایسے قوانین کو فوراً بدل دینا چاہئے۔

چنانچہ یہی وہ تناظر ہے جس کا مذکورہ بالا عبارتوں میں ذکر کیا گیا ہے اور جس کے پیش نظر بائیں محاذ حکومت نے اصلاحات آراضی (دوسری ترمیم) ایکٹ سنہ ۱۹۸۱ء مرتب کیا' اور ریاستی حکومت کا یہ اقدام دستور کی دفعہ ۳۹ اور رہنمایانہ اصولوں کے عین مطابق ہے۔

اب آیئے ہم اس دوسرے ترمیمی ایکٹ کی چند دفعات پر غور و خوض کریں۔

دفعہ ۵ :- اصل ایل۔ آر۔ ایکٹ میں زرعی قطعات آراضی' کو اور ایسے قطعات آراضی کو جہاں رعیت (زرعی مزدور) مکان تعمیر کر کے رہتے ہیں، زمین کہا گیا اور تمام غیر زرعی زمینوں کو، جہاں رعیت آباد ہیں، انتہائی حد کے اس قانون سے باہر رکھا گیا۔ اس

می کو دور کرنے کیلئے ترمیمی ایکٹ کی دفعہ ۵ کے ذریعہ زمین کی تعریف
میں اضافہ کیا گیا۔ اب زمین میں تالاب، مچھلیوں کی پرورش کے تالاب،
وہ قطعات آراضی جہاں مویشیوں کی پرورش کی جاتی ہے یا جہاں مرغ
مرغیاں پالی جاتی ھیں یا جہاں مویشیوں کے دودھ کا کاروبار ہے، یا
ایسے قطعات آراضی جہاں چاۓ باغات، مل، کارخانے، ورکشاپ،
ہاٹ، بازار، گھاٹ، چنگی کی چوکی ھیں یا قطعات آراضی جہاں دیگر
غیر زرعی مفادات ہوں یا اس طرح کے دیگر قطعات آراضی شامل ھیں۔
ایسی نظر ثانی کے بعد دیگر اقسام کی غیر زرعی زمینیں بھی اس ایکٹ
کی انتہائی حد قانون کے دائرہ عمل میں آجائیں گی۔ اس طرح اس
ترمیمی ایکٹ کو روبہ عمل لانے سے بہت سارے قطعات آراضی پر
حکومت کو اختیار حاصل ہوجاۓ گا۔

دفعہ ۷ :- مالکان زمین کو جنہیں غیر زرعی کرایہ دار کی حیثیت
حاصل ہے، ای۔ اے۔ ایکٹ اور اصل ایل۔ آر۔ ایکٹ کے دائرہ
عمل سے باہر رکھا گیا۔ ان میں سے بہت سارے رعیتوں کے پاس
زرعی اور غیر زرعی زمینیں ہیں۔ بہت سارے کیسوں میں ایک ہی
شخص ایک رعیت اور غیر زرعی رعیت کی طرح زرعی اور غیر زرعی
دونوں کا قابض ہے۔ اس ترمیمی ایکٹ کی دفعہ ۷ کے تحت ایسے
کرایہ داروں کو "درمیانی لوگ" کہا گیا ہے اور اسکی وجہ سے انتہائی
حد قانون کے مطابق ایسے کرایہ داروں کو، جتنے قطعات آراضی اپنے
پاس رکھنے اجازت ہوگی اس کے مطابق رعیت کی حیثیت دی جاۓ
گی۔ ترمیمی ایکٹ کی دفعہ ۵ اور دفعہ ۷ کے مطابق تمام اقسام کی
زمینیں اور ان کے مالکان، ای۔ اے۔ ایکٹ اور ایل آر۔ ایکٹ دونوں
کے انتہائی حد کے قوانین کے دائرہ عمل میں آجاتے ہیں۔

دفعہ ۱۳(۲) :- بہت سارے زمینداروں اور جوتداروں
نے جن میں ہندو قانون کے متاکشرا انظام سے وابستہ لوگ بھی
شامل ہیں، اپنے شریک حصہ۔ رعیتوں یا شریک وراثت کے درمیان
نقلی اور جعلی طور پر زمین کی تقسیم کرکے خود کو اس قانون کے دائرہ عمل
سے باہر رکھا۔

اس ترمیمی ایکٹ کی دفعہ ۱۳(۲) کے تحت حکومت کیلئے
کم از کم ایسی فاضل زمینوں کو حاصل کرنا ممکن ہوسکے گا۔

دفعہ ۲۰ :- موجودہ ایل۔ آر۔ ایکٹ کے تحت عوامی ٹرسٹ
اور اداروں کو اپنے مراکز اور شاخوں کے لئے ۷ ہیکٹارس قطعات
آراضی کو اپنے تحت رکھنے کا اختیار حاصل ہے۔ ترمیمی ایکٹ کی
دفعہ ۲۰ کے تحت ایک عوامی ٹرسٹ اور ادارہ کو اپنے مرکز اور
شاخوں کیلئے اپنے تحت ۷ ہیکٹارس قطعات آراضی رکھنے کی اجازت
ہے۔ لیکن اس دفعہ میں اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ
ایل۔ آر۔ ایکٹ کے تحت زمین کی انتہائی حد کا تعین کرنے کیلئے
غیر سرکاری ٹرسٹوں اور اداروں کی زمینوں کو وقف کرنے والوں کی زمین
سمجھا جاۓ گا۔

دفعہ ۲۶ :- اس دفعہ کے تحت ریونیو افسروں کو بہت سارے
اہم اور ضروری اختیارات دۓ گئے۔

(الف) : ریونیو افسر اس بات کا تعین کرنے کے
لئے کہ رعیت کا خاندان زیادہ سے زیادہ کتنے قطعات آراضی اپنے
لئے رکھ سکتا ہے، زمینوں کی، معہ بے نامی زمینوں کی حق ملکیت
کی بابت جانچ پڑتال کرسکتا ہے اور حسب ضروری حکم نامہ جاری
کرسکتا ہے۔ ریونیو افسر مختلف ٹرسٹوں اور اداروں کی نوعیت کی
بھی جانچ کرسکتا ہے تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ ایسے ٹرسٹ اور ادارے
خاص طور پر مذہبی اور خیراتی یا دونوں مقاصد کے لئے ہیں۔ اس کے
ساتھ ساتھ ریونیو افسر حق ملکیت کی بھی جانچ کرسکتا ہے۔ اس سلسلے
میں وہ دستاویزات کے علاوہ متعلقہ زمین سے حق استفادہ یا آمدنی
کو استعمال کرنے والوں اور زمین پر کاشتکاری کے طریقہ کار کی بابت،
زمین کو کس طرح مصرف میں لایا جارہا ہے اور دیگر باتوں کی بابت پوچھ گچھ
کرسکتا ہے۔

اس دفعہ کی اہمیت یہ ہے کہ زمین کی مکمل طور پر "دان"
دینے اور اس زمین سے اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہونے کے
باوجود بہت سارے ٹرسٹ اور ادارے ایسی زمینوں کو مذہبی اور خیراتی
مقاصد کے لئے استعمال نہیں کرتے، جیسا کہ دستاویزات میں ذکر کیا
گیا تھا، لیکن ایسی زمینوں کو دان کرنے والوں یا ان کے وارثوں کے ذاتی
مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں عدالتوں کا رویہ
یہ ہے کہ ایک ٹرسٹ یا ایک ادارہ کی نوعیت کا تعین، ٹرسٹ یا ادارہ قائم

کرنے والی دستاویز میں درج باتوں اور شرائط کی بنیاد پر ہی کرنا چاہیئے، جبکہ ای۔ اے۔ ایکٹ کے تحت متعلقہ دستاویز کی رو سے خاص طور پر مذہبی اور/یا خیراتی مقاصد کے لئے قائم کردہ ٹرسٹ اور اداروں اور وقف "خاص" زمینوں کیلئے انتہائی حد کے قانون کے دائرہ عمل سے مستثنیٰ ہیں اور اسی جائداد سے وہ دوامی سالیانہ پانے کے حقدار ہیں۔ ان میں سے بہت سارے ٹرسٹ اور ادارے صرف مذہبی اور خیراتی کام کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔ وہ پرائیویٹ ادارے ہیں اور ان کی آمدنی کو دان کرنے والوں یا ان کے جانشینوں کے ذاتی مقاصد کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے پیش نظر حکومت ان ٹرسٹوں اور اداروں کی خاص خاص زمینوں کو حاصل نہ کر سکی۔ ان لوگوں کے پاس ایسی کافی زمینیں ہیں اور ان سے خاطر خواہ آمدنی ہوتی ہے، جس سے وہ سب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

(ب)، اب ترمیمی ایکٹ کی دفعہ ۲۶ کی مذکورہ باتوں کے لئے جو گنجائش رکھی گئی ہے اسے بطور راجع بہ ماضی ۵ مئی ۱۹۵۳ء لاگو کر دیا گیا ہے۔ اس دفعہ میں جن باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے اس کی اہمیت یہ ہے کہ ای۔ اے۔ ایکٹ بھی اسی دن پاس کیا گیا اور اس کے بعد ہی زمینداروں اور جوت داروں نے اپنے فاضل قطعات آراضی کو ناجائز طور پر چوری چھپے دوسروں کے نام میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ ای۔ اے۔ ایکٹ کی دفعہ ۵اے میں زمینوں کے تبادلہ کی بابت تفتیش کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ قانونی طور پر قطعات آراضی کے مستقل حقوق کو دوسروں کے نام پر منتقل کی دو تاریخیں تھیں یعنی ۱۵ اپریل ۱۹۵۵ء اور یکم اپریل ۱۹۵۶ء۔ ان دو تاریخوں اور ۵ مئی ۱۹۸۲ء کے درمیان قطعات آراضی کی منتقلی کی بابت مذکورہ دفعہ کے تحت تفتیش کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ ایسی منتقلی حقیقی ہے یا نہیں۔ لیکن بہت سارے قطعات آراضی کو قبل کی تاریخ کی غیر رجسٹرڈ دستاویزات کے ذریعہ دوسروں کے نام منتقل کر دیا گیا تاکہ دفعہ ۵اے کی زد سے یہ محفوظ رہیں۔ ترمیمی ایکٹ نے ریونیو افسروں کے اختیارات کو اور بھی مستحکم بنا دیا اور اب وہ ایسی منتقلی کا جائزہ لے سکتے ہیں جو مذکورہ بالا عرصہ میں کی گئی ہیں۔

(ج): عدالت کے فیصلے کے باوجود ریونیو افسر کو یہ

اختیارات دئے گئے ہیں کہ وہ ان مسائل پر، جن کے سلسلے میں عدالت نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے، از سر نو غور کر سکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ زمیندار یا جوتدار نے اپنے نام پر یا بے نامی کتنے قطعات آراضی کو منتقل کیا ہے۔ اس کے ساتھ مختلف اقسام کے قطعات آراضی کے رقبہ کی حدیں مقرر کر دی جائیں کہ اتنے علاقے زمیندار یا جوتدار اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ ایسی کارروائیوں کے خلاف پھر سے عدالتی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔

دوسرے ترمیمی ایکٹ کا اصل مقصد یہ ہے کہ زمینداروں اور جوت داروں کے پاس بہت کافی فاضل زمینیں ہیں۔ ان زمینوں کو حکومت اپنے قبضے میں لیکر بے زمین اور غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کر دے گی۔ لیکن اس ترمیمی ایکٹ کی دیگر دفعات بھی کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔ یہ سب دیہی مغربی بنگال کی معاشی، سماجی تعلقات کی بابت ہیں۔ ان دفعات میں شیڈولڈ ٹرائب قبیلہ کے لوگوں، برگداروں کے حقوق کی حفاظت، قطعات آراضی کے استعمال، زمین۔ بنک، سروس کوآپریٹو وغیرہ کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بامعنی اصلاحات آراضی کے اقدامات کی تکمیل اور ہمارے دیہی علاقوں کے غریب لوگوں کو کم سے کم معاشی اور سماجی سہولتیں فراہم کرنے کی راہ میں حائل قانونی رکاوٹوں کو دور کرنے کی اشد اور لازمی ضرورتوں کو دوسرا ترمیمی ایکٹ پورا کرتا ہے۔ مرکز کی حکمراں پارٹی کے ۲۰ نکاتی پروگرام میں بھی یہی مقاصد درج ہیں۔ پھر کیوں اس ایکٹ کو صدر کی منظوری دینے میں اتنی تاخیر ہو رہی ہے؟ کس کے مفاد کے لئے اس ایکٹ کو جوں کا توں رکھا گیا ہے؟

اس ترمیمی ایکٹ کے سلسلے میں جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ اور ان کے جوابات درج ذیل ہیں :-

(۱) اس ایکٹ کو راجع بہ ماضی سے کیوں لاگو کر دیا گیا؟

اس اعتراض کا جواب اس ایکٹ کی دفعات میں درج ہے۔ ای۔ اے۔ ایکٹ اور ایل آر۔ ایکٹ میں جو خامیاں اور کمی تھی انکی

(باقی صفحہ ۱۱۲ پر)

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے ہاتھوں

سالٹ لیک اسٹیڈیم کا افتتاح

پولینڈ نے گولڈ کپ جیت لیا۔ چین تیسری بار رنرس اپ ہوئی

شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ حکومت مغربی بنگال نے ۲۵ر جنوری ۱۹۸۴ء کو ایشیا کے سب سے بڑے اسٹیڈیم "سالٹ لیک اسٹیڈیم کلکتہ" کا افتتاح کیا اور اسطرح ہندوستانی اسپورٹس میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

افتتاحی تقریب بڑی دلآویز تھی۔ بنگال کے سابق اور موجودہ ایتھلیٹس اس افتتاحی تقریب میں مدعو کئے گئے تھے۔ دن کے ٹھیک ۱۱ بجکر ۴۵ منٹ پر سات نوجوان لڑکیاں اور لڑکے اپنے ہاتھوں میں مشعل لئے اسٹیڈیم میں داخل ہوئے جن کا استقبال شیدائیوں نے تالیاں بجا کر کیا۔ پھر ان ایتھلیٹس اور ان کے ساتھ سابق اور مشہور فٹبال کھلاڑیوں، شیو آلال، کسٹو پال، سمر بنرجی، بدرو، مہابیر پرشاد اور سنیل گھوش نے پورے اسٹیڈیم کا چکر لگایا اور آخر میں انہوں نے یہ مشعل وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو دے دیا، وزیر اعلیٰ نے مشعل کو لے کر لہرایا اور پورے اسٹیڈیم کو دکھایا۔

اس کے بعد انہوں نے نوجوان ایتھلیٹ غلام کبریا کو یہ مشعل دے دیا اور اس نے اپنے ہاتھوں سے اسٹیڈیم کا مشعل جلایا اور اس طرح اسٹیڈیم کی افتتاحی تقریب کا آغاز ہوا۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ بنگال کے لوگوں کو کھیل کود سے ہمیشہ گہری محبت اور دلچسپی رہی ہے اور شہر میں ایک عظیم الشان اسٹیڈیم کی تعمیر کا مطالبہ شدت سے جاری تھا۔ آج بائیں محاذ حکومت نے اس مطالبہ کو پورا کیا اور یہ سالٹ لیک اسٹیڈیم عوام کے خوابوں کی تعبیر ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ تمام اسپورٹس تنظیموں کے ساتھ بات چیت کرنے کے بعد اس سلسلے میں فیصلہ کیا جائے گا کہ کس طرح اس اسٹیڈیم کو سال بھر استعمال کیا جائے۔

وزیر اعلیٰ کے بعد شری کمل باسو، اسٹیڈیم اسپورٹس کمیٹی کے سکریٹری، وزیر اسپورٹس شری سبھاش چکرورتی اور سابق فٹ بال کھلاڑیوں نے تقریریں کیں۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں اس عظیم الشان اسٹیڈیم کی تعمیر پر اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس اسٹیڈیم سے اس ریاست میں مختلف کھیلوں کے فروغ میں کافی مدد ملے گی۔

تقاریر کے بعد بے شمار پٹاخے اور پھلجھڑیاں چھوڑی گئیں اور تقریب کا اختتام آسمان میں غبارے چھوڑ کر کیا گیا۔

تقریب کے اختتام کے بعد اس اسٹیڈیم میں جواہر لال نہرو گولڈ کپ انویٹیشن انٹرنیشنل فٹ بال ٹورنامنٹ کے دو میچ کھیلے گئے۔ پہلا میچ ہندوستان بمقابلہ چین ہوا۔ اس میچ میں چین کی ٹیم ہندوستان کو ۳-۰ گول سے ہرا کر فائنل میں پہونچ گئی۔ پھر دوسرا میچ پولینڈ اور رومانیہ کے درمیان ہوا۔ یہاں پولینڈ کی ٹیم رومانیہ کی ٹیم کو ایک گول سے شکست دے فائنل میں داخل ہو گئی۔

پھر ۲۷ر جنوری ۸۴ء کو اس ٹورنامنٹ کا فائنل ہوا۔ فائنل میں دو عظیم ٹیموں یعنی پولینڈ اور چین کے درمیان مقابلہ ہوا۔ پولینڈ کی ٹیم پہلی بار فائنل میں پہونچی تھی اور چین کی ٹیم لگاتار تیسری بار فائنل میں پہونچی۔

فائنل کی تقریب کا آغاز بہت ہی شاندار طریقے سے ہوا۔ فٹ بال کی دنیا کی ایک عظیم ہستی بابی مور اس موقع پر اسٹیڈیم میں جلوہ افروز تھے۔ بابی مور کا استقبال کرنے کیلئے پورا اسٹیڈیم کھچاکھچ بھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے کل ہند فٹبال فیڈریشن کے جنرل سکریٹری شری اشوک گھوش نے بابی مور کا استقبال کیا۔ پھر انہوں نے ان کا یکے بعد دیگرے سبھی عہدہ داروں اور کھلاڑیوں سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد چین کے کھلاڑیوں سے، ریفری سے اور آخر میں پولینڈ کی ٹیم کے کھلاڑیوں سے مسٹر بابی مور کا تعارف کرایا گیا۔
اس کے بعد مسٹر مور نے شری اشوک گھوش، ریفری اور دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں کے ساتھ تصویر کھنچوائی۔ اس کے بعد سب سے پہلے ہندستان کا قومی ترانہ بجایا گیا۔ اس وقت کا منظر بڑا ہی قابل دید تھا۔ اس وقت اسٹیڈیم کے ایک لاکھ سے زیادہ تماشائی اپنی اپنی جگہ کھڑے بڑے ادب و احترام سے قومی ترانہ سن رہے تھے۔ اس کے بعد چین کا قومی ترانہ اور آخر میں پولینڈ کا قومی ترانہ بجایا گیا۔ اس دوران میدان کے پورے تماشائی کھڑے رہے اور اپنی عقیدت اور محبت کی بے نظیر مثال پیش کی۔ اس کے بعد فائنل کھیل شروع ہوا۔
پہلے نصف میں کھیل کی رفتار کافی سست تھی کیوں کہ چین اور پولینڈ دونوں دفاعی کھیل کھیل رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے پاس کے ذریعہ دفاعی دیواروں کو توڑنے کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں لیکن دوسرے نصف میں کھیل میں گویا ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔ دونوں طرف کے کھلاڑیوں نے حملہ کرنا شروع کر دیا۔
۸ ویں منٹ پر چین کے کھلاڑی لی ہوئی (۱۷) نے سب سے آسان موقع ضائع کر دیا۔ لی ہوئی کو بیچ میدان میں گیند ملی۔ وہ گیند کو لے کر آگے بڑھا اور تین چار دفاعی کھلاڑیوں کو زک دیکر پنلٹی باکس کے اندر پہونچ گیا لیکن وہاں سے وہ گیند کو جال میں پھینک نہ سکا۔ یہ سب سے آسان موقع تھا جسے ضائع کر دیا گیا۔ پھر ۲۰ویں منٹ پر پولینڈ کو ایک کارنر ملا اور اس کارنر کک پر پولینڈ کے سب سے لمبے کھلاڑی رومن (۵) نے ہیڈ کر کے گول کر دیا، اور یہ گول فیصلہ کن ثابت ہوا۔ اس کے بعد پولینڈ کے کھلاڑی دفاعی کھیل کھیلنے لگے اور چینی کھلاڑیوں کو گول کرنے کا موقع نہ دیا اور اس طرح یہ کھیل ختم ہوا۔

اس کے بعد انعامات تقسیم کئے گئے۔ تقسیم انعامات کے جلسے میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے بھی شرکت کی۔ سب سے پہلے فاتح ٹیم پولینڈ کے کپتان جوزف کو بابی مور نے خوبصورت جواہر لال نہرو گولڈ کپ دیا اور ان سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد فاتح ٹیم کے کھلاڑیوں کو ایک ایک تمغہ اور کپتان کو متعدد ٹرافیاں دی گئیں۔ اس کے بعد رنرس اپ چین کے کھلاڑیوں کو ٹرافی اور تمغات دیئے گئے۔ اس کے بعد اس ٹورنامنٹ کے سب سے بہترین کھلاڑی ہنگری کے اسٹرائیکر لیزلو کیس (۹) کو، سب سے زیادہ گول اسکور کرنے والے کھلاڑی پولینڈ کے رومن (۵) کو اور صاف ستھرا کھیل پیش کرنے پر چین کی ٹیم کو خصوصی ٹرافیاں دی گئیں۔ اس کے بعد اس تقریب کا اور اس ٹورنامنٹ کا خیر و خوبی کے ساتھ اختتام ہوا ٭

(باقی صـ۱۲ـ کا)

مدد سے زمین داروں اور جوت داروں کے لئے اپنی فاضل زمینوں کو پوشیدہ رکھنا ممکن ہو سکا۔ اس کام میں انہوں نے عدالتوں سے بھی مدد لی۔ اب دوسرے ترمیمی ایکٹ نے ان خامیوں کو دور کر دیا ہے لیکن اگر ان دفعات کو بہ ماضی سے لاگو نہ کیا جائے تو فاضل زمینوں کی بازیابی کے مقصد کو کیسے پایۂ تکمیل تک پہونچایا جا سکتا ہے۔ اس لئے ترمیمی ایکٹ کے تحت اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ریونیو افسر پرانے کیسوں کو از سر نو کھول سکتا ہے اور از سر نو شنوائی کا انتظام کر سکتا ہے۔
(۲) دیوانی عدالت کے اختیارات کی حد کو محدود بنا دینا نہ مناسب ہے اور نہ ضروری۔
اس اعتراض کے جواب کی تلاش کے لئے ہمیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ای۔ اے۔ ایکٹ کی دفعہ ۵۷ اے نے ریونیو افسر کو دیوانی قانون کے تحت بہت سارے اختیارات دیئے لیکن اس کے باوجود دیوانی عدالتوں اور ہائی کورٹ نے تحصیل اور چھنگی کی عدالتوں کو ای۔ اے۔ ایکٹ کے تحت گنجائشوں کے دائرہ عمل میں رہتے ہوئے بھی مساوی حیثیت دینے پر رضامندی کا اظہار نہیں کیا حالانکہ ای۔ اے۔ ایکٹ معاشی اور سماجی اہمیت کا ایک اصلاحی قانون ہے۔ ریونیو افسروں کی ہزاروں عدالتی کارروائیوں اور فیصلوں کو دیوانی عدالتوں نے براہ راست یا بلا واسطہ اور ہائی کورٹ نے منسوخ اور مسترد

(باقی صـ۵ـ پر)

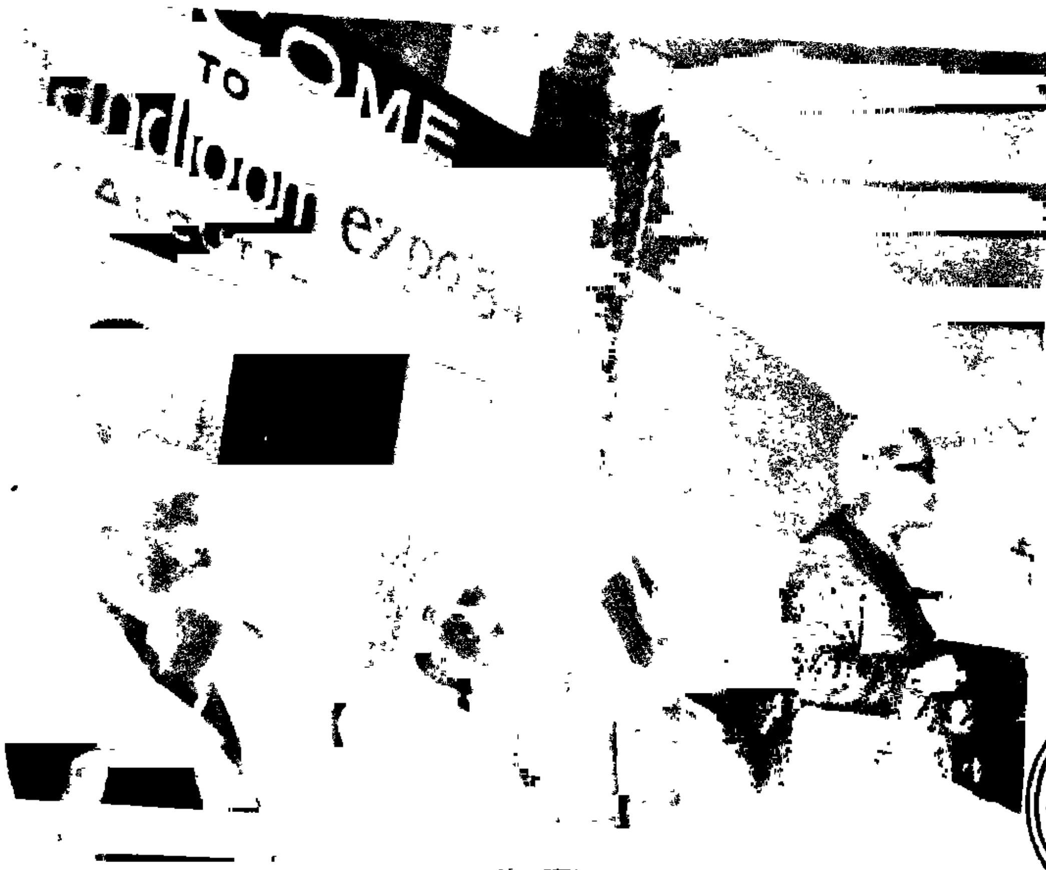


مغربی بنگال کے گورنر شری اے. پی. شرما کلکتہ کے میڈیکل کالج کے ۱۵۰ ویں
یوم تاسیس کے موقعہ پر ۲۸ جنوری ۱۹۸۴ء کو منعقدہ تقریب میں پردیپ جلاتے ہوئے۔

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
15 FEBRUARY 1984

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 31 No. 4
PRICE 12 Paise



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۳۰ جنوری ۸۴ء کو کلکتہ میدان میں منعقدہ "نیشنل هینڈلوم اکسپو" نمائش میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔



شری شمبھو گھوش، وزیر شعبہ اعلیٰ تعلیم، حکومت مغربی بنگال ۱۶ جنوری ۸۴ء کو پریس رپورٹر کو "سہ ماہی سائنسی جریدہ" کے خصوصی "ماحول نمبر" دیتے ہوئے

مغربی بنگال

یکم مارچ ۱۹۸۷ء

پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرانا تھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ یکم مارچ سنہ ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۵

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے — اس شمارے کی قیمت : ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر، این، مکھر جی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



زرعی اور دیہی ترقی کیلئے نیشنل بینک کی افتتاحی تقریب میں وزیر اعلیٰ
شری جیوتی باسو افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ——————

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال

مختلف شعبوں میں گوناگوں کامیابیاں

۱۹۷۷ء کے ایک تاریخی لمحے میں مغربی بنگال میں عوام کی وسیع تائید کے ساتھ، بائیں محاذ حکومت برسر اقتدار آئی۔ اقتدار سنبھالنے کے ۔ ہم لوگوں نے یہ عہد کیا کہ ہم لوگ اپنے کم سے کم مشترکہ پروگرام کے مطابق عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خدمات انجام دیں گے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہم لوگوں نے ہمیشہ اس بات کی وضاحت کی ہے کہ موجودہ معاشی۔ سماجی ماحول کے دائرہ عمل کے اندر کسی قسم کی بنیادی تبدیلی ناممکن نہیں۔ پھر ۱۹۸۲ء میں بھی دو تہائی اکثریت سے مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت برسر اقتدار آئی۔ ہم لوگوں نے ہمیشہ اس بات کی کوششیں کیں کہ بہت ساری اسکیموں اور پروجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہونچا کر عوام کی مشکلات میں کچھ کمی کی جائے۔ عوام کے سرگرم تعاون کے ساتھ ہم لوگوں نے مختلف شعبوں میں کامیابیاں حاصل کیں۔ ہم اس حقیقت کو پوشیدہ نہیں رکھتے کہ وقت وقت پر ہمیں منفی خصوصیات اور اہم مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے عوام کی اکثریت اس بات کو سمجھتی ہے کہ موجودہ نظام کے تحت ایک ریاستی حکومت کے کام کاج کے راستے میں کیوں اور کیسے بندشیں رونما ہو جاتی ہیں۔

ہماری حکومت کسانوں، مزدوروں، متوسط طبقہ کے لوگوں، استحصال کے شکار لوگوں، محروم طبقوں اور پسماندہ طبقے کے لوگوں کے مفادات کی خدمت کرنے پر زور دیتی ہے۔ اس حکومت نے اس بات کا عہد کیا ہے کہ وہ جمہوری حقوق اور قدروں کی حفاظت کرے گی۔ دیہی ترقیات پروگرام جنہیں پنچایتی اداروں کے زیر اہتمام روبہ عمل لایا جا رہا ہے، نے سارے ملک کی توجہ اپنی طرف مرکوز کر لی ہے۔ اصلاحات آراضی کے میدان میں ہمارے کئے گئے اقدامات اور تعلیم و ثقافت کے میدانوں میں نئے طریقہ کار رائج کرنے کے لئے ہماری کوششوں کو ملک کے تمام بیدار لوگوں نے سراہا۔ ہم نے جو معاشی اقدامات کئے ان سے متوسط طبقہ کے لوگوں، غریب اور پسماندہ طبقے کے لوگوں مع شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کو کافی فائدہ پہونچا۔ ہم لوگوں نے چھوٹی متوسط درجہ کی اور گھریلو صنعتوں کی ترقی کے کام کو کافی اہمیت دی اور اب اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہونے کی امید ہے۔ بڑی صنعتوں کی ترقی کا انحصار کم و بیش مرکزی حکومت اور مالیاتی اداروں کی امداد اور تعاون پر ہے لیکن اس سلسلہ میں ان کا تعاون تشفی بخش نہیں رہا۔ اس میدان میں ایک موثر کردار ادا کرنے کی ذمہ داریوں سے صنعت کاروں کو پہلو تہی کرنی نہیں چاہئے۔ یہ اچھی بات ہوگی کہ وہ اس ریاست کی موجودہ حقیقت کو قبول کرلیں اور اسی کے مطابق کام کریں۔ صنعتی تنازعات کے تصفیہ کے معاملے میں ہمارے کردار سے تمام متعلقہ افراد کو فائدہ پہونچا۔ بلا جھجک یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے دور حکومت میں اس ریاست میں کم و بیش صنعتی امن کا دور دورہ ہے۔ چھوٹے، متوسط درجہ کے اور بڑے صنعتی سرمایہ کاروں کی ہمت افزائی کرنے کے سلسلے میں مزید سہولتیں فراہم کرنے کے لئے کئی ایک اسکیمیں رائج کی گئی ہیں۔ گزشتہ چھ برسوں میں محنت کش لوگوں کے حق بجانب مطالبات کے لئے جدوجہد میں ہم لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے۔ محنت کش طاقت اب اپنی ملازمت اور اجرتوں کی بابت بات چیت کرنے کے سلسلے میں یقینی طور پر بہتر حالت میں ہے۔ شہری اداروں اور سی ایم ڈی اے جیسی ایجنسیوں کے ذریعہ لوگوں کو بہتر شہری سہولتیں فراہم کرنے کے

کے سلسلے میں ہماری کوششیں جاری ہیں۔ ہم ان دشواریوں سے جن سے چند سیکڑوں میں لوگ دوچار ہیں، بخوبی واقف ہیں۔ ہم اپنی طرف سے، مسائل کا ٹھوس تخمینہ کرتے ہیں اور مسائل کو حل کرنے کی پرخلوص کوشش کرتے ہیں۔ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مخصوص اقدامات کرنے کیلئے ہماری کوششیں وضاحت کی محتاج نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام کیسوں کے نتائج ایک جیسے نہیں ہیں۔

پہلی اور دوسری بائیں محاذ حکومتوں کی سرگرمیاں مسلسل جاری ہیں۔ موجودہ ڈھانچہ میں جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے ہم عوام کی دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہمارے دور حکومت میں اس ریاست کے لوگوں کا جمہوری شعور بہت بیدار ہو چکا ہے اور اب لوگ آنے والے دنوں میں آگے بڑھنے کا عزم رکھتے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت اپنی اسکیموں اور پروگراموں کو تیزی سے پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لئے اپنی تمام توانائیوں کو مرکوز کردیگی تاکہ اس ریاست کے لوگوں کی ترقی کی رفتار میں اور بھی تیزی آجائے۔

[مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کے [illegible] شری نیوتی بابو کا بائیں محاذ حکومت اور عوام کی ترقی کے سلسلے میں ایک بیان ہے]

(باقی صفحہ ۱۰ کا)

پنچایت ٹیکس کے طور پر ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۸۶ لاکھ روپئے کی جگہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۲۳ لاکھ روپئے حاصل ہوئے۔ بعد کے برسوں میں اس ٹیکس کی صورت میں اور بھی زیادہ رقوم وصول کی گئیں۔

اب یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ مغربی بنگال میں دیہی لوگوں کی سماجی۔ معاشی تبدیلی کے لئے ایک نئے سماج کے قیام کے لئے ایک واسطہ کی طرح پنچایتوں کے ذریعہ جمہوریت کی لامرکزیت کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ پنچایتیں اب زندہ سماجی تنظیمیں ہیں اور منزلِ مقصود تک پہونچنے میں انہیں ضرور کامیابی حاصل ہوگی اور دیہی معیشت کی ترقی کی رفتار کو برقرار رکھا جائے گا۔

(باقی صفحہ ۶ کا)

نے بہت ہی جلد اور بڑی تیزی سے سیلاب زدگان کی امداد کا کام شروع کر دیا اور ان لوگوں کے لئے کام کے لئے خوراک پروگرام پر عمل درآمد کرنا شروع کر دیا۔ اس مہم میں پنچایتوں نے اہم خدمات انجام دیں۔ دیہی علاقوں سے لوگ شہروں میں نہیں آئے، لازمی چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ نہیں ہوا۔ سیلاب کے بعد قحط اور وبائی امراض پھیل نہ سکے۔ بعد میں دو سال مسلسل خشک سالی کی وجہ سے اس ریاست کو زرعی پیداوار میں کافی کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ریاستی حکومت نے اس مسئلہ کا بحسن و خوبی مقابلہ کیا، جس طرح کہ اس نے سیلابوں کے سلسلہ میں کیا تھا۔

بہت ساری دشواریوں کے باوجود، بائیں محاذ حکومت نے اپنے پروگراموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اس ریاست کو ترقی کے راستہ پر گامزن رکھنے کی کوششیں کیں۔ ناموافق حالات اس کی رفتارِ ترقی کو روک نہ سکے کیوں کہ عوام ہی بائیں محاذ حکومت کی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ عوام ہی بائیں محاذ کو برسرِ اقتدار لائے اور آخری فیصلہ عوام کے ہاتھوں میں ہے۔

حج کمیٹی کا اعلان

مرکزی حج کمیٹی، بمبئی نے حج ۱۹۸۴ء کے لئے متعلقہ تاریخوں کا اعلان کیا ہے۔ حج کو جانے والوں کی اطلاع کے لئے تاریخیں جن کے سلسلے میں اعلان کیا گیا تھا، درج ذیل ہیں:

تاریخیں

(۱) بحری سفر کیلئے درخواست کرنے کی آخری تاریخ ۸ مارچ ۱۹۸۴ء

(۲) بحری سفر کیلئے قرعہ اندازی کی آخری تاریخ لگ بھگ ۲۱ مارچ ۱۹۸۴ء

(۳) ہوائی جہاز سے سفر کرنے کیلئے درخواست داخل کرنے کی آخری تاریخ۔ ۲۱ اپریل ۱۹۸۴ء

(۴) ہوائی جہاز سے سفر کرنے کیلئے قرعہ اندازی کی آخری تاریخ لگ بھگ ۳۰ اپریل ۱۹۸۴ء

عوام ہماری طاقت ہیں

پرو بھاش پھودیکار، وزیر ریاست، شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

بائیں محاذ حکومت عوام کی بڑی اکثریت کی تائید سے دوسری بار برسر اقتدار آئی۔ محاذ کی مسلسل دوسری فتح سے محاذ پر منتخب کنندگان کے بڑھتے ہوئے اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۲ء تک کے پانچ برس تو حکومت کے لئے ایک آزمائش کا دور تھا۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس آزمائش میں بائیں محاذ حکومت کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اگر بائیں محاذ حکومت عوام سے کئے گئے عہد کو خلوص کے ساتھ پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی تو اس کے لئے اتنی بڑی اکثریت سے دوبارہ برسر اقتدار آنا ممکن نہ ہوسکتا۔

لیکن یہ سوال اب بھی اپنی جگہ ہے کہ کیا یہ اعتماد تبدیلی کے لئے لوگوں کی تمناؤں کا اظہار ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کو محاذ سے یہ توقع تھی کہ ان کے جمہوری حقوق ان کو دئے جائیں گے اور بائیں محاذ حکومت نے ایسا ہی کیا۔ انتخاب میں فتح حاصل کرنے کے بعد وزیر اعلیٰ نے کہا تھا "عوام ہی ہماری طاقت ہیں۔ ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ ہم ان کے اعتماد پر پورے اتریں"۔ قدرتی طور پر ہماری حکومت کی اہم ذمہ داری اور اس کا مقصد یہی ہے کہ عوام کے جمہوری حقوق کی حفاظت کی جائے۔

۳۶ نکاتی پروگرام کے ذریعہ لوگوں کے سماجی اور معاشی حقوق کے تحفظ اور فروغ کے لئے بائیں محاذ حکومت کے کئے گئے اقدامات نے عوام کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا۔ اس پروگرام میں اصلاحاتِ آراضی کو اہمیت دی گئی۔ نیز کاشتکاروں کو کم سے کم اجرت دینے، برگداروں کو ان کی زرعی زمین سے نکال باہر کرنے کی روک تھام، ٹیکس اور قرض کے بوجھ میں کمی، زرعی پیداوار کو بازاروں میں فروخت کرنے کی سہولتیں وغیرہ جیسے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ اس کے نتیجے میں دیہی علاقوں کے کمزور طبقہ کے لوگوں کو مفاد پرستوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک پرخلوص کوشش کرنی ممکن ہوسکیں۔ اصلاحاتِ آراضی کے میدان میں "آپریشن برگہ" بہت ہی اہم پروگرام ہے۔ اس پروگرام کی وجہ سے لاتعداد برگداروں کی زندگی اور معاش کو تحفظ حاصل ہوا۔ اس قانون سے بے نامی اور فاضل قطعات آراضی کی بازیابی میں کافی مدد ملتی ہے۔ ایسی بازیاب زمینوں کے حق ملکیت حکومت کو حاصل ہوجاتے ہیں اور پھر حکومت ایسے قطعات آراضی کو غریب اور بے زمین کسانوں کے درمیان مفت تقسیم کردیتی ہے۔ اس کے علاوہ مکانات تعمیر کرنے کیلئے حکومت کی طرف سے مالی امداد بھی فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مضافات میں عوام کی بہتری کے لئے بھی بہت سارے اقدامات کئے گئے۔ غریب کسانوں کو آسان شرائط پر قرض فراہم کئے گئے۔ کثیر نکاتی ٹیکس کے نظام کو ختم کردیا گیا، سال کے آخری دور میں غریب اور بے زمین کسانوں کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے، اجرت کی شرحوں میں بہتری لائی گئی، کسانوں کو پنشن دینے کا انتظام کیا گیا۔

موجودہ دورِ حکومت میں صنعتی صورتحال میں مزید بہتری لانے کے لئے مرکوز کوششیں کی جارہی ہیں اور صنعت کاروں کی اس سلسلے میں ہمت افزائی کی جارہی ہے کہ وہ ریاست میں نئی صنعتیں قائم کریں۔ صنعتوں کے لئے سازگار فضا پیدا کی گئی اور بند صنعتوں کو کھولنے کی کوششیں جاری ہیں۔

چند بیمار صنعتوں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے مرکز سے رجوع کیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت نئی صنعتیں جیسی الکٹرونکس، سالٹ لیک میں اور پٹرو کیمیکل ہلدیہ میں قائم کرنے کی کوششیں کررہی ہے۔

ریاستی حکومت بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے دیہی معیشت کی احیاء نو کے سلسلے میں کئی ایک پروگراموں کو روبہ عمل لا رہی ہے۔ منتخبہ چھوٹی صنعتوں کو اداروں کے ذریعہ عطیات اور قرض دئے جا رہے ہیں۔ شہری علاقوں میں نئی صنعتوں کے قیام کے لئے منصوبوں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

انتظامیہ کی لامرکزیت کے منصوبہ کی کامیابی اس بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ اب دیہی سطح پر بھی انتظامی اور ترقیاتی کام پنچایتوں کے ذریعہ بحسن و خوبی انجام دئے جا رہے ہیں۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ اب لوگ بھی ترقیاتی کام کاج میں عملی طور پر شرکت کرتے ہیں۔ کئی ایک ماہرین اور مرکزی جائزہ ٹیموں نے پنچایتوں کے ذریعہ کئے گئے کام کی بڑی تعریف کی۔

ریاست کی مجموعی ترقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے تعلیم پر کافی زور دیا۔ تعلیمی پالیسی اس طرح مرتب کی گئی کہ زیادہ سے زیادہ طلباء و طالبات کو تعلیم کی سہولتیں فراہم ہوں اور اس کار خیر میں عوام بھی شرکت کریں۔ گزشتہ چند برسوں میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے نظام کو جانچ پڑتال کے بعد نئے ڈھانچے میں ڈھالا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بالغوں کی تعلیم کی بہتری اور ترقی کے لئے بھی کوششیں کی گئیں۔ ہائر سکنڈری یعنی کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی گئی۔ بروقت امتحانات منعقد کرنے اور نتائج شائع کرنے سے طلباء کافی مستفید ہو رہے ہیں۔

سماجی تحفظ کے تحت حکومت ضعیف اور نادار لوگوں کے لئے سماجی تحفظ پروگرام کو روبہ عمل لا رہی ہے۔ عورتوں کی فلاح و بہبود کے لئے ریاستی حکومت نے بہت سارے اقدامات کئے۔

پسماندہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے بائیں محاذ حکومت نے جتنے اقدامات کئے اس سے قبل کسی اور حکومت نے نہیں کئے۔ صحت عامہ، دیہی اور شہری علاقوں میں پانی کی سپلائی اور سرکاری اسپتالوں میں بہتری اور ترقی کے سلسلے میں گرانقدر خدمات انجام دی گئیں۔ خشک سالی سے متاثر علاقوں میں پینے کے پانی کی سپلائی کا انتظام کیا گیا۔ زرعی زمین کے لئے آبپاشی کا کام

اور بھی تیزی سے کیا جا رہا ہے۔ کسانوں کو بہتر بیج، کھاد اور چھوٹی قلیلی سپلائی کر کے زراعت میں کافی بہتری لائی گئی۔ سماج کے کمزور طبقہ کے لوگوں کی مدد کرنے کے لئے امداد باہمی تحریک پر خصوصی زور دیا گیا۔

عوام کو سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں شہری ترقیات کے کام کی رفتار بھی تیز کر دی گئی ہے۔ میونسپل علاقوں میں سڑکوں اور پانی کے نکاس وغیرہ کے لئے کثیر رقوم خرچ کی گئیں۔ سی ایم ڈی اے کے جامع اور ٹھوس ترقیاتی کام جاری ہیں۔ حکومت اس بات کی بھی کوشش کر رہی ہے کہ نقل و حمل کے مسئلہ کو حل کر لیا جائے۔ لوگوں کی آمد و رفت کے لئے بہت سارے بس روٹ کھولے گئے۔ نیز دریا اور ندیوں پر اسٹیمر سروس بھی شروع کر دیا گیا۔

عورتوں، بچوں اور معذوروں کی مدد کرنے کے سلسلہ میں حکومت کی کوششوں کو سبھی لوگوں نے سراہا۔ خدمات نوجوان شعبہ نوجوانوں کی صحت مند تحریک کے فروغ میں کافی مدد دے رہا ہے۔ شعبہ سیاحت نے اس ریاست میں سیاحی کے بہت سارے نئے مراکز قائم کئے۔ اس ریاست میں سیاحوں کی سیر و تفریح کی بہت ساری خوبصورت اور دلکش جگہیں ہیں۔ ماحول کی کشیدگی کو دور کرنے کیلئے ریاستی حکومت نے ایک نیا شعبہ ماحول قائم کیا۔

آرٹ، ادب اور ثقافت کے میدان میں بائیں محاذ کے کردار نے ادیبوں، آرٹسٹوں اور ثقافتی کارکنندگان میں ایک نیا جوش و خروش پیدا کیا اور رویہ انحطاط ثقافت کے خلاف جدوجہد کو جاری رکھکر حکومت نے صحت مند ثقافت کی ترویج کو یقینی بنایا۔

بائیں محاذ حکومت نے پانچ سال مکمل کر لئے ہیں۔ دوسری بار بائیں محاذ حکومت اس ریاست میں برسر اقتدار آئی۔ اگر ایک حکومت کو ان مسائل کو، جن سے عوام دوچار ہیں، حل کرنے کے لئے محدود وسائل اور اختیارات کے تحت کام کرنا پڑے تو اس کے لئے مختلف پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پانچ سال کا عرصہ کافی نہیں ہوتا۔ [illegible] سے دوچار رہی [illegible] جیسے قدرتی آفات ناگہانی کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ ۱۹۷۹ [illegible] ریاست کے بہت سارے اضلاع [illegible] بائیں محاذ حکومت

بقیہ صفحہ ۴ پر

شوقِ گریزاں

راحت انشا

اے حسنِ جنوں پرور!
جا اور کہیں اب جا

کیوں خود کو گنواتا ہے،
جلوے کی نمائش میں
کیوں خود کو مٹاتا ہے
بے کار کی خواہش میں
جا اور کہیں اب جا

وہ دل جو محبت میں
بے تاب سا رہتا تھا
محبوب کی چاہت میں
بے خواب سا رہتا تھا
اب عقل کے پردے میں
منہ ڈھانپ کے سوتا ہے
جا اور کہیں اب جا

کچھ اور بھی جلوے ہیں
بیدار نگاہوں میں!
کچھ اور سماتے ہیں!!
بیزار نگاہوں میں!!!
کیوں خود کو گنواتا ہے
جلوے کی نمائش میں
کیوں خود کو مٹاتا ہے
بے کار کی خواہش میں
جا اور کہیں اب جا
اے فنِ جنوں پرور!

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال

اصلاحات آراضی

بائیں محاذ حکومت کے دیہی ترقیاتی منصوبہ میں اصلاحات آراضی پروگرام کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ اس پروگرام کو خصوصی ترجیح دی گئی ہے۔ [illegible] زیادہ قطعات آراضی کی دریافت اور ان کی تقسیم کے کام کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ تمام ترقیاتی کام جنہیں روبہ عمل لایا گیا ہے ان میں [illegible] اصول کو روبہ عمل لاتے ہوئے پنچایت تنظیموں کو اس پروگرام میں شامل بہت ساری اسکیموں کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کی اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

مغربی بنگال کی دیہی معیشت اور سماج کی ترقی اور بہتری کے لئے بائیں محاذ حکومت نے بہت سارے اقدامات معہ اصلاحات آراضی کئے۔ درحقیقت غربت کو دور کرنے کیلئے مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے اصلاحات آراضی کے پروگرام کو کافی اہمیت دی۔

آپریشن برگہ: اصلاحات آراضی پروگرام کے تحت سب سے پہلے اس بات کی کوشش کی گئی کہ برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج کرائے جائیں۔ اس مقصد کیلئے ستمبر ۱۹۷۸ء سے ایک خصوصی پروگرام "آپریشن برگہ" شروع کیا گیا۔ بندوبست کے دیگر کام کے ساتھ اصلاحات آراضی کے ایک اہم پروگرام یعنی آپریشن برگہ کے تحت بھی اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ۳۰ اپریل ۱۹۸۳ء تک ۱۲٫۳۴ لاکھ برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج کرائے گئے ہیں اور انہیں قطعات آراضی کے پٹے دے دیئے گئے۔ نیز انتہائی حد سے زیادہ قطعات آراضی کو بے زمین کسانوں اور حاشیائی کسانوں کے درمیان تقسیم کیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں پٹے بھی دیئے جا رہے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت کے تحت تقسیم آراضی اور پٹوں کی تقسیم کا کام ۱۹۷۹ء سے شروع کیا گیا اور ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء تک ۶۳٫۷ لاکھ ایکڑ زرعی قطعات آراضی تقسیم کئے گئے۔

ادارہ جاتی مالیات: اصلاحات آراضی کے کسی بھی اقدام کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا، اگر اصلاحات آراضی سے مستفید ہونے والوں یعنی پٹہ داروں اور برگہ داروں کیلئے قرض کی فراہمی کے سلسلے میں ایک متبادل انتظام نہ کیا جائے۔ حکومت ادارہ جاتی مالیات کے دائرہ عمل میں زیادہ سے زیادہ برگداروں اور پٹہ داروں کو لانے کی کوششیں کر رہی ہے۔ ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء میں خریف اور ربیع کی فصلوں کے لئے قرض کے پروگرام کے تحت علی الترتیب ۵۹۰۰۰، ۷۱۰۰۰ اور ۷۵۰۰۰ پٹہ داروں اور برگہ داروں کو قرض فراہم کئے گئے۔ ۱۹۸۲ء کے خریف موسم کے دوران پنچایتوں نے ادارہ جاتی مالیات کے لئے کاروباری، دیہی اور امداد باہمی بنکوں کے پاس ۲۰۴۵۰۰۰ لوگوں کی سفارشات پیش کیں۔ ۱۹۸۳ء کے ربیع قرض پروگرام کے تحت ۴ لاکھ روپئے بطور قرض دینے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس نشانہ کو پورا کر لیا جائے گا۔

بندوبست کے کام اور رہائش کے لئے قطعات آراضی کو ریکارڈس میں درج کرنے کے کام پر ایک اور اہم کام جو مغربی بنگال میں کیا گیا وہ یہ ہے کہ زرعی مزدوروں، کاریگروں اور ماہی گیروں کی رہائش کے لئے قطعات آراضی کو ریکارڈس میں درج کیا گیا۔ اس طرح ۳۰ اپریل ۱۹۸۳ء تک رہائش کیلئے ۱۶۰۰۰۰ قطعات آراضی کو بے زمین دیہی خاندانوں کے نام میں ریکارڈس میں درج کیا گیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مغربی بنگال اصلاحات ایکٹ کے تحت بندوبست کا حسب معمول کام ساری ریاست میں جاری ہے۔ تقریباً ۵۰ فی صد موضعوں میں ملکیت دستاویزات کے مسودے شائع کر دیئے گئے ہیں۔

زمینداری معاوضہ: مغربی بنگال جائداد حصولیابی ایکٹ کے تحت معاوضہ کی ادائیگی کے سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب صرف ۴۴۴ معاوضہ رضامندی فہرستوں کی آخری اشاعت باقی رہ گئی ہے۔ اس ایکٹ کے تحت اب تک ۸۰ کروڑ روپئے بطور معاوضہ ادا کر دیئے گئے۔

باقی صفحہ ۴۱ پر

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال

پنچایت - ایک نئی سمت

بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا کہ دیہی لوگوں کے تمام طبقوں کے نمائندوں پر مشتمل پنچایتوں کی تشکیل کی جائے۔ ۱۹۷۸ء سے قبل تک دیہی ترقیاتی پروگراموں سے دیہی غرباء شاید ہی مستفید ہوئے، حالانکہ دیہی غرباء کی تعداد اس ریاست کی کل آبادی کی ۷۰ فیصد سے زیادہ ہے۔ لاکھوں لاکھ نادار اور غریب دیہی باشندوں کو ان ترقیاتی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس ناانصافی کو دور کرنے کے لئے تنظیمی تبدیلیوں کی ضرورت محسوس کی گئی۔

۴ جون ۱۹۷۸ء کو پنچایت انتخابات ہوئے اور سہ رخی پنچایتوں میں یعنی ضلع سطح پر ضلع پریشد (۱۵ نشستیں)، بلاک سطح پر پنچایت سمیتی (۳۲۴ نشستیں) اور گاؤں کی سطح پر گرام پنچایت (۳۲۴۲ نشستیں)، تقریباً ۵۶۰۰۰ نمائندے منتخب ہوئے۔ ترقیات اور منصوبہ بندی شعبہ کے معاشی منصوبہ بندی شاخ نے ۱۰۰ گرام پنچایتوں کا بطور مثالی نمونہ جائزہ لیا۔ اس جائزہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسی پنچایتوں کے ۸۰ فی صد سے زیادہ نمائندے، مالک کسان، اساتذہ، بے روزگار، بے زمین مزدور، برگہ دار اور کاریگری کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ مالک کسانوں میں ۷۱ فیصد کسان چھوٹے اور حاشیائی کسان ہیں جن کے پاس ۵۰ ایکڑ سے بھی کم زمین ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عوام کے غریب طبقہ کے مفاد کی نمائندگی کرنے والے ممبروں کی پنچایتوں میں کافی اکثریت ہے۔

سرگرمیاں اور کامیابیاں: ان پنچایتوں نے اگرچہ انہیں ماضی کا تجربہ حاصل نہیں تھا، ۱۹۷۸ء کے تباہ کن سیلاب میں امداد کی تقسیم اور دیہی اثاثے کی بحالی کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ یہ بات تو پنچایتوں اور عام لوگوں کے تعاون اور گراں قدر خدمات کی نشاندہی کرتی ہے کہ سیلاب کے دوران لازمی چیزوں کی قیمتوں کو کنٹرول میں رکھا گیا اور وبائی امراض سے اموات کی تعداد گزشتہ برسوں کے مقابلہ میں کافی کم تھی۔ اس کے بعد پنچایتوں کو کام کیلئے خوراک پروگرام اور دیہی کام پروگرام کی تکمیل کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ ان پروگراموں کا مقصد یہ تھا کہ دیہی غریب لوگوں کے لئے روزگار کے امکانات اور مستقل اثاثے پیدا کئے جائیں۔ پھر ان دونوں پروگراموں کو ضم کر کے ایک نیا پروگرام "قومی دیہی روزگار پروگرام" نومبر ۱۹۸۰ء سے جاری کر دیا گیا ہے۔ گزشتہ پانچ برسوں میں پنچایتوں نے بلاشبہ ان پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اپنی صلاحیت کا اظہار کر دیا۔ یہ پروگرام اب بھی جاری ہے اور ۱۹۸۱ء تک کام کرنے کے ۱۴۰۰ لاکھ دن پیدا کئے جا سکے۔ مجموعی طور پر ۱۳۵۹۷ کیلومیٹر لمبی سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ تقریباً ایک لاکھ ہیکٹر رس قطعات آراضی کے لئے آب پاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں اور ۳۳۷۷۴ ہیکٹار رس قطعات آراضی کو سیلاب کی زد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ بنا دیا گیا۔ نیز ان اسکیموں کی تکمیل کے سلسلے میں تعمیر کے اخراجات، روایتی طریقہ کار کے مقابلے میں فی کس کافی کم ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے اسکیموں کے کام کاج کی دیکھ بھال کا کام مقامی لوگوں اور پنچایت ممبروں نے رضاکارانہ طور پر کیا۔

پنچایتوں کی سرگرمیاں صرف ان اسکیموں تک محدود نہ رہیں جن کے لئے مرکزی حکومت امداد فراہم کرتی ہے بلکہ ایسی اسکیموں کو دیہی ترقیات کے مختلف میدانوں تک پھیلا دیا گیا۔ مختلف شعبہ جاتی کاموں کی ذمہ داریاں پنچایتوں کو سونپی گئیں اور اس طرح دیہی ترقیات، اصلاحات آراضی، پینے کے پانی کی سپلائی، ناخواندگی کو دور کرنا، آبپاشی کی چھوٹی اسکیمیں، کاشتکاری کی ضروری چیزوں کی تقسیم، چھوٹی اور دیہی صنعتیں، بے زمین اور بے گھر لوگوں کی رہائش

کے لئے مکانات کی تعمیر، ہومیوپیتھک شفاخانوں سے طبی امداد اور ضعیف کسانوں کو بڑھاپے کے پنشن کی تقسیم وغیرہ کے کام میں پنچایتیں گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ پنچایتوں کی مدد سے دور افتادہ گاؤں میں بھی ۱۵۰ ہومیوپیتھک شفاخانے قائم کئے گئے اور اس طرح غریب ترطبقہ کے لوگوں کو بھی طبی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ پنچایت سمیتیوں کے سرگرم تعاون سے بے گھر لوگوں کے لئے ۵۲۰۰۰ سے زیادہ مکانات تعمیر کئے گئے اور دیہی علاقوں میں کم از کم ۴۰۰۰ جگہوں پر پینے کے پانی کی سپلائی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ سی اے آر ای، یونیسف، مرکزی حکومت، ریاستی حکومت اور وزیر اعلی امدادی فنڈ کی مدد سے ضلع پریشد نے مختلف اضلاع میں ۱۴۰۰ اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر یا نو تعمیر کی۔ ناخواندگی کو دور کرنے کے سلسلے میں بالغوں کی تعلیم کے مراکز قائم کرنے کیلئے پنچایتوں نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا کیونکہ پنچایتوں کے ممبران اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ لوگوں کے درمیان بیداری کو اجاگر کرنے میں بالغوں کی تعلیم بہت ہی اہم کردار ادا کر سکتی ہے اور اس طرح پنچایت راج کے کام کاج میں لوگوں کے اعتماد کو مستحکم بنانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے پنچایتوں کی مدد سے ۵۸ منتخبہ بلاکوں میں ۲۹ پروجیکٹوں کے تحت بالغوں کی تعلیم کے ۸۷۰۰ مراکز قائم کئے گئے اور ان سے ۲۶۱۰۰۰ افراد مستفید ہوئے۔ شمالی بنگال اور دارجلنگ ضلع کے پہاڑی علاقوں اور جھاڑ گرام علاقہ کی ترقی کے لئے ریاستی حکومت نے گزشتہ چند برسوں میں ۷ کروڑ سے زیادہ روپئے خرچ کئے اور پنچایتوں کے ذریعہ زیادہ تر اخراجات کئے گئے۔

فاضل زرعی زمینوں کی تقسیم کے ساتھ ساتھ برگداروں کے نام کو رجسٹر میں درج کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ "آپریشن برگہ" پروگرام کے تحت برگداروں کے گھروں کے آس پاس جماعتی نشستیں کی جاتی ہیں اور ان میں پنچایت سمیتیوں اور کسانوں کی تنظیموں کے ممبران بھی شرکت کرتے ہیں۔ اس اقدام سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ریکارڈس میں برگداروں کے نام درج کرانے کی شرح میں ۲۰۰ فی صد اضافہ ہوا اور جون ۱۹۷۷ء میں تقریباً ۵ر۲ لاکھ برگداروں کی جگہ ۱۹۹۱ء کے آخر میں ۲۶ر۱۱ لاکھ برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کرائے گئے۔

ریاستی حکومت اور پنچایتی ادارے: گزشتہ چھ برسوں میں پنچایتوں نے جو منظم اور گرانقدر خدمات انجام دیں، مذکورہ بالا باتیں تو ان کی ایک جھلک ہیں۔ فری خدمات کے کام کیلئے پنچایتوں کے ممبران ہمیشہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت اپنی مالی اور تکنکی امداد فراہم کرتی ہے، نیز پنچایت ممبروں کی تربیت کا بھی انتظام کرتی ہے۔ اسی تربیت سے انسانی ذرائع اور ہنر کی ترقی ہوتی ہے اور اس طرح لوگوں میں ذمہ داری کا احساس جاگ اٹھتا ہے اور وہ اپنے طریقہ کار میں بہتری لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

پنچایتوں سے وابستہ حکام اور غیر حکام کو مختلف کورس بعہ مالی انتظامیہ میں کلیانی، جھیٹ دی، کاندی، کلانا باگرام کوچ بہار اور دیگر جگہوں پر واقع تربیتی مراکز میں تربیت دی جاتی ہے۔ ریاستی حکومت بھی جلد از جلد تمام متعلقہ سہولتیں فراہم کرنے کی کوششیں کرتی ہے جن سے پنچایت کو بڑے بڑے پروگراموں کو روبہ عمل لانے میں آسانی ہو۔ زیر غور عرصہ میں ۹۵۴ گرام پنچایت دفاتر کی تعمیر کے لئے عطیات دئے گئے۔ اب تک تقریباً ۸۰ فیصد دفاتر کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشد کے دفاتر کی تعمیر یا توسیع کا کام بھی کافی حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ نیز گرام پنچایتوں کو تکنکی افراد فراہم کرنے کے لئے تقریباً ۴۰۰۰ گرام پنچایت سکریٹری اور تقریباً ۴۰۰۰ کلرک کی تقرری کی گئی۔ حساب وکتاب کے کام میں مدد دینے اور مالی ڈسپلن برقرار رکھنے کے لئے ریاستی حکومت کے تحت آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس آرگنائزیشن قائم کیا گیا ہے۔ سماجی کنٹرول اور مالی ڈسپلن کو برقرار رکھنے کیلئے سہ رخی پنچایتوں میں تنقیح حساب کے اصول کو موثر طور پر بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

وسائل: پنچایتوں کے اندرونی وسائل کو بڑھانے اور انکی بہتری کے کام پر زور دیا گیا ہے تاکہ یہ تنظیمیں خود کفیل ہو جائیں اور وہ اپنے طور پر معاشی امکانات پیدا کر سکیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ

باقی ص۲ پر

فنِ اخبار نویسی

سید عارف حسنین

اخبار نویسی کا باضابطہ فن مغرب [illegible] یا ہے مشرق میں اس کا سلسلہ وقائع نگاری سے شروع ہوا تھا۔ واقعہ نویس مراسم خبر درج کرتے تھے جس کا مقصد بادشاہ، راجہ یا متعلقہ وزیروں اور حکمرانوں کو انتظامی نظم و نسق کی ضرورتوں یا حکومت کی پالیسی چلانے کیلئے متعلقہ ضروری خبریں پہونچائی جاتی تھیں۔

انگریزوں کی آمد ایسٹ انڈیا کمپنی کے استحکام اور عیسائی مذہب کی تبلیغ کے سلسلے میں سب سے پہلے انگریزوں نے اس ملک میں چھاپے خانے اور باقاعدہ اخبار نویسی کی ابتدا کی۔

انگریزوں اور انگریزی کے اثرات اردو نے بھی قبول کئے کیوں کہ اردو کو فارسی کی جگہ سرکاری زبان بنایا گیا تھا۔ اس لئے ملک میں اس کی اہمیت اور ضرورت اس وقت انگریزی سے بھی زیادہ تھی۔

انگریزی اخبار مغربی صحافت کے فن پر پورے اترتے تھے۔ فن اور اصولوں کو اردو اخبار نویسی نے اپنانے کی کوشش کی جس کی کامیاب مثالیں "تہذیب الاخلاق" "اودھ اخبار" لکھنؤ "مشیر قیصر" کلکتہ "البنچ" پٹنہ "پٹنہ سرکارہ" "ریاض الاخبار" گورکھپور "انیس بہار" پٹنہ "الہلال" کلکتہ "ہمدرد" دہلی "زمیندار" لاہور "پرتاپ" "ملاپ" "الجمعیۃ" "دعوت" دہلی "قومی آواز" "انقلاب" بمبئی "صدائے عام" پٹنہ "عصر جدید" کلکتہ "سالار" بنگلور۔ ایسے اردو اخبارات تھے اور ہیں جنہوں نے اخبار نویسی کے اصولوں کو نئی طرح [illegible] اردو صحافت میں نام [illegible] پیدا کیا۔

جہاں تک فن [illegible] نویسی کا تعلق ہے تو اخبار نکالنا باقاعدہ اخبار [illegible] ایک مختلف چیز ہے۔ اخبار تو کوئی بھی اپنے شوق سے نکال سکتا ہے کہ جہاں دل چاہا ہم نے اجازت نامہ حاصل کیا اور اخبار جاری کر دیا خواہ وہ جاری رہ سکے یا نہیں۔ اخبار جاری رہتے ہوئے بھی دنیائے صحافت میں کوئی مقام حاصل کر سکے یا نہیں۔

اخبار نویسی ایک بہت بڑا فن ہے جو دراصل مختلف شعبوں میں بٹا ہوا ہے۔ جس میں سب سے پہلے کسی اخبار کا شعبہ ادارت آتا ہے جس کا سربراہ دراصل ایڈیٹر یا چیف ایڈیٹر ہوا کرتا ہے۔ جس کا کام پورے اخبار کی انتظامی دیکھ بھال اور تمام شعبوں کی تنظیم [illegible] اس کے علاوہ صرف اخبار کا اداریہ یا شذرات لکھنے ہوتے ہیں۔ ایڈیٹر کا کام اپنے پڑھنے والوں کو دنیا کا حال بتانا ہوتا ہے کہ یہ دنیا کدھر جا رہی ہے۔ دنیا میں اس وقت کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں، عالمی ہیجانات، تناؤ اور جھگڑوں کے مرکز اس وقت دنیا [illegible] کہاں [illegible]۔ بڑی طاقتیں اس وقت کیا کر رہی ہیں اور ان کے ارادے کیا ہیں ان کی پالیسی اور پروگرام کیا ہیں۔ [illegible] سے [illegible] ہے۔ بظاہر پردۂ عالم پر کچھ ہو رہا ہے، نظر آ رہا ہے اس کے پس منظر میں کون [illegible] کارفرمایاں [illegible] کر رہی ہیں۔ [illegible] مقام پر جنگ یا اس [illegible] کی کیا اہمیت ہے۔ کون ملک کس ملک [illegible] کرنا چاہتا ہے۔ کون ملک کس طرح [illegible] طرح معاشی طور پر کمزور کر کے اس سے کچھ [illegible] [illegible] وڈرکالب [illegible] سے اخبار [illegible] جواب [illegible] نویسی [illegible] ایک [illegible] حاصل طور پر

اپنے قارئین تک پہنچائے گا۔ اداریہ میں اپنے ملک یا دنیا کی کسی فوری ہنگامی صورتحال کا مزید تجزیہ کرتا ہے اور اس سے کچھ کم اہمیت کے حامل مسائل، واقعات اور خبروں پر اخباری نوٹ، شذرات یا ذیلی اداریے لکھتا ہے۔ اگر اس کی صلاحیت اس میں نہیں ہے تو اس کو اخبار کی فنی اصطلاح میں ایڈیٹر نہیں کہا جائے گا نہ اخبار کی دنیا میں کبھی اس کی کوئی حیثیت مستحکم ہو سکے گی۔ اس معیار پر اردو اخبارات کے کتنے ایڈیٹر پورے اترتے ہیں اس کا اندازہ خود ان اخبارات کے سرکولیشن سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے جو درجو جاتا ہے جو عموماً نقطۂ انجماد پہ ہوتا ہے۔

روزانہ اخباروں میں ایڈیٹر کے بعد اسسٹنٹ ایڈیٹر ہوتا ہے جس کا کام ایڈیٹر کی نیابت ہوتا ہے اور اخبار نویسی کے فن میں شعبۂ ادارت کو چونکہ خبروں سے انصاف کرنا ہوتا ہے اور ایک منصف کی طرح غیر جانبداری کا کردار ادا کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ سماجی زندگی سے اسی طرح الگ تھلگ رہتا ہے جیسے جج، منصف اور مجسٹریٹ وغیرہ۔ خصوصاً دعوتوں میں جانا اپنا کوئی کام یا احسان ارباب اقتدار سے لینا اس فن میں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ اخبار نویس جیسے ہی اس کی خلاف ورزی کرے گا اس کی خبروں میں رنگ آمیزی کی ابتدا ہو جائے گی جس کا اثر پڑھنے والوں کی اخبار پر ساکھ کو متاثر کر دے گی۔ اس لئے ایڈیٹر، اسسٹنٹ ایڈیٹر، جوائنٹ ایڈیٹر، چیف ایڈیٹر اور سب ایڈیٹر کے لئے پیشہ ورانہ وقار کی حد تک اس کی پابندی لازمی ہے۔

روزانہ اخبار میں اخبار نویسی کے فن کے مطابق سب ایڈیٹر کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے۔ ادارت کا نظام ان ہی کے دم سے ہے۔ ضلع سے آئی خبروں کو سنوارنا، نوک پلک درست کرنا، ٹیلی پرنٹر سے انگریزی میں آئی ہوئی خبروں کا اردو میں بامحاورہ، سادہ، سلیس اور انتہائی شستہ زبان میں ترجمہ کرنا۔ خبروں کو اخبار کی پالیسی کے مطابق نرمانا اور گرمانا، دبانا اور ابھارنا۔ مختصر، جامع اور جاذب نظر سرخیاں خبروں پر جمانا۔ خبروں کو ان کی اہمیت کے مطابق صفحات جوڑتے وقت جگہ دینا۔ خبروں کا ڈسپلے کرنا، سرخیوں اور خبروں کو کاتب کو ہدایت کر کے جلی اور خفی قلم لگانا۔ خط نستعلیق اور خط نسخ کی ہدایت کرنا وغیرہ ان کے فرائض میں شامل ہیں۔ جیسا تربیت یافتہ، پڑھا لکھا اور کڑا اخبار کا ادارتی عملہ ہوگا اتنا ہی اچھا اخبار نکلے گا۔ دوسری ایجنسیوں کی خبریں ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے شارٹ ہینڈ اور ٹیپ ریکارڈ سے خبریں لینا دوسرے اخباروں سے خبروں کا اخذ و موازنہ کرنا بھی ان کے لئے ضروری ہے۔

شعبۂ ادارت کے بعد اخبار کا دوسرا اہم ترین شعبہ رپورٹنگ ہے۔ اسمبلی اور پارلیامنٹ کی رپورٹنگ، شہر میں ہونے والے جرائم، جلسہ و جلوس، اہم واقعات اور شخصیات، حادثات وغیرہ کی رپورٹنگ، سماجی و ثقافتی، ادبی تقریبات وغیرہ کی رپورٹنگ پڑھنے والوں کی دنیا کے بعد سب سے زیادہ دلچسپی اپنے شہر اور علاقے میں ہوتی ہے۔ اس لئے مقامی خبریں اہمیت کے اعتبار سے جتنی زائد ہوں گی اتنا ہی اخبار میں پڑھنے والوں کی دلچسپی بڑھے گی کیوں کہ فنی طور پر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو اخبار جہاں سے نکلتا ہے وہیں سب سے زیادہ چلتا ہے۔ اس کے بعد فاصلہ کے لحاظ سے اس کا دائرہ اثر اور اشاعت کم ہوتی جاتی ہے۔

اخبار نویسی کے فن میں دفتری امور بھی شامل ہیں۔ اخبار سے ہونے والی آمد و خرچ، حصول اشتہارات اور ان سے ہونے والی آمدنی ادارتی عملے کی تنخواہیں و الاؤنسز، دفتری اور پریس کے عملے کی تنخواہیں اور اجرتیں جس کی دیکھ بھال گریڈ، بونس تقرری یہ سب اسٹبلشمنٹ ڈپارٹمنٹ کرتا ہے۔ اخبار کو بھیجنے، ایجنسیاں جاری کرنے، نادہندہ ایجنسیوں کو بند کرنے کا کام سرکولیشن ڈپارٹمنٹ کے ذمہ ہوتا ہے۔ اشتہارات حاصل کرنا، ان کو صحیح طور پر، صحیح جگہ پر صحیح وقت پر شائع کرنا، اشتہاروں کی آمدنی کا حساب رکھنا ایڈورٹائزمنٹ ڈپارٹمنٹ کا کام ہے۔ اخبار کو چھاپنا اخبار کے چھاپہ خانے کا کام ہے۔ اصولاً شفٹ انچارج کو اخبار کے ایڈیشن کی چھپائی کے وقت نگرانی اور ہدایت کے لئے پریس میں موجود رہنا چاہئے۔ اگر اردو اخبار لیتھو پر چھپتا ہے تو کتابت کا شعبہ بھی ناگزیر ہے جس میں کتابت کے کام کی تقسیم، کالموں کی تقسیم، کتابت کی غلطیوں کی اصلاح اور کاتبوں کی نگرانی کے لئے پروف ریڈر کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

اس طور پر اخبار نویسی میں تمام شعبوں میں مکمل تال میل اور آہنگ سے اچھا اخبار نکلتا ہے۔ اردو اخبار نویسی میں فن صحافت کے مطابق تو اخبار کالموں میں بٹا ہوا ہونا چاہئے اور اس کے کچھ کالم یقیناً مستقل ہونے چاہئیں۔ جیسے دنیا کی، ملک کی، ریاست کی، شہر کی اہم ترین یا دھماکہ خیز خبروں میں سے اخبار کی پالیسی کے مطابق سب سے اہم ترین خبر سے ہر ایڈیشن کے صفحۂ اول پر شاہ سرخیوں کے ساتھ اخبار کے فلیش کا کالم جو کہ دو کالم سے آٹھ تک ہو سکتا ہے صفحۂ اول پر اہم ترین خبروں کا شائع کرنا اور بقیہ کے سلسلے صفحۂ آخر پر لے جانا جو اخبار نویسوں کے لئے ہمیشہ ایک دلچسپ مشغلہ ہوتا ہے۔ اخبار میں دوسرا اہم کالم اداریہ اور اخباری نوٹ کیلئے ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد اخبار کے مختلف اہم کالم جیسے "خبر و نظر" صحائف و کوائف، مزاحیہ کالم، اسپورٹس کالم، بازار بھاؤ کالم وغیرہ۔

فنِ صحافت کے مطابق اخبار میں ہر کالم کی ایک مخصوص جگہ ہونی چاہئے اور اپنے پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جیسے خبریں بہت جامع، مختصر اور گٹھی ہوئی ہوں۔ ہفتہ میں کم از کم ایک بار اخبار کا اتوار یا جمعہ کو میگزین، ادبی میگزین یا ضمیمہ شائع کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

"قومی آواز" "ملاپ" "پرتاپ" "تیج" "پربھات" "دعوت" "الجمعیۃ" "صدائے عام" "عصر جدید" "آزاد ہند" اور "انقلاب" کے علاوہ ہمیں ایسا کوئی اردو روزنامہ نظر نہیں آتا جو انگریزی اور ہندی کے بلند پایہ روزناموں کی طرح فنِ اخبار نویسی کے تقاضوں کو پورا کرے۔ اردو میں عموماً اخبار کی صحافت دعوتوں سے شروع ہوتی ہے، پیروی اور مُنڈیر پر ختم ہو جاتی ہے اور یہ کہانی بار بار دہرائی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ اخبار اپنے پڑھنے والوں کا کوئی بڑا حلقہ پیدا کرنے میں یا اخباری دنیا میں ساکھ قائم رکھنے میں عام طور پر ناکام رہتے ہیں۔

اردو اخبار نویسی کی موجودہ صورت حال سے میں اس لئے بہت زیادہ غیر مطمئن نہیں ہوں کہ اردو میں بڑے بڑے باقاعدہ اور باوقار اخبارات میں غیر محسوس طور پر اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو صحافت کے نئے تقاضوں، زمانے کی نئی قدروں اور تبدیلیوں کو اردو اخبار نویسی تیزی کے ساتھ قبول کر رہی ہے اور اس میں جو فنی طور پر خوشگوار تبدیلیاں ہو رہی ہیں انہیں میں فنِ اخبار نویسی کے لئے فال نیک سمجھتا ہوں کیوں کہ قدم قدم اردو اخبار نویسی آگے بڑھ رہی ہے اور جدید سائنسی و تکنیکی سہولتوں، ٹیلی پرنٹر، انٹر کام، ٹیلی فون، ٹائپ رائٹر، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹائپ اور آفسیٹ وغیرہ سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہی ہے۔ جو اردو اخبار نویسی کے خوش آئند اور روشن مستقبل کی دلیل ہے۔

بشکریہ "پاسبان" چنڈی گڑھ

مرکزی اخبارات ایکٹ (۱۹۵۶ء) کی دفعہ ۸ کے تحت تفاصیل درج ذیل ہیں:

(۱) رسالہ کا نام — "مغربی بنگال"
(۲) زبان — اردو
(۳) اشاعت کا عرصہ — پندرہ روزہ
(۴) جائے اشاعت — شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۱۰۰۰۰۱
(۵) ناشر — دھریندر ناتھ دت، ہندوستانی، شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۱۰۰۰۰۱
(۶) مدیر — دھریندر ناتھ دت، ہندوستانی، شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۱۰۰۰۰۱
(۷) طابع — تین ٹھاکر، جی۔ آر۔ ٹی۔ پرنٹرس، ۵۴/۱ سی، شیام پوکھر اسٹریٹ، کلکتہ ۴۰۰۰۰۴

میں دھریندر ناتھ دت، اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا بیان میرے علم اور یقین کے لحاظ سے صحیح ہے۔

یکم مارچ ۱۹۸۴ء

دھریندر ناتھ دت
مدیر، "مغربی بنگال"

وزیراعظم کے نام وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو کا خط

وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۳؍فروری ۸۴ء کو وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے ان الزامات کی تردید کی جنہیں وزیراعظم نے بائیں محاذ حکومت پر عائد کیا تھا۔ خط کا متن درج ذیل ہے :

یکم فروری ۸۴ء کو شملی ٹران اخبار میں شائع ہونے والی خبر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی پارٹی کے زیر اہتمام شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے اجلاس کے آخری سیشن میں آپ نے یہ الزام عاید کیا کہ مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے ان قطعات آراضی کو، جنہیں سابق حکومت نے شیڈولڈ کاسٹ طبقے کے درمیان تقسیم کیا تھا، پھر اپنے اختیار میں لاکر اس ریاست میں ان لوگوں کے درمیان دوبارہ تقسیم کر دیا، جو موجودہ حکمراں پارٹی کے خیرخواہ اور حامی ہیں۔ مجھے اس خبر سے بڑی حیرت ہوئی کیوں کہ گزشتہ سات برسوں میں آپ نے کبھی بھی اس طرح کا کوئی الزام عائد نہیں کیا۔ آپ کے بیان پر میرا جو ردعمل ہوا اس سے میں نے پریس کو باخبر کر دیا۔ اسٹیٹسمین اور ٹیلیگراف جس میں میرا یہ ردعمل شائع ہوا ہے، کے کترن، برائے ملاحظہ آپ کے پیش خدمت ہیں۔

آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ بائیں محاذ حکومت نے شروع سے ہی اصلاحات آراضی پروگرام کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ اس پروگرام میں برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کرنے اور انتہائی حد سے زیادہ قطعات آراضی کی بے زمین مزدوروں کے درمیان تقسیم کرنے کا کام شامل ہے، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ اس کام کی رفتار ترقی اس ریاست میں دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں زیادہ تیز ہے۔ اس میدان میں ہم نے کتنی ترقی کی اور کتنے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگ اس پروگرام سے مستفید ہوئے، اس کا ایک گوشوارہ اس خط کے ساتھ ملحق ہے۔

گزشتہ سات برسوں میں ایک بھی ایسا واقعہ میرے علم میں نہیں آیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ سابق حکومت نے جو قطعات آراضی شیڈولڈ کاسٹ کو دیے تھے انہیں ان لوگوں سے پھر چھین لیا گیا ہے اور انہیں ان لوگوں کو دے دیا گیا ہے جو حکمراں پارٹی کے حامی ہیں۔ اگر یہ بیان جیسا کہ اخبارں میں شائع ہوا ہے صحیح ہے اور اگر آپ کے پاس اس قسم کے کچھ مخصوص کیس ہیں تو آپ براہ مہربانی مجھے وہ تمام کیس بھیج دیں تاکہ میں ان کی تفتیش کر سکوں۔

مغربی بنگال میں حکومت کے زیر اختیارات قطعات آراضی کی تقسیم ۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء تک

۱:	زیر اختیار قطعات آراضی	۷۶۹۲۵۸ ایکڑ
۲:	مستفید ہونے والوں کی تعداد	۱۴۷۶۶۵۰
۳:	مستفید ہونے والے شیڈولڈ کاسٹ کی تعداد	۵۴۹۹۷۲
۴:	مستفید ہونے والے شیڈولڈ ٹرائب کی تعداد	۲۸۴۵۳۷

(باقی صفحہ ۸ کا)

اس ریاست میں اصلاحات آراضی کے پروگراموں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ غریب اور نادار دیہی کسانوں کو کچھ خودکفیل اثاثے۔ بنیادی اور قانونی حقوق فراہم کئے جائیں۔ اس زمرے کے لوگوں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب خاندان کے لوگ آتے ہیں۔ اصلاحات آراضی کے اقدامات سے مستفید ہونے والوں میں ان دونوں فرقوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور مستفید ہونے والے ہر پانچ افراد میں دو شیڈولڈ کاسٹ کے اور ایک شیڈولڈ ٹرائب کے ہیں۔



مدناپور میں لوک ثقافتی میلہ ۱۶، ۱۷ر فروری سنہ ۸۴ء کو مغربی بنگال کے وزیر اطلاعات و ثقافتی امور، شری پروبھاش پھودیکار افتتاح کرتے ہوئے



سلائی کی تعلیم مغربی بنگال کے ایک دیہی علاقہ میں

MAGHREBI BANGAL
1st March 1984

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 31 No. 5
PRICE 12 Paise



مدناپور شہر میں
۱۷ فروری
سنہ ۸۴ء کو
لوک ثقافتی میلہ
کے افتتاح کے
موقعہ پر
لوگوں کا
پد یاترا۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya. Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.



مغربی بنگال
۱۵ مارچ ۱۹۸۴ء
مغربی بنگال میں زیر کاشت علاقوں اور زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔
ملک گیر افراط زر کا اثر مغربی بنگال پر بھی پڑا۔
آگے بڑھ سکتے ہیں۔

پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتیم بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
معاون مدیر : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ ۱۵ر مارچ سنہ ۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۶

شرح خریداری

سالانہ تین روپے ۔ اس خصوصی شمارے کی قیمت ۲۵ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

ڈائرکٹر
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال ۔ ۲۳۔ آر، این مکھرجی روڈ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



ڈاکٹر اشوک مترا، وزیر مالیات، حکومت مغربی بنگال ۹ مارچ سنہ ۸۴ء کو
کلکتہ اسمبلی میں بجٹ برائے سنہ ۸۵-۸۴ء پیش کرتے ہوئے

مغربی بنگال میں پرامن فضا بحال رہی

ریاستی حکومتوں کے اختیارات محدود ہیں اور انہیں شدید مالی بندشوں کے تحت کام کرنا پڑتا ہے

ریاستی اسمبلی کے بجٹ اجلاس میں گورنر اے۔ پی۔ شرما کا افتتاحی خطبہ

مغربی بنگال کے گورنر شری اے۔ پی۔ شرما نے ۲۴ فروری ۱۹۸۴ء کو ریاستی اسمبلی کے بجٹ اجلاس کا افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انہوں نے اس ریاست کی گوناگوں ترقی کا ذکر کیا۔ گورنر کے افتتاحی خطبے کا متن، اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

آپ لوگوں کو نئے سال کے پہلے اجلاس میں خوش آمدید کہتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اپنے عہدے پر فائز ہونے کے بعد آپ لوگوں سے ملنے کا یہ پہلا موقع بھی ہے۔ میں سال رواں میں اپنی حکومت کی سرگرمیوں اور کامرانیوں کا ایک مختصر جائزہ اور آنے والے سال کیلئے اہم اسکیموں اور پروجیکٹوں کا خاکہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کروں گا نیز ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے بجٹ تخمینہ بھی اجلاس میں آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ میں آپ لوگوں کو اور مغربی بنگال کے عوام کو ایک شاندار اور پُرازمسرت نئے سال کا مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

میں یہاں دلی رنج وغم کے ساتھ شری کنائی لال بھٹا چاریہ کی رحلت کا ذکر کرتا ہوں۔ شری بھٹاچاریہ شعبہ جات کامرس و صنعت، صنعتی تعلقات اور عوامی ادارے، کے وزیر انچارج تھے۔ ساتھ ہی ہم موجودہ اسمبلی کے ممبران شری پرمود رنجن بوس، شری گنا نندرا ناتھ بسواس اور شری نریندر ناتھ رلسے، اور اس اسمبلی کے سابق ڈپٹی اسپیکر شری نریندرا ناتھ سین اور مغربی بنگال کے سابق وزرا شری عبدالرزاق خاں اور شریمتی امالا سارین کی اموات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔

سالِ رواں میں مسلسل چوکسی رکھنے کی وجہ سے اس ریاست میں امن وامان کی صورت حال کم وبیش پرامن رہی۔ تصادم کی تعداد میں جو اضافہ ہوا وہ زیادہ تر مئی ۱۹۸۳ء میں منعقدہ پنچایت انتخابات سے وابستہ ہے، کیوں کہ اس عرصہ میں مضافاتی علاقوں میں کچھ تناؤ پیدا ہوا تھا۔ سالِ رواں میں کہیں بھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا۔ ملک کے دیگر علاقوں کے برخلاف مغربی بنگال میں شیڈولڈ کاسٹ ورائب کے ممبران اور سماج کے دیگر کمزور طبقوں کے لوگ ظلم وستم سے آزاد رہے۔ گزشتہ برسوں کے مقابلے میں سالِ رواں میں زرعی جھگڑوں کی تعداد بھی کم ہوئی۔ اِکا دُکا جرم اور تشدد کے واقعات کا سختی سے مقابلہ کیا اور ضروری تدارکی اقدامات کئے گئے۔ عام طور پر مغربی بنگال میں پرامن فضا بحال رہی۔

مسلسل دو برسوں تک تباہ کن سیلابات کے بعد ۸۴-۱۹۸۳ء میں بھی برسات کے موسم میں بہت ہی تاخیر سے اور بہت ہی کم بارش ہوئی۔ اس کے بعد ۸۴-۸۳ء میں فصل کی بوائی کا کام شروع کر دیا گیا۔ اس ناموافق صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے بروقت اقدامات بھی کئے گئے۔ چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کے درمیان دھان کی ۱۴ لاکھ چھوٹی تھیلیاں تقسیم کی گئیں۔ یہ ایک ریکارڈ ہے۔ خریف پیداوار کے لئے خصوصی مہم چلائی گئی اور کاشتکاری کے لئے ضروری اور بہتر چیزوں کے ساتھ کھیتی باڑی کے کام کی منظم طور پر دیکھ

بحال کی گئی ۔ اس کا نتیجہ تشفی بخش نکلا ۔ اوس دھان کی پیداوار
ساٹھ لاکھ ٹن ہوئی جو گزشتہ پانچ برسوں کی اوسط پیداوار سے
بیس فیصد زیادہ ہے ۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ امن دھان
کی پیداوار بھی بہت زیادہ ہوگی ۔ ربیع فصل کے سلسلے میں اچھے
نتائج کی امید کی جاتی ہے ۔

چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی کے سلسلے میں سال رواں
میں ۲۰۰ نئے گہرے ٹیوب ویل اور ۱۰۰ کم گہرے ٹیوب ویلوں کو
بٹھلانے کا کام شروع کیا گیا ۔ کم گہرے ٹیوب ویلوں کو بٹھانے
کیلئے ضلع دیہی ترقیاتی ایجنسیوں کے ذریعہ چھوٹے اور حاشیائی
کسانوں کے درمیان امداد کی تقسیم کے لئے ۵ کروڑ سے زیادہ
روپئے مختص کئے گئے ۔ گزشتہ خشک سالی کے سال میں نصب
کردہ ۸۰۰ سطحی پانی پمپ سیٹ کو بہتر طور پر اور انتہائی حد تک
استعمال کرنے کے لئے سال رواں میں ندیوں سے پانی اٹھا کر
آبپاشی کرنے کی ۱۳۰۰ اسکیموں کو روبہ عمل لایا گیا ۔ یکم مئی ۱۹۸۳ء
سے فی ایکڑ انچ پانی کے لئے ۵ روپئے کا مناسب پانی ٹیکس رائج
کردیا گیا ہے ۔

سال رواں میں آبپاشی کی بڑی اسکیموں اور ستر ہ
متوسط اسکیموں کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے بعد اب مزید ۲۱ر۲۷
ہزار ہیکٹر س قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہونگی
بند کی تعمیر، ندیوں کے ساحل کو کٹاؤ سے محفوظ رکھنے، پانی کے
نکاس، بحری کٹاؤ اور شہروں کی حفاظت کی کئی ایک اسکیموں کو
سال رواں میں روبہ عمل لایا گیا اور ان اقدامات کی وجہ سے ۶۴۰۰۰
ہیکٹرس قطعات آراضی کو سیلابوں سے محفوظ بنا لیا گیا ۔

عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ گزشتہ
برسوں میں میری حکومت نے تیستا آبپاشی پروجیکٹ پر ۱۰۰ کروڑ سے
زیادہ روپئے خرچ کئے ۔ اس پروجیکٹ سے شمالی بنگال کے اضلاع
میں زرعی توسیع کے لئے کافی سہولتیں فراہم ہوں گی ۔ یہ بات باعث
افسوس ہے کہ مرکزی حکومت نے اس پروجیکٹ کے لئے اتنی رقم
فراہم نہیں کی ۔ مجھے امید ہے کہ اس صورتحال میں بہت ہی جلد
تبدیلی رونما ہوگی ۔

گزشتہ دو مسلسل خشک سالی اور قیمتوں میں حالیہ تیز اضافہ کی وجہ سے
۱۹۸۳ء میں عوامی نظام تقسیم کے ذریعہ غذائی اجناس کی
مانگ میں کافی اضافہ ہوگیا ۔ سال رواں میں عوامی نظام تقسیم کے
ذریعہ ۲۹ر۳۰ لاکھ میٹرک ٹن اناج تقسیم کئے گئے ۔ سال رواں میں
۲۶ر۱۱ لاکھ میٹرک ٹن چاول کی حصولیابی کے نشانہ کو پورا کرلینے کی
توقع ہے ۔

میری حکومت معیشت میں افراط زر کے دھارے کے
دوبارہ پھوٹ نکلنے کی طرف عزت مآب ممبروں کی توجہ مبذول کراتی
ہے، کیونکہ افراط زر سے ہمارے عوام کی زندگی اور رہن سہن
پر برا اثر پڑ رہا ہے ۔ میری حکومت کی رائے میں اس افراط زر
کی اہم وجوہ میں ایک اہم چیزوں کی انتظامی قیمتوں میں اضافہ اور دیگر
اقدامات جیسے مال واسباب کے لئے ریل کے کرایے میں اضافہ، نیز
آئی، ایم، ایف قرض سے وابستہ شرائط ہیں ۔ افراط زر سے عوام
کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا ۔ اس لئے ان مشکلات کا مقابلہ کرنے
اور انہیں دور کرنے کے لئے میری حکومت جیسا کہ عزت مآب ممبران
واقف ہیں، سارے ملک میں عوامی تقسیم کے ایک وسیع جال بچھانے
کی ضرورت کے سلسلے میں مرکزی حکومت پر زور دے رہی ہے ۔
میری حکومت اس بات پر زور دے رہی ہے کہ سارے ملک میں
مصارف کی ۱۲ تا ۱۴ چیزیں جیسی چاول، گیہوں، دال، کھانے کا تیل،
کراسن تیل، عام کپڑے، ماچس، چینی، نمک وغیرہ امدادی اور یکساں
قیمتوں پر سپلائی کی جائیں اور مرکزی حکومت اس امدادی شرحوں کیلئے
ہر سال کم از کم کچھ رقم مخصوص رکھے ۔ نیز مرکزی حکومت کو بھی
سارے ملک میں ان لازمی چیزوں کی حصولیابی کی اہم ذمہ داریوں کو
سنبھالنا چاہئے تاکہ عوامی تقسیم کے نظام کو برقرار رکھا جاسکے
اور اسکی توسیع کی جاسکے لیکن میری حکومت کی ان تجاویز کو مرکزی حکومت
نے ابتک قبول نہیں کیا ۔ میری حکومت کا یہ نظریہ ہے کہ بڑھتی ہوئی قیمتوں
اور سست رفتار آمدنی اور راجدھانیوں کے خلاف عوامی بے چینی کو جبری
اقدامات سے دبایا نہیں جاسکتا ۔

اس ریاست میں مئی ۱۹۸۳ء کو سہ رخی پنچایتوں
کے لئے عام انتخابات ہوئے اور ۳۲۵ گرام پنچایتوں کیلئے ۴۵۹۶۷

ممبران، ۳۳۹ پنچایت سمیتیوں کے لئے ۸۶۱۵ ممبران اور ۱۵ ضلع پریشدوں کے لئے ۶۵۵ ممبران منتخب ہوئے۔ ترقیاتی سرگرمیوں میں عوام کی زیادہ سے زیادہ شرکت کے لئے پنچایتی اداروں کو ان کے حسب معمول کام کاج کے ساتھ ساتھ، ۲۷ ترقیاتی اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ آئندہ سال پنچایت سمیتیوں کے ذریعہ گرام پنچایتوں کے ۲۶۰ پنچایت گھر، ۳۸ انچل تربیت گاہ اور بے زمین مزدوروں کے لئے ۱۱۷۵۰ جھونپڑیاں تعمیر کی جائیں گی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ میری حکومت کی پالیسیوں جیسے اصلاحات آراضی کی بابت، کی تکمیل کی راہ میں ایک شدید رکاوٹ اس اسمبلی کے پاس کردہ بل کو صدر کی منظوری ملنے میں تاخیر ہے، حالانکہ اس بل کو مرکزی حکومت کی منظوری کے لئے بہت پہلے بھیج دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں اصلاحاتِ آراضی (ترمیمی) بل سنہ ۱۹۸۰ء کا بھی ذکر کروں گا کیوں کہ تقریباً تین سال سے اس بل کو صدر کی منظوری کا انتظار ہے۔ یہاں تک کہ روزمرہ کے کام کاج سے وابستہ بلوں کو بھی منظوری کے لئے کافی انتظار کرنا پڑتا ہے۔

دیہی ترقی کے میدان میں اصلاحاتِ آراضی کے پروگرام کو کافی اہمیت حاصل ہے اور حکومت اس پروگرام کو سنہ ۱۹۷۷ء سے بر سرِ عمل لا رہی ہے۔ ستمبر سنہ ۱۹۸۳ء تک ۹۶ر۷ لاکھ ایکڑ زرعی قطعاتِ آراضی جن کی ملکیت کا حق حکومت کو حاصل ہو گیا ہے ۶۷ر۱۴ لاکھ غریب اور بے زمین کسانوں کے درمیان تقسیم کئے گئے۔ مستفید ہونے والوں میں ۵۵ فیصد شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگ تھے۔

عدالتوں کے امتناعی حکم ناموں کی وجہ سے مزید ۱۸۰۰۰۰ ایکڑ قطعات آراضی کی تقسیم کا کام رک گیا۔ سنہ ۱۹۸۳ء کے خریف موسم میں برگداروں اور حکومت کے زیرِ اختیار قطعات آراضی پانے والے چھوٹے اور غریب کسانوں کو، جنکی مجموعی تعداد تقریباً ۳ لاکھ ہے، بنکوں سے مالی سہولتوں کی فراہمی کے لئے ریاستی حکومت نے انتظام کیا۔ حسب معمول بندوبست کام کے ذریعہ، ساتھ ہی خصوصی مہم "آپریشن برگہ" کے ذریعہ برگداروں کے نام کو ریکارڈس میں درج کرانے کا کام تیزی سے جاری ہے اور ستمبر سنہ ۱۹۸۳ء کے آخر تک ۶۱ر۱۲ لاکھ برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کرائے گئے۔

شروع شروع میں تکمیلی دیہی ترقیاتی پروگرام کی رفتار ترقی کچھ سست تھی، کیوں کہ بنکوں نے اس اسکیم سے خود کو وابستہ کرنے میں پس و پیش کیا۔ لیکن گزشتہ ایک سال میں اچھی خاصی ترقی ہوئی۔ ۶۰۹۲۷ خاندان جن میں شیڈولڈ کاسٹ کے ۱۷۵۳۱ خاندان اور شیڈولڈ ٹرائب کے ۳۱۰۷ خاندان شامل ہیں۔ گزشتہ سال اس اسکیم سے مستفید ہوئے۔ آئندہ سال کے لئے نشانہ ۷۰ر۲ لاکھ خاندان کا رکھا گیا ہے اور اس مقصد کے تحت ریاستی حکومت نے اپنے طور پر ۴ر۱ کروڑ روپئے دینے کی منظوری دی۔ قومی دیہی روزگار پروگرام کے تحت سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے لئے نظر ثانی کردہ اخراجات کا تخمینہ ۳ر۳۱ کروڑ روپیہ تھا۔ ان اخراجات کو ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت دونوں مساوی طور پر پورا کریں گے۔ اس پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ روزگار کے ۳۱۱ لاکھ دن پیدا کئے جائیں۔ ستمبر سنہ ۸۳ء تک روزگار کے ۹۵ر۱۷ لاکھ دن پیدا کئے گئے۔ چھوٹی آبپاشی کے تحت ۵۵۰۴ ہیکٹارس کو اور مٹی کے تحفظ کے تحت ۵۲۷۰۴ ہیکٹارس قطعات آراضی کو لایا گیا۔ ۸۷۷۸ کیلومیٹر دیہی سڑکیں تعمیر کی گئیں اور انہیں بہتر بنایا گیا۔ ۲۸۵ جماعتی مکانات تعمیر کئے گئے اور انکی مرمت کی گئی۔ پینے کے پانی کے ۸۸۹۰ ٹیوب ویل بٹھائے یا از سر نو بٹھائے گئے اور ۱۲۹۳ ہیکٹارس قطعات آراضی پر جنگل کاری کی گئی۔ ضلع دارجلنگ کے تین پہاڑی سب ڈویژنوں کی ترقی کے لئے سالِ رواں میں ۵ر۱۵ کروڑ روپئے کے مصارف کی منظوری دی گئی۔ سندربن علاقوں کی ترقی کے لئے سال رواں میں ۸۶ر۳ کروڑ روپئے خرچ کئے جائیں گے آئندہ سال اس کام کیلئے مزید اخراجات کی گنجائش رکھی جائے گی۔ موجودہ مالی سال میں ۲۰۰۰ افراد کے لئے روزگار فراہم کرنے کے سلسلے میں مزید روزگار پروگرام کے تحت ۵۰ لاکھ روپئے خرچ کئے جا رہے ہیں۔

مغربی بنگال میں جنگلات کی کمی ہے۔ اس کے کل علاقوں میں سے صرف ۵ر۱۳ فیصد علاقے میں جنگلات ہیں۔ جنگلات کی پیداوار اور جنگلات کو محفوظ رکھنا دونوں ہی ضروری ہیں۔ شجرکاری کے میدان میں حالیہ دور میں سماجی جنگلاتی پروجیکٹ، معاشی شجرکاری کی اسکیم اور چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کے لئے مرکز کے زیرِ اہتمام زرعی۔جنگلاتی

اسکیم زیر تکمیل ہیں۔ گنگا کی وادی میں، کنگسا بتی ندی وادی پروجیکٹ، تیستا ندی وادی پروجیکٹ اور مٹی کے تحفظ کے پروگرام کے تحت مٹی کے تحفظ اور پانی کے ذخیرہ کے لئے مرکز کے زیر اہتمام اسکیموں کو اور بھی مؤثر طور پر روبہ عمل لایا جارہا ہے۔

اس ریاست میں مویشی ترقی پروگرام کو زرعی سرگرمیوں کے ساتھ وابستہ کردیا گیا ہے۔ اس سال کے آخر تک اس پروگرام سے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے تقریباً ۶۰۰۰ خاندان مستفید ہوں گے۔ دودھ ترقی پروگرام کے تحت روزانہ تقریباً ۴٫۷۵ لاکھ لیٹر پیسچرائز کردہ دودھ تقسیم کیا جاتا ہے۔ ماہی پروری کی ترقی کے لئے خصوصی توجہ دی جارہی ہے کیوں کہ اس میں خود روزگار کے کافی مواقع فراہم ہیں۔

کلکتہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں عوامی نقل و حمل نظام پر دباؤ کافی بڑھ گیا ہے۔ روزانہ آمدورفت کرنے والوں کی دشواریوں کو دور کرنے کیلئے کئی ایک اقدامات کئے گئے ہیں۔ کلکتہ ٹرامویز کمپنی نے سال رواں میں ۷۵ نئی گاڑیاں حاصل کیں، ۴۰۱ گاڑیوں کی مرمت کی اور ۴۲ ٹرام گاڑیوں کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ کلکتہ ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے سال رواں میں پرانی بسوں کی جگہ ۵۰۳ نئی بسیں حاصل کیں۔ شمالی بنگال ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے سال رواں میں ۲۰ نئی بسیں خریدیں اور درگاپور ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے شہروں میں آمدورفت کرنے کے لئے ۲ ڈبل ڈیکر بسوں کا اضافہ کیا۔ کلکتہ اور ۲۴ پرگنہ کے علاقائی ٹرانسپورٹ حکام نے مختلف راستوں میں ۷۵۰ منی بسوں اور ۳۵۰ پرائیویٹ بسوں کے لئے پرمٹ جاری کئے۔ کلکتہ کے ٹرانسپورٹ حکام نے شہر میں آمدورفت کرنے کے لئے ۵۰۰ آٹو رکشا کے لئے پرمٹ جاری کئے۔

ہر گاؤں میں پینے کے پانی کی فراہمی، دیہی صحت عامہ خدمات کی توسیع، خاندانی منصوبہ بندی میں لوگوں کی تعلیم اور زچہ و بچہ فلاح خدمات کی توسیع پر میری حکومت خصوصی زور دے رہی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں مسائل سے پُر ۲۵۴۳ گاؤں کی شناخت کی گئی تھی۔ ان میں سے ۱۰۰۰۰ گاؤں میں پانی کی سپلائی کی اسکیموں کو روبہ عمل لایا گیا۔ کم سے کم ضرورت پروگرام کے تحت اس سال کے آخر تک دو مضافاتی اسپتال، دو پرائمری مراکز صحت، آٹھ امدادی مراکز صحت اور ۲۹۹ تحتی مراکز کھولے جائیں گے۔ آئندہ سال آٹھ مضافاتی اسپتال، ۵ پرائمری مراکز صحت، ۱۵ امدادی مراکز صحت اور ۱۷۰۰ تحتی مراکز قائم کرنے کی اسکیموں کو روبہ عمل لایا جائے گا۔ خاندانی رفاہ پروگرام کے تحت اپریل سے نومبر ۱۹۸۳ء تک ۹۴۲۱۲ لوگوں نے بانجھ پن کو قبول کیا، ۲۵۲۲۸ افراد کو آئی۔یو۔ڈی سے اور ۹۸۲۴۰ افراد کو ضبط تولید کے دیگر طریقہ کار سے روشناس کرایا گیا۔ زچہ و بچہ صحت خدمات کے پروگرام کے تحت ۸ لاکھ ماں اور ۱۰ لاکھ بچے متعدی امراض سے محفوظ رکھنے کے پروگرام سے مستفید ہوں گے۔ مقوی خوراک فراہم کرنے کی اسکیم سے ۲۷ لاکھ ماں اور ۲۴ لاکھ بچے، جو خون کی کمی کے مریض ہیں، مستفید ہوں گے۔

میری حکومت تعلیمی اسکیموں، معاشی سرگرمیوں اور سماجی رفاہ اقدامات کے ذریعہ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی گوناگوں ترقی کے لئے کوششیں کررہی ہے۔ موجودہ مالی سال میں وظیفہ کی مختلف اسکیموں سے ۴۵۸۵۰۰ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلبا مستفید ہوتے۔ نومبر ۸۳ء تک پیداواری اسکیموں کے ذریعہ ۱۷۱۹۵ شیڈولڈ کاسٹ اور ۵۳۰۶۲ شیڈولڈ ٹرائب لوگوں کو امداد فراہم کی گئی۔ اس سلسلہ میں حکومت کی طرف سے امداد فراہم کی گئی، بینکوں سے قرض کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

۱۹۸۳ء میں ۱۳۶ صنعتی پروجیکٹوں کے لئے صنعتی منظوری حاصل ہوئی۔ ایک تخمینہ کے مطابق ان پروجیکٹوں پر ۹۹ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے۔ ان میں سے پندرہ پروجیکٹوں جن کی مجموعی پروجیکٹ مالیت ۲۸ کروڑ روپئے ہے، کو پایہ تکمیل تک پہونچا دیا گیا ہے۔

کاروباریوں کی ہمت افزائی کے سلسلہ میں یکم اپریل ۸۳ء سے نئی محرک اسکیم کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ مغربی بنگال الکٹرونک صنعت ترقیاتی کارپوریشن جس نے تارا تولہ، کلکتہ میں ایک الکٹرونکس کمپلکس قائم کیا ہے، نے اب سالٹ لیک کے علاقہ میں ایک اور الکٹرونکس کمپلکس قائم کرنے کے پروگرام کو روبہ عمل لارہا ہے۔ نظر ثانی کردہ پیداوار اور مصنوعات کی بنیاد پر جس کے سلسلہ میں حکومت

ہند نے تجویز پیش کی تھی، ہلدیہ پٹرو کیمیکل پروجیکٹ کے لئے نظر ثانی کردہ رپورٹ، مرکزی حکومت کے پاس، مرکز کی منظوری کے لئے داخل کر دی گئی ہے۔

عزت مآب ممبران ان مسلسل کوششوں سے واقف ہیں جنہیں میری حکومت نے گزشتہ چند برسوں میں بے روزگاری کے مسئلہ کو کچھ حد تک حل کرنے کیلئے اس ریاست میں صنعت کی رفتار ترقی کو تیز تر کرنے کے سلسلے میں کیا۔ میری حکومت مرکزی حکومت سے بار بار یہ درخواست کر رہی ہے کہ وہ پٹرو کیمیکل کمپلکس کے لئے، سالٹ لیک شہر میں ایک الکٹرونکس یونٹ قائم کرنے اور ہلدیہ میں جہاز مرمت کرنے کے کارخانہ قائم کرنے کیلئے اپنی منظوری دے۔ بہت سال قبل اس سلسلہ میں بھی ایک تجویز پیش کی گئی تھی کہ درگاپور میں پبلک سیکٹر میں ٹرک تیار کرنے کا کارخانہ قائم کیا جائے۔ ان تمام پروجیکٹوں کو مرکزی حکومت کی مثبتی رضامندی کا انتظار ہے۔ ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مرکزی حکومت یا تو اپنے طور پر اس ریاست کی اہم صنعتی سرگرمیوں کی ذمہ داریاں خود سنبھال لے یا ایسی نئی سرگرمیوں کے لئے مالی سہولتوں فراہم کرنے کے سلسلے میں عوامی مالی اداروں اور بینکوں کو ہدایت دے، یا ریاستی منصوبہ میں کافی اضافہ کرنے کی اجازت دے۔ ان تینوں باتوں کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کا رویہ تشفی بخش نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں میں یہاں اس بات کا ذکر کروں گا کہ کلکتہ میں زمین دوز ریلوے کی رفتار ترقی کافی سست ہے۔ تقریباً بارہ سال قبل اس پروجیکٹ پر کام شروع ہوا۔ ایک قرینہ کے مطابق اس پروجیکٹ کی تکمیل میں مزید چھ سال کی ضرورت ہوگی۔ یہ ایک ایسی صورتحال ہے جو میری حکومت کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ میری حکومت مرکز سے اس بات کا اصرار کرے گی کہ وہ ایسے اقدامات کرے کہ آئندہ تین برسوں میں اس پروجیکٹ کا کام مکمل ہو جائے۔

عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ مرکزی حکومت نے حال ہی میں اخراجات میں کمی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس کے نتیجہ میں مغربی بنگال میں واقع انجینئرنگ صنعتوں جیسے ریل کے ڈبے بنانے کی صنعت کو بہت ہی کم آرڈرس مل رہے ہیں۔ میری حکومت سے مشورہ کرنے کے بعد ایسی اہم نوعیت کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ اس لئے میری حکومت اس بات کی امید کرتی ہے کہ اس ریاست کو مزید معاشی مصائب سے بچانے کے لئے مرکزی حکومت اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریگی۔

جیسا کہ عزت مآب ممبران واقف ہیں میری حکومت نے صنعتی افزائش کی سست رفتاری کو دور کرنے اور کثیر تعداد میں صنعتی مزدوروں کو برسرِ روزگار رکھنے کے مقصد کے پیش نظر بند اور بیمار صنعتی یونٹوں کی احیائے نو کی۔ اس کے علاوہ ۴۴ یونٹوں کی جنہیں "امدادی ادارے" کہا گیا ہے، کی نو تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ ان یونٹوں میں تقریباً ۵۰۰۰۰ افراد برسرِ روزگار ہیں۔ حکومت کا یہ ارادہ ہے کہ ان یونٹوں کو جن کی ذمہ داریاں ریاستی حکومت نے سنبھالی ہے، قومیا لیا جائے۔ اس سلسلہ میں ضروری قوانین موجودہ سیشن میں پیش کئے جائیں گے۔

سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں نشانہ یہ تھا کہ دیہی اور چھوٹی صنعتوں کی ۱۲۰۰۰ نئی یونٹیں قائم کی جائیں۔ ان میں مزید ۳۷۵۰۰ افراد کو روزگار فراہم ہوگا۔ آئندہ سال کے لئے نشانہ ۱۳۵۰۰ یونٹوں کا رکھا گیا ہے۔ ان میں مزید ۴۲۰۰۰ لوگوں کو روزگار فراہم ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے خود۔ روزگار اسکیم رائج کی گئی۔ اس اسکیم کے تحت ۲۵۵۰۰ یونٹیں قائم کی جائیں گی اور ان میں سے ہر ادارہ کو زیادہ سے زیادہ ۲۵۰۰۰ روپئے ادارجاتی مالیات سے دئے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں تقریباً ۷۵۰۰۰ درخواستیں موصول ہوئی ہیں۔ ریشم سازی میں اور بھی زیادہ رقبہ میں شہتوت کی کاشت کی جا رہی ہے۔ اضلاع بیربھوم بردوان، مدناپور اور بانکوڑہ میں خاص طور پر شیڈولڈ ٹرائب کے لوگوں کے فائدے کے لئے یکم اکتوبر سنہ ۱۹۸۳ء تک ۵۲۰ کنال قطعات آراضی پر "نسر" میزبان پودے کی کاشت کی گئی۔ ریشم سازی کے سیکٹر میں سالِ رواں میں مزید روزگار کے ۱۲۰۰۰ مواقع فراہم کئے گئے۔ آئندہ سال کے لئے نشانہ ۲۴۰۰۰ مواقع فراہم کرنے کا ہے۔

گزشتہ سال اس ریاست میں صنعتی تعلقات عام طور

پر تشفی بخش تھی۔ سال رواں میں انجینئرنگ اور چائے باغات صنعتوں میں صنعت وار لمبے عرصے کے معاہدے ہوئے اور ان سے ۵ء۴ لاکھ مزدور مستفید ہوئے۔ یک طرفہ بندی اور تالہ بندی کی روک تھام کرنے کے لئے قانونی اقدامات زیر غور ہیں سال رواں میں بے روزگاری امداد اسکیم جاری رہی۔

اس ریاست میں موجودہ بجلی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سال رواں میں چند ٹھوس اقدامات کئے گئے۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ نے بنڈیل تھرمل پاور اسٹیشن میں ۲۱۰ میگاواٹ کی ایک نئی یونٹ چالو کردی۔ کلکتہ الکٹرک سپلائی کارپوریشن نے کاروباری استعمال کیلئے ٹیٹا گڑھ میں ۶۰ میگاواٹ کی دو یونٹیں قائم کیں۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ سی ای ایس سی کی چوتھی یونٹ جون ۱۹۸۴ء تک کاروباری استعمال کے لئے چالو ہو جائے گی۔ کولاگھاٹ پاور پروجیکٹ کی ایک یونٹ، جس کی صلاحیت ۲۱۰ میگاواٹ ہے، چالو ہو گئی ہے اور کاروباری استعمال کیلئے جون ۸۴ء سے اسے بروئے کار لایا جائیگا۔ آئندہ سال کولاگھاٹ پاور پروجیکٹ کے ۲۱۰ میگاواٹ کی دوسری یونٹ بھی چالو ہو جائے گی۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ آئندہ سال کرسیونگ میں ایک چھوٹا آبی۔ پروجیکٹ چالو ہو جائے گا۔ درگاپور پروجیکٹس کی چھٹی یونٹ کے آئندہ سال چالو ہو جانے کی امید ہے۔ سی ای ایس سی کے تحت مزید یونٹیں قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ صارفین کے درمیان بجلی کی مساوی تقسیم کے لئے ایک بجلی راشننگ اسکیم رائج کی گئی ہے۔

کلکتہ میونسپل کارپوریشن ایکٹ ۱۹۸۰ء اور کلکتہ میونسپل کارپوریشن (ترمیمی) ایکٹ، ۱۹۸۳ء جنوری ۱۹۸۴ء سے لاگو ہو گیا ہے۔ بستی ترقی اسکیموں پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ ان سے تین میونسپل شہروں میں بستیوں میں رہنے والے ۳۰۰۰۰ سے زیادہ افراد، جو زیادہ تر پسماندہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، مستفید ہوئے۔ اس اسکیم کے تحت ۵ اور شہروں میں کام جاری ہے۔

عظیم تر کلکتہ ترقیاتی اتھورٹی مختلف شعبوں کے تحت مختلف ترقیاتی اسکیموں کو روبہ عمل لارہی ہے۔ بستی ترقی پروگرام کے تحت آئندہ سال ۱۲۰۰ پختہ پائخانے تعمیر کئے جائیں گے۔ باقی کے نکاس کے لئے زمین دوز ۷۰۰۰ میٹر لمبے پائپ بٹھائے جائیں گے اور مجموعی طور پر ۵۰۰۰۰ مربع میٹر سڑکیں تعمیر کی جائیں گی۔ ۱۱ شہری اجتماعی مراکز صحت میں سے چھ میں کام کاج شروع کر دیا گیا ہے اور دو زیر تعمیر ہیں۔ ان اقدامات سے آئندہ سال بستیوں کے دو لاکھ افراد مستفید ہوں گے۔ بہت ہی اصرار کرنے کے بعد حکومت ہند نے دوسرے ہگلی دریا پل پروجیکٹ کیلئے ۱۵۰ کروڑ روپئے بطور غیر منصوبہ قرض۔ امداد فراہم کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے امید کی جاتی ہے کہ اس پل کی تعمیر کا کام ۱۹۸۷ء کے آخر تک مکمل ہو جائے گا۔

کھیل کود کے میدان میں سالٹ لیک میں ۲۰ کروڑ روپئے خرچ کرکے ایک اسٹیڈیم کی تعمیر اور اس سال اس کا افتتاح کافی اہمیت کا حامل ہے۔

سال رواں میں آفات ناگہانی کے شکار لوگوں کی مدد کرنے کے لئے امدادی اقدامات کئے گئے اور اس سلسلہ میں ۱۵ء۸۱ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے۔ علی پور دوار میں آسام سے ۲۹۰۰۰ سے زیادہ پناہ گزین پہونچ گئے اور اس طرح گزشتہ برسوں سے اس ریاست میں رہنے والے آسامی پناہ گزینوں میں دہ شامل ہو گئے۔ ان اجڑے لوگوں کے لئے پناہ اور امداد کے اقدامات کئے گئے۔ ۱۹۸۳ء کے نومبر سے ان پناہ گزینوں کو دوبارہ واپس بھیجنے کا کام شروع ہوا اور اب تک بہت سارے پناہ گزیں آسام کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ بات باعث تشویش ہے کہ ان لوگوں کی رہائش اور امداد پر جو اخراجات ہوئے انہیں پورا کرنے میں مرکزی حکومت پس و پیش کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ مہاجرین میری حکومت کی دعوت پر مغربی بنگال نہیں آئے بلکہ تحفظ کے لئے آئے۔ سال رواں میں بچوں کی رفاہ کے بہت سارے اقدامات کئے گئے نیز اس ریاست کے ۵۹ بلاکوں میں بچوں کی ترقی کی تکمیلی خدمات اسکیموں کو بھی پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ جسمانی لحاظ سے معذور لوگوں کا جائزہ لینے، ان کا علاج کرنے اور انہیں بحال کرنے کے لئے ایک پائلٹ پروجیکٹ کا کھڑگپور میں افتتاح کیا گیا۔

ریاستی حکومت ہر سال جسمانی لحاظ سے معذور ۷۰۰ افراد کو امداد اور وسائل فراہم کرتی ہے اور نادار ۳۰۰۰ معذور لوگوں کو مالی امداد فراہم کر رہی ہے۔

میری حکومت کا یہ نشانہ ہے کہ ۱۹۹۰ء تک اس ریاست کے تمام بچوں کو ابتدائی تعلیم فراہم کی جاتے اور عزت مآب ممبران حکومت کے ان وسیع اقدامات سے واقف ہیں جو اس نے اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے کیا ہے۔ ۸۴-۱۹۸۳ء تک ۶-۱۱ عمر کے ۷ر۳ر۷۶ لاکھ بچوں کو موجودہ، ساتھ ہی نئے رسمی اور غیر رسمی اسکولوں میں زیر تعلیم لایا جائے گا۔ ایک تجویز یہ ہے کہ موجودہ پندرہ سرکاری کالجوں کے علاوہ دو نئے سرکاری کالج، ایک بلدیہ میں اور ایک سالٹ لیک میں، قائم کئے جائیں گے۔

۸۴-۱۹۸۳ء میں مجموعی طور پر ۲۵۰ کیلو میٹر لمبی سڑکیں اور چھوٹے چھوٹے پل تعمیر کئے گئے۔ ۸۴-۸۳ء میں ہوڑا۔ پنجارو ڈ پر کنگسابتی ندی پر کھادنیں گھاٹ میں دامودر ندی پر اور نوادیپ میں بھاگیرتی ندی پر گوتر نگو سیتو، گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے کھول دئے گئے۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ موجودہ سال میں چائے باغات کے مزدوروں کی رہائش کے لئے ۷۰۰ رہائشی یونٹیں تعمیر کی جائیں گی۔ ۸۵-۸۴ء میں سرکاری اور غیر سرکاری سیکٹروں میں ۲۰۰۰ رہائشی یونٹیں تعمیر کرنے کی تجویز ہے۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ کم اور درمیانی آمدنی والے طبقوں کے لئے مکانات تعمیر کرنے کی اسکیم کے تحت پرائیویٹ اداروں کے ذریعہ ۸۰۰ رہائشی یونٹیں تعمیر کی جائیں گی۔

اس ریاست میں پناہ گزینوں اور بے گھروں کے مفاد کے لئے براہ راست بحالی پروگرام اور معاشی۔ سماجی بحالی پروگرام کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ دسمبر ۱۹۸۳ء تک پناہ گزینوں اور بے گھروں کے لئے ۲۴۳ خاندانوں کو بحال کر دیا گیا۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۹۸۷۶ بے گھر لوگوں کو شہری علاقوں میں آباد کیا گیا اور دیہی جی۔

اس کالونیوں میں رہنے والے ۹۱۶۴ پناہ گزینوں کو ان قطعات آراضی کا جہاں وہ سب رہتے ہیں، حق ملکیت دے دیا گیا۔

پہاڑی علاقوں میں ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کیلئے ایک نیپالی اکیڈمی قائم کی گئی۔ اس اکیڈمی کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ وہ تحقیق کے کام میں سہولتیں فراہم کرے گی، نیپالی زبان اور ثقافت پر سیمینار اور ثقافتی تقریبات کا انتظام کرے گی اور نیپالی زبان میں کتابیں وغیرہ شائع کرے گی۔ مختلف زبانوں میں کتابوں وغیرہ کی اشاعت کی ہمت افزائی کرنے کیلئے ادیبوں کو طبعات کے لئے عطیات دئے جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ مناسب قیمتوں پر اچھی اچھی کلاسیکی کتابیں بھی شائع کی جاتی ہیں۔ حکومت کی طرف سے فیچر اور دستاویزی فلمیں باقاعدہ تیار کی جاتی ہیں۔ یہ بات باعث فخر ہے کہ مسلسل دو برسوں میں میری حکومت کی تیار کردہ فلموں کو سب سے اعلیٰ قومی انعام "سنہرا کنول" ملا۔

سماج کے کمزور طبقوں کو قانونی خدمات مفت فراہم کرنے کے لئے حکومت نے ایک اسکیم کو اپنایا ہے۔ اس اسکیم کو مقبول عام بنانے کیلئے قانونی امداد کیمپ اور قانونی امداد کانفرنس منعقد کی جاتی رہیں۔

حکومت کی انتظامیہ میں صلاحیت کو فروغ دینے کے لئے انتظامی اصلاحات کمیٹی کی سفارشات کو بتدریج روبہ عمل لانے کیلئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

عوام نے میری حکومت پر جو اعتماد کیا تھا، اس پر پورا اترنے کے لئے میری حکومت کوشش کر رہی ہے۔ ریاستی حکومت کے اختیارات محدود ہیں اور انہیں شدید مالی بندشوں کے تحت کام کرنا پڑتا ہے۔

میری حکومت کا یہ خیال ہے کہ مرکز۔ ریاست تعلقات کی موجودہ ساخت کی عائد کردہ بندشیں ریاست کی اندرونی انتظامیہ پر ناموافق اثر کر رہی ہیں۔ میری حکومت کو اس بات کا احساس ہے کہ عوامی حلقوں سے جتنے وسائل اکٹھا کئے جاتے ہیں، ان کا جتنا حصہ ریاستوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا

ہے وہ سنہ ۱۹۵۰ء میں ۵۵ فیصد کی سطح سے گھٹ کر حالیہ برسوں میں صرف ۳۰ فیصد کی سطح تک پہونچ گئی۔ دوسری طرف لوگوں کی ابھرتی ہوئی تمناؤں کے پیش نظر ریاستی حکومتوں پر دباؤ بڑھ گیا ہے کیوں کہ ریاستی حکومتیں تو لوگوں کے پاس ہی رہتی ہیں اور مرکزی حکومت لوگوں سے کہیں دور رہتی ہے۔

میری حکومت نے اس مسئلہ کی طرف توجہ مرکوز کرانے کے لئے حالیہ برسوں میں مسلسل مہم کا آغاز کیا ہے۔ ان مرکوز کوششوں کے جواب میں مرکزی حکومت نے اب مرکز۔ ریاست تعلقات پر نظر ثانی کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرنے پر راضی ہوئی ہے۔ اس کمیشن کی ساخت اور کارکردگی کی بابت میری حکومت اپنے خیالات کا اظہار کرنا نہیں چاہتی تاہم اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بہت سارے اہم ترین مسائل کی بابت اس کمیشن کے پاس تفصیلی میمورنڈم داخل کیا جائے۔

سنہ ۱۹۸۴-۸۵ء سے ریاست کے سالانہ پلان کے سائز کی بابت میری حکومت منصوبہ بندی کمیشن اور وزارت مالیات سے بات چیت کر رہی ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے قومی ترقیات کاؤنسل سے بھی بات چیت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اختتامیہ سے قبل میں ایک اور مسئلہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ عزت مآب ممبران ہماری ریاست میں خاص طور پر اضلاع میں قومیائے بنکوں کی غیر تشفی بخش کارکردگی سے واقف ہیں اس لئے میری حکومت نے اپنا ایک کاروباری بنک قائم کرنے کے لئے ریزرو بنک آف انڈیا کی منظوری حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ تین سال کا عرصہ گزر چکا لیکن بدقسمتی سے ریزرو بنک آف انڈیا سے کسی قسم کا مثبتی جواب نہیں ملا۔

میری حکومت کبھی بھی اس بات کو فراموش نہیں کر سکتی کہ چند غیر ملکی بنکوں کو ہمارے ملک میں بنک کے کام کاج کرنے کے لئے لائسنس فراہم کیا گیا ہے۔

عزت مآب ممبروں کو موجودہ سیشن میں ان تمام مسائل پر بحث ومباحثہ کرنے کا موقع ملے گا۔ میں دعاگو ہوں کہ آپ سب کامیابی سے ہمکنار ہوں ⁂

سرکاری خبریں

شیڈولڈ کاسٹ طلبار کیلئے ہاسپٹل کی سہولتیں

حکومت مغربی بنگال کے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی رفاہ کے شعبہ نے شیڈولڈ کاسٹ طلبار کی رہائش کے لئے وشنو داس پور دو بک بھارتی ہودیہ مندر سے ملحق ایک ہاسٹل کی عمارت کی تعمیر کے لئے ۴۰۰۰۰۰ روپے بطور غیر مکرر عطیہ دینے کی منظوری دی۔ امید کی جاتی ہے کہ اس رقم کی فراہمی کے بعد ایک سال کے اندر ہاسٹل کی عمارت کی تعمیر کا کام مکمل ہو جائے گا۔

قومی دیہی روزگار پروگرام کے کام کرنے کے ۲۱۰ لاکھ دن

مغربی بنگال میں قومی دیہی روزگار پروگرام کے تحت دیہی تالابوں کی کھدائی، اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر، دیہی سڑکوں کی بہتری، مٹی کے تحفظ، ٹیوب ویل بٹھانے وغیرہ جیسے ترقیاتی کام کئے گئے اور اس سلسلہ میں ۱۸٫۳۹ کروڑ روپے موجودہ مالی سال کے پہلے آٹھ مہینوں میں اس پروگرام کے تحت خرچ کئے گئے۔ اس عرصہ میں دیہی مغربی بنگال میں کام کرنے کے لئے ۲۱۰ لاکھ ۵۰ ہزار کام کرنے کے دن پیدا کئے گئے۔

اس پروگرام کے تحت روزگار کے جو مواقع پیدا کئے گئے ان میں سے شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے لوگوں کو علی الترتیب ۶۱٫۵۶ لاکھ اور ۱۹٫۳۹ لاکھ کام کے دن فراہم کئے گئے۔

ادھر بھی آ

یہ جہد و کشمکش یہ خروشِ جہاں بھی دیکھ
ادبار کی، سروں پہ گھنی بدلیاں بھی دیکھ
یہ توپ، یہ تفنگ، یہ تیغ و سناں بھی دیکھ
او کشتۂ نگارِ دل آرا ادھر بھی آ

آ، اور بگل کا نغمۂ "جاں آفریں" بھی سن
آ، بیکسوں کا نالۂ اندوہگیں بھی سن
آ، باغیوں کا زمزمۂ آتشیں بھی سن
او مستِ سازِ بربط و نغمہ ادھر بھی آ

تقدیر کچھ ہو، کاوشِ تدبیر بھی تو ہے
تخریب کے لباس میں تعمیر بھی تو ہے
ظلمات کے حجاب میں تنویر بھی تو ہے
آ منتظر ہے عشرتِ فردا ادھر بھی آ

●●

اسرار الحق مجاز

مغربی بنگال بجٹ برائے ۱۹۸۴-۸۵ء

★ سمہ کیلئے ۷۸ کروڑ روپئے کا منصوبہ ★ چھوٹی بچتوں میں اضافہ کرنے کیلئے مرکوز تحریک ★ ملک گیر افراطِ زر کا اثر مغربی بنگال پر بھی پڑا۔

ڈاکٹر اشوک مترا، وزیر مالیات، حکومت مغربی بنگال نے ۹ مارچ ۸۴ء کو مغربی بنگال اسمبلی میں بجٹ برائے ۱۹۸۴-۸۵ء پیش کیا۔ اپنی بجٹ تقریر میں انہوں نے مختلف میدانوں میں حکومت مغربی بنگال کی ترقی کا ذکر کیا۔ بجٹ تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

گزشتہ سال کی طرح، اس سال بھی عزت مآب ممبروں کو بجٹ کے کاغذات کے ساتھ ساتھ ایک ایک ریویو (معاشی جائزہ) کی کتاب بھی دی جا رہی ہے۔ جائزہ کی اس کتاب میں اس ریاست میں موجودہ اور گزشتہ مالی برسوں میں اس ریاست کی معاشی صورتحال کا کافی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ ہم سبھوں کے لئے یہ بڑی اچھی خبر ہے کہ اس صدی کی بدترین خشک سالی جس سے یہ ریاست ۱۹۸۲-۸۳ء میں دوچار ہوئی تھی، کے بعد اس ریاست کی زراعت نے نمایاں ترقی کی۔ موجودہ آثار کے مطابق، اس ریاست میں ۱۹۸۳-۸۴ء میں چاول کی پیداوار اتنی زیادہ ہوگی کہ یہ ریکارڈ قائم کرے گی۔ اناج کی مجموعی پیداوار دیگر برسوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوگی۔ اس کامیابی میں اچھی بارش کے ساتھ ساتھ محنت کش کسانوں کی، جنہیں حکومت نے مختلف اسکیموں کے تحت اچھے بیج، کھاد، جراثیم کش ادویہ اور کھیتی باڑی کرنے کے دیگر ضروری چیزیں فراہم کیں اور قرض کی سہولتیں بھی فراہم کیں، مشترکہ کوششوں اور چھوٹی اور بڑی آبپاشی اسکیموں کی توسیع نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں پنچایتوں کے کردار کی بھی تعریف کی جانی چاہئے نیز گزشتہ چند برسوں سے اس ریاست میں اصلاحات آراضی کے کئے گئے اقدامات نے بھی زرعی پیداوار کے اضافہ میں کافی مدد دی۔

معاشی جائزہ سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ غیر غذائی فصلوں کی پیداوار میں اصلاحات آراضی اور آبپاشی کے اقدامات سے کافی اچھا اثر پڑا۔ ربیع کی تمام اہم فصلوں اور موسم گرما کی فصلوں کے زیر کاشت علاقوں میں اضافہ کیا گیا اور اسکی وجہ سے مجموعی پیداوار میں اور فی ہیکٹر پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔

زراعت کی ترقی اور بہتری کا اچھا اثر ریاست کی معیشت کے دیگر شعبوں پر پڑا۔ اس کے نتیجے میں اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ سال رواں میں ریاست کی مجموعی آمدنی میں ۱۲ فیصد سے زیادہ اضافہ ہوگا اور فی کس آمدنی میں بھی ۱۰ فیصد سے زیادہ کا اضافہ ہوگا۔ عزت مآب ممبران یہ جان کر خوش ہوں گے کہ مغربی بنگال میں مجموعی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ قومی سطح پر اوسط اضافہ سے کہیں زیادہ ہے۔

اس ریاست کا صنعتی سیکٹر ایک ملی جلی تصویر پیش کرتا ہے۔ مجموعی طور پر سارے ملک میں صنعتی کارکردگی کی عام مایوس کن نوعیت اس تصویر سے عیاں ہو جاتی ہے، ہماری ریاست میں ایک دو خصوصی باتیں نمودار ہوئیں۔ پاٹ، چائے، کوئلہ، ریل کے ڈبے کی تعمیر وغیرہ جیسی روایتی صنعتوں کی گزشتہ سال اور سال رواں میں رفتار ترقی سست رہی ہے۔ اس کے برخلاف کئی ایک غیر روایتی

صنعتوں، مثلاً الکٹرونکس صنعت تیز تر ترقی کی راہ پر کھڑی ہے۔
بہت ساری روایتی صنعتیں جیسی پاٹ صنعت، جمود کے قریب ہیں ان کی معاشی بدحالی کی وجہ اکثر ان کی ملکیت اور کنٹرول کے ڈھانچے سے وابستہ ہے اور ان صنعتوں کو اسی وقت بچایا جا سکتا ہے جب مرکزی حکومت موجودہ یونٹوں کو قومیا لینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دے۔ دیگر معاملوں میں جمود کی وجہ وہ پالیسیاں ہیں جنہیں قومی سطح پر روبہ عمل لایا جاتا ہے۔
سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے لئے مرکزی منصوبہ کے سائز کو چھوٹا بنا دینے کے سلسلہ میں حالیہ فیصلہ سے، مثال کے طور پر یہ اثر ہوگا کہ مغربی بنگال میں قائم انجینئرنگ صنعتیں خاص طور پر ریلوں کے ڈبے تیار کرنے والی صنعت بری طرح متاثر ہوں گی۔ جیسا کہ ہم نے متعدد بار ذکر کیا ہے۔ کچے لوہے اور اسٹیل کے لئے کرایہ کی مساوات اور کوئلہ کے لئے حد سے زیادہ کرایہ کی شرح نافذ کرنے سے اس ریاست کی انجینئرنگ صنعت پر بہت ہی ناموافق اثر پڑا۔ مرکزی حکومت اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے کچے لوہے اور اسپات کیلئے مساوی کرایہ کے اصول کو بتدریج روبہ عمل لانے کا فیصلہ کیا لیکن اب تک اس فیصلہ کو روبہ عمل لانے کیلئے ٹھوس اقدامات نہیں کئے گئے اور اس طرح مشرقی ریاستی مشکلات میں کمی نہیں ہوتی۔ ہماری یہ درخواست ہے کہ جب تک حکومت اس فیصلہ کو روبہ عمل نہیں لاتی۔ اس وقت تک مغربی بنگال اور اس کے ساتھ ساتھ بہار اور اڑیسہ کو، ان کی معیشت میں ہونے والے نقصانات کو پورا کرنے کیلئے کافی معاوضہ دیا جاتے، لیکن ابھی تک مرکز نے اس سلسلہ میں مثبتی جواب نہیں دیا۔

دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی رفتار ترقی تشفی بخش ہے۔ گزشتہ برسوں میں اس ریاست میں ریاستی حکومت نے بہت سارے ترقیاتی اور ہمت افزا اقدامات کئے۔ ان کی وجہ سے ایسی صنعتوں کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔ چھوٹے پیمانے کی صنعتی یونٹوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، جیسا کہ معاشی جائزے میں درج ہے، پیداوار میں تشفی بخش طور پر اضافہ ہو رہا ہے اور اسکی وجہ سے مزید روزگار کے مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں۔ اس تخمینہ کے مطابق گزشتہ دو برسوں میں چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں میں تقریباً دو لاکھ افراد کو روزگار فراہم ہوا۔
سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں چھوٹی صنعت ترقیاتی ایجنسی قائم کی گئی۔ اس کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ ایسے پروجیکٹوں، جن کے سرمایہ میں دو لاکھ سے زیادہ روپے کی مالیت کی پلانٹس اور مشینیں ہوں گی، کے قیام کے لئے حسب ضروری سہولتیں فراہم کرنے کا انتظام رہے۔ آٹھ مہینوں کے عرصہ میں اس ایجنسی نے اپنی ذمہ داری کے تحت ۱۶۴ پروجیکٹوں کو منظور کیا۔ ان کے قیام کے لئے ۲۶ کروڑ روپے کے سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ اس رقم میں سے ۱۰ کروڑ روپے مالیاتی اداروں نے دینے کی اب تک منظوری دی ہے۔

تعمیراتی شعبہ میں گزشتہ دو برسوں میں، ترقیاتی سرگرمیاں تیز تر کر دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں قومی دیہی روزگار اور تکمیلی دیہی ترقیات پروگراموں کے تحت اقدامات کئے گئے، نیز شہری مزدوروں کی گنجائشوں سے وابستہ شہری ترقی کی خصوصی اسکیموں کے لئے ریاستی بجٹ میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ جہاں تک تکمیلی دیہی ترقیات پروگرام کا تعلق ہے، اس ریاست کو شروع شروع میں چند مشکلات کے تحت کام کرنا پڑا کیونکہ اتنی وسیع سماجی اہمیت کے پروگراموں میں قومیائے گئے بینک شرکت کرنے سے کتراتے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ پس و پیش ختم ہو گیا۔ ایک ابتدائی تخمینہ کے مطابق سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں دیہی علاقوں میں بہت سارے پروگراموں کو روبہ عمل لانے کی وجہ سے لگ بھگ ۲۵۰۰۰ افراد کے لئے نئے روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے۔ موجودہ سال کے دوران تقریباً ۵۰ فیصد زیادہ افراد کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

عزت مآب ممبروں کے لئے یہ بات کافی تشفی بخش ہوگی کہ ہماری ریاست میں دیہی اور شہری دونوں علاقوں میں اجرت کی شرحوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ زیادہ تر اضلاع میں موجودہ مالی سال میں اپریل تا اگست کے مہینوں میں بھی، جب زرعی سرگرمیاں مقابلتاً دھیمی پڑ جاتی ہیں، کھیت مزدوروں کی اجرتوں کی شرحوں میں

اضافہ کردیا گیا۔ شہری شعبہ میں مالی اجرتوں میں اضافے سے بڑھتے ہوئے اخراجات کا کچھ حد تک مقابلہ کیا جاسکا۔

ہمیں کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ ملک گیر افراطِ زر سے مغربی بنگال بری طرح متاثر نہیں ہو رہا ہے۔ گزشتہ بلدہ مہینوں میں تھوک فروشی کی قیمت کے اشاریہ میں اضافہ، ایک جدید تخمینہ کے مطابق، ۱۱ فیصد ہے اور خردہ قیمتوں میں اور بالخصوص زندگی کے عام اخراجات کی شرحوں میں اس سے زیادہ اضافہ ہوا۔ اس سے بھی زیادہ پریشان کن بات یہ ہے کہ اس سال سارے ملک میں اچھی فصل کا قیمتوں کی شرح پر عملی طور پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ ان کی قیمتوں میں اضافہ کی وجوہ سے سبھی واقف ہیں۔ گزشتہ چار برسوں سے مرکزی حکومت نے کوئلہ، لوہا اور اسٹیل، المونیم، پیٹرولیم مصنوعات، کھانے کا تیل وغیرہ جیسی اہم چیزوں کی انتظامی قیمتوں میں باربار اضافہ کیا۔ اس نے حال ہی میں تھوک چاول اور گیہوں کی قیمتوں میں اور کارخانہ کے بار چینی کی قیمت میں اضافہ کردیا۔ آبکاری میں وقتاً فوقتاً اضافہ سے عام کپڑے، ماچس، صابن وغیرہ کی قیمتوں پر ناموافق اثر پڑتا ہے۔

بینکوں سے روپے پیسوں کی سپلائی میں توسیع اور تجارتی حلقوں کے حق میں قرض کی فراہمی کی پالیسی نے قیمتوں میں مزید اضافہ کردیا۔ اعلیٰ ترین طبقوں میں معاشی جرم کی اجازت اور پوشیدہ اقدامات سے کالے دھن کا اضافہ ہوا اور اس طرح افراطِ زر کی چنگاری کو اس نے دہکتی آگ میں تبدیل کردیا۔ ہمارے انتباہ کے باوجود مرکزی حکومت نے ۱۹۸۱ء میں انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ سے قرض لینے کا معاہدہ کیا اور اس عظیم قرض سے وابستہ شرائط نے صورت حال کو اور بھی ابتر بنا دیا۔ اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس قرض کی آخری قسط نہ اٹھائی جائے، لیکن اب تک اس قرض سے معیشت کو کافی نقصان پہونچ چکا ہے۔

اگر ایک بار ضروری چیزوں اور خام اشیاء کی قیمتوں میں قصداً اضافہ کیا جاتا ہے تو یہ قیمتوں میں عام اضافہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور تمام قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اگر مرکزی حکومت افراطِ زر کو فروغ دینے کی پالیسی کو روبہ عمل لاتی ہے تو ایک ریاستی حکومت اس کی روک تھام کے لئے اپنے طور پر کچھ نہیں کرسکتی۔ اس کے باوجود ریاستی حکومت نے حالیہ برسوں میں عوامی نظام تقسیم کو اور بھی مستحکم بناکر اور اس کے کام کاج میں بہتری لاکر بلا روک ٹوک قیمتوں میں اضافہ کے خلاف لوگوں کو کچھ امداد فراہم کرنے کیلئے اپنی صلاحیت اور اختیارات کی حدود میں رہتے ہوئے حتی الامکان کوششیں کیں۔ فنڈ کی فراہمی کے پیش نظر اس نے روشن اور مناسب قیمتوں کی دکانوں سے فروخت کی جانے والی ضروری چیزوں کی قیمتوں کے سلسلہ میں رعایت دینے کا انتظام کیا۔ ۱۹۸۳ء میں عام نظام تقسیم کے ذریعہ ۲۹ر۳ لاکھ ٹن اناج سپلائی کیا گیا۔ اس سمت ہم لوگ اپنی کوششوں کو جاری رکھنے کے خواہاں ہیں۔

جیسا کہ عزت مآب ممبران واقف ہیں، ۱۹۶۷ء سے ہی ریاستی حکومت مرکزی حکومت سے پُرزور اپیل کررہی ہے کہ سارے ملک میں عوامی نظام تقسیم کو خاطر خواہ حد تک پھیلا دیا جائے اور سارے ملک میں بارہ تا چودہ مصارف کی ضروری چیزوں اور صنعتی استعمال کی چیزیں ایک جیسی قیمت پر فراہم ہوں۔ ہم لوگوں نے جن چیزوں کی بابت سفارش کی ہے ان میں اہم اناج، کھانے کا تیل، چینی، نمک، عام کپڑے، کراسن تیل، کاغذ، ماچس وغیرہ شامل ہیں۔ نیز ایسی چیزیں نہ صرف ایک جیسی قیمتوں پر سپلائی کی جائیں بلکہ امدادی قیمتوں میں، جو موجودہ بازاری قیمتوں سے کم ہیں، سپلائی کی جائیں۔ اس مقصد کے لئے ہم لوگوں نے ۱۰۰ کروڑ روپے بطور امداد مختص کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ چونکہ مرکزی حکومت ہر سال بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کو بطور امداد دینے کیلئے کافی زیادہ رقوم کی گنجائش رکھتی ہے، اس لئے غریب اور متوسط درجہ کے لوگوں کو کچھ امداد اور سہولت فراہم کرنے کیلئے اتنی چھوٹی سی رقم نامناسب نہیں ہے۔ ریاستی حکومت کے زیر اہتمام کلکتہ میں وزرائے اعلیٰ اور سیاسی پارٹیوں کی حالیہ کانفرنس نے بھی اس تجویز کی تائید کی۔

بلاشبہ قیمت کی صورتحال تشویشناک ہے ہم لوگوں کو

قومی معیشت کی عام صورتحال سے کافی تشویش لاحق ہوگئی ہے۔ پالیسی کی موجودہ پریشان کن حالت سے معاشی سرگرمیوں پر منفی اثر پڑا۔ دوسری طرف سست رفتار معاشی ترقی بذات خود سیاسی ناآسودگی کو فروغ دیتی ہے۔ ہماری قوم کو درپیش اہم مسائل ملک کے مختلف علاقوں کے درمیان ترقی کی نامساوی نوعیت امیر اور غریبوں کے درمیان نابرابری کا فروغ اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری ہیں۔

تیس سے زیادہ برسوں سے منصوبہ بندی کے باوجود معاشی ترقی کی قومی شرح میں اضافہ نہ ہوا اور مشرقی ریاستوں کی رفتار ترقی اوسط قومی رفتار سے مسلسل کم ہوتی جا رہی ہے جبکہ زرعی پیداوار میں اضافہ کی شرح سالانہ ۴ر۲ فیصد کی سطح سے اوپر نہ اٹھ سکی، صنعتی افزائش کی شرح ۱۹۵۰ء یا ۱۹۶۰ء کے شروع کے عرصہ کے مقابلے میں نصف ہوگئی۔ صنعتی شعبہ میں افزائش میں تنزلی کے شکار تمام مشرقی علاقے مع مغربی بنگال ہوئے۔

یہ بات نہیں کہ ایسی مایوس کن معاشی کارگزاری کے لئے ذمہ دار ڈھانچہ اور دیگر باتوں سے لوگ ناواقف ہیں ملک کے زیادہ تر علاقوں میں اصلاحات آراضی کے اقدامات کو پس پردہ ڈال دیا گیا۔ اس طرح کاشتکاری میں پیداواری طاقتوں کو بروئے کار لانے سے روکے رکھا گیا۔ آبپاشی کی جتنی بھی سہولتیں فراہم کی گئیں، انہیں زرعی آبادی کے بااثر لوگوں کے استعمال کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ آمدنی اور اثاثے کی ازسرنو تقسیم کے اقدامات کو روبہ عمل لانے میں پس و پیش سے صنعتی مصنوعات یا کھیتی باڑی کی پیداوار کے لئے موثر گھریلو بازار قائم نہیں کئے جا سکے۔ عوام کی اکثریت کی قوت خرید محدود ہے۔ بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے اب لوگوں کو لازمی چیزوں کی خریداری پر زیادہ خرچ کرنا پڑ رہا ہے، اسکی وجہ سے صنعتی مصنوعات کی فروخت کافی کم ہوگئی۔ اچھے گھریلو بازار کے بادل کے طور پر برآمدات کو فروغ دینے کیلئے اکا دکا کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ یہ تو صرف سوشلسٹ ممالک ہیں جو ہندوستان کی تیار کردہ مصنوعات کو مناسب قیمتوں پر خریدنے کے خواہاں ہیں۔ زیادہ تر مغربی ممالک نے ہندوستان کی مصنوعات کو اپنے بازاروں میں آنے کی اجازت نہیں دی۔

افسوس کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ قومی منصوبہ بندی حکام، اب معلوم ہوتا ہے، ان باتوں سے ناواقف ہیں اور ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی تجویز نہیں ہے۔

براہ راست مرکزی حکومت کی طرف سے یا عوامی مالیاتی اداروں کی طرف سے یا کاروباری بینکوں کی طرف سے فراہم کردہ سرمایہ میں بین علاقائی اور بین۔ ریاستی تفریق کی طرف ہم نے بار بار مرکز کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ عزت مآب ممبران ان بنیادی حقائق سے واقف ہیں، انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ہماری ریاست میں ملک کی کل آبادی کے ۸ فی صد لوگ آباد ہیں۔ اس کے باوجود اہم عوامی مالیاتی اداروں نے، جیسے ہندوستان کا صنعتی ترقیاتی بنک، ہندوستان کا صنعتی مالیات کارپوریشن، ہندوستان کا زندگی بیمہ کارپوریشن، حالیہ برسوں میں ہماری ریاست کے لئے اپنے کل سرمایہ کا ۴ فیصد یا اس سے کم حصہ الاٹ کیا۔ بنکوں کے قرض۔ جمع تناسب تامل ناڈو کیلئے ۹۵ فیصد، مہاراشٹر کے لئے ۸۰ فیصد اور کرناٹک اور آندھرا پردیش دونوں کے لئے ۷۵ فیصد ہے جبکہ ہماری ریاست کے لئے یہ ۶۰ فیصد ہے۔ اگر ہم کلکتہ کو باہر رکھیں تو اس ریاست کے باقی علاقوں کے لئے قرض۔ جمع تناسب ۲۵ فیصد سے بھی کم ہو جاتا ہے۔

اعلان کردہ اشیاء کی فہرست میں کوئلہ اور لوہا اور اسپات کو شامل کرنے کی بابت مرکزی حکومت کے فیصلے کی وجہ سے ہم لوگ ان چیزوں پر ۴ فیصد سے زیادہ شرح پر سیلس ٹیکس عائد نہیں کر سکتے۔ دو اور اہم صنعتی پیداوار، پاٹ اور چائے برآمد کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان پر ہم سیلس ٹیکس عائد نہیں کر سکتے۔ دستور کی ۴۶ ویں ترمیم نے بین ریاستی پیداوار کی منتقلی پر سیلس ٹیکس عائد کرنے کی دشواریوں کو دور کر دیا لیکن جب تک مرکزی حکومت نے اس ٹیکس کے نفاذ کے لئے دفعہ ۲۶۹ کے تحت حسب ضرورت قانون پاس نہیں کرے گی اس وقت تک ریاستیں اس قانون سے مستفید نہ ہو سکیں گی اور نہ ہم اس حقیقت کو فراموش کر

سکتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۵ء تک کی دہائی میں جہاں سارے ملک میں صنعتی پیداوار میں ۷۰ فیصد اضافہ ہوا وہاں ہماری ریاست میں ۷۰ فیصد کی کمی ہوئی۔ اسی طرح اس عرصہ میں جہاں سارے ملک میں بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت دو گنی ہوگئی وہاں مغربی بنگال میں بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت میں ایک میگاواٹ کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ اس ریاست کو صنعتی افزائش کی سست رفتاری پر قابو پانا ہے کیوں کہ اسکی وجہ سے محاصل کی بنیاد بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

ان تمام اہم دشواریوں کے باوجود حالیہ برسوں میں ریاستی حکومت نے جو مزید وسائل اکٹھا کئے ہیں وہ سارے ملک میں سب سے زیادہ ہیں۔ یہ بات بھی باعث تشفی ہے کہ ریزرو بنک آف انڈیا کے حالیہ جائزے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں کل اخراجات کے تناسب کے لحاظ سے ترقیاتی اخراجات مغربی بنگال میں کافی زیادہ ہیں۔ اگر ہم خود کو منصوبہ پر اخراجات تک محدود رکھیں تو اخراجات گزشتہ چھ سال میں یعنی ۱۹۷۷-۷۸ء سے ۱۹۸۲-۸۳ء تک کے عرصے میں اس کے قبل کے عرصہ یعنی ۱۹۷۱-۷۲ء سے ۱۹۷۶-۷۷ء تک کے مقابلہ میں تقریباً تین گنا ہو گئے۔ ۱۹۷۸-۷۹ء سے کل اخراجات میں منصوبہ بند اخراجات کا تناسب کافی بڑھ گیا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ریاستوں کے درمیان مغربی بنگال کے لئے مرکز کی فی کس منصوبہ بند امداد سب سے کم ہے اور تیسرے پنج سالہ منصوبہ کے عرصہ سے امداد میں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ مغربی بنگال کے منصوبہ بند اخراجات میں اضافہ قابل ستائش بات ہے۔

اس کے باوجود یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مسائل جن سے ہم دوچار ہیں اتنے عظیم اور وسیع ہیں کہ انہیں حل کرنے کے لئے ہماری ریاست میں منصوبہ بند اور غیر منصوبہ بند ترقیاتی سرگرمیوں کو اور بھی وسیع بنانا ہے۔ ہمیں نہ صرف مغربی بنگال کے لئے بلکہ پڑوس کی ریاستوں کے لئے سرمایہ کاری کے ایک وسیع پروگرام کی ضرورت ہے۔ ہمیں بھی ان ریاستوں میں معاشی سست رفتاری اور بے روزگاری کا کچھ بوجھ برداشت کرنا پڑے گا۔

اگر عظیم ہندوستانی قوم کی صحت اور یکجہتی کو برقرار رکھنا ہے اور ان کی حفاظت کرنی ہے تو ہمیں مشرقی علاقہ میں معاشی ترقی کے امکانات کو بہتر بنانے کے لئے اپنی کوششوں میں کمی نہیں کرنی چاہئے۔ افزائش کی کمی اور مناسب سائز کے منصوبہ کے اخراجات میں کمی سے موقعہ پرستوں اور انتشار پھیلانے والوں کو ہی فائدہ پہونچے گا۔

جب تک کہ ہندوستانی معیشت کو از سر نو ڈھانچہ میں ڈھالا نہ جائے اس وقت تک مشرقی علاقہ بشمول مغربی بنگال، میں لوگوں کو محدود امداد فراہم کرنے کے لئے، ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے بہت ہی ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں۔ سب سے پہلے مختلف معاشی پالیسیوں کا جائزہ لینا چاہئے جن سے مشرقی ریاستوں کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے اور جنہوں نے ملک کی معتدل معاشی کامیابی میں ان ریاستوں کو اپنے جائز حقوق حاصل کرنے سے محروم رکھا ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمام عوام مالیاتی اداروں اور بنکوں کو اس بات کی ہدایات دی جانی چاہئیں کہ مشرقی علاقوں کے خلاف سرمایہ کاری اور ایڈوانس کے دھارے کو روک دیں، کیوں کہ مشرقی ریاستوں میں ترقیاتی اقدامات کے اخراجات فراہم کرنے کے سلسلے میں ان پر بھی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ مرکزی حکومت کو اپنے طور پر مشرقی ریاستوں بشمول مغربی بنگال میں وسیع سرمایہ کاری کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں۔ آخر میں منصوبہ بندی کمیشن کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان ریاستوں کے لئے منصوبہ بند اخراجات اور ترقیاتی اخراجات میں کافی اضافہ کیا جائے اور اگر ضرورت ہوئی تو وسائل کی منتقلی کے لئے خصوصی اقدامات کے ذریعہ ایسا کیا جائے۔ اس کمیشن کو اس نظریہ سے اتفاق کرنے کی درخواست کی جانی چاہئے کہ اگر ترقیاتی سرگرمیوں پر اخراجات میں کمی ہو جائے تو غیر ترقیاتی مقاصد کے لئے زیادہ خرچ کرنے کا دباؤ اسی حساب سے بڑھ جائے گا۔

اس سلسلے میں عظیم قرض کی ادائیگی کا ذکر کروں گا، اس بوجھ کو مغربی بنگال کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور اسکی وجہ سے

ترقیاتی اخراجات پر ہم زیادہ خرچ نہیں کر سکتے۔ معاشی جائزہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ ریزرو بنک آف انڈیا کے حاصل کردہ اعداد و شمار کی بنیاد پر تمام ریاستوں کے لئے گزشتہ قرضوں کی ادائیگی کا بوجھ مجموعی طور پر سرمایہ کا ۹۰ فیصد ہوتا ہے لیکن مغربی بنگال کے سلسلہ میں یہ بوجھ ۳۵ فیصد ہے۔

میں یہاں اس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ہملوگوں نے سرکاری سیکٹر میں ایک کاروباری (کمرشیل) بنک چالو کرنے کے سلسلے میں ایک لائسنس کے لئے ریزرو بنک آف انڈیا سے درخواست کی تھی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تین سال تک انتظار کرنے کے بعد بھی ابھی تک ریزرو بنک کی طرف سے ہمیں مثبتی جواب نہیں ملا۔ اگر موجودہ بنک مغربی بنگال میں قرض اور ایڈوانس کی فراہمی کے لئے مثبتی رویہ اختیار کرتے تو ریاستی سیکٹر کو ایسے بنک کے قیام کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ کاروباری بنکوں کی کارکردگی، جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، اس سلسلہ میں بہت مایوس کن ہے اور ہماری ریاست میں چند اضلاع ایسے ہیں جہاں ان بنکوں میں قرض۔ جمع کا اشاریہ صرف ۱۵ فیصد ہے۔ یہ بات بھی یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ مغربی بنگال میں بنکوں کے قرضوں کی واپسی کی شرح قومی اوسط کے مقابلہ بہت ہی کم ہے۔ ہر حال حالیہ برسوں میں، ریاستی حکومت کی کوششوں کی وجہ سے، قرض کی واپسی کی صورتحال میں کافی بہتری ہوتی۔ بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ اس عرصہ میں، جب ریزرو بنک آف انڈیا نے ہم لوگوں کو منتظر رکھا، اس نے کئی غیر ملکی پرائیویٹ بنکوں کے نام نئے لائسنس جاری کر دیئے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیسے اس ریاست کے عوام سے حاصل کردہ فرمان کے تحت حکومت مغربی بنگال نے اپنے زیر انتظام ایک بنک کھولنے کے لئے درخواست داخل کی تھی، لیکن کیوں اس سلسلہ میں ریاستی حکومت سے امتیاز برتا گیا اور اسکی جگہ غیر ملکی مفاد پرستوں کے زیر ملکیت اور زیر انتظام بنکوں کو ترجیح دی گئی۔

یہ حقیقت ہے کہ موجودہ ادارہ جاتی ڈھانچہ کے اندر مرکز۔ ریاست تعلقات کی از سر نو ترتیب سے ریاست کی مالیات پر دباؤ میں کمی ہو سکتی ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے ہم لوگ اس مسئلہ کی بابت مسلسل مہم چلا رہے ہیں۔ میں آپ کے سامنے ایک چھوٹی سی مثال پیش کروں گا جس سے موجودہ نظام کی غیر مساوی نوعیت عیاں ہو جائے گی۔ چھ برسوں یعنی ۱۹۷۶-۷۷ء سے ۱۹۸۱-۸۲ء تک کے عرصے میں مغربی بنگال سے انکم ٹیکس، کارپوریشن ٹیکس اور مرکزی چنگی کے ذریعہ ۴۹۵۲ر۰۴ کروڑ روپئے وصول ہوتے اور اس منقسم رقوم سے ہملوگوں کو صرف ۱۵۲۳ر۲۷ کروڑ روپئے ملے۔ یہ بات باعث تشفی ہے کہ ہماری مہم کے استدلال کو مرکزی حکومت نے تسلیم کر لیا اور اس نے مرکز۔ ریاست تعلقات پر ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن کی حیثیت اور کام کاج کی بابت ہمارے خیالات مختلف ہیں تاہم ہم اس سلسلہ میں ایک تفصیلی میمورنڈم پیش کریں گے۔

یہ بات باعث تسکین ہے کہ کارپوریشن ٹیکس کو منقسم مشترکہ سرمایہ میں ضم کرنے، سرچارج کو آمدنی ٹیکس میں ضم کرنے، بنکوں کے کردار، انتظامی قیمتوں اور آبکاری کی مزید چنگی کی اسکیم کی بابت ہمارے خیالات سے بہت ساری ریاستی حکومتیں اتفاق کرتی ہیں۔ وزرائے اعلیٰ کی حالیہ کانفرنس میں بہت ساری ریاستی حکومتوں نے جن میں وہ اصحاب بھی شامل ہیں جن کے سیاسی خیالات ہمارے خیالات سے بالکل مختلف ہیں، متعدد دیسی چیزوں پر آبکاری کی مزید چنگی عائد کرنے کی اسکیم کی تجویز کی مخالفت کی۔ ان باتوں سے اب یہ امید کی جا سکتی ہے کہ عنقریب مستقبل میں اس سلسلہ میں انتظامات کئے جائیں گے کہ اکٹھا کئے گئے مجموعی وسائل کا زیادہ حصہ ریاستوں کو ملے۔

دریں اثنا ہم اپنے موجودہ فراہم وسائل پر مبنی ریاست کی ترقی کو فروغ دینے کے لئے انتہائی حد تک کوشش کرتے رہیں گے۔ یہ آسان کام نہیں، کیوں کہ ان مسائل جن کا میں ذکر کر چکا ہوں، کے علاوہ بڑھتی ہوئی قیمتیں بھی ریاستی حکومت کی مالیات پر اثر انداز ہوں گی۔ جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں حالیہ برسوں

میں ہمارے وسائل پر دباؤ کافی بڑھ گیا ہے۔ ہمیں اس بات سے مسرت حاصل ہوئی ہے کہ آٹھویں مالیاتی کمیشن نے اپنی عارضی رپورٹ میں ریاستی حکومت کی مالیات کو ناموافق طور پر متاثر کرنے والے شدید ڈھانچہ جاتی مسائل کا ذکر کیا ہے اور دستور کی دفعہ ۲۷۵ کے تحت ہم لوگوں کے لئے خصوصی عطیات بطور امداد دینے کی سفارش کی ہے۔ گرچہ عارضی رپورٹ میں اس مقصد کے لئے تھوڑی بہت گنجائش رکھی گئی ہے، ہمیں امید ہے کہ کمیشن اپنی آخری رپورٹ میں ہماری مشکلات کا تفصیل سے ذکر کرے گا۔ ہم لوگوں نے کمیشن کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ۸۴-۸۹ء کے عرصہ میں ریاستی حکومت کے وسائل میں غیر منصوبہ بند اخراجات کے لئے مجموعی طور پر ۹۰۰ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ اس لئے کمیشن کی سفارشات ایسی ہونی چاہئے کہ اس کمی کا زیادہ تر حصہ پُر ہو جائے۔

کمیشن کی آخری رپورٹ کی اشاعت میں تاخیر ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں ۱۹۸۴-۸۵ء کے لئے بجٹ تجاویز مرتب کرنے میں ہمیں ذرا دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ منصوبہ بندی کمیشن سے کئی بار گفت و شنید کرنے کے باوجود ہم لوگ ریاست کے سالانہ منصوبہ کے سائز کی بابت متفق نہ ہو سکے اور اب ہم لوگوں نے چند بنیادی مسائل پر بحث و مباحثہ کرنے کے لئے قومی ترقیاتی کاؤنسل سے بات چیت کرنے کی کوشش کی ہے۔ منصوبہ کو آخری شکل دینے میں ناکامی کی ایک وجہ مالیات کمیشن کی رپورٹ کی غیر دستیابی ہے۔ ان تجاویز میں جنھیں آج ہم عزت مآب ممبروں کے سامنے پیش کر رہے ہیں، ہم نے ایک منصوبہ کی بنیاد پر ۸۴-۸۵ء کے لئے ۷۴۸ کروڑ روپئے کا تخمینہ کیا ہے۔ ہمارے منصوبہ کے سائز کی بابت قومی ترقیاتی کونسل کے فیصلے کے بعد ہم اپنے مصارف کے صحیح تخمینہ کو ٹھیک کر لیں گے۔ ۷۹-۸۰ء میں اس طریقہ کار کو روبہ عمل لایا گیا تھا۔

منصوبہ کے اخراجات کے علاوہ بجٹ میں منصوبہ کے باہر کے اقدامات پر اخراجات کے لئے ۱۷۸۵ر۸۰ کروڑ روپئے اور ریاستی حکومت کے دیگر ضروری فرائض، مع گزشتہ قرضوں کو واپس دینے، کو پورا کرنے کے لئے ۱۱۷ر۸۱ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ان میں سے ہر تخمینہ میں مالیاتی کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں کچھ تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں۔

بجٹ تخمینہ کی ایک اور خصوصیت کی طرف میں عزت مآب ممبروں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ دستور کے تحت کوئی ریاستی حکومت یا کسی ایجنسی کو مرکزی حکومت کی اجازت حاصل کئے بغیر عوام سے ادھار لینے کے پروگرام کو جاری رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن آزادی کے فوراً بعد کے عرصہ میں عوامی قرض سے حاصل کردہ رقوم میں دو تہائی رقم ریاستوں کے درمیان تقسیم کر دی جاتی تھی۔ بدقسمتی سے مرکزی حکومت کے ہاتھ میں وسائل اور اختیارات کی بڑھتی ہوئی مرکزیت کی وجہ سے اب اس عمل میں آہستہ آہستہ مکمل تبدیلی لائی گئی۔ عوامی قرض سے مجموعی طور پر جتنی رقم حاصل ہوتی ہے، اس کا صرف دس فیصد ریاستوں کو دیا جاتا ہے اور مرکز اپنے لئے ۹۰ فی صد رقم رکھ لیتی ہے۔ حکومت مغربی بنگال، ساتھ ہی دیگر ریاستی حکومتیں، بلا لحاظ سیاسی خیالات اس طریقہ کار کو بالکل تبدیل کر دینے کے لئے مہم چلا رہی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مالیاتی کمیشن اس سلسلہ میں اپنی سفارشات پیش کرے گی۔ دریں اثنا ہم لوگوں نے مالیاتی اداروں سے بات چیت کرنے کے بعد قرض اور عوامی قرض میں ہمارے اپنے حصص کے طور پر ۱۹۰ کروڑ روپئے کے قرض لئے۔

میرے رفقاء کار جب وہ اپنے اپنے شعبہ کے لئے گرانٹس کیلئے اپنے مطالبات پیش کریں گے تو اس وقت آپ لوگوں کے سامنے مختلف نئے پروجیکٹوں اور اسکیموں کی تفاصیل پیش کریں گے، جنہیں وہ آئندہ مالی سال میں پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ میں صرف ایک یا دو تجاویز کا ذکر کروں گا کیوں کہ ان کے لئے خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

عزت مآب ممبروں کو یہ بات یاد ہوگی کہ ۷۸-۷۹ء میں ہم لوگوں نے اس ریاست میں بے روزگاری امداد اسکیم رائج کی تھی۔ دستور کی دفعہ ۴۱ کے تحت ایسا کیا گیا تھا۔ اس دفعہ میں

اس بات کا ذکر ہے کہ بے روزگاری، ضعیفی، بیماری اور معذوری کے معاملوں میں عوامی امداد کے حق کی حصولیابی کے لئے ریاست مناسب گنجائش رکھے گی۔ اس ملک میں ایسی اسکیموں کو سب سے پہلے ہماری ریاستی حکومت نے رائج کیا۔ اب دیگر ریاستیں بھی ہماری اس مثال کی تقلید کر رہی ہیں۔ چونکہ بے روزگاری امداد کی گنجائش ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصولوں کا تکمیلی جزو ہے اس لئے ہم نے اس بات کی امید کی تھی کہ مرکزی حکومت اس الاونس پر جو خرچ ہوگا اس کا نصف برداشت کرے گی لیکن مرکز نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ نہایت ہی نامناسب بات ہے کہ بے روزگاری امداد فراہم کرنے کا پورا بوجھ ہم لوگوں پر لاد دیا گیا۔ ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ۱۹۸۴-۸۵ء سے خود روزگار کو فروغ دینے کے لئے بنک سیکٹر کے پروگرام کے ساتھ اس اسکیم کو شامل کر دیں۔ اس اسکیم کے تحت آئندہ مالی سال میں جو لوگ امداد پانے کے مستحق ہو جائیں گے، انہیں بنیادی سرمایہ کے طور پر مالی امداد فراہم کی جائیگی تاکہ وہ مختلف خود۔ روزگار پروجیکٹوں کے لئے بنکوں سے آسانی سے قرض حاصل کر سکیں۔ اس اسکیم سے امداد پانے والے تمام افراد کو زیادہ فنڈ حاصل کرنے میں کافی سہولتیں فراہم ہوں گی اور ساتھ ہی اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ انہیں پیشہ یا تجارت میں کامیابی حاصل ہو۔

اس اسکیم کے تحت جو افراد ۱۹۸۲-۸۳ء اور ۱۹۸۳-۸۴ء میں امداد پانے کے مستحق ہو گئے ہیں، انہیں موجودہ انتظامات کے تحت بھتہ دیا جائے گا لیکن انہیں یہ موقع فراہم کیا جائے گا کہ وہ نئی اسکیم کو اپنا لیں اور بنک سے مالی رقوم حاصل کرنے کیلئے اپنے سالانہ بے روزگاری بھتہ کو زر ضمانت کے طور پر استعمال کریں۔

مجھے ایک اور بات کا اعلان کرنا ہے۔ ۱۹۷۷ء سے ریاستی حکومت کے دفاتر میں ان لوگوں سے نئی بھرتی کی جاتی ہے جن کے نام روزگار کے دفاتر میں درج ہیں۔ قانونی دشواریوں کی وجہ سے ہم لوگ پرائیوٹ اداروں کے لئے ایسی ہی پالیسی کو نافذ نہ کر سکے۔ اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ آئندہ مالی سال کے شروع سے ہی ریاستی حکومت سے یا ریاستی حکومت کے اداروں سے متحرک اسکیموں کے تحت قرض یا عطیات، ٹیکس میں رعایت یا دیگر خصوصی سہولت پانے کے مستحق ہونے کیلئے ایک یونٹ کو اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کرنا ہوگا کہ بعض عہدوں کے لئے نئی بھرتی ان لوگوں سے کی جائے گی، جن کے نام تبادلۂ روزگار کے دفاتر میں درج ہیں اور اس سلسلہ میں ان لوگوں کو ترجیح دی جائیگی، جن کے نام مسلسل پانچ سال سے زیادہ عرصہ سے تبادلۂ روزگار کے دفاتر میں درج ہیں۔

میں عزت مآب ممبروں کے سامنے ایک اور بات کا ذکر کروں گا اور وہ یہ ہے۔ ہماری ایک تجویز ہے کہ کتنی ایک لازمی چیزوں کی عوامی تقسیم کے لئے امداد فراہم کرنے کے سلسلہ میں مزید گنجائش رکھی جائے۔ اس سے عوامی تقسیم کے نظام کو مستحکم بنانے اور اسکی توسیع کرنے میں ہماری مسلسل کوششوں میں مدد ملے گی۔ اس نظام کی وجہ سے ابھی بھی سارے ملک میں تمام بڑی صنعتی ریاستوں میں معیار زندگی کے اخراجات مغربی بنگال میں سب سے کم ہیں۔

اب میں ایک اور پروگرام کا ذکر کروں گا۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ عورتوں کے روزگار اور اجرتوں میں بہتری لانے کیلئے ۱۹۸۴-۸۵ء کے دوران ایک اسکیم کو بروئے کار لایا جائے۔ ترقی کے لئے وسائل پیدا کرنے کے سلسلہ میں چھوٹی بچتیں کافی اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ ایسی بچتوں کی دو تہائی رقم مرکزی حکومت ہمیں لمبے عرصہ کے قرض کے طور پر فراہم کرتی ہے۔ مغربی بنگال نے گزشتہ چند برسوں میں چھوٹی بچت کے تحت رقوم اکٹھا کرنے میں کافی کامیابی حاصل کی ہے، اور اس میدان میں اس کا شمار اہم ریاستوں میں ہوتا ہے۔ ہمارا یہ ارادہ ہے کہ ۱۹۸۴-۸۵ء کے دوران چھوٹی بچت میں اضافہ کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر مرکوز مہم چلائی جائے۔ اس مقصد کے لئے بے روزگار عورتوں اور گھر ہستنیوں کو اس مہم میں شرکت کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ اس کام کے لئے جتنی عورتوں کی خدمات فراہم ہوں گی انہیں مختلف اضلاع اور کلکتہ میں تقسیم کر دیا

جائے گا۔ ایک بار اس مہم میں سرعت پیدا ہو جانے کے بعد ہر
عورت ہر ماہ چھوٹی بچت کے تحت اچھی خاصی رقم کما سکے گی۔ مجھے
امید ہے کہ ایسی مہم جعلی سرمایہ کاری کے جال میں سیدھے
سادے لوگوں کو پھانسنے کے لئے بے ایمان لوگوں کی مکروہ کوششوں
کا موثر تریاق ہے۔ مجھے امید ہے کہ عزت مآب ممبران اس حوصلہ
مند پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرانے میں ہماری مدد کریں گے۔

عزت مآب ممبران ہمارے اس پروگرام سے واقف
ہیں کہ ہم نے اس بات کی کوششیں کی ہیں کہ کم سے کم مدت میں
گاؤں میں پینے کے پانی کی سپلائی کا انتظام کیا جائے اور ہر
گاؤں میں پینے کے پانی کا کم از کم ایک منبع قائم کیا جائے۔

سال رواں میں اس پروگرام کے لئے ۹ء۶ کروڑ روپئے
مختص کئے گئے تھے۔ ہماری شدید مالی دشواریوں کے باوجود ہم نے
یہ فیصلہ کیا کہ اس کام کے لئے مخصوص رقم کو بڑھا کر ۹ء۹ کروڑ
روپئے کر دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں اس بات کی امید کی جا سکتی
ہے کہ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۴۰۴۲ گاؤں کو پینے کے پانی کی مزید سہولتیں
فراہم ہوں گی۔ ہر گاؤں میں پینے کے پانی کا ایک منبع فراہم کیا جائے
گا۔ سنہ ۸۵-۸۴ء کیلئے ہمارا نشانہ اور بھی زیادہ ہے۔ اس کے تحت
۱۶ء۵ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے اور مزید ۴۰۰۰
گاؤں کو پینے کے پانی کی سپلائی کے لئے ضروری سہولتیں
فراہم ہوں گی۔

شہری علاقوں میں بھی پانی کی سپلائی کے لئے
ہمارے اسی طرح کے پروگرام ہیں۔ کلکتہ میونسپل ضلع کے باہر ۷۵
میونسپلٹیاں ہیں اور ان میں سے سات میونسپل علاقوں میں پانی کی
سپلائی کے لئے پائپ لائن نہیں ہیں۔ اسی طرح کے اور ۳۱
میونسپل اور اعلان کردہ، علاقوں میں پانی کی سپلائی ۷ لیٹر فی کس
یومیہ سے بھی کم ہے۔ یہ ہمارا عزم مصمم ہے کہ اس مقصد کے لئے
زیادہ سے زیادہ اخراجات کی گنجائش رکھی جائے اور ہم لوگ اس سلسلہ
میں ہندوستان کے زندگی بیمہ کارپوریشن سے بھی رجوع کر رہے ہیں۔ حال ہی میں پانی سپلائی اسکیم کے لئے
اس کارپوریشن نے ہمیں صرف ۹ کروڑ روپئے دینے کا وعدہ کیا۔ اس رقم سے پروجیکٹ
کے کل اخراجات کے صرف ۳۵ فیصد اخراجات پورے کئے جا
سکیں گے۔ اس بات کے پیش نظر کہ ہندوستان کا زندگی بیمہ
کارپوریشن اس ریاست میں وسیع پیمانہ پر کاروبار کر رہا ہے ہم
اس بات پر حق بجانب ہیں کہ ہم اس اہم کام کے لئے اس سے
مزید فنڈ طلب کریں۔

عزت مآب ممبران ازراہ مہربانی اس بات کو ذہن نشین
رکھیں گے کہ گزشتہ برسوں کی طرح اس سال بھی ہم نے بجلی کی ترقی
کے لئے سالانہ منصوبہ میں زیادہ رقوم مختص کئے۔ جہاں تک بجلی کے
مسائل کا تعلق ہے، ہم اس بات کی امید کر سکتے ہیں کہ ہم نے
اس مسئلہ کو بہت حد تک حل کر لیا ہے اور اب اس کے
اچھے نتائج برآمد ہونے لگے ہیں۔ گزشتہ چند مہینوں میں بجلی کی
دستیابی میں اضافہ ہوا ہے اور ہر سال نئی صلاحیت کے اضافہ
سے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ بجلی کی کمی کا دباؤ کم ہو
جائے گا۔ بجلی کی تقسیم کے معقول نظام سے بھی کافی مدد ملی
ہے۔ اب ہم کولاگھاٹ میں تین نئی یونٹوں کی تعمیر کا کام شروع کر رہے
ہیں۔ ان میں سے ہر یونٹ کی صلاحیت ۲۱۰ میگاواٹ ہوگی۔ دریں
اثنا جاری اسکیموں کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لئے ضروری اخراجات
کی گنجائش رکھی جا رہی ہے۔

میں یہاں کلکتہ میٹروپولیٹن ریل پروجیکٹ کا بھی ذکر
کروں گا۔ یہ مرکزی حکومت کا پروجیکٹ ہے۔ اس کی سست
رفتاری نے کلکتہ کی اور مجموعی طور پر ساری ریاست کی معاشی اور سماجی
زندگی کو متاثر کیا ہے۔ مجھے اس بات کی امید ہے کہ بلا لحاظ
پارٹی، تمام عزت مآب ممبران مرکزی حکومت سے درخواست کرنے
پر ہمارا ساتھ دیں گے کہ اس پروجیکٹ کو جتنی جلد ہو سکے،
سنہ ۱۹۸۷ء تک مکمل کر لیا جائے۔

یہاں میں تیستا آبپاشی پروجیکٹ کا بھی ذکر کر دوں
گا۔ شمالی اضلاع کے لئے زراعت کے امکانات کو روشن بنانے کے
لئے یہ پروجیکٹ اچھی خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ ریاستی حکومت
نے یہ فیصلہ کیا کہ اس پروجیکٹ کے لئے سال رواں میں اخراجات
کے سلسلہ میں ۲۳ کروڑ کی جگہ ۲۸ کروڑ روپئے مختص کئے جائیں۔
اب تک ہم ۔ ۔ اس اسکیم پر ۱۰۰ کروڑ سے زیادہ روپئے خرچ کر

چکے ہیں۔ یہ کچھ حد تک عجیب بات ہے کہ مرکزی حکومت نے اس اسکیم میں اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ مجھے امید ہے کہ اس صورتحال میں تبدیلی ہوگی۔

۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے مالیاتی تجاویز کی تفاصیل کا ذکر کرنے سے قبل میں ۸۴-۱۹۸۳ء کے نظر ثانی کردہ تخمینے کا ذکر کروں گا۔ سالِ رواں میں ہم نے ٹیکس کے دو اقدامات کئے۔ ایک بجٹ پیش کرتے وقت اور دوسرا اسمبلی کے آخری اجلاس کے وقت۔ ان اقدامات سے ۶۶ر۳۴ کروڑ روپئے وصول ہوتے۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ہمارے ٹیکس محاصل سے ایک اندازہ کے مطابق ۳۶ر۷۹۹ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے جبکہ بجٹ میں تخمینہ ۶۹ر۸۴۴ کروڑ روپئے کا رکھا گیا تھا۔ لیکن باتوں کی وجہ سے ٹیکس کی حصولیابی میں کمی ہوتی ہے۔ ٹیلی ویژن سیٹ رکھنے پر ہم نے جو ٹیکس عائد کیا تھا اسے کلکتہ ہائی کورٹ نے نامنظور کر دیا حالانکہ مہاراشٹر میں ایسا ٹیکس قانونی طور پر جائز ہے لیکن مغربی بنگال میں نہیں۔ ایک عجیب صورتحال پیدا ہو چکی ہے۔ سیلس ٹیکس کے تحت رقوم کی حصولیابی میں بھی کمی ہوتی ہے کیونکہ عدلیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کئی ایک پارٹیوں کو، بہت سارے پارٹیوں کو، ٹیکس کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کی اجازت دیجائے۔ میں یہاں ایک اور بات کا ذکر کروں گا کہ چند عوامی ادارے جو مرکزی حکومت کے زیر ملکیت ہیں، واجب الادا ٹیکس کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہے ہیں۔

نظر ثانی کردہ تخمینے کے مطابق ۸۴-۱۹۸۳ء کے لئے غیر ٹیکس محاصل سے ۸۶ر۱۴۷ کروڑ روپئے موصول ہونے کی توقع ہے حالانکہ بجٹ میں اس مد کے تحت ۸۳ر۱۴۰ روپئے کی حصولیابی کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ گرانٹ۔ان۔ایڈ، قرض کی رسید، اور قرض اور ایڈوانس میں کافی بہتری ہوتی ہے۔ اب اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ بطور کل محاصل ۷۰ر۲۲۳۳ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے حالانکہ بجٹ میں اس مد کے تحت ۴۳ر۲۶۲۷ روپئے کا تخمینہ رکھا گیا تھا۔

نظر ثانی کردہ تخمینہ کے مطابق، سالِ رواں میں ہمارے محاصل اکاؤنٹس میں اخراجات کا تخمینہ ۳۸ر۱۸۴۰ کروڑ روپئے کا ہے۔ حالانکہ بجٹ تخمینہ ۲۱ر۱۶۷۱ کروڑ روپئے کا ہے۔ سرمایہ اکاؤنٹ میں اسی طرح کی تبدیلی ہوتی ہے۔ اب مجموعی اخراجات کا تخمینہ ۵۸ر۴۷۳۲ کروڑ روپئے ہے۔ اس میں ابتدائی اوورڈرافٹ کی رقم یعنی ۶۱ر۸۲ کروڑ روپئے شامل کردئے جائیں تو اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ سالِ رواں کے آخر میں منفی روکڑ باقی ۸۲ر۳۴ روپئے کی ہوگی۔ یہ تخمینہ مرتب کرتے وقت ریاستوں کے اوور ڈرافٹ (بنک سے قرض) کو سلجھانے کے معاملہ میں مرکزی بجٹ میں پیش کردہ چند تجاویز کو زیر غور رکھا۔

اوور ڈرافٹ کے سلسلہ میں مجھے یہ سمجھنے میں بڑی دقت ہو رہی ہے کہ کبھی کبھی یہ اثر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اوور ڈرافٹ معاشی بدنظمی کی عکاسی کرتا ہے اور تو فیر اچھے انتظامیہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ حالیہ برسوں میں تقریباً درجن بھر ریاستوں نے اوور ڈرافٹ لیا ہے، مرکزی حکومت کا اپنی بجٹ بھی کافی غیر متوازن ہے۔ یہ سلسلہ گزشتہ چند برسوں سے چلا آرہا ہے۔ انعام دینے یا تنبیہ کرنے کی جگہ اگر ڈھانچہ کے مسائل پر جنکی وجہ سے آمدنی اور اخراجات میں توازن برقرار نہیں رہتا ہے، مناسب طور پر غور و خوض کیا جاتے تو اوور ڈرافٹ کے مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے۔

اب میں ۸۵-۱۹۸۴ء کیلئے بجٹ تخمینہ کا ذکر کروں گا۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ ٹیکس کے محاصل کے طور پر ۸۷ر۸۹۵ کروڑ روپئے اور غیر ٹیکس محاصل کے طور پر ۱۲ر۱۵۹ کروڑ روپئے وصول ہوں گے۔ دیگر ضروری باتوں کو زیر غور رکھتے ہوئے، اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ محاصل سے کل ۷۴ر۲۰۸۲ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے اور کل اخراجات کا تخمینہ ۸۸ر۲۱۲۶ کروڑ روپئے ہے۔ اس طرح اس سال ہمیں ۱۴ر۴۵ کروڑ روپئے کی کمی برداشت کرنی ہوگی۔

ظاہر ہے کہ ان تخمینوں میں بہت سارے ہلکے پھلکے عناصر بھی ہیں۔ ایک بات تو یقینی ہے کہ مالیاتی کمیشن کی سفارشات سے محاصل اور سرمایہ اکاؤنٹس میں نمایاں حد تک تخمینوں میں رد و بدل کی جا سکتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آنے والے سال میں مزید وسائل اکٹھا کرنے کیلئے کوششوں کو جاری رکھنا ہوگا۔ ہماری حالت ایسی نہیں ہے کہ ہم انتظامی قیمتوں میں اضافہ کرکے فنڈ اکٹھا کر سکیں۔ ہم

چھاپے خانے کا بھی سہارا نہیں لے سکتے۔ وقتاً فوقتاً ہندوستان کے ریزرو بنک پراوور ڈرافٹ کے لئے انحصار پر سخت بندشیں عائد کر دی گئی ہیں۔ گزشتہ ہفتہ مرکزی بجٹ نے منقسم سرمایہ سے ریاستوں کی فنڈ کی دستیابی میں اور بھی کمی کر کے ہمارے لئے مزید مسائل پیدا کر دیئے۔ ہم نے منصوبہ بندی کمیشن سے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ سنہ ۸۴-۱۹۸۵ء میں ہم مزید ۵۷ کروڑ روپیہ اکٹھا کریں گے۔ مسائل کے وسائل اکٹھا کرتے وقت ہمیں اس بات کو زیر غور رکھنا ہوگا کہ ہمارے اقدامات سے غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے، کیوں کہ سارے ملک میں افراطِ زر سے وہ پہلے ہی بہت زیادہ پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

اب مزید ٹیکس کے سلسلہ میں چند تجاویز کا ذکر کروں گا۔ پہلے میں سیلس ٹیکس کا ذکر کروں گا کیوں کہ اس ریاست میں محاصل کا یہ ایک اہم ذریعہ ہے۔ عزت مآب ممبران کو شاید یہ بات یاد ہوگی کہ سنہ ۸۱-۸۲ء سے بجٹ پیش کرتے ہوتے میں نے بنگال مالیات (سیلس ٹیکس) ایکٹ سنہ ۱۹۴۱ء، بنگال عام بات ٹیکس ایکٹ سنہ ۱۹۴۱ء، مغربی بنگال سیلس ٹیکس ایکٹ سنہ ۱۹۵۴ء اور مغربی بنگال دھان خرید ٹیکس ایکٹ سنہ ۱۹۷۰ء کو ایک دوسرے میں ضم کر دینے کا ذکر کیا تھا۔ اتنے قوانین کو ایک کر دینے سے، ہمیں یقین ہے کہ، کام کرنے میں آسانی ہوگی اور حکومت اور ٹیکس ادا کرنے والے دونوں کو سہولیتیں فراہم ہوں گی۔ ایک مطالعہ جماعت، جسے اس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا، نے ایک بل کا مسودہ تیار کیا ہے اور یہ بل عوامی مالیات اور پالیسی کے قومی انسٹی ٹیوٹ کے زیر غور ہے، جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو اس وقت اس سال ہم اسے حسب ضرورت قانونی شکل دینے کی کوشش کریں گے۔

اسی دوران، میں اس بات کو اہم سمجھتا ہوں کہ ہماری ریاست میں سیلس ٹیکس کی بڑھتی ہوئی شرحوں کی بابت کچھ اقدامات کئے جائیں۔ اس سال کے بجٹ میں اس سلسلے میں اقدامات کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ میری یہ تجویز ہے کہ سیلس ٹیکس کی بہت ساری شرحوں کی تعداد کو کم کر کے آٹھ تک لایا جائے۔ مغربی بنگال میں سیلس ٹیکس کی اعلیٰ ترین شرح ۱۸ فیصد ہے۔ نئے انتظامات کے تحت اعلیٰ ترین شرح کو کم کر کے ۱۵ فیصد تک کر دیا جا رہا ہے اور دیگر شرحیں، ایک فیصد، ۲ فیصد، ۳ فیصد، ۴ فیصد، ۷ فیصد، ۸ فیصد اور ۱۱ فیصد ہونگی۔

مشکلات سے دوچار صارفین کو کچھ سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ تمام اقسام کے کاغذوں پر سیلس ٹیکس کی شرح کو کم کر کے آٹھ فیصد کر دیا جائے۔ میں ایلومنیم کی چیزوں اور ایلومونیم تار، لوجنس (لگوی سٹائی)، پنکھوں، سر کا تیل، دانت کے منجن، صابن، کپڑے دھونے کے صابن، ٹائر اور ٹیوب، ٹائر اور ٹیوب کا پردہ، لوہے اور اسٹیل کے صندوق اور الماریاں، اگربتی، لوہے، اسٹیل یا المونیم کے فرنیچر، پورے یا جزوی طور پر ربر جھاگ یا مصنوعی یا کیمیاوی ریزن یا پلاسٹک جھاگ، لینولئم سے تیار کردہ مسند، گدے، تکیہ، پی۔وی۔سی ٹائیل، جراحی کے لباس، بجلی کے والٹیج کو ٹھیک رکھنے والے آلات، سگریٹ کیس، سگریٹ لائٹر، ریڈیو، ریڈیو گراموفون، ٹیپ ریکارڈرس، الیکٹرو۔میگنیٹک ریکارڈنگ ٹیپس، ڈکٹا فون، باٹنز کورس، دوربین، چشمے وغیرہ پر ٹیکس کی شرح میں بھی کمی کر رہا ہوں۔ الیکٹرونکس کی چیزوں پر سیلس ٹیکس کی شرحوں میں کمی سے اس ریاست میں فاضل روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے۔

میں نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ کھاد پر سیلس ٹیکس کی شرح ۵ فیصد سے کم کر کے ۴ فیصد کر دی جائے۔ مجھے امید ہے کہ اس سے اس ریاست کے کسانوں کو کافی فائدہ پہونچے گا۔ ان تمام رعایتوں سے حکومت کو تقریباً ۵٫۵۰ کروڑ کی کمی ہوگی۔

اس کے ساتھ ہی شرحوں کو ایک جیسی کرنے کی وجہ سے موٹر گاڑیاں، موٹر اسکوٹروں، موپیڈس (موٹر سائیکل)، ساتھ ساتھ ٹریکٹرس اور فورک۔ لفٹ ٹرکس، ان سبھوں پر ٹیکس کی شرح میں کچھ اضافہ ہوا اور یہ شرح ۱۱ فیصد ہوگی نیز پاؤڈر اور منجمد دودھ جسے بچوں کے لئے خاص طور پر خوراک کی طرح استعمال نہیں کیا جاتا، سدھن تیل اور گریز، گاڑیوں میں اصلی آلہ کے طور پر استعمال ہونے والی بیٹریوں کے لادہ اسٹور یج بیٹریز، سوڈا پانی، شیونگ سیٹ، جوتا پالش، چاکلیٹ، کوکو یا مالٹ کے ساتھ پینے کے لئے دودھ پاؤڈر، ناریل کی رسی، وزن کرنے کی مشین وغیرہ پر سیلس ٹیکس میں

اضافہ کیا جا رہا ہے۔ تفریح کے دیگر آلات موسیقی کے عائد ٹیکس کی شرح کے مطابق ٹیلی ویژن سٹ پر ٹیکس عائد کیا جائے گا۔ وناسپتی کی عائد ٹیکس کی شرح کو ۱۰ فیصد سے بڑھا کر ۱۱ فیصد کر دیا جائے گا۔ مزید تفاصیل اعلانیہ سے جو جاری کئے جا رہے ہیں، حاصل ہوں گی۔ ٹیکس کی شرحوں کو ایک جیسے کرنے کے اقدامات کے ذریعہ، ہم اس بات کی امید کرتے ہیں، ہمیں ٹیکس کی صورت میں ہر سال مزید ۵۰ء۸ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے۔

عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ ہم لوگوں نے چند سال قبل مجموعی پیداوار پر ٹیکس عائد کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جسے دوسری مدوں پر منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ اس ٹیکس کو قیمتوں میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس ٹیکس کی ادائیگی سے کھاد فروشوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا لیکن اب میری تجویز یہ ہے کہ اس سہولت کو واپس لے لیا جائے اور اس کے موٹر اسپرٹ پر جس کی تشریح بنگال موٹر اسپرٹ سیلس ٹیکس ایکٹ ۱۹۴۱ء میں کی گئی ہے، اسی طرح کا ٹیکس عائد کیا گیا ہے اور اس ٹیکس کی شرح ایک فیصد ہوگی۔ ان دو اقدامات سے آٹھ کروڑ روپئے بطور ٹیکس وصول ہوں گے۔

دستور کی ۴۶ ویں ترمیمات کے منظور ہو جانے کے بعد ریاستی حکومتیں اب کرایہ۔ خرید، استعمال کرنے کے حق، معہ ٹھیکہ اور کام معاہدہ، پر ٹیکس عائد کر سکتی ہیں۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ ان چیزوں کی کرایہ۔ خرید پر اسی حساب سے ٹیکس عائد کیا جائے، جس حساب سے ان چیزوں کی فروخت پر عائد کیا جاتا ہے لیکن ایسی چیزوں کو کرایہ۔ خرید نظام پر فروخت کرنے والے ڈیلروں کو اعلانیہ فارم، جس میں محصول مالی کی تفاصیل درج ہوں گی، کی بنیاد پر انہیں ایسی چیزوں کو رعایتی شرح پر خریدنے کا حق حاصل ہوگا۔ میری ایک تجویز یہ ہے کہ ان ڈیلروں پر، جو کام کے معاہدے کو مکمل کرتے ہیں یا ایسی چیزوں کے استعمال کو فروغ دیتے ہیں، ۴ فیصد کے حساب سے ٹیکس عائد کیا جائے لیکن ایسے ڈیلروں کو ایسی چیزوں کے خریدنے پر رعایتی شرح کی سہولتیں فراہم نہیں کی جائیں گی۔ ان اقدامات سے سالانہ ۵ کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل ہوں گے۔

عزت مآب ممبروں کو یہ بات یاد ہوگی کہ اسی اسمبلی کے آخری اجلاس میں ہم نے بنگال مالیات (سیلس ٹیکس) ایکٹ ۱۹۴۱ء میں ترمیم لائی تھی تاکہ ہم ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں میں بکائے ہوئے کھانے کی فروخت پر ٹیکس عائد کر سکیں۔ اس سلسلے میں پندرہ روپئے تک کی فروخت کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ اسی فیاضانہ چھوٹ کی وجہ سے ٹیکس کی ادائیگی سے وسیع پیمانہ پر لیت ولعل کیا جانے لگا۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ استثنا کی اس حد کو کم کر کے ۱۰ روپئے کر دیا جائے۔

تامل ناڈو کی حکومت نے اپنی ریاست میں لاٹری کے ٹکٹوں کی فروخت پر ٹیکس عائد کرنے کی حال ہی میں ایک تجویز رکھی تھی۔ اس مثال کی تقلید کرتے ہوئے میری بھی یہ تجویز ہے کہ مغربی بنگال میں بھی لاٹری کے ٹکٹوں کی فروخت پر ۲۰ فیصد کے حساب سے ٹیکس عائد کیا جائے۔ اس اقدام سے سالانہ ۵۰ء۷ کروڑ روپئے وصول ہوں گے۔

نیلام کے مراکز میں فی الحال فروخت کردہ چائے پر رعایتی شرح کے مطابق ۳ فیصد ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔ موجودہ صورت حال کے پیش نظر میں اسے ضروری نہیں سمجھتا کہ اس رعایت کو جاری رکھا جائے اس لئے میری یہ تجویز ہے کہ چائے کے نیلام میں فروخت پر بنگال مالیات (سیلس ٹیکس) ایکٹ ۱۹۴۱ء کے تحت ٹیکس کی عام شرح نافذ کر دی جائے۔ اس اقدام سے ہر سال تین کروڑ روپئے بطور مزید محاصل حاصل ہوں گے۔

میری یہ بھی تجویز ہے کہ یکم اپریل ۱۹۸۴ء سے اسپورٹس، تھیٹر، جاترا اور دیگر تفریحات پر تفریحی ٹیکس لاگو کیا جائے۔ پانچ روپئے سے کم قیمت کے ٹکٹوں کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ گھوڑ دوڑ اور ہوٹلوں میں ناچ دیکھنے کے لئے داخلہ کو تفریحی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ اب اس استثنا کو واپس لے لیا گیا۔ اس کے نتیجے میں سالانہ تقریباً دو کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل ہوں گے۔

یہاں میں ایک دو اہم تبدیلیوں کا ذکر کروں گا۔ اب تک پاٹ کے سامان، موٹر گاڑیوں کے پرزے، اینٹ، پائخانہ کے سامان، لکڑی کے فرنیچر پر مغربی بنگال سیلس ٹیکس ایکٹ ۱۹۵۴ء

کے وقت پہلے پوائنٹ پر سیلس ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔ ہمیں اس بات کا شبہ ہے کہ ان تمام چیزوں پر ٹیکس کی ادائیگی سے کترانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ اب ان چیزوں پر بنگال مالیات (سیلس ٹیکس) ایکٹ ۱۹۴۱ء کے تحت سیلس ٹیکس عاید کیا جائے۔ میری تجویز یہ ہے کہ ۱۹۵۴ء کے مذکورہ ایکٹ میں ترمیم لائی جائے تاکہ حکومت کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ وہ دوبارہ فروخت کرنے والوں کیلئے حساب و کتاب کو لازمی طور پر داخل کرنے پر زور دے سکے۔

ایئر کنڈیشنرس، ریفریجیریٹرس، سینماٹوگرافک ساز و سامان جیسی چیزوں پر بھی بنگال مالیات (سیلس ٹیکس) ۱۹۴۱ء کے تحت آخری پوائنٹ پر ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس میں تبدیلی لائی جائے۔ یکم اپریل ۱۹۸۴ء سے اس ایکٹ کے شیڈول II کے تحت ایسی تمام چیزوں پر مختلف نکاتی ٹیکس یعنی فروخت کے درمیان اسٹیج میں رعایتی شرحوں پر اور آخری اسٹیج میں ۱۱ فیصد کے حساب سے ٹیکس عائد کئے جائیں گے۔

ہاتھ گھڑی، بڑی گھڑی، ٹائم پیس گھڑی اور موٹر گاڑیوں کے کل پرزوں پر ٹیکس عائد کرنے کے جو طریق کار ہیں انکی وجہ سے ٹیکس سے کترانے کی کوششیں کی جاتی ہیں اور قانونی کارروائیاں بھی کی جاتی ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ فروخت کے پہلے پوائنٹ پر ۱۱ فیصد ٹیکس عائد کیا جائے اور اس کے بعد سلسلہ وار فروخت پر ہر موقع پر ایک فیصد کے حساب سے ٹیکس عائد کیا جائے۔ اگر ایک ڈیلر اس بات کی شہادت پیش نہ کر سکے کہ اس نے یہ چیزیں ایک اور رجسٹرڈ ڈیلر سے خریدی ہیں تو اس پر ۱۱ فیصد کے حساب سے ٹیکس عاید کیا جائے گا۔ ۱۹۴۱ء کے اس ایکٹ میں ضروری ترمیمات لانے کے لئے اس ایکٹ کو ایوان میں پیش کیا جائے گا۔ آخری الذکر تینوں اقدامات سے ہر سال دو کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل ہوں گے۔

عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ کوئلہ کی قیمتوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ کوئلہ پر ز(ٹیکس) پر اضافہ کرنے میں مرکزی حکومت پس و پیش کرتی ہے۔ اپنے محاصل کو محفوظ رکھنے کے لئے ہم لوگوں کو مجبوراً مغربی بنگال دیہی روزگار پیداوار ایکٹ ۱۹۷۶ء کے تحت گزشتہ اکتوبر سے ۱۵ فیصد کے حساب سے کوئلہ پر کر (ٹیکس) عائد کرنا پڑا۔ مغربی بنگال ابتدائی تعلیم ایکٹ ۱۹۷۳ء کے تحت کوئلہ پر ۲ فیصد کی شرح سے کر عائد کر دیا ہے۔ میری اب یہ تجویز ہے کہ کوئلہ پر پیداواری اور روزگار کر ۱۵ فیصد سے بڑھا کر ۲۰ فیصد اور تعلیمی کر ۲ فیصد سے بڑھا کر ۳ فیصد کر دیا جائے۔ ان دونوں اقدامات سے سالانہ ۱۲ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے۔

چائے باغات کے باہر چائے بھیجنے پر فی کیلوگرام ۱٫۵۰ روپئے کی شرح کے مطابق روزگار اور پیداوار کر عائد ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس کر کو بڑھا کر ۳ روپئے فی کیلوگرام کر دیا جائے۔ میری تجویز یہ بھی ہے کہ اس کر سے مستثنیٰ رہنے کی نچلی حد کو تیار چائے کے پہلے ایک لاکھ کیلوگرام سے کم کرکے ۵۰ ہزار کیلوگرام اور سبز چائے پتی کے پہلے ۴۵۰۰۰ کیلوگرام سے کم کرکے ۲۲۵۰۰ کر دیا جائے لیکن پیکٹ چائے کو بھیجنے اور ان کے اعلان کردہ نیلام مراکز میں چائے بھیجنے پر روزگار اور پیداواری کر کی شرح میں کمی نہیں ہوگی۔ تمام اقسام کی چائے کے لئے دارجلنگ علاقہ میں واقع چائے باغات کو دی گئی رعایت میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ چائے پر باغات کے باہر بھیجنے پر فی کیلوگرام ایک روپئے پیکٹ چائے بھیجنے پر ۲۵ پیسے اور اعلان کردہ نیلام مراکز میں بھیجنے پر ۱۰ پیسے ابتدائی تعلیمی کر (ٹیکس) عائد کیا جائے۔ تیار چائے کے پہلے ۵۰۰۰۰ کیلوگرام اور سبز چائے پتی کے پہلے ۲۲۵۰۰ کیلوگرام کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ دارجلنگ علاقہ میں واقع چائے باغات کو بھی ایسی سہولتیں فراہم ہیں۔ ان اقدامات سے سالانہ ۲٫۵۰ کروڑ روپئے بطور ٹیکس حاصل ہوں گے۔

پیشہ، تجارت، کام کاج اور روزگار ایکٹ، ۱۹۷۹ء کے سلسلہ میں مغربی بنگال ریاستی ٹیکس میں چند چھوٹی چھوٹی ترمیمات لانے کی تجویز پیش کی جائے گی۔ ان ترمیمات سے چند اقسام کے ایجنٹوں

ٹھیکہ داروں، ٹیکس ادا کرنے والے سیلس ٹیکس ڈیلروں، دکان داروں، اداروں کے مالکان، لائسنس یافتہ شراب فروشوں، پارٹنر شپ فرم، نرسنگ ہوم اور طبی تجربہ گاہوں کے مالکوں، کرایہ داروں اور لائسنس رکھنے والوں اور سینما گھروں اور تھیٹروں کے کرایہ داروں اور لائسنس رکھنے والوں کو اس دائرۂ عمل میں لایا جائے گا۔ ان اقدامات سے ہر سال ایک کروڑ روپیہ بطور ٹیکس حاصل ہونے کی امید ہے۔

پانچ سال سے زیادہ عرصہ ہوا جب تمام اقسام کی موٹر گاڑیوں پر ٹیکس کی شرح میں تبدیلی لائی گئی تھی۔ حالیہ برسوں میں موٹر گاڑیوں کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ اور سڑکوں کو بہتر حالت میں رکھنے کے اخراجات میں اضافہ کے مدنظر ہماری تجویز یہ ہے کہ اس ٹیکس کی شرحوں میں کچھ اضافہ کیا جائے۔ بعض حالتوں میں لائسنس فیس میں بھی کچھ اضافہ کی تجویز پیش کی جائے گی۔ ایک اعلانیہ میں مجوزہ تبدیلیوں کی تفاصیل درج کی جا رہی ہیں۔ ایک معیاری موٹر گاڑی پر ٹیکس ۱۸۲ روپے سے بڑھ کر ۲۷۰ روپئے ہو جائیں گے۔ ٹرکس پر ٹیکس میں ۴۰ فیصد کا اضافہ ہوگا۔ ان اقدامات سے ہر سال ۸ کروڑ روپئے بطور مزید محاصل حاصل ہوں گے۔

اس ریاست میں رجسٹرڈ موٹر گاڑیوں کی ۴۰ فیصد گاڑیاں ٹیکس کی ادائیگی میں پس و پیش کرتی ہیں۔ ٹیکس نہ ادا کرنے والی گاڑیوں کی تلاش کے لئے ایک خصوصی مہم جاری کی جا رہی ہے۔ اس اقدام سے ایک سال میں ایک کروڑ روپیہ بطور فاضل محاصل حاصل ہوگا۔

ریاستی آبکاری کے سلسلہ میں ہماری یہ تجویز ہے کہ تمام اقسام کی دیسی اسپرٹ پر آبکاری میں ۱۰ فیصد اضافہ کر دیا جائے۔ الکوہل کو بوتلوں میں بھرنے والوں اور تھوک فروشوں پر درآمد کردہ الکوہل پر ریاستی فیس عائد ہے۔ اب اس فیس کو الکوہل تقطیر کرنے والوں پر بھی لاگو کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں غیر ملکی شراب تیار کرنے کے لئے استعمال کئے جانے والے الکوہل پر موجودہ فاضل لائسنس فیس میں فی حجم لیٹر ایک روپیہ کا اضافہ کرنے کی تجویز ہے۔ ہندوستان میں تیار کردہ غیر ملکی شراب کے اس ریاست میں داخلہ پر فی حجم لیٹر ایک روپیہ کی داخلہ فیس رائج کرنے کی تجویز ہے۔ ان اقدامات سے ریاستی حکومت کو ۴ر۵۰ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے۔

ریاستی حکومت نے پروفیسر بھبتوش دت کی چیرمین شپ کے تحت میونسپل مالیات کمیشن قائم کیا تھا۔ اس کمیشن نے اس ریاست کے میونسپل علاقوں میں داخل ہونے والی چیزوں پر داخلہ ٹیکس عائد کرنے کی سفارش کی تھی۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ آسنسول، درگاپور اور سلی گوڑی۔ جلپائی گوڑی کے ترقیاتی علاقوں میں باہر سے آنے والی چند چیزوں پر محصول بہ حساب قیمت پر ۲ فیصد داخلہ ٹیکس عائد کیا جائے۔ پریشانیاں دور کرنے کے لئے کرناٹک میں اس ٹیکس کی وصولی کے جو طریقہ کار ہیں ان ہی کے مطابق یہ ٹیکس ڈیلروں سے ان کی مجموعی فروخت پر عائد کیا جائے گا۔ صرف ہر چیز کے لئے دس لاکھ روپئے تک کی خرید کو اس ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ فی الحال اس ٹیکس کو اعلان کردہ چیزوں تک محدود رکھا جائے اور ایسی چیزوں کے دائرے سے غذائی اجناس، دال اور [illegible] کی چند چیزوں کو باہر رکھا جائے۔ عوامی تقسیم کے لئے چینی کو بھی اس ٹیکس کے دائرہ عمل سے باہر رکھا جائے گا۔ ان اقدامات سے سالانہ ۱۰ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے۔

ہندوستانی اسٹامپ ایکٹ کی جدول میں چند ترمیمات لانے کی تجویزیں ہیں۔ ہماری ایک تجویز یہ ہے کہ رجسٹریشن ایکٹ میں بھی ترمیم لائی جائے تاکہ حکومت کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ رجسٹریشن کاغذات میں درج قیمت پر ایک جائداد کو خرید سکے۔ اس سے اس رجحان میں کمی ہوگی کہ ایک جائداد کی قیمت اس کی حقیقی قیمت سے کم دکھائی جاتی ہے تاکہ رجسٹریشن فیس کم ہو جائے۔ اس طریقہ کار سے سالانہ ایک کروڑ روپئے محاصل حاصل ہونے کی امید ہے۔

عزت مآب ممبروں کو یہ بات یاد ہوگی کہ اس اسمبلی کے آخری اجلاس میں ہم لوگوں نے زرعی آمدنی ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دینے کی حد کو ۴ ہزار روپیہ سے بڑھا کر دس ہزار روپیہ کر دیا

تھا۔ میری تجویز یہ ہے کہ ان لوگوں کی، جنہیں اب اس ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا، بقایا کا تخمینہ لگانے کا ایک طریقہ کار رائج کیا جائے۔

دکانوں، اداروں کے رجسٹریشن، آگ لائسنس، اور زمین و رہائش کے لئے بہت ساری واجب الادا فیس پر اس ریاست میں دو دہائی سے زیادہ عرصے سے نظرثانی نہیں کی گئی۔ یکم اپریل ۱۹۸۴ء میں چند فیس پر نظرثانی کرنے کی تجویز پیش کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے سالانہ ۵۰ر۲ کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل ہوں گے۔ جب کبھی بھی ضرورت ہوگی، اس تبدیلیوں کے لئے متعلقہ قوانین میں ترمیمات لانے کی تجاویز اس ایوان میں پیش کی جائیں گی۔

ہماری ریاست سارے ملک میں پہلی ریاست ہے جس نے تدریجی فارم ہولڈنگس (زرعی ملکیت) ٹیکس رائج کیا۔ طریقہ کار میں دشواریوں کی وجہ سے ہم ابھی تک اس ٹیکس سے محصول حاصل نہ کر سکے۔ ان دشواریوں کو دور کیا جا رہا ہے۔ دریں اثنا ہماری یہ تجویز ہے کہ بقایا زمین لگان وصول کرنے کے لئے خصوصی مہم چلائی جائے۔ ایسے اقدامات سے ۸۵-۱۹۸۴ء میں دو کروڑ روپئے وصول ہوں گے۔

ان تمام اقدامات سے آئندہ سال میں ہمیں ۷۵ کروڑ روپئے کے مزید وسائل فراہم ہوں گے۔ عزت مآب ممبران براہ مہربانی اس بات کو زیر غور رکھیں کہ اس تخمینہ میں وہ وسائل شامل نہیں جو بہتر انتظامی اقدامات کے ذریعہ یا غیر ٹیکس ذرائع سے حاصل ہوں گے۔

ٹیکس کے ان اقدامات سے، جن کا ذکر میں نے کیا ہے، اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں ہمارے لین دین میں کمی پوری ہو جائے گی اور ۵۹ر۲۰ کروڑ روپئے کی بچت ہوگی۔ لیکن ۸۲ر۴۳ کروڑ روپئے کی متوقع ابتدائی کمی کے زیر غور رکھنے پر ہمیں اس سال ۲۳ر۲۳ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ میں یہاں اس بات کو دہراتا ہوں کہ آٹھویں مالیاتی کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ان تمام تخمینوں میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے گرانٹ کے سلسلہ میں مطالبات پر تفصیل کے ساتھ اس ایوان میں غور و خوض کیا جائے گا اور یہ اپریل کے تیسرے اور چوتھے ہفتہ تک جاری رہے گا۔ اسباب کے پیش نظر کہ ریاستی حکومت یکم اپریل سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے، میری تجویز یہ ہے کہ ۸۵-۱۹۸۴ء کے پہلے دو مہینوں کے لئے اخراجات کو پورا کرنے کے سلسلہ میں گرانٹ کے لئے ووٹ لیا جائے۔

جناب عالی! میری تقریر اب ختم ہونے کو ہے۔ آنے والا سال، ان باتوں کے آثار دکھائی دے رہے ہیں کہ قوم کیلئے یہ ایک انوکھا سال ہوگا۔ قوم کی حقیقت ہمیں غیر متاثر نہیں چھوڑ سکتی لیکن وہ حقیقت جو ہمیں مغربی بنگال میں گھیرے ہوئی ہے، وہ مسائل اور مشکلات، جو ہماری معاشی حالت کی ترجمانی کرتی ہیں، ان لوگوں کیلئے بھی، جو اہم قومی فیصلوں کے لئے ذمہ دار ہیں، کافی اور مساوی اہمیت کا حامل ہیں۔ باہمی سمجھ بوجھ کی بنیاد پر ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ہندی ماہنامہ کو ضبط کیا گیا

"جن گیان" ہندی ماہنامہ کے شمارہ ۳ جلد ۱۹ (۱۵ دسمبر ۱۹۸۳ء تا ۱۵ دسمبر ۱۹۸۴ء) میں ایک مضمون بعنوان "ہندو دھرم استھانوں پر ادھیکار ہے توا ندر لن ستیہ گرہ" شائع ہوا جس میں فرقہ وارانہ انحراف کو فروغ دیا گیا ہے، دہلی انتظامیہ نے ضبط کر لیا ہے۔

اس شمارے کی ہر کاپی بحق حکومت ضبط کر لی گئی ہے۔

جھاڑگرام میں سڑک کی بہتری

ریاستی حکومت نے جھاڑگرام بلاک میں دہی گوڑی سے بانیا جانے والی سڑک کو بہتر بنانے کے لئے ایک لاکھ روپئے کی منظوری دی ہے۔

جاننے کی باتیں

مغربی بنگال میں ہتھ کرگھے صنعت کی رفتار ترقی

تفصیل	۱۹۸۰-۸۱ء	۱۹۸۱-۸۲ء	۱۹۸۲-۸۳ء	۱۹۸۳-۸۴ء (اپریل تا ستمبر ۱۹۸۳ء)
۱	۲	۳	۴	۵
ہتھ کرگھا امداد باہمی سوسائٹیوں کی تعداد	۱۲۸۰	۱۲۹۰	۱۱۸۵	۱۲۱۵
میعاد کے آخر میں کرگھوں کی تعداد (لاکھ میں)	۲٫۱۲	۲٫۱۲	۲٫۵۷	....
روزگار (لاکھ میں)	۶٫۳۶	۶٫۳۶	۸٫۵۲	۸٫۵۲
ہتھ کرگھے کپڑے کی تیاری (کروڑ میٹر میں)	۲۸٫۵	۳۰٫۵	۳۰٫۷	۳۰٫۵
مجموعی فروخت (کروڑ روپئے میں)	۲۱٫۳۵	۲۵٫۶۵	۲۹٫۳۰	۱۹٫۵۰

(ہینڈلوم اور ٹکسٹائیل کی نظامت، مغربی بنگال)

مغربی بنگال میں ریشم کی صنعت کی رفتار ترقی

تفصیل	۱۹۷۷-۷۸ء	۱۹۷۸-۷۹ء	۱۹۷۹-۸۰ء	۱۹۸۰-۸۱ء	۱۹۸۱-۸۲ء	۱۹۸۲-۸۳ء
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱: شہتوت کے زیر کاشت علاقے (ہیکٹائرس)	۲۰۰۰۰	۲۱۵۰۰	۲۳۵۰۰	۲۵۱۸۰	۲۶۶۸۰	۲۷۶۴۵
۲: شہتوت ریشم کی پیداوار (لاکھ کیلوگرام میں)	۴٫۵۰	۴٫۷۰	۵٫۰۵	۵٫۲۵	۶٫۰۰	۶٫۶۴
۳: ٹسر ریشم کی پیداوار (لاکھ کیلوگرام میں)	٫۰۸	٫۰۹	٫۱۰	٫۱۰	٫۱۱	٫۱۱
۴: ایری ریشم کی پیداوار (لاکھ کیلوگرام میں)	٫۰۵	٫۰۶	٫۰۷	٫۰۷	٫۰۸	٫۰۷

(ریشم سازی کی نظامت، مغربی بنگال)

قومی دیہی روزگار پروگرام کے تحت زرنقد اور اناج کی تقسیم

زرنقد ۔ لاکھ روپئے میں
اناج ۔ میٹرک ٹن میں

ضلع		۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران تقسیم کرنے کیلئے نئی اسکیموں کے لئے زرنقد	اناج چاول	اناج گیہوں	۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران تقسیم کرنے کیلئے (اپریل تا اکتوبر) نئی اسکیموں کے لئے زرنقد	اناج
بردوان	ــــ	۲۹۷ر۶۷	۱۳۳۸ر۶	۱۷۵۶ر۹	۴۵ر۶۰	ــــ
بیربھوم	ــــ	۱۹۳ر۸۲	۱۳۴۷ر۸	۱۰۰۰ر۲	۶۲ر۷۰	ــــ
بانکوڑہ	ــــ	۲۴۸ر۴۷	۱۵۲۹ر۶	۱۱۷۱ر۳	۱۲۹ر۰۰	ــــ
مدناپور	ــــ	۳۴۶ر۳۹	۲۹۶۱ر۶	۲۳۹۳ر۹	۷۷ر۲۵	ــــ
پرولیا	ــــ	۱۸۶ر۵۵	۸۰۳ر۷	۲۰۵۴ر۸	۹۶ر۵۰	ــــ
ہگلی	ــــ	۲۲۴ر۹۶	۱۰۴۷ر۸	۱۴۳۵ر۹	۴۰ر۲۰	ــــ
۲۴ پرگنہ	ــــ	۳۱۰ر۶۲	۸۹۶ر۰	۵۳۱۰ر۰	۲۰۲ر۱۵	ــــ
ہوڑہ	ــــ	۷۸ر۰۸	۵۷۶ر۰	۷۳۱ر۵	۳۰ر۶۰	ــــ
ندیا	ــــ	۱۵۷ر۲۳	۱۳۶۲ر۷	۸۳۵ر۲	۳۶ر۴۰	ــــ
مرشدآباد	ــــ	۲۷۶ر۶۵	۱۱۰۷ر۳	۲۱۴۹ر۳	۳۷ر۸۰	ــــ
جلپائی گوڑی	ــــ	۱۲۳ر۱۱	۶۳۰ر۰	۹۶۳ر۰	۳۰ر۳۰	ــــ
کوچ بہار	ــــ	۱۰۳ر۶۵	۲۱۰ر۰	۹۷۰ر۲	۵۰ر۴۰	ــــ
مالدہ	ــــ	۱۱۹ر۸۴	۲۵۹ر۰	۱۲۷۵ر۹	-----	ــــ
مغربی دیناجپور	ــــ	۱۴۴ر۵۳	۳۳۶ر۰	۱۰۲۷ر۴	۲۳ر۵۵	ــــ
دارجلنگ	ــــ	۳۷ر۶۲	۹۱ر۰	۳۹۳ر۴	۱۵ر۲۰	ــــ
میزان	ــــ	۲۸۴۹ر۰۹	۱۴۶۰۷ر۱	۲۳۱۶۸ر۹	۸۷۷ر۶۵	ــــ

سید غلام مرتضیٰ

ارسطو کا تصورِ المیہ اور ڈرامہ انارکلی

تنقیدی ادب یا فنونِ لطیفہ کے اصول و قوانین کو منظرِ عام پر پیش کرنے کا اصل شرف یونانی مفکر ارسطو کو حاصل ہے۔ ارسطو افلاطون کا شاگردِ رشید تھا۔ افلاطون فنونِ لطیفہ کو نقل کی نقل کہہ کر اپنی مثالی ریاست "جمہوریہ" سے خارج کر دیتا ہے۔ وہ شاعری کو مخربِ اخلاق کہتا ہے اور یہ بھی الزام عائد کرتا ہے کہ شاعری برے جذبات کو ابھارتی ہے، اس کا خیال ہے کہ شاعری کو حقیقت و اخلاق کی ترجمانی کرنی چاہئے یعنی شاعری کا مقصد تعمیرِ زندگی ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ارسطو اپنے فلسفے کی عمارت اسی نقل کی بنیاد پر استوار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نقل کرنا انسان کی فطرت و جبلت میں داخل ہے۔ نقل سے لطف و سرور بھی حاصل ہوتا ہے۔ نقل سیکھنے اور ترقی کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ نقل دراصل حقیقی زندگی کی کی جاتی ہے یعنی نقل انسانی افعال و اعمال کی کی جاتی ہے اس لئے نقل دراصل تخلیقِ جدید ہے۔ اس طرح ارسطو شاعری کو انسانی ذہن کا ایک خود مختار اور آزاد عمل قرار دیتا ہے۔ ارسطو نے اپنے خیالات و نظریات کا اظہار رسالہ Concerning the Art of Poetry میں کیا ہے جو بوطیقا (Poetics) کے نام سے معروف ہے۔ یہ تنقید یا اصولِ فن کی سب سے پہلی باضابطہ کتاب ہے جس سے ساری دنیا نے استفادہ کیا۔ ادبیاتِ عالم پر اس کتاب کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ اس کتاب میں ارسطو نے ڈراما اور شاعری پر بڑی گہری مفکرانہ اور مدلل بحث کی ہے۔ اس نے ڈرامہ اور شاعری کو دو خاص حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک رزمیہ جس سے المیہ کی پیدائش ہوتی ہے اور دوسرا طنزیہ ہے جس سے طربیہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ لیکن ارسطو نے اپنے فکر و فلسفہ کو المیہ پر مرکوز کر دیا ہے۔ اس نے المیہ ڈرامے پر وضاحت و صراحت سے روشنی ڈالی ہے اور المیہ کے نکات و رموز کو پورے طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ المیہ ایک حقیقت ہے۔ اسکی بنیاد حقیقی زندگی اور صداقت بیانی پر قائم ہے۔ المیہ کی تعریف ارسطو ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"المیہ کسی ایسے سنجیدہ عمل کی نقل کا نام ہے جو بذاتِ خود مکمل ہو اور اس میں ایک مخصوص قسم کی وسعت اور عظمت ہو اور زبان کے وسیلے سے تخلیق کے ہر جز کو مناسب فرحت و تازگی بخشتا ہو اور جو محض بیانیہ انداز میں نہ ہو بلکہ ڈرامائی شکل میں ہو جس سے رحم و خوف کے ذریعے تزکیۂ نفس کا کام لیا جا سکے۔"

المیہ کی اس تعریف سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ المیہ میں اعلیٰ درجے کی سنجیدگی و متانت ہونی چاہئے، وہ اپنے آپ میں مکمل اور اعلیٰ معیار کا ہو، اسکی زبان و عبارت معیاری اور بلند پایہ ہو، وہ باعثِ مسرت و حظ ہو، اندازِ بیان ڈرامائی ہو اور اس میں خوف و دہشت اور رحم و ہمدردی کی کارفرمائی بھی ہو جس سے تزکیۂ نفس کا کام لیا جا سکے۔ تزکیۂ نفس کے لئے ارسطو ایک یونانی

لفظ کتھارسس (Katharsis) استعمال کرتا ہے جس کی تعریف و توضیح اس نے نہیں کی ہے۔ اس نے اس لفظ کو ایک استعارہ اور اشارہ کے طور پر استعمال کیا ہے اور مبہم چھوڑ دیا ہے۔ ادبی دنیا میں یہ لفظ بڑا ہی متنازعہ فیہ بن گیا ہے۔ ہر دور میں اسکی تعبیر و تفسیر پیش کی گئی ہے۔ ہر عہد میں مفکروں اور نقادوں نے اس لفظ کی حقیقت و مدعا کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ملٹن نے اسکی وضاحت اس طرح کی ہے:

"المیہ ارسطو کے نزدیک ایک ایسی قوت ہے جو رحم و خوف کا جذبہ ابھارتی ہے اور دماغ سے ان جذبات کو خارج کرتی ہے یعنی یہ قوت اعتدال پیدا کرتی ہے اور ان جذبات کو یک گونہ مسرت سے ہم آہنگ کر دیتی ہے۔ گویا المیہ کو پڑھنے یا بہتر طور پر اسکی نقل کو دیکھنے سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں انہیں یہ قوت معتدل بنا دیتی ہے۔ اپنے اثرات کے اعتبار سے خود فطرت بھی اس کے مقولے کی تائید کرتی ہے۔ اسی لئے کہ علاج معالجے میں بھی افسردگی اور غمناک حالتوں کے لئے ایسی ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے جو غمناکی خصوصیات اور کیفیات کی متحمل ہوتی ہیں۔ ترشی دور کرنے کے لئے ترشی اور نمک کا اثر زائل کرنے کے لئے نمک ہی استعمال کیا جاتا ہے۔"

اس لفظ کتھارسس پر کانٹ، نٹشے اور شوپنہار نے بھی بحث کی ہے۔ اس کے عوامل اور اثرات و تاثیرات پر جمالیاتی، نفسیاتی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جدید نفسیات میں اس لفظ کو ایک خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ المیہ ہمارے جذبات کو ابھارتا ہے، خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے پھر ان جذبات کو زائل کر کے ہمارے جذبات و تاثرات کا علاج ہوتا ہے جس سے ہمیں مسرت و انبساط حاصل ہوتی ہے۔ بقول ایبر کرومبی "المیہ یقیناً مسرت بخش اور مفید اثر پیدا کرتا ہے لیکن ہمارے اندر جذبات بھی ابھارتے ہیں جو حقیقی زندگی میں ناخوشگوار اور شاید غمناک حد تک پریشان کن ہوتے ہیں۔"

ارسطو کا یہ بھی خیال ہے کہ المیہ سے انسان کے جذبات اور خیالات میں وسعت و جامعیت پیدا ہوتی ہے کیوں کہ اس میں انسانی زندگی کی واقعیت و صداقت منعکس ہوتی ہے۔ دراصل المیہ کا کمال یہ ہے کہ کرداروں کے افعال و اعمال کو حادثاتِ زمانہ اور واقعاتِ زندگی کے ساتھ پیش کرے اور پیچ و خم کے ساتھ قصہ کو آگے بڑھاتے ہوئے نقطۂ عروج تک پہنچا دے اور ہمارے اندر خوف و دہشت کی کیفیت پیدا کر دے پھر اختتام پر ہمارے دل و دماغ میں خلوص و ہمدردی کا جذبہ پیدا کر دے۔ المیہ میں ہم کرداروں کے خارجی عوامل اور اثرات پر بھی نظر رکھتے ہیں اور ان کے داخلی احساسات اور کشمکش پر بھی۔ دوسری طرف ہم مرکزی کردار کے غلط اقدام اور ناعاقبت اندیشیوں کا بھی جائزہ لیتے ہیں اور اس بات کا بھی اندازہ لگاتے ہیں کہ خارجی حالات اور عوامل نے اس کے غلط اقدام اور غلط کارگزاریوں میں کہاں تک حصہ لیا ہے اور اس کو کس طرح ناکامیوں کے در پر لا کھڑا کیا ہے۔ ان تمام حالات و کیفیات کے تحت المیہ میں ہماری دلچسپی اور دلبستگی بڑھ جاتی ہے۔

فن ڈراما میں وحدتِ عمل، وحدتِ تاثر اور وحدت زمان و مکان کی کافی اہمیت و افادیت ہے۔ ارسطو وحدت عمل اور تاثر پر کافی زور دیتا ہے۔ وہ وحدتِ زماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"المیہ کو آفتاب کی ایک گردش یا اس سے کچھ زیادہ پر ختم ہونا چاہیئے۔"

لیکن وحدت مکاں کے بارے میں وہ کچھ نہیں کہتا بلکہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔

ارسطو نے المیہ کی تعمیر و تشکیل کے لئے چھ عناصر بتائے ہیں:-

۱۔ پلاٹ یعنی ترتیب ماجرا ۲۔ کردار ۳۔ تاثرات ۴۔ زبان و اسلوب ۵۔ آرائش و زیبائش ۶۔ موسیقی و نغمہ۔

اس طرح المیہ کے متعلق ارسطو کے خیالات و نظریات کے پیش نظر جب ہم ڈراما "انارکلی" کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ "انارکلی" ایک المیہ ڈراما ہے جس کی بنیاد حسن و عشق اور وارداتِ قلب و جگر پر ہے۔ یہ ڈراما رومانیت و جمالیت اور حزنیت

دلنوازیت کا ایک دلفریب امتزاج ہے۔ اس میں عشق و محبت، جذب و کیف، درد و غم، شکست و ریخت اور نفسیاتی کشمکش کی بہ تسلسل پائی جاتی ہے۔ یہ ڈراما تاریخ و تہذیب، عہد و ماحول اور سلطنت مغلیہ کی شان و شوکت، جاہ و جلال اور عزم و استقلال کا ایک دلکش مرقع ہے۔ اس میں زندگی کے واقعات و حادثات کی سچی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مناظر حیات سے اس ڈرامے کو جاذبِ نظر بنایا گیا ہے اور مناظر کائنات سے زیب و زینت عطا کی گئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈراما 'انارکلی' امتیاز علی تاج کا شاہکار اور اردو ادب کا ایک عظیم شہ پارہ ہے۔ اس ڈرامے میں تاج نے نہایت چابکدستی اور فن کارانہ ڈھنگ سے المیہ کے سبھی عناصر ترکیبی اور فنی لوازمات کو سمونے اور برتنے کی سعی کی ہے۔ اس ڈرامے میں فنی ترتیب و تنظیم، واقعات و جزئیات میں ربط و تسلسل، کردار نگاری میں فنکارانہ چابکدستی، حسب حال و مقام مکالمہ نگاری، دلفریب فضا آفرینی، زبان و اسلوب و سحر کاری، آرائش و زیبائش میں حسنِ ترتیب و تزئین، وحدتِ عمل و وحدت تاثر کی کارفرمائی۔ یہ سبھی خصوصیات اور محاسن بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تاج نے اس ڈرامے کو ادبی نقطۂ نگاہ سے پورے طور پر مکمل اور مرصع کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ڈراما ادبی حیثیت کے لحاظ سے تو مکمل ہے لیکن اسٹیج کے نقطۂ نظر سے کمزور ہے۔ طوالت کی وجہ سے اس ڈرامے میں وحدتِ زماں و مکاں کی کمی محسوس ہوتی ہے لیکن وحدتِ عمل اور وحدتِ تاثر کو تاج نے ہر طرح برقرار رکھنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ پلاٹ بالکل مربوط اور مکمل ہے۔

• 'انارکلی' میں تاج نے اپنے ڈرامائی فن شعور و تجربہ کا پورا ثبوت دیا ہے۔ اس ڈرامے میں تاج نے اکبر کے جاہ و حشمت اور عزم و حوصلہ، سلیم کی رومان پسند طبیعت اور محویت، قلعہ معلّی میں انارکلی کے دل کی دھڑکنوں، دل آرام کی رقابت کی شعلہ فشانی، ثریا کی چرب زبانی، ماں کی ممتا، باپ کی شفقت اور ایک دوست کی جانثاری کی پورے طور پر غمازی اور عکاسی کی ہے۔

اس ڈرامے کی کہانی بہت مختصر ہے۔ دربارِ اکبری میں نادرہ بیگم یا شرف النساء بیگم نام کی ایک کنیز تھی جو حسن و جمال اور رقص و سرود میں یکتائے روزگار تھی۔ اکبر نے اس کے دلفریب رقص و سرود اور دلکش ادا و انداز سے خوش ہو کر "انارکلی" کے خطاب سے نوازا۔ شہزادہ سلیم اس کے حسن و جمال اور پرکشش ناز و ادا پر دل و جان سے فریفتہ ہو جاتا ہے۔ دوسری کنیز دل آرام ہے جس کو اپنے حسن و رقص و شعور پر ناز اور غرور ہے۔ وہ سلیم پر ڈورے ڈال کر ہندوستان کی ملکہ بننے کا خواب دیکھنے لگتی ہے۔ جب اسے انارکلی اور سلیم کی محبت کا علم ہوتا ہے تو وہ رقابت کی بھٹی میں جلنے لگتی ہے۔ انتقامی جذبات سے سرشار ہو کر وہ اس رازِ الفت کو اکبر کے سامنے فاش کر دیتی ہے۔ یوم جشن کے سنہرے موقع پر وہ شیش محل کو اس طرح آراستہ کرتی ہے کہ سلیم اور انارکلی کے اشاروں اور حرکتوں کو اکبر آئینوں میں صاف طور پر دیکھ سکے۔ اکبر نے جب حسن و عشق کا چشم دید مشاہدہ کیا تو اس کے قہر و جلال کی بجلی اس طرح انارکلی پر گری کہ وہ خاکستر ہو گئی یعنی شاہی فرمان کے تحت وہ زندہ دیوار میں چن دی گئی۔ اس طرح یہ ڈراما رومان سے شروع ہو کر المیہ پر ختم ہوتا ہے۔ پلاٹ کی ساخت اور ترتیب بالکل مکمل مضبوط اور تہہ دار ہے۔ تاج نے عقلِ سلیم اور فنی شعور سے کام لے کر سارے واقعات و معاملات کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔

امتیاز علی تاج نے کردار نگاری میں بڑی ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لیا ہے اور ہر کردار کو چست، درست اور متحرک رکھنے کی کوشش کی ہے۔ انارکلی، اکبر، سلیم اور دل آرام مرکزی کردار ہیں۔ ثریا، بختیار، مہارانی، انارکلی کی ماں، داروغہ زنداں امدادی کردار ہیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے ضمنی کردار بھی ہیں۔

انارکلی اس ڈرامے کی ہیروئن ہے۔ اس کی شخصیت کلیدی حیثیت اور اہمیت کی حامل ہے۔ وہ حسن و جمال کی پیکر اور معصومیت و مظلومیت کی مجسمہ ہے۔ وہ اکبر کی منظور نظر اور سلیم کا محبوبہ ہے۔ انارکلی کی شخصیت میں وہ تمام محاسن اور صفات مجتمع ہو گئی ہیں جو ایک ڈرامائی ہیروئن کے لئے لازمی ہیں۔ وہ سلیم

کے تیرِ نظر سے زخمی ہوکر زخمِ دل لئے قفس کے ایک گوشے میں سسک رہی ہے۔ وہ محبت و وفا اور شہنشاہیت اور کنیزیت کے درمیان ہچکولے کھا رہی ہے۔ جذبات و خیالات کی رو میں بہے جا رہی ہے۔ وہ ایک شمع ہے جس کا کام ہے جلنا، جلانا اور پگھلنا۔ صبر و تحمل اور عزم و استقلال کا دامن تھامے موجِ حوادث سے دوچار ہے۔ اس کے سینے میں سمندر کی گہرائی اور پنہائی ہے اور پہاڑ کا سا سکوت ہے۔ وہ محبت کو سنجیدگی اور سلیقے سے برتنا جانتی ہے۔ اس میں جذبۂ ایثار و قربانی بدرجہ اتم موجود ہے۔

سلیم اس ڈرامے کا ہیرو ہے لیکن تاج نے سلیم کی شخصیت کو زیادہ اجاگر کرنے کی سعی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلیم کو رومانیت کا دلدادہ اور مجہولیت و انفعالیت کا پیکر بنا کر پیش کیا ہے۔ اس کے مزاج میں حسن و شباب اور عشق و محبت کی کلفرائی حد درجہ نظر آتی ہے۔ وہ انارکلی کے حسن و شباب پر والہانہ اور مجنونانہ انداز میں اظہارِ عشق کرتا ہے۔ وہ انارکلی کی خاطر ہر آہنی دیوار سے ٹکرانے کے لئے تیار ہے لیکن اس میں بلند حوصلگی نہیں ہے۔ وہ کوئی دو ٹوک فیصلہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں کوہ کنی کا عزم و حوصلہ نہیں۔ وہ فرض اور محبت کے درمیان نفسیاتی کشمکش میں مبتلا نظر آتا ہے۔ وہ ضد کرتا ہے لیکن مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اس میں قوت ارادی اور قوت فیصلہ کی کمی ہے۔ وہ شکست و ریخت کا پُتلا معلوم ہوتا ہے۔ انارکلی کے لئے وہ تخت و تاج اور قدر و منزلت سب کو ٹھکرانے کیلئے تیار ہے لیکن عملی طور پر وہ ایسا نہیں کر پاتا ہے۔ وہ اکبر اعظم کی عظیم شخصیت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ وہ دل آرام سے بھی مات کھا جاتا ہے۔ وہ ذہنی اضطراب اور قلبی بے چینی میں مبتلا رہتا ہے۔

تیسرا اہم کردار دل آرام کا ہے۔ دل آرام ذہین، تیز فہم، سلیقہ مند، دور اندیش اور ایک فعال و متحرک کردار ہے۔ تاج نے بالغ نظری سے کام لے کر دل آرام کو ایک ہمہ صفت کردار بنا کر پیش کیا ہے۔ وہ سارے ڈرامے پر چھائی رہتی ہے۔ اس کے فعل و عمل اور حرکت کے ساتھ ڈراما آگے بڑھتا ہے۔ وہ خطرے اور طوفان کی علامت ہے۔ وہ ایک رقیب کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ وہ رقابت کی تمام خصوصیات سے مرصع ہے۔ تاج نے دل آرام کو المیہ کا راہ رو اور رہبر بنا کر پیش کیا ہے۔ اس کی شخصیت و پیکر میں حرص و ہوس، جلن و حسد، بغض و عناد، مکر و فریب اور حقارت و نفرت کی گہری رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ انارکلی اور سلیم کے عشق و محبت میں ڈرامائی ہیجان و استعجاب پیدا کرنے والی وہی دل آرام ہے۔ وہی اس ڈرامے میں پیچیدگی اور سنگینی پیدا کرتی ہے۔ دل آرام محض ایک کنیز ہے لیکن اس کی نقابی نگاہیں محل کے ذرے ذرے پر رہتی ہیں۔ کنیز سے لیکر اکبر اعظم تک سبھی اس کی زد میں ہیں۔ جب وہ محبت کے میدان میں شکست کھا جاتی ہے تو انارکلی، سلیم اور اکبر سب کو شکست کے در پر لا کھڑا کر دیتی ہے۔ اس ڈرامے کو المیہ تک پہونچانے میں دل آرام کا ہی ہاتھ ہے۔

اس ڈرامے کا چوتھا اہم کردار اکبر اعظم کا کردار ہے جس کے جاہ و جلال، رعب و دبدبہ، اولوالعزمی اور شان و شوکت سے ڈراما کا ہر کردار لرزہ براندام نظر آتا ہے۔ وہ ایک آہنی انسان، ایک تجربہ کار اور دور اندیش بادشاہ اور ایک چابک دست سیاست داں معلوم ہوتا ہے۔ اس میں خود اعتمادی بھی ہے، خودداری بھی اور بلند حوصلگی بھی۔ وہ اپنے فیصلے اور ارادے میں بہت سخت اور پختہ ہے۔ وہ اپنے ولی عہد میں بھی اپنی خصوصیات اور اوصاف کو دیکھنے کا متمنی ہے۔ وہ سلیم کی رومان پسندی اور خیالیاتی رغبت و رجحان سے بہت زیادہ متفکر نظر آتا ہے۔ وہ سلیم کو اشاروں اور کنایوں میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ سلیم کی ضد جذباتی فریفتگی اور والہانہ پن سے بے قرار اور بے چین ہو جاتا ہے لیکن وہ ہندوستان کی عظمت کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ وہ ایک کنیز کی خاطر ہندوستان کی قسمت کا سودا کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہے۔ وہ سلطنت مغلیہ کی شان اور آن بان کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مغلیہ سلطنت کا شاندار ماضی اور ولولہ انگیز حال تاریک مستقبل کی طرف سرکتا نظر آتا اور اپنے

عزائم کی شکست وریخت کی شعاعیں نظر آنے لگتی ہیں تو اکبر تڑپ اٹھتا ہے۔ اس کے قلب وجگر میں ایک قسم کی چبھن پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکبر ایک شفیق باپ بھی تو ہے۔ اس کی شخصیت ایک باپ کی صورت میں زیادہ آبدار اور تابعدار نظر آتی ہے لیکن وہ ایک ناعاقبت اندیش باپ ثابت ہوا ہے۔

تصادم اور کشمکش ڈرامہ کی روح ہے۔ تصادم کی عدم موجودگی میں ڈراما میں شدت، کشیدگی اور سنگینی پیدا نہیں ہوپاتی ہے۔ تصادم و کشمکش کی کیفیت دو کرداروں کے درمیان متضاد خیال ونظریہ کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔ تصادم کی نوعیت خارجی بھی ہوتی ہے اور داخلی بھی۔ انارکلی میں دونوں قسم کے تصادم کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ تاج نے نہایت فنکارانہ کمال کے ساتھ اس فن کو برتنے کی کوشش کی ہے۔ تصادم و کشمکش کی ایک مثلث نما ہالہ ہے جس کے ایک سرے پر انارکلی زخم دل لئے جذبات وتصورات میں مدغم ہے۔ وہ داخلی کشکش میں مبتلا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اظہار عشق اور اقرار محبت کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ سے لڑتی رہتی ہے۔

دوسرے سرے پر شہزادہ سلیم انارکلی کے حسن وادا پر فریفتہ ہو کر عشق اور فرض ومحبت کے درمیان پیچ وتاب کھاتا رہتا ہے۔ وہ نفسیاتی کشمکش میں مبتلا نظر آتا ہے۔

تیسرے سرے پر دل آرام انتقامی جذبات سے سرشار نظر آتی ہے۔ وہ انارکلی اور سلیم سے انتقام لیتی ہے۔ دل آرام اپنے مقصد اور مدعا کی کامیابی کے لئے مکر وفریب کا جال بُن دیتی ہے۔

تصادم کا ایک دوسرا مثلث دل آرام، اکبر اور انارکلی کا ہے۔ یہ تینوں کردار ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں۔ دل آرام ایک چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح سب پر وار کرتی ہے اور سب کو تباہی کے دہانے پر لے آتی ہے۔

کانگریو نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ٹھکرائی ہوئی عورت کے غضب کے شعلوں میں جو شدت اور تندی ہوتی ہے اس سے جہنم بھی ناواقف ہے۔ دل آرام کا انتقام انہیں شعلوں کی ایک لپٹ ہے۔

ایک تیسرا مثلث سلیم، اکبر اور انارکلی کے تصادم کا ہے۔ انارکلی اپنے سینے میں ایک کوہ آتش فشاں کی پرورش کرتی رہتی ہے۔ جب وہ اکبر سے ٹکراتی ہے تو آداب واحترام کا پردہ چاک کر دیتی ہے اور اس کا جذباتی کوہ آتش فشاں پھوٹ پڑتا ہے جس میں اکبر کا جاہ وجلال، رفعت وبلندی، سلطنت مغلیہ کی شان وعظمت اور تخت وتاج سب خاکستر ہو جاتے ہیں۔ سلیم اکبر سے ٹکراتا ہے لیکن اس کی پست ہمتی اس کو اکبر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اکبر اعظم کا غیض وغضب جب شباب پر آتا ہے تو اس کا عتاب انارکلی پر نازل ہوتا ہے۔ انارکلی کو دیوار میں چنوا کر اپنی جھلاہٹ نکالتا ہے۔ یہ اس کی شکست ہے۔

تصادم کشمکش کے ذریعہ ہی پلاٹ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا نقطۂ عروج پر پہونچتا ہے اور پھر اختتام المیہ پر ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تاج کو المیہ کے فنی رموز ونکات پر دسترس حاصل ہے۔ وہ اس فن کا گہرا تجربہ رکھتے ہیں لیکن تاج نے یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ یہ ڈراما کس کا المیہ ہے؟ انارکلی کا یا سلیم کا یا اکبر کا؟ تاج نے شعوری طور پر اس کا فیصلہ ناظرین یا قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ ارسطو المیہ کے مثالی کردار کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ وہ مثالی کردار کی تعریف وتوصیف اس طرح بیان کرتا ہے۔

" یہ اوسط درجے کا شخص ہوتا ہے۔ یہ اوصاف کے اعتبار سے بلند ترین مقام پر نہیں ہوتا لیکن اس کی بدنصیبی کا باعث اپنی کوئی بدی نہیں ہوتی بلکہ کوئی نارو افیصلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مکمل ماجرا میں کوئی ایک ہی مسئلہ ہو سکتا ہے۔ دو مسائل نہیں۔ ہیرو یا مرکزی کردار کی قسمت کی تبدیلی آلام سے انبساط کی طرف نہیں بلکہ انبساط سے آلام کی طرف ہوتی ہے۔ اس وقت جب وہ ترقی اور شہرت کے اعلیٰ مدارج

بلکہ ہوتا ہے اسکی وجہ یہ نہیں ہوتی ہے کہ اس نے کوئی برائی کی ہے بلکہ اس سے کوئی غلط فیصلہ سرزد ہو گیا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ المیہ کا مثالی کردار نہ بالکل بدمعاش اور بدطینت ہونا چاہئے اور نہ بالکل معصوم اور فرشتہ صفت بلکہ ان دونوں کے درمیان کا ایک اچھا کردار ہونا چاہئے اور اس کے مصائب اور اسکی الجھنیں خود اس کی غلط کاریوں کا نتیجہ ہوں۔ اس معیار فن پر جب ہم ڈراما انارکلی کے کرداروں کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس ڈرامہ کو المیہ میں تبدیل کرنے والا اکبر ہے۔ اسکی ضد، سنگدلی اور ناعاقبت اندیشیوں نے اس ڈراما کو المیہ میں تبدیل کیا ہے۔ اکبر انارکلی اور سلیم کے درمیان سدِ راہ بن کر ابھرا ہے۔ وہ ایک شہنشاہ بھی ہے اور ایک بیٹے کا شفیق اور غمگسار باپ بھی۔ اگر وہ چاہتا تو باپ اور بیٹے کے درمیان کی خلیج کو پاٹ سکتا تھا۔ وہ انارکلی اور سلیم کو ملا کر اس ڈرامے کو طربیہ میں بدل سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی عظمت و بلندی اور شاہی وقار و شان کو برقرار رکھنے کی غرض سے اپنے قہر و جلال کی بجلی انارکلی پر گرائی جس سے سلیم کے ارمانوں کی دنیا اجڑ گئی۔ ایسا کرکے اکبر سلیم کی نظروں سے گر گیا اور باپ بیٹے کی محبت و شفقت نفرت و حقارت میں تبدیل ہو گئی۔ آخر میں اکبر سلیم کی سیمابی کیفیت اور کربناک حالت دیکھ کر پگھل جاتا ہے۔ شفقتِ پدری کا چشمہ ابل پڑتا ہے۔ اکبر کو اپنی ناکامیوں اور غلط فیصلے کا احساس ہوتا ہے۔ وہ روتا ہے، گڑگڑاتا ہے اور کفِ افسوس ملتا ہے۔ ندامت سے اس کا سر جھک جاتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں ہمارے جذبات کا اخراج ہوتا ہے اور ہمارے اندر خلوص اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ہم فرحت و انبساط بھی محسوس کرتے ہیں پھر غور و فکر کر کے اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ یہ ڈراما اصل میں اکبر ہی کا المیہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ڈراما ارسطو کے تصور المیہ کے تقاضے کو بہر صورت پورا کرتا ہے۔ یہ ڈراما اپنی نوعیت کے لحاظ سے اسٹیجی کم ادبی زیادہ ہے۔ اس میں ادبی شستگی اور شگفتگی بدرجہ اتم موجود ہے ؎

بشکریہ "پاسبان" چنڈی گڑھ

سرکاری خبریں

دسمبر ۱۹۸۳ء میں ای۔ ایس۔ آئی کی سرگرمیاں

ماہ دسمبر ۱۹۸۳ء میں ریاستی ملازمین بیمہ کارپوریشن نے کام کرتے ہوئے مجروح ہونے والے بیمہ شدہ ۹۰۰۰،۹ر۲۵ ملازمین کو ۶۴ر ۳۹ ۷ر۸ ار۴۶ روپئے بطور مراعات دیئے۔

علاوہ ازیں مزید ۸۵ر ۹۴۱ر ۴ر ۷ر۱ روپئے بطور زچگی مراعات بیمہ شدہ عورتوں کو دیا۔ اس ماہ میں بھی کارپوریشن نے بیماری مراعات کے طور پر ۵۶ر ۳۱۲ر ۳۱ر ۳ر ۸۳ روپئے ۲۲۷ر ۹۵ بیمہ شدہ لوگوں کو دیا۔ توسیع شدہ علالت مراعات کے سلسلے میں بھی اس ماہ کارپوریشن ۰۵ر ۹۹۶ر ۱۰ر ۱۰ر روپئے دئے ؎

جھاڑگرام میں سڑک کی بہتری

جھاڑگرام سب ڈویژن میں بین پور۔۱ پنچایت سمیتی کے تحت ریاستی حکومت نے رانارانی سے چندا پور تک کی سڑک کی بہتری کے کام کے تئے ۵۲۰۰۶ روپئے کی منظوری دی ہے ؎



ربندر ابھون، کوچ بہار میں حال ہی میں منعقدہ کوچ بہار ضلع ڈرامہ تہوار ۱۹۸۴ء کی افتتاحی تقریب کا ایک منظر۔ تصویر میں (دائیں سے بائیں) وزیر اطلاعات و ثقافتی امور، شری پربھاش پھودیکار، مہمان خصوصی، وزیر زراعت، شری کمل گہا، صدر تقریب اور شری شمبھو مترا، ڈرامہ کے مشہور فن کار دیکھے جا سکتے ہیں

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya. Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004

MAGHREBI BANGAL
15 March 1984

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 31 No. 6
PRICE 25 Paise



برلا میوزیم کلکتہ میں حال ہی میں منعقدہ ایک نمائش ــــ اس نمائش میں مشرقی ہندستان کے اسکولوں کے طلبا نے شرکت کی اور اپنے اپنے اسٹالوں میں اپنے تیار کردہ سائنسی آلات اور دیگر چیزوں کی نمائش کی ۔ ــــــــــــ تصویریں : از ــــ بن گھوش







پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ یکم اپریل سنہ ۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۷

شرح خریداری

سالانہ ، تین روپے - قیمت ۱۲ پیسے فی پرچہ

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال۔
۳۳- آر این مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



شری نرمل بوس، وزیر صنعت، حکومت مغربی بنگال، حال ہی میں گریٹ ایسٹرن ہوٹل، کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب میں فالتا آزاد بندرگاہ کی بابت معلوماتی رسالہ تقسیم کرتے ہوئے

ایک شام

قمقموں کی زہر اگلتی روشنی — سنگ دل پُر ہول دیواروں کے سائے
آہنی بُت، دیو پیکر اجنبی — چیختی، چنگھاڑتی خونیں سرائے
روح الجھی جا رہی ہے کیا کروں

چار جانب ارتعاشِ رنگ و نور — چار جانب اجنبی باہوں کے جال
چار جانب خوں فشاں پرچم بلند — میں، مری غیرت، مرا دستِ سوال
زندگی شرما رہی ہے کیا کروں

کارگاہِ زیست کے ہر موڑ پر — روحِ چنگیزی بر افگندہ نقاب
تھام، اے صبحِ جہانِ نو کی ضو — جاگ اے مستقبلِ انساں کے خواب
آس ڈوبی جا رہی ہے کیا کروں

ساحر لدھیانوی

مغربی بنگال میں زرعی ترقی

زراعت اور دیہی ترقی کی بنیادی پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ (۱) اصلاحات آراضی کے اقدامات کا موثر اطلاق اور قطعات آراضی کا بہتر استعمال (۲) ایسے معاشی اقدامات کا اپنانا جس سے برگداروں اور کھیت مزدوروں کے معاشی حقوق کا تحفظ ہو اور کھیت مزدوروں کو کم سے کم اجرت ملے۔ (۳) آبپاشی کی سہولتوں کی توسیع تاکہ مجموعی طور پر زیر کاشت ۵۰ فیصد علاقوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں۔ اس سلسلہ میں آب پاشی، پانی کے نکاس اور سیلاب کنٹرول کو ترجیح دی جائے گی (۴) زرعی پیداوار کے لئے مناسب قیمتوں پر زرعی چیزوں جیسے بیج، کھاد وغیرہ کی بروقت دستیابی، نیز زرعی پیداوار کو حفاظت کے ساتھ رکھنے، انکی نقل و حمل اور انہیں بازار میں فروخت کرنے کی سہولتیں اور خاص طور پر خشک سالی سے متاثرہ علاقوں میں کاروباری فصلوں کی کاشتکاری (۵) زرعی پیداوار کے لئے مناسب اقدامات معہ قیمت۔ تائید اسکیم، کا اپنانا (۶) زرعی ترقی کے لئے امداد باہمی اور پنچایت تنظیموں کو موثر طور پر روبہ کار لانا (۷) اس موسم میں جب کھیتی باڑی کا کام ہوتا ہے، ان فاضل زرعی مزدوروں کو برسر روزگار رکھنے کے لئے زرعی محاذ میں روزگار کے مزید مواقع پیدا کئے جائیں اور (۸) کسانوں کیلئے سماجی تحفظ اقدامات، جیسے غلہ بیمہ اور کسانوں کے پنشن کو جاری رکھا جاتے۔

سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء، سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء، سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء اور سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں سیلاب اور خشک سالی سے متاثرہ علاقوں میں متبادل فصلیں اگانے کے لئے ہنگامی اقدامات کے ساتھ ساتھ زرعی بہتری کے لئے لمبے عرصہ کے بہت سارے اقدامات جیسے آبپاشی کے چھوٹے پیمانہ کی اسکیمیں، پانی کے نکاس، غلہ بیمہ اسکیم کی توسیع، اناج کی نئی نئی قسموں کی کاشتکاری وغیرہ، ریاستی حکومت نے کئے۔ آبپاشی کے چھوٹے پروجیکٹوں کے کمانڈ علاقوں میں دھان کے پودوں کی کاشت کے لئے پانی ٹیکس کی حصولیابی کے کام کو ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اضلاع پرولیا، بانکوڑہ، مدناپور، بیر بھوم، بردوان، ہگلی، ندیا اور مرشد آباد کے خشک سالی سے متاثر علاقوں میں کسانوں کے درمیان مفت تقسیم کرنے کے سلسلہ میں دھان۔ بیج خریدنے کے لئے ریاستی حکومت ۸۰ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی نیز ان کسانوں کو کاشتکاری کیلئے حسب ضرورت چیزیں خریدنے کے لئے مختصر عرصہ کے قرض کے طور ۶ کروڑ روپئے دینے کی ریاستی حکومت نے منظوری دی۔

زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے اور روزگار کے امکانات میں اضافہ کرنے کے پیش نظر مجموعی طور پر ۲ر۱ لاکھ ہیکٹارس قطعات آراضی میں مٹی کی زرخیزی کو برقرار رکھنے اور پانی کی فراہمی کا انتظام کیا گیا۔ چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت نے امداد کی شرح ۵۰ فیصد سے بڑھا کر ۱۰۰ فیصد کر دی۔ پانی کھوج نظامت نے سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء تک اس ریاست کے ۳۳۵ بلاکوں میں سے ۲۲۹ بلاکوں میں زمین دوز پانی کے امکانات کا جائزہ لینے کا کام مکمل کر لیا۔

اس ریاست میں پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر میں کم گہرے ٹیوب ویل کی کل تعداد ۵ر۱ لاکھ ہے۔ سنہ ۸۱-۸۰ میں چھوٹی آبپاشی اسکیموں کے تحت مزید ۳ر۷۵ ہزار ہیکٹارس قطعات آراضی کے لئے اور سنہ ۸۲-۸۱ میں ۱۶ر۳۱ ہزار ہیکٹارس قطعات آراضی کے لئے آب پاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

باقی صفحہ نمبر ۹ پر

سماج کے ارتقا

انسانی تاریخ بڑی پیچیدہ ہے۔ اس کے بہت سارے پہلو ہوتے ہیں۔ انقلابات، شورشیں، بغاوتیں، خونریز جنگیں، مفادات کا تصادم، تصورات کی کشمکش۔ تاریخ میں یہ چیزیں بالکل عام ہیں۔ واقعات کے اس بھنور میں جو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں، ایک شخص اپنا صحیح راستہ کیسے پائے۔ کیا ان واقعات کو کوئی قانون متعین کرتا ہے یا یہ سراسر کسی اتفاق پر منحصر ہوتے ہیں۔ سماجی مظاہر کی ان بھول بھلیوں میں ہم کس طرح اپنا راستہ تلاش کریں اور کس طرح یہ تعین کریں کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ اہم ہے؟ ان سوالوں کا جواب سماجی ارتقا کے قوانین کے بارے میں مارکس کی تعلیم مہیا کرتی ہے جس کو تاریخی مادیت کہا جاتا ہے۔

تاریخ کا مادّی تصور :

سماج کے ارتقا اور فطرت کے ارتقا دونوں میں بنیادی فرق ہے ــــــ با ارادہ اور باشعور قوتیں سرگرم عمل نہیں ہوتیں۔ وہ بلا ارادہ اور خودرو انداز میں ترقی کرتی ہیں۔ سماجی ارتقا اس سے مختلف معاملہ ہے۔ سماج کی تشکیل لوگ کرتے ہیں جو عقل و ادراک سے کام لیتے ہیں، یہی لوگ اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اپنے لئے مقاصد متعین کرتے ہیں اور انہیں حاصل کرنے کیلئے کام کرتے ہیں۔ شاید اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہو کہ یہ انسان کی عقل، تصورات اور مقاصد ہیں جو سماج کی زندگی کا تعین کرتے ہیں۔

لیکن یہ غلط مفروضہ ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ایک شخص کو روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ چاہیئے۔ ضروریات وہ چاہے یا نہ چاہے، اسکو مجبور کرتی ہیں کہ وہ فطرت سے ربط پیدا کرے اور دوسرے لوگوں سے میل جول اور تعلقات قائم کرے۔ وہ کھیتی باڑی کرتا ہے، مکانات تعمیر کرتا ہے، کپڑے بنتا ہے، ساز و سامان اور آلات و اوزار تیار کرتا ہے اور اپنی محنت کی پیداوار کا دوسرے سے لین دین کرتا ہے۔ یہ لوگوں کی مادّی زندگی ہے۔ ان کی سماجی زندگی وہ ہوتی ہے جس کا ارتقا خود اس کے اپنے معروضی قوانین کے تابع ہوتا ہے اور یہ ایسے قوانین ہیں جن کا سماج میں رائج تصورات اور نظریات پر انحصار نہیں ہوتا۔

سماجی زندگی کا اصل عنصر محنت ہے جس کا مقصد مادّی فوائد اور سہولتوں کی تخلیق ہوتا ہے۔ ہمیشہ محنت ہی نے انسانی زندگی کی فطری اور ضروری شرط سماج کے وجود، اسکی بقا اور ارتقا کی بنیاد متعین کی ہے۔

لوگوں کی سماجی زندگی کا تعین انکا سماجی شعور یعنی ہر وہ چیز کرتی ہے جو اس کی روحانی زندگی کو ترتیب دیتی ہے اور اس کی تشکیل کرتی ہے۔ ہم سیاسی اداروں، خیالات، تصورات اور نظریات کے جوہر کو اس وقت تک صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ ان کے مبدا اور ماخذ کی مادّی بنیاد یعنی سماج کے معاشی ڈھانچے کو نہ سمجھیں۔

ایک ہی سماج میں مختلف سماجی تصورات اور نظریات کیوں ہوتے ہیں؟ مثال کے طور پر سرمایہ داری کے تحت بورژوا اور سوشلسٹ دونوں نظریات ہیں۔ بورژوا نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کی حفاظت اور مدافعت کرتا ہے۔ وہ سماج میں سرمایہ دار

طبقہ کے موقف اور اس کے مفادات کی عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے۔ سرمایہ دار مزدوروں کا استحصال کرتے ہیں، اقتدار پر قابض اور متصرف ہوتے ہیں اور زندگی کی تمام راحتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ مفاد کی ترجمانی اور عکاسی کرنے والے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سرمایہ داری انتہائی مکمل اور منصفانہ سماجی نظام ہے۔

دوسری طرف سوشلسٹ یا اشتراکیتی نظریہ پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کے انقلابی فرائض اور مقاصد کو منضبط کرتا ہے اور سرمایہ داری کا تختہ الٹنے اور اشتراکیت کو اپنانے کے راستوں اور طریقوں کی نشاندہی اور تعین کرتا ہے۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سماجی تصورات کا متن و مواد اور مافیہ ان طبقات کی جن کے مفادات یہ تصورات اظہار کرتے ہیں، سماجی زندگی کے حالات متعین کرتے ہیں۔

آپ چاہے کسی بھی سماجی نظریہ کی جانچ پڑتال کریں، آپ بلاشبہ اس کی جڑیں سماجی زندگی کے میدان میں، سماج کی زندگی کے مادی حالات ہی میں پیوست پائیں گے۔ اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سماجی ارتقا کی محرک قوت لوگوں کے شعور میں نہیں بلکہ ان کی سماجی زندگی میں مادی آسائشوں کی پیداوار کی سطح میں تلاش کی جانی چاہئے۔

پیداوار کیا ہے: آیئے پہلے ہم یہ طے کریں کہ پیداوار کیا ہے۔ کوئی بھی چیز پیدا کرنے کیلئے ہمیں اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے جن سے کام کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چکنی مٹی، خام لوہا وغیرہ۔ ایسی ساری چیزیں جن پر انسان کام کرتا ہے موضوع محنت کہلاتی ہیں۔ کوئی بھی مادی چیز خالی ہاتھوں سے پیدا نہیں کی جاتی۔ ہم انتہائی سیدھے سادے اور انتہائی معمولی کام تک کرنے کے لئے ہتھوڑا، کلہاڑی یا پھاوڑا استعمال کرتے ہیں۔ عصری صنعتی پیداوار کے لئے تو طرح طرح کے آلات و اوزار، کل پرزے مشینیں اور سازوسامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چیزیں جنہیں انسان میکانکی، طبیعاتی اور کیمیائی طاقتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے موضوع محنت پر کام کرنے کیلئے استعمال کرتا ہے، آلات محنت کہلاتی ہیں۔ مارکس نے ان کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے انہیں پیداوار کی ہڈیوں اور عضلات سے تعبیر کیا ہے۔ کوئی چیز پیدا یا تیار کرنے کیلئے ہمارے پاس آلات محنت کے علاوہ کارخانوں کی عمارتیں، گودام، توانائی کے وسائل، ریلوے، برقی ترسیل کی لائنیں، آبپاشی کی نہریں وغیرہ بھی ہونی چاہئیں۔ یہ چیزیں آلات محنت کے ساتھ مل کر ذرائع محنت بنتی ہیں۔ موضوع محنت اور ذرائع محنت مل کر ذرائع پیداوار بنتے ہیں۔ اس طرح مادی حالات کا وہ مجموعہ وجود میں آتا ہے جو پیداوار کو ممکن بناتا ہے۔

پھر پیداوار میں انسان کی ذاتی محنت شامل ہوتی ہے۔ انسان کے بغیر مشینیں بے روح اور بے جان ہوتی ہیں۔ وہ خود اپنے طور پر مادی دولت پیدا نہیں کر سکتیں۔ مادی دولت کے پیدا کرنے والے پیداوار میں ایک اہم ترین عنصر ہوتے ہیں۔

سماج کے ذرائع پیداوار اور وہ لوگ جو انہیں متحرک کرنے کا علم اور تجربہ رکھتے ہیں مل کر اس کی پیداآور قوتیں بنتے ہیں۔ وہ سماج اور فطرت کے درمیان مادی تعلقات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کی ترقی کی سطح یہ بتاتی ہے کہ کس حد تک انسان فطرت پر غالب ہے۔

کوئی بھی انسان تن تنہا وہ ساری چیزیں پیدا نہیں کر سکتا جن کی اس کو اپنی زندگی کے لئے ضرورت ہے۔ ذرائع محنت، پیداواری تجربہ اور محنت کی پیداوار، یہ ساری چیزیں لوگوں کی مشترکہ محنت اور مشترکہ کوششوں کے نتیجے ہیں۔ جب لوگ مل کر کام کرتے ہیں تو وہ لازمی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ پیداواری تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔

پیداواری تعلقات کیا ہیں؟ اولین دور کے سماج میں ایک قبیلہ کے تمام افراد سماجی پیداوار میں مساوی موقف رکھتے تھے۔ وہ گزربسر کے ذرائع حاصل کرنے کیلئے مل جل کر کام کیا کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی مدد اور اعانت کرتے تھے اور اپنی مشترکہ محنت اور کاوشوں سے جو کچھ بھی پیدا یا تیار کرتے تھے وہ سب مل جل کر صرف کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ

ذرائع پیداوار برادری کے تمام ارکان کی مشترکہ ملکیت ہوتے تھے۔

غلامی کے سماج، جاگیردارانہ سماج اور سرمایہ دارانہ سماج میں لوگوں کے درمیان تعلقات بالکل بدل گئے۔ لوگوں کے مختلف گروہ پیداوار کے نظام میں مختلف موقعوں کے حامل ہوگئے۔ کچھ لوگ دوسروں کا استحصال کرنے لگے اور سماجی محنت کی پیداوار کی تقسیم غیر مساوی طور پر ہونے لگی۔ ان سماجوں میں مٹھی بھر استحصال کار مادی فوائد کے بہت بڑے حصے پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے ہیں اور گلچھرے اڑاتے ہیں جبکہ بہت بڑی تعداد میں لوگ جبر و ستم اور ان گنت محرومیوں کا شکار بنے ہوتے عزت و افلاس اور تنگ دستی کی زندگی گزارتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ان سماجوں میں، جو استحصال پر مبنی ہیں، مٹھی بھر لوگ تمام ذرائع پیداوار کے مالک ہوتے ہیں۔

جب اشتراکیتی سماج قائم ہو جاتا ہے تو پیداواری تعلقات کا ساتھ، ان کی نوعیت اور کردار بھی بدل جاتے ہیں۔ اب یہ تعلقات مل جل کر کام کرنے کے تعلقات بن جاتے ہیں اور مادی فوائد کام کی مقدار کے مطابق تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اشتراکیتی سماج میں پیداوار کے اہم ذرائع پورے سماج کی ملکیت ہوتے ہیں۔

اس لئے پیداواری تعلقات کے طرز کا تعین کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار کس کی ملکیت ہیں۔ پیداواری تعلقات، دراصل ملکیت کے تعلقات ہوتے ہیں۔

ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت استحصال کے تعلقات کو جنم دیتی ہے اور انکی عوامی ملکیت مل جل کر کام کرنے کے تعلقات کو وجود میں لاتی ہے۔ اس ملکیت کی اشکال پیداوار میں معروف سماجی گروہوں کے موقف اور محنت کے پھلوں کی تقسیم کے طریقے، دونوں کا تعین کرتی ہے۔

پیدا کرنے والی طاقتیں اور پیداواری تعلقات:

پیدا کرنے والی طاقتیں اور پیداواری تعلقات کس طرح ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں؟ جب سے انسانی سماج عالم وجود میں آیا، اس وقت سے لوگ مادی فوائد تخلیق کر رہے ہیں۔ اگر پیداوار رک جائے تو سماج بہت جلد اپنے محفوظ وسائل کو خرچ کر بیٹھے گا اور نیست و نابود ہو جائے گا۔ پیدا کرنے والی قوتوں اور پیداواری تعلقات کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک اندرونی رابطہ ہوتا ہے۔ پیدا کرنے والی قوتوں کی کسی خاص سطح کے لئے اسی مناسبت سے پیداواری تعلقات کی سطح بھی چاہیئے۔ تاریخ کے کسی مخصوص مرحلہ پر لوگ مادی دولت کس طرح پیش کرتے ہیں۔ اس راز کو ہم صرف اسی صورت میں سمجھ سکتے ہیں جب ہم پیدا کرنے والی قوتوں اور پیداواری تعلقات کا ایک ساتھ جائزہ لیں۔ دوسرے الفاظ میں پیدا کرنے والی قوتیں اور پیداواری تعلقات دونوں مل کر سماج کی مادی دولت کا طریقۂ پیداوار بنتے ہیں۔

پیدا کرنے والی قوتیں طریقۂ پیداوار کا سب سے حرکت پذیر عنصر ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی فوائد کی پیداوار کے مسلسل عمل کے دوران لوگ متواتر زیادہ سے زیادہ علم اور تجربہ حاصل کرتے جاتے ہیں جو انہیں اس قابل بناتا ہے کہ موجودہ آلات پیداوار کو ترقی دیں اور نئے آلات پیداوار ایجاد کریں۔ اس طرح پیدا کرنے والی قوتیں مسلسل ترقی کرتی اور آگے بڑھتی رہتی ہیں۔

پیداواری تعلقات کا معاملہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ملکیت کی شکلیں راتوں رات تبدیل نہیں ہوتیں۔ وہ نسبتاً دیرپا ہوتی ہیں۔ اولین دور کے سماج میں ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت، لاکھ لاکھ برسوں تک قائم رہی، غلاموں پر آقاؤں کی ملکیت کا رواج ہزاروں برسوں تک جاری رہا۔ جاگیرداری ایک ہزار سے زیادہ برسوں تک باقی رہی اور اب سرمایہ داری کئی صدیوں سے زندہ ہے۔

طریقۂ پیداوار کے دونوں عناصر یعنی پیدا کرنے والی قوتیں اور پیداواری تعلقات یکساں اور ہم آہنگ رفتار سے ترقی نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیداواری تعلقات پیدا کرنے والی قوتوں سے پیچھے چھوٹ جاتے ہیں۔ اور انجام کار ان دونوں کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ بچھڑے ہوئے پیداواری تعلقات

پیدا کرنے والی قوتوں کی ترقی میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور یہ ٹکراؤ اس وقت تک دور نہیں ہوتا جب تک کہ نئے پیداواری تعلقات جو پیدا کرنے والی قوتوں کی سطح سے مطابقت رکھتے ہوں، پرانے پیداواری تعلقات کی جگہ نہ لے لیں۔ نئے پیداواری تعلقات پیدا کرنے والی قوتوں کی ترقی و فروغ کیلئے زیادہ وسعت اور امکانات مہیا کرتے ہیں اور شروع شروع میں تو ان کی ترقی کو تقویت بھی پہنچاتے ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد پیدا کرنے والی قوتیں پھر پیداواری تعلقات سے آگے نکل جاتی ہیں۔ طریقہ پیداوار کے دونوں عناصر کے درمیان پھر ایک تفاوت ایک تناقض پیدا ہوجاتا ہے اور تاریخ اپنے ارتقا کے میدان میں ایک اور چھلانگ لگاتی ہے۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ طریقہ پیداوار کے ان دونوں عناصر کے درمیان بہت گہرا تعلق ہوتا ہے، اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ پیداواری تعلقات کا انحصار پیدا کرنے والی قوتوں پر ہوتا ہے اور انہیں ان سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ جب ان کے درمیان مطابقت ختم ہوجاتی ہے تو اسی کے ساتھ ہی طریقہ پیداوار میں اختلافات اور تضادات پیدا ہوجاتے ہیں۔ پیداواری تعلقات میں تبدیلی ضروری اور لازمی ہوجاتی ہے۔ یہ پیدا کرنے والی قوتوں کی سطح اور ماہیت کے ساتھ پیداواری تعلقات کی مطابقت کے قانون کا لب لباب ہے۔ یہ قانون تاریخی ترقی کا سرچشمہ ہے۔ یہ پرانے طریقہ پیداوار کی جگہ نئے اور زیادہ ترقی یافتہ طریقہ پیداوار کو اپنانے کی ضرورت کا تعین کرتا ہے۔

ایک سادہ لوح شخص کو تاریخ واقعات کا ایک بھنور دکھائی دیتی ہے جس میں سیاستدانوں، مدبروں، حکمرانوں اور فوجی سرداروں کے جذبات مسلسل ایک دوسرے سے ٹکراتے اور بھڑتے رہتے ہیں۔ ان کی نظروں میں یہی لوگ تاریخ کے معمار اور خالق ہوتے ہیں۔ اس کے گمان میں بھی یہ تصور نہیں آتا کہ یہ گہرے تاریخی سلسلہ ہائے طریقہ پیداوار کی ترقی اور تبدیلی کو متعین کرنے والے قوانین کی کارفرمائی اور پیدا کرنے والی قوتوں اور پیداواری تعلقات کے تفاعل کے باعث واقع ہو رہے ہیں۔ یہی سلسلہ ہائے عمل انسانی تاریخ کی بنیاد ہیں۔

تاریخ کے قانون:

سماجی ارتقا کے قانون معروضی ہوتے ہیں یعنی یہ کہ انہیں تبدیل یا منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ہم انہیں دریافت کرسکتے ہیں، انہیں سمجھ سکتے ہیں اور انہیں اپنی سرگرمیوں میں سماج کے فائدے اور رفاہ کی خاطر استعمال کرسکتے ہیں۔ ان معنوں میں ان کے اور فطرت کے قوانین کے درمیان بہت کچھ مشترک ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ انسان کشش ثقل کے قانون کو منسوخ نہیں کرسکتا لیکن اس قانون اور دوسرے قوانین کی دریافت نے اس کے لئے یہ ممکن بنادیا ہے کہ ہوائی جہاز، یہاں تک کہ زمین کی کشش ثقل پر قابو پانے والے راکٹ بنالے۔ یہی بات سماجی ارتقا کے قوانین پر بھی صادق آتی ہے۔ مثال کے طور پر اشتراکی معیشت منظم کرنے کے لئے اشتراکیت کے ظہور اور ارتقا کے قوانین کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔

اکثر بورژوا ماہرین سماجیات سماجی ارتقا کے معروضی قوانین کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ تاریخی واقعات کبھی بھی اپنے آپ کو نہیں دہراتے۔

بلاشبہ، نوع انسان کی تاریخ کا ہر واقعہ کسی حد تک منفرد ہوتا ہے۔ ۱۸ ویں صدی کا فرانسیسی بورژوا انقلاب، ۱۷ ویں صدی کے برطانوی بورژوا انقلاب کی ہو بہو نقل نہیں تھا۔ ان میں سے ہر انقلاب نے خود اپنی روش اختیار کی اور دونوں ہی خود اپنی امتیازی خصوصیات رکھتے ہیں۔

لیکن بعض تاریخی واقعات کی یکتائی کے باوجود سماجیات ان میں کئی مشترکہ عام خصوصیات اور باضابطگیوں کی شناخت اور نشاندہی کرسکتی ہے۔ بورژوا انقلابات اپنے تمام اختلافات کے باوجود مشترکہ معاشی بنیاد اور مشترکہ معروضی فریضے رکھتے تھے۔ یہ تمام انقلابات ابھرتے ہوئے بورژوا طبقے اور جاگیردارانہ ڈھانچے کے درمیان ٹکراؤ تھے اور جاگیردارانہ ڈھانچے کی جگہ سرمایہ دارانہ

ڈھانچہ رائج کرنے کی بڑھتی ہوئی ضرورت کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام بورژوا انقلابات میں بعض عام خصوصیات مشترک ہوتی ہیں۔

تاریخی واقعات کی مخصوص خصوصیات سماجی ارتقا کے قوانین کے اظہار کی مخصوص شکلوں کا ثبوت مہیا کرتی ہیں۔

تاریخی ارتقا کے قوانین کو ان قوانین کے ساتھ، جنہیں حکومتیں نافذ کرتی ہیں، یعنی انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے ساتھ گڈمڈ نہیں کیا جانا چاہیے جنہیں منسوخ کیا جا سکتا ہے اور جن کی جگہ نئے قانون مرتب اور رائج کئے جا سکتے ہیں۔

فطرت کے قوانین کے مقابلے میں سماجی ارتقا کے قوانین کی ایک مخصوص خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان میں اکثر قانون قلیل الحیات ہوتے ہیں یعنی یہ نسبتاً کم عرصے تک زندہ رہتے ہیں، وہ ایک تاریخی دور میں کام کرتے ہیں اور پھر نئے قانون ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ سماجی ارتقا کے قوانین کی یہ "ادلا بدلی" ان تبدیلیوں کی وجہ سے ہوتی ہے جو پیدا کرنے والی قوتوں کی ترقی کے باعث سماج کی مادی زندگی میں واقع ہوتی ہے۔ آلات محنت اور ذرائع پیداوار کی ملکیت کی مخصوص شکل پر مبنی پیداواری تعلقات کی ہر نئی قسم خود اپنے معروضی قوانین کو، سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر معاشی قوانین کو جنم دیتی ہے۔

سماجی ارتقا کے قانون اپنی کارگذاری کی مدت کے مطابق مختلف زمروں میں آتے ہیں۔ بعض قوانین ہوتے ہیں جو انسانی تاریخ کے تمام مرحلوں میں کام کرتے رہتے ہیں۔ ان میں پیدا کرنے والی قوتوں کی ماہیت کے ساتھ پیداوار کی تعلقات کی مطابقت کا قانون بھی شامل ہے۔ عام قانون مختلف تاریخی حالات میں مختلف ڈھنگ سے کام کرتے ہیں۔ وہ سماجی ارتقا کے ہر مرحلہ پر ایک مخصوص شکل اختیار کرتے ہیں۔

کچھ سماجی قانون ایسے ہوتے ہیں جو پیداوار کے تمام طریقوں میں نہیں بلکہ بعض طریقۂ کار میں کام کرتے ہیں۔ اس زمرے میں قانونی قدر اور طبقاتی جدوجہد کے قانون بھی شامل ہیں۔

آخر میں کچھ ایسے قوانین ہیں جو کسی ایک طریقۂ پیداوار میں کام کرتے ہیں۔ یہ مخصوص قوانین ہیں جو کسی مخصوص سماج کی سرگرمیوں کے مختلف پہلوؤں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

سماجی ارتقا کے قوانین تاریخ کی پوری روش کا تعین کرتے ہیں۔ ہمیں سماجی زندگی کے مظاہر کو صحیح طور پر سمجھنا، سماجی ترقی کیلئے جدوجہد کرنے اور معاشی اور سماجی سلسلہ ہائے عمل کو شعوری طور پر قابو میں رکھنے کیلئے ایسے قوانین کی بابت تفصیلات سے واقف ہونا چاہیئے۔

{کارل مارکس کے مضامین پر مبنی}

(باقی صفحہ کا) فی الحال مختلف غلوں کے بیج، جن کی مجموعی مالیت تین کروڑ روپئے ہے، دیگر ریاستوں سے منگائے جاتے ہیں تاکہ اس ریاست کے کسانوں کی ضرورتیں پوری کی جا سکیں۔ اس ریاست میں مغربی بنگال ریاستی بیج کارپوریشن قائم کیا گیا۔ اس کارپوریشن کے ذریعہ ۷۷-۷۸ء سے ۸۱-۸۲ء تک کسانوں کے درمیان بیج، ادویہ اور دیگر ضروری چیزوں کی ۸۹۱۴۷۱۴ چھوٹی تھیلیاں مفت تقسیم کی گئیں۔ ۷۸-۷۹ء، ۸۰-۸۱ء اور ۸۱-۸۲ء میں علی الترتیب ۱۴ر۹۷ لاکھ، ۲۲ لاکھ اور ۸۷ر۲۲ لاکھ ہیکٹائرس قطعات آراضی کو جراثیم کش ادویہ کے ذریعہ جراثیم سے پاک رکھا گیا۔ نیز برگداروں کو بھی مختصر عرصہ کے قرض آسان شرائط پر فراہم کئے گئے۔

۷۹-۸۰ء میں ۸۲۴۶ کسان امن دھان بیمہ کیلئے غلہ بیمہ اسکیم کے تحت آ گئے۔ ۸۰-۸۱ء میں بورو دھان کو بھی اس بیمہ اسکیم کے تحت لایا گیا۔ ۸۱-۸۲ء میں دھان کے ساتھ اوس دھان اور آلو کو بھی اس اسکیم کے تحت لایا گیا۔ چھوٹے، حاشیائی کسانوں اور برگدار بیمہ کے لئے جتنی رقم بطور پریمیم ادا کرتے ہیں، ریاستی حکومت اور حکومتِ ہند اس کا نصف برداشت کرتی ہیں۔ کسانوں کے ضعیفی پنشن اسکیم سارے ہندستان میں پہلی بار اس ریاست میں نافذ کی گئی ہے۔

پریم چند کا ایک ابتدائی ناول
ہم خرما و ہم ثواب یا پریما

ڈاکٹر سعید عارفی

"ہم خرما و ہم ثواب" پریم چند کا دوسرا ناول ہے اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن بابو مہادیو پرشاد ورما نے شائع کیا اور دوسرا ایڈیشن نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا مگر کسی ایڈیشن پر سنِ اشاعت درج نہیں ہے۔ امرت رائے نے "زمانہ" میں شائع شدہ اشتہارات اور تبصرے کی بنیاد پر "ہم خرما و ہم ثواب" کا سنِ اشاعت ۱۹۰۶ء متعین کیا ہے اور یہی سنِ اشاعت صحیح معلوم ہوتا ہے۔ پریم چند نے امتیاز علی تاج کے نام ۲۹ جنوری ۱۹۲۱ء کو خط تحریر کرتے ہوئے "ہم خرما و ہم ثواب" کو اپنی ۱۹۰۰ء کی تصانیف میں شامل کیا ہے مگر یہ قرینِ قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ 'زمانہ' میں ستمبر ۱۹۰۶ء سے "ہم خرما و ہم ثواب" کے اشتہارات برابر ملتے ہیں۔ اگر "ہم خرما و ہم ثواب" کی اشاعت پہلے ہوئی ہوتی تو منشی دیا نرائن نگم سے پریم چند کے تعلقات کے پیش نظر کسی تاخیر سے اشتہار کی اشاعت کا سوال ہی نہیں ہے اس لئے ہم شائع شدہ اشتہارات کی بنیاد پر "ہم خرما و ہم ثواب" کو پریم چند کا دوسرا ناول کہہ سکتے ہیں۔

"ہم خرما و ہم ثواب" کا ہندی ترجمہ ۱۹۰۷ء میں "پریما" کے نام سے شائع ہوا۔ "پریما" کی اشاعت انڈین پریس الہ آباد سے ہوئی۔ اس طرح "پریما" الگ سے پریم چند کا کوئی طبع زاد ناول نہیں ہے بلکہ ان کے اردو ناول "ہم خرما و ہم ثواب" کا ہندی ترجمہ ہے۔ "پریما" کے کرداروں کے نام، پلاٹ اور مسائل سب "ہم خرما و ہم ثواب" کے مماثل ہیں۔ "ہم خرما و ہم ثواب" کا اردو ایڈیشن عام طور پر نایاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ ڈاکٹر قمر رئیس کے پاس موجود ہے۔ امرت رائے نے پریم چند کے ابتدائی ناولوں کو "منگلا چرن" کے نام سے مرتب کرتے وقت "ہم خرما و ہم ثواب" کو شامل کر لیا ہے۔ اردو ایڈیشن دستیاب نہ ہونے کی بنا پر زیر نظر مطالعہ میں ہندی ایڈیشن کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

پریم چند نے اپنے پہلے ناول "اسرارِ معابد" میں بھی عورتوں کے مسائل کو موضوع بنایا تھا مگر "اسرارِ معابد" میں وہ عورتوں کے مذہبی مقامات پر جانے اور لوگوں کے مذہب کے پردے میں محفلِ عیش و نشاط آراستہ کرنے کے رویے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے رہ گئے تھے۔ "اسرارِ معابد" میں مسائل پر ان کی گرفت ڈھیلی ہے اور ان کی اس کمزوری کا احساس اس ناول میں قاری کو قدم قدم پر ہوتا ہے۔ "ہم خرما و ہم ثواب" میں بیوگی کے مسائل کے حل کو ایک انقلابی کیفیت عطا کر دی ہے۔ اسی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ عورت اور بیوگی کے مسائل ابتدا سے پریم چند کے فکر و فن کا جزو رہے ہیں۔

چونکہ پریم چند کے فکر و فن کی اساس بیوگی کے مسائل اور اصلاح معاشرت پر ہے اس لئے وہ "ہم خرما و ہم ثواب" کی ابتدا بھی اصلاحِ معاشرت سے کرتے ہیں۔ انہوں نے ناول کی ابتدا میں خادم قوم لالہ دھنک دھاری لال ایک پرجوش

تقریراً اصلاحِ معاشرت کے موضوع پر کرادی ہے، جس سے امرت رائے جو ناول میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، متاثر ہوتا ہے اور اپنی زندگی کو یکسر بدلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

امرت رائے ایک نوجوان وکیل ہے۔ شہر کے امیر وکبیر اور باعزت لوگوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کے باپ شہر کے نامی گرامی وکیلوں میں تھے۔ اچھی خاصی دولت کمائی تھی مگر انگریزی تہذیب و تمدن کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کے برعکس امرت رائے کے مزاج پر انگریزی تہذیب و تمدن کا گہرا اثر تھا۔ اس نے ابتدائی درجات سے انگریزی تعلیم پائی تھی۔ باپ کی موت کے بعد اس نے ایک خوبصورت مکان دریا کے کنارے بنوایا تھا۔ اس مکان کی تعمیر کے وقت اس کو اپنے کئی آبائی مکانات فروخت کرنے پڑے تھے جو بہت معمولی قیمتوں پر فروخت ہوئے تھے۔ ان باتوں کے علاوہ اس کو بچپن سے ہی مطالعہ کا شوق تھا اور اس کے پاس ایک اچھی لائبریری تھی جس میں مختلف علوم کی کتابیں موجود تھیں۔ اسے فنونِ لطیفہ سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ وہ مجرد زندگی گزار رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب تک اس کی وکالت شباب پر نہ آجائے شادی کرنا مناسب نہیں۔

چونکہ امرت رائے مکمل طور پر انگریزی تہذیب میں گرفتار تھا اس لیے اس کی طرزِ معاشرت کی تبدیلی کو لوگ ناپسند کرتے تھے۔ لالہ بدری پرشاد ملک کی قدیم روایتوں کے دلدادہ تھے۔ روزانہ بھاگوت کی کتھا کرنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ سادھوؤں اور فقیروں کو کھانا کھلاتے، ہر صبح گنگا میں اشنان کرتے تھے چنانچہ ان کا طرزِ زندگی لوگوں کے لئے پسندیدہ بن گیا تھا۔ اس مزاج اور کردار کے انسان کو امرت رائے کیوں کر پسند آسکتا تھا، وہ اسے بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی مگر اپنی باتوں کو بے اثر دیکھ کر خاموش ہو رہے۔ منشی بدری پرشاد اور امرت رائے کے مزاج و کردار کے تضاد کی تصویر کشی میں پریم چند نے اس تہذیبی زندگی کی تبدیلی کی طرف بعض اہم اشارے کئے ہیں، جو نئی تعلیم کی بدولت ملک گیر مقبولیت حاصل کر رہی تھی۔ انہوں نے چابکدستی سے سماجی کی شکست و ریخت کے عمل پر تبصرہ کیا ہے جس میں ایک طرف بدری پرشاد امرت رائے کو ناپسند کرتا ہے لیکن بظاہر ونیلے نفرت کے باوجود ایک ایسے نوجوان کی تلاش کرتا ہے جو نئی روشنی سے سنوار آگیا ہو اور معنوی دولت کے ساتھ ظاہری دولت بھی رکھتا ہو، اسی لئے تمام باتوں کے باوجود وہ اپنی بیٹی پریما کی شادی امرت رائے سے کرنا چاہتا ہے کیوں کہ سارے شہر میں انہیں امرت رائے جیسا کوئی دوسرا لڑکا نظر نہیں آتا جس کے پاس علم بھی ہو، دولت بھی ہو اور خاندانی وقار بھی ہو۔ لالہ بدری پرشاد امرت رائے کے خیالات و معیار کے مطابق پریما کو انگریزی، فارسی اور ہندی کی تعلیم دلواتے ہیں۔ پریما حسن و صورت میں لاجواب تھی اور تعلیم نے اس کے حسن میں مزید اضافہ کر دیا۔ منشی بدری پرشاد بظاہر امرت رائے کی انگریزیت کا مخالف نظر آتا ہے لیکن جب اسے یہ خبر ملتی ہے کہ امرت رائے سماجی و مذہبی اصلاحات کی تحریکات سے وابستہ ہو گیا ہے تو اس کی خفگی بڑھ جاتی ہے۔ اسے اصلاحی تحریکات میں عیسائیت کا شائبہ نظر آتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ امرت رائے نے اپنا خاندانی مذہب و مسلک ترک کر دیا ہے چنانچہ اس نے خفا ہو کر امرت رائے سے پریما کا رشتہ ختم کر دیا۔ پریما سے رشتہ ٹوٹنے کے واقعہ نے امرت رائے کو شدید متاثر کیا مگر اس نے اپنی اصلاحی سرگرمیوں میں کمی نہ کی بلکہ اپنا زیادہ تر وقت تحریک کی نذر کرنے لگا۔

امرت رائے کا قریبی اور عزیز ترین دوست دان ناتھ ہے جو پریما کے حسن و جمال پر فدا اور اس سے شادی کا خواہشمند ہے مگر امرت رائے کو اس کا منگیتر دیکھ کر زبان نہیں کھولتا۔ وہ امرت رائے کی مذہبی و معاشرتی اصلاحی تحریکات سے وابستہ ہو کر تکمیل آرزو کی تمنا کرتا ہے۔ وہ بدری پرشاد کی امرت رائے کے درمیان خلیج کو وسیع سے وسیع تر بنانے کے لئے افواہیں پھیلاتا ہے اور بدری پرشاد کی نظر میں امرت رائے کے مقابلے میں اپنی حیثیت کو ترجیحی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

پریما کے مکان کے قریب رہنے والے ایک پنڈت بسنت کمار کسی دفتر میں کلرک تھے جن کی بیوی پورنا اور پریما کے گہرے

مراسم تھے۔ بسنت کمار کے دفتر جانے کے بعد پورنا
اپنا زیادہ تر وقت پریما کے گھر گزارتی تھی اور دونوں آپس میں
رازونیاز کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ بابو امرت رائے بسنت کمار
سے واقف تھے اور انہیں کی سفارش پر بسنت کمار کو نوکری
ملی تھی۔ بسنت کمار ایک دن گنگا میں نہانے گئے تھے کہ ڈوب
گئے۔ لوگ اظہارِ ہمدردی کے لئے پورنا کے پاس آتے
جن میں پریما، پریما کا بھائی کملا پرشاد اور والد منشی بدری
پرشاد بھی تھے۔ امرت رائے کچہری سے آتے ہوئے پورنا کے
پاس تعزیت کے لئے آئے اور ہر طرح سے اسکی امداد کا وعدہ
کیا۔ پریم چند کے لفظوں میں :

" امرت رائے نے بیوی کو دلاسہ دیا اس
کو پورنا کی خبر گیری کی تاکید کی۔ دہلیز میں کھڑے ہو کر پورنا
کو سمجھایا اور اس کو ہر طرح سے مدد دینے کا وعدہ کر کے
چراغ جلتے جلتے اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہوئے "

رفتہ رفتہ اس کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا۔
شروع میں تکلف کے پردے حائل رہے۔ پھر پورنا سامنے
آنے لگی۔ امرت رائے اس کے گھر جاتا، اس کی خبر گیری کرتا۔
بسنت کمار کی موت کے بعد کئی ماہ مختلف مذہبی رسومات کے
ادا کرنے اور برہمنوں وغیرہ کو کھانا کھلانے میں صرف ہو گئے۔
ان ہنگاموں سے فرصت ملی تو ایک نیا ہنگامہ ہوا، ہندو معاشرے
میں بیوگی کی علامت کے طور پر اس کا بال منڈوانا ضروری تھا
لیکن پورنا نے اپنے سر کے بال نہیں منڈوائے جس پر محلہ اور
پاس پڑوس کی عورتوں نے طرح طرح کی چہ میگوئیاں
شروع کر دیں۔

پریم چند نے پورنا کے ذریعہ دقیانوسیت، فرسودگی
اور تقلید پسندی کی بنیادوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے
پورنا بیوگی میں سر منڈوانے اور دوسری رسموں کی ادائیگی سے گریز
کر کے اس نظام کے کھوکھلے پن پر کاری ضرب لگائی ہے، اسی
سے بغاوت اور انقلاب کے رجحان کو تقویت مل سکتی تھی۔ لیکن
چونکہ پریم چند کی بغاوت پسندی اور انقلاب آفرینی رسومات کی
اصلاح تک محدود تھی، اس لئے پورنا کو ان عوامل سے گزارتے
ہیں جن کی آخری تان سماجی اصلاح پر ٹوٹتی ہے۔ پورنا
کے رویے پر معاشرے نے اعتراض کیا مگر بے سود۔ امرت
رائے کو پورنا کے یہاں آنے کو ناپسند کیا گیا لیکن امرت رائے
کی شخصیت اور رفتار کے پیش نظر کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ
تھی۔ پورنا اپنے دور کی تعلیم یافتہ، روشن خیال اور وسیع النظر
خاتون ہے۔ اس میں حالات کے خلاف نبرد آزمائی کا حوصلہ ہے
لیکن وہ جس ماحول کی پروردہ ہے اس میں عورت اظہار کا ہنر
نہیں سیکھ پاتی۔ اسے امرت رائے پسند ہے لیکن اپنی پسند
کسی پر ظاہر نہیں کرتی۔

امرت رائے کے اظہارِ شوق نے پورنا کے جذبات
متلاطم کر دئے۔ اسے امید نہیں تھی کہ امرت رائے اس سے شادی
کے لئے تیار ہو جائیں گے کیوں کہ اس میں کئی طرح کی پیچیدگیاں
تھیں۔ اولاً اس کی بیوگی ہی کیا کم ستم تھی؛ دوم ذات برادری کا
فرق۔ اسے اس بات کا خوف دامن گیر رہتا ہے کہ اگر اس نے امرت
رائے سے شادی کی تو سماج میں انگشت نمائی ہوگی لیکن امرت
رائے کے خط کا آخری فقرہ اسے انکار کرنے سے روک دیتا
ہے۔ پریم چند نے اس کی ذہنی کشمکش کی خوبصورت تصویر کشی
کی ہے کہ اس ادھیڑ بن میں کس طرح اس کا سارا دن گزر گیا اور
وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ اسی دوران امرت رائے اس کے گھر آجاتا
ہے۔ اس نے دیکھا کہ پورنا کے ہاتھ کنگنوں سے خالی ہیں :

" اس نے امرت رائے کی طرف دیکھا، آنکھیں لال
تھیں، انہوں نے اس کی طرف دیکھا، چہرے سے حسرت برس رہی تھی
دونوں کی نگاہیں ملیں۔ امرت رائے بے اختیارانہ جوش سے اس
کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ لے کر کہا ۔۔۔۔۔۔ "پورنا"! ایشور
کے لئے مجھ پر رحم کرو"

ان فقروں کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوتا ہے۔ وہ
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے اور اسی عالم میں اپنا سر امرت
رائے کے کاندھے پر رکھ دیتی ہے۔ اس کے آنسوؤں کے تار و پود
میں امرت رائے کو رشتۂ امید نظر آتا ہے اور وہ اسے اپنے

قریب بٹھاکر اس کی سونی کلائیوں میں کنگن پہنا دیتا ہے۔ وہ امرت رائے کے کنگن پہنانے پر کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتی۔ اس طرح پورنا خاموش اظہارِ رضامندی کر دیتی ہے۔

اس شادی کا علم لوگوں کو ہوتا ہے تو مخالفت کرتے ہیں، شہر کے بدمعاش، آوارہ لوگ، پنڈت، ٹھاکر، ہزاروں غریب امیر برہمن، سیٹھ ساہوکار منشی بدری پرشاد کے مکان پر جمع ہو کر شادی کو روکنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ بیوہ کی شادی کے بارے میں اس وقت کی مروجہ دلیلوں کا پریم چند نے چابکدستی سے تجزیہ کیا ہے، جس میں ایک طرف پنڈتوں کی برادری بیوہ کی شادی کو ناجائز قرار دینے اور امرت رائے سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہے اور دوسری جانب شہر کے وکیل مل کر کسی ایسی نظیر کی تلاش میں سرگرداں ہیں جس کی رو سے اس شادی کو غیر قانونی اور ناجائز قرار دیا جا سکے۔ ہر فرد کو اس بات کا غم ہے کہ امرت رائے چھتری ہو کر برہمنی سے شادی کیوں کر رہے ہیں۔ امرت رائے کا ردِ عمل پریم چند کی زبان سے سنئے:

"رات کو کسی طرح کٹی، صبح ہوتے ہی منشی بدری پرشاد صاحب کے دولت خانے پر شہر کے شرفاء و علماء، امراء و عشر یار مع کئی ہزار برہمنوں اور شہریوں کے جمع ہوئے اور تجویز ہونے لگی کہ یہ شادی کیوں کر روکی جائے۔"

پریم چند نے مسائل کے تجزیے کے سلسلے میں سامراجی مراسم میں شدت کے عناصر کو نمایاں کرنے کے لئے کئی طرح کے تصادم کا بیان کیا ہے، جس میں امرت رائے اپنے مخالفوں کے تیور دیکھ کر گھبراتا ہے، ہمت کے ساتھ ان مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا کرتا ہے لیکن چونکہ انقلابی ذہن قانونی مصالح کا پابند ہے اس لئے وہ سب سے پہلے مجسٹریٹ کی خدمت میں حاضر ہو کر شر پسندوں کی شکایت کرتا ہے اور اپنی حفاظت کے لئے پولس کا انتظام کراتا ہے۔ مخالفین پر اس کا شدید ردِ عمل ہوتا ہے۔

پورنا اور امرت رائے کی شادی کی جد و جہد کو پریم چند نے آدرش کے زیور سے آراستہ کر دیا ہے جس کے زیر اثر بیوہ کی شادی کی مخالفت میں کمی آجاتی ہے اور رام کلی اور لکشمی کی شادیاں امرت رائے کی تحریک سے وابستہ افراد سے ہو جاتی ہیں۔ رام کلی اور لکشمی پورنا کی سہیلیاں ہیں اور اسی کے گھر پر رہنے لگتی ہیں، جس سے ان کی تربیت ہونے لگتی ہے اور ان میں اصلاحی کاموں سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔

زیر نظر ناول کا ان کے گزشتہ ناول "اسرارِ معابد" سے موازنہ کیا جائے تو ایک مسئلہ خاص طور پر مرکز توجہ بنتا ہے۔ دونوں ناولوں میں مندروں میں ہونے والی برائیوں پر سے پردے ہٹائے ہیں اور رام کلی دونوں جگہوں پر دو مختلف کردار رکھنے کے باوجود مندروں کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔ زیر نظر ناول میں اس کے وسیلے سے مندروں کی زندگی اور تعیش پسندی پر ضرب کاری لگتی ہے۔ "اسرارِ معابد" کی رام کلی سے یہ رام کلی اس حد تک مختلف ہے کہ یہ رام کلی شادی کے فوراً بعد ہی بیوہ ہو گئی تھی اور روز ہی گنگا اشنان اور پوجا کے لئے جایا کرتی تھی، چونکہ گھر میں اس کی دنیا بہت محدود تھی اس لئے اس نے گھر سے باہر گھاٹ پر مندروں میں اور پنڈوں کے درمیان اپنی زندگی اور دنیا کو وسعت دے رکھی تھی۔ رام کلی کی ہر ایک سے آشنائی تھی مگر گھر میں جب وہ رہتی تو بیوگی کے لبادہ کو اپنے وجود پر اوڑھے رہتی جب کہ وہ باہری دنیا میں گھر کی زندگی سے مختلف زندگی گزارتی۔ پورنا بھی بیوہ ہونے کے بعد گنگا اشنان کے لئے ہر صبح جایا کرتی تھی۔ ایک دن رام کلی ضد کر کے اسے مندر بھی لے گئی۔ رام کلی اپنا زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے الگ مندروں وغیرہ کی نذر کرتی تھی۔

زیر نظر مطالعہ میں اس حقیقت پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس دور میں پریم چند آریہ سماجی تحریک سے عملی طور پر وابستہ تھے جو معاشرے کی اصلاح اور فرسودہ روایات سے نجات کے لئے کوشاں تھی اور اس دور میں بیوگی کے مسئلہ کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اس طرح پریم چند نے زیر نظر ناول میں بیواؤں کی شادی اور عورتوں کے مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

سرکاری خبریں

مغربی بنگال غیر سرکاری تعلیمی ادارے و علاقائی حکام ایکٹ

اطلاع دی جاتی ہے کہ مغربی بنگال غیر سرکاری تعلیمی ادارے و علاقائی حکام (ملازمین کے پروویڈنٹ فنڈ کے اختیار) ایکٹ ۱۹۸۳ء کو صدر کی منظوری فروری ۱۹۸۴ء میں ملی تھی۔ مندرجہ بالا ایکٹ کے قوانین حال ہی میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ سرکار مغربی بنگال نے فیصلہ کیا ہے کہ یونیورسٹیوں (وشوا بھارتی یونیورسٹی کے سوا) و تمام میونسپلٹیوں بشمول ٹاؤن کمیٹی اور میونسپل کارپوریشن (سوائے کلکتہ کارپوریشن اور ابتدائی اسکول کے) پر مارچ ۱۵ ۱۹۸۴ء سے مندرجہ بالا قانون کی قرارداد لاگو ہوگی۔ اس آئین کے تحت ان اداروں کے ملازمین و معلمین کے پروویڈنٹ فنڈ کی بقایا رقم ان اداروں کی طرف سے کھولے گئے جمع کھاتے میں بلا تاخیر منتقل کر دی جائے گی۔ ٹھیک اسی طرح بعد کے پروویڈنٹ فنڈ کی رقم کو سرکاری خزانے میں جمع کرنا پڑے گا۔ ملازمین اسی شرح پر سود پائیں گے جتنی کہ ریاستی سرکاری ملازمین کو ملتی ہے۔ داخلی انتظام اور پروویڈنٹ فنڈ سے رقم نکالنے کے طریقہ کار پہلے جیسے ہی رہیں گے۔ پیشگی پروویڈنٹ فنڈ کی منظوری کے لئے مجازی حکام کے اختیارات وامور بھی ویسے ہی رائج رہیں گے۔ سرکاری کھاتے میں جمع شدہ فنڈ سے متعلق سرکار کی ذمہ داری بہرکیف محدود رہے گی اور پروویڈنٹ فنڈ کے امور کے سلسلے میں کسی بھی مجازی حکام کی بے قاعدگی یا بھول کے لئے سرکار ذمہ دار نہیں ہوگی۔

سرکار ثانوی اسکول اور کالج میں اس آئین کے متعلقہ قرارداد کو جلد ہی لاگو کرنے کے بارے میں غور کر رہی ہے۔

ملازمین کے پروویڈنٹ فنڈ کا کنٹرول

غیر سرکاری تعلیمی اداروں اور علاقائی حکام کے ملازمین کے پروویڈنٹ فنڈ اکاؤنٹس کی بے ضابطگی کو دور کرنے کیلئے ریاستی حکومت نے ۱۹۸۳ء میں مغربی بنگال غیر سرکاری تعلیمی اداروں اور علاقائی حکام (ملازمین کے پروویڈنٹ فنڈ کا کنٹرول) ایکٹ ۱۹۸۳ء کو منظور کیا ہے۔ اس آئین کے تحت تمام غیر سرکاری تعلیمی اداروں کو اپنے ملازمین کے پروویڈنٹ فنڈ کی رقوم کو ریزرو بنک آف انڈیا کے ذاتی اکاؤنٹس میں جمع کرنا پڑے گا۔

درج ذیل اداروں کے لئے یہ حکمنامہ جاری کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے اپنے پروویڈنٹ فنڈ ریزرو بنک میں ۱۵ مارچ ۱۹۸۴ء تک جمع کر دیں۔

(i) بردھمان، چندرا کرشی وشوا ودیالے، کلکتہ یونیورسٹی، ودیا ساگر یونیورسٹی، بردوان یونیورسٹی، نارتھ بنگال یونیورسٹی، رابندرا بھارتی یونیورسٹی و کلیانی یونیورسٹی۔

(ii) تمام پرائمری اسکول جو ضلع اسکول بورڈ کے یا اسکولوں کے ضلع انسپکٹروں کے زیر اختیار ہیں۔

(iii) کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے علاوہ دیگر تمام میونسپل کارپوریشن۔

(iv) تمام میونسپلٹیاں / ٹاؤن کمیٹیاں۔

(باقی صفحہ نمبر ۱۲ کا)

میں داخلے پر پابندی کے ساتھ ساتھ مختلف فرقوں کے درمیان شادی اور مذہب کے نام پر ہونے والے استحصال اور بدعنوانیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے مگر ناول میں بیواؤں کی زندگی کے مختلف مسائل، ان کے سماجی مقام اور ان کی دوسری شادی کے مسئلے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

بشکریہ "نیا دور" لکھنؤ

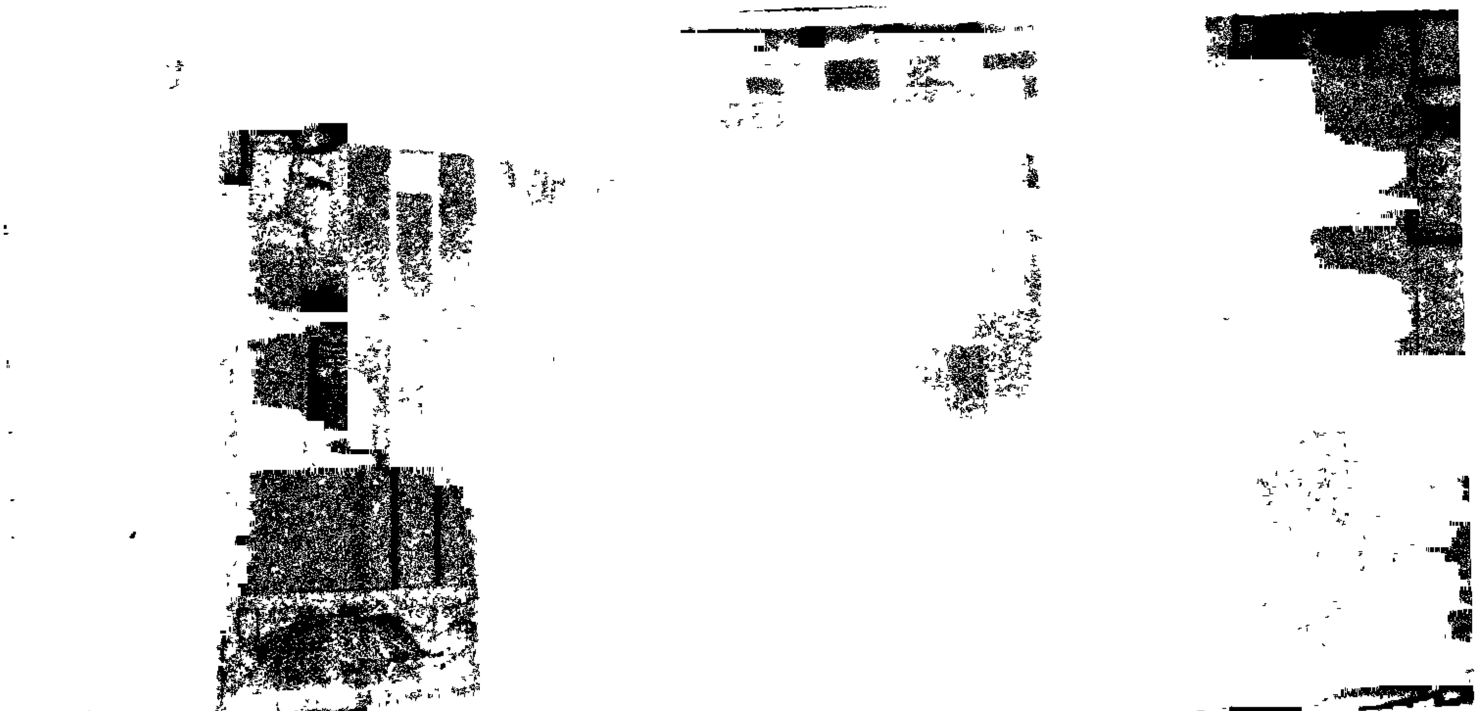


لال بازار پولس ھیڈکوارٹرس، کلکتہ میں ۲۰ مارچ سنہ ۹۳ کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ' انجھانی ونود کمار مہتا ' ڈپٹی کمشنر پولس، پورٹ ڈویژن (اوپر) اور ان کے سیکورٹی گارڈ مرحوم محمد مختار علی (نیچے) کے جسد خاکی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے۔ فرض شناس شری مہتا اور ان کے گارڈ جناب مختار علی کو سماج دشمن عناصر نے ھلاک کر دیا تھا۔

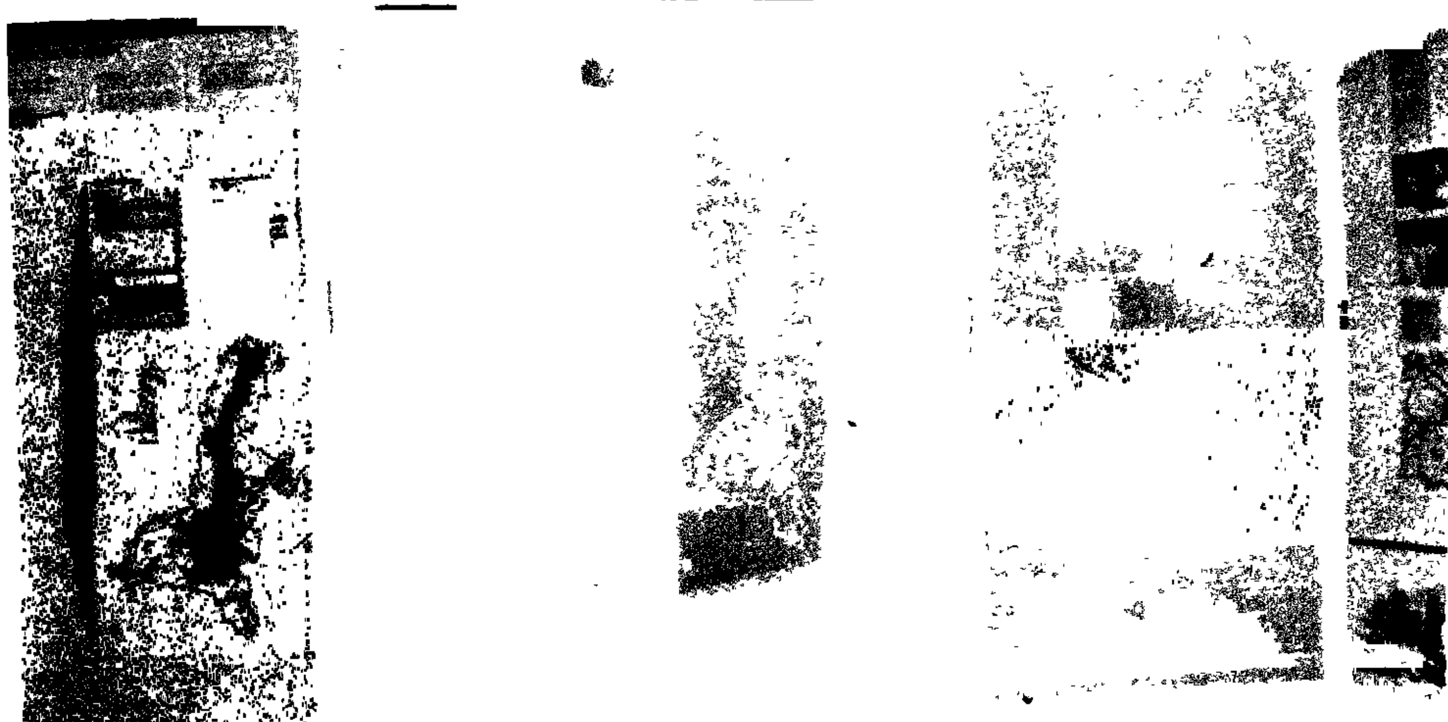


MAGHREBI BANGAL
1 April 1984

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 31 No. 7
PRICE 12 Paise



وکٹوریہ میموریل ہال، [illegible] میں حال ہی میں منعقدہ "کلکتہ کل، آج اور کل" کی نمائش



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta Associate Md. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.





پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ ۱۵ اپریل ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۸

شرح خریداری

سالانہ : تین روپئے ۔ قیمت بارہ پیسے فی پرچہ

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، حال ہی میں شاما گنج پور میں واقع ڈنلوپ کارخانہ کے ہائی پریشر ہائیڈرولک پریس پلانٹ کا افتتاح کرتے ہوئے۔

سرِ ورق پر : وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ۳۱ مارچ ۸۴ء کو گارڈن ریچ میں ایک عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے

اتحاد اور یکجہتی کو برقرار رکھنے اور انہیں فروغ دینے میں مغربی بنگال کو سارے ملک میں نمایاں مقام حاصل ہے

گارڈن ریچ کے جلسۂ عام میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی تقریر

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے، ۳۱ مارچ ۱۹۸۴ء کے سہ پہر کو گارڈن ریچ میونسپلٹی کے میدان میں ایک عام جلسہ میں اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ " بلا امتیاز زبان، ملت اور مذہب، تمام سطحوں پر لوگوں کے درمیان یک جہتی اور اتحاد کو برقرار رکھنے اور انہیں فروغ دینے کے میدان میں مغربی بنگال کو سارے ملک میں نیک نامی حاصل ہو چکی ہے۔ ہم کسی حالت میں اس پر دھبہ نہیں لگنے دیں گے۔ مٹھی بھر مفاد پرست عناصر فرقہ وارانہ منافرت پھیلا رہے ہیں۔ انہیں الگ تھلگ کر ڈالئے اور ان کے خلاف رائے عامہ ہموار کیجئے!

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آج یہاں وہ کسی پر الزام عائد کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ کچھ اہم باتوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا "پورے ملک میں مغربی بنگال نے ایک ممتاز مقام اور احترام حاصل کیا ہے۔ ہم کو اس پر فخر ہے۔ یہاں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب ایک ساتھ مل جل کر رہتے ہیں۔ کارخانوں میں ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ یہاں قومیت اور زبان کا کوئی جھگڑا نہیں۔ ریاست فرقہ وارانہ فسادات سے پاک و صاف ہے۔ چند سال قبل ضلع ندیا میں فرقہ وارانہ فساد ہوا تھا، لیکن تین دنوں کے اندر اس پر مکمل طور پر قابو پا لیا گیا۔ جو لوگ وہاں سے فرار ہو گئے تھے، وہ اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ قصورواروں کو سزا دی گئی اور ملزمین کو گرفتار کیا گیا۔ چھوٹے موٹے واقعات تو ہوتے رہتے ہیں لیکن انہیں ہندو مسلمان فساد قرار نہیں دیا جا سکتا!

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا" گارڈن ریچ میں ہندو مسلمان سب ایک ساتھ رہتے ہیں، مل جل کر ملوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ ان کے سیاسی نظریات اپنی اپنی جگہ ہیں۔ کلکتہ کے بیشتر علاقوں میں دونوں فرقے کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ ہمارے یہاں فرقہ وارانہ واقعات رونما نہیں ہوتے۔ ہم اپنی ریاست کی شاندار عظمت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں"!

انہوں نے مزید کہا " گارڈن ریچ میں ہنگامہ ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوا۔ اسکی اطلاع پاتے ہی میں نے رائٹرس بلڈنگس سے پولس سے رابطہ قائم کیا اور ہنگامہ کو فوراً بند کرانے کی ہدایت دی اور چالیس منٹ کے اندر ہنگامہ بند ہو گیا۔ پولس نے ہنگامہ کے دوران جس مستعدی سے کام کیا ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ اسی دوران گارڈن ریچ میں شری وی۔ کے۔ مہتا" ڈپٹی کمشنر (پورٹ) اور ان کے باڈی گارڈ جناب مختار علی کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ حکومت نے فوراً اس واقعہ کی طرف دھیان دیا۔ ہم نے پولس کو حکم دیا کہ قاتلوں کو تلاش کرتے وقت وہاں بے گناہ لوگوں پر ظلم وستم نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہم نے بی۔ ایس۔ ایف اور ایسٹرن فرنٹیر رائفلز کی فورس کو وہاں متعین کر دیا۔

انہوں نے مزید کہا "گارڈن ریچ ایک ایسا علاقہ ہے جہاں محنت کش زیادہ ہیں اور سرمایہ دار کم ہیں۔ کلکتہ پورٹ کی وجہ سے وہاں کچھ اسمگلر بھی تھے لیکن اس علاقے کے خلاف یہ الزام بالکل غلط ہے کہ یہاں صرف اسمگلر ہی رہتے ہیں۔ اسمگلروں کی تعداد تو مٹھی بھر ہے۔ دوسرے علاقوں میں بھی اس طرح کے مجرم ہیں۔ مجرموں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ ہم سماج دشمن عناصر اور مجرموں کو معاف نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہاں صرف قاتلوں اور مجرموں کو گرفتار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے"

انہوں نے مزید کہا "یہاں اس ہنگامے کے دوران جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہو سکتا ہے ان میں سے زیادہ تر لوگ بے قصور ہیں۔ ایسے لوگوں کو جلد ہی رہا کر دیا جائے گا۔ لیکن مجرموں اور قاتلوں کی تلاش جاری رہے گی، کیوں کہ مجرموں کی گرفتاری میں ناکامی سے ایک مضبوط پولس انتظامیہ کی نہ صرف کمزوری کی عکاسی ہوگی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس علاقہ کے لوگوں کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے گا اور اس طرح امن و امان درہم برہم ہو جائے گا"

وزیر اعلیٰ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "گارڈن ریچ فساد کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کے چند سربراہوں سے مجھ سے ملاقات کی۔ میں اس بات کو قبول نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی سربراہی صرف مسلمان اور ہندوؤں کی سربراہی صرف ہندو کر سکتے ہیں۔ تاریخ اور ہماری عظیم روایت شاہد ہیں کہ ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں کے لوگوں نے اپنے حقوق کے لئے شانہ سے شانہ ملا کر جدوجہد کی اور جیل کی مشکلات بھی دونوں نے ہی برداشت کیں"

پریس کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "گارڈن ریچ میں فساد، قتل اور بعد میں رونما ہونے والی صورت حال کی بابت رپورٹ کی اشاعت میں پریس نے عام طور پر ضبط و اعتدال کا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن اس شہر کا ایک اردو اخبار ۱۸ فروری ۸۴ء کو واٹ گنج میں پولس فائرنگ کے بعد سے اور پھر ۱۸ مارچ ۸۴ء کو گارڈن ریچ کے فساد اور قتل کے بعد بہت ہی خراب فرقہ وارانہ پروپیگنڈہ کرتا چلا آرہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت ایسی باتوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اسے پریس کی آزادی نہیں کہتے۔

انہوں نے کہا کہ بائیں خیالات کے لوگ فرقہ وارانہ سیاست کو فروغ نہیں دیتے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ۱۹۷۰ء میں پٹنہ ریلوے اسٹیشن میں رونما ہونے والے ایک حادثہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا وہاں انہیں ایک شخص نے ریوالور کا نشانہ بنایا تھا لیکن اتفاق سے گولی ان کے ساتھی اور میزبان جناب علی امام کو لگی جو جاں بحق تسلیم ہوگئے۔

انہوں نے مزید کہا کہ متاثرہ علاقے میں کرفیو نافذ رہے گا یا نہیں اس سلسلہ میں وہ جلد ہی فیصلہ کریں گے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اس علاقہ میں دفعہ ۱۴۴ نافذ رہے گی تاکہ یہاں دوبارہ ہنگامہ برپا نہ ہو۔

وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں اس بات کی وضاحت کی کہ یہ جلسہ اس لئے جائے واردات سے دور میونسپل احاطہ میں کیا جا رہا ہے کہ متاثرہ علاقے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے۔

انہوں نے لوگوں سے پرزور اپیل کی کہ وہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی صدیوں پرانی روایت کو برقرار رکھیں اور علاقہ میں سابقہ صورت حال کو بحال کرنے میں حکومت اور انتظامیہ سے تعاون کریں۔

انہوں نے مزید کہا "۱۸ مارچ کو گارڈن ریچ میں پولس فائرنگ میں ہلاک ہونے والوں کو معاوضہ دیا جائے گا اور جن کے گھروں میں آگ لگائی گئی اور انہیں لوٹا گیا انہیں بھی معاوضہ دیا جائے گا۔ آنجہانی ڈی۔ کے۔ مہتا بہترین افسروں میں تھے۔ انکی اہلیہ کو ملازمت فراہم کی جائیگی انہیں رہنے کے لئے فلیٹ دیا گیا ہے اور معاوضہ بھی دیا جائے گا۔ ان کے لڑکے کی تعلیم کا پورا خرچ حکومت برداشت کرے گی۔ پولس فائرنگ میں ہلاک ہونے والے نوجوان محمد وصی احمد کے بڑے بھائی عبدالرحمٰن کو کلکتہ کارپوریشن میں نوکری دی گئی۔ انہیں مالی امداد بھی دی جائے گی۔ پولس فائرنگ میں ہلاک ہونے والے دوسرے نوجوان سبرتا بھٹاچاریہ کے بھائی کو بھی کلکتہ کارپوریشن میں ملازمت فراہم کی گئی اور انہیں معاوضہ بھی دیا جائے گا۔ باڈی گارڈ جناب مختار علی، جنہیں ڈپٹی کمشنر مہتا کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا تھا کے اہل و عیال کو بھی معاوضہ دیا جائے گا۔ ان کے بڑے لڑکے کو جو سی آئی ایس ایف میں ہے درگاپور سے کلکتہ منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی ماں

باقی صفحہ ۹ پر

بائیں محاذ حکومت کے چھ سال

آبپاشی

ریاستی حکومت کے شعبۂ آبپاشی و آب رسانی کی سرگرمیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) آب پاشی

(۲) سیلاب کنٹرول مع پانی نکاس، بند کی حفاظت اور دریا اور سمندر کے پانی سے ساحلی علاقہ کی مٹی کو کٹاؤ سے محفوظ رکھنا۔

گزشتہ چھ برسوں میں مذکورہ ۱۵ اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے اور کافی رقم خرچ کی گئی۔

منصوبہ کے تحت ان اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے اخراجات ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۳۱۹.۰ لاکھ روپئے سے بڑھکر ۸۲-۹۲ء میں ۵۲۵.۰ لاکھ روپئے ہو گئے۔ اسی طرح اس کام کے لئے غیر منصوبہ بند اخراجات مذکورہ عرصے میں ۱۹۷۲ لاکھ روپئے سے بڑھکر ۵۵۸۱ لاکھ روپئے ہوگئے۔

مذکورہ عرصے میں زیادہ سے زیادہ قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۱۰۳۳ر۲۰ ہکٹاٹرس سے زیادہ قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

آبپاشی کے بڑے بڑے پروجکٹوں میں، مئورا کشی ڈی۔وی۔سی، اور کنگسابتی پروجیکٹوں کی تعمیراتی کام تقریباً مکمل ہوگیا ہے۔ تھوڑا بہت توسیع اور بہتری کا کام رہ گیا ہے جسے کیا جا رہا ہے۔

ان پروجکٹوں کے مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ خریف، ربیع اور بورو کاشتکاری میں کافی اضافہ ہوا۔

مشرقی ہندوستان میں ٹیسٹا بیراج پروجیکٹ آبپاشی کا سب سے بڑا پروجیکٹ ہے۔ گزشتہ چار برسوں میں اسکی تعمیر کے کام کی رفتارِ ترقی کافی تیز تھی۔ اس پروجیکٹ کی تعمیر کا کام تین ادوار میں مکمل ہوگا۔ اس پروجیکٹ سے ۸ر۹۴ لاکھ ہیکٹاٹرس قطعات آراضی کی آبپاشی کی گنجائش ہے۔ ۳۳ کیلو میٹر لمبی مہانندا ڑی نہر کے ۵۷ فیصد حصہ کی اور ۲۶ کیلومیٹر لمبی ٹیسٹا مہانندا کو ملانے والی نہر کی کھدائی کا کام مکمل ہوگیا ہے۔

اس کے علاوہ خشک سالی سے متاثر علاقوں میں آب پاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے پروگرام کے تحت آبپاشی کے درمیانی درجہ کے ۱۷ پروجیکٹ اور چھوٹے پیمانہ کے ۴ پروجیکٹ زیر تعمیر ہیں۔ ان پروجیکٹوں سے آبپاشی کے لئے بند ربیع پانی فراہم کیا جائے گا۔ ان میں ہنگلو، سیاہارا جور، کماری اور بندھو آبپاشی اسکیمیں مکمل ہوگئی ہیں۔ ان اسکیموں کے ذریعہ ۷۷-۱۹۷۶ء سے مزید ۱۴۵۰۰ ہکٹاٹرس قطعات آراضی کی آبپاشی کے لئے پانی فراہم کیا جا رہا ہے۔

اس ریاست کے مختلف اضلاع میں آبپاشی کے چھوٹے پیمانہ کی بہت ساری اسکیموں کو گزشتہ چھ برسوں میں

پایہ تکمیل تک پہونچایا گیا اور اسی طرح ان اسکیموں سے مزید ۶۵۰۰ ہیکٹر قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں آبپاشی کے لئے ایک نئے طریقہ کار کو روبہ عمل لایا گیا۔ اس نئے طریقہ کار کو چھوٹا آبپاشی نظام کہتے ہیں۔ پائپ کے ذریعہ آبپاشی کے لئے پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ اس نظام کو ضلع دارجلنگ میں ۱۹۸۱ء سے روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ ان کے علاوہ گزشتہ ساڑھے چھ برسوں سے اضلاع ۲۴ پرگنہ، ہوڑہ، ہگلی اور مدناپور میں پانی کے چھوٹے چھوٹے "بند" نے بہت سے علاقوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

گزشتہ برسوں کے دوران بائیں محاذ حکومت نے اس بات پر زور دیا کہ زیادہ سے زیادہ علاقوں میں آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جائیں اور ایسے اقدامات کئے جائیں کہ فصلیں برباد نہ ہوں۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ جہاں سال میں ایک بار فصل ہوتی ہے وہاں سال میں کئی بار فصلیں اگائی جائیں۔ اس طرح غذائی اجناس کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوگا، ساتھ ہی روزگار کے مزید مواقع بھی فراہم ہوں گے۔

آبپاشی کے بڑے بڑے چھ پروجیکٹوں کو یعنی (۱) بالائی کنگسابتی پروجیکٹ (۲) سوبرنا ریکھا بیریج پروجیکٹ (۳) ڈراکشور پروجیکٹ (۴) گازل پانی اٹھاکر آبپاشی اسکیم (۵) بادن گولہ۔ حبیب پور پانی اٹھاکر آبپاشی اسکیم اور (۶) ٹنگون وادی آبپاشی اسکیم، چھٹے منصوبہ میں شامل کیا گیا ہے۔ ان پروجیکٹوں کی تکمیل کے بعد ۴۰ر۳ لاکھ ہیکٹر قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

سیلاب کنٹرول : ۱۹۷۸ء کے اگست تا اکتوبر مہینوں میں مغربی بنگال کی پوری ریاست کو متواتر تین سیلاب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان سیلابات سے فصل، مویشی، اثاثے اور انسانی جان کا کافی نقصان ہوا۔

آبپاشی اور سیلاب کنٹرول کے سیکٹروں میں بند اور متعلقہ چیزوں کا جو نقصان ہوا، انکی مرمت کے کام کو ترجیح دی گئی اور اس کام کے لئے تقریباً ۳۰ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔

گزشتہ ساڑھے چھ برسوں میں مغربی بنگال میں پانی کے نکاس اور سیلاب کنٹرول کی تقریباً ۱۵۰۰ اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا اور پہونچایا جارہا ہے۔ اضلاع دارجلنگ، جلپائی گوڑی اور کوچ بہار میں شمالی بنگال سیلاب کنٹرول کمیشن سیلاب کنٹرول اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچا رہا ہے۔ ان اضلاع میں ۸۰ جاری اسکیمیں تعمیر کے مختلف مرحلوں میں ہیں۔

اس ریاست کے سیلاب مسائل کو مستقل طور پر حل کرنے کے لئے نشیبی علاقوں میں کئی یک ماسٹر پلان اور نکاس اسکیموں کو ۱۹۷۷ء سے روبہ عمل لایا جارہا ہے۔

مشہور شہروں، گاؤں، اہم تنصیبات، بڑی شاہ راہوں، سڑکوں اور ریلوے لائن کی حفاظت کے سلسلے میں دریائے گنگا۔ بھاگیرتی۔ ہگلی اور اجوئے، دامودر، روپ نارائن ندیوں اور مدنا ضلع کے ساحلی علاقوں کے دونوں ساحلوں میں مٹی کو کٹاؤ سے محفوظ رکھنے کے لئے وسیع پیمانے پر حفاظتی اقدامات کئے گئے۔

قبائلی آبادی کو فائدہ : آبپاشی اور سیلاب کنٹرول کی بہت ساری اسکیموں سے، جنہیں سالانہ منصوبہ پروگراموں تک پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا، وہ علاقے بھی مستفید ہوئے، جہاں قبائلیوں کی کافی آبادی ہے۔

جھاڑگرام سب ڈویژن میں سڑک کی بہتری کا کام

ریاستی حکومت نے گوپی بلوپور بلاک کے درج ذیل علاقوں کی بہتری کے کام کے لئے ۱۴ر ا لاکھ روپئے منظور کیا ہے:

(۱) بابوڈوبرے سے ہائی وے روڈ تک (۲) تالہ مردا سے ہائی وے روڈ تک (۳) آسان بونی وبلیع روڈ (۴) نور سیلے سے بھاوسکا سیلے تک (۵) گوپی بلوپور سے سنجا روڈ تک (۶) تنتولیہ سے رشی ماتر روڈ تک (۷) راسندہ سے کملا سیلی روڈ تک

غزل

اچھا ہے ان سے کوئی تقاضا کیا نہ جائے
اپنی نظر میں آپ کو رسوا کیا نہ جائے

ہم ہیں، ترا خیال ہے، تیرا جمال ہے
اک پل بھی اپنے آپ کو تنہا کیا نہ جائے

اٹھنے کو اٹھ تو جائیں تری انجمن سے ہم
پر تیری انجمن کو بھی سونا کیا نہ جائے

ان کی روش جدا ہے ہماری روش جدا
ہم سے تو بات بات پہ جھگڑا کیا نہ جائے

ہر چند اعتبار میں دھوکے بھی ہیں، مگر
یہ تو نہیں کسی پہ بھروسا کیا نہ جائے

لہجہ بنا کے بات کریں ان کے سامنے
ہم سے تو اس طرح کا تماشا کیا نہ جائے

اس وقت ہم سے پوچھ نہ غم روزگار کے
ہم سے ہر ایک گھونٹ کو کڑوا کیا نہ جائے

جاں نثار اختر

نوجوانوں کی خدمات کی توسیع

اپنے محدود وسائل و اختیارات کے باوجود ریاستی حکومت اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ نوجوانوں کے مسائل کو حل کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو سکے ان کے مطالبات پورے کئے جائیں۔

جب ۱۹۷۷ء میں بائیں محاذ حکومت برسر اقتدار آئی تو اس وقت اس ریاست میں صرف ۴۰ بلاک نوجوان دفاتر تھے۔ اب ایسے دفاتر کی تعداد ۳۳۱ ہے اور اب اس ریاست کے تقریباً تمام ترقیاتی بلاکوں میں ایسے دفاتر ہیں۔ بلاک یوتھ (نوجوان) دفاتر کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کیلئے ۱۶ ضلع یوتھ دفاتر بھی ہیں نیز ریاستی سطح پر شعبۂ خدمات نوجوان کے تحت ایک نظامت بھی ہے۔

روزگار پروگرام کے تحت بے روزگاروں کو ایک پروجیکٹ کے اخراجات کی ۱۰ فیصدی رقم بطور حاشیائی سرمایہ دی جاتی ہے۔ باقی ۹۰ فی صد رقم قومیائے گئے بنکس فراہم کرتے ہیں۔ اس اقدام سے اب تک تقریباً ۴۰۰۰۰ نوجوان مستفید ہوئے اور انہیں سرمایہ کاری کے لئے مجموعی طور پر ۸۰ر۴ کروڑ روپئے دئے گئے۔ ان اسکیموں میں مرغ مرغیوں کی پرورش، دودھ کا کاروبار، کرگہ کی چھپائی سے ٹکیہ بنانا وغیرہ شامل ہیں۔

۸۰-۸۱ء سے ۸۲-۸۳ء تک شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی رفاہ کے شعبہ نے بے روزگار شیڈولڈ کاسٹ نوجوانوں کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کے لئے ۹ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ ایسی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ تربیت مکمل کرنے کے بعد تربیت یافتگان ادارہ جاتی مالیات کے ذریعہ خود روزگار کے پروجیکٹ پر عمل درآمد کر سکیں۔ ۱۵ اقسام کے کام میں اب تک ۱۶۶۰۴ نوجوانوں کو تربیت دی گئی۔ ان میں سے اب تک ۲۰۰ تربیت یافتگان کو قومیائے بنکوں سے مالی سہولتیں فراہم کی گئیں اور وہ سب خود روزگار کے کام میں مصروف ہو گئے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ۸۲-۸۳ء تک ایسے ۱۸۰۰ نوجوانوں کو خود روزگار کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

کھیل کود کے میدان میں نوجوانوں کو مناسب سہولتیں فراہم کرنے کے لئے متعدد پروگراموں پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ کھیل کے میدان تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ اس طرح کے میدان کی تعمیر پر ۵۰۰۰ روپئے فی میدان خرچ ہوتے ہیں۔ اس خرچ کی ۷۵ فیصد رقم ریاستی حکومت کے شعبۂ خدمات نوجوان فراہم کرتا ہے اور باقی ۲۵ فیصد رقم مستفید ہونے والے فراہم کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اب تک ۱۴ر۲ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔ اس کے علاوہ ۷۸-۷۹ء سے ۸۱-۸۲ء کے درمیان اسپورٹس کے سامان خریدنے کے لئے مختلف بلاکوں کو مجموعی طور پر ۴۳ء۳۱ لاکھ روپئے دئے گئے۔

ورزش گاہ کی تعمیر اور ورزش کے سامان خریدنے کے لئے بھی فنڈ فراہم کیا گیا۔ بلاک سطح پر فٹبال، کبڈی، کھو کھو اور والی بال کھیل کے سلسلے میں تربیت دینے کے لئے تربیتی کیمپ منعقد کئے گئے۔ اولوالعزمی کے کام میں نوجوانوں کی ہمت افزائی کرنے اور انکی توانائی اور جوش و خروش کی مناسب رہنمائی کے لئے، کوہ پیمائی کے لئے عطیات دئے جاتے ہیں نیز نوجوانوں کو کوہ پیمائی اور برف پر پھیلنے کے کھیل کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ بھارت اسکاؤٹس اور گائیڈس، امانی میلہ، برانا چاری وغیرہ جیسے اداروں کو بھی عطیات دئے جاتے ہیں۔

بی آئی ٹی ایم، کلکتہ کے تعاون کے ساتھ شعبۂ خدمات نوجوان بلاک سطح پر سائنس سیمینار کا اور ضلع سطح پر سائنس میلہ کا انتظام کرتا ہے۔ ضلع سطح پر بھی سائنس سیمینار ہوتے ہیں، ساتھ ہی ریاستی اور بین ریاستی سائنس سیمینار کا بھی انتظام

کیا جاتا ہے۔ ریاستی سطح پر بھی سائنس سیمینار کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ضلع پرولیا میں دیہی علاقوں میں سائنسی تحقیق کے کام میں مدد دینے کے لئے ایک سائنس مرکز قائم کیا گیا۔ یہ سارے ہندستان میں اپنی نوعیت کا پہلا مرکز ہے۔

تعلیمی سیاحت کے لئے اس شعبہ سے طالب علموں کو عطیات دئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم سے بہت سارے ادارے مستفید ہوتے ہیں۔ ۲۱ یوتھ ہاسٹل قائم کئے گئے جہاں معمولی کرایہ پر نوجوانوں اور طلبہ کو رہائش کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ عنقریب مستقبل میں اور بھی بہت سے ہاسٹل قائم کئے جائیں گے۔ راجگیر میں بھی ایک یوتھ ہاسٹل قائم کیا گیا ہے۔

نوجوانوں کی کثیر المقاصد سرگرمیوں کے لئے مولا علی، کلکتہ میں تقریباً ۱۸ لاکھ روپئے خرچ کرکے ریاستی یوتھ سنٹر کی عمارت تعمیر کی گئی۔ یہ نو منزلہ عمارت ہے اور اس میں ایک آڈیٹوریم ہے جہاں ۵۰۰ نشستیں ہیں۔ اس مرکز میں لڑکوں اور لڑکیوں کے یوتھ ہاسٹل ہیں اور جدوجہد آزادی کی بابت ایک عجائب خانہ بھی ہے۔ یہاں ایک لائبریری بھی قائم کی گئی ہے جہاں ایک سائنس عجائب خانہ قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

نوجوانوں کی ثقافتی سرگرمیوں کے تحفظ کے لئے دیہی علاقوں میں اجتماعی ہال اور کھلی ہوا میں اسٹیج تعمیر کئے جارہے ہیں۔ نیز مقامی کلب، تنظیموں اور ایسوسی ایشنوں کے ساتھ مل کر بلاک یوتھ دفاتر طلبہ کی تعلیمی سیاحت کا انتظام کرتے ہیں۔

ہر بلاک یوتھ مرکز میں ایک انفارمیشن سنٹر ہوتا ہے جہاں سے روزگار وغیرہ کی بابت نوجوانوں کو اطلاعات فراہم کی جاتی ہیں۔

بلاک، ضلع اور ریاستی سطحوں پر یوتھ فیسٹیول منعقد کئے جاتے ہیں جہاں اسپورٹس، بحث و مباحثہ، ثقافتی پروگرام، گیت، ناچ، ڈراما وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ کلکتہ اور سلی گڑی میں دو ریاستی سطح کے یوتھ فیسٹیول کا انتظام کیا گیا۔ اس سال یہ تہوار کلیانی میں اپریل کے مہینے میں منایا جائے گا۔ بلاک سطح پر تو یہ تہوار ہر سال منایا جاتا ہے لیکن ضلع سطح پر یہ تہوار ہر دوسرے سال

(باقی ص۱۴ پر)

باقی صفحہ نمبر ۴ کا

کے ساتھ کلکتہ میں رہے اور انکی دیکھ بھال کرے۔ یو۔پی میں مرحوم مختار علی کا چھوٹا بیٹا ایک اسکول میں زیر تعلیم ہے۔ حکومت اس کی تعلیم کے اخراجات برداشت کریگی اور اگر وہ ملازمت چاہتا ہے تو اسے نوکری بھی دی جائے گی۔"

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے ان لوگوں سے جو خوف وہراس سے اپنے گھروں سے چلے گئے ہیں، پرزور اپیل کی کہ وہ سب اپنے گھروں میں واپس آجائیں۔"

انہوں نے مزید کہا: "ہم کسی فرقہ کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ بلا امتیاز زبان، ملت اور مذہب، تمام مظلوم اور محروم لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔"

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا: "ہم مغربی بنگال میں فرقہ وارانہ اتحاد اور امن کو ایک مثال بنانا چاہتے ہیں۔ اس کی کامیابی کا انحصار عوام کے تعاون پر ہے۔"

انہوں نے لوگوں سے پرزور اپیل کی کہ وہ سماج دشمن عناصر کے خلاف عوامی مہم چلائیں اور رائے عامہ ہموار کریں تاکہ ان لوگوں کو الگ تھلگ کیا جا سکے۔"

اس جلسہ کی صدارت گارڈن ریچ میونسپلٹی کے سابق چیرمین شری دیپ سین نے کی۔ اس جلسہ میں شری پرسنتا سور، وزیر بلدیات، شری بنوئے کرشن چودھری، وزیر آبپاشی، شری جیوتن چکرورتی، وزیر تعمیرات عامہ، شری کنہائی بھومک، وزیر چھوٹی آبپاشی، جناب سید منصور حبیب اللہ، وزیر قانون و اقلیتی امور، شری نرمل بوس، وزیر صنعت، جناب محمد نظام الدین ایم۔ایل۔اے اور دیگر اصحاب نے شرکت کی۔ میونسپل گراؤنڈ حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ لوگوں نے سکون کے ساتھ وزیر اعلیٰ کی تقریر سنی اور انہیں داد تحسین دی ٭

دارجلنگ اور کرسیانگ میں میونسپلٹی انتخابات

دارجلنگ ضلع میں دارجلنگ اور کرسیانگ کے میونسپلٹیوں کے کمشنروں کے عام انتخابات ۷ / مئی ۱۹۸۲ء کو ہوں گے ٭

برج پریمی

منٹو: فکروفن کے چند پہلو

اردو میں مختصر افسانے کا پہلا چراغ منشی پریم چند نے روشن کیا۔ اس چراغ کی لو سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری اور دوسرے لوگوں نے بڑھائی۔ ان لوگوں کی کاوشوں سے اردو افسانے میں اس زمین کی خوشبو پیدا ہوئی جس میں وہ سانس لے رہے تھے۔ خلاؤں میں پرواز کرنے والے خیالات، مافوق الفطرت عناصر اور ان جانی زندگی کی پراسرار فضا کی جگہ عصری زندگی کے مسائل نے اس فن میں تازہ کاری پیدا کر دی۔ پریم چند نے مغرب کے فن سے شعوری اکتساب کیا۔ لیکن یہ اکتساب مغرب کی کورانہ تقلید تک محدود نہیں تھا بلکہ انہوں نے فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ اپنے مطالعے کو مشاہدے کی بھٹی میں تپا کر کندن بنا دیا۔ پریم چند نے نہ صرف وطنی اور قومی موضوعات کو برتا بلکہ اپنے عصری رجحانات کی بھرپور عکاسی کی۔ حتی کہ ایک روایت پیدا کر کے اسے "انگارے گروپ" کے فن کاروں کو سونپ دیا۔ اپنے آخری دور میں "کفن" جیسا شاہکار تخلیق کر کے انہوں نے ایک نئی منزل کی نشاندہی کی اور اردو افسانے میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

بیسویں صدی کے تیسرے دہے میں جب پریم چند کا فن اپنے عروج پر تھا تب "انگارے" کے افسانے نمودار ہوئے اور ترقی پسند تحریک نے جنم لیا۔ اردو افسانے میں ایک نئی جہت کا آغاز ہوا۔ اس زمانے میں اردو افسانے کے افق پر کئی نئے چہرے طلوع ہوتے ان میں خاص طور پر کرشن چندر، بیدی اور منٹو قابل ذکر ہیں۔ اس تثلیث نے اردو ادب کی تاریخ میں ایک نیا باب لکھا اور اردو افسانے کو نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ یہ اردو افسانے کی خوش بختی تھی کہ اسے پریم چند کے بعد منٹو جیسا تخلیق کار ملا جس نے اپنی انفرادیت سے فنِ افسانہ نگاری میں نئے نقوش ابھارے۔

منٹو ازل سے ہی باغی طبیعت لے کر آئے تھے۔ بچپن ہی میں گھر میں افلاس اور ناداری کے سائے منڈلاتے ہوئے دیکھے تھے اور یہ احساس ان کے شعور کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ والد سخت گیر تھے اس لئے باپ کا پیار نہ مل سکا۔ محبت، شفقت اور ہمدردی کے اس فقدان نے سعادت حسن کو منٹو بنا دیا۔ ان کی زندگی میں جو لاابالی پن، غیر معمولی انانیت اور اپنے آپ کو دوسروں پر حاوی کرنے کی جو قوت ملتی ہے وہ اس کمی کی تلافی کرتی ہوئی نظر آتی ہے جو باپ کے پیار کو نہ پا سکنے کی وجہ سے ان میں پیدا ہوئی تھی۔

شریف پورہ امرتسر کے مسلم ہائی اسکول میں داخلہ لینے کے بعد منٹو کی شوخیوں اور شرارتوں میں اضافہ ہوا اور ہندو سبھا کالج میں یہی شوخیاں نقطۂ عروج پر پہونچ گئیں۔ ان شوخیوں اور شرارتوں کی وجہ سے وہ اپنے ہمعصروں اور ساتھیوں کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے اور "ٹامی" کا نام حاصل کر چکے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں مسلم ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر خواجہ محمد عمر جان خاص طور پر اس شوخ لڑکے کی شرارتوں سے تنگ آچکے تھے تاہم اس کی غیر معمولی ذہانت کے معترف تھے۔ سعادت حسن منٹو کو شرارتوں کے ساتھ ساتھ مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہیڈ ماسٹر صاحب کا بیٹا ظاہر کر کے مقامی کتب فروشں سے کتابیں ادھار لیا کرتے تھے اور پڑھ کر سکنڈ ہینڈ دام میں فروخت کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ہیڈ ماسٹر کو کتابوں کی

قیمت ادا کرنی پڑتی تھی اور منٹو ان پیسوں سے سگریٹ پھونک دیا کرتے تھے اور فخر سے کہتے تھے "میں گھٹیا قسم کے سگریٹ کبھی نہیں پیتا۔"

منٹو کی ہر ادا نرالی تھی۔ بچپن کے بے فکر لمحات سے لے کر زندگی کی آخری سانسوں تک انہوں نے ہر معاملے میں غیر روایتی انداز نظر اختیار کر لیا تھا اور اپنے لئے ایک منفرد راستہ بنا لیا۔ یہ انفرادیت نہ صرف ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں میں نظر آتی ہے بلکہ اسی کا پرتو ان کے ادب میں بھی ہر جگہ ملتا ہے۔ بچپن کا افلاس، والد کی موت، عزیزوں اور رشتہ داروں کی بیگانگی، دوستوں کی سرد مہری، حقوق کی تلفی ــــ ان سب باتوں کا نفسیاتی ردعمل یہ ہوا کہ وہ ذہنی الجھنوں کے شکار ہو گئے۔ اور انسانی تعلقات کے کھوکھلے پن سے آشنا ہو گئے۔ منٹو کو ابتدا ہی سے اپنے ارد گرد ایک عجیب خلا کا احساس پریشان کرتا رہا۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے لوگوں کی توجہ کو مختلف طریقوں سے اپنی جانب مبذول کرتے رہے۔ اپنی زندگی اور فکر و فن میں تقلید پرستی اور روایت پسندی سے گریز کر کے انہوں نے ہر قدم پر جدت پسندی اور انفرادیت کا اظہار کر کے اپنے غیر معمولی تخلیقی ذہن کا ثبوت فراہم کیا۔

منٹو بچپن کے ایام میں ایک بار اللہ رکھا نامی جادوگر کے ساتھ بھرے مجمع میں ننگے پاؤں دہکتے ہوئے انگاروں پر چلے تھے اور منھ سے "اف" بھی نہ کی تھی۔ حالانکہ وہاں لوگوں کا ایک جم غفیر موجود تھا اور کسی نے اللہ رکھا کی یقین دہانی کے باوجود اللہ رکھا کے سامنے آنے کی جرأت نہ کی تھی۔ منٹو کے آگ پر چلنے کی یہ جرأت رندانہ ان کے کسی لمحاتی جوش کی غماز نہیں۔ اس واقعے کے پس پشت ان کی نفسیاتی شخصیت کارفرما تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ انکی آئندہ زندگی کا ایک اہم اشاریہ تھا۔ وہ ایک تخلیق کار کی حیثیت سے روایتی تصورات کو ترک کر کے ہمیشہ نئی راہوں کی تلاش میں رہے اور انہیں تمام عمر آگ کے صحراؤں سے گزرنا پڑا۔ ایک فن کار کی حیثیت سے وہ زندگی بھر آگ میں چلتے رہے۔ شہرت کی بلند منزلیں چھو لیں اور ساتھ ہی بدنامی کے طوق بھی قبول کر لئے۔

منٹو نے جب ادبی زندگی کا آغاز کیا تو شروع ہی سے ہنگامہ آرائی پر اتر آئے۔ اپنے افسانوں کے پہلے مجموعے "منٹو کے افسانے" کی اشاعت کے وقت ناشر کو ہدایت دی کہ وہ کتاب کا ایسا گرد پوش بنائے کہ لوگ اس کو دیکھتے ہی انہیں گالیاں دینا شروع کر دیں۔ کہانیاں ایسی لکھیں کہ چاروں طرف واہ واہ اور ہاہاکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ترقی پسندوں نے رجعت پسندی کا لیبل چسپاں کر دیا اور رجعت پسندوں نے ترقی پسند اور دہریہ کہا۔ ان کے افسانوں پر ان کے خلاف مقدمے چلائے گئے اور ان کو فحش نگار اور گندہ ذہن قرار دیا گیا۔ شراب نوشی سے چھٹکارا دلوانے کے لئے پاگل خانے بھیج دیا گیا لیکن جب پاگل خانے سے چھوٹے تو ان کے منھ سے یہ معنی خیز جملہ ادا ہوا۔

"چھوٹے پاگل خانے سے نکل کر بڑے پاگل خانے میں آگیا ہوں۔"

منٹو کی ایک بڑی کمزوری ان کی بیباکی اور صاف گوئی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ سیاہ کو سیاہ اور سفید کو سفید کہا۔ اپنے ضمیر کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ وہ اس بات کے قائل نہیں تھے کہ مرنے کے بعد کسی شخص کا کردار "لانڈری سے دھل کر آتا ہے۔" اس بات کی وضاحت اپنے خاکوں کے مجموعے "گنجے فرشتے" میں یوں کرتے ہیں :

> میرے اصلاح خانے میں کوئی شانہ نہیں، کوئی شیمپو نہیں، کوئی گھونگھر پیدا کرنے والی مشین نہیں۔ میں بناؤ سنگھار کرنا نہیں جانتا۔ آغا حشر کی بھینگی آنکھ مجھ سے سیدھی نہیں ہو سکی ــــ میرا جی کی ضلالت پر مجھ سے استری نہیں ہو سکی اور نہ میں اپنے دوست شیام کو مجبور کر سکا کہ وہ بر خود غلط عورتوں کو سالیاں نہ کہے۔"

منٹو خطِ منحنی کے فنکار تھے۔ بچپن سے لے کر اپنی موت تک، ترجمہ سے لے کر طبع زاد افسانوں، مضامین اور ڈراموں اور خاکوں تک ہر جگہ، ہر سطر میں ٹیڑھے میڑھے خطوط نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ہر میدان میں نیا راستہ کھودا اور اپنا جھنڈا اگاڑ دیا۔ نفسیاتی

اور جنسی نفسیات کے افسانے لکھنے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے ایسے افسانوں کو فحش اور بے کار قرار دیا تھا جن میں انہوں نے مروجہ اصولوں سے بغاوت کی تھی۔ انہوں نے ضد میں آکر ایسے ہی موضوعات کو اپنے افسانوں میں جگہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ سردار جعفری جیسے ترقی پسند نے ان سے اختلاف کے باوجود ان کے بارے میں لکھا:

"منٹو کی افسانہ نگاری ہندوستان کے درمیانی طبقے کے مجرم ضمیر کی فریاد ہے، اس لئے منٹو اردو کا سب سے زیادہ بدنام افسانہ نگار ہے اور وہ بدنامی جو منٹو کو نصیب ہوئی ہے، مقبولیت اور شہرت کی طرح صرف کوشش سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے فن کار میں اصلی جوہر ہونا چاہیے اور منٹو کا جوہر اس کے قلم کی نوک پر نگینے کی طرح چمکتا ہے۔"

منٹو کا سب سے بڑا مسلک انسان دوستی تھا۔ ان کے یہاں مصلحت اندیشی کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ انہیں معلوم تھا کہ مذہب، دین دھرم کے نعروں کے پس پشت محض مذہبی منافرت، تعصب اور تنگ نظری چھپی ہوتی ہے اور مفاد پرستوں نے اسے محض ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ وہ ان مکاریوں اور جعل سازیوں کا قلع قمع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنی کہانی "سہائے" میں رقمطراز ہیں:

"یہ مت کہو ایک لاکھ مسلمان اور ایک لاکھ ہندو مرے۔ یہ کہو دو لاکھ انسان مرے۔ ایک لاکھ ہندو مار کر مسلمان یہ سمجھے ہوں گے کہ ہندو مذہب مر گیا، لیکن وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اسی طرح ایک لاکھ مسلمان قتل کر کے ہندوؤں نے بغلیں بجائی ہوں گی کہ اسلام ختم ہو گیا، مگر اسلام پر ایک ہلکی سی خراش بھی نہ آئی۔ وہ لوگ بے وقوف ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بندوقوں سے مذہب شکار کیا جا سکتا ہے۔ مذہب، دین، دھرم، ایمان، یقین، عقیدت جو کچھ بھی ہے، ہمارے جسم میں نہیں ہماری روح میں ہوتا ہے۔ چھرے، چاقو یا گولی سے فنا نہیں ہو سکتا۔"

تقسیم ملک ان کے دور کا سب سے بڑا المیہ تھا۔ اس سے ان کا ذہن شل ہو چکا تھا۔ وہ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم کو دل سے قبول نہیں کر سکے تھے۔ اور اگرچہ انہوں نے ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لی تھی، وہ پھر بھی اپنے آپ کو اس عظیم ہندوستان کا وارث سمجھتے تھے جہاں انہوں نے جنم لیا تھا۔ بٹوارے کے بعد مذہب کے نام پر لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ بچوں کے قہقہے لٹے اور عصمتوں کا نیلام ہوا۔ منٹو دم بخود ہو کر چلا اٹھے:

"ہندوستان آزاد ہو گیا، پاکستان عالم وجود میں آتے ہی آزاد ہو گیا، لیکن انسان ان دونوں مملکتوں میں غلام تھا۔ تعصب کا غلام، مذہبی جنون کا غلام، حیوانیت اور بربریت کا غلام۔"

منٹو ایک عظیم فن کار ہیں۔ ان کی عظمت اور انفرادیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی شخصیت اور فن اپنے معاصرین اور متاخرین کے لئے بے حد متنازعہ فیہ رہا ہے اور ان کے بیشتر افسانوں نے بحث و تمحیص کے دفتر کھول دئے ہیں۔ بعض ناقدروں نے ان کو محض عریاں نگار اور فحش نگار قرار دے کر رد کر دیا اور بعضوں نے تو ان کے یہاں فن کاری کے اعلیٰ نمونے تلاش کئے ہیں۔ لیکن حق بات تو یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستانی تہذیب کے پس منظر میں سماجی، ذہنی اور فکری زندگی کی عکاسی کی ہے اور انسانی سماج میں رستے ہوئے ناسوروں پر نشتر رکھ دئے ہیں۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ مسخ شدہ کرداروں کے سب سے بڑے ترجمان تھے۔ یہ صحیح ہے کہ معروضی طور پر ان کے موضوعات محدود تھے، لیکن اس بات کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اس موضوعات کو جس ہنرمندی کے ساتھ انہوں نے پیش کیا وہ بے مثال ہے۔ منٹو کا فن پروپیگنڈے اور صحافت کا فن نہیں یہ بات اس لئے بھی مستحسن ہے کہ جس زمانے میں منٹو جیتے وہ ترقی پسندی کے عروج کا زمانہ تھا۔ اور اس دور میں کسان، مزدور، طبقہ داری، نابرابری، سرخ سویرا، پرولتاری انقلاب اور اس قبیل کے موضوعات کے گرد کہانیاں گھومتی تھیں۔ منٹو نے اس

راستے پر کچھ دور چل کر اپنا ایک علیحدہ راستہ تراش لیا اور اسی پر گامزن رہے۔ منٹو کا اسلوب بھی دوسروں سے مختلف اور منفرد ہے۔ وہ نثر میں شاعری کے قائل نہیں۔ وہ نپے تلے الفاظ میں کفایتِ الفاظ کے ساتھ نہایت احتیاط سے اپنے موضوع کی تخلیقی بازیافت کرتے ہیں۔ ان کا فن یقیناً شیشہ گری کا فن ہے۔ وہ دور از کار استعاروں اور تشبیہوں کی بیساکھیاں بھی استعمال نہیں کرتے بلکہ اپنے موضوع کے اعتبار سے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کے معانی قارئین کے ضمیر کی جڑوں کو ہلا دیتے ہیں۔

منٹو مقصدی ادب کے قائل نہیں۔ وہ اپنے کرداروں کو پیش کرتے ہوئے کسی اخلاقی نظریہ کے تابع بھی نہیں رہتے۔ یہی سبب ہے کہ وہ سکہ بند تصورات سے بچے رہتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر ایک افسانہ نگار ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے دوسرے اصناف نثر پر بھی قلم چلایا لیکن جن تخلیقات نے ان کے جوہر تخلیق کا لوہا منوایا اور ان کو عظمت بخشی وہ ان کے افسانے ہیں اور اس صنف میں ان کی ہمسری کا دعویٰ بہت کم لوگوں کو ہے۔ ان کے موضوعات ان کے پیش روؤں اور ہمعصروں سے مختلف ہیں۔ ابلاغ و اظہار کا وہ ذریعہ جو انہوں نے برتا وہ بھی منفرد ہے۔ اس طرح منٹو کا فن اپنی الگ روایت قائم کرتا ہے۔ منٹو کے یہاں کوئی نظریاتی وابستگی بھی نہیں ملتی۔ حالانکہ شروع شروع میں انہوں نے بھی طے شدہ فارمولوں اور منشوروں میں اپنی کہانیاں ڈھال دی تھیں۔

ذکر ہو چکا ہے کہ موضوع کے اعتبار سے بھی منٹو کے افسانے منفرد ہیں۔ وہ ایسے مشاہدات، محسوسات اور جذبات بھی تخلیقی عمل کے قالب میں اس طرح ڈھال دیتے ہیں کہ کہیں پر بھی تصنع کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ اسلوب میں نام نہاد اخلاق کی پاسداری بھی نہیں ملتی۔ ان کے فن کا کمال یہ ہے کہ وہ انسانی شخصیت کے نفسیاتی اور لاشعوری تجربات سے غیر فطری پردے سرکاتے ہیں اور ان تجربات اور کیفیات کو بڑی صفائی کے ساتھ آئینہ کر دیتے ہیں جن کا تعلق انسان کی اصلی سرشت سے ہے۔ ان کا بنیادی موضوع طوائف اور جنس زدہ عورتیں اور مرد ہیں۔ سادیت اور جنسیت کے مارے ہوئے یہ بدچلن مرد اور آوارہ عورتیں جب منٹو کی کہانیوں میں ڈھلتے ہیں تو انسانی سرشت، اس کی نیکی اور بدی کا خمیر پوری عریانی اور اصلیت کے ساتھ سامنے آتا ہے اور فطری انسان کے وجود پر تھوپا ہوا اخلاق کا غازہ اڑ جاتا ہے۔ اس عمل میں منٹو کا عمیق مشاہدہ بہت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ کرشن چندر نے منٹو کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

> "منٹو نے زندگی کے مشاہدے میں اپنے آپ کو ایک معمولی شمع کی طرح پگھلایا ہے۔ وہ اردو ادب کا واحد شنکر ہے، جس نے زندگی کے زہر کو گھول کر پیا ہے اور پھر اس ذائقے کو، اس کے رنگ کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔"

منٹو اردو ادب کے پہلے کہانی کار ہیں جنہوں نے طوائفوں، عصمت باختہ عورتوں، دلالوں اور اسی قبیل کے دوسرے لوگوں کو پہلی بار انسانی ہمدردی کے ساتھ دیکھا اور اپنے فن میں ڈھال دیا۔ انہوں نے اپنے عہد کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کیا۔ بلکہ بڑی آزاد خیالی کے ساتھ کسی سیاسی پارٹی کے منشور کے تابع ہوئے بغیر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا جس کی انہیں بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔

موضوعات سے قطع نظر منٹو کے یہاں افسانے کی واحد خصوصیت وحدت تاثر کی واضح شکل سامنے آتی ہے۔ وہ پوری جزئیات کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے ہیں اور اپنے کرداروں کو اپنی جزئیات کے آئینہ خانے میں اپنی بھرپور حیثیت میں ابھارتے ہیں۔ "نیا قانون کا منگو"، "ہتک کی سوگندھی"، "ٹھنڈا گوشت کا ایشر سنگھ"، "خوشیا کا دلال"، "کھول دو کی سکینہ"، "ٹوبہ ٹیک سنگھ کا بشن سنگھ"، یا "موذیل کی آوارہ یہودن" کسی بھی کردار کو دیکھ لیجئے اپنی تہہ دار شخصیت رکھتا ہے، لیکن جو بات قاری کے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے وہ در اصل اس مخصوص تاثر کی وحدت ہے جو سارا افسانہ پڑھ کر سامنے آتی ہے۔ اس تاثر کو قائم رکھنے کے لئے وہ نہ صرف سازگار پلاٹ بنتے ہیں بلکہ اس کے آغاز و انجام پر بڑی محنت کرتے ہیں۔ اور قاری کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ منٹو لفظ اور معنی کے رشتے سے واقف ہیں۔ وہ اپنے اسلوب بیان سے اپنی کہانیوں میں نئی روح پھونک دیتے ہیں۔ ہر لفظ اپنی جگہ پر صحیح، مناسب اور بلیغ ہے۔

کوئی بھی فقرہ نکال دیجئے تو افسانے میں کوئی جان باقی نہیں رہتی۔ آغاز و انجام کو ملانے والی درمیانی کڑیاں بھی اسی حال میں ملتی ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے کوئی افسانہ اہم ہو یا نہ ہو، ابتدائی، رومانی اور تفریحی افسانوں سے لے کر طوائفوں اور جنس سے متعلق افسانوں تک سیاسی، سماجی یا نفسیاتی افسانوں میں منٹو کے یہاں آغاز، واقعات کا تانا بانا، نقطۂ عروج اور انجام فنی لحاظ سے مکمل ہیں۔

منٹو نے اپنی کہانیوں میں جس زبان کا استعمال کیا ہے، وہ زندگی سے اس طرح قریب ہے جس طرح ان کے موضوعات۔ قاری ان کی نثر پڑھ کر نہیں جھومتا بلکہ اپنے اندر ایک عجیب حرارت محسوس کرتا ہے۔ معمولی بات کو اثر انگیز انداز میں بیان کرنے کی قوت، ترکیبوں کو اس طرح استعمال کرنے کی صلاحیت کہ ان کا موضوع اور ان کا مقصد واضح ہو جاتے، منٹو کے شروع کے افسانوں سے لے کر ان کے آخری افسانوں تک موجود ہے۔ ان کی ہر تشبیہ اس فضا کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہے، جس کو وہ بُن رہے ہوں۔ ان میں جو بے ساختگی اور برجستگی نظر آتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی جزئیات خود بخود نقطہ بہ نقطہ اس فضا کی تعمیر کر رہی ہیں۔ چند مثالیں :-

۱۔ گالی ٹھیک اسطرح الجھ کر رہ گئی تھی جیسے بیری کے کانٹوں میں کوئی کپڑا۔ (نفی)

۲۔ اس کے تنگ ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں نمودار ہو گئی تھیں جیسے ململ میں پنیر کو آہستہ سے دبا دیا گیا ہو۔ (خوشیا)

۳۔ وہ کچھ اسی طرح ہنسی جیسے کسی نے بلندی سے ریشمی تھان کھول کر پھینک دیا ہو (مصری کی ڈلی)

منٹو کا اسلوب شاعرانہ ہوتے ہوئے بھی ایک عجیب طرح کا گداز لئے ہوتے ہے۔ ایسی نثر قابلِ رشک ہے۔ کہیں کہیں یہ طنز کے تیکھے وار ہیں، جن میں شمشیرِ آبدار کی سی کاٹ ہے۔ کہیں ایسی صباحت اور ملاحت کہ دل کے نہاں خانوں میں اتر جاتی ہے اور کہیں ایسا معصومانہ انداز جس سے دوشیزگی ٹپکتی ہے۔

منٹو کی کردار نگاری قابلِ رشک ہے۔ وہ اس طرح واقعات کا تانا بانا تیار کرتے ہیں کہ ان کا کردار اپنی شخصیت کے تمام خول اتار کر سامنے آتا ہے۔ منٹو کے فن کی عظمت ایک طرف ان کے افسانے کی تکنیک پر مکمل گرفت کی وجہ سے ہے، دوسری طرف ان کے کرداروں کے باعث ہے۔ پریم چند کے بعد اگر کسی فنکار نے کردار نگاری کی اہمیت کو تسلیم کر کے اردو ادب کو زندہ و جاوید کردار دئے تو وہ سعادت حسن منٹو ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اردو افسانے میں کردار کی اہمیت کو منوایا۔ منٹو کے کردار اسی سماج کے رہنے والے ہیں۔ وہ روزمرہ کی زندگی سے ان کا انتخاب کرتے ہیں۔ اپنی انفرادیت کو واضح کرنے کے لئے وہ ان کو خاص ماحول میں ڈھال کر انسانی تجربوں سے مالا مال کرتے ہیں۔ یہی فن کا اعجاز ہے۔ منٹو کے کرداروں کی آرٹ گیلری میں طوائفیں، دلال، جنس زدہ مرد اور عورتیں، جنسی طور پر بیدار بالغ اور نابالغ رندِ خرابات، ریاکار زاہد، سرمایہ دار، داداگیری کرنے والے اوباش، قاتل، سادیت کے مارے ہوئے مرد اور عورتیں، پاگل، مذہب زدہ اور آزاد خیال لوگ، ہندو مسلمان، سکھ اور یہودی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تمام فطری حقیقتوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ منٹو اپنی ذات کو ان کرداروں پر مسلط نہیں کرتے بلکہ ان کو اپنی ازلی سرشت کی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ بے نقاب کرتے ہیں۔ یہی وہ منزل ہے جہاں وہ اپنے معاصر فنکاروں سے کوسوں آگے نکل جاتے ہیں۔

بشکریہ "آجکل" نئی دہلی

OO

باقی صفحہ نمبر ۹ کا

منایا جاتا ہے۔

کلکتہ کی بستیوں میں تین اردو بند و بالا کیندر ہیں، جہاں بستی علاقوں کے بچوں کو تعلیمی اور تفریحی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔

دارجلنگ کے چائے باغات کے علاقوں میں اور ضلع ہگلی کے صنعتی علاقوں میں یہ شعبہ محدود پیمانہ پر تعلیم بالغان اسکیم کو روبہ عمل لا رہا ہے۔

اس ریاست کے قبائلی علاقوں میں واقع چند بلاکوں میں ایسی لائبریریاں قائم کی گئی ہیں جہاں نصاب کی کتابیں فراہم کی جاتی ہیں ++



لوک سبھا کے اسپیکر شری بلرام جاکھڑ، حال ہی میں، کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں منعقدہ ایک تقریب میں کلکتہ ھائی کورٹ کے چیف جسٹس کو دستور کے بنگلہ ترجمہ کی ایک کاپی پیش کرتے ہوئے۔



لوک سبھا کے اسپیکر شری بلرام جاکھڑ، حال ہی میں کلکتہ میں منعقدہ ہتھ کرگھے کے تیار کردہ کپڑوں کی بتنبخ نمائش میں

MAGHREBI BANGAL
15 April 1984

Vol. 31 No. 8
PRICE 12 Paise



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ہریٹیکنوں نرسنگ ہوم میں نریندر [illegible] کمیٹی کے زیر اہتمام [illegible] تقریب میں دماغی امراض کی تشخیص کے لئے ایک نئی مشین کا افتتاح کرتے ہوئے (اوپر) اور اسی نرسنگ ہوم میں اسی مشین سے [illegible] مریض کے علاج کے طریقہ کار کا معائنہ کرتے ہوئے (نیچے)



Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor Dhirendra Dutta, Associate Md. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T.



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

یومِ مئی نمبر

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندر ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ یکم مئی سنہ ۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۹

شرحِ خریداری

سالانہ : تین روپئے ـ اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۲۵ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳ - آر - این مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



شری اے۔ پی۔ شرما، گورنر، مغربی بنگال، حال ہی میں منعقدہ فوجی نمائش کا معائنہ کرتے ہوئے۔

بلاوا

دیکھو دور افق کے ضو سے جھانک رہا ہے سُرخ سویرا
جاگو اے مزدور کسانو!
اٹھو اے مظلوم انسانو!

دھرتی کے ان داتا تم ہو   جگ کے پران ودھاتا تم ہو
دھنیوں کی خوشحالی تم سے   کھیتوں میں ہریالی تم سے
اونچے محل بنائے تم نے   شاہی تخت سجائے تم نے
ہیرے، لعل نکالے تم نے   نیزے، بھالے ڈھالے تم نے
ہر بگیا کے مالی تم ہو   اس سنسار کے والی تم ہو
وقت ہے دھرتی کو اپنا لو   آگے بڑھو ہتھیار سنبھالو
اٹھو اے مظلوم انسانو!
جاگو اے مزدور کسانو!

دیکھو دھرتی کانپ رہی ہے   گرد، پھریرے ڈھانپ رہی ہے
کشٹ کی جوالا پھوٹ پڑی ہے   وقت ہے تھوڑا جنگ کڑی ہے
پھیل رہے ہیں کال کے گھیرے   تھامو اپنے سُرخ پھریرے
تم ہو جگ جنتا کے سینک   پاپ کے ناشک، ستیہ کے رکھشک
بھوک کے عادی ظلم کے پالے   کالی کٹیاؤں کے اجالے
کیا روکے گی تم کو شاہی   تم ہو بہادر سُرخ سپاہی
جاگو اے مزدور کسانو!
اٹھو اے مظلوم انسانو!
دیکھو دور افق کی ضو سے جھانک رہا ہے سُرخ سویرا

ساحر لدھیانوی

یومِ مئی کی تاریخ

محمد اعظم

آج سے دو تین صدی قبل ساری دنیا میں جاگیردارانہ نظام رائج تھا۔ پھر انیسویں صدی کے شروع شروع میں رو بہ انحطاط جاگیردارانہ نظام نے سرمایہ دارانہ نظام کو جنم دیا۔ دونوں نظام ایک جیسے ہیں۔ نادار اور غریب کاشتکاروں اور مزدوروں کا خون چوس چوس کر اپنی تجوریوں کو بھرنا، ان دونوں نظامات کا اہم مقصد ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے فروغ کے ساتھ ساتھ صنعتی دور کا آغاز ہوا۔ یہ دور محنت کشوں کے لئے ایک تحفہ ثابت ہوا کیوں کہ اس دور نے محنت کشوں میں ایک نئے شعور کو اجاگر کیا اور وہ تھا محنت کشوں کا استحکام اور اتحاد۔ اس شعور نے محنت کشوں کو بیدار کر دیا اور یہی بیداری مفلس اور نادار لوگوں کو غربت اور استحصال سے نجات دلانے کی ایک زبردست تحریک بن گئی جس نے ساری دنیا میں استحصال کرنے والے طبقوں اور ان کے نظام کو جڑ سے ہلا کر رکھ دیا۔ یہ تحریک اتنی تیزی سے پھیلنے لگی کہ اس نے جغرافیائی سرحدوں کو پار کر لیا اور ساری دنیا کے محنت کش لوگوں نے اپنی قسمت کو، اپنی زندگی کو بدلنے کے لئے اپنی متحدہ کوششوں کے ذریعہ انسانی تہذیب کے مناظر کو تبدیل کر دیا۔

اب ساری دنیا میں محنت کش عوام بڑے تزک و احتشام کے ساتھ یوم مئی مناتے ہیں۔ یوم مئی یعنی مئی کی پہلی تاریخ کو محنت کشوں کے بین الاقوامی استحکام کا دن کہا جاتا ہے۔ لیکن اس دن کی ابتدا کب، کہاں اور کیسے ہوئی؟ اس کی ابتدا تقریباً ایک سو سال قبل امریکہ میں ہوئی اور آج ایک سو سال بعد یوم مئی ساری دنیا کے مزدور اور محنت کش طبقوں کے لوگوں کے لئے کافی اہمیت کا حامل بن گیا ہے۔ بقول اجمل اجملی۔

ایک سو سال کہانی میں کوئی چیز نہیں
ایک سو سال حقیقت میں بہت ہوتے ہیں
ندیاں تہذیب کی چڑھتی ہیں، اتر جاتی ہیں
قسمتیں قوموں کی بنتی ہیں، بگڑ جاتی ہیں
ظلم کے ہاتھوں دبا ہوا سیلابِ عظیم
ایک ہی لمحے میں اس طرح بپھر جاتا ہے
ظلم کی ناؤ خود اس دھارے میں بہہ جاتی ہے
ایک سو سال کہانی میں کوئی چیز نہیں

ہاں تو تقریباً ایک سو سال قبل یوم مئی کی تاریخ کا آغاز ہوا۔ یوم مئی دن میں کام کرنے کے مختصر اوقات کے لئے جد و جہد سے وابستہ ہے اور یہ جد و جہد ممالک متحدہ امریکہ میں صنعتی انقلاب کے دور میں کارخانوں کے نظام کے آغاز سے شروع ہوئی۔

۱۹ویں صدی کے شروع میں امریکہ یعنی ممالک متحدہ امریکہ میں مزدوروں نے کام کرنے کے اوقات میں کمی کرنے کے لئے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کیوں کہ اس زمانہ میں طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک کام کرنے کے دن ہوتے تھے۔ کہیں کہیں

۱۴، ۱۶ اور ۱۸ گھنٹوں تک کام کرایا جاتا تھا۔ ساتھ ہی مزدوروں کے استحصال کا کام زور و شور سے جاری تھا۔ مزدور بے بس اور پریشان حال تھے۔ سرمایہ داروں کے ساتھ حکومت اور پولس تھی اور مزدوروں کے پاس صرف انکی محنت۔ سنہ ۱۸۰۶ء میں فیلاڈلفیا کے جھگڑے چلانے والوں نے ہڑتال کی تو اس وقت مالکوں نے جور و جبر سے اس ہڑتال کو توڑ دیا اور اس کے سربراہوں کے خلاف سازشی مقدمہ دائر کر دیا اور اس مقدمہ کے دوران یہ بات ظاہر ہوئی کہ مزدوروں کو دن میں ۱۹ اور ۲۰ گھنٹوں تک کام کرنا پڑتا تھا۔

انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائیوں میں بہت ساری ہڑتالیں ہوئیں۔ مزدوروں نے کام کرنے کے اوقات میں کمی، تنظیم قائم کرنے کے حق اور دیگر باتوں کے لئے مطالبات کئے۔ بہت سارے صنعتی مراکز میں کام کرنے کے ۱۰ گھنٹہ کا مطالبہ بھی پیش کیا گیا۔ فیلاڈلفیا کے میکانکس یونین نے، جسے دنیا کا پہلا ٹریڈ یونین کہا جاتا ہے، سنہ ۱۸۲۷ء میں دس گھنٹہ کام کے دن کے لئے فیلاڈلفیا میں معماری کے کام کرنے والے مزدوروں کی ہڑتال کرائی تھی۔ سنہ ۱۸۳۴ء میں نیویارک میں روٹی تیار کرنے والوں کی ہڑتال کے سلسلہ میں اخبار ورکنگ مینس ایڈوکیٹ نے یہ رپورٹ شائع کی کہ روٹی بنانے کے کاروبار میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت مصری غلاموں سے بھی بدتر ہے۔

پھر امریکہ کے مقامی علاقوں میں دس گھنٹہ کام کے دن کا مطالبہ آہستہ آہستہ ایک تحریک میں بدل گیا۔ گرچہ سنہ ۱۸۳۷ء کے معاشی بحران کے دوران اس تحریک کی رفتار کچھ سست ہو گئی تھی تاہم اس کی اہمیت کے پیش نظر امریکہ کے صدر وین بورین کے تحت وفاقی حکومت نے ایک فرمان جاری کیا جس کے تحت سرکاری کام پر معمور لوگوں کے لئے دس گھنٹے کے کام کا دن مقرر کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی دس گھنٹہ کام کے دن کی عالمگیر مہم جاری رہی۔ اس کے بعد کی دو دہائیوں میں کئی ایک صنعتوں میں دس گھنٹہ کام کے دن مقرر ہوئے لیکن اس کے بعد ہی سے آٹھ گھنٹے کے کام کے دن کا مطالبہ شروع ہو گیا اور سنہ ۱۸۵۷ء میں معاشی بحران سے قبل ہی کئی ایک منظم صنعتوں میں آٹھ گھنٹہ کام کا دن مقرر کر دیا گیا۔ کام کرنے کے آٹھ گھنٹہ کی تحریک صرف امریکہ تک محدود نہ رہی بلکہ جہاں کہیں بھی ابھرتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مزدوروں کا استحصال کیا جانے لگا وہاں یہ تحریک شروع ہو گئی۔ امریکہ سے کافی دور آسٹریلیا میں آٹھ گھنٹہ کام کے دن کے لئے تعمیراتی کام میں مشغول مزدوروں نے مطالبہ کیا اور سنہ ۱۸۵۶ء میں اس مطالبہ کو تسلیم کرانے میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔

آٹھ گھنٹہ کام کرنے کی تحریک اور جدوجہد

اس جدوجہد کی، جس نے براہ راست یوم مئی کو جنم دیا، سنہ ۱۸۸۴ء میں امریکہ میں شروعات ہوئی اور یہ جدوجہد آٹھ گھنٹہ کام کرنے کے دن کی تھی۔ لیکن اس سے تقریباً ۱۸ سال قبل یعنی ۲۰ اگست سنہ ۱۸۶۶ء کو بالٹی مور میں ٹریڈ یونینوں کا ایک جلسہ ہوا۔ اس میں تقریباً ساٹھ ستر ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں اتفاق رائے سے ایک قومی لیبر یونین کی تشکیل ہوئی اور مسٹر ولیم ایم۔ سلویس اس تنظیم کے رہبر منتخب ہوئے۔ مسٹر سلویس آئرن مولڈرس (سانچہ سازی) یونین کے سربراہ تھے۔ نوجوان تھے اور مزدوروں کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے لندن میں واقع فرسٹ انٹرنیشنل کے سربراہوں کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور اپنے نیشنل لیبر یونین کو کہا تھا کہ وہ انٹرنیشنل کے جنرل کاونسل سے رابطہ قائم رکھے۔

سنہ ۱۸۶۶ء میں نیشنل لیبر یونین کی ایک اہم نشست میں یہ قرارداد منظور ہوئی۔

دورِ حاضر کی سب سے اہم اور اولین ضرورت یہ ہے کہ اس ملک کے مزدوروں کو سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے ایک قانون پاس کیا جائے جس کے تحت امریکہ کی تمام ریاستوں میں حسب معمول کام کرنے کے دن

۸ گھنٹوں پر مشتمل ہوں۔ ہمارا یہ عزم مصمم ہے کہ اس مقصد کی برآوری کے لئے ہم اپنی تمام توانائی کو صرف کر دیں گے۔

اس نشست میں آٹھ گھنٹے کام کے دن کو قانونی طور پر نافذ کرنے کے لئے سیاست کا بھی سہارا لیا گیا۔ ممبران نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے علاقوں سے عام انتخابات میں صرف ان امیدواروں کی تائید کی جائے جو صنعتی مزدور طبقہ کے مفادات کی نمائندگی کریں گے۔

سلویس نے لندن میں انٹرنیشنل سے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ این۔ ایل۔ یو (نیشنل لیبر یونین) کے وہ صدر بھی تھے۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں اپنے ایک جلسے میں یہ فیصلہ کیا کہ این۔ ایل۔ یو مزدوروں کی بین الاقوامی تحریک کے ساتھ تعاون کرے، نیز جنرل کاؤنسل کے مدعو کرنے پر این۔ ایل۔ یو نے انٹرنیشنل میں اپنے ایک وفد کو بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن بدقسمتی سے اسی دوران سلویس کی موت واقع ہو گئی اور ان کی جگہ شکاگو سے شائع ہونے والے رسالہ ورکنگ مینس ایڈوکیٹ کے ایڈیٹر مسٹر اے۔ سی۔ کیمرن کو نمائندہ کی حیثیت سے انٹرنیشنل کے جلسے میں شرکت کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ انٹرنیشنل کے جنرل کاونسل نے اپنی نشست میں سلویس کی موت پر تعزیت کا اظہار کیا سلویس کی مدت کے بعد امریکہ میں مزدور تحریک کمزور ہوتی گئی اور آخر میں نیشنل لیبر یونین ختم ہو گیا۔

۸ گھنٹہ کام کرنے کے دن کی بابت نیشنل لیبر یونین نے، جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے، اگست سنہ ۱۸۶۶ء میں اپنی ایک نشست میں ایک قرارداد منظور کی تھی۔ اس سال ستمبر کے مہینے میں فرسٹ انٹرنیشنل کی جینوا کانفرنس نے بھی اس قسم کا مطالبہ ریکارڈ میں درج کیا تھا۔ مطالبہ یہ تھا۔

"کام کرنے کے دن کے اوقات کو قانونی طور پر محدود بنانا ایک لازمی اور ابتدائی شرط ہے، کیوں کہ اس کے بغیر محنت کش طبقہ کی نجات اور ترقی کے سلسلہ میں کئے گئے تمام اقدامات بے ثمر ثابت ہوں گے .... یہ کانگریس کام کرنے کے دن کی قانونی حد آٹھ گھنٹے مقرر کرنے کی تجویز پیش کرتا ہے۔"

فرسٹ انٹرنیشنل کی بین الاقوامی تنظیمی حیثیت سنہ ۱۸۷۳ء میں ختم ہو گئی جب اس کے ہیڈ کوارٹرس کو لندن سے نیویارک منتقل کر دیا گیا اور آہستہ آہستہ اس کی سرگرمیاں سست ہو گئیں۔

سنہ ۱۸۸۰ء میں شکاگو میں امریکی مزدوروں کی ایک تنظیم بنام ممالک متحدہ امریکہ اور کناڈا کے منظم ٹریڈ اور لیبر یونینوں کا وفاق قائم کیا گیا۔ اسے عام طور پر امریکن فیڈریشن آف لیبر کہتے ہیں۔ اس تنظیم نے ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۸۴ء کو اپنے چوتھے کونشن (اجلاس) میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی۔

"ممالک متحدہ امریکہ اور کناڈا کے منظم ٹریڈ اور لیبر یونینوں کے وفاق اپنے اس فیصلے اور عزم کا اظہار کرتا ہے کہ یکم مئی سنہ ۱۸۸۶ء سے قانونی طور پر کام کرنے کا دن آٹھ گھنٹوں پر مشتمل ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ہم مزدوروں کی تنظیموں کو اس بات کی ہدایت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے حلقہ عمل میں ایسے قوانین مرتب کریں جو مذکورہ قوانین کی تصدیق کریں۔"

یہ ایک عجیب سی قرارداد تھی کیوں کہ اس میں کہیں بھی ان طریقہ کار کا ذکر نہیں جنہیں روبہ عمل لا کر آٹھ گھنٹے کام کے دن کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ اس طرح یہ بات۔ بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ ایک تنظیم جس کے اس وقت ۵۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ افراد ممبر تھے، دکانوں، ملوں، کارخانوں اور کانوں میں جہاں اس کے ممبران برسر روزگار تھے، اس مقصد کی برآوری کے لئے جدوجہد کئے بغیر اور آٹھ گھنٹہ کام کے دن کے لئے جدوجہد میں اور بھی کثیر تعداد میں مزدوروں کو لانے کی کوشش کئے بغیر اس بات کا اعلان نہ کر سکا کہ قانونی لحاظ سے کام کرنے کا دن آٹھ گھنٹوں پر مشتمل ہوگا۔ مذکورہ قرارداد میں جو دوسری بات کہی گئی اس کا مقصد یہ تھا کہ آٹھ گھنٹہ کام کے دن کے لئے یکم مئی سنہ ۱۸۸۶ء سے جو ہڑتال شروع ہونے والی تھی، اگر وہ زیادہ دنوں تک جاری رہی تو اس حالت میں یونینوں کی طرف سے ہڑتال کرنے والے ممبروں کو مالی امداد فراہم کرنی پڑتی۔ چونکہ یہ ہڑتال سارے ملک میں ہو گی اس لئے یونینوں

کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ممبروں سے ہڑتال کی تصدیق کرالیں، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس تنظیم کی بنیاد وفاقی تھی اور یہ وفاق رضا کارانہ نوعیت کا تھا، اس لئے قومی کنونشن کے فیصلہ کے ملحق یونینوں کو پابند ہونا پڑے گا اگر تمام یونینیں وفاق کے فیصلے کی تصدیق کر دیں۔

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے، صنعتی انقلاب کی وجہ سے امریکہ میں صنعتی سرگرمیاں بڑی تیز ہو گئیں اور اس کے ساتھ ساتھ مِل مالکوں اور سرمایہ داروں نے غریب اور نادار مزدوروں کا ہر ممکن طریقے سے استحصال کرنا شروع کر دیا۔ مزدوروں کی کہیں بھی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ آخر کار امریکہ میں لاکھوں ریل روڈ اور اسٹیل مزدوروں نے سنہ ۱۸۷۷ء میں عام ہڑتال کی۔ اس ہڑتال کو توڑنے کے لئے صنعتی کارپوریشن اور حکومت نے فوجی سپاہیوں کو بھیجا۔ سپاہیوں نے اپنے ہتھیاروں کا سارا الیکر نہتے مظاہرین پر حملے کر دئے اور ان کی ہڑتال کو درہم برہم کر دیا۔ لیکن اس ہڑتال کا امریکہ کے مزدوروں کی تحریک پر بہت ہی اچھا اثر پڑا۔ قومی سطح پر یہ امریکی محنت کشوں کا پہلا بہت ہی منظم مظاہرہ تھا۔ گرچہ ریاست اور سرمایہ کی متحدہ طاقتوں نے اسے شکست دے دی تاہم اس جدوجہد سے امریکی مزدوروں کو سماج میں ایک طبقاتی درجہ کا علم ہو گیا۔ یہ تو کچھ حد تک پنسلوانیہ کی کانوں کے مالکوں کو جواب تھا۔ کیوں کہ ان مالکوں نے کانوں کے مزدوروں کی تنظیم کو توڑنے کے لئے دس بہادر کان کے مزدوروں (مولی میگوائرس) کو سنہ ۱۸۷۵ء میں پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔

لیکن اس کے باوجود کام کرنے کے مختصر وقت کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ امریکہ میں سنہ ۱۸۷۳ء میں معاشی بحران کی وجہ سے بیروزگاری میں کافی اضافہ ہو گیا۔ اس موقع پر مزدوروں کے فیڈریشن نے آٹھ گھنٹہ کے دن کا نعرہ لگانا شروع کیا اور اس کے بعد سے اس کے ممبروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔ اس فیڈریشن نے امریکہ کے نائٹس آف لیبر کے ساتھ مل کر آٹھ گھنٹہ کے دن کی تحریک سارے ملک میں شروع کر دی۔ پھر اس فیڈریشن نے سنہ ۱۸۸۵ء میں اپنی ایک نشست میں یہ فیصلہ کیا کہ یکم مئی سنہ ۱۸۸۶ء کو آٹھ گھنٹہ کام کرنے کے دن کے مطالبہ پر تمام مزدور ہڑتال کریں۔ اس فیصلہ کے بعد امریکہ کے بہت سارے یونینوں نے اس جدوجہد میں شرکت کرنے کے لئے اقدامات کرنا شروع کر دئے۔ اس کے ساتھ ہی فیڈریشن اور نائٹس آف لیبر کے ممبروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ لیکن جیسے جیسے ہڑتال کا دن قریب آتا گیا نائٹس آف لیبر کے سربراہوں نے چوری چھپے مل مالکوں اور حکومت سے بات چیت شروع کر دی اور اس ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ انہوں نے اپنے ماتحت یونینوں کو چوری چھپے یہ مشورہ دینا شروع کیا کہ وہ ہڑتال نہ کریں۔ لیکن ان کی کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں۔ اس وقت مزدور طبقہ بیدار ہو چکا تھا اور جگہ جگہ آٹھ گھنٹہ کے دن کے لیگ قائم ہو گئے نئی تنظیمیں عالم وجود میں آگئیں۔ امریکہ کا محنت کش طبقہ ایک نئی صبح کے ظہور کا انتظار کرنے لگا۔

جوں جوں ہڑتال کا دن قریب آتا گیا۔ مزدور اور بھی منظم ہوتے گئے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس ہڑتال اور تالہ بندی کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں امریکہ میں ہڑتال اور تالہ بندی کی تعداد تقریباً ۷۰۰ تھی جو بڑھ کر سنہ ۱۸۸۶ء میں ۱۵۷۲ ہو گئی۔ اس طرح اس عرصہ میں اس سے متاثر ہونے والے مزدوروں کی تعداد ۲۵۰۰۰۰ سے بڑھ کر ۶۰۰۰۰۰ ہو گئی۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں ہڑتال اور تالہ بندی سے متاثر ہونے والے اداروں کی تعداد ۲۴۶۷ تھی لیکن ۱۸۸۶ء میں ایسے اداروں کی تعداد بڑھ کر ۱۱۵۶۲ ہو گئی۔

چیکاگو ہڑتال اور ہے مارکیٹ: ۔ یکم مئی سنہ ۱۸۸۶ء کی صبح کو سورج آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی ہڑتال شروع ہوئی۔ پانچ لاکھ سے زیادہ مزدوروں نے اس ہڑتال میں شرکت کی۔ اس دن بقول شاعر ۔

دستِ مظلوم میں ہتھکڑی کی کڑی
ایسی چمکی کہ تیغِ قضا بن گئی!

چیکاگو شہر ہڑتال کا مرکز تھا۔ یہاں وسیع پیمانے پر ہڑتال ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ نیویارک، بالٹی مور، واشنگٹن، ملواکی، سنسناٹی، سینٹ لوئس، پٹسبرگ، ڈیٹرائٹ اور دیگر شہروں اور صنعتی مراکز میں مزدور کام بند کر کے باہر نکل آئے۔ اس ہڑتال کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس جدوجہد میں بے ہنر اور غیر منظم مزدوروں نے بھی شرکت کی۔ مزدوروں کے اس بغاوتی جذبہ کو بورژوائی مورخین نے سماجی جنگ اور سرمایہ سے نفرت کا نام دیا۔

چیکاگو میں یکم مئی ۱۸۸۶ء کی ہڑتال بہت ہی جارحانہ نوعیت کی تھی کیوں کہ اس چیکاگو کے بائیں بازو کی جنگجو یانہ مزدور جماعتوں نے بڑی کثیر تعداد میں شرکت کی۔ یہاں اس ہڑتال کی تیاری بہت پہلے سے کی جا رہی تھی۔ یہاں اس دوران بہت سارے آٹھ گھنٹہ ایسوسی ایشن قائم ہو چکے تھے۔ مرکزی مزدور یونین نے جو بائیں بازو کے مزدوروں کے یونینوں پر مشتمل تھا، ایسے ایسوسی ایشنوں کی کافی مدد کی اور ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ نیز امریکہ کے دیگر لیبر یونینوں کے ساتھ ساتھ سوشلسٹ لیبر پارٹی نے، جو امریکہ کے محنت کش طبقہ کی پہلی منظم سوشلسٹ سیاسی پارٹی تھی، اس ہڑتال میں شرکت کی۔

پہلی مئی ۱۸۸۶ء کو، جیسا کہ قبل ذکر کیا گیا ہے، چیکاگو شہر میں منظم مزدور لیبر یونین کی پکار پر تمام مزدوروں نے کام بند کر دیا اور ہڑتال شروع کر دی۔ یہ طبقاتی استحکام کا بہت ہی موثر مظاہرہ تھا۔ اس طرح کی مزدور تحریک اس سے قبل اور کہیں نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت کا مطالبہ۔ آٹھ گھنٹہ کام کرنے کا دن ــ بہت ہی اہمیت کا حامل تھا اور اس ہڑتال کی وسعت اور خصوصیت نے اس تحریک کو نمایاں سیاسی اہمیت دی۔ آٹھ گھنٹہ کام کرنے کی تحریک یکم مئی ۱۸۸۶ء کو ہڑتال کی شکل میں ظاہر ہوئی اور امریکہ کے محنت کش طبقہ کی تاریخ میں اس نے ایک شاندار باب کا اضافہ کیا۔

مزدوروں کے دشمن بھی بیکار نہیں بیٹھے رہے۔ چیکاگو میں ہڑتال کرنے والے مزدوروں پر ملک اور شہری حکومت کی مشترکہ مسلح فوج نے حملہ کر دیا۔ اس فوج نے مزدوروں کے سربراہوں کو مار ڈالنے کی کوششیں کیں تاکہ دیگر مزدوروں کی ہمت پست ہو جائے اور پوری تحریک ناکام ہو جائے۔ اس ہڑتال میں پانچ لاکھ سے زیادہ مزدوروں نے شرکت کی۔ محنت کش طبقہ کی طاقت اور اتحاد سے وہاں کے سرمایہ دار اور تمام مل مالک گھبرا اٹھے۔ ان لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ریاستی طاقت محنت کش طبقہ کو دبانے کے لئے ان کی مدد کو آگے نہ بڑھی تو پھر صورتحال پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ بہرحال یکم مئی کو وہاں کی حکومت کی پولیس اور فوج نے مل مالکوں کا ساتھ دیا اور ہڑتال کرنے والے مزدوروں پر ظلم کا پہاڑ توڑ دیا۔ مزدوروں کو مارا پیٹا اور بہت سارے مزدوروں کو ہلاک کر دیا لیکن انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ نڈر اور بہادر مزدوروں نے ہڑتال کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر تین مئی ۱۸۸۶ء کو میک کورمک ریپر ورکس کے ہڑتال کرنے والے مزدوروں پر پولیس نے جارحانہ حملہ کیا اور اس جدوجہد میں چھ مزدور ہلاک ہوئے اور بہت سارے مزدور زخمی ہوئے۔ اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کیلئے ۴ مئی ۱۸۸۶ء کو چیکاگو میں "ھے مارکیٹ" میں مزدوروں نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جلسہ پرامن تھا اور ختم ہونے کے قریب تھا کہ پولس نے مزدوروں پر حملہ کر دیا۔ پولس کے کرایہ کے ایک ایجنٹ نے اس جلسے میں ایک بم پھینک دیا جس سے بہت سارے مزدور زخمی ہوئے اور ایک پولس سرجنٹ مارا گیا۔ اس کے بعد باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں سات پولس والے اور چار مزدور ہلاک ہوئے۔ چیکاگو کے ھے مارکیٹ میں خونریزی کے بعد حکومت نے مزدوروں کے تمام سربراہوں کو گرفتار کیا اور ان میں سے چار سربراہوں کو جھوٹے مقدمے کے تحت پھانسی پر چڑھا دیا۔ مزدوروں کی مسلسل جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کی وجہ سے دنیا کے محنت کش عوام اپنے مقصد میں

کامیاب ہوتے اور اس کے بعد سے امریکہ کی تقریباً تمام ریاستوں
میں کام کے لئے آٹھ گھنٹے مقرر کر دیئے گئے
پھر ۱۸۸۸ء میں امریکہ کے لیبر فیڈریشن نے
یہ فیصلہ کیا کہ ۱۸۹۰ء سے سارے امریکہ میں "یوم مئی" منایا
جائے۔ اس کے بعد پیرس میں ۱۸۸۹ء میں منعقدہ دوسری
کمیونسٹ انٹرنیشنل کانفرنس میں جس میں اینجلس نے شرکت
کی تھی (مارکس اس وقت زندہ نہ تھے) یہ فیصلہ کیا گیا کہ "یوم مئی"
کو ساری دنیا میں بین الاقوامی محنت کش طبقہ کے یوم استحکام
کے طور پر منایا جائے۔ اس کے بعد سے یوم مئی مزدوروں کے
یوم تعطیل کی طرح منایا جا رہا ہے اور اس دن دنیا کے سارے
مزدور اس عہد کا اعادہ کرتے ہیں کہ وہ سب ساری دنیا میں
استحصال سے پاک سماج کے قیام اور امن کے لئے اپنی جدوجہد کو
جاری رکھیں گے۔
اینجلس نے یکم مئی ۱۸۹۰ء کو "کمیونسٹ مینی
فیسٹو" (منشور) کتابچہ لکھا اور اس کے دیباچے میں انہوں
نے بین الاقوامی پرولتاری تنظیموں کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے
پہلے بین الاقوامی یوم مئی کی اہمیت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول
کرائی۔ انہوں نے لکھا ـــــ
"جیسے میں ان سطروں کو لکھ رہا ہوں، یورپ اور
امریکہ کی پرولتاریت پہلی بار اپنی طاقتوں کا جائزہ لے رہی ہے۔
پہلی بار یہ پرولتاریت ایک جھنڈے کے تلے ایک فوج بن گئی ہے
اور وہ ایک ہی مقصد کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ کام کرنے
کے آٹھ گھنٹے کے دن جسے قانونی طور پر نافذ کیا گیا ہے۔"
یہ منظر جو آج ہم سب دیکھ رہے ہیں، تمام ملکوں
کے سرمایہ داروں اور زمین داروں کو یہ محسوس کرنے پر مجبور کر دیں
گے کہ آج تمام ملکوں کی پرولتاریت ایک ہو گئی ہے۔ کاش مارکس
زندہ ہوتے تو یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔"
پھر ۱۸۹۳ء میں زیورخ میں منعقدہ انٹرنیشنل کے
کانگریس میں جہاں اینجلس نے بھی شرکت کی تھی، پہلی مئی کی تجویز
میں مندرجہ ذیل باتوں کا اضافہ کیا گیا۔
"یکم مئی کو کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کے لئے
مظاہرہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سماجی تبدیلیوں کے
ذریعہ طبقاتی تفریق کو مٹا دینے کے لئے محنت کش عوام کے
عزم مصمم کا مظاہرہ ہے، یہ مظاہرہ لوگوں کو ایک ایسے راستہ پر
گامزن کرتا ہے جو تمام لوگوں کے لئے امن اور بین الاقوامی امن کی
طرف لے جاتا ہے۔"
روس کے مزدوروں اور روسی انقلاب کے عظیم
رہنما لینن نے بھی روسی مزدوروں پر یوم مظاہرہ اور یوم جدوجہد
کی حیثیت سے یوم مئی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ ۱۸۹۶ء میں
جب لینن قید خانہ میں تھے تو انہوں نے سینٹ پیٹرس برگ
یونین کے لئے محنت کش طبقہ کی آزادی اور نجات کے سلسلے
میں "یوم مئی لیفلٹ" لکھا۔ اس لیفلٹ کو پوشیدہ طور پر
قید خانے سے باہر لایا گیا۔ پھر اسٹنسل سے اس کی دو ہزار
کاپیاں تیار کی گئیں اور انہیں ۴۰ کارخانوں میں مزدوروں کے درمیان
تقسیم کیا گیا۔ لینن نے عام فہم اور سیدھے سادے الفاظ
میں اس لیفلٹ میں "یوم مئی" کی اہمیت کو اجاگر کیا تھا۔
۱۹۰۵ء میں روس میں مزدوروں کا پہلا انقلاب
ناکام ہوا۔ اس کے بعد سے زارشاہی حکومت اور روسی
سرمایہ داروں نے غریب مزدوروں پر ظلم کا پہاڑ توڑنا شروع کر دیا۔
اپریل ۱۹۱۲ء میں سائبیریا میں لینا سونا کان میں ہڑتال کرنے
والے مزدوروں کا قتل عام کیا گیا۔ لیکن اتنے ظلم کے بعد مزدوروں
کے حوصلے پست نہیں ہوئے اور پھر یکم مئی ۱۹۱۲ء کو جب سارے
روس میں لاکھوں کی تعداد میں مزدوروں نے اپنے کام بند کر دیئے
اور زارشاہی کے رد عمل کا مقابلہ کرنے کے لئے سڑکوں پر آ گئے۔
اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روس میں مزدوروں اور
محنت کشوں نے ایک بار پھر انقلابی دور میں قدم رکھا۔ اس
کے بعد ۱۹۱۷ء میں روس میں اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے
بعد ۱۹۱۸ء سے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ یوم مئی
منانے کا رواج شروع ہو گیا۔
اس کے بعد اب دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں
(باقی صفحہ ۴۹ پر)

یوم مئی کا سورج

اک ۔۔۔ دن
دنیا کے سر پر
چمکا تھا دوپہر کا سورج
لہو سے زیادہ گرم اور سرخ
اک دن
سورج طلوع ہوا تھا
پہچانی صورت کی طرح
جیون سے بھی روشن تر
اک دن
سورج طلوع ہوا تھا
بجلی سے بھی تند و سخت
جشنِ فتح میں رقص کرتے پرچم سے بھی روشن رو

اس دن ۔۔۔
ظلم کے مارے انسانوں نے
دل کے پھندے کھول دئے تھے
گیت الاپے تھے خوشیوں کے
گائے تھے بیباک ترانے
بھوکے ننگے دہقانوں کو
خوشیوں کی سوغات ملی تھی،
سونا اگلتے کھیتوں کی
محنت کش کے بازو جاگے
حیاتِ نو کی ترنگ جاگی
جاگی تھیں نوخیز امنگیں

اس دن ۔۔۔
دنیا کے نقشے میں
سازش طشت از بام ہوئی تھی
مکر و ریا کے جال میں اپنے
رکھ نہ سکی تھی
جلتے تپتے سورج کی تنویروں کو
سنگ مرمر کے تختوں پر آرامیدہ
کالے دل آقاؤں کے
اصلی نقلی چہروں کی پہچان ہوئی تھی
آگ سے جلتے سورج کی تنویروں میں

سچ تو یہ ہے
پدما، گنگا، ولگا، مسی سی پی کی
"جیون ترشنا" لہروں میں
جلتے تپتے سورج کی
تنویریں
اب بھی کارفرما ہیں
جیون میں / جیون کے سنگھرشوں میں

بنگلہ : موکلیش بسواس
اردو : مصطفٰی اکبر

گارڈن ریچ

وہاں کیا رونما ہوا اور کس طرح اس صورتحال سے نبٹا گیا

حقیقت پر مبنی بیان

از: ڈی۔ اے۔ مترا

گزشتہ کئی ہفتوں سے گارڈن ریچ کی خبریں اخباروں میں شائع ہو رہی ہیں۔ بدقسمتی سے پریس کے ایک طبقہ نے وہاں رونما ہونے والے واقعات اور حادثات کو توڑ مروڑ اور بنا سجا کر پیش کیا، ساتھ ہی فرقہ وارانہ تناؤ کو ابھارنے کی کوششیں کیں لیکن ان کی یہ کوشش بے اثر ثابت ہوئی اور وہاں کی صورتحال کو اچھی طرح سے زیر قابو رکھا گیا۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی، امن اور بھائی چارگی کو برقرار رکھنے اور کسی بھی شکل میں مقامیت اور صوبہ پرستی کو نیست و نابود کرنے میں مغربی بنگال کے لوگوں کی شاندار روایت کو کمزور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اب بھی گارڈن ریچ کے ملے جلے علاقوں کے لوگوں کے بعض طبقوں میں خواہ مخواہ کا خوف اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے گارڈن ریچ میں درحقیقت کیا ہوا اور کس طرح بائیں محاذ حکومت نے اس صورتحال کا مقابلہ کیا، ان تمام باتوں کے سلسلے میں حقائق پر مبنی ایک وضاحتی بیان دینے کی ضرورت ہے۔

ہمارا یہ مضمون وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے مغربی بنگال اسمبلی میں دئے گئے بیانات پر اور ۲ر اپریل اور ۵ر اپریل ۱۹۸۴ء کو پولیس بجٹ اور ہوم (پولیٹیکل) بجٹ پر بحث و مباحثہ کے دوران ان کی تقریروں پر مبنی ہے۔

وزیر اعلیٰ نے ۱۳ر مارچ ۱۹۸۴ء کو گارڈن ریچ میں منعقدہ ایک عام جلسہ میں شرکت کی اور وہاں انہوں نے تقریر بھی کی۔ ان کی تقریر سے ان واقعات کے پس منظر کی بابت بہت ساری گرانقدر باتیں معلوم ہوئیں۔ یہاں اس امر کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس علاقہ اور دیگر علاقوں میں چند مشہور ہستیوں، جن میں ہندو و مسلمان دونوں شامل ہیں، اور سیاسی پارٹی کے مدعو کرنے پر وزیر اعلیٰ نے اس جلسہ میں تقریر کی۔ وزیر اعلیٰ نے ذاتی طور پر اقلیتی فرقہ کے ایک وفد سے ملاقات کی۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ چند دنوں قبل شہری ترقی کے وزیر شری پرشانت سور نے بھی گارڈن ریچ کے سابق چیرمین جو سی پی آئی (ایم) کے ممبر بھی ہیں، کے ساتھ اس علاقے کا دورہ کیا اور یہاں کے ممتاز شہریوں سے ہندو و مسلمان دونوں سے بات چیت کی۔

اس علاقہ میں وزیر اعلیٰ کے جانے اور عام جلسہ میں تقریر کرنے کا وہاں کے رہنے والے لوگوں، ہندو و مسلمان دونوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔

اس عام جلسہ میں وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں لوگوں سے

پر زور اپیل کی کہ وہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور امن کو برقرار رکھیں اور فرقہ وارانہ امتیاز یا پولس کی زیادتی کی بابت منافرت رساں پروپگنڈے سے گمراہ نہ ہوں۔ اس مضمون میں ہم نے ان کی اس اہم تقریر کے اقتباسات بھی شامل کئے ہیں۔

یہاں گارڈن ریچ علاقہ کی، اختصار کے ساتھ ایک تصویر پیش کی جا رہی ہے:

یہ ایک صنعتی علاقہ ہے۔ ڈک علاقہ کے قریب ہے۔ یہاں زیادہ تر مختلف مذاہب اور مختلف صوبوں کے غریب اور محنت کش لوگ آباد ہیں۔ غربت جہالت وغیرہ سے وابستہ جتنی دشواریاں ہوتی ہیں، ان سے وہ سب دوچار ہیں۔ اس صورتحال کو اسمگلروں کے گروہ، عادی مجرموں نے، جو یہاں آباد ہیں اس لئے کہ یہ علاقہ ڈک علاقہ کے نزدیک ہے، اور بھی ابتر بنا دیا۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ لوگ اس بات سے واقف ہوں کہ ۱۷ مارچ اور ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو گارڈن ریچ میں کیا ہوا اور اس سلسلے میں بائیں محاذ حکومت کیا کر رہی ہے۔

وزیر اعلیٰ نے بذاتِ خود، ۱۸ مارچ ۸۴ء کو ڈپٹی پولس کمشنر (پورٹ) اور ان کے باڈی گارڈ کے بہیمانہ قتل کی بابت حقیقت پر مبنی بیان دیا تھا۔ مغربی بنگال اسمبلی میں چند ممبروں کی توجہ دلاؤ تحریک کے جواب میں وزیر اعلیٰ نے مذکورہ بیان دیا تھا۔

قارئین کی سہولت کے لئے ہم یہاں وزیر اعلیٰ کے مذکورہ بیان کا متن پیش کر رہے ہیں۔

۱۷ مارچ ۱۹۸۴ء کی صبح کو فتح پور ویلج روڈ پر کچھ تکرار اور جھڑپیں ہو گئیں۔ ہے۔ ۱۸۸، فتح پور ویلج روڈ پر واقع محترمہ منورہ خاتون کے گھر میں دو لڑکے گئے اور اس گھر کے کمپاؤنڈ میں ایک ناریل کے درخت سے کچھ کچے ناریل توڑ لئے۔ محترمہ منورہ خاتون کے بیٹے اور اس علاقہ کے چند مسلمان لڑکوں نے اس طرح کچے ناریل توڑنے پر اعتراض کیا۔ لیکن مقامی سربراہوں کی مداخلت کی وجہ سے طرفین میں سمجھوتہ ہو گیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس وقت یہ خیال کیا گیا کہ یہ چھوٹا سا مسئلہ وہیں ختم ہو گیا۔ تھانہ کو اس واقعہ کی خبر نہیں ملی۔

۱۸ مارچ کو تقریباً سوا دس بجے دن کو چند غنڈوں نے جو اس سمجھوتے سے ناخوش تھے، چند گھروں پر حملہ کر دیا اور ان میں آگ لگانے کی کوششیں کیں۔ بہت ہی جلد یہ فساد پھیل گیا اور جگہ جگہ جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ اور اس دوران دونوں ہی فرقوں کے کئی مکانات میں لوٹ کھسوٹ مچایا گیا اور ان میں آگ لگانے کی کوششیں کی گئیں۔ چند سیاسی عناصر نے مداخلت کرنے کی اور امن و امان بحال کرنے کی کوششیں کیں لیکن وہ ناکام رہے۔

اس فساد کی خبر پاتے ہی، مقامی تھانہ اور لال بازار دونوں ہی جگہوں سے پولس جائے واردات پر فوراً پہونچ گئی۔ سینیر پولس افران، جن میں ڈی۔ سی (پورٹ) اور اے۔ سی (II)، پورٹ ڈویژن شامل تھے، بھی اس جگہ پہونچ گئے۔ پولس فوراً حرکت میں آگئی اور بدمعاشوں کا پیچھا کیا جو بستیوں کی مختلف گلیوں اور چھوٹی گلیوں کی طرف بھاگ گئے تھے۔ وہاں سے پولس والوں پر اینٹ، پتھر اور بموں سے حملے کئے جانے لگے۔ پولس کو بھیڑ پر کنٹرول کرنے کے لئے پانچ راؤنڈ فائرنگ کرنی پڑی۔ اس فائرنگ سے دو افراد ہلاک ہو گئے۔ ایک ۲۳ سالہ نوجوان لڑکا سبرتا بھٹاچاریہ اور دوسرا ایک مسلمان لڑکا تھا، اس کا نام محمد وصی تھا اور یہ انٹالی کے محمد اسمٰعیل اسٹریٹ کا رہنے والا تھا۔ فائر بریگیڈ بھی جائے وقوع پر پہونچ گیا اور اس نے پولس کی مدد سے آگ بجھائی۔ یہ بات دیکھی گئی کہ دونوں فرقوں کے کُل ملا کر چھ گھروں کو جلایا گیا اور انہیں نقصان پہونچایا گیا۔ ان میں سے چند مکانات میں سے ہانڈی برتن اور دیگر سامان لوٹ لئے گئے۔ نیز پہاڑپور روڈ پر ایک مسجد میں بھی آگ لگانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن فائر بریگیڈ فوراً جائے وقوع پر پہونچ گئی اور قبل اس کے کہ مسجد کو زیادہ نقصان پہونچے مسجد کی آگ کو بجھا دیا گیا۔ لال بازار سے مزید پولس فورس وہاں پہونچی۔ جائے واردات پر بہت سارے سینیر پولس افران معہ ڈی۔ سی، ہیڈ کوارٹرس، پہونچ گئے۔ پولس کمشنر نے اس علاقے کا گشت کیا اور مقامی لوگوں کی مختلف جماعتوں سے بات چیت کی۔

اس وقت تک یہ بدترین واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔

جب بڑی اور چھوٹی چھوٹی گلیوں سے پولس پر حملے کئے جا رہے تھے تو اس وقت شری وی۔ کے۔ مہتا، ڈی۔ سی، پورٹ ڈویژن کی سربراہی میں اسسٹنٹ پولس کمشنر شری کے۔ کے۔ شرما اور آٹھ کانسٹبلوں پر مشتمل ایک پولس پارٹی بیساڑ پور دبیچ روڈ اور رام نگر لین کے نزدیک اندرونی علاقوں کی طرف گئی۔ یہ پارٹی لاٹھی، گیس اور دستی بندوق سے لیس تھی۔ لیکن اس پارٹی کو اینٹ پتھر اور بموں کی بارش کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس بات کی کہیں بھی رپورٹ نہیں ملی کہ مشتعل لوگوں کے خلاف بندوق استعمال کئے گئے۔ پولس پارٹی نے رام نگر مسجد کے اندر پناہ لی جب ان لوگوں نے دیکھا کہ خنجروں، چاپڑوں، لاٹھیوں، لوہے کے روڈ اور بموں سے مسلح بدمعاشوں کے ایک متشدد گروہ مسجد کے پیچھے کی طرف سے ان کی طرف خوفناک طریقہ سے آگے بڑھ رہا ہے تو ڈی۔ سی (پورٹ) کے تحت پولس پارٹی کو مجبوراً وہاں سے باہر نکلنا پڑا۔ شری شرما، اے۔ سی (۱۱) اپنے فورس کے ساتھ وہاں سے دور فتح پور ویلج روڈ کی طرف آگے بڑھے۔ راستہ میں اینٹ سے ان کے سر پر سخت چوٹ پہونچی، اور زخم سے خون بہنے لگا۔ انہیں ایک کانسٹبل کے ہمراہ ہسپتال میں علاج کے لئے بھیج دیا گیا۔ ابھی معلوم ہوتا ہے کہ شری وی۔ کے مہتا، ڈی۔ سی، پورٹ ڈویژن اور ان کے سیکیوریٹی گارڈ کانسٹبل محمد مختار علی بدقسمتی سے اپنے ساتھیوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہیں متشدد بھیڑ نے گھیر لیا۔ جب کچھ عرصہ تک ان لوگوں کی کوئی خبر نہیں ملی تو وہاں موجود پولس افسروں کو اندیشہ لاحق ہو گیا اور انہوں نے شری مہتا اور ان کے سیکیوریٹی گارڈ کی تلاش کا کام شروع کر دیا۔ جگہ جگہ ڈھونڈا مگر انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ لال بازار ہیڈ کوارٹرس کو اس بات کی اطلاع دی گئی اور گم ہونے والے ڈی۔ سی اور ان کے سیکیوریٹی گارڈ کی تلاش کیلئے ڈی۔ ڈی حکام کو فوراً اس علاقہ میں بھیج دیا گیا۔

ان باتوں کی اب تک کافی وضاحت نہیں کی جا سکی کہ کس طرح ڈی۔ سی اور ان کے سیکیوریٹی گارڈ اپنے فورس کے دیگر ممبران سے الگ تھلگ ہو گئے اور ہنگامہ کرنے والوں کے، جو مختلف ہتھیاروں سے مسلح تھے، شکار بن گئے۔ پولس کمشنر سے کہا گیا ہے کہ وہ اس سنگین مسئلہ کی تفتیش کرنے کا بہت جلد انتظام کریں، اور ان سپاہیوں سے، جو شروع میں شری مہتا کے ساتھ تھے، پوچھ گچھ کی جائے اور جلد سے جلد اس تفتیش کے نتائج پیش کریں۔

مسلسل تلاش کے بعد ڈی۔ سی کے سیکیوریٹی گارڈ کانسٹبل محمد مختار علی کی مسخ کردہ لاش رام نگر لین اور بستی گلی کے موڑ پر پائی گئی۔ اس وقت سہ پہر کے تقریباً تین بجکر پانچ منٹ ہوتے تھے۔ لاش جلی ہوئی حالت میں پائی گئی۔ مزید تلاش کرنے پر شام کے ساڑھے پانچ بجے شری وی۔ کے مہتا کی لاش الیف/۱۵، عطا باغ اور ۲۰۸ عطا باغ کے پیچھے ایک ڈرین میں بہتی ہوئی پائی گئی۔ لاش پر زخموں کے جو داغ تھے، ان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان پر انتہائی ظلم کیا گیا، انہیں جسمانی اذیت پہونچائی گئی، نیز سروس ریوالور اور دیگر ہتھیاروں کا، جو سیکیوریٹی گارڈ کے پاس تھا، ابھی تک کچھ پتہ نہ چلا۔

ڈی۔ سی (پورٹ) اور ان کے سیکیوریٹی گارڈ کے ظالمانہ قتل پر معزز ماب ممبروں کے غم و غصہ میں برابر کا شریک ہوں۔ اس سفاکانہ قتل کی شدید مذمت کرنے کے لئے سخت سے سخت ترین الفاظ نہیں ملتے۔ شری مہتا ہمارے بہت ہی اچھے افسر تھے۔ ایسے حالات میں انکی موت سے ہمیں کافی صدمہ پہونچا۔ سیکیوریٹی گارڈ کی موت بھی مساوی طور پر دردناک ہے۔ دونوں ہی نے اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران اپنی جان عزیز کی قربانی دی۔ یہ واقعہ ان مشکلات کو عیاں کرتا ہے جن سے پولس فورس کو مسلسل دوچار ہونا پڑتا ہے۔ میں ڈپٹی کمشنر اور ان کے سیکیوریٹی گارڈ کے اہل و عیال کو اپنی دلی تعزیت پیش کرتا ہوں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس طرح کے فرقہ وارانہ فساد کو بہت ہی جلد اور مؤثر طور پر زیر قابو لایا گیا۔ جہاں فساد ہوا تھا وہاں بہت جلد مزید فورس کو بھیج دیا گیا۔ اس بات کی روک تھام کرنے کے لئے کہ صورت حال ابتر نہ ہو جائے، ای ایف آر کی تین پلاٹون کو گارڈن ریچ تھانہ میں بھیجا گیا۔ بی ایس ایف کی ایک کمپنی ندیا سے آئی۔ اقبال پور، واٹ گنج، گارڈن ریچ اور ایس پی ایس

علاقوں میں ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کے تحت حکم امتناعی نافذ کر دیا گیا۔ گارڈن ریچ تھانہ اور اس کے پاس کے مٹیا برج تھانہ کے علاقوں میں شام سے صبح تک کے لئے کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ضلع ۲۴ پرگنہ کے ضلع مجسٹریٹ اور پولس سپرنٹنڈنٹ مٹیا برج تھانہ میں آ گئے تاکہ اس بات کی کڑی نگرانی کی جا سکے اور گارڈن ریچ کے واقعات کا اثر مغربی بنگال پولس کے پڑوس کے علاقہ پر نہ پڑے۔ سینئر پولس افسروں کے تحت پولس چوکیاں جگہ جگہ تعین کر دی گئیں۔ بی ایس ایف اور سی آر پی ایف نے اس علاقہ کا مسلسل اور مرکوز طور پر گشت کرنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا ہنگامہ پر بہت ہی جلد قابو پا لیا گیا اور اس کے بعد کسی قسم کی واردات رونما نہیں ہوئی۔ قانون تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۴۷/ ۱۴۹/ ۳۳۲/ ۳۳۶/ ۳۰۷/ ۲۹۵ اے کے تحت گارڈن ریچ تھانہ میں کیس نمبر ۴۵ کے تحت دنگا فساد کرنے کے لئے مقدمہ دائر کر دیا گیا ہے اور اس کے بعد پولس کی طرف سے اقدامات بھی کئے گئے۔ ڈی۔ سی پورٹ ڈویژن اور ان کے باڈی گارڈ کے قتل کے سلسلے میں تعزیرات ہند کی دفعات ۳۶۴/ ۳۰۲/ ۳۴/ ۳۰۷/ ۳۴۹/ ۲۰۱ کے تحت ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو گارڈن ریچ تھانہ میں کیس نمبر ۴۶ شروع کر دیا گیا ہے۔ پولس نے پوچھ گچھ کرنے کے لئے ۴۹ افراد کو گرفتار کیا اور ۳۰ افراد کو زیر حراست رکھا گیا ہے۔

ڈی سی پی اور ان کے سیکورٹی گارڈ کی المناک موت سے سارے علاقے میں مایوسی چھا گئی اور اسی صبح کو رونما ہونے والے حادثات کو، جسے زیر قابو لایا گیا، پس پردہ ڈال دیا۔

یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ واٹ گنج، خضر پور میں ایک مہینہ قبل سڑک کا ایک حادثہ ہوا۔ پھر وہاں پولس فائرنگ سے دو افراد ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد ہی سے چند لوگ ڈی سی پی کو غیر ذمہ دارانہ تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اس واقعہ کی بابت چند اخبارات نے بڑی تندی کے ساتھ فرقہ واریت کا پرچار کیا اور ڈی سی پی (پورٹ) کے خلاف سخت تنقیدیں کیں۔ اب وقت ہے کہ ہم سب تنقید کے نام پر مبنی بر مقصد تحریر کے برے نتائج پر غائر غور و خوض کریں۔

ڈپٹی کمشنر (پورٹ ڈویژن) اور ان کے سیکورٹی گارڈ کے بے دردی سے قتل کی تفتیش کے دوران ایک بہت ہی ناگفتہ بہ واقعہ رونما ہوا۔ محمد ادریس خان، جس پر ڈی سی پی اور ان کے سیکورٹی گارڈ کے قتل میں براہِ راست ملوث ہونے کا الزام عائد تھا ۲۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو لال بازار لاک اپ میں مر گیا۔ اس واقعہ پر بہت ہی شور و غل مچایا گیا۔ وزیر اعلیٰ نے مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی میں بیان دے کر اس صورتحال کی وضاحت کی۔

لال بازار پولس حوالات میں محمد ادریس خان کی پراسرار موت کی بابت وزیر اعلیٰ کا بیان

ملزم محمد ادریس خان جے۔ ۱۹۲ اے، میٹر بارڑہ میں رہتا تھا۔ یہ ڈپٹی کمشنر، پورٹ ڈویژن اور ان کے سیکورٹی گارڈ کے قتل میں براہِ راست شرکت کرنے والوں میں سے ایک تھا۔ گواہوں اور اس کے ساتھی ملزموں کے بیانات سے مذکورہ باتیں تفتیش کے شروع شروع میں معلوم ہوئیں۔ ادریس کی جائے رہائش کی تلاشی لی گئی۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نے اپنے گھر کو چھوڑ دیا۔ اس کی بیوی اور دیگر رشتہ دار بھی دوسری جگہ منتقل ہو گئے تھے۔ محمد ادریس کے کمرے میں تالا لگا ہوا تھا۔

محمد ادریس جرائم پیشہ ماحول سے تعلق رکھتا تھا۔ متعدد کیسوں اور ۱۹۶۴ء میں رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات میں شرکت کرنے کے سلسلہ میں اسے اس سے قبل بھی گرفتار کیا گیا تھا۔

محمد ادریس خان کی کھوج لگانے کے لئے ربط و ضبط سے کام لیا گیا اور ایک معتبر اطلاع پر عمل کرتے ہوئے ملزم کو، جس کی بابت یہ بتایا گیا تھا کہ اس نے گیا میں پناہ لی ہے، زیر حراست لینے کے لئے ڈی ڈی کی ایک ٹیم کو ۲۵ مارچ ۱۹۸۴ء کو گیا بھیجا گیا۔ وہاں مقامی پولس کی مدد سے مفرور محمد ادریس کو ایک جلیل خان بن مرحوم عبدالجلیل، ڈمراؤں گاؤں، اماس تھانہ، ضلع گیا، بہار،

کے گھر سے ۲۷ مارچ ۱۹۸۴ء کو گرفتار کیا گیا۔

محمد ادریس کو ۲۸ مارچ کی صبح کو ڈون ایکسپریس سے کلکتہ واپس لایا گیا۔ اس نے جو بیان دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء کو بذریعہ بلیک ڈائمنڈ ایکسپریس دھنباد پہونچا اور وہاں ایک رات قیام کیا اور پھر ۲۲ مارچ کی صبح کو بس کے ذریعہ ڈمراؤں گاؤں پہونچا۔

۲۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو لال بازار میں پہونچنے کے بعد محمد ادریس کو صبح ۷ بجکر ۵۵ منٹ میں سنٹرل لاک اپ کے سیل نمبر ۵ میں رکھا گیا۔ اس بات کی اطلاع ملی کہ اس لاک اپ یعنی حوالات میں بہت سارے ملزمین نے اسے بے تحاشہ بری طرح پیٹا کہ ان کے خلاف پولس نے جو اقدامات کئے اس کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔ دن کے تقریباً ۱۱ بجکر ۲۵ منٹ پر اسے اس سیل سے باہر نکالا گیا اور پوچھ گچھ کرنے کے لئے اسے پولس کمشنر کے کمرہ میں لایا گیا۔ محمد ادریس نے بتایا کہ ڈپٹی کمشنر، پورٹ ڈویژن اور ان کے سیکیورٹی گارڈ کے قتل کی پوری کہانی واضح ہو جائے گی اگر دو افراد کو گرفتار کر لیا جائے۔ یہاں میں اس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ان میں سے ایک شخص کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

محمد ادریس کو ایس ڈی جے ایم، علی پور، کی عدالت میں تقریباً دن کے ۲ بجکر ۱۰ منٹ پر پیش کیا گیا۔ اے پی پی، علی پور نے عدالت سے درخواست کی کہ اسے پولس کے زیر حراست رکھنے کی اجازت دی جائے اور عدالت نے اسے ۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء تک پولس کے زیر حراست رکھنے کا حکم جاری کر دیا تھا۔ ادریس کو عدالت سے تقریباً ۴ بجے سہ پہر کو لال بازار واپس لایا گیا۔ یہ بات معلوم کی جا سکتی ہے کہ عدالت میں ادریس نے اس بات کی شکایت نہیں کی کہ پولس نے اسے جسمانی اذیت پہونچائی ہے۔ ادریس کو عدالت سے واپس لال بازار تک لانے والی پولس ٹیم ڈی ڈی کے آئی۔ او، دیگر سب انسپکٹرس اور کانسٹبل پر مشتمل تھی۔

لال بازار میں پہونچنے کے بعد پھر ملزم ادریس کو، موجودہ طریقہ کار کے تحت پوچھ گچھ کرنے کے لئے ہومیسائیڈ سیکشن میں لے جایا گیا۔ وہاں پوچھ گچھ کا کام جاری رکھا نہ جا سکا، کیونکہ پولس افسران، پولس کی مختلف یونٹوں کے لوگ اور دیگر افراد بار بار ملزم کو دیکھنا چاہتے تھے۔ پھر اسے وہاں سے چوری سیکشن میں لے جایا گیا جہاں پوچھ گچھ کا کام شروع کر دیا گیا۔

اسی دن، رات کے تقریباً آٹھ بجے محمد ادریس خان نے سینہ میں (بائیں طرف) درد کی شکایت کی۔ اسے سانس لینے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ دیکھتے ہی فوراً لال بازار سنٹرل لاک اپ سے ڈاکٹر ایم۔ پائین کو اس کی تشخیص کے لئے اس کے پاس بھیجا گیا۔ ڈاکٹر نے طبی معائنہ کرنے کے بعد اس بات کا مشورہ دیا کہ اسے فوراً ہسپتال میں منتقل کر دیا جائے۔ محمد ادریس کو فوراً میڈیکل کالج لے جایا گیا جہاں ڈاکٹر نے یہ اعلان کیا کہ اسے وہاں مردہ لایا گیا ہے۔ میڈیکل کالج ہسپتال کے ماہر طب، ڈاکٹر انوپ منڈل تقریباً رات کے آٹھ بجکر ۲۲ منٹ پر محمد ادریس کی لاش کا معائنہ کیا تھا اور یہ کہا "اس کی دونوں کلائیوں میں خراش کے گہرے نشان تھے اور ہونٹوں میں کٹے زخم کے نشان تھے جس سے پہلے کافی خون بہا ہو۔ اس لاش کو پوسٹ مارٹم جانچ یعنی بعد از مرگ جانچ کے لئے رکھ لیا گیا ہے۔"

۲۹ مارچ کو کلکتہ پولس مردہ گھر میں میڈیکل کالج اور ہسپتال کے فورنسک میڈیسن کے پروفیسر ڈاکٹر جے۔ بی۔ مکھرجی نے محمد ادریس کی لاش کا طبی معائنہ کیا۔ مرگ غیر طبعی کی بھی تفتیش کی گئی۔ پوسٹ۔ مارٹم جانچ کے بعد لاش کو مرحوم کی ماں اور بیوی کے حوالے کر دیا گیا اور پھر گوبرا مسلم گورستان میں اسے دفن کر دیا گیا۔

مجھے ابھی ابھی ڈاکٹر جے۔ بی۔ مکھرجی کی پوسٹ۔ مارٹم رپورٹ ملی۔ اس رپورٹ میں یہ باتیں درج ہیں:

"چوٹ کے اثر سے موت واقع ہوئی۔ زخموں کی نوعیت قبل از مرگ اور قاتلانہ تھی۔ اس کے ساتھ دل اور جگر کی حالت طبی لحاظ سے اچھی نہ تھی۔ فورنسک سائنس تجربہ گاہ سے رپورٹ موصول ہونے کے بعد مزید رائے کا اظہار کیا جائیگا۔

محمد ادریس، مسلمان، مرد، کی عمر تقریباً ۲۸ سال کی تھی۔ اس کی عام جسمانی حالت کو زیرِ غور رکھتے ہوئے اور پوسٹ مارٹم رپورٹ نمبر ۲۷۹، مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۸۴ء، مقام کلکتہ پولس مردہ گھر کی رپورٹ کے مطابق مرحوم کے جسم پر اس کے اہم اعضا کے مسخ کے یا جسم کی ہڈیوں کے ٹوٹ جانے کے نشانات کی غیر موجودگی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرحوم محمد ادریس کے جسم پر زخموں کے جو نشانات تھے وہ اتنے گہرے نہ تھے کہ اس سے اس کی موت واقع ہو جائے، جیسا کہ عام حالات میں ہوتی ہیں۔ دل اور جگر کی پژمردہ حالت، خاص طور پر دل کی حالت جیسا کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کہا گیا ہے " ابتر ہو گئی اور اس کی وجہ سے زخموں کا اثر بڑھ گیا اور مرحوم کی موت واقع ہو گئی۔"

حکومت قانونی ماہرین سے ساتھ اس معاملہ کی مزید تفتیش کر رہی ہے تاکہ اس بات کا فیصلہ کیا جا سکے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کی روشنی میں کیسے اقدامات کئے جانے چاہئیں۔

شری جیوتی باسو نے جو بیان دیا تھا اس کی تفصیل ہم نے اوپر درج کر دی تاکہ ریکارڈ با ضابطہ رکھا جائے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ وزیر اعلیٰ نے کبھی بھی صریحاً یا اشارۃً یہ نہیں کہا کہ چونکہ ادریس کو اس کے ساتھی قیدیوں نے بہت ہی زبردست طریقے سے پیٹا، اور صرف اسی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی۔ وزیر اعلیٰ نے یہ بھی کہا کہ مزید تفتیش جاری ہے۔ "حکومت قانونی ماہرین سے صلاح و مشورہ کر کے اس معاملہ پر مزید غور و خوض کر رہی ہے تاکہ اس بات کا فیصلہ کیا جا سکے کہ بعد از مرگ جانچ کی رپورٹ کی روشنی میں کیا کیا اقدامات کئے جا سکتے ہیں۔" یہاں وزیر اعلیٰ نے بعد از مرگ رپورٹ کے متعلقہ حصہ کو دہرا دیا اور انہوں نے اس پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا۔ مناسب عرصہ کے بعد یہ معاملہ زیادہ روشن ہو جائے گا اور بہت ساری باتیں معلوم ہوں گی۔

اسی دن (۲ اپریل ۱۹۸۴ء) کو پولس بجٹ ۱۹۸۴ء پر بحث و مباحثہ کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے مندرجہ ذیل اہم باتیں کہیں:

شری کے کے شرما، اسسٹنٹ پولس کمشنر کو معطل کر دیا گیا ہے۔ پولس کمشنر سے یہ کہا گیا ہے کہ ان پولس والوں کے خلاف، جو اس جگہ موجود تھے جہاں ڈی۔ سی (پورٹ) اور ان کے سیکیورٹی گارڈ کا سفاکانہ قتل ہوا تھا، مناسب اقدامات کئے جائیں۔ (ایک رپورٹ کے مطابق پولس کمشنر نے چند پولس کانسٹبل کے خلاف اقدامات کئے)۔

وزیر اعلیٰ نے مزید اعلان کیا کہ ایک اور اسسٹنٹ پولس کمشنر (پورٹ) اس علاقہ میں چھٹی لئے بغیر ڈیوٹی سے غیر حاضر رہے۔ فی الحال اس پولس افسر کو دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس کی بابت فیصلہ کیا جائے گا۔ گارڈن ریچ علاقہ کے چند اور پولس افسروں کے خلاف تفتیش کا کام جاری ہے۔

اس طرح یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ بائیں محاذ حکومت ایک منصوبہ بند طریقے سے اور صحیح راستے پر آگے بڑھ رہی ہے۔

۵ اپریل ۱۹۸۴ء کو وزیر اعلیٰ نے لال بازار پولس حوالات میں ادریس خاں کی موت پر اسمبلی میں مزید بیان دیا جو درج ذیل ہے:

" ۲ اپریل ۱۹۸۴ء کو اس اسمبلی میں میرے گزشتہ بیان کے بعد سے تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۴ (قتل کرنے کی کوشش) کے تحت ایک کیس دائر کیا گیا ہے اور پولس کی انفورسمنٹ برانچ (تفتیش کرنے والی شاخ) سے کہا گیا ہے کہ وہ اس معاملہ کی تفتیش کرے۔ امید کی جاتی ہے کہ تفتیش کا کام بہت جلد مکمل ہو جائے گا اور دفعہ ۳۰۴ کے تحت جسے بھی، خواہ وہ پولس یا عام آدمی ہو، موردِ الزام ٹھہرایا جائے گا، اس کیخلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔"

وزیر اعلیٰ کے اس ٹھوس بیان کے بعد مزید اعتراض کی اور گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن پریس کا ایک طبقہ اور کانگریس (آئی) بائیں محاذ کو بدنام کرنے اور اس پر تہمت لگانے کے لئے مرکوز

پروپیگنڈے کو جاری رکھا ہے۔ کانگریس (آئی) کے لوگ اپنے دل کو ٹٹولیں، کیونکہ ڈی سی (پورٹ) اور ان کے سیکوریٹی گارڈ کے قتل کے الزام میں ان کے بھی چند پیروکاروں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ وزیراعلیٰ کے اعلان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اصل مجرموں کے خلاف سخت اقدامات کئے جائیں گے۔ کسی کو بچانے کا یا پوشیدہ رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وزیراعلیٰ نے ۳۱ مارچ ۸۴ء کو گارڈن ریچ کے جلسہ میں اپنی تقریر میں کہا تھا:

ہندوستان کے تمام علاقے کے لوگ، بلحاظ ذات، مذہب اور زبان، مغربی بنگال میں مکمل خیرسگالی اور امن کی فضا میں ایک ساتھ رہتے ہیں، اور جمہوری طرز زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ایک ساتھ جدوجہد کرتے ہیں۔ اس شاندار روایت کو برقرار رکھنے میں لوگوں کے پاس کھڑے رہنے کا بائیں حکومت نے عہد کیا ہے۔ پولس کو اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ مجرموں کی تلاش کرے اور انہیں گرفتار کرے۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تلاشی لینی ہوگی اور تفتیش کی بنیاد پر گرفتاریاں کی جائیں گی۔ اب تک ایک سو سے زیادہ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں ہندو مسلمان دونوں ہی ہیں۔ دو کیس دائر کئے گئے ہیں۔ ایک قتل کا اور دوسرا فساد برپا کرنے کا۔ ان کیسوں میں ہندو اور مسلمان دونوں ملوث ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ چند لوگوں کو شبہ پر گرفتار کیا گیا ہے، اور تمام گرفتار شدہ لوگ مجرم نہیں بھی ہو سکتے ہیں۔ تفتیش کے بعد جنہیں بے قصور پایا جائے گا انہیں یقیناً رہا کر دیا جائے گا۔ کسی کو خواہ مخواہ اور بے جا طور پر پریشان کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت اور لوگوں نے اس ریاست میں پرادیپ (اڑیسہ) جیسے پولس ظلم کی روک تمام کی۔ اس حملہ کے لوگوں کی طرف سے بے گناہ لوگوں کو پریشان کرنے کی ایک بھی خصوصی کیس کی حکومت کو اطلاع نہیں ملی۔

ایک اردو اخبار (جو فرقہ وارانہ نوعیت کا ہے) نے یہ خبر شائع کی کہ "یہ ایک مسلمان اکثریت کا علاقہ ہے اور وزیر اعلیٰ اسے اقلیت میں بدلنے کے لئے یہاں آرہے ہیں۔" یہ بہت قابلِ ملامت اور قابلِ مذمت بیان ہے۔ یہ بائیں خیال کے لوگوں کی بنیادی روایت اور اصول کے خلاف ہے۔

کچھ عرصہ قبل خضرپور میں سڑک پر ایک حادثہ ہوگیا اس حادثہ میں ایک ہندو لڑکا مارا گیا۔ لیکن یہاں چند لوگوں نے فساد کی صورتحال پیدا کر دی۔ صورتحال پر قابو پانے کے لئے ایک پولس نے گولی چلادی اور ایک مسلمان نوجوان مارا گیا۔ کانگریس (آئی) نے اس صورتحال کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اور جلسے منعقد کئے اور اپنے حملے کا نشانہ ڈی سی (پورٹ) کو بنایا۔ ایک اردو اخبار نے بھی فرقہ وارانہ زاویۂ نظر سے ایسا ہی کیا۔

بائیں محاذ حکومت تمام جمہوریت پسند اور محب وطن لوگوں سے پرزور اپیل کرتی ہے کہ وہ ایسے پروپیگنڈے کا مقابلہ کریں اور گارڈن ریچ میں اس کے ساتھ ہی ملک کی دیگر جگہوں میں بھی فرقہ وارانہ امن قائم رکھنے میں حکومت کے ہاتھوں کو مضبوط کریں۔

ہمیں یہ دیکھ کر بڑی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ گارڈن ریچ علاقہ میں حالات اب تقریباً معمول پر آگئے ہیں۔ دونوں فرقے کے لوگ، جو اپنے گھروں سے چلے گئے تھے، اب اپنے گھروں کو واپس آرہے ہیں۔ ۱۸ مارچ ۸۴ء کے بعد سے اس علاقہ میں ابھی تک کوئی اور حادثہ رونما نہیں ہوا۔ کرفیو اٹھالیا گیا ہے اور لوگ آزادی سے گھوم پھر رہے ہیں۔ جن مکانوں کو جلا ڈالا گیا تھا وہ تعداد میں چھ ہیں اور ہندو اور مسلمان دونوں کے ہیں۔ ان کے لئے اب نئے مکانات تعمیر کئے جارہے ہیں اور انہیں معاوضہ بھی دیا جارہا ہے۔ اس علاقے کے محبانِ وطن چندے اٹھا کر ان مکانوں کی مرمت کے کام میں مدد دے رہے ہیں۔ امن اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی طاقتیں یہاں بہت سرگرم ہیں۔

عوام مفاد پرستوں کو مغربی بنگال کی سنہری روایات پر دھبہ لگانے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حزب اختلاف کے سربراہ نے جو سوال اٹھایا' اس کے سلسلہ میں ۱۲ اپریل ۸۴ء کو جناب اسپیکر کا جواب

جناب اسپیکر :- عزت مآب ممبران' آج صبح کے وقت حزب اختلاف کے سربراہ جناب عبدالستار نے مجھے ایک خط بھیجا جس میں انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ انہیں ایک نقطہ کو اجاگر کرنے کی اجازت دی جائے۔ میں نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے گارڈن ریچ کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے چند سوالات کئے اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۵۲ کے تحت اس سے متعلقہ' مسٹر جسٹس پی۔ سی۔ بروا اور مسٹر جسٹس شوکمار چکرورتی پر مشتمل عزت مآب ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کا حکم نامہ عدالت کے زیر غور ہے یا نہیں۔

سب سے پہلے میں عزت مآب ممبروں کی توجہ قانون ۳۲۶ (۱) کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس قانون کے تحتی قانون (۱) میں یہ کہا گیا ہے۔ " ایک ممبر ان باتوں کا' جن کے سلسلے میں عدالت کے فیصلے کا انتظار ہے' اپنی تقریر کے دوران کبھی بھی ذکر نہیں کرے گا "

[A member while speaking shall not (shall not is mandatory provision) refer to any matter of fact on which a judicial decision is pending]

زیر غور عدالتی فیصلہ سے مراد وہ امور ہیں جن کے سلسلہ میں عدالتی حکم کا انتظار ہے جو عدالت کے زیر غور ہے۔

ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۵۲ میں مندرجہ ذیل باتیں درج ہیں :-

ہائی کورٹ کے جبلی اختیارات کے علاوہ اس قانون میں ایسی کوئی بات نہیں جن سے ہائی کورٹ کے اختیارات کو انصاف حاصل کرنے کے لئے اس قانون کے تحت حسب ضروری آرڈر تیار کرنے' کسی بھی آرڈر کو روبہ عمل لانے یا اس قانون کے تحت اس طریقہ کار کے غلط استعمال کی روک تھام کرنے یا دیگر باتوں کے لئے' محدود اور متاثر ہوں گے "۔ میں نے لفظ Sub judice کے معنی کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں مجھے رات گئے تک مطالعہ کرنا پڑا۔ مجھے روکس برن کی ایک کتاب ' ایک مختصر قانون کی لغت' چوتھی ایڈیشن ملی۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۲۲ پر Sub judice کے معنی " مقدمہ کے دوران" ہیں۔ اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۵ پر Trial کے معنی بھی درج ہیں۔ میں صرف اس کے متعلقہ حصہ کو پڑھ کر سنا رہا ہوں۔

(شوروغل کی آواز)

(صبر کیجئے' مہربانی فرما کر میری باتوں کو سنئے)

اس لفظ کے معنی " ایک قانون کی عدالت کے ذریعہ ایک قانون کے معاملہ کی یا حقیقت کی جانچ اور فیصلہ ہیں۔

مجھے ایل بی۔ کرزن کی کتاب " ڈکشنری آف لا" بھی ملی۔ اس میں لفظ Sub-judice کے معنی یہ درج ہیں کہ ایسے معاملے جو عدالت کے زیر غور ہیں اور جن کے سلسلے میں فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

اس کے بعد میں نے لونگ مین کی ڈکشنری آف انگلش کا مطالعہ کیا۔ اس میں طباعت کا سال درج نہ تھا' لیکن یہ ایک جدید اشاعت ہے۔ اس میں لفظ Sub-judice کی یوں تعریف کی گئی۔ اس کے معنی وہ باتیں جن پر قانون کے نقطہ نظر سے غور کیا جا رہا ہے (جیسا کہ عدالت میں ایک کیس) اور اس لئے ان کے ذکر کرنے کی کہیں بھی اجازت نہیں ہے (جیسا کہ اخباروں میں) اس کتاب میں صفحہ ۱۱۸۱ پر لفظ Trial کی تعریف یوں کی گئی کہ Trial کے معنی ایک عدالت میں ایک شخص' کیس یا قانونی نقطہ کی شنوائی اور اس کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے کے کام (کی ایک مثال) ہیں۔

(شوروغل)

(مہربانی فرماکر صبر کیجئے۔ آپ لوگوں کو چند باتیں معلوم ہوں گی۔ ذرا صبر کیجئے۔ میں اپنے الفاظ کو نہیں دہرا رہا ہوں۔ میں عالم فاضل لوگوں کی باتوں کا ذکر کر رہا ہوں کیوں کہ ان کی باتوں سے ہمیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے)۔

Matter کے معنی ایک عدالت میں ایک شخص، کیس یا قانون کے ایک نقطہ کی شنوائی اور اس کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے کا کام ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا عزت مآب جج شری پی سی۔ بروا اور شری شوکمار چکرورتی کے ڈویژن بنچ کے زیر غور امر ایک عدالتی کارروائی ہے جو زیر فیصلہ ہے — ایک کیس جس کے سلسلے میں فیصلہ کرنا ہے۔ ہائی کورٹ کے مذکورہ آرڈر کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے یہ بات معلوم ہوتی — میں صرف متعلقہ حصہ کا ذکر کر رہا ہوں — ان قتلوں اور ادریس میاں کی، پولس کے زیر حراست موت کے سلسلے میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے۔ وہ سوالات یہ ہیں:۔

(۱) کیا وی۔ کے ہنا کا قتل قصداً کیا گیا اور اس کے لئے پہلے سے منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔

(۲) اگر اس قتل کا منصوبہ پہلے سے تیار کیا گیا تھا تو کیا یہ سازش کا ایک حصہ ہے اور اگر ایسا ہے تو سازشی کون ہیں؟

(۳) کیوں ڈی سی (پورٹ) کے ساتھی پولس والوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے؟ کیا اس طرح ان کو الگ تھلگ چھوڑ دینا، قصداً تھا یا کسی غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا؟

(۴) کیسے ادریس میاں، جو ڈی۔ سی، پورٹ اور ان کے سیکورٹی گارڈ کے قتل کے کیس کا اہم ملزم تھا، پولس کی حراست میں مر گیا؟

(۵) اگر ادریس میاں کی موت دیگر زیر حراست قیدیوں کے حملے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے، تو کیا ان زیر حراست قیدیوں کو بھی مفاد پرست لوگوں نے اس لاک۔اپ میں اس لئے رکھا کہ اسے (ادریس کو) آسانی سے ختم کر دیا جا سکے؟

(۶) کیوں سرکاری گاڑی کو خالی حالت میں مغل سرائے تک بھیجا گیا جب کہ متعلقہ شخص نے ریل سے سفر کیا؟

(۷) کیوں وی۔ آئی۔ پی کے سیکورٹی گارڈ نے، جسے وی۔ آئی۔ پی کی حفاظت کے لئے متعین کیا گیا تھا، اس گاڑی میں سفر کیا؟ کیا ایسا اس لئے کیا گیا کہ کسی شخص کی حفاظت کی جاسکے جس نے اسی گاڑی میں مغل سرائے تک سفر کیا؟

ان سوالوں کے جواب کے لئے پولس افسروں اور دیگر اعلیٰ حکام کی کارگزاریوں کی تفتیش اور چھان بین کرنے کی ضرورت ہے اور اس کام کے لئے اس ریاست کے باہر بھی جانا پڑے۔ چونکہ ایسی چھان بین اور تفتیش کا کام کلکتہ پولس مناسب طور پر انجام نہیں دے سکتی، اس لئے ہم ریاست مغربی بنگال کو اس کے شعبۂ داخلہ (پولس) کے سکریٹری کے ذریعہ اور کمشنر آف پولس، کلکتہ کو اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ۱۲ اپریل ۱۹۸۴ء تک ان باتوں کی وجوہ بتائیں۔ گارڈن ریچ کے حادثے سے وابستہ تمام متعلقہ واقعات اس حکمنامہ کے دائرہ عمل میں آجاتے ہیں، اور یہ بات بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ یہ معاملہ اب بالکل عدالت کے زیر غور ہے۔ اس لئے اس مسئلہ کی بابت مزید گفت و شنید کی اجازت نہیں ہوگی۔

رام کرشنا ویویکانندہ آشرم ہوڑہ کو عطیہ

ریاستی حکومت نے رام کرشنا ویویکانندہ آشرم، کسونڈیا، ہوڑہ کو سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران ایک ہومیوپیتھی شفاخانہ چلانے کے لئے ۵۰۰ روپے کے عطیہ کی منظوری دی ہے۔

ڈی۔ ایم۔ سنگھادتا بیہ چیکتہ آلے کو عطیہ

ریاستی حکومت نے ڈی۔ ایم۔ سنگھادتا چیکتہ آلے (شفاخانہ) کو سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران ایک خیراتی شفاخانہ چلانے کے لئے ۸۷۵ روپے کے عطیہ کی منظوری دی

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کیلئے اور سماج دشمن عناصر کیخلاف جدوجہد کرنے کی اپیل

دوستو!

مغربی بنگال میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور امن وامان برقرار رکھنے کی روایت بہت پرانی ہے۔ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے اور ہمارے ملک کے مختلف حصوں سے یہاں آکر بس جانے والے مغربی بنگال کے عوام اپنے باہمی تعلقات کو مضبوط تر بنانے کیلئے حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ مغربی بنگال کی اس فضا کو مسموم بنانے کی کوششوں میں تنگ نظری اور علاقہ پرستی کو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہاں مختلف لسانی اور مذہبی حلقے ایک ساتھ رہتے ہیں، اپنی روزی کماتے ہیں، جمہوری تحریکوں میں حصہ لیتے ہیں، اپنی اپنی مذہبی اور سماجی رسوم پر بلا خوف وخطر اور رکاوٹوں کے بغیر عمل کرتے ہیں۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ چند عوام دشمن طاقتوں نے وقتاً فوقتاً بعض حادثات کا سہارا لیکر اس اتحاد کو توڑنے کی کوششیں کی ہیں۔ لیکن موجودہ بائیں محاذ حکومت اور یہاں کے باشعور عوام نے بار بار ان کی سازشوں کے تانے بانے بکھیر دئیے ہیں۔ پچھلے ماہ گارڈن ریچ میں ڈپٹی کمشنر (پورٹ) اور ان کے باڈی گارڈ کے قتل کا بھیانک حادثہ پیش آیا۔ اس دردناک حادثے سے پہلے مٹیا برج اور گارڈن ریچ کے کچھ علاقوں میں، گمراہ عناصر کی شرانگیزیوں کی وجہ سے ہیجان پھیلا ہوا تھا۔ ان سارے واقعات کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کی گئی۔ دونوں فرقوں کے تقریباً چھ مکانات پر حملے ہوئے، آگ لگائی گئی اور کچھ مال واسباب لوٹے گئے۔ ایک مسجد کو بھی نذر آتش کرنے کی کوشش کی گئی لیکن حکومت نے فوری کارروائی کی اور مختصر وقت میں ہی حالات قابو میں کر لئے۔

صحیح ڈھنگ سے سوچنے والے سبھی لوگ یقیناً اس حادثے کی مذمت کریں گے اور مطالبہ کریں گے کہ مجرموں کو گرفتار کیا جائے اور انہیں سزا دی جائے۔ ہمیں ان تمام بے گناہ لوگوں سے ہمدردی ہے جو حالات کے شکار ہوئے۔ اس دشوار صورتحال میں چند اخبارات بے بنیاد اور بدنیتی پر مبنی خبریں شائع کرکے نہایت ہی غیر ذمہ داری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مغربی بنگال کے عوام ان کی نیتوں کو سمجھنے کا کافی شعور رکھتے ہیں اور وہ ان کے شرانگیز پروپیگنڈے سے گمراہ نہیں ہوں گے۔ مغربی بنگال میں فرقہ وارانہ سیاست کا کوئی مقام نہیں ہے۔

فی الحال پولس کا کام یہ ہے کہ وہ ان مجرموں کا پتہ لگائے اور انہیں گرفتار کرے جو ابھی تک گرفتاریوں سے بچے ہوئے ہیں۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اس معاملے میں پولس کی مدد کرے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۳۱۔ مارچ کو گارڈن ریچ کے علاقے میں منعقدہ ایک جلسہ میں ان لوگوں سے واپس آنے کی اپیل کی جو ۱۸ مارچ کے حادثے کے بعد اپنے گھروں سے چلے گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ بے گناہ مردوں اور عورتوں کو پریشان اور گرفتار نہیں کرنے اور رات کے وقت تلاشیاں نہیں لینے کی ہدایت انہوں نے پولس

کو دے دی ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مجرموں کو پکڑا جائے اور انہیں سزا دی جائے۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھنے پر انہوں نے عوام کی تعریف کی اور مشورہ دیا کہ وہ ان عناصر کے شیطانی ارادوں سے ہمیشہ ہوشیار رہیں جو ریاست میں فرقہ وارانہ گڑبڑی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اخبارات کے ایک حلقے کے قابلِ مذمت کردار کا حوالہ دیا۔ وزیر اعلیٰ نے علاقے کے عوام سے اپیل کی کہ وہ صورتحال کو تیزی سے معمول کے مطابق بنانے کیلئے کام کریں۔

آئیے ہم سب مل کر اس فیصلے کو دہرائیں کہ ہم امن برقرار رکھنے اور اس ریاست میں رہنے والے سبھی فرقوں کے درمیان اتحاد اور یکجہتی قائم رکھنے کے لئے کام کرتے رہیں گے۔

ہمیں ان طاقتوں کے خلاف اپنی چوکسی میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے جو لاقانونیت، فرقہ پرستی، علاقہ پرستی اور سماج دشمن حرکتوں میں ملوث رہتے ہیں۔ عوام کی متحدہ چوکسی کو یقیناً فتح ہوگی۔

دستخط:

(۱) عبدالرزاق ملّا
(۲) حاجی کے ملّا
(۳) محمد امین
(۴) محمد نظام الدین
(۵) جاوید نہال
(۶) مظہر انصاری
(۷) آر۔ فریدی
(۸) محمد خورشید انور
(۹) ایس۔ آر۔ سالک
(۱۰) حکیم مسیح الزماں
(۱۱) محمد صابر (امام ناخدا مسجد
(۱۲) عبدالقیوم ملّا
(۱۳) ڈاکٹر ظہور الحق
(۱۴) میر عبدالسعید
(۱۵) ڈاکٹر کے۔ کے۔ حیدر صدیقی
(۱۶) طاہر جی۔ ایاز
(۱۷) علقمہ شبلی
(۱۸) خواجہ محمد یوسف
(۱۹) ایم۔ اے ملک
(۲۰) شیخ عبدالحق
(۲۱) حاجی محمد اسمٰعیل
(۲۲) مولا بخش
(۲۳) ڈاکٹر شمیم انور
(۲۴) ڈاکٹر یوسف تقی
(۲۵) نذر الاسلام خاں
(۲۶) محمد غلام رسول
(۲۷) سراج الاسلام
(۲۸) بدر الدجیٰ
(۲۹) محمد سلیم
(۳۰) عطا کریم برق
(۳۱) بدر الحسن
(۳۲) احمد سعید ملیح آبادی
(۳۳) ظفر اوگانوی
(۳۴) محمد عبدالباری
(۳۵) ایس۔ اے۔ ایم حبیب اللہ
(۳۶) اے۔ کیو خاں
(۳۷) سعید پریمی
(۳۸) عبدالمنان
(۳۹) ارشاد احمد خاں
(۴۰) حکیم انعام الحق
(۴۱) نور عالم چودھری
(۴۲) ابوالحسن
(۴۳) ڈاکٹر قاضی امین
(۴۴) ایس۔ آر مسعودی
(۴۵) ڈاکٹر نظیر احمد
(۴۶) فخر عالم
(۴۷) محمد یوسف فیروزی
(۴۸) سید منیر نیازی
(۴۹) محمد راحت اللہ
(۵۰) محمد معز
(۵۱) ناصر خاں
(۵۲) محمد صابر علی
(۵۳) محمد سعید
(۵۴) محمد یوسف بخشی
(۵۵) محمد شیخ علی
(۵۶) ولی رضوی
(۵۷) ایچ۔ ہدیٰ
(۵۸) حکیم محمد سلیم ادیب
(۵۹) محمد شہید اللہ
(۶۰) ناظم علی مرزا
(۶۱) محمد عثمان
(۶۲) اقبال حسین غازی
(۶۳) عبدالعلی
(۶۴) اختر حسین
(۶۵) محمد مصطفیٰ اکبر
(۶۶) ایم۔ حق
(۶۷) اصغر علی
(۶۸) محمد امین
(۶۹) اسرائیل
(۷۰) محمد منور
(۷۱) ایچ۔ ایم۔ شرف الدین
(۷۲) حکیم سید فیضان احمد
(۷۳) ابو طاہر
(۷۴) این۔ کے کتاب والا
(۷۵) رئیس احمد جعفری
(۷۶) حکیم انصار الحق
(۷۷) ایم خاں

شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور کا بجٹ برائے ۸۵-۱۹۸۴ء

"صحت مند صحافت کے فروغ کے لئے شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور بہت ساری اسکیموں کو روبہ عمل لا رہا ہے"

شری پروبھاش پھود یکار، وزیر اطلاعات وثقافتی امور نے ۱۸ اپریل ۱۹۸۴ء کو ریاستی اسمبلی میں اپنے شعبہ کا بجٹ برائے ۸۵-۱۹۸۴ء پیش کرتے ہوئے کہا۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوتے انہوں نے کہا کہ دیگر ریاستوں کے لوگ مغربی بنگال کی بابت، اس ریاست کے لوگوں کی امیدوں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کیلئے موجودہ حکومت کی کوششوں کی بابت کچھ جاننے کے بڑے خواہاں ہیں۔ وزیر موصوف ۸۵-۱۹۸۴ء کیلئے اپنے شعبہ کا مجموعی طور پر ۹۶ر۵ کروڑ روپئے کا بجٹ پیش کیا۔ وزیر موصوف کی بجٹ تقریر کا متن، اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

ایک جمہوری ریاست میں حکومت کا یہ فرض لازمی [illegible]تا ہے کہ وہ عوام کو اپنی پالیسیوں، پروگراموں اور خیالات سے باخبر [ر]کھے۔ شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور حکومت اور عوام کے درمیان [ا]س اہم رشتہ کو برقرار رکھنے میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ [ا]س شعبہ کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ یہ حکومت کی سرگرمیوں اور پالیسیوں [ک]ی تفصیل سے تمام طبقوں کے لوگوں کو روشناس کراتا ہے اور [ع]وام کی رائے اور ردِ عمل کا صحیح جائزہ کے ذریعہ بعد کے اقدامات [مر]تب کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اس شعبہ کا مقصد یہی ہے [ک]ہ عوامی امور کی بہتر طریقہ سے پرچار کیلئے لوگوں کے تعاون اور [اع]تماد حاصل کیا جاسکے۔

اطلاعات اور تعلقات عامہ: مغربی بنگال کے لوگوں کی اکثریت گاؤں میں رہتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ مضافاتی اطلاعات کے ڈھانچہ کو مستحکم بنایا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر کئی ایک اسکیموں کو بر سر عمل لایا جا رہا ہے۔ پروگرام یہ ہے کہ چھٹے منصوبہ کے دوران ہر سب ڈویژن میں ایک مرکزِ اطلاعات قائم کیا جائے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں چار سب ڈویژنوں میں مراکز اطلاعات کھولنے کی منظوری دی گئی۔ ان مراکز کے کھل جانے کے بعد ہر سب ڈویژن میں ایک مرکزِ اطلاعات کھولنے کا کام تقریباً [مکمل] ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ دارجلنگ اور جلپائی گوڑی کے چائے باغات کے علاقوں میں تین مراکز اطلاعات اور رانی گنج۔ آسنسول کوئلہ کے علاقوں میں دو مراکز کھولے گئے۔ مضافاتی اطلاعات کے مراکز کو مستحکم بنانے کے لئے ایک منصوبہ کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے جس کے تحت ہر بلاک میں ایک ورکر کی تقرری کی جا رہی ہے۔ اب تک ۲۰ ورکروں کی تقرری کی گئی۔ ۱۸ اور ورکروں کی تقرری کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ بتدریج اس [ن]ٹ کو پورا کرلیا جائے گا۔ فی الحال ضلع سب ڈویژنل دفتر [میں] ۹۰ سمعی بصری یونٹیں ہیں جو گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ان یونٹوں کی مشینوں کے کل پرزوں کی جلد از جلد مرمت کرنے کے لئے، کل پرزے سپلائی کرنے والی یونٹ [کو] لامرکوز بنا دیا جائے گا اور تین علاقائی مراکز قائم کئے جائیں گے۔ اس مقصد کے تحت تین مراکز، ایک بردوان میں، دوسرا مرشد آباد میں اور تیسرا سلی گوڑی میں، کھولے گئے ہیں اور حسب خواہ تعداد میں تکنیکی افراد موجود ہیں۔

توسیع شدہ اجتماعی سماعت اسکیم کے [ت]حت مختلف اضلاع میں اب تک ۲۳۰ ریڈیو سیٹ بٹھائے گئے

فی الحال اس شعبہ کے تحت ۶۲۲ ریڈیو دیہی فورم کام کر رہے ہیں۔ ان کے روزمرہ کے کام کاج کے لئے باضابطہ فنڈ منظور کئے جاتے ہیں۔ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ ۸۴-۸۵ء میں مزید ۲۵۰ ریڈیو سیٹ سپلائی کئے جائیں اور ۷۵ ریڈیو دیہی فورم کھولے جائیں۔ اب تک بہت ساری سماجی اور ثقافتی تنظیموں کو ۲۵۲ ٹیلی ویژن سیٹ دئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مزید ۲۴ عام ٹیلی ویژن مراکز کھولنے کے سلسلے میں اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مستفید ہونے والے اداروں کو کل خرچ کا ایک تہائی حصہ برداشت کرنا پڑیگا۔ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ اس اصول کے مطابق ۸۴-۸۵ء اور ۵۰ ٹیلی ویژن سٹ تقسیم کئے جائیں۔

دیگر ریاستوں کے لوگوں کو مغربی بنگال کی اطلاعات فراہم کرنے اور انہیں ہماری حکومت کے نظریے اور خیالات سے روشناس کرانے کے لئے ہم لوگ مختلف ریاستوں میں مراکز اطلاعات کھولنے کے لئے ایک منصوبہ کو روبہ عمل لا رہے ہیں۔ اس طرح کے تین مراکز مدراس، کٹک اور اگرتلہ میں کھولے گئے ہیں۔

عوام کے درمیان ہماری حکومت کی پالیسیوں، پروگراموں اور نظریہ کے فروغ کے لئے تمام واسطوں میں اشتہار کو بہت ہی اہم مقام حاصل ہے۔ ہم جمہوری نظریہ سے اپنی اشتہار پالیسی کو روبہ عمل لاتے ہیں۔ تمام اقسام کے اخبارات کو، بلالحاظ سیاسی رجحان، اگر کچھ ہو تو، اشتہارات دئے جاتے ہیں مستقبل میں بھی ہماری اس پالیسی میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ مزید برآں ہم نے اس پالیسی کو اپنایا ہے کہ اضلاع میں چھوٹے چھوٹے اخبارات اور دیگر ادبی و ثقافتی رسالوں کو زیادہ سے زیادہ اشتہارات دئے جائیں۔ ۸۴-۸۵ء میں اشتہارات پر ایک کروڑ دس لاکھ روپئے خرچ کرنے کی ہماری ایک تجویز ہے۔ پریس کی آزادی ہمارا عقیدہ ہے۔ بہر حال ہمیں اس بات کی امید ہے کہ خبریں حقائق پر مبنی ہوں گی۔ غلط، مسخ شدہ، نیم سچ یا جھوٹی خبریں مرغوب نہیں ہوتیں۔

گزشتہ سال اس شعبہ کے نمائش سیکشن نے کل ۹۵ نمائشوں کا انتظام کیا۔ نمائشیں اس ریاست کے باہر کے علاقوں میں — وجئے واڑہ، تریونڈرم، بھوپال، دہلی، تریپورا، بوکارو، کالی کٹ اور دیگر شہروں میں منعقد کی گئیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ ۸۴-۸۵ء میں ۱۸ لاکھ روپئے نمائشوں پر خرچ کئے جائیں۔

گزشتہ سال نئی دہلی میں بین الاقوامی تجارتی میلہ میں مغربی بنگال کے پویلین کی سبھوں نے تعریف کی۔ نمائش گاہ میں ایک قطعہ آراضی ہم لوگوں کو دیا گیا، اب یہ تجویز ہے کہ یہاں مستقل طور پر ایک پویلین تعمیر کیا جائے۔

گزشتہ سات مہینوں میں یعنی ستمبر ۸۳ء سے مارچ ۸۴ء تک ہندستان کے شمال، جنوب اور مشرق میں واقع سات ریاستوں میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی چھٹی سالگرہ تزک و احتشام کے ساتھ منائی گئی۔ ان مواقع پر جلسے، نمائش، فلم اور دیگر ثقافتی تقریر کے ساتھ قومی یکجہتی پر سمپوزیم کے بھی انتظامات کئے گئے۔ تریپورہ میں موضوع بحث مرکز۔ ریاست تعلقات تھا۔ مغربی بنگال اور متعلقہ ریاستوں کے وزراء، متعلقہ ریاستوں کی مختلف سیاسی پارٹیوں کے سربراہ، ماہرین تعلیم معہ یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر، وکلاء اور پریس کے ممتاز افراد نے ان بحث مباحثوں میں شرکت کی۔ مغربی بنگال کے تمام اضلاع میں ایسی تقریبات منائی گئیں۔

دیگر ریاستوں کے لوگ مغربی بنگال کی بابت، اس ریاست کے لوگوں کی امیدوں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے موجودہ حکومت کی کوششوں کی بابت کچھ جاننے کے بڑے خواہاں ہیں۔ ان تقریبات کا اہم مقصد یہ ہے کہ دیگر ریاستوں کے لوگوں کے ساتھ مغربی بنگال کے رشتہ کو مستحکم بنایا جائے اور ہم لوگوں کے درمیان تبادلۂ خیالات کی مزید سہولتیں فراہم ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسے تبادلۂ خیالات سے قومی یکجہتی کو کافی فروغ حاصل ہوگا۔

ایک مرکوزہ اسکیم کے تحت ریاستی حکومت کی طرف سے مختلف زبانوں میں رسالے، پوسٹر، پمفلٹس وغیرہ چھاپنے اور

شائع کرنے کی ذمہ داری اس شعبہ کو سونپی گئی۔ ہم لوگ دیگر رسالے بھی بروقت شائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ سنہ ۸۵-۸۴ء میں ایسی اشاعتوں پر ۵۲ لاکھ روپئے خرچ کئے جائیں۔

سرکاری کام کاج میں بنگلہ اور نیپالی زبانوں کے استعمال کے لئے سنہ ۸۵-۸۴ء میں چند اقدامات کئے گئے۔ اس سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تدریجی پروگراموں کے تحت ہر بلاک دفتر میں کم از کم ایک بنگلہ ٹائپ رائٹر فراہم کیا جائے۔ مختلف بلاک دفتروں میں اب تک ۵۰ ٹائپ رائٹرس سپلائی کئے گئے۔ ایک بنگلہ اصطلاحات کی چھ کتابیں شائع کی گئیں ہیں اور انکی دوبارہ اشاعت کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں۔ انگریزی ٹائپسٹوں کی بنگلہ ٹائپ رائٹنگ میں تربیت کا انتظام جاری ہے۔

دارجلنگ ضلع میں سرکاری کام میں نیپالی زبان کے استعمال کے لئے، ڈپٹی کمشنر کے تحت ایک نیپالی سیل قائم کیا گیا۔ دارجلنگ، کلمپونگ اور کرسونگ سب ڈویژنوں میں نیپالی زبان میں غریب نیپالی افسروں کو تربیت دینے کے لئے انتظامات کئے گئے نیز انگریزی ٹائپسٹوں کو نیپالی ٹائپ رائٹنگ میں تربیت دینے کا سلسلہ جاری ہے۔

اس سلسلہ میں بھی یہ فیصلہ کیا گیا کہ دیگر زبانوں کی طرح اردو کو بھی ان علاقوں میں جہاں اردو بولنے والے لوگوں کی اچھی خاصی آبادی ہے، سرکاری کام کاج میں استعمال کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس شعبہ کے ہیڈ کوارٹرس میں ایک اردو سیل اور دو اردو سیکشن، ایک آسنسول سب ڈویژن میں اور دوسرا اسلام پور سب ڈویژن میں قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر سیکشن میں ایک اردو مترجم اور ایک اردو ٹائپسٹ کی تقرری کی گئی ہے۔

لبومتی پریس کے انتظامیہ کی ذمہ داری ہمارے شعبہ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کارپوریشن کے کام کرنے کے نقصانات میں تیزی سے کمی ہوئی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ عنقریب مستقبل میں خود کفیل بن جائے گا۔

<u>فلمیں</u>: مغربی بنگال میں فلم صنعت کی شدید صورت حال میں بہتری لانے کے لئے اس شعبہ نے کئی ایک اسکیموں کو روبہ عمل لایا ہے۔ ان اسکیموں میں حکومت کے ذریعہ براہ راست فلموں کی تیاری، کلکتہ فلم سنٹر کا قیام، پرائیویٹ پروڈیوسروں کو عطیات، ایک رنگین تجربہ گاہ کا قیام اور سینما ہالوں کی تعمیر وغیرہ شامل ہیں۔

فلم صنعت میں سرمایہ کاری کی کمی ہی اصل مسئلہ ہے۔ نیز فلموں کی تقسیم اور نمائش کے معاملے میں بہت ساری مشکلات ہیں۔ فلم تیار کرنے میں سرمایہ کی کمی کی وجہ سے گذشتہ برسوں میں بہت کم فلمیں تیار کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ مکمل فلموں کے لئے تقسیم اور نمائش کی گنجائش بہت ہی کم ہے۔ اسکی وجہ سے فلم تیار کرنے والے پست ہمت ہو جاتے ہیں۔ بنگلہ فلموں کی لازمی نمائش کا بل مرکزی حکومت کے پاس منظوری کے لئے سنہ ۱۹۷۶ء سے پڑا ہوا ہے

پورے وقت کی تین فلمیں حکومت براہ راست تیار کر رہی ہے۔ اب یہ فلمیں مکمل ہونے کو ہیں نیز بچوں کے لئے دو چھوٹی فلمیں بھی تیار کی جا رہی ہیں۔ گزشتہ مالی سال میں ۵ دستاویزی فلمیں، ۱۰ خبروں کی فلمیں تیار کی گئیں، اور دو دستاویزی فلمیں، ایک ماہانہ خبروں کی فلم تیار کی جا رہی ہے۔ سال رواں میں یہ اسکیمیں جاری رہیں گی، اور بہت ساری دستاویزی اور خبروں کی فلمیں تیار کرنے کے لئے کوششیں کی جائیں گی۔ سنہ ۸۵-۸۴ء میں فلمیں تیار کرنے کے لئے، اخراجات اور عطیات کے لئے ۱۷ لاکھ کے اخراجات کی تجویز ہے۔

مغربی بنگال فلم ترقیاتی کارپوریشن نے، جو ایک سرکاری ادارہ ہے، ایک رنگین فلم تجربہ گاہ تعمیر کرنے کے کام میں مشغول ہے۔ اس مقصد کے لئے سنہ ۸۵-۸۴ء میں ۵۲ لاکھ روپئے کے اخراجات کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ حکومت کی تیار کردہ فلموں کی تقسیم اور نمائش کی ذمہ داریاں اس ادارہ کو سونپی گئی ہیں۔ دریں اثنا دو فلموں "چوکھ" اور "گریہو جودھو" کی کاروباری نمائش کا اس ادارہ نے انتظام کیا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے

کہ اس طریقہ سے ہم سرکاری فلموں کی نمائش کر سکیں گے۔
کلکتہ فلم سنٹر کی تعمیر کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ مرکز ۱۹۸۴-۸۵ء سے چالو ہو جائے گا۔ فلموں کی نمائش کے علاوہ اس مرکز میں فلموں پر تحقیق کرنے کی سہولتیں بھی فراہم ہوں گی اور یہاں ایک فلم لائبریری اور ایک فلم محافظ خانہ بھی قائم ہوگا۔ اس مقصد کے لئے ۳۵ لاکھ روپئے کے اخراجات کے لئے، نیز اس اس مرکز کے لئے فلموں، کتابوں اور دیگر چیزوں کی خریداری کے لئے دو لاکھ روپئے اخراجات کی تجویز پیش کی گئی ہے۔
فی الحال حکومت پرنس انور شاہ روڈ پر واقع اس شعبہ کے زیر اہتمام تیار فلم تیار کرنے والی ایک یونٹ کو چلا رہی ہے۔ نیز اس یونٹ کے لئے بہت سارے ساز و سامان خریدے گئے ہیں اور عنقریب مستقبل میں بھی بہت سارے ساز و سامان اور آلات خریدے جائیں گے۔ یہ یونٹ نہ صرف سرکاری دستاویزی فلموں بلکہ پرائیوٹ پروڈیوسروں کی فیچر اور دستاویزی فلمیں تیار کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ۱۹۸۴-۸۵ء میں اس سلسلہ میں ۲٫۵ لاکھ روپئے خرچ کرنے کی تجویز پیش کی جاتی ہے۔ ۱۹۷۹ء میں حکومت نے ٹکنیشینس اسٹوڈیو کے انتظامیہ کی ذمہ داریاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ گزشتہ سال کی یکم مئی سے اس ادارہ کی پوری ذمہ داری حکومت نے لے لی۔

ہمارے تعاون کے ساتھ بچوں کی فلم سوسائٹی کے زیر اہتمام نوجوان فلم فیسٹیول ۱۹۸۳ء میں کلکتہ میں منعقد ہوا۔ یہ فیسٹیول بہت ہی مقبول عام ہوا۔ اس کے علاوہ مختلف اضلاع میں فلمی تہوار بھی منعقد کئے گئے۔ ۱۹۸۴-۸۵ء میں ایسے تہوار منعقد کئے جائیں گے۔ اس مد کے تحت ایک لاکھ روپئے کی گنجائش رکھنے کی تجویز پیش کی جاتی ہے۔
غریب اور مصیبت زدہ فلم آرٹسٹوں اور ورکروں کو غیر مکرر گرانٹ دئے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے حکومت مغربی بنگال نے فلم ورکرس منفعت رساں فنڈ قائم کیا۔

۱۹۸۴-۸۵ء میں بھی اس فنڈ سے امداد فراہم کی جائے گی۔ ۱۹۸۳-۸۴ء کے لئے ایک فنڈ کو ۵۰۰۰ روپئے کا عطیہ دیا گیا۔ یہ رقم گرچہ کم ہے تاہم اس فنڈ سے مصیبت زدہ آرٹسٹوں اور ورکروں کو مالی امداد فراہم کی جائے گی۔

ثقافت: ترقی پذیر اور ایک بہتر زندگی کے لئے سازگار ثقافت کے فروغ کے لئے یہ شعبہ بہت ساری اسکیموں کو بر سر عمل لا رہا ہے۔ ہم لوگ ڈرامہ، جاترا، موسیقی، نقاشی، سنگ تراشی، ادب، لوک ثقافت اور قبائلی ثقافت میں، متعلقہ شعبوں میں ماہرین کی سفارشات اور مشوروں کے پیش نظر بہت سارے پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچا رہے ہیں۔
تھیٹر، موسیقی، نقاشی اور سنگ تراشی میں ہمت افزائی کرنے کے سلسلے میں انفرادی طور پر لوگوں کو اور ایسوسی ایشنوں کو عطیات دئے گئے۔ نئے اور پرانے ادیبوں کو اس کام میں مدد دینے کے لئے کہ وہ اپنی ادبی تخلیقات کو شائع کر سکیں، گرانٹس دینے کی منظوری دی گئی۔ ان کے علاوہ منشی پریم چند کی منتخبہ تصانیف کا بنگلہ میں ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس ترجمہ کی کتاب کی پہلی جلد بہت جلد شائع کی جائے گی۔
نقاشی اور سنگ تراشی کے میدان میں افضلیت کے لئے سالانہ ابنندرا ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ نیز دو اور ایوارڈس، ایک ڈرامہ کے میدان میں بنام دینا بوندھو ایوارڈ اور استاد علاء الدین خاں کی یاد میں دوسرا ایوارڈ موسیقی میں دئے جاتے ہیں۔ یہ ایوارڈس گزشتہ مالی سال سے دئے جا رہے ہیں۔ ہر ایوارڈ میں دس ہزار روپئے دئے جاتے ہیں۔
کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں نقاشی گیلری کی تعمیر کا کام قریب الاختتام ہے۔ یہاں سال بھر نمائشوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ دو تھیٹر ہال کی، ایک باغ بازار میں اور دوسرا جودھ پور پارک کلکتہ، میں تعمیر کا کام جاری ہے۔ ان دونوں تھیٹروں کی تعمیر کے بعد اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ

کلکتہ کے غیر پیشہ ورانہ جماعتوں کی برسوں کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ سلی گوڑی انفارمیشن سنٹر سے ملحق اسی طرح کے ایک آڈیٹوریم کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اضلاع میں موجودہ عوامی ہالوں کی مرمت اور نئے ہال کی تعمیر کے لئے عطیات دئے جا رہے ہیں۔

موسیقی کے میدان میں سیمینار، ورک شاپس، مطالعہ اور تحقیق کے کام کے سلسلہ میں مدد اور تعاون فراہم کرنے کے ٹالی گنج میں اس شعبہ کے زیر نگرانی ایک ریاستی موسیقی اکیڈمی قائم کی گئی ہے۔ اس اکیڈمی میں ایک میوزیم بھی ہوگا۔ اسی طرح بہالا میں ریاستی سطح پر ایک لوک ثقافت انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا ہے تاکہ لوک ثقافت کے میدان میں بحث و مباحثہ، بات چیت اور تحقیق کے کام میں سہولتیں فراہم کی جا سکیں۔ اس انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ ایک میوزیم میں آرٹس کی بہت ساری چیزیں اکٹھا کی جا رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم لوگوں نے لوک ادب اور ثقافت کی ایک لائبریری بھی قائم کی۔ قبائلی ثقافت کے علاقہ میں اسی مقصد کے تحت دو مطالعہ مراکز، ایک سوری میں اور دوسرا جھاڑگرام میں کھولے گئے ہیں۔ لوک ثقافت مشاورتی بورڈ کی سفارشات کے مطابق اور پنچایتوں کے پرخلوص تعاون سے ضلع، ڈویژن اور ریاستی سطحوں پر لوک ثقافت سے متعلقہ فیسٹیول اور ورک شاپس کے انتظامات گزشتہ چند برسوں سے کئے جا رہے ہیں۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں منعقدہ ورک شاپ میں خاص طور پر دیہی ڈراموں کی بابت معلومات اور اعداد و شمار حاصل کئے گئے۔ لوک ثقافت پر مجوزہ رسالہ کا پہلا شمارہ بنام "لوکا بنگا" شائع ہو چکا ہے۔ بعد کی ا "لوکا شرتی" کے عنوان کے تحت شائع کی جائیں گی۔

دارجلنگ میں نیپالی اکیڈمی قائم کی گئی ہے اور اس اکیڈمی نے نیپالی ادب اور ثقافت کے میدان میں بہت ساری کتابوں وغیرہ کی اشاعت کی، نیز ثقافتی سرگرمیوں کے لئے یہ اکیڈمی مالی امداد بھی فراہم کرتی ہے۔ مشہور نیپالی شاعر بھانو بھکت، کی یاد میں ایک سالانہ ایوارڈ دینے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ گزشتہ نومبر کو دارجلنگ میں نیپالی پریس کا افتتاح کیا گیا۔ اس پریس کے لئے ضروری ساز و سامان خریدے گئے اور اس پریس میں چند لوگوں کو ملازمت بھی دی گئی۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ پریس بہت جلد چالو ہو جائے گا۔

ریاستی حکومت نے متعلقہ ایکٹ کے تحت مختلف اضلاع اور سب ڈویژنل شہروں میں واقع آٹھ رابندر بھون انتظامیہ کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ ان بھونوں کی ترقی کے لئے فنڈ فراہم کئے جا رہے ہیں۔ حال ہی میں زیر تعمیر رابندر بھونوں کو مالی امداد بھی دی جا رہی ہے۔

گزشتہ سال ریاستی آثار قدیمہ کی نظامت نے مارنا پور ضلع کے بن پور تھانہ میں کھدائی کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور وہاں سے آثار قدیمہ کی بہت سی چیزیں برآمد کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں اضلاع میں چند نئی جگہوں کی مرمت کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ یہاں سے جو کچھ ملا انہیں بہالا آثار قدیمہ کے عجائب خانے میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس ریاست میں چند عجائب خانوں کو مالی امداد بھی دی گئی۔

اختتام میں میں اس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور نے بہت ساری اسکیموں اور ترقیاتی سرگرمیوں کو روبہ عمل لا اور اس کے نتیجے میں اس ریاست کے لوگوں کے درمیان ایک صحت مند ثقافتی زندگی کی تائید میں کافی امیدیں اور رتمنائیں روشن ہو گئیں۔ اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے مالیاتی اختیارات محدود ہیں۔ اس بندش کے باوجود آرٹ اور ادب کے میدان میں پر خلوص ماہرین کی سفارشات اور شوروں کو روبہ عمل لاتے ہوئے ہم لوگوں نے اپنی اطلاعات، فلم اور ثقافت کی شاخوں کے ذریعہ ساری ریاست میں ثقافتی سرگرمیاں پھیلا دیں اور ان سے مغربی بنگال کے لوگوں کو گوناگوں فائدہ پہونچا۔ اس کے نتیجے میں مخرب ثقافت کے کیمپ میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی۔ ایک خوف کی جھلک دکھائی دینے لگی۔ طبقاتی امتیاز کے موجودہ سماجی نظام میں اس سازش کو مکمل طور پر مات دینا مشکل ہے تاہم ہمیں اپنی صلاحیت پر پورا اعتماد ہے کہ ہم

(باقی صفحہ نمبر ۲۹ پر)

پریم چند کے ورثہ کی موزونیت

ڈاکٹر فضل امام

ادب اور فن کے ذریعہ ماضی کی روایات کا تجزیہ اور تجزیہ کیا جاتا رہا ہے اور حال و مستقبل کے مطالبات و موضوعات' ادب اور فن میں امید کی کرن پیدا کر کے انہیں ترقی یافتہ بناتے رہے ہیں۔ اس لئے ادب اور فن کے تخلیقی عمل میں یہ بھی محسوس کیا جاتا رہا ہے کہ ادیب اور فن کار اپنے ماضی اور عہد کا رہین منت ہوتا ہے لیکن تاریخی مشاہدہ اور تجربہ یہ بھی بتاتا ہے کہ بڑا اور سچا فنکار صرف فضا، ماحول، پس منظر اور پیش منظر کا ہی رہین منت نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے لئے خود ماحول ڈھالتا ہے لیکن اس سے بھی بڑے اور عظیم فنکار اور ادیب وہ ہوتے ہیں جن کی فنکارانہ گرفت میں صرف ان کا ماحول، تاریخی عہد اور جغرافیائی سرحدیں ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی دست رس میں مستقبل قریب اور مستقبل بعید کے تمام تر وسیع امکانات ہوتے ہیں۔

بقول اقبال ؎

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

اس کا فن ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے منشی پریم چند کے توارث اور میراث کی اہمیت اور موزونیت جتنی کل تھی اتنی ہی آج بھی ہے۔

واضح رہے کہ پریم چند کو پیغمبر یا اوتار کا درجہ نہیں دینا اور نہ ہی انہیں فرشتہ صفت یا فرشتہ خصلت قرار دینا ہوں۔

پریم چند اول و آخر انسان تھے اور ایک باشعور فن کار۔ اس کے علاوہ انہیں اور جو کچھ کہا جائے گا وہ عدم واقفیت کی دلیل اور ناداں دوستی کے ذیل میں آئے گا۔ پریم چند کے سلسلے میں کسی موازنہ، مناظرہ اور مقابلہ کا بھی قائل نہیں ہوں کیوں کہ کسی بڑے فن کار کی اس سے بڑھکر کوئی توہین نہیں ہو سکتی کہ اس کا کسی سے مقابلہ کر کے اسے "عظیم" تسلیم کیا جائے۔ یہ اور بات ہے کہ عظمتوں کی سرحدیں اکثر و بیشتر مل جاتی ہیں۔

پریم چند اپنے عقیدت مندوں اور مخالفوں کے ذریعہ بھی تختۂ مشق بنائے گئے اور اسی افراط و تفریط کے نتیجے میں نوبت یہاں تک پہونچی کہ انہیں فرقہ پرست بھی قرار دے دیا گیا۔ اگرچہ ان ذہنی قلابازیوں سے پریم چند کی بلندیوں پر کوئی حرف نہیں آسکا ہے بلکہ ان سب اختلافات سے پریم چند کی شخصیت و فن اور نکھر کر سامنے آیا ہے۔ ناعاقبت اندیشانِ فن و ادب، اختلافات سے دور رہ کر فن و ادب کو دیکھنے کے عادی ہیں جبکہ وہی شخص، وہی ذات اختلافی ہوتی ہے یا اختلافی بنائی جاتی ہے جس میں علم و فن کا وجود ہوتا ہے۔ جب علم نہیں ہوگا تو اختلاف کس چیز کا — جب فن ہی نہیں رہے گا تو تردید و مخالفت کس لئے۔ لہذا شخصیت، علم اور فن کے لئے اختلافات کو لازمی ٹھہرایا جا سکتا

ہے۔ اور یہ سرزمین انسانی کا کیا کہنا۔ جب چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے اختلافات پیدا کر ہی ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ وجود باری تعالیٰ کے باب میں بھی اختلافات پایا جاتا ہے۔

پریم چند کو بھی "اختلاقی" طبقہ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ انہیں تخلیقی فنکار تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا گیا۔

اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ایسا مصور ہے، ایک ایسا پیکر تراش ہے جو زندگیوں سے کہانی لیتا ہے، زندگیوں کی کہانیوں کو دیکھتا ہے اور جو دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے وہی لکھتا ہے۔ اس لئے پریم چند حقیقی، "تخلیقی" فن کار ہے۔ بنارس کی گھاس منڈی میں وہ پہروں گھاس والوں سے بیٹھ کر باتیں کرتا تھا۔ بیڑی پلاتا تھا اور پیتا تھا اور جب گھاس والے دریافت کرتے کہ آپ ہم لوگوں کے پاس پہروں بیٹھ کر کیوں وقت گنواتے ہیں؟ تو وہ جواب دیتے "تم اپنا کما رہے ہو اور میں اپنا کما رہا ہوں۔"

کیا آج گھس والوں کا طبقہ ختم ہو گیا ہے؟ کیا آج گھسیاری منڈی بند ہو گئی ہے؟ نہیں۔ اس لئے پریم چند کا درد آج بھی زندہ ہے اور ان کے فن کی افادیت آج بھی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پریم چند کا ناول "گئودان" قدیم زندگی کا ترجمان ہے۔ چنانچہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ناول میں پریم چند نے دیہی زندگی کو ہی مرکز بنایا ہے اور اپنی تمام تر توجہ کسانوں کی زندگی پر مرکوز کی ہے لیکن حقیقتاً گئودان کا کینوس بڑا وسیع ہے۔ اس میں دیہی زندگی کے ساتھ ہی شہری زندگی کے مسائل کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ "گئودان" کا مخصوص مسئلہ کسانوں کی زندگی کا مسئلہ ہے۔ اگرچہ زندگیوں کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر بھی کسانوں کے قرض کے بوجھ سے دبے رہنا بہت اہم ہے قرضے کے باعث کسان کس طرح پس جاتا ہے "ہوری" ایسے ہی کسان کی مثال ہے لیکن کسانوں کی زندگی کے ساتھ پروفیسر مہتہ کا کردار اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ شہری زندگی سے بھی یہ ناول جڑا ہوا ہے۔

"میدانِ عمل" ہو یا "غبن"، "کایا کلپ" ہو یا "رنگ بھومی"، "نرملا" ہو یا "بازارِ حسن" ان سبھی ناولوں میں کسی نہ کسی خصوصی سماجی مسئلے کو پیش کیا گیا ہے۔

اسی طرح ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں پریم چند نے جس طرح کے پیکر تراشے ہیں ان کی ضرورت آج بھی ہے اور بعد کو بھی اس کی ضرورت رہے گی۔

پریم چند کا قلم دراصل ایک ایسے مزدور کا قلم ہے جو سعیٔ مسلسل اور جہد پیہم پر یقین رکھتا ہے۔ جب انہوں نے حالات کے بدلے ہوئے تقاضے دیکھے تو قلم کو تلوار بنا لیا۔ پریم چند نے قلم کو حرکت دی تو پہلی جنگِ عظیم کے بادل تمام دنیا پر چھائے ہوئے تھے اور جب حرکتِ قلم بند ہونے لگی تو دوسری جنگِ عظیم کا انقلاب پرورش پا رہا تھا۔ اس طرح دو عظیم جنگوں کی درمیانی مدت میں پریم چند نے اپنے فکر و فن کو تحفظ ناموس انسانیت کے لئے وقف کر دیا۔

سماجی فلاح و بہبود اور امن و آشتی کا معاملہ ہو یا ملکی نظام کی بہتری اور امن و سکوت کی بات ہو، بلندی و پستی، ذات پات، چھوا چھات اور توہم پرستی وغیرہ سماجی زندگی کے جتنے پہلو ہیں پریم چند نے ان سب کو آئینہ دکھایا ہے۔

کہا جاتا ہے پریم چند نے جاگیردارانہ نظام اور زمینداروں کے استحصال کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے، لیکن اب تو جاگیرداری اور زمینداری ختم ہو گئی ہے، اس لئے اب ان کے افسانوں اور ناولوں کی کیا افادیت اور معنویت رہ جاتی ہے؟

اس سلسلے میں میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جاگیرداری اور زمینداری ختم تو ضرور ہو گئی ہے لیکن اس کے پس پشت کارفرما ذہنیت کا ابھی مکمل طور پر سدباب نہیں ہوا ہے یعنی اقبال کے الفاظ میں ؎

گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش

کیا ملک میں افلاس، جہالت، توہم پرستی، کورانہ تقلید جیسی لعنتوں اور چور بازاری، رشوت ستانی، ناانصافی چھوا چھوت، فرقہ پرستی، تعصب اور سماجی نابرابری کا بالکل خاتمہ ہو گیا ہے؟ کیا سبھی باشندگانِ ملک اپنے حقوق و فرائض سے آشنا ہو گئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سب لعنتیں آج بھی موجود ہیں۔ اس لئے پریم چند کی تخلیقات کی آج بھی اتنی ہی اہمیت و افادیت ہے اور ان کے افسانوی کردار بھی آج کی زندگی میں مل جاتے ہیں۔

پریم چند کی وراثت میں سماج کے بعد ایک دوسری اہم چیز زبان ہے۔ انہوں نے جس طرح کی زبان استعمال کی ہے وہ ایک جیتی جاگتی صورت حال کا نام ہے۔ وہ اردو میں لکھتے تھے اور لکھتے رہے۔ دھنپت رائے سے نواب رائے تک کا حال تو لوگوں کو معلوم ہو گا لیکن یہ حقیقت کم لوگوں کو معلوم ہو گی کہ "پریم چند" کا نام انہیں اردو کے مشہور و ممتاز صحافی اور مصنف جناب منشی دیا نرائن نگم مدیر "زمانہ" نے دیا تھا۔ ان کی [illegible] نگارشات اردو میں تخلیق ہوئی ہیں۔ ہندی میں ان کا ترجمہ ہوا ہے۔ بعض تخلیقات اگر ہندی میں ہی لکھی گئی ہوں تو اس امر سے اختلاف کی قطعی گنجائش نہیں کہ انہوں نے اردو ہی میں سوچا تھا۔ وہ اپنے افسانوں اور ناولوں میں استعمال کرتے ہیں اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انہیں ہر طبقہ کی زبان پر عبور حاصل تھا۔ انہوں نے اپنی زبان میں دھرتی کی آواز کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنی زبان میں شعورِ زیست اور عوام کی محنتوں کو ڈھالا ہے۔ انہوں نے زبان درباروں اور محلوں سے نہیں بلکہ چوپالوں، بیٹھکوں، پنچایتوں اور گلی کوچوں سے لی ہے۔ وہ اس رمز سے آشنا ہیں کہ سادہ اور بے تکلف گفتگو کے لئے سادہ اور بے تکلف زبان بھی ضروری ہوتی ہے۔

پریم چند کا فن اور ان کا ورثہ آج بھی یہی کہہ رہا ہے کہ دنیا میدانِ عمل ہے اور یہاں ایسا کوئی مقام نہیں ہے جسے آخری منزل قرار دیا جائے۔ آگے بڑھتے رہو اور بڑھتے چلو جب تک کہ "رنگ بھومی" میں فتح نہ حاصل ہو، جب تک کہ ملک "گئودان" سے ہوری اور رام ناتھ کا استحصال ہونا بند نہ ہو جائے اور ہمارا ملک ایک جدید طرز کا "سیوا سدن" اور "پریم آشرم" نہ بن جائے۔ اس وقت تک پریم چند کے ورثہ کی ضرورت اور افادیت ہے اور رہے گی ❖❖❖

بشکریہ: "نیا دور" لکھنؤ

(باقی صفحہ ۹ کا)

"یومِ مئی" بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یومِ مئی ایک شاندار اور اچھے مستقبل کے لئے اور سماجی ترقی اور بہتر زندگی کے لئے محنت کش لوگوں کی مسلسل اور شدید جدوجہد کی شاندار فتح کی نشاندہی کرتا ہے۔ یومِ مئی نے ایک تاریخی دور کو جنم دیا اور بقول شاعر جاں نثار اختر ؎

گونج اٹھی عوام کی للکار
اب چمکنے نہ پائے گی تلوار
ساتھیو! بڑھ کے اِس کدال کا وار

سخت جاں سامراج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے

اور مستقل امن اور تمام بنی نوع انسان کے خوشگوار اور سنہرے مستقبل کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے ہر ملک کے محنت کش طبقہ کے لوگ یوم مئی کے موقع پر بین الاقوامی استحکام اور بھائی چارگی کے جذبے کے ساتھ ساری دنیا کے لوگوں کو سلام کرتے ہیں ❖

(باقی صفحہ ۲۶ کا)

ان کا مقابلہ کر سکیں گے اور اپنی بیش بہا روایتوں کو برقرار رکھتے ہوئے ہم لوگوں کی زندگی اور ثقافت کے میدان میں ایک صحت مند رجحان پیدا کرنے میں کامیاب ہوں گے ❖❖

بائیں محاذ کی حکومت مزدوروں کے مفادات کی حفاظت کیلئے بڑی مستعد ہے

تاریخی یوم مئی کے موقع پر بائیں محاذ کی حکومت مزدور طبقے کا ساتھ دینے کے عہد کی تجدید کرتی ہے!

۱۹۷۷ء میں اپنے قیام کے بعد سے بائیں محاذ کی حکومت محنت کش عوام کا ساتھ دیتی چلی آرہی ہے۔ اس حکومت نے ٹریڈ یونین حقوق اور ٹریڈ یونین تحریک کی جائز مانگوں کی بے روک ٹوک حوصلہ افزائی اور تحفظ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ اس قسم کے معاملات میں پولیس کی مداخلت بند کرادی گئی ہے جس سے مزدوروں کی خود اعتمادی اور عزت نفس میں اضافہ ہوا ہے۔ بائیں محاذ کی حکومت نے لگ بھگ ان تمام مزدوروں کو کام پر بحال کر دیا ہے جو ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک چلنے والی مزدور دشمن پالیسی کی وجہ سے بے کار ہوگئے تھے۔ چائے جوٹ اور انجینئرنگ صنعتوں کے کارکنوں اور مزدوروں کے جائز مطالبات اس حد تک پورے ہو چکے ہیں جس کی کسی ریاست میں پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ وسیع بنیاد کے سہ فریقی اور دو فریقی اداروں کو بحال کیا گیا اور اجتماعی لین دین کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے تاکہ صنعتی تعلقات میں تال میل برقرار رہے۔ صنعتی جھگڑوں کی تعداد بہت گھٹ گئی ہے۔ مزدوری کے اہم قوانین میں ترمیم کرکے مزدوروں کے لئے بہتر سہولتوں، تحفظ اور سماجی سلامتی کے دوسرے اقدامات کا انتظام کیا گیا ہے۔ کم سے کم اجرت کو موثر طور پر عملی جامہ پہنانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں خصوصاً دیہاتی مزدوروں کے لئے۔

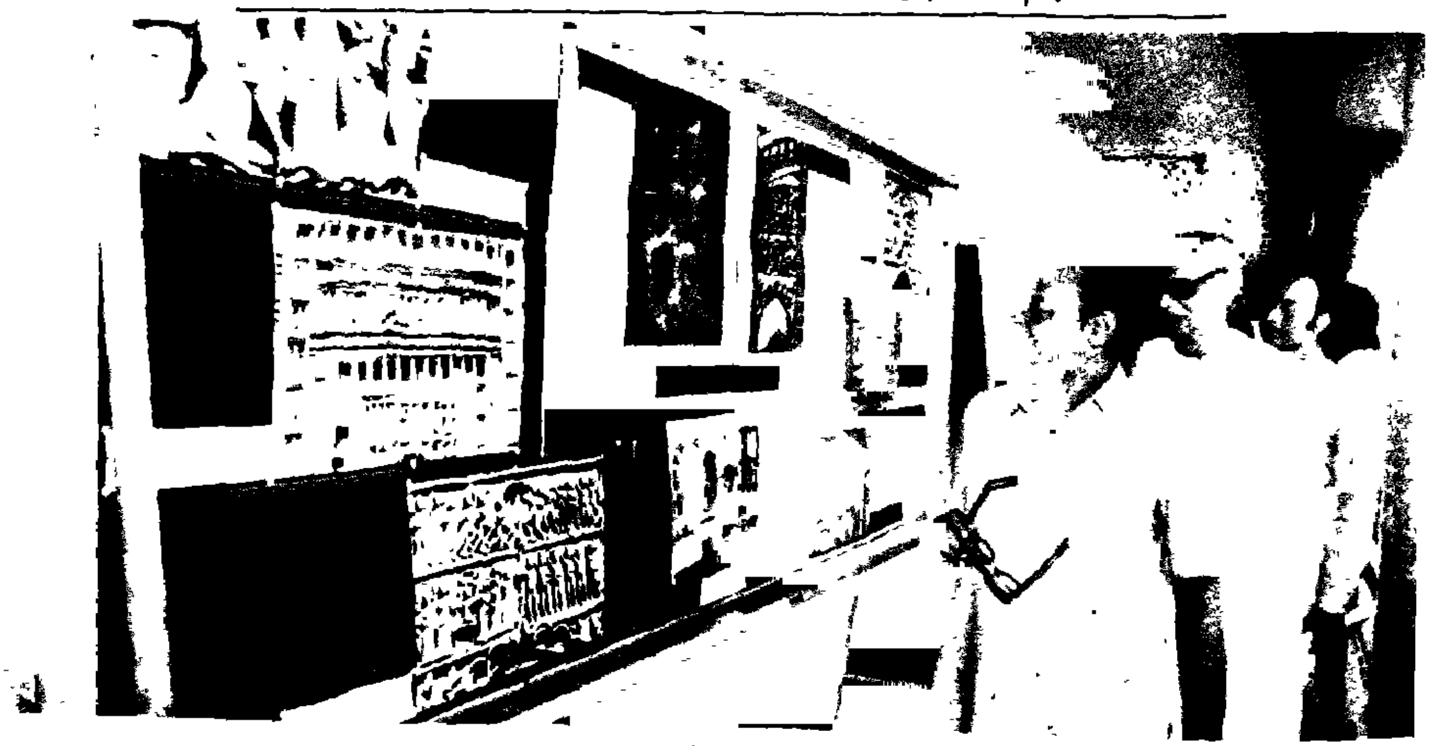
رکاوٹوں کے باوجود بائیں محاذ کی حکومت مزدور طبقے کے حقوق کی حفاظت کی کوشش میں لگاتار لگی ہوئی ہے اور ان اقدامات کے ذریعے اس نے اس ریاست میں نیا اور بہتر صنعتی ماحول پیدا کردیا ہے۔ ایسا ماحول جو ہمارے مزدور طبقے کو بہتر اور مزید خوشحالی پر مبنی مستقبل کے حصول کا حوصلہ بخشے گا۔



حکومت مغربی بنگال



ہنگری کے ڈپٹی پرائم منسٹر ۲۴ ر اپریل کو راسٹر بلنٹس کلکتہ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو سے گفتگو



شری پربھاش پھودیکار، وزیر اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال، حال ہی میں کلکتہ الف رتس سنٹر میں منعقدہ آثار قدیمہ کی نمائش کا معائنہ کرتے ہوئے

MAGHREBI BANGAL

1st May 1984

Regd. No. WB/C C-52

Vol. 31 No. 9

PRICE 25 Paise



لینن کے جنم دن کے موقع پر اسپلانیڈ کلکتہ میں لینن کے مجسمہ پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

مغربی بنگال

ٹیگور نمبر

مئی ۱۹۸۴ء





اس شمارہ میں

مضامین

نظمیں



نذر ٹیگور

ولادت ۔ ۲۵ ربیساکھ سنہ ۱۲۶۸ بنگلہ سال، ۷ رمئی سنہ ۱۸۶۱ء

وفات ۔ ۲۲ رساون سنہ ۱۳۴۸ بنگلہ سال، ۷ راگست سنہ ۱۹۴۱ء

پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

ٹیگور نمبر

جلد نمبر ۳۱ ۱۵ رمئی سنہ ۱۹۸۴ء ۔ شمارہ نمبر ۱۰

قیمت: فی پرچہ ۳۰ پیسے

سلامِ عقیدت

عباس علی خاں بیخود

شاعرِ اعظم رابندر ناتھ ٹیگور کی خدمت میں



دیارِ ہند میں ہر چار سو اندھیرا تھا
مسافروں کو نہیں سوجھتی تھی راہ کوئی
غلامی، جہل، اسیری، نفاق و بدامنی
سسک رہا تھا کوئی کر رہا تھا آہ کوئی

افق پہ شرق کے اک آفتاب نکلا تھا
ہے گوشہ گوشہ منور بساطِ عالم کا
زمینِ ہند پہ وہ ضو فگن ہوا ایسا
ہر ایک ذرہ ستارے سے بھی سوا چمکا

نگہ پہ آئینۂ ماضی و حال و مستقبل
وہ دل تھا اسکا، نہیں جامِ جم بھی اسکا جواب
ہے شاعری بھی جزوِ پیمبری آخر
وہ ملکِ ہند کا پیغامبر تھا، اہلِ کتاب

زمانہ اس کو بھلا دے، نہیں مجال اسکی
دلوں پہ اہلِ نظر کے ہے اسکا نام لکھا
غروبِ مہر ہو یا ہو زوالِ ماہ مگر !!!
یہ مہر وہ ہے کہ لیل و نہار چمکے گا

سلام تجھ پہ ہو ٹیگور، شاعرِ اعظم
ترا سخن ہے کہ ہے دل کے زخم پر پھایہ
مسافروں کو نہیں رنجِ دوریِ منزل
ترے سخن کے درختوں کا ہے گھنا سایہ

لوک گیت : ربندرا سنگیت



از: سریندر مکھرجی

سنگیت کی دنیا میں ربندرا سنگیت کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ربندرا سنگیت سارے ملک میں مقبول عام بن چکا ہے۔ ہر جگہ اس سنگیت کا چرچا ہوتا رہتا ہے اور اس پر بحث و مباحثے بھی ہوتے رہتے ہیں، تقریریں کی جاتی ہیں۔ تمام مفکرین اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ربندرا سنگیت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا تو وہ سنگیت جس کے بول، دھن اور سُر ربندرا ناتھ نے خود تیار کئے اور دوسرا وہ سنگیت جس کے بول تو خود ان کے ہوتے ہیں لیکن دھن اور سُر دوسروں کا۔ آخر الذکر سنگیت کو بھی سُر و تال کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا بھارتیہ دھروپد، خیال وغیرہ کے سُر تال، دوسرا مغربی سُر تال اور تیسرا لوک سُر تال۔ یوں تو ربندرا ناتھ کے گیتوں کے سُر تال کلاسیکی نوعیت کے ہوتے ہیں اور راگ راگنی سے لبریز ہوتے ہیں تاہم ان میں بھی ہمیں لوک سُر نظر آتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ربندرا ناتھ کے گیتوں میں لوک سنگیت کے سُر سب سے زیادہ ہیں۔

بنگلہ سال ۱۲۹۰ میں رسالہ 'بھارتی' کے بیساکھ نمبر کے پہلے حجم میں ربندرا ناتھ کے سنگیت کے مجموعہ کی بابت تنقیدی مضامین شائع ہوئے۔ اس مجموعہ میں مغربی سنگیت، برہمو سنگیت اور لوک گیت کے سُر تال کا بھی ذکر تھا۔ ناقدوں نے تمام گیتوں اور سروں کو اپنی تنقیدوں کا نشانہ بنایا۔ اس سلسلہ میں ربندرا ناتھ نے بڑے ہی افسوس کے ساتھ یہ کہا: "اس تنقید میں برہمو سنگیت اور دیگر مغربی سنگیت کو کیوں شامل کیا گیا۔ لوک سنگیت ہی تو کافی تھا"

ربندرا ناتھ شہر کے باشندہ تھے۔ جب ان کی عمر ۲۲ سال کی ہوئی تو انہیں بنگال کے دیہی علاقوں میں اپنی آبائی زمینداری کی دیکھ بھال کرنے کیلئے جانا پڑا۔ وہاں انہیں گاؤں کے سیدھے سادے ان پڑھ لوگوں سے لوک گیت سننے کا موقع ملا۔ یہ گیت تو گویا ان کے سکھ دکھ کی، ان کے عزم کی، ان کے مسائل کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان گیتوں نے ربندرا ناتھ کو کافی متاثر کیا اور ان کے دل میں ایک نئی جوت جگا دی۔ اس کے بعد سے شاعر زندگی بھر اپنی تخلیقات سے لوک ادب اور لوک ثقافت کو مالا مال کرتے رہے۔ بچپن میں اپنے گھریلو ماحول میں شاعر لوک سنگیت کے سُر سے آشنا ہو چکے تھے۔ اس کا مظاہرہ ہمیں ان کی دیگر تصانیف میں بھی ملتا ہے۔

لوک ثقافت سے شاعر کی محبت سے انکی حب الوطنی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ۱۹ ویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں ہمارے ملک میں انگریزی تعلیم یافتہ متوسط طبقہ کے لوگوں کے دلوں میں وطن کی جو ہلکی پھلکی محبت تھی ویسی محبت شاعر کے دل میں نہ تھی۔ شاعر تو صحیح معنوں میں ایک محب وطن تھے۔ عام لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے کی خواہش ہی سے

رابندرا ناتھ کے دل میں حب الوطنی کا جنم ہوا۔ یہ بات یکایک رونما نہیں ہوئی بلکہ اس کی ایک کہانی ہے۔ اس کہانی کے لئے ہمیں سب سے پہلے ٹھاکر باڑی سے اور برہمو سماج سے رجوع کرنا پڑے گا۔ رابندرا ناتھ نے اپنی سوانح حیات میں یوں لکھا:

"باہر سے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے گھر میں غیر ملکی رسم و رواج عام ہو چکا تھا۔ لیکن ہمارے خاندان کے لوگوں کے دلوں میں ایک سودیشی شعلہ نظر جاگ اٹھا تھا۔ سودیشی کی بات میرے والد شری پرتیو دیو کے کیا خیالات تھے۔ اپنے دیش سے، اپنے وطن سے انہیں کتنی محبت تھی، یہ تمام باتیں ان کی زندگی کے تمام انقلابی سرگرمیوں سے رونما ہو چکی ہیں۔ اسی لئے ہمارے گھرانے کے سبھی لوگوں کے دل حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ لیکن اس وقت ہمارے ملک میں کہیں بھی ایسی باتوں کی جھلک نہیں ملتی۔ اس وقت کے تعلیم یافتہ لوگوں نے ملک کی زبان اور ملک کے اصلی تصورات کو دور رکھ چھوڑا تھا۔ ہمارے گھر میں میرے بھائی سب ہمیشہ مادری زبان کا ہی چرچا کرتے تھے۔ میرے والد کو ان کے ایک نئے رشتہ دار نے انگریزی میں خط لکھا تھا، جسے انہوں نے بلا کھولے اس کے پاس لوٹا دیا۔ حب الوطنی کی اس فضا میں رابندرا ناتھ نے پرورش پائی، اور اسی لئے وہ عام لوگوں کے دلوں میں گھر کر سکے۔ اپنے لوک سنگیت میں شاعر رابندرا ناتھ نے سیدھی سادی بنگلہ زبان کو اور سیدھے سادے سروں کو اجاگر کرنے کی کوششیں کیں۔ لوک گیت کی زبان، لہرا اور سُر سے وہ لوگوں کے دلوں میں داخل ہوتے اور اس طرح ان کا دل عوام کے دلوں میں پیوست ہو گیا، اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ قومی اور روحانی اتحاد اور بھی مستحکم ہوتا گیا۔ رابندرا ناتھ کی زندگی سے لوک سنگیت کے سُر جس طرح وابستہ ہو گئے، بنگال کے کسی اور گیت کو اتنی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ انہوں نے تقریباً تین ہزار گیت لکھے۔ ان میں سے بہت سارے گیتوں کے سُر لوک سنگیت کے سُر ہیں، اور انہوں نے قصداً ایسا کیا۔

رابندرا ناتھ نے باؤل سُر نام کا ایک سُر مرتب کیا۔ حالانکہ باؤل سُر کے نام کا کوئی سُر نہیں ہے۔ خاص طور پر ایک مذہبی بھیکن کا نام ہی باؤل ہے اور مذہبی گیت کو باؤل گیت کہتے ہیں۔ لیکن باؤل گیت بنگال کے کسی بھی علاقے میں مخصوص نہیں ہے۔ شمالی، مغربی اور مشرقی بنگال کے بہت سارے علاقوں میں یہ گیت عام ہے۔ بہت سی جگہوں میں باؤل گیت کے مراکز ہیں اور باؤل گیت کار وہاں رہتے ہیں، لیکن بنگال کے ان مختلف علاقوں میں باؤل گیت علاقائی لوک گیت کے سروں میں گائے جاتے ہیں۔ شمالی اور مشرقی بنگال کے باؤل گیت کے دھن اور سُر بھٹیالی اور ساری ہیں، اور مغربی بنگال کے باؤل گیتوں کے سُر میں جھومر اور کرتن کا استعمال کیا جاتا ہے۔ باؤل گیت کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ یہ نہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ باؤل گیت کس علاقہ کا ہے ہم اس گیت کی مٹھاس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سُر تو بنگالیوں کے تخیل سے عالم وجود میں آیا اور یہیں اس کی نشو و نما ہوئی۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی ہم سب ایک ہیں۔ بنگلہ لوک گیت کا بنیادی تصور یہی ہے اور ان گیتوں کے سُر بھی اسی تصور کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنگلہ لوک گیت قومی یکجہتی کا علمبردار ہے۔

تقسیم بنگال کی تحریک کے بعد رابندرا ناتھ نے یہ فیصلہ کیا کہ بنگلہ لوک گیتوں کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ ان سے قومی افکار و آرار کی عکاسی ہو۔ اس لئے انہوں نے دیہی گیتوں میں لوک سنگیت کے سُر استعمال کئے۔ عوام کے شعور کو اجاگر کرنے اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے انہوں نے "کوی گان"، "کرتن"، "باؤل"، "ساری"، "دگھٹیالی" جیسے لوک گیتوں کو اپنے "سُر" میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ ان کے گیتوں اور سروں کو ربندرا سنگیت کہتے ہیں۔ ان کے لوک سنگیت میں حب الوطنی کے گیتوں نے تمام لوگوں کو، خاص طور پر سنجیدہ اور مفکر شہریوں کے خیالات کو لرزہ دیا اور ان کے گیتوں نے انہیں وطن کی آزادی کی بابت سوچنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے بہت سارے لوک گیتوں کو، جو مقبول عام بن چکے تھے، اپنے سُر میں پیش کیا۔ اس سلسلے میں لوک سنگیت اور لوک سُر اور رابندرا ناتھ کے گیت اور سروں کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

لوک گیت :

(۱) مون ماجھی، سنبھال، سنبھال
(کشتی کھینے والے اپنے دل کو سنبھال)

(۲) سونار گوور کینو کینندے ایلے
(سنہرے گوور کیوں رو کر آئے)

(۳) ہری نام دی اسے جوگت ماتا
(ہری کا نام لے کر جگت میں شور مچا رہا ہے)

(۴) آمی کوتھائے پاؤ تارے
(میں اسے کہاں پاؤں گا)

رابندرا سنگیت (مذکورہ لوک گیت کے مقابل)

(رابندرا ناتھ کے اپنے سروں میں)

(۱) اے بار تور مورا گانگئے بان اسے سے چے
(اس بار تیری مردہ ندی میں جوار آیا ہے)

(۲) او آمار دیشیر ماٹی، تومار اوپورے ٹھیکائی ماتھا۔
(میرے دیش کی مٹی، تجھے میں سجدہ کرتا ہوں)

(۳) جودی تور ڈاک شونے کیو نا آشے، توبے اکلا چولو رے
(تیری پکار پر کوئی نہ آئے تو اکیلا ہی چل)

(۴) آمار سونار بانگلہ، آمی تومائے بھالو باشی
(میرے سونے کا بنگال، میں تمہیں پیار کرتا ہوں)

اس کے ساتھ ہی ہمیں اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ لوک سُر میں تبدیلی نہ لا کر نئی باتوں کے اضافہ سے لوک گیت مشہور نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوک گیتوں کی شکل میں باتوں کے اظہار سے سُر نمودار ہوتا ہے، سُر تیار ہوتا ہے۔ اسی لئے رابندرا ناتھ نے پہلے لوک سروں میں کچھ ردو بدل کیا پھر اس تبدیل شدہ سروں میں اپنے گیتوں کو ڈھالا۔ اگر ہم سُر کے لحاظ سے ان کے گیتوں کا دوسرے گیتوں سے مقابلہ کریں تو یہ فرق عیاں ہو جاتا ہے۔ مون ماجھی سنبھال، کا سُر تو ایک ساری گیت کا ہے۔ دریا کے بہاؤ پر ملاح یہ گیت گاتے ہوئے جاتا ہے۔ یہ گیت دو قطعات کا ہے، لیکن رابندرا ناتھ نے اس گیت میں کچھ اضافہ کر کے اسے چار قطعات کا بنا دیا، اور اس کے لئے انہیں نیا سُر بھی تیار کرنا پڑا لیکن ان کا یہ گیت مکمل طور پر بہتی ہوئی کشتی کے بحر اور وزن پر ہے۔ اس بات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کس طرح رابندرا ناتھ ٹیگور نے گیتوں کے سروں کو اپنے سُر میں تبدیل کر دیا۔ "مون ماجھی" اور "ذہبو توری" تو کہانی کی نظمیں ہیں۔ لیکن انہوں نے ان گیتوں کو اپنے طور پر ملی بنا کر پیش کیا اور انہیں حب الوطنی کے گیتوں میں تبدیل کر دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ ملک کے لوگ تو سیدھے سادے معصوم ہوتے ہیں اور سادگی سے زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن وہ سب ملک سے محبت کرتے ہیں۔ اس لئے محبانِ وطن کو آزادی کا جذبہ جدوجہد کے دھارے کو اپنے جسموں پر جگا کر رکھنا چاہئے۔

تقسیم بنگال کی تحریک کے ختم ہونے کے بعد سے شاعر کے دل میں لوک سنگیت اور لوک سُر کا جوار امنڈ پڑا۔ گیتانجلی کے جگ سے سارو دو ستب (بنگلہ سال ۱۳۱۵ء) اور "راجہ اور او چولا یوتن" کے عرصہ کے درمیان شاعر کے گیتوں میں نئے اٹھے لوک سنگیت کے سُر۔ شاعر نے لکھا:

(۱) با نچان، بانچی، ماریچ، موری
(بچائیے بچیں گے، مارئے مر جائیں گے)

(۲) رد-ای-لو لوبے راکھے لے کارا
(موجود ہیں، ہمیں کس نے زندہ رکھا)

(۳) گرام چاڑا، اوئی رانگا ماٹیر پوتھ
(گاؤں کے علاوہ اس رنگین مٹی کا راستہ)

اس کے بعد کے مرحلے میں "گیتی مالو" اور "گیتالی" کے مرحلے میں بھی ہم ان کے بہت سارے لوک گیتوں میں لوک سروں کی بوچھار دیکھتے ہیں۔ اس عرصہ کے چند گیت ہیں:

(۱) جانی نائی گو سادھون تو ما رے بولے کا رے
(مجھے یہ معلوم نہیں کہ کیوں تمہیں سادھن کہتے ہیں)

(۲) سہوج سہوج ہوبی، سہوج ہوبی
(آسان ہو، آسان ہو)

بنگلہ سال ۱۳۲۳ء سے شاعر کے لوک سُر کا سلسلہ کچھ کم ہو گیا لیکن بالکل ختم نہیں ہوا۔ اس دور میں بھی ان کے

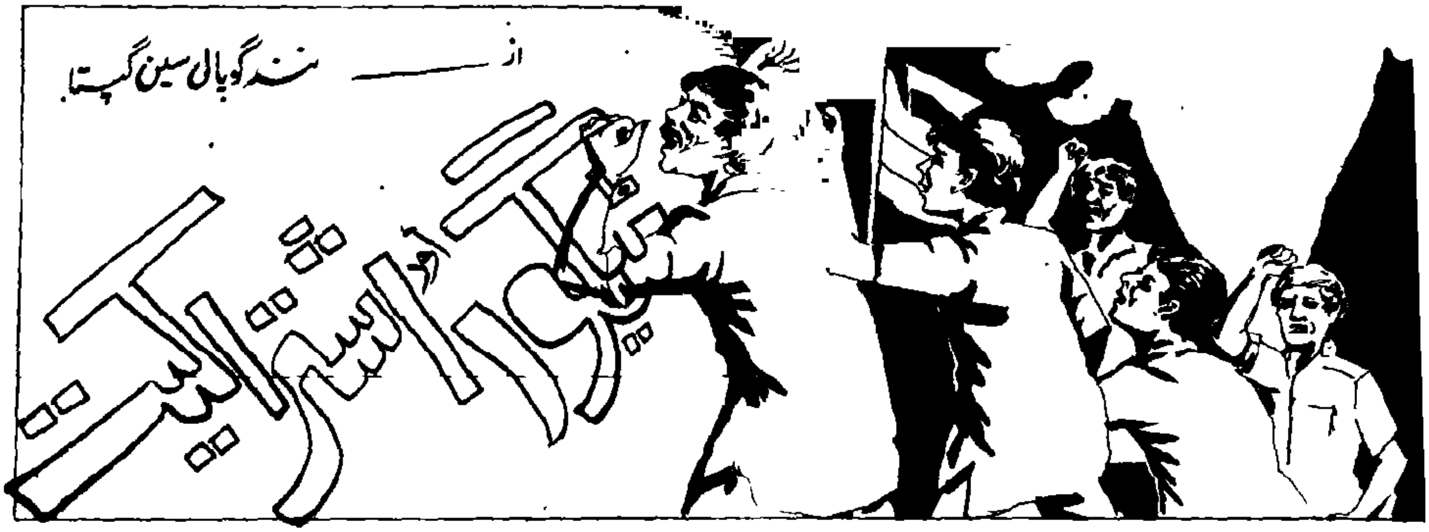
(باقی ص ۲۰ پر)

ترجمہ: فراقؔ گورکھپوری

دعائے نجات

اے خیر و برکت کے خزانے اس ابھاگے دیس سے
دور کردو تم سبھی بے حقیقت خوفوں کو —
لوک ڈر، راج ڈر اور موت کا ڈر
بے بس زندگی والے کمزور کے اوپر یہ پتھروں کا بوجھ،
یہ ہمیشہ پستے رہنے کی تکلیف خاک پر
یہ ہمیشہ لوٹنے، لحظہ لحظہ، پل پل میں
یہ اپنی بے حرمتی، اندر اور باہر
یہ غلامی کی رسّی، ڈرے ہوئے اور سر جھکائے
بار بار ہزاروں کے پیروں تلے
انسان کی عزت، آبرو اور فخر کا بار بار چھن جانا
اس پشیمانی کے بڑے ڈھیر کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے
چور چور کر کے دور کردو، مبارک طلوعِ صبح میں
سر اٹھانے دو بیکراں آکاش میں
آزاد روشنی میں، کھلی ہوا میں

نیویدیہ از ٹیگور جون، جولائی سنہ ۱۹۰۱ء



رابندر ناتھ ٹیگور کو کمیونسٹ کہنا مناسب نہ ہوگا، میں اسکی کوشش بھی نہیں کروں گا۔ میں یہاں صرف اس بات کو عیاں کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اشتراکی تصورات کے مختلف پہلوؤں سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنی نظموں اور مضامین میں بار بار اسی بات کو اجاگر کیا ہے کہ اشتراکیت کے تصورات کی روشنی میں نئے زمانہ میں نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔ اسی لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے صرف خوبصورت چیزوں کی اور حسن کی تعریف نہیں کی بلکہ زمانہ کے بے رحم شکنجے میں جکڑے نادار، بے بس اور غریب لوگوں کو بھی اپنا موضوعِ سخن بنایا۔ اسی لئے انہوں نے اپنے آخری دور کی تصانیف میں اس دھرتی کو اور اس میں آباد لوگوں کو زیادہ اہمیت دی۔ اسی لئے انہوں نے ساری دنیا میں لوگوں کے درمیان دلی یکجہتی کو اجاگر کرنے اور اسے فروغ دینے کی کوششیں کیں۔ اس یکجہتی کے مختلف پہلوؤں کو میں مختصر طور پر یہاں اجاگر کرنے کی جرأت کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نقطۂ نظر سے رابندر ناتھ کو نئے سرے سے دیکھنے اور سمجھنے کی ایک نئی راہ کھل جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے ملک میں سب سے پہلے اشتراکی تصورات کی فضا پیدا ہوئی اور رابندر ناتھ کے اس کی بابت کیا خیالات تھے، اور ان کے مضامین میں ان تصورات کی تائید یا مخالفت میں کیا ایسی باتیں ملتی ہیں جنہیں ان کی فیصلہ کن رائے کے طور پر تسلیم کر لیا جا سکے۔

ان باتوں پر غور کرنے کے لئے چند ابتدائی باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ امید ہے کہ سب یہ جانتے ہیں کہ پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے جرمن کا ساتھ دیا تھا۔ اس لئے جنگ عظیم کو ختم ہونے کے بعد انگریزوں اور امریکہ کی طاقتوں نے ترکی کے خلیفہ کو تخت سے اتار دیا۔ خلیفہ صرف ترکی کے ہی سلطان نہ تھے بلکہ ساری اسلامی دنیا کے دینی رہبر بھی تھے۔ ان سے جب اختیارات چھین لئے گئے تو اس وقت اسلامی دنیا میں زبردست زلزلہ پیدا ہو گیا۔ ہمارے ملک میں کانگریس نے خلافت تحریک کو اپنے پروگرام میں شامل کر لیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کانگریس نے یہ کام ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے مقصد کیلئے کیا تھا۔ اسی دوران ہندوستانی مجاہدوں کی ایک جماعت افغانستان سے ہوتے ہوئے ترکی کے لئے روانہ ہو گئی۔ اس وقت تک روس میں انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ سن ۱۹۱۷-۲۲ء کے انقلاب نے روس میں زارشاہی کا خاتمہ کر دیا اور ملک کے تمام اختیارات بولشیوکوں کے ہاتھوں آ گئے۔ اس بولشیوک جماعت میں شامل رہتے ہوئے ایم۔ این۔ رائے جیسے رہنماؤں نے خود کو خلافت تحریک سے الگ رکھ کر اشتراکیت کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر انہوں نے اپنے ملک واپس آ کر خفیہ کمیٹی کے

طور پر کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل کی۔ دوسری عالمی جنگ میں
جب جرمن نے روس پر حملہ کر دیا اور روس نے برطانیہ اور امریکہ
کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا تو اس وقت ہندوستان
میں حکومت ہند نے کمیونسٹ پارٹی پر عائد پابندیاں اٹھالیں۔
اس کے بعد کمیونسٹ پارٹی اعلانیہ طور پر منظم پارٹی کی تشکیل میں
نمودار ہوئی۔ اس وقت سے ہمارے ادب، ثقافت اور
فنون میں، ساتھ ہی سماج اور ملت میں کچھ نمایاں نئی قدریں
رونما ہونے لگیں، جنہوں نے لوگوں کو متاثر کیا۔ اس دوران
"پراگریسیو سائنس سنگھ"، آئی۔ پی۔ ٹی۔ اے جیسے اداروں
کی تشکیل ہوئی اور پارٹی کی قیادت میں فاشسٹ طاقتوں کے
خلاف رائے عامہ ہموار کی جانے لگی جو جنگ میں مشغول تھیں۔

رابندرا ناتھ ٹیگور ۱۹۴۱ء میں اس دارفانی سے
ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے، اس لئے سماج کی بدلتی ہوئی تصویر
کو وہ پوری طرح دیکھ نہ پائے۔ پھر بھی ماحول میں تبدیلی کا آغاز
دوسری عالمی جنگ کی شروعات (۱۹۳۹ء) سے ہوا، اور
اس کی بھنک ان کو مل گئی تھی۔ لیکن اس وقت چند انتہا
پسند مفکروں نے تاریخی مادیت کی بنیاد پر غور کرنے کے بعد
راجہ رام موہن رائے، ودیا ساگر، بنکم چٹوپادھیائے، ویویکانند،
رابندرا ناتھ جیسی ممتاز ہستیوں کو بورژوا بتاتے ہوئے انہیں
ایک طرف ڈھکیلنے کی کوششیں کیں اور منصوبہ بند طریقے سے ان
کے خلاف پرچار کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران سارے ملک
میں عوامی ادب، عوامی سنگیت اور عوامی ناٹک کی تحریک پورے
زور و شور سے جاری تھی اور اسی کے ساتھ فرسودہ رسم و
رواج کے خلاف لوگوں میں بیداری پیدا کرنے کی کوششیں ہونے
لگیں۔ رابندرا ناتھ ان تحریکوں سے کافی متاثر ہوئے۔ انہوں نے
ان تحریکوں کے طریقۂ کار پر کافی غور و خوض کیا۔ اس سلسلہ میں
میں وہ کچھ پریشان بھی ہوئے۔ اپنے مضامین اور خطوط میں اس
سلسلہ میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا۔ انہوں نے
کہا تھا "اس بات کو تسلیم کرنا بھی ایک قسم کی حماقت ہوگی
کہ اس دنیا میں کیچڑ کی اہمیت ہی زیادہ ہوتی ہے اور اس میں
پیدا ہونے والے کنول کوئی خاص اہمیت کے حامل نہیں ہوتے۔
ادب اور آرٹ میں نچلے طبقوں کے اور مظلوم لوگوں کے دکھ درد کو
دور کرنے کا مطالبہ کرنے اور نامساوی سماج میں تبدیلی لانے
کے لئے پرچار کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن ادیبوں
اور فنکاروں کا بس یہی مقصد ہونا چاہئے، اس بات سے
میں اتفاق نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ ہی خوشحال لوگوں کے دکھ
سکھ کی ترجمانی نہیں کرنی چاہئے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ ایسا کرنے
میں کسی قسم کی غلطی ہو جائے۔ تو یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے۔"
خطوط میں ان تمام باتوں کو لکھنے کے باوجود انہوں نے
اشتراکیت سے اپنا رشتہ جوڑ لیا تھا، جس کا ثبوت ان کے
لکھے مضامین، افسانوں، نظموں اور خطوط میں اور انکی بنائی
تصویروں میں ملتا ہے۔ انہوں نے تباہ حال محنت کش لوگوں کے
حال زار پر غور و خوض کیا تھا۔ انہوں نے بھوک، پیاس، غربت،
دکھ درد کی اندرونی کیفیت کو محسوس کیا تھا۔ انہوں نے آنے
والے مبارک دن کا خواب بھی دیکھا تھا۔ جب نفاق سے بھرے
اور غیر مساوی سماج کی تشکیل نو ہوگی۔ انگ بنگ کلنگ (یعنی
آسام، بنگال اور اڑیسہ) کے شہروں اور بندرگاہوں میں
کارخانوں اور کھیتوں میں لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں اور اسی
محنت مزدوری کے طفیل تہذیب آگے بڑھ رہی ہے لیکن
ایسے بھی لوگ ہیں جو حد سے زیادہ پسماندہ ہیں اور غربت کی
سطح سے نیچی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ رابندر ناتھ نے اس
بات پر افسوس ظاہر کیا کہ ان پسماندگان کی شناخت نہیں
کی جاتی۔ انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ ایک دن کوئی
ایسا بھی آئے گا جو ان کے دکھ درد کی اور استحصال کی صحیح
صحیح ترجمانی کرے گا۔ رابندر ناتھ ایک اچھے مصور بھی تھے۔
انہوں نے اپنی بنائی تصویروں میں بھوک، پیاس اور لالچ کی
صحیح عکاسی کی۔ ان باتوں کو فراموش کرنا انسان کے بس
کی بات نہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے نفرت، بغض اور عناد کی بھی
عکاسی کی اور سامراجیت کی مذمت کی۔ اس سلسلہ میں انہوں
نے کہا تھا کہ "روحانیت سے نجات نہیں ملتی۔ سائنسی طاقت کے

ذریعہ سماج میں مکمل تبدیلی لاکر لوگوں کو غربت اور توہم پرستی سے نجات دلانی ہوگی۔ وہ اپنے ہاتھ سائنس کا مشعل لے کر "جگت اور جیون" کی تلاش میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

کہنے کی ضرورت نہیں یہ رابندرا ناتھ ہمارے پرانے اور جانے پہچانے رابندرا ناتھ کے ہم شکل نہیں ہیں بلکہ یہ ایک نئے شاعر اور تخلیق کار کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ اگر ان کی عمر ۸۰ کی جگہ ۱۰۰ برس کی ہوتی تو ملک انہیں جدت کے پیش رو کے روپ میں دیکھتا۔ افسوس، کہ ایسا نہیں ہوا۔ رابندرا ناتھ کی موت کے بعد ہم پانچ برسوں میں ساری دنیا میں عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے اور ہر جگہ صورتحال میں نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ امریکہ کے ایٹم بم سے جاپان کی بربادی کے بعد ایشیا کی لڑائی ختم ہوگئی۔ جرمنی اور اٹلی کی شکست کے بعد یورپ میں بھی جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ نازیوں کا مقبوضہ فرانس آزاد ہوگیا۔ جرمنی دو حصوں میں بٹ گیا۔ اس کا مغربی حصہ برطانیہ۔ امریکہ کے زیر اختیار آگیا اور مشرقی حصہ میں سوویت روس کی برتری قائم ہوگئی۔ چین میں اشتراکی حکومت قائم ہوگئی۔ ہندستان اور اس کے ساتھ ایشیا اور افریقہ کے سامراجی اور نو آبادیاتی ممالک ایک ایک کرکے آزاد ہوتے گئے۔ ان آخرالذکر ملکوں میں سے شمالی کوریا، منگولیا، ویت نام وغیرہ میں کمیونسٹ حکومتیں قائم ہوئیں۔ دوسرے ملکوں میں پارلیمانی جمہوریت کے نام پر قوم حکومتیں قائم ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی آج زیادہ ملکوں میں اشتراکیت پھیل چکی ہے۔

ٹیگور کی طرح رسل، مانوندرا ناتھ جیسے مفکروں اور فلسفیوں نے بھی اشتراکیت کی اقتصادی بنیاد کو تسلیم کرلیا اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ انفرادی طور پر ایک شخص کو سرکاری مشین کے کل پرزے نہ ہوکر اپنے انسانی حقوق پر قائم رہنا چاہیے اور ان کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے۔ رابندرا ناتھ نے اجارہ داری کو ختم کرنے، کل کارخانے، باغ باغیچے، کان وغیرہ سبھوں کو قومیانے اور ایک ایسا سماجی نظام قائم کرنے، جہاں لوگوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے، کی بات واضح طور پر کچھ نہیں کہا تاہم اشتراکیت کے تصورات کے لب و لباب ان کے اس دور کی تخلیقوں میں نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے خطوط میں ایسی باتوں کا ذکر پائیں گے کہ دنیا میں کیا کیا واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ اگر کوئی محقق ان سب باتوں کی تحقیق کرنے کی کوشش کرے تو اسے ایک نیا رابندرا ناتھ دکھائی دے گا یعنی ایک ایسے رابندرا ناتھ جو محنت کش لوگوں کے دوست ہیں۔ سائنسی قدروں کی بہی خواہ ہیں اور استحصال اور مکر و ریا کے خلاف جدوجہد کرنے والے کے دوش بدوش چلنے والے ساتھی ہیں اور جنہیں ان کے ہمعصر نقاد سمجھ نہ پائے اور نہ ہی انکی وسعت کا احاطہ کرسکے یا جان بوجھ کر ان کا ساتھ نہ دے سکے۔ مفاد پرست اور فرسودہ رسم و رواج کے پابند لوگ ان کی باتوں کو نہ سمجھ سکے۔

یہاں صرف ایک اور بات کہنی ہے اور وہ یہ کہ رابندرا ناتھ ٹیگور نے کبھی بھی مفاد پرستوں اور فرسودہ رسم و رواج کو برقرار رکھنے کی تائید نہیں کی۔ انہیں اس بات پر مکمل یقین تھا کہ تعلیم اور خوشحالی کے پھیل جانے کی وجہ سے لوگ مسلط فرسودہ خیالات سے آزاد ہو جائیں گے اور پھر آہستہ آہستہ اشتراکیتی تصورات کو اپنائیں گے ÷ ÷ ÷

(باقی ص ۲۴ کا)

میں ہندستان میں واپس آنے کے بعد انہوں نے ان باتوں کے کھلم کھلا اظہار میں ہچکچاہٹ نہیں کی۔ انہوں نے ایسی باتیں ہندستان کے ہندو سماج میں بھی دیکھیں جہاں برہمن نے اپنے سماجی۔ مذہبی مقولے سے شودروں اور غیر برہمنوں کو دبائے رکھا ہے اور انہیں ان کے بہت سارے لازمی اور بنیادی حقوق سے محروم رکھا ہے ÷ ÷ ÷

ترجمہ از گارڈنر

نذرِ اودھ

اسرار الحق مجاز

میں نے ہنگامِ صبح اے دنیا
تیرے گلشن سے ایک گل توڑا
اپنے سینے پہ دی جگہ اس کو
چبھ گیا دل میں، لیکن اک کانٹا
شام ہوتے ہی میں نے یہ دیکھا
گل تھا پژمردہ درد باقی تھا
حسن و خوشبو میں اک سے اک بڑھ کر
اور بھی ہوں گے تجھ میں گل پیدا
میری گل چینیوں کا وقت مگر
ایک مدت ہوئی کہ ختم ہوا

اور اب جبکہ رات طاری ہے
گل نہیں پاس درد باقی ہے



ٹیگور اور انکی شاعری

از: مصطفیٰ اکبر



بنگال کی تابناک تاریخ کے زریں اوراق پر جن عظیم شخصیتوں کے نام ملتے ہیں ان میں ایک روشن نام رابندر اناتھ ٹیگور کا ہے۔ ٹیگور بنگال کے سپوت تھے مگر آج پورے ہندستان کے لئے باعثِ افتخار بن گئے ہیں۔ آج دنیا کی نظروں میں ٹیگور اور ہندستان یا ہندستان اور ٹیگور اس طرح جڑ گئے ہیں کہ انہیں الگ کرکے دیکھا ہی نہیں جاسکتا۔

ٹیگور مختلف رنگ و روپ کا ایک مرکب نام ہے۔ ان کا نام آتے ہی ذہن میں ایک شخصیت کے کئی روپ ابھرنے لگتے ہیں ــــ ناچ، ناٹک، سنگیت، مصوری، افسانے، ناول، شاعری سب کے سب ایک ہی شخصیت کے کئی روپ، کئی پہلو ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ روشن اور تابناک پہلو شاعری کا ہے۔

"ــــ میرا ایک ہی تعارف ہے
سوائے اس کے کچھ اور نہیں
(کہ) میں صرف شاعر ہوں۔"

ٹیگور بنیادی طور پر ایک شاعر تھے۔ زندگی میں انہوں نے جتنے مشاہدے اور تجربے کئے، جو کچھ محسوس کیا اسے خوبصورتی اور کامیابی کے ساتھ شاعری ہی میں پیش کیا۔ ٹیگور کو شاعری سے والہانہ محبت تھی۔ اسی والہانہ محبت میں شاعری زندگی کے ہر گام پر ان کے ساتھ رہی۔ زمانے کے تغیرات اور وقت کی تلون مزاجی کے طفیل ٹیگور کی زندگی میں نت نئے انقلابات آئے لیکن زندگی کے ہر تغیراتی دور میں شاعری ان کے ساتھ رہی۔ شاید شاعری کو انہوں نے زندگی کی سب سے اہم ضرورت تصور کرلیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شاعری ان کی سانسوں میں، دل کی دھڑکنوں میں، ان کے ریشہ ریشہ میں رچ بس گئی تھی۔ یہ شاعری سے والہانہ محبت کا ہی نتیجہ تھا کہ انکی آخری سانس اور دل کی آخری دھڑکن میں بھی روح کے نغمہ کی آخری گونج سنائی دی۔ ٹیگور کو اس بات پر ناز تھا کہ وہ ایک شاعر ــــ ایک مغنی کے روپ میں اس دنیا میں آئے ہیں اور ایک شاعر، ایک مغنی کے روپ میں نغمہ گاتے ہوئے اس دارِ فانی سے رخصت ہوجائیں گے۔

ٹیگور جب تک زندہ رہے گاتے رہے۔ ان کے نغموں کی نوعیت بدلتی رہی لیکن ان کی آواز و آہنگ میں فرق نہیں آیا۔ کبھی انہوں نے مناظرِ قدرت کی دلفریبی کا ذکر کیا، کبھی آغازِ بلوغت کی رنگین خواب آگیں محبت کے گیت گائے، کبھی حسن و عشق کی حقیقی لذتوں میں کھو کر زندگی اور موت کے رموز سمجھائے، کبھی انسان کی کم مائیگی، مجبوری اور ناکامی پر آنسو بہائے، کبھی زندگی کی روحانی اقدار اور کائنات کے الہامی تصورات میں مستغرق ہوکر

روحانیت کے نغمے الاپے، کبھی دریا کے کنارے ڈوبتے سورج کی آخری کرنوں میں شدتِ انتظار میں پیدا ہونے والے کرب کا اظہار کیا، کبھی اس تعمیری انقلاب کے اسباب و آثار کا تجزیہ کیا جس کے نقوش صرف غور کرنے کے بعد ہی دکھائی دیتے ہیں۔

اتنی ہمہ گیر و متنوع خصوصیات کے باوجود ٹیگور کے نغمے کہیں بھی بے آہنگ یا بے سُر نہیں ہوتے، کہیں بھی ان کے نغموں کی دھن پھیکی نہیں ہوتی۔ شروع سے آخر تک (کسی کسی حصہ کو چھوڑ کر) ان کی شاعری میں چاندنی کی سی ٹھنڈک، گلاب کے پھول جیسی ملائمت، گل اندام معشوق کے پیراہن کی سی خوشبو، ماں کی لوریوں جیسی مٹھاس، معلم اخلاق کی مخلصانہ گفتگو جیسا لب و لہجہ ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیگور کی شاعری/نغموں میں تھکن نہیں مستی ہے، اداسی نہیں سرخوشی ہے، موت کے سکون کی ہوس نہیں زندگی کی لذتوں کی آرزو ہے۔ انکی پوری شاعری کو دیکھ لیجئے کہیں بھی بڑھاپے کا رنگ جھلکتا نظر نہیں آتا بلکہ ہر جگہ شباب کی دلفریب رنگینیاں دکھائی دیتی ہیں۔

ٹیگور کو زندگی کے تمام حسین چیزوں سے پیار تھا۔ انہوں نے زندگی کے ہر گام پر حسن کی تلاش کی۔ ماں کے بے لوث پیار میں، بچوں کی بھولی مسکان میں، محبوب کی راحت فزا خوبصورتی میں، قدرت کے دلفریب مناظر میں، ملک کی سوندھی مٹی میں، سنگیت کی چڑھتی اترتی لہروں میں، محنت کش انسانوں کے ماتھے پر چمکتے ہوئے پسینوں میں، کائنات کے روشن اور تاریک ذروں میں — غرض جہاں کہیں بھی حسن یا حسن کا پرتو نظر آیا اپنی آنکھوں میں سمیٹ لیا پھر آنکھوں سے دل میں، دل سے روح کی گہرائیوں میں اتار کر نغموں میں بکھیر دیا اور اپنی اسی تخلیقی عمل کو انہوں نے زندگی کا حسین ترین کارنامہ تصور کیا۔ اس عمل پر ہمیشہ انہیں روحانی فرحت حاصل ہوئی۔ ان کو اس امر کا یقین تھا کہ "زندگی میں مدھرتا یا شیرینی اس وقت تک نہیں آتی جب تک وہ حسن سے مزین نہیں ہو جاتی"۔ انہوں نے اپنی شاعری کو حسن سے مزین کرنے کے ساتھ ساتھ سنگیت کی مدھرتا سے بھی سرشار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حسن سے مزین نغمے سنگیت کی مدھرتا سے مل جاتے ہیں تو ایک ایسی شاعری کی تخلیق ہوتی ہے جو پڑھنے والوں کو مستی اور سرخوشی کی ایک ایسی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں الفاظ کو بھول جانے پر بھی سنگیت کی لے پر وجدانی کیفیت برقرار رہتی ہے۔ حسن کاری، تصور، جذبات اور موسیقی کا اس طرح گھل مل جانا ٹیگور کی شاعری میں ابتدا ہی سے نظر آتا ہے۔ ان کی نظمیں فقط اپنی موسیقیت اور شدتِ اثر کے سبب ہی مخصوص محاسن کا نمونہ نہیں بلکہ خیالات و جذبات کی چابک دستانہ مصوری اور فنکارانہ اظہار کی وجہ سے بھی دنیا کی اچھی نظموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں۔

ٹیگور کی اسّی سالہ زندگی میں نت نئے انقلابات آئے۔ انہیں زندگی کے مختلف ادوار سے گزرنا پڑا۔ وقت کی تلون مزاجی کے طفیل ان کے افکار و خیالات میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ ان کے سوچنے سمجھنے کا انداز بدلا۔ چونکہ شاعری ہر دور میں ان کے ساتھ رہی، ایسے بدلتے ہوئے حالات میں شاعری کے موضوعات کا بھی بدل جانا ایک لازمی امر ہو جاتا ہے لہذا شاعری کے موضوعات بھی بدلے مگر حیرت کہ متغیر خیالات اور موضوعات کے زیرِ اثر شاعری کا آہنگ نہیں بدلا۔ وہی نغمگی، وہی کیف و مستی شاعری میں ہر جگہ بدرجہ اتم موجود رہی۔

آیئے! اب ٹیگور کی کل شاعری کو ان کی زندگی کے مختلف ادوار میں بانٹ کر دیکھیں کہ یہ ہر الگ دور میں کس کس روپ میں نظر آتی ہے۔

تعارف
دورِ اوّل : ٹیگور کی پرورش و پرداخت

ایک ایسے ماحول میں ہوئی جہاں علم و ادب کی فراوانی تھی۔ یہ اسی ماحول کا اثر تھا کہ کم عمری ہی میں ٹیگور کے اندر بے پناہ ادبی ذوق پیدا ہو چکا تھا۔ ابھی گیارہ سال کے تھے کہ "ابھیلاشن" جو انکی پہلی کاوش تھی، کی اشاعت ہوئی۔ ۱۲ سال کی عمر میں "پرتھوی راج پرجا" اور ۱۴ سال کی عمر میں "ہندو میلہ" منظرِ عام پر آئیں۔ یہ تینوں طویل نظمیں ہیں جو کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ یہ تینوں نظمیں مذہب اور قومیت پر مبنی ہیں۔ پھر کچھ بعد

دیگرے ــــ "بن پھول"، "کورونا" (دردمندی) "کوئی کہانی"
"رودرّدھینڈو" (غصہ والا) "بھوگنو ریدوسے" (دلِ شکستہ)
کے عنوان سے کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ ان کتابوں اور نظموں میں
ٹیگور کی انفرادیت نظر نہیں آتی لیکن ان کاوشوں کی بدولت وہ ادبی
دنیا میں متعارف ضرور ہو جاتے ہیں۔

ان کی نظموں میں فطرتی، مذہبی اور قومی تصورات کی
دھندلی سی تصویر نظر آتی ہے۔ ٹیگور کو حسنِ فطرت کا احساس
یہیں سے ہوتا ہے جو بتدریج ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا آخری
دور میں نقطۂ عروج تک پہونچ جاتا ہے۔ اس دور کی آخری عمر میں
ٹیگور نے بھانو سنگھ پدوانی کے نام سے گیت لکھے۔ یہ
واشنوب گیتوں کا مجموعہ ہے جو اپنے دلفریب لب و لہجہ اور
موسیقیت کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔ اس تخلیق میں کسی حد
تک شاعر کے اپنے خد و خال نظر آتے ہیں۔

شروعات (دورِ دوئم):

دراصل یہیں سے ٹیگور کی شاعری کی ابتدا ہوتی ہے۔ شاعر بذاتِ خود
اپنے اس دور کو حقیقی معنوں میں شاعری کی ابتدائی دور تسلیم کرتا
ہے۔ اپنی پہلی کاوشوں میں "بھانو سنگھ پداوالی" کو رکھ کر باقی
تمام تخلیقوں کو انہوں نے اپنی تخلیقات سے الگ کر دیا۔ اس دور
میں شاعر نے متعدد رومانی نظمیں لکھیں جو مجموعوں کی شکل میں شائع
ہوئیں۔ ان میں "سندھیا سنگیت" (شام کے نغمے) "پروبھات
سنگیت" (صبح کے نغمے) "چھوبی۔ و۔ گان" (تصویر و نغمہ)۔
"کوڑی۔ و۔ کومل" (ساز کے نرم و سخت تار) قابلِ ذکر ہیں۔

"سندھیا سنگیت" میں شاعر کے جواں دل کی دھڑکنیں
سنائی دیتی ہیں جن میں میٹھا میٹھا درد بھی ہے، لذت آمیز سوز و گداز
بھی۔ "پروبھات سنگیت" میں شاعر کے دل کو اس دکھ درد
اور سوز و گداز سے مکتی ملتی ہے اور وہ حسن و عشق کی مستی و سرخوشی
کی لغزشوں میں مستغرق نظر آتا ہے۔

"چھوبی۔ و۔ گان" میں شاعر اپنی متجسس نگاہوں سے
اس آباد دنیا کی نیرنگیوں اور رعنائیوں کو دیکھتا ہے، محسوس کرتا
ہے اور ان کے ایک ایک پہلو سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

"کوڑی۔ و۔ کومل" میں شاعر اپنے بیرونی احساسات کو روحانی
احساسات سے ہم آہنگ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مثلاً جا بجا جسم و روح
کے تعلقات "چمن" اور "استون" کی اہمیت وغیرہ کا بیباکانہ
اظہار۔ یہاں شاعر ظاہری حسن کی رعنائیوں میں باطنی حسن کے پرتو
کی تلاش کرتا ہے مگر ہر حال میں روح کی پاکیزگی کو برقرار رکھنا
چاہتا ہے۔ شاعر یہاں پورے طور پر جذباتی نظر آتا ہے۔ یہیں
سے ٹیگور کی شاعری میں روحانیت کا آغاز ہوتا ہے جو آگے چل کر
نقطۂ عروج پر پہونچ جاتی ہے جو پھر آہستہ آہستہ روحانیت میں
تحلیل ہو جاتی ہے۔

ارتقا (دورِ سوئم):

شاعر اپنی آبائی زمینداری کی دیکھ بھال
کی غرض سے بنگال کے مختلف دیہی علاقوں
کا دورہ کرتا ہے اور آخر میں اپنی شریکِ حیات کے ہمراہ پدما ندی کے
کنارے واقع پانیا ضلع میں سکونت پذیر ہو جاتا ہے۔ رومان پرور
فضاؤں میں جوانی کا ایک ایک لمحہ صرف ہوتا ہے۔ کھلی فضاؤں میں
شاعر کا ذہنی ارتقا تیز ہو جاتا ہے۔ شام کے ڈوبتے سورج
میں رات کے جاگتے ستاروں میں، صبح کی نوخیز کرنوں میں، گاؤں
کی حیدلیاتی زندگی میں، شاعر حقیقی مسرت تلاش کرتا ہے، حقیقی
مسرت کی تلاش میں اسے ایک رومانی لذت ملتی ہے جو شعر و نغمہ
کے خوبصورت پیکر میں ڈھل کر اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ یہاں
رومانیت پورے شباب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی ہے ؎

آشا، بھاشا اور پریم کے دو گارا (ذریعہ)
میں مانسی (معشوق) کی رچنا کرنا چاہتا ہوں ؎

اور شاعر اپنی تصوراتی دنیا میں آشا اور بھاشا کی گیلی مٹی سے
ایک ایسا بت تراش لیتا ہے جو پریم کی حدت پاتے ہی بولنے
لگتا ہے۔ فضاؤں میں مدھر راگنی بکھرنے لگتی ہے جسے سنتے ہی
دل جھوم اٹھتا ہے اور پورے وجود میں ایک رومانی لذت پھیل جاتی ہے

میرا دل بھی بھٹکتا چلا جا رہا ہے
اس اسکا نگری میں پہونچ جانے کے لئے

جو تمناؤں اور آرزوؤں کی جنت نما منزل ہے
اور جہاں
وہ بیرہ کی ماری مجبور رہتی ہے
جو حسن کی دیوی کی پہلی تخلیق ہے (مانسی)

اسی طرح پوری شاعری پریم، پراکرتی اور سندرتا کی اعلیٰ صفتوں سے مزین ہو جاتی ہے اور شاعری کی یہی اعلیٰ صفتیں "مانسی"، "سونار تری"، "چترا"، "چیتالی"، "کلپنا" ہر جگہ بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ بعض نقادوں کے خیال میں "مانسی" سے "کلپنا" تک شاعری کی صلاحیت کا پورا پورا مظاہرہ ہو جاتا ہے

نقطۂ عروج : (دورِ چہارم)

یہاں سے ٹیگور کی شاعری کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ شاعر رومانیت کی حد کو پار کر کے روحانیت و معرفت کی وسیع دنیا میں پہونچ جاتا ہے۔ شاعری پر روحانیت (Spritualism) غالب آجاتی ہے۔ یہی روحانیت ذرا آگے چل کر معرفت (Mystisism) کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور شاعر ایک صوفی کے روپ میں نغمہ زن نظر آنے لگتا ہے ؎

بھگوان کے کھیل گھر میں کتنا کھیل کھیل گیا،
بے مثال روپ والے کو دیکھ لیا
اپنی دو آنکھیں کھول کر
جنہیں چھوا نہیں جا سکتا انہیں سراپا پکڑ لیا ہے
ایسے میں وہ اگر مجھے ختم کر دیں تو ختم کر دیں
جانے کے سمے یہ بات بتاتا جاؤں

یہ روحانیت اس طوفان آشنا زندگی کی مرہون منت ہے جو ٹیگور کے لئے تباہی کا پیش خیمہ تھی۔ ۱۸۹۹ء میں ان کے بھتیجے بالندر ناتھ ٹیگور کی موت واقع ہوئی۔ ۱۹۰۲ء میں ان کی شریک حیات داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئیں۔ ۱۹۰۳ء میں ان کی معصوم بچی رینوکا کو بے رحم موت نے چھین لیا۔ ان کے والد کا ۱۹۰۵ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کا چراغ لڑکا سمندر ناتھ ٹیگور ۱۹۰۷ء میں لقمۂ اجل بن گیا۔ ان متواتر واقعات کا ٹیگور کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ ظاہری دنیا سے بیزار ہو گئے اور اپنی زندگی کو رشی اور سنیاسی کی زندگی تصور کرنے لگے اور بالآخر ابدی امان کی تلاش میں وہ روحانیت اور معرفت کے بیکراں سمندر میں غوطہ زن ہو گئے۔ ایسے میں ٹیگور نے جو کچھ کہا سب کے سب طریقت و سلوک، فنافی الذات، وحدت الوجود، رضا و تسلیم کے معترف ہیں۔ ٹیگور کے نزدیک "روحانی آزادی ہی حقیقی آزادی ہے۔ وہ روح کی آزادی چاہتے ہیں۔ روح کی بقا چاہتے ہیں اور انسان کو ان بندھنوں سے آزاد دیکھنا چاہتے ہیں جو اُن کے چاروں طرف باندھ دئے گئے ہیں۔

" اس جرم کی آگ میں جل رہی ہے دکھ کی خوشبو کو
اسے رہنا ہوگا، دل میں جلنا ہوگا، یہی نوشتۂ تقدیر ہے
اس دکھ کو قبول کرو، اے میرے دل، وحدت کی پکار سنو۔
جتنی لاج اور ڈر ہے اے میتو، بے عزتی دور ہو جائے۔
ناقابل برداشت کرب کے دور ہو جانے پر کیسی عظیم روح
جنم لے گی۔

نوئے ویگھ (پوجا کا اہتمام)، کھیا (وسیلۂ کشتی)، گیتانجلی (نغموں کی سوغات)، گیتالی (نغمات)، گیتی مالو (گلہائے نغمہ) جیسی تخلیقات اسی روحانی اور معرفتی دور کی پیداوار ہے۔

تکمیل : (دورِ پنجم)

نوبل پرائز سے سرفراز ہونے کے بعد ٹیگور تیسری بار پوری دنیا کی سیر کرتے ہیں۔ اس طویل مسافت سے اُنکی زندگی میں نئی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ سوچنے سمجھنے کا انداز بدلتا ہے اور ٹیگور ایک نئے روپ کیساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ بعض نقادوں کے خیال میں گیتانجلی اور گیتی مالو کے بعد ٹیگور کی شاعرانہ زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے مگر حقیقی معنوں میں اس طویل مسافت کے بعد ہی شاعری کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یورپی ممالک میں جرمن فلسفی برگ سوں کے فلسفۂ تناسخ (Philosophy of Re-incarnation) سے متاثر ہوتے ہیں۔ ٹیگور اس فلسفہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز بار بار جنم لیتی ہے مثلاً ایک درخت ختم ہوتا ہے

تو دوسرا ایک نیا پودا جنم لیتا ہے۔ اسی فلسفے کی روشنی میں شاعر نے "بلاکا" (بگلا) کی تصنیف کی جس میں بتلایا گیا ہے کہ بگلے شام کے وقت دن بھر کا سفر ختم کر کے ایک قافلے کی صورت میں جنگل کی طرف واپس جاتے ہیں اور یہ سلسلہ دیر تک جاری رہتا ہے اور رات کی تاریکی میں یہ سلسلہ چلتے چلتے ختم ہو جاتا ہے۔ زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ چلتی ہے، چلتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوتی ہے۔ یہاں خیال بہت جدید ہو جاتا ہے۔ شاعر نئی نسل کو ابھارتا ہوا نظر آتا ہے۔ جوانوں میں جوش پیدا کرتا ہے کہ تم آگے بڑھو، نئی زندگی، نئی امنگوں کے ساتھ توہم پرست سماج کی فرسودہ رواج اور بے جان اصولوں کو توڑ دو۔ یہ یاد رہے کہ زندگی کبھی ختم نہیں ہوتی —

ایسے میں جوانی کے پتھر کو پارس پتھر کا لمس دو
دیپک راگ سے چیکا چوند روحوں کی خوشی گنگنا اٹھے
رات کے سینے کو چیر کر پر جوش تڑپ سے فضا کو بھر دو
تاریک شش جہات کو چونکا دو، جگا دو
آج دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں جکڑ کر
اٹھا لوں گا تمہارے جاسنکھ کو

"بلاکا" کے بعد "پوربی" کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہاں جوش گھٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ مایوسی، غم اور اداسی کے سائے امنڈتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر اس سائے میں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ ایک روحانی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد "مہوا" عالم تحریر میں آتا ہے۔ یہ پریم گیتوں کا مجموعہ ہے جو آخری عمر کے تجربے اور ٹھوس حقیقت پر مبنی ہے، رومانیت یہاں بھی ہے مگر سرد لہجے کے ساتھ۔ ان مجموعوں کے بعد مزید چار مجموعہ ہائے کلام "پونشچا"، "سنتیش پتک"، "پترپٹ"، "شیاملی" منظر عام پر آئے جو خالص تجرباتی ہیں۔ یہاں ٹیگور کا آہنگ بدل جاتا ہے شعریت و نغمگی کا فقدان نظر آتا ہے۔ شاعری، نثری روپ دھارن کر لیتی ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ ٹیگور کی نثری شاعری موسدن کی طرح سپاٹ اور بے لطف نہیں ہوتی۔ ٹیگور کی اس شاعری میں بحر و قافیہ و ردیف کی پابندیاں تو ختم ہو جاتی ہیں مگر لفظوں کی نشست اور اس کی لطافت برقرار رہتی ہے۔ اس طرح ٹیگور ایک کامیاب نثری نظم / شاعری کے خالق بن جاتے ہیں۔

اختتام : (دورِ آخر)

یہاں "پرانتیک" (حاشیائی) "سے جوتی" (شام بتی) "آکاش پردیپ" "نوجاتک" (نومولود) "شانائی" (شہنائی) "جنمو دنے" (جنم دن پر) "شیش لیکھا" (آخری تحریر) وغیرہ کی آخری تخلیق ہوتی ہے۔ ٹیگور کی شاعری کے یہ حقیقت پسند دور ہے یہ اس دور کی آخری کڑی ہے جہاں شاعر سوچتا ہے کہ ابھی ابھی اور بھی کچھ کہنا کہنا ہے۔ اس تجرباتی دنیا میں "اور یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شاعر کی زندگی کے آخری دور میں پوری پختگی آجاتی ہے۔ شاعری پر حقیقت پسندی کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس حقیقت پسندی کی رو میں شاعر اپنا مخصوص آہنگ بھی بھول جاتا ہے۔ شاعری آزاد اور نثری ہو جاتی ہے مگر لفظوں کی خوبصورت نشست کی وجہ سے غنایت و نغمگی کی کچھ لطافت باقی رہ جاتی ہے۔ یہاں شاعری میں حقیقت پسندی، وجودیت اور معرفت کے امتزاج سے ایک نیا رنگ اور آہنگ ابھر کر سامنے آتا ہے جو ایک ضعیف العمر حساس طبیعت آدمی کے ذہن و دل کی پیداوار ہے۔

آخری تین مجموعوں میں شاعر دنیا سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے دل میں دنیا کی محبت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ مرنا نہیں چاہتا۔ وہ اپنے خدا سے دریافت کرتا ہے کہ دنیا کی یہ خوبصورتی کیا مرنے کے بعد بھی دیکھ سکوں گی۔ مرنے کے بعد تو وہ ایک ایسے اندھکار میں کھو جائے گا جہاں کائناتی حسن، قدرتی نظارہ، محبوب کا جلوہ کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔

ٹیگور کی ابتدائی شاعری میں دنیا اور اس کے حسن سے محبت کا جو جذبہ کارفرما نظر آتا ہے وہ آخر میں آکر مذکورہ صورت میں ڈھل جاتا ہے اور اسی پاک جذبۂ محبت کے ساتھ ٹیگور کی شاعری کا اختتام ہوتا ہے ❊❊

رابندرا ناتھ ٹیگور
ایک ہمہ گیر شخصیت



از ـــــــ دیپالی پکاش پکراسی

ہر ملک نے بڑے بڑے شعرا اور ادبا پیدا کئے ہیں۔ گوئٹے جرمنی میں پیدا ہوا، والٹ وٹمین امریکہ میں، ڈانٹے اٹلی میں اور شیکسپیر، شیلی، ورڈس ورتھ وغیرہ انگلینڈ میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان بھی اپنے دو سپوتوں ـــ کالی داس اور ربندرا ناتھ ٹیگور پر نازاں ہے۔ ربندرا ناتھ صرف ایک عظیم شاعر ہی نہیں تھے بلکہ وہ بیک وقت اچھے ڈرامہ نگار، ناول نگار، افسانہ نگار، نقاد اور ماہر تعلیم تھے۔ بنگال کے اس مہان سپوت کی زندگی اور کارنامے ذہب کی تمام عورتوں اور مردوں کے لئے ایک لازوال ذخیرہ ہیں۔

ربندرا ناتھ کی پیدائش و پرورش جوڑا سانکو کے مشہور ٹیگور خاندان کے روشن خیال اور ثقافتی ماحول میں ہوئی۔ اگرچہ ربندرا ناتھ نے زیادہ عرصے تک اسکولوں یا کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ جاری نہیں رکھا تاہم اس بات میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی بنگلہ ادب کے ارتقا کے لئے وقف کر دی تھی۔ انکی عظیم اور غیر معمولی علم دانی کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں نوبل پرائز سے نوازا گیا۔ انہوں نے کافی طویل عمر پائی یعنی اسّی سے بھی زائد سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ربندرا ناتھ ایک فطری شاعر تھے۔ خصوصاً بحیثیت نغمہ نگار وہ عالمی ادب میں ایک اعلیٰ مقام کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنے ذاتی احساسات اور تخیلات کو شاعری کا لباس عطا کیا تھا۔ انکی تخلیق 'سونار تاری' (Sonar Tari) میں غنائیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ بحیثیت ایک نغمہ نگار اکثر و بیشتر انہوں نے رومانی نظمیں بھی کہی ہیں۔ انہوں نے نہایت ہی غور و خوض کے ساتھ قدیم رزمیہ نظموں ـــ رامائن اور مہابھارت کا مطالعہ کیا اور انہیں اپنی نظموں میں ایک بالکل نئے زاویے سے پیش کرنے کی کوشش کی۔ کبھی انہوں نے تصورات کا سہارا لیا اور کبھی اپنے ذہن اور خیال کو ماضی کے نیم تاریک گوشوں میں بہہ جانے دیا۔

وہ جانتے تھے کہ

ہمیشہ اپنے تخیل کو بھٹکنے دو (اڑنے دو)
(کیوں کہ) مسرت کبھی گھر پر نہیں پائی جاتی

۱۹ویں صدی کے دیگر تمام رومانی شعراء کی طرح ٹیگور نے بھی ہماری زندگی کے نشیب و فراز سے نالاں تھے۔ انہیں محسوس ہوا کہ دنیا نے ہمارے ساتھ بہت کچھ کیا یا دنیا نے ہمیشہ ہماری دل آزاری کی (گرچہ بیشتر انہوں نے اس دنیاوی زندگی سے پرتپاک وابستگی کا اظہار کیا ہے)۔ اکثر انہوں نے اس دنیاوی زندگی کے تلخ تجربات سے تنگ آکر تصور/تخیل کا سہارا

لیا ہے۔ رابندر ناتھ کی دلنشیں تصورات نے خود کو مختلف انداز میں ظاہر کیا ہے۔ انکی آنکھ

"۔۔۔۔۔ غضبناک حالت میں حرکت کرتی ہوئی
آسمان سے زمین کو تکا کرتی ہے"
اور تصورات کا ہیولا بڑھتا ہے
نامعلوم اشیاء کی اشکال کی طرف"

ٹیگور کی 'میگھ دوت'، 'اروشی' اور بہت ساری دیگر نظمیں رومانی طرز کی حامل ہیں۔ بطور ایک نغمہ نگار اور رومانی شاعر ٹیگور کو ہملوگ بنا کسی ہچکچاہٹ کے شیلی کی برابر صف میں کھڑا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے بھی بے شمار مثنویاں لکھی ہیں۔ مناظر قدرت اور دیہی ماحول سے متعلق ان کی نظمیں ناقابل فراموش ہیں۔

ٹیگور نے عشقیہ نظمیں بھی کہی ہیں اور اس طرز میں انہیں حیرت انگیز طور پر کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ ٹیگور کے تصور عشق کے سلسلہ میں ڈاکٹر ایس۔ بی۔ داس گپتا فرماتے ہیں کہ ایک طرف ہمیں ہیگل کے تصور عشق کی سالمیت کا پتہ ملتا ہے تو دوسری طرف عشق افلاطونی یا ولیشنارک عشق کی گہرائی اور پاکیزگی سے ہم ہمکنار ہوتے ہیں۔ کیٹس کے برعکس ربندرا ناتھ رومانی عشق کے پجاری ہیں۔ وہ عشق جس کا تعلق دل و جان سے ہوتا ہے، مرد اور عورت کے درمیان شہوانی عشق سے نہیں ہوتا۔ کیٹس کی طرح یہ بھی حسن کے عاشق تھے لیکن اکثر ان کی جمالیاتی قوت کیٹس کو کافی پیچھے چھوڑ گئی ہے۔

ربندرا ناتھ کو فطرت سے عشق تھا اور انہوں نے فطرت میں ہی پناہ تلاش کی۔ انہوں نے فطرت میں تمام سرایت کرنے والے جذبوں ـــ گہری خاموشی اور عمیق فلسفہ کی موجودگی کو دریافت کیا۔ صرف یہی نہیں رابندر ناتھ کے لئے فطرت اس سے بھی کچھ زیادہ تھی ـــ وہ اپنے اور فطرت کے درمیان ایک گہرے ربط سے متعارف ہوئے۔

ربندرا ناتھ ایک مکمل شاعر تھے، تاہم ہم یہ نہیں فراموش کر سکتے کہ وہ ایک کامیاب نقاد بھی تھے۔ ان کے افسانے "گورا" "نوکا ڈوبی" "گولپو گوچھو" (کشتی ڈوبی، کہانیوں کا مجموعہ) اور دوسری نثری تصنیفات انکی غیر معمولی ذہانت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ٹیگور کا سحر انگیز قلم مشکل سے مشکل عقدوں کو اس طرح کھول دیتا ہے کہ ساری باتیں آب شفاف کی طرح عیاں ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے گنجلک نظریات اور مضامین کا مطالعہ کیا، تجربوں کو یکجا کیا اور تب اپنی تحریروں کے ذریعہ قارئین تک اپنے تجربوں کی خوشبو بکھیر دی ہے۔ بنگالی ناولوں کی دنیا میں انہوں نے لوگوں کو ایک نئے عہد سے روشناس کیا۔ ٹیگور نے بنگلہ ناولوں کی بنیاد کو رومان اور تاریخ کی ریتیلی دلدل یا کیچڑ سے نکال کر حقیقت کے مضبوط اور ٹھوس زمین پر نصب کیا۔

ربندرا ناتھ پہلے شخص تھے جنہوں نے بنگلہ ادب میں ادبی مقالے اور تنقیدی مضامین کو متعارف کیا۔ انہوں نے فن تنقید کو ترقی کے بلند ترین منارہ تک پہونچا دیا۔ دراصل جس شے کا بھی گزر اسکی کیمیا ساز ذہانت سے ہوا وہ ملکوتی حسن کے لباس میں ظاہر ہوئی۔

یہ نہایت ہی دلچسپ اور یاد رکھنے کی بات ہے کہ ربندرا ناتھ ایک سماجی مصلح اور ایک عظیم محب وطن بھی تھے اور انکی یہ دلی تمنا تھی کہ وہ سماج کی تمام برائیوں کو اکھاڑ پھینکیں۔ اصلاح کے اس آتشیں جذبے کی جھلک انکی نظم "پراتھنا" (دعا) میں نمایاں ہے۔

جہاں دل خوف سے خالی ہے، جہاں سر اونچا اٹھا ہے
گیان جہاں آزاد ہے، جہاں گھر کی چہار دیواری نے
رات دن اپنے آنگن میں دھرتی کو چھوٹا بنا کے نہیں رکھا ہے
جہاں تقریر سرچشمہ دل سے
ابل پڑتی ہے، جہاں بے روک بہتے والے سرچشمہ کی طرح
دیس دیس میں سمت سمت میں عمل کا دھارا دوڑتا ہے
مسلسل ہزاروں کی طرح کی تکمیلوں کے درمیان،
جہاں بیچ کردار کے ریگستانی ریت کے ڈھیر نے

آزاد خیالی کی نہر کو گرفتار نہیں کر رکھا ہے
ہمت اور شجاعت کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر دیتے ہیں، جہاں
جہاں، ابدی طور پر
تم ہر کام ہر خیال اور ہر آنند کے رہبر ہو،
اے میرے پتا! اپنے ہاتھ سے بیدردی کرکے
بھارت کو اسی جنت میں بیدار کر دو۔

گرچہ آج رابندرا ناتھ زندہ نہیں ہیں لیکن انہوں نے ایک ایسے عہد کی نمائندگی کی ہے جو شاید بنگلہ ادب کی پوری تاریخ میں نہایت ہی زرخیز ترین دور تھا۔ آج ہم لوگ بنگلہ ادب سے مراد رابندرا ناتھ ٹیگور لیتے ہیں۔ رابندرا ناتھ کی پیدائش جس دور میں ہوئی وہ دور ہندوستانی نقطۂ نظر سے بنا ربط کا دور کہلاتا ہے۔ یہ انحطاطی دور تھا جس نے جہالت اور وہم کے اندھیرے میں ہندوستان کے ایک بڑے حصے کو نگل لیا۔ لیکن ٹیگور کی عظیم ذہانت اس کے گہن کی زد سے باہر رہی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ٹیگور اور اس زمانے کی دوسری شخصیتوں نے ۱۹ویں صدی کے بنگال کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کو فروغ دینا شروع کیا اور اس نے جلد آنے والے زمانے کی تیرگی کو دور کیا۔ ٹیگور کی ذہانت اتنی بلند تھی کہ
"زمانہ اسے پژمردہ بنا نہیں سکتا ہے"

قول زریں

ایسا انتظام کرنا چاہیئے کہ کاشتکاروں کے پاس فاضل بچت ہو، یہ کام ادنیٰ نہیں ہے بلکہ بہت ہی عظیم ہے۔ فاضل بچت سے ان کی صحت، انکی تعلیم، ان کے مذہبی رسومات اور تہواروں کے اخراجات پورے ہوں گے۔

ٹیگور

(باقی صفحہ کا)

راگ راگنی میں لوک سُر کی شناخت میں مشکل نہیں ہوتی۔ اس عرصہ کے چند مشہور گیتوں کے بول ہیں،

(۱) جو کھون پوڑبے مور پاشیر اپٹے باڑ
(جب مجھ پر یہ بوجھ عائد ہو جائے گا)

(۲) آکاشش جوڑے سیز نوا دے باجے
(موسیقی بہت ہی زور دار ہے)

(۳) آمی کان پیے تے رُوای
(میں سنتا رہوں)

یہاں تک کہ اپنی موت سے صرف ایک سال قبل انہوں نے یہ گیت لکھا:
پاگلا ہوا ر بادول دینیں آر کو تھاؤ آمار بار۔ اہی۔ جابارسنے تی مانار
(اس طوفانی موسم میں مجھے کھو جانیکی اجازت ہے)

رابندرا ناتھ کے گیتوں کا جائزہ لینے سے یہ بات بالکل عیاں ہو جائے گی کہ شاعر کے زیادہ تر گیت لوک سُر سے وابستہ ہیں۔ شاید ایسا ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں گیت اور لوک سنگیت کی بنیاد پر ہی موسیقی کار، سر دھن تیار کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام چیزوں کو ملا کر رابندرا ناتھ نے اپنا ایک باؤل سُر تیار کیا تھا۔ ۱۸۸۹ء میں سلائی دہ میں لالن فقیر سے رابندرا ناتھ کی ملاقات ہوئی۔ لالن فقیر باؤل گیت کے ماہر تھے۔ انہوں نے لالن کے بہت سارے گیت سُنے اور پھر لالن کے گیتوں کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ اس کے بعد انہوں نے لالن کے صرف ۲۰ گیتوں کو ۱۳۲۲ء بنگلہ سال میں بنگلہ رسالہ "پروواشی" میں شائع کرایا۔ باقی گیتوں کو انہوں نے برسوں خود اپنی حفاظت میں رکھا۔ باؤل لوگ بڑی آسانی سے اپنشد اور ویشنو نوی گیتوں کو گایا کرتے۔ ان کے سر سامعین کے دل میں گھر کر لیتے۔ اگر یہ کہا جائے بنگلہ لوک سنگیت اور باؤل سنگیت کی آمیزش سے تیار ہوا رابندرا سنگیت تو غلط نہ ہوگا، اور اس طرح رابندرا گیتوں کی لہروں اور سروں کو بکھر کر باؤل اپنے ساتھ لے کر رونما ہوئے "روبی باؤل" ✦✦

ٹیگور اور نشاۃ ثانیہ

از — محمد اعظم



آج سے تقریباً دوسو سال قبل بنگال کی نشاۃ ثانیہ کے دور کا آغاز ہوا۔ اس دور نے بنگال اور ہندستان کے لوگوں میں ایک نئی بیداری پیدا کردی۔ ہندستان اور خاص طور پر بنگال کو مغربی تہذیب سے ایک دھچکا سا لگا کیوں کہ اس تہذیب نے یہاں کی زندگی کے رخ کو ایک نئی سمت کی طرف موڑ دیا۔ اس نئی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اس وقت کے لوگوں نے سنسکرت کی تعلیم کے احیائے نو پر اور مذہبی اصلاحات پر زیادہ زور دینا شروع کیا۔ ان دونوں طاقتوں نے ایک ساتھ مل کر بنگال کی نشاۃ ثانیہ کو ہندستان میں، ساتھ ہی سارے ایشیا میں ایک زندۂ جاوید طاقت میں تبدیل کردیا۔ بنگال میں اس دور میں ادبی اور فنکارانہ تحریکیں کافی اہمیت کی حامل بن گئیں۔ رابندرناتھ ٹیگور ان تحریکوں کے اہم سربراہ تھے۔

انیسویں صدی کے شروع شروع میں بنگال میں زبان کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ اس مسئلے پر کافی بحث ومباحثہ ہوا۔ مسئلہ یہ تھا کہ کیا انگریزی زبان کے فروغ کی اہمیت افزائی کی جانی چاہئے یا نہیں۔ سنہ ۱۸۱۳ء سے سنہ ۱۸۳۳ء کے دوران کلکتہ میں دو مکاتب خیال کے لوگوں کے درمیان کافی بحث ومباحثے ہوئے۔ مشرق پسند طبقہ تعلیم کو سنسکرت اور عربی ادب تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف انگریزوں کے خیر خواہ عملی اور کاروباری نقطۂ نظر سے انگریزی کو تعلیمی بنیاد بنانے پر زور دیا۔ اسی دوران انگریزوں نے مغربی تعلیم کی اشاعت اور فروغ کے لئے اقدامات کرنے شروع کردئے۔ سنہ ۱۷۷۸ء میں چارلس ولکنس نے بنگلہ ٹائپ تیار کرکے ہلہید کی کتاب "بنگلہ قواعد" چھاپی۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے چھپی ہوئی کتابوں نے ہاتھ سے لکھی کتابوں کی جگہ لے لی۔ اس عرصہ میں انگریزوں نے جدید تعلیم دینے کے لئے کلکتہ اور دیگر علاقوں میں بہت سارے اسکول قائم کئے ان اسکولوں کے اساتذہ اور طلبا کو فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰ء) سیرامپور مشن (۱۸۰۰ء) کلکتہ اسکول بک سوسائٹی اور انفرادی کتابوں کے پبلیشروں کی طرف سے حسب ضروری کتابیں سپلائی کی گئیں۔ نیز لوگوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے بہت سارے رسالے بھی شائع ہونے لگے۔ ان میں سب سے پہلا رسالہ سنہ ۱۸۱۸ء میں سیرامپور سے شائع ہوا۔

پھر سنہ ۱۸۳۵ء میں میکالے کی مشہور روداد کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے منظور کرلیا تو اس وقت بنگال میں ایک کھلبلی پیدا ہوگئی کیوں کہ اس روداد میں انگریزی زبان کو اعلیٰ تعلیم کے لئے واسطہ قرار دیا گیا۔ اب لوگوں نے انگریزی کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس طرح ایک نئی زندگی ظاہر ہوئی۔ ایک نئے

دور کا آغاز ہوا۔ لوگوں نے پرانے رسم و رواج کو ترک کرنا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ سے سماج میں بے چینی پھیل گئی۔ لوگ مغربی تہذیب و آداب کی نقل کرنے لگے۔ نئے اور پرانے خیالات کے درمیان ٹکراؤ نے ایک عجیب پیچیدہ صورتحال پیدا کر دی۔ اس بحران کے دور میں طوفان میں گھری بنگال کی کشتی کو راجہ رام موہن رائے اور دیگر ممتاز ہستیوں نے ساحل پر لایا۔ ۱۸۱۵ء سے ۱۸۳۳ء تک راجہ رام موہن رائے کی شخصیت تعلیم، مذہب، سیاست اور سماجی اصلاحات کے میدان میں چھائی رہی۔ انہوں نے ۱۸۲۸ء میں برہمو سبھا قائم کی اور توہم پرستی پر مبنی تمام رسومات کی مذمت کی۔ یہ انکی کاوشِ پیہم کا نتیجہ ہے کہ ۱۸۲۹ء میں 'ستی' کی رسم کو ختم کر دیا گیا۔ گرچہ وہ انگریزی تعلیم کے حامی تھے تاہم انہوں نے اپنے طور پر سنسکرت ادب کی احیاء نو کی۔ انہوں نے لوگوں کو وید کے اصولوں سے روشناس کرایا۔ انہوں نے بنگلہ زبان و ادب کے فروغ کے لئے بہت سارے مضامین بنگلہ میں لکھے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ راجہ رام موہن رائے نے اپنی دوراندیشی اور گوناگوں سرگرمیوں سے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا

دوارکا ناتھ ٹیگور راجہ رام موہن رائے کے قریبی ساتھی تھے۔ نشاۃ ثانیہ کے دور میں انہوں نے اپنے ہم وطنوں کے حالاتِ زندگی میں بہتری لانے کے سلسلہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ وہ کلکتہ کے بہت سارے تعلیمی اور سماجی اداروں سے وابستہ تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بہت سارے رسالوں کو جیسے بنگال ہرکارو، بنگال ہیرالڈ، اور بنگودت کی اشاعت کا انتظام کیا۔ ۱۸۳۸ء میں انہوں نے لینڈ ہولڈرس سوسائٹی قائم کی۔ یہ سوسائٹی ہمارے ملک کے لوگوں کو سیاسی طور پر بیدار کرنے میں بہت ہی طاقتور ہتھیار بن گئی۔ دوارکا ناتھ ایک اچھے کاروباری تھے، ساتھ ہی وہ بہت اچھے مقرر بھی تھے۔ انہوں نے کلکتہ میں جنوری تا اپریل ۱۸۴۲ء میں کئی جگہوں پر تقریریں کیں۔ ان کی تقاریروں نے بنگالی نوجوانوں کے دلوں کو ایک نئے جذبے سے سرشار کیا اور اب وہ سب اپنے ملک کی بہتری اور ترقی کے لئے کوشاں رہنے لگے۔

دوارکا ناتھ رام موہن رائے کے ساتھی تھے اور ان کے نئے مذہبی عقیدے کے اچھے پیروکار تھے۔ ان کے بیٹے دیبندرا ناتھ کے دور میں ٹیگور خاندان کا مکان برہمو سماج اور ثقافت کا مرکز بن گیا۔ دیبندرا ناتھ ٹیگور نے روحانیت کی دنیا میں اپنا ایک مقام بنا لیا تھا۔ اس لئے انہیں لوگ احترام کے ساتھ مہارشی کہتے۔ راجہ رام موہن رائے کی موت کے بعد موثر سربراہی کی کمی کی وجہ سے برہمو سماج کی کارگزاریوں میں کچھ سستی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے دیبندرا ناتھ نے اس سماج میں ایک نئی روح پھونک دی۔ انہوں نے سماج کے ممبروں کے لئے ضابطۂ اخلاق مرتب کیا اور سماج کے اصولوں کو صحیح طور پر روا منع کرنے کے لئے برہمو دھرم لکھا۔ مذہب اور فلسفہ کا مطالعہ کرنا اور ان پر بحث و مباحثہ کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا لیکن وہ ملک کی سماجی اور سیاسی ضرورتوں سے ناآشنا نہیں تھے۔ جب سارا ملک انگریزی کی لہروں کے ساتھ بہنا شروع کیا تو اس وقت انہوں نے اپنی کشتی کو قدیم گھاٹ سے باندھے رکھا اور اس گھاٹ کو مضبوط بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی تاکہ ان کا ملک اپنے تاریخی ماضی سے رشتہ قائم رکھے۔ انہوں نے بہت سارے مضامین لکھے جن میں ان کے گہرے مذہبی اور ذہنی جذبے کی جھلک ملتی ہے۔

۱۹ویں صدی کے درمیانی عرصے میں نشاۃ ثانیہ کی وجہ سے نہ صرف مغربی بنگال میں بلکہ سارے ہندوستان میں لوگوں میں بیداری پیدا ہو گئی، اور لوگوں نے انگریز حکمرانوں کے خلاف کھلم کھلا احتجاج شروع کر دیا۔ انگریزوں کی حکومت کے نام نہاد 'بلیک ایکٹ' (کالا قانون) کے خلاف لوگوں نے جدوجہد کی نیز نمک ٹیکس کے خلاف پرزور احتجاج کیا۔ دیبندرا ناتھ نے ان معاملوں میں لوگوں کی رہنمائی کی۔ پھر ۱۸۵۰ء میں وہابی تحریک شروع ہوئی۔ پھر ۱۸۵۵-۵۶ء میں سنتھالیوں نے بغاوت کر دی۔ اس کے فوراً بعد ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی آزادی کیلئے پہلی جنگ چھڑ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ بنگال اور بہار کے

بہت سارے علاقوں میں نیل کے کاشتکاروں نے انگریز مالکوں کے خلاف جدوجہد شروع کردی۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے ۱۸۵۹ء میں ہندوستان کی حکومت کے نظام کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے برطانوی حکومت نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

اس عرصہ میں سماجی اور معاشی میدان میں بہت سارے اقدامات کئے گئے۔ ذات پات کے فرق کو مٹانے کے لئے ۱۸۵۰ء میں ایک ایکٹ پاس کیا گیا۔ بیوہ کی دوبارہ شادی کا ایکٹ ۱۸۵۶ء سے لاگو ہوگیا۔ اس قانون کے لئے ایشور چندر ودیا ساگر نے انتھک کوششیں کی تھیں۔ انہوں نے عورتوں کی تعلیم کے فروغ کے لئے بھی جی توڑ کوششیں کیں۔ ۱۸۴۹ء میں جان ڈرنک واٹر بیتھون نے کلکتہ میں لڑکیوں کا ایک اسکول قائم کیا۔ ۱۸۵۴ء میں ریلوں کے جاری ہوجانے سے آمدورفت کی سہولتیں فراہم ہوئیں اور لوگوں کو ثقافتی، سیاسی اور دیگر مقاصد کے لئے ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملا۔ کلکتہ اور بولپور کے درمیان ۱۸۵۹ء میں ریلوں کی آمدورفت شروع ہوگئی۔ ۱۸۵۷ء میں کلکتہ یونیورسٹی قائم کی گئی اور اس طرح طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کئے گئے۔ اس یونیورسٹی سے سب سے پہلے میٹرکولیشن کے امتحان پاس کرنے والوں میں رابندر ناتھ کے بڑے بھائی ستیندر ناتھ ٹیگور بھی تھے۔

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے، ۱۹ ویں صدی کے درمیانی عرصہ سے بنگال کی ادبی تاریخ میں ایک تخلیقی عرصہ کی شروعات ہوتی۔ یہ نہ صرف بنگال کی بیداری کا عرصہ تھا بلکہ یہ تو سارے ہندوستان کے لئے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔

بنگال کی نشاۃ ثانیہ کے عرصہ میں ہمیں سطحی طور پر مغربی تعلیم اور دیسی تعلیم یعنی سنسکرت اور عربی تعلیم میں نمایاں تصادم نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر شاعر مائیکل مدھوسودن دت نے پہلے تو انگریزی میں شعر و شاعری کی۔ لیکن بعد میں انہوں نے انگریزی کو خیرباد کہا اور بنگلہ میں نظمیں لکھنی شروع کیں۔ انکی نظموں اتنی اچھی اور بلند پایہ کی تھیں کہ لوگ انہیں نئے بنگال کے ملٹن شاعر کہتے۔ اسی طرح بنکم کے بنگلہ ناول اور افسانے اتنے مقبول عام ہوئے کہ مغربی ملکوں میں لوگ ان کے ترجمے پڑھنے لگے۔ اس عرصہ میں بنگلہ ادب اور ثقافت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ بچوں کے لئے ودیا ساگر کی پہلی بنگلہ کتاب "بورنو پوریچوئے" سب سے پہلے ۱۸۵۵ء میں شائع ہوتی۔ پیاری چند مترا کے بنگلہ ناول "آلالیر گھورير دُلال" (۱۸۵۷ء) کو معیار کے لحاظ سے بنگلہ ناولوں کی تاریخ میں پہلا مقام حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ بنگلہ ڈرامہ نویسی کے دور کا آغاز ہوا۔ یوگیندر اچندر گپتا کا "کرتی بیلاش" (۱۸۵۲ء) تاراچرن سکدر کا "بھدرارجن" (۱۸۵۲ء) رام نارائن تارک رتن کا "کولن کول سروا سور" (۱۸۴۵ء)، دینش چندر مترا کا "دورادیوا" (۱۸۵۶ء) اور دینابندھو مترا "نل درپن" ڈرامے کافی مشہور ہوتے۔ رنگلال بندوپادھیا نے اپنے کلام کا مجموعہ ۱۸۵۹ء میں شائع کیا۔ یہ مجموعہ مقبول عام ہوا۔ ان کی ایک نظم کا یہ مصرعہ "سوادھنتا بناتے کے بانچاتے چاے ہے" ہر محب وطن کا زبان زد ہوگیا۔ دوسری طرف اکشے کمار دت، ایشور چندر ودیا ساگر، دیبندر اناتھ ٹیگور، بھودیب مکھوپادھیہ اور دیگر مصنفوں نے اپنی تخلیقات سے بنگلہ نثر کو مالامال کیا۔ بنگلہ میں مقبول عام کتابوں کو شائع کرنے کے لئے ۱۸۵۱ء میں ورناکولر لٹریچر سوسائٹی قائم کی گئی۔ ۱۸۵۱ء میں اس نے ایک رسالہ شائع کیا۔ اس کا نام تھا "ویویدھارتھ سنگرہ" اور یہ بنگلہ کا سب سے پہلا مصور رسالہ تھا۔

۱۹۵۳ء میں کالی پرسنا سنہا نے ایک ادبی اور ثقافتی سوسائٹی بنام "وردت ساہانی سبھا" قائم کی۔ یہ سبھا اپنا رسالہ بھی شائع کرتی تھی۔ عورتوں کے لئے ایک ماہنامہ "مانک پتریکا" بھی ۱۸۵۴ء سے چار سال تک شائع ہوتا رہا۔ نیز رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے دو رسالے "ایڈوکیشن گزیٹ" (۱۸۵۶ء) اور "سوم پرکاش" (۱۸۵۸ء) سے شائع کئے جانے لگے۔ ۱۸۶۱ء میں مدھوسودن دت کا مجموعہ کلام "میگھناد بادھ کاویا" شائع ہوا۔ اس میں آزاد نظمیں بھی شامل تھیں۔

ست مرت انسانی زندگی پر ایک نئے زاویہ سے روشنی ڈالی۔ اسی سال یعنی ۱۸۶۲ء میں انکی بنگلہ تاریخی رزمیہ "کرشنا کماری" بھی شائع ہوئی۔ ۱۸۶۵ء میں بنکم چندر کے "درگیش نندنی" کی اشاعت کے بعد سے بنگلہ ادب کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نشاۃ ثانیہ کے دور میں بنگال کے شاعر اور ادیب انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی مادری زبان کو عزیز رکھا۔ نہ صرف زبان کو بلکہ نئے ادب کے موضوعات کو بھی عوام سے وابستہ کر دیا گیا۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ بنگال کے دیہاتوں میں جنہیں پس پردہ ڈال دیا گیا تھا، نئی زندگی کی لہر دوڑنے لگی۔ لوگ بیدار ہو گئے اور ادب، نظم، موسیقی اور گیت کے ذریعہ ایک قومی ادب، اور آرٹ کو فروغ دینے کی کوشش کرنے لگے۔

تو یہ تھا سماجی، سیاسی اور ادبی ماحول جب ۸ مئی ۱۸۶۱ء کو رابندرا ناتھ ٹیگور پیدا ہوئے۔ رابندرا ناتھ ٹیگور ایک ایسے زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی جہاں سے زمینداری کے آثار ختم ہو رہے تھے۔ ان کے والد دیبندرا ناتھ ٹیگور، جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، مہارشی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے روشن خیال تھے۔ ان کے گھرانے میں یہی جذبہ کارفرما تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں، ثقافتی، سماجی، مذہبی اور سیاسی — مکمل آزادی ہو۔ رابندرا ناتھ بہت حساس طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے پہلی بار "ہندو میلہ" کے نویں اجلاس میں اپنی نظم "ہندو میلا اوپہار" پڑھی جسے لوگوں نے کافی پسند کیا۔ اس وقت انکی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ یہ نظم حب الوطنی کے جذبات سے پُر تھی۔ پھر ۱۸۷۷ء میں انہوں نے "ہندو میلہ" کے ایک اور اجلاس میں ایک اور نظم پڑھی جس میں انہوں نے دلی دربار کی تنقید کی۔ اسی سلسلے میں ان کے ایک بہی خواہ نے ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا جو درج ذیل ہے:

ایک دن کلکتہ میں عظیم اور عمر رسیدہ ناول نگار بنکم کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ سب سے پہلے جلسے کے منتظمین کی طرف سے بنکم چندر کو پھولوں کا ہار پہنایا گیا۔ بنکم چندر نے فوراً اس ہار کو اپنے گلے سے اتار کر نوعمر رابندرا ناتھ ٹیگور کے گلے میں ڈال دیا۔ رابندرا ناتھ وہاں انکی کرسی کے پاس زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بنکم چندر کے اس فیاضانہ اقدام کی سبھوں نے تعریف کی۔ کہتے ہیں کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، جب بنکم چندر نے رابندرا ناتھ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا تو اسی سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔

رابندرا ناتھ ٹیگور ۱۹ ویں صدی کے بنگال کی نشاۃ ثانیہ کے دور کی شخصیت تھے۔ روشن خیال اور معقول مغربی اقدار سے اچھی طرح روشناس ہونے کے باوجود ٹیگور کی بنیاد اس سرزمین میں مستحکم ہو گئی جہاں انہوں نے جنم لیا۔ فنکارانہ تخلیق ہی ان کی زندگی کا مقصد اور نصب العین تھا۔ شروع شروع میں انہوں نے پرارتھنا کے گیت لکھے۔ ان گیتوں میں نہ صرف پرخلوص روحانی باتیں نظر آتی ہیں بلکہ پرارتھنا کی ان تمام خوبصورت لفظوں میں صحیح معنوں میں سماجی بیداری کا جذبہ کارفرما تھا۔ انہوں نے اپنی نجات کے لئے کبھی بھی دعا نہیں کی بلکہ اپنے دل کی گہرائی سے اپنی نظموں کے ذریعہ اپنے بدنصیب ہم وطنوں کی بہتری کیلئے دعا مانگی۔ اپنے ہم وطنوں کی مصیبتوں اور پسماندگی نے شاعر پر بہت ہی گہرا اثر کیا۔ اپنی ایک نظم میں وہ یوں دعاگو ہیں:

اے میرے معبود، تجھ سے میری یہ التجا ہے،
میرے دل کی انتہائی غربت کی بنیاد پر ضرب کاری لگا
مجھے طاقت دے کہ میں دکھ سکھ کو ہنسی خوشی برداشت کر سکوں
مجھے طاقت دے کہ میں خدمتِ خلق کے لئے اپنی محبت کو
بارآور بنا سکوں
مجھے طاقت دے کہ میں کبھی بھی غریبوں کو اپنا کہنے سے انکار
نہ کر سکوں
اور غنڈی اقتدار اور طاقت کے سامنے نہ جھک سکوں

شاعر اپنے وطن ہندوستان کو عالمی ثقافت کی آماجگاہ تصور کرتے ہیں۔ ان کا خواب ایک ایسی دنیا کا تھا جہاں سب لوگ ایک ہو کر رہ سکیں اور جہاں ذات پات کی تمیز نہ ہو۔ انہوں

نے اپنی ایک نظم "سونار بنگلہ" میں عوام کو ابھارا کہ وہ غلامی کی زنجیروں اور پرانے گھسے پٹے اور فرسودہ رسم و رواج کی بندشوں سے خود کو آزاد کریں۔ انہوں نے اپنی نظم "بلاکا" میں عوام کو بے خوف و خطر آگے بڑھنے کا پیغام دیا۔ بنی نوع انسان کے لئے انکی محبت اور اپنے ارد گرد کی تمام چیزوں کے لئے انکی ہمدردی نے انکی نظموں کو بہت حساس بنا دیا اور لوگوں پر ان کا اچھا اثر پڑا

رابندرا ناتھ ٹیگور ۱۸۷۹ء میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ پہلی بار انگلینڈ گئے۔ انہوں نے انگریزوں کی زندگی اور سماج سے خود کو روشناس کرایا۔ اس کے بعد انہوں نے دنیا کے بہت سارے ملکوں کی سیر کی۔ لندن بھی کتنی بار گئے۔ ۱۹۱۲ء میں جب وہ وہاں اپنے دوست اور شیدائی سی۔ ایف۔ اینڈ روز کے یہاں ٹھہرے تو انہوں نے اپنے دوست کو اپنی زندگی کی کہانی سنائی۔ انہوں نے بتایا کہ قدیم بنگالی شاعروں جیسے چنڈی داس اور ودیاپت کے کلام کا مطالعہ کرنے سے ان میں ادبی بیداری اجاگر ہوئی اس وقت ان کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ وہ مذکورہ بالا شاعروں کی چھپی ہوئی نظموں کا غائر مطالعہ کیا کرتے اور ان کی رعنائیوں سے محظوظ ہوتے۔ نوجوانی کا عالم تھا۔ انہیں ان نظموں کے طرز پر بھانو سنہا کے نام سے انہوں نے چند نظمیں لکھیں۔ اپنے بچپن کی یہ باتیں بتا کر وہ بہت ہنستے۔ انہوں نے اس طرح کی بہت ساری تقلیدی اور روایتی نظمیں لکھیں۔ ان کی یہ نظمیں پرانی کلاسیکی طرز کی تھیں لیکن جب انہوں نے اپنی نظموں کا مجموعہ "سندھیا سنگیت" (شام کے گیت) شائع کرایا تو ان گیتوں میں ہمیں کہیں بھی کلاسیکی طرز کی خوبو نہیں ملتی بلکہ ان گیتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رومانی شاعر بن چکے ہیں۔ اس مجموعۂ کلام پر ان کے زمانہ کے بزرگ شاعروں نے بحث و مباحثہ کیا اور ان کے نئے بحروں کے لئے ان کی کڑی تنقید کی۔ لیکن اس وقت نوجوان شاعروں اور ادیبوں نے رابندرا ناتھ کا ساتھ دیا۔ انہوں نے انگریزی نظموں کا نمونہ پیش نہیں کیا بلکہ ویشنو ادب نے ان کے خیالات کے ارتقاء کو جلا بخشی۔

رابندرا ناتھ ٹیگور سے جب پوچھا گیا کہ کب ان کے دل میں نظمیں لکھنے کا اور ترنم سے پڑھنے کا خیال پیدا ہوا تو اس کے جواب میں انہوں نے اپنے بچپن کی ایک بات بتائی۔ فری اسکول لین، کلکتہ میں ان کے ایک بڑے بھائی کا مکان تھا۔ انہوں نے بتایا "اس گھر میں ایک صبح کو میں آفتاب کے طلوع ہونے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ یکا یک میری آنکھوں کے سامنے سے ایک ایک پردہ ہٹ گیا، اور اب ہر چیز روشن اور منور ہو گئی۔ بہت ہی مترنم سروں کی موسیقی سارے منظر میں پھیل گئی۔ سڑک پر واقع مکانات، راستہ میں آمد و رفت کرتے ہوئے لوگ، بچے کھیلتے ہوئے چھوٹے بچے، ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ سب ایک روشن، ایک شاندار کل کے جزو ہیں۔ سات آٹھ دنوں تک میں یہ منظر دیکھتا رہا۔ ہر روز مجھے ایسا دکھائی دیتا کہ وہ لوگ بھی، جو مجھے تنگ کیا کرتے، اپنی شخصیت کے ظاہری لبادے کو اتار پھینکتے اور میرا دل خوشیوں سے لبریز ہو جاتا اور اس وقت ہر شخص کے لئے، ہر چھوٹی چھوٹی چیز کے لئے بھی میرے دل میں محبت کی لہریں بل کھاتی رہتیں۔ اس صبح فری اسکول لین کے مکان میں جو منظر میں نے دیکھا اس نے میری اندرونی بینائی کو تیز کر دی، اور ان باتوں کو میں نے اپنی نظموں میں ظاہر کرنے کی کوششیں کیں۔ اس کے بعد سے میں یہ محسوس کرنے لگا کہ میری زندگی کا مقصد یہی ہے۔ اگر میری نظروں سے یہ پردہ ہٹ جائے تو میں زندگی کے ہمہ گیر پہلوؤں کو اور اس کے حسن کو اجاگر کروں۔"

رابندرا ناتھ کے والد دیبندرا ناتھ ٹیگور نے اپنے بیٹے کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے انہیں کلکتہ سے باہر دریائے گنگا کے کنارے آباد سیالدہ میں اپنی زمینداری کی دیکھ بھال کے کام کے لئے بھیج دیا۔ یہاں انہیں بنگال کی دیہی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں انہیں کسانوں، مزدوروں اور پسماندہ لوگوں سے روزمرہ کے کام کاج کے سلسلے میں ملنے اور بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ اس طرح زمیندار ہونے کے باوجود انہوں نے غریب دیہی باشندوں سے ایک اٹوٹ رشتہ قائم کر لیا تھا۔ وہ

ان کے دکھ درد کی باتیں سننے اور انہیں دور کرنے کی کوششیں کرتے۔ اس کے ساتھ وہ اس دیہی ماحول میں قدرتی مناظر سے بھی فیض یاب ہوتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دیہی ماحول اور دیہی قدرتی مناظر ٹیگور کے ذہنی ارتقار کے سرچشمے تھے تو غلط نہ ہوگا۔ قدرتی مناظر اور دیہی لوگوں سے تعلقات نہ صرف نظم اور گیت لکھنے میں بلکہ بہت ساری کہانیاں لکھنے میں ایسی کہانیاں جن کی اس سے قبل بنگلہ نثر میں مثال نہیں ملتی، معاون ثابت ہوئے۔ اس سلسلہ میں رابندرا ناتھ یوں رقمطراز ہیں — "مجھے کبھی کبھی مہینوں اکیلا چاپ کشتی میں دن گزارنے پڑتے۔ لیکن اس وقت میں اپنی کشتی میں بیٹھا دیہی زندگی کی کہانیاں لکھتا۔ یعنی ایسی زندگی کی جس سے مجھے اپنے کام کاج کے دوران دو چار ہونا پڑا۔ کبھی کبھی میں دیہاتوں میں رونما ہونے والے واقعات کو اور دیہی لوگوں کی بات چیت کو، جو میں سنتا، تحریری شکل میں ظاہر کر دیتا، یہی میری مختصر کہانی کا مرحلہ تھا۔ بعض لوگ میری ان کہانیوں کو میری نظموں سے زیادہ پسند کرتے۔"

انکی مختصر کہانیوں میں انوکھے پیرائے میں دیہی لوگوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا۔ جیسے باغی لڑکی، جس کا چہرہ لڑکے کی طرح تھا اور جو سن بلوغت کو پہونچ رہی تھی، دیہی پوسٹ ماسٹر کی تنہائی، شرمیلا لڑکا، جھکی استاد، مالدار زمیندار گھرانے کی بیوہ، جسے کوئی پسند نہیں کرتا وغیرہ۔

شیلدہ میں انہیں بہت دنوں تک رہنا پڑا۔ اس دوران انہوں نے وہاں لوگوں میں حب الوطنی کے جذبے کو اجاگر کرنا شروع کیا۔ اس وقت قومی تحریک ٹھوس شکل میں نمودار نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے دیہی زندگی میں جو باتیں دیکھیں، ان سے انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ بہت ہی جلد لوگ اپنے ملک کی قسمت بدل دیں گے۔ مغرب کی نئی سماجی طاقتوں سے یہاں کے لوگوں کو جو خدشہ لاحق ہوگیا ہے اس سے وہ بخوبی واقف تھے لیکن اس کے باوجود انہیں اس بات پر یقین کامل تھا کہ نئی زندگی جو ابھرے گی اس کی بنیاد بہت مضبوط ہو چکی ہے۔ بنگال کے دیہی علاقوں کے لوگوں کی سادگی، صبر و تحمل، رحمدلی اور ہمدردی سے، ان کے کہنے کے مطابق، انہوں نے بہت سارے سبق حاصل کئے۔ انہوں نے ان تمام باتوں کو اپنی کہانیوں میں، افسانوں اور مضامین میں اجاگر کیا۔

انہوں نے خود کو اپنے وطن کے لئے، وطن کے لوگوں کی زندگی میں بہتری لانے کے لئے وقف کر دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے تعلیم کی طرف بھی بہت زور دیا۔ انہوں نے تعلیم کی یوں تعریف کی کہ تعلیم تخیل، جذبہ اور صلاحیت کے اظہار کا امتزاج اور تصور، احساس، حسن اور نیک خواہشات کی مظہر ہے۔ ان کے خیال میں ایسی تعلیم کے لئے پہلی شرط آزاد ماحول ہے اور ایسا ماحول قدرتی ماحول ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے انہوں نے سب سے پہلے بچوں کی تعلیم کیلئے قدیم ہندوستانی آشرمی تعلیم اور سیدھی سادی زندگی کو اہمیت دی۔ اس بات کے پیش نظر انہوں نے شانتی نکیتن میں ایک اسکول قائم کیا اور وہاں قدرتی ماحول میں بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا۔ اس اسکول کے اخراجات پورے کرنے کے لئے انہیں شدید مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنی بیوی کے زیورات فروخت کر دئے۔ اپنی کتابیں اور اپنی کتابوں کے حقوق کو بھی فروخت کر دیا۔ ان کی کاوشیں پیہم ثمر آور ثابت ہوئی اور یہی اسکول اب وشوبھارتی یونیورسٹی میں تبدیل ہو چکا ہے۔

رابندرا ناتھ ٹیگور جیسی شخصیت کی وسعت اور رفعت کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ان کی نظمیں، گیت، مضامین، کہانیاں، ناول، ڈرامے اور انکی مصوری، یہ سب ان کے خیالات کے اہم ستون ہیں — اور حسن اور سچائی کی بابت ان کے تصورات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ۱۳ نومبر ۱۹۱۳ء کو رابندرا کو ان کی نظموں کی کتاب "گیتانجلی" پر نوبل پرائز ملا۔ اگر ہم غور کریں تو ہم رابندرا ناتھ کو ایک الگ انفرادیت کے حامل پائیں گے۔ ان کی زندگی تعمیر کلی کی شاندار مثال ہے۔ رابندرا ناتھ مکمل طور پر ادیب اور شاعر تھے لیکن انہوں نے اپنے وقت کی سیاسی تحریکوں میں، حالات نے جب بھی تقاضا کیا، حصہ لیا۔ اپنے مضمون "تہذیب میں بحران" میں انہوں نے سامراجی قوتوں کی ہوس اور ننگی بربریت اور دوسری قوموں کو محکوم بنانے کی کوششوں

کی مذمت کی ۔ "کالنتر" میں انہوں نے بنی نوع انسان کی اہانت کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے غریب اور مشکلات سے گھرے لوگوں کی مدد کرنے کے لئے اپنے طور پر بھرپور کوششیں کیں۔ انہوں نے مشرقی بنگال (بنگلہ دیش) میں واقع اپنی زمینداری میں ایک دیہی کوآپریٹو بنک قائم کیا اور نوبل پرائز کے تحت انہیں جو رقم ملی تھی اسے انہوں نے اس بنک میں بطور سرمایہ لگا دیا تاکہ وہاں سے کسان، مزدور، اور دیہی باشندوں کو آسان شرائط پر قرض ملے۔ کسان، مزدور، ملاح اور بنکر نہ صرف ان کی فنکارانہ تخلیقات کے کردار تھے بلکہ یہی لوگ ایک نئی تہذیب ہیں، جہاں کسی قسم کا استحصال نہ ہوگا۔ نیز انہوں نے اپنی بہت ساری نظموں، پوربی "(۱۹۲۵ء)" اور "مہوا" (۱۹۲۹ء) میں انہوں نے اپنے ارد گرد کی تمام چیزوں کے لئے اپنی محبت کے شدید جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ زندگی کو بائمر بنانے کا پیغام دیا۔ ان نظموں میں اس بات کی وضاحت کی کہ زندگی جینے کے قابل ہے۔

رابندرانات ٹیگور عالمگیر محبت اور اتحاد کے حامی تھے۔ اپنی ایک نظم میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

تو نے ان دوستوں سے مجھے روشناس کرایا جنہیں میں
جانتا نہیں،
تو نے مجھے ان مکانوں میں جگہ دی جو میرے نہیں ہیں،
تو نے دوری کو قریب کر دیا اور اجنبی کو میرا بھائی بنا دیا

یہی ٹیگور کا فلسفہ ہے جو انسانی اخوت کو تسلیم کرتا ہے۔ شاعری میں انہوں نے ہمیشہ نئی نئی باتوں کا اظہار کیا۔ انہوں نے نئے نئے خیالات اور تصورات سے تجربہ کیا اور اپنے پرانے تصورات کو تقویت پہونچانے کے لئے نئے خیالات کی عکاسی کی۔ یہ رابندرانات کی ذات تھی جس نے مغرب اور مشرق کو سمجھ بوجھ اور بھائی چارگی کے ایک پلیٹ فارم پر لا کر کھڑا کر دیا۔ جب ساری دنیا میں تفریق اور عصبیت پھیلی ہوئی تھی تو اس وقت ساری انسانیت کے لئے ان کی ذات مشعلِ راہ ثابت ہوئی اور انہوں نے ہر جگہ امن و خیر سگالی کا پیغام پہونچایا۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رابندرانات ٹیگور نشاۃ ثانیہ کے دور کی عظیم ہستی تھے جنہوں نے ہمیں نئے انسان کی آمد کا پیغام بھی دیا:

وہ عظیم ہستی آئے گی، جو دھرتی کی دھول کو لرزا دے گی،
آسمان میں نقارے بج رہے ہیں
انسان کی دنیا میں فتح کے ڈھول بجائے جا رہے ہیں،
اس عظیم ہستی کی پیدائش کی گھڑی آن پہونچی ہے

آخرکار اس نئے انسان کی آمد کی امید سے شاعر کو سکون حاصل ہوا۔

لوٹ جا

مجھے معلوم نہیں عبادت کسے کہتے ہیں
اس لئے تو تیرے در کی خاک پر بیٹھا صرف آنسو بہاتا رہا ہوں!
میں ناسمجھ تھا، اور جس طرح میرے دل وہاں چیخ و پکار
کر چلا آیا

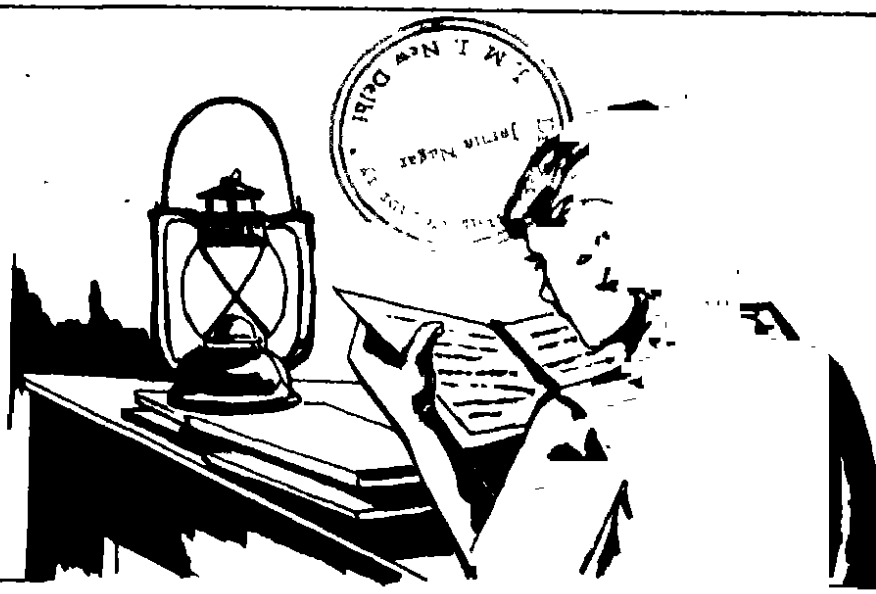
میں تاریکی میں تجھسے نہیں ڈرا!
لیکن یہ عارف تیرے مجھے سخت طعنہ دیتے ہیں
کہتے ہیں تو یہاں آنے کی صحیح راہ سے نہیں آیا،
لوٹ جا"

میرے لوٹنے کا راستہ تو نے بند کر رکھا ہے
تو نے مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑ رکھا ہے
اور خواہ مخواہ چیخ رہے ہیں "لوٹ جا لوٹ جا"

رابندرانات ٹیگور (گیت بتاشیکا)

ٹیگور
اور ان کا نظریۂ تعلیم

از - قاضی غلام غوث صدیقی



اگر یہ کہا جائے کہ رابندرا ناتھ ٹیگور نے زندگی بھر تعلیمی مسائل کی تحقیق کا کام کیا، تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔ انہوں نے تعلیم کے سلسلے میں بہت سارے مقالے اور مضامین لکھے۔ تقریریں کیں۔ ان کی تحقیق کے نتائج ثمرآور ثابت ہوئے اور اپنی عملی زندگی میں انہوں نے ان نتائج کو اپنایا۔ شیلائی دوہو، پاتی راسس، پروجیتی میں زمین داری کی ذمہ داریاں انہیں سونپی گئی تھیں۔ اپنی زمینداری کے علاقوں میں ٹیگور کو قدرتی ماحول میں سیدھے سادے دیہی لوگوں کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ اس ماحول نے ان کے تعلیمی اختبار کو جلا بخشی۔ رابندرا ٹیگور کوی۔ رشی تھے، ساتھ ہی بہت ہی اچھے معلم بھی تھے۔ انہوں نے قدیم زمانہ کے نظام تعلیم کو کافی اہمیت دی کیوں کہ ماحول ہی سب سے بڑا استاد ہوتا ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر رابندرا ناتھ ٹیگور نے شانتی نکیتن میں ایک برہمچاری آشرم میں ایک اسکول قائم کیا۔

شروع ہی سے رابندرا ناتھ ٹیگور کے تعلیمی خیالات میں انگریزوں کی DOWNWARD FILTERATION THEORY (یعنی پہلے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو تعلیم دی جائے۔ پھر یہ طبقہ نچلے طبقہ کے لوگوں کو تعلیم دے) کو کوئی جگہ حاصل نہ تھی۔ ان کے خیال میں تعلیم سبھوں کے لئے عام ہونی چاہئے نیز ان کے تعلیمی امور میں مقصد اور نشانہ کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ سب سے پہلے ہمیں یہ نشانہ مقرر کرنا ہوگا کہ ہم لوگ کب سیکھیں گے اور کیوں سیکھیں گے۔ اگر اس نشانہ کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو ہمیں تعلیم کے میدان میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ان کا یہ منطق بہت ہی سوچ وچار کا مظہر تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دور میں ظالم انگریزوں نے تعلیمی نظام میں PIPE LINE THEORY رائج کیا تھا، یعنی ان لوگوں نے تعلیم کو ایک مٹھائی بنا دیا تھا۔ اساتذہ یہ مٹھائیاں طلبا کو کھلاتے اور وہ انہیں نگل جاتے۔ طلبا کے سامنے تعلیم کے مقصد کو اجاگر نہیں کیا جاتا۔ اس نصب العین کو نہ ابھارنے کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اس وقت انگریز حکمرانوں کو اس بات سے دلچسپی نہ تھی کہ تعلیم کے ذریعہ ہندستانیوں کی روحانی، ذہنی اور دماغی ترقی ہو۔ ان کا مقصد تو صرف کلرک تیار کرنا تھا۔ رابندرا ناتھ کو اس ابھرتے ہوئے رجحان سے کافی صدمہ پہونچا۔ انہوں نے اپنے مضمون "تعلم اور اس کے

مقاصد" میں یوں لکھا ۔" جب ہم اس طرح کی باتیں سنتے ہیں کہ ہم لوگ کیا سیکھیں گے، کیسے سیکھیں گے اور تعلیم کا واسطہ کیا ہوگا اور کہاں اور کیسے اسے روبہ عمل لایا جائے گا تو اس وقت مجھے یہ بات یاد آتی ہے کہ تعلیم زندگی سے کچھ کم وابستہ نہیں ہے۔ یہ تو زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ یہ مصنوعی چیز نہیں ہے۔ ہم لوگ کیا سیکھیں گے۔ مستقبل میں ہم لوگ کیا بنیں گے۔ یہ دونوں باتیں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ برتن جتنا بڑا ہوتا ہے۔ پانی اس میں اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔"

اس وقت کی تعلیمی نظام کی سخت تنقید کرتے ہوئے طلبا اور ہندستانیوں کو ہشیار کرتے ہوئے انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب میں یوں لکھا۔" تم کلرک سے بڑے ہو، ڈپٹی منصف سے بڑے ہو۔ آج جو تعلیم تم حاصل کر رہے ہو اس سے تم سے کولہو کے بیل کا کام لیا جائے گا۔ تم کسی طرح ایک اسکول ماسٹر بن جاؤ گے۔ بڑھاپے میں پنشن ملے گا اور اس کے بعد تمہارے جسد خاکی کی راکھ مٹی میں مل کر مٹی بن جائے گی۔ تعلیم اس سے کہیں افضل ہے۔ سبھوں کے دلوں میں یہ باتیں اجاگر کرنی ہوں گی۔ ان باتوں کو ہمیشہ دن رات یاد رکھنا ہوگا۔ ان باتوں کو نہ سمجھنا جہالت ہے اور یہ سب سے بڑی جہالت ہے۔ ایسی باتیں ہمارا سماج ہمیں نہیں سکھاتا۔ ہماری درسگاہوں میں بھی ایسی تعلیم نہیں دی جاتی۔"

اس کے باوجود اس دور میں ایسی بے مقصد تعلیم عام تھی اور آج بھی جاری ہے۔ جس تعلیم سے تخیل کی ارتقا نہیں ہوتی، جس تعلیم سے طلبا میں تخلیقی قوت بیدار نہیں ہوتی، وہ تعلیم طلبا کو گونگا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ شاعر اس تعلیم کے خلاف تھے جو زبانی یاد کر کے امتحان میں کامیابی کا لائسنس دیتی ہے۔ امتحان کی کاپیوں میں زبانی تعلیم کا اظہار شاعر رابندرا ناتھ کے خیال میں "غیر معافی گناہ" ہے۔ اس کے خلاف انہوں نے جدوجہد شروع کر دی اور اپنے مضمون "تعلیم کی سیڑھی" میں انہوں نے سخت الفاظ میں تنقید کرتے ہوئے کہا:

"...... زبانی یاد کر کے پاس کرنا چوری کرنے کے برابر ہے۔ جو لڑکا امتحان کے مرکز میں چوری چھپے کتاب لے جاتا ہے تو اسے امتحان کے مرکز سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا کتابوں کو اس سے زیادہ چوری چھپے طریقے سے لے جاتا ہے یعنی وہ کتاب کو چادر میں نہ چھپا کر دماغ میں چھپا کر لے جاتا ہے کیا اس کا یہ طریقہ کچھ کم اہمیت کا حامل ہے؟ سماجی اصلاحات کے قانون کے مطابق لوگوں کی یادداشت کی کھوپڑی یعنی مغز کو اس نظام میں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ جو لڑکے کتابوں کو زبانی یاد کر کے امتحان پاس کرتے ہیں، وہ عظیم رہزنی کرتے ہیں۔ پھر بھی تعلیمی انعام انہیں ہی ملتا ہے۔"

یہ تو تھیں تعلیم اور تعلیم کے مقاصد کی باتیں۔ اب آئیے دیکھیں کہ تعلیم کی زبان کے سلسلہ میں رابندرا ناتھ ٹیگور کے کیا خیالات ہیں۔

تعلیم کے واسطہ کی زبان کے سلسلے میں رابندرا ناتھ کا ایک بہترین فقرہ یہ ہے "مادری زبان ماں کا دودھ ہے"۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شاعر اعظم کی یہی خواہش تھی کہ ساری تعلیم مادری زبان میں دی جانی چاہئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے بہت سارے مضامین میں اس بات کی تشریح کرنے کی کوششیں کی ہیں کہ مادری زبان کے بغیر سبھوں کے لئے تعلیم عام نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدائش کے بعد سے بچہ اپنے ماحول میں اپنی ماں کی زبان میں باتیں کرنی شروع کرتا ہے۔ اسی زبان میں وہ ابتدائی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اسی زبان میں وہ سوچنا شروع کرتا ہے اور اسی زبان میں وہ بڑی آسانی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے لیکن اگر بچہ کو اسکی مادری زبان کے علاوہ دیگر زبان کی تعلیم دی جائے تو اس زبان کے سیکھنے میں اسے کافی محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے نیز اس زبان میں بولنے میں بھی اسے تکلیف ہوتی ہے۔ ان باتوں کو رابندرا ناتھ کے نہ کہنے پر بھی سمجھنے میں مشکل ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ رابندرا ناتھ نے شروع سے ہی انگریزی کی تعلیم کی مخالفت کی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ مادری زبان میں کافی عبور حاصل کر لینے کے بعد انگریزی یا بدیسی زبان سیکھنی چاہئے کیوں کہ اس وقت بدیسی زبان سیکھنے میں آسانی ہوگی۔ اس لئے اس وقت انگریزی یا

دیگر بدیسی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنی ہوگی۔ خاص طور پر تعلیم ادب اور سائنس کے میدان میں ساری دنیا میں کام کرنے کیلئے انگریزی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ رابندر ناتھ کا یہ نظریہ تھا کہ صرف تعلیم ہی کے ذریعہ بین الاقوامی یکجہتی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ابتدائی تعلیم بچوں کو ان کی مادری زبان میں دی جانی چاہئے۔ اگر بچپن میں بچوں کو بدیسی زبان سکھائی جائے تو اس سے ان کی زندگی دو بھر ہو جاتی ہے۔ جس زبان کو سیکھنے کیلئے بچوں کو بہت محنت کرنی پڑتی ہے، جس زبان میں لکھی باتوں سے بچے آشنا نہیں ہوتے، یہاں تک جو موضوع ان کے تصور سے باہر ہوتا ہے ان کی بابت معلومات حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے تو اس زبان کو سیکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اس کی تعلیم سے بچہ کو بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ کاندھے پر لاد دینے سے تعلیم سود مند نہیں ہوتی۔ رابندر ناتھ نے یہ باتیں بار بار کہیں۔ مضمون "تعلیم کا اجتماع" میں انہوں نے تعلیم کے سلسلے میں اپنے بچپن کے واقعات کو بہت ہی خوبصورت طریقہ سے پیش کیا ہے۔

"بنگلہ زبان کی دُھائی دے کر جس تعلیمی بحث و مباحثہ کو بار بار میں عوام کے سامنے لا رہا ہوں، اس کے پس پردہ میرا ذاتی تجربہ ہے اور وہ بھی میرے بچپن کا" تعجب کی بات یہ ہے کہ اس وقت خاص بنگلہ زبان میں تعلیم دینے کا ایک سرکاری انتظام بھی تھا۔ اس وقت جن اسکولوں کے راستے سے کلکتہ یونیورسٹی میں داخلہ ہوتا تھا، وہاں بچوں کو خاص طور پر انگریزی میں تعلیم دی جاتی اور ان اسکولوں کے طلباء جب وہ تعلیم مکمل کر لیتے تو انہیں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز کر دیا جاتا۔ دوسری طرف کثیر تعداد میں بچے مادری زبان یعنی بنگلہ میں مختلف اسکولوں میں تعلیم حاصل کیا کرتے۔ مادری زبان میں تعلیم کلاس IV تک دی جاتی۔ بنگلہ نارمل اسکول میں بنگلہ میں تعلیم دی جاتی، اس لئے امراء اور اونچے طبقہ کے لوگ اس اسکول سے دور رہا کئے، کیوں کہ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ طلباء پڑھ لکھ کر اپنے اسکولوں کے پنڈت بن جائیں۔ میرے سرپرست نے مجھے اس نارمل اسکول میں داخل کیا۔ یہاں میں نے بنگلہ زبان سیکھی۔ نیز جغرافیہ، تاریخ، علم ریاضی، سماجی سائنس

اور بنگلہ زبان اور ادب کے قواعد کو بنگلہ میں سمجھنے کی کوشش کی۔ اس زمانہ میں اس اسکول کا تعلیمی معیار کافی بلند تھا اور کسی بھی حالت میں میٹرک سے کم نہ تھا۔ میں نے بارہ سال کی عمر تک اس اسکول میں بنگلہ میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مجھے کلکتہ کے انگریزی اسکول سینٹ زیویرز اسکول میں داخل کر دیا گیا لیکن یہاں کا نامانوس اور اجنبی ماحول مجھے پسند نہ آیا اور اس طرح میں نے اس اسکول کو خیر باد کہا۔

شاعر کی مذکورہ بالا باتوں سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ ٹھاکر باڑی جیسے ترقی یافتہ اور مہذب خاندان کے سرپرستوں نے بھی انگریزی تعلیم کو لازمی نہ سمجھا۔ انہوں نے مادری زبان یعنی بنگلہ زبان میں تعلیم کو ترجیح دی، کیوں کہ ہم اپنی مادری زبان میں اپنے خیالات کا اظہار بہتر طور پر کر سکتے ہیں اور اس طرح اپنے دل کی باتیں آسانی اور روانی سے کہہ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں شاعر اعظم اپنے مضمون "تعلیم کا اجتماع" میں یوں رقمطراز ہیں:

"جو بھی ہو، قسمت اچھی تھی کہ نارمل اسکول میں میرا داخلہ ہو گیا۔ اس لئے مجھے بچپن ہی سے تعلیم حاصل کرنے اور کشتی لڑنے کو ایک کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ راستہ تیار کر کے مجھے اس راستہ پر چلنا نہ پڑا۔ اپنی مادری زبان میں اپنے خیالات کو اجاگر کرنے سجانے اور سنوارنے کی خوشی مجھے شروع ہی سے ملی۔ یہ حقیقت مجھ پر عیاں ہو گئی کہ اگر میں اپنی مادری زبان میں کچھ لکھ سکوں، تو میں انگریزی زبان میں آسانی سے لکھ سکتا ہوں۔"

ٹھاکر باڑی میں رہنے والے تمام لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کی ذمہ داری ایک شخص پر عائد تھی۔ آج کل کی طرح وہاں بچے اپنے والدین کی مرضی کے مطابق تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ وضاحت کے ساتھ یوں کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں تعلیم کے معاملہ میں طلباء کی مرضی کو دخل نہیں ہے۔ سماج میں کس قسم کی تعلیم کے ذریعہ اچھا روزگار مل سکتا ہے۔ والدین اس بات سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے بچوں کو شروع ہی سے اس قسم کی تعلیم دینے کا انتظام کرتے ہیں اور بچے اپنے والدین کی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی صلاحیت

کو فراموش کر دیتے ہیں۔ جس تعلیم سے ان کے دل میں خوشی کی لہر نہیں اٹھتی، جس تعلیم سے انہیں ناخوشی حاصل ہوتی ہے، وہی تعلیم بچوں کو حاصل کرنی پڑتی ہے۔ نتیجہ میں ان بیچارے بچوں کو صرف یادداشت کی بنیاد پر امتحانات میں فرسٹ کلاس، سیکنڈ کلاس لانا پڑتا ہے۔ انہیں امتحانات میں کامیابی کے لئے جی توڑ محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس طرح ان کی ذاتی صلاحیت دب کر رہ جاتی ہے۔
شاعرِ اعظم کے تیسرے بڑے بھائی تعلیم کے معاملے میں بہت ہی دور اندیش تھے۔ ان کا اصول یہ تھا کہ پہلے مادری زبان سیکھو، اس میں مہارت حاصل کرو، اس کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف بڑھو، اس اصول پر ٹھاکر باڑی کے سبھی لوگ کاربند رہے۔ رابندرا ناتھ ٹیگور کی کتاب "چھیلے بیلا" (بچپن) میں یہ بات دیکھی جاتی ہے۔
"اس وقت انگریزی الفاظ کے ہجے اور معنی زبانی یاد کرنے کا خوف مجھ پر شام کو لاحق نہیں ہوتا۔ میرے تیسرے بھائی فرمایا کرتے "پہلے بنگلہ زبان کی بنیاد چاہئیے، اس کے بعد انگریزی تعلیم کی شروعات، میرے ہمعصر طلباء انگریزی الفاظ زبانی رٹ رٹ کر یاد کر لیا کرتے۔ I am up میں اوپر ہوں، He is down وہ نیچے ہے، B-A-D ، H-A-D لیکن میں یہ تعلیم حاصل نہ کر سکا۔

رابندرا ناتھ "اوپنیشد" کے پیروکار تھے۔ وہ کوی۔رشی تھے۔ اس لئے ان کے تعلیمی طریقہ کار اور تعلیمی ماحول میں "آشرم" کو بڑا دخل تھا۔ انہوں نے اپنے شانتی نکیتن میں تعلیم کے سلسلے میں آشرم کی طرح درختوں کے نیچے یعنی قدرت کی گود میں تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن یہاں طلباء آشرم کے جگ کی طرح درختوں کے چھلکے کی پوشاک نہیں پہنتے، گھنے جنگل میں درختوں کے جھنڈ تلے تنہا گیان میں نہیں بیٹھتے، نہ دریا کے کنارے مویشی چرانے نہیں جاتے، گرودیو کے گھر بلو کام کاج میں خود کو مشغول نہیں رکھتے، صبح کو غسل کر کے بن کے پھول توڑ کر ہانڈی میں نہیں رکھتے یا خام سامفند کی کتاب کھول کر سر ہلا ہلا کر مذہبی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے۔ گرچہ شانتی نکیتن کے پہلے دور میں تعلیم صرف براہمو اور برہمنوں کے درمیان محدود تھی اور وہاں تعلیم خود بیداری اور مذہبی کتابوں تک محدود تھی۔ تری پورا کے راجکمار شری بیرو جیندرا کشور دیب ورمانکو کو اپنے آشرم کی بابت ایک خط میں شاعر اعظم نے یوں لکھا "میں ہندوستان کی آشرمی تعلیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے طلباء کی تعلیم کا خیال رکھتا ہوں اور اس سلسلے میں انکی پرورش کرنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کو غیر ملکی اثرات سے محفوظ رکھ کر ہندوستان کے مقدس تعلیمی اصولوں سے انہیں آراستہ کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد سے انہوں نے شانتی نکیتن اسکول سبھوں کے لئے کھول دیا، کیوں کہ وہ طلباء کے خیالات کو ایک دائرہ میں محدود رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ طلباء میں بین الاقوامی بیداری اجاگر ہو۔ بہت دنوں تک شانتی نکیتن میں اسکول کی امتحان دے کر پاس کرنے کا نظام رائج نہ تھا۔ آشرم کے اصول کے مطابق "جماعتی تعلیم" شروع کی گئی تھی۔ آج کے دن امریکہ میں بہت سارے ماہرین تعلیم نے اس طریقہ کار کی اہمیت کو تسلیم کر لیا اور کلاس روم میں تعلیم کے اس نظام کو رائج کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ جماعتی تعلیم سے مراد وہ نظامِ تعلیم ہے جس میں طلباء کی لیاقت کو ابھارنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ اگر ایک لڑکا تیسری جماعت میں ہے اور اس کی اردو کافی اچھی ہے تو وہ کلاس IV کے بچوں کے پاس بیٹھ کر اردو پڑھ سکتا ہے لیکن اگر وہ حساب میں کلاس II کے لڑکے کے برابر ہے تو اسے کلاس II میں جا کر حساب سیکھنا پڑے گا۔

رابندرا ناتھ تعلیم کو رٹ کا پودا بنانا نہیں چاہتے تھے ان کے خیال میں تعلیم کو ذاتی زندگی سے وابستہ ہونا چاہئے اور ماحول کے عین مطابق ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ۱۹۱۹ء میں اپنی دو تقاریر "سنٹر آف انڈین کلچر" اور "میسیج آف دی فارسٹ" (یعنی ہندوستانی ثقافت کا مرکز اور جنگل کا پیغام) میں ان باتوں کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں "تمام ملکوں میں تعلیم کا سماجی۔ ثقافتی زندگی کے ساتھ اٹوٹ رشتہ قائم ہے۔ ہمارے ملک میں صرف کلرکی، وکالت، ڈاکٹری، ڈپٹی گری، منصف گری، ثقافتی۔ سماجی کتنی یک کاروبار کے ساتھ ہماری تعلیم وابستہ ہے جہاں کھیتی ہو رہی

جہاں مزدوروں کا پسینہ بہہ رہا ہے، جہاں کمہار کی چاک گھومتی ہے، وہاں اس تعلیم کی روشنی نہیں پہونچتی۔ کسی اور تعلیم یافتہ ملک میں ایسی باتیں دیکھی نہیں جاتیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کی نئی یونیورسٹیاں اس ملک کی مٹی سے نہیں بنی ہیں اور یہ دوسرے ملکوں کے درختوں کی شاخوں پر طفیلی پودوں کی طرح لٹک رہی ہیں۔ ہندستان میں اگر صحیح معنوں میں اسکول قائم کئے جائیں تو شروع ہی سے ان اسکولوں میں معاشی تعلیم، کھیتی باڑی اور صحت عامہ کے عملی سائنس کی تعلیم دینے کے انتظامات ہونے چاہئیں۔ پھر ایسے اسکولوں کو گاؤں میں چاروں طرف پھیل کر ملک کی تعلیم کا اہم رو میں شامل کر دینا ہوگا۔ اس طرح کا اسکول بہترین طریقہ سے کاشتکاری کرے گا، کپڑے بُنے گا اور اپنی مالی کفالت کے لئے امداد باہمی کے نظام پر قائم ہوگا۔ طلبار، اساتذہ اور آس پاس کے رہنے والوں کی آمدنی کے ذرائع ایک جیسے ہو جائیں گے۔"

ربندرا ناتھ کا مطمح نظر یہ تھا کہ تعلیم کو انسان کی طرز زندگی سے وابستہ ہونا چاہیئے۔ ان کے خیال میں تعلیم انسان کے روزمرہ کی زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ وہ زندگی کی تال سُر سے تال سُر ملا کر چلے گی۔ اسے کلاس یا درجہ نام کے پنجرہ میں بند نہیں رکھا جا سکتا۔ جسطرح فطرت ہر وقت براہِ راست اور بلاواسطہ ہمارے جسم پر اثر کرتی ہے، تعلیم بھی اسی طرح ہمارے ساتھ وابستہ ہوگی۔

ربندرا ناتھ نے تعلیم کے مکمل ہونے کی بابت 'آزاد دماغ' 'آزاد افکار و آرا' اور 'آزاد ماحول' پر زیادہ زور دیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ طلبار کو ہر وقت مختلف رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان پر قابو پانے کے لئے طلبار کوششیں کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کام میں انہیں کچھ مدد ملے لیکن کوشش ان کی اپنی ہوگی۔ ان کے خیال کے مطابق ایک اسکول میں بچہ کی تعلیم مکمل نہیں ہوتی۔ اسکی مکمل تعلیم کے لئے آشرم نما اسکول کی ضرورت ہے کیوں کہ وہاں زندگی کے سبزہ زار ہوتے ہیں۔

شانتی نکیتن آشرم کی بابت انہوں نے یوں کہا "درختوں

کے نیچے میدان میں میرا ایک اسکول ہے۔ اسکول کے بچے تر و تازہ پھول اور پتے جیسے ہیں۔ جسطرح موتیری کا نے جاگو تلکو کو کہا تھا کہ وہ بھی مادی چیز پسند نہیں کرتے۔ انہیں امرت کی ضرورت ہے اسی طرح اس اسکول میں مجھے امرت ملی۔ اس مسئلہ پر چھوٹے لارڈ صاحب (بنگال کے گورنر) کے ساتھ ابتدائی بات چیت میں میں ان کے خیالات سے اتفاق نہ کر سکا۔ ہم ایک دوسرے کے ہم خیال نہ ہو سکے۔ اور یہیں میرا یہ حق ہے کہ میں انہیں نصیحت کروں کہ سچائی پر غور کر کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ مادی چیزوں کی ایک حد ہوتی ہے امرت کے ساتھ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ جسم میں جہاں چربی زیادہ ہوتی ہے وہاں ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں۔"

تعلیم کے واسطہ کے سلسلے میں ایک اور مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جب ربندرا ناتھ بنگلہ تعلیم کے فروغ کے لئے جدوجہد کر رہے تھے تو اس وقت سبھوں نے ان سے مخالفت کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ سائنس، طبی تعلیم، صحت عامہ کی تعلیم بنگلہ زبان میں ناممکن ہے، کیوں کہ بنگلہ میں تکنیکی الفاظ نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں بنگلہ کمزور ہے۔ اس کمزوری کی بابت انہوں نے احتجاج کیا۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون 'تعلیم کا واسطہ' میں کہا:

"مجھے معلوم ہے بحث و مباحثہ ہوگا کہ آپ بنگلہ زبان میں اعلیٰ تعلیم کے خواہاں ہیں، لیکن بنگلہ میں اعلیٰ تعلیم کے لئے معیاری کتابیں کہاں ہیں؟ نہیں ہیں، میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں لیکن تعلیم کا سلسلہ قائم نہ رکھنے سے تعلیم کی کتابیں کیسے لکھی جائیں گی۔ نصاب کی کتابیں باغ کے درخت نہیں ہیں کہ شوقین لوگ شوق سے اس کی کیاری کریں۔ یہ جھاڑی بھی نہیں ہیں کہ خود بخود جگہ جگہ نمودار ہو جائیں۔ تعلیم کو اگر نصاب کی کتابوں کے لئے بیٹھے رہنا پڑے تو یہ عجیب سی بات ہوگی۔ پہلے ترتیبوں کا انتظام کرنا چاہئے پھر درختوں کی بات بعد میں سوچیں گے۔"

ٹیگور ـ اٹلی کا دورہ

از : نیپال مجمدار

رابندرا ناتھ ٹیگور نے ۱۹۲۶ء میں اٹلی کا دورہ کیا اور وہاں مسولینی سے بات چیت بھی کی۔ اس دورہ کے لئے ساتھ ہی اس ملاقات سے رونما ہونے والی پیچیدگی اور کشیدگی کے لئے ٹیگور کو فسطائیوں اور غیر فسطائیوں کی، اس کے ساتھ ساتھ اس دنیا کے بہت سارے جمہوریت پسند لوگوں کی شدید تنقیدوں اور حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ۱۹۲۶ء میں اٹلی کی فاشسی حکومت سے براہ راست تعلقات قائم کرنے اور اس حکومت سے اٹلی کے دورے کی دعوت پانے سے قبل رابندرا ناتھ نے جنوری ۱۹۲۵ء ارجنٹینا سے ہندوستان واپس آتے ہوئے، اٹلی کا مختصر دورہ کیا تھا۔

ناقدوں اور سوانح حیات لکھنے والوں نے شاعر کے ۱۹۲۵ء کے دورہ کی طرف کچھ خاص دھیان نہیں دیا۔ لیکن اب جو حقائق اور دستاویزات دستیاب ہوئی ہیں ان کا جائزہ لینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹیگور کے دورے کا اہم مقصد یہ تھا کہ اٹلی کے لوگوں سے براہِ راست تعلقات قائم کئے جائیں۔ اٹلی اس زمانہ میں ساری دنیا کے مشہور شاعروں اور آرٹسٹوں کی سنہری خواب گاہ بن چکا تھا۔ اس کا بہت ہی شاندار ماضی تھا۔ ٹیگور وہاں کے لوگوں سے ملنے گئے تھے۔ اس فاشی ریاست کے ڈکٹیٹر سے ملنے نہیں گئے تھے۔

جب وہ وہاں سے کلکتہ واپس آئے تو انہوں نے فری پریس آف انڈیا کو ایک انٹرویو دیا جس میں انہوں نے اس بات کی تشریح کی کہ کتنے شاندار پیمانے پر میلان اور وینس میں اٹلی کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔

دنیا کے تمام ملکوں سے ثقافتی تعلقات قائم رکھنے کے سلسلے میں اپنے اغراض و مقاصد کی بابت انہوں نے پریس کو بتایا "میرا تصور یہ ہے کہ ساری دنیا سے تعلقات رکھے جائیں۔ میرے خیال میں ہندوستان کو سب سے الگ تھلگ رہنا نہیں چاہئے۔ دنیا کی، اس کی موجودہ صورتحال میں، مدد کرنے میں ہمیں ایک اہم کردار ادا کرنا چاہئے اور اس طرح تہذیب کی تعمیر کرنے والوں کی فہرست میں ہمارا نام سب سے اوپر رہے گا۔"

میلان میں ٹیگور نے دو دن گزارے اور وہاں دو جلسوں کو خطاب کیا۔ سنسکرت کے مایہ ناز پروفیسر فورمیچی نے ٹیگور سے ملاقات کی اور ان کی تقریروں کا اٹلی زبان میں ترجمہ پیش کیا۔ دوسرے دن میلان میں ایک پریس کانفرنس میں ٹیگور نے ایک مقالہ "عوام اور قوم" پڑھا۔ بعد میں یعنی ۲۳ر فروری ۱۹۲۵ء کو مینچسٹر گارجین میں یہ شائع ہوا۔ ایک مقام کے لوگوں کی قومی اور سیاسی اہمیت کی بابت ٹیگور کے کیا خیالات تھے وہ ان کے اس مقالے سے عیاں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کی دو شکلوں کی، قدرتی آدمی اور پیشہ ور آدمی کے درمیان تنازع کی تشریح کی۔ وہ کہتے ہیں:

"جب میں لوگوں کو پرکھتا ہوں تو میں انہیں نہ صرف انسان ہونے کے ناطے پرکھتا ہوں کیوں کہ انسان ہونے کے ناطے انہیں انسانیت اور قدرت سے محبت ہو سکتی ہے بلکہ میں انہیں ایک قوم کی حیثیت سے پرکھتا ہوں کیوں کہ ایک قوم ہونے

کے ناطے وہ خود غرض اور ظالم بھی ہو سکتے ہیں۔

میں یہ دیکھتا ہوں کہ لوگوں کا یہ پیشہ ورانہ پہلو مغرب میں عام ہو چکا ہے اور ان میں انسان سے محبت کا جذبہ ماتحت بن چکا ہے۔ یہ پیشہ ورانہ پہلو ہے جسے قومی پہلو کہتے ہیں۔"

میلان کے اسی پریس کانفرنس میں ٹیگور نے تنازعات اور تباہ کن جنگ کی طرف طاقت اور فوجی برتری کے لئے لاانتہا مسابقت کے میدان میں مرکزی جوشیلی طاقت اور بڑی طاقتوں کے اہم رجحانات کے خلاف عوام کو انتباہ کرتے ہوئے کہا۔

"جرمنی اس تصور کو اجاگر کر رہا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت وہی ہے اور اس طرح اس نے اپنے توازن کو کھو دیا۔ برطانیہ بھی اسی تصور کو فروغ دے رہا ہے۔ امریکہ بھی اپنی عظمت کے خیال میں مست ہے۔ یہ تو بڑا اپن کا جذبہ ہے کہ آپ لوگوں کو خوف کے پھندے میں پھانس دیتا ہے جو آپ کو اپنی فوج میں، اپنے سپاہیوں میں، اپنی دولت اور اپنی ملکیت میں اضافہ کرنے کے لئے آپ کی رہنمائی کرتا ہے"۔

فاشسی (فاشسٹ) ہندوستان جیسے ملک کے ایک شاعر کی اتنی اصلی اشتعال انگیز تقریر کو برداشت نہ کر سکے۔ ٹیگور نے اٹلی کا دورہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے جوش و خروش کے ساتھ انکا استقبال کیا۔ فاشیوں نے تو پہلے ان دونوں باتوں کو کچھ اہمیت نہ دی اور نہ ہی اس سلسلہ میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ لیکن انہیں فوراً ٹیگور کی تقاریر کی پیچیدگیوں کا احساس ہوا اور انہوں نے ٹیگور پر ان کے نصب العین پر اور انکی بین الاقوامی بھائی چارگی کی مشن پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔

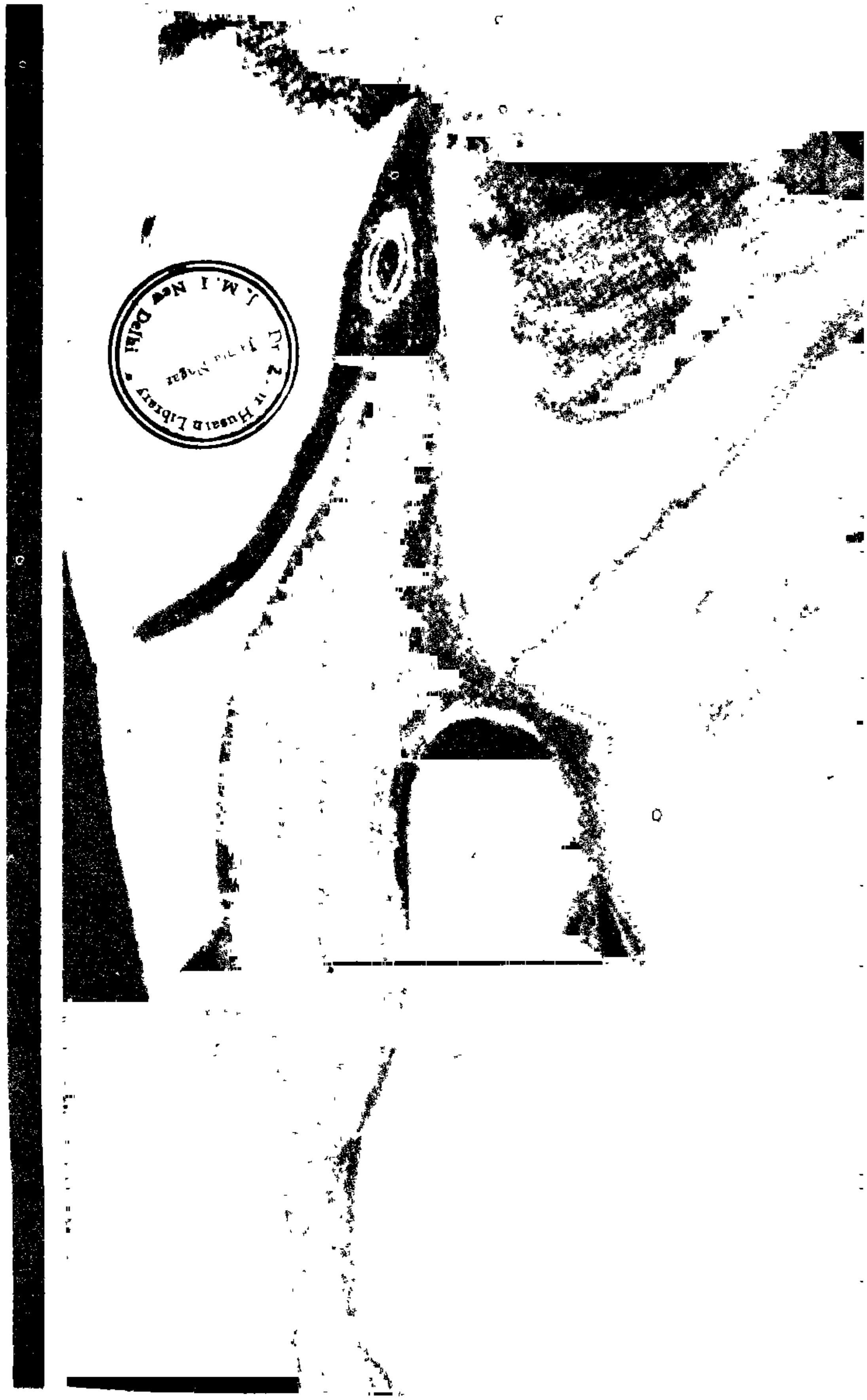
بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ فاشیوں نے شاعر کے لئے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا کیونکہ فاشزم کھلم کھلا قوم پرستی کی تائید کرتا ہے اور شاعر ٹھیک اس کے مخالف انسان دوستی کی باتیں کرتے ہیں۔ اٹلی کے فاشسی پریس نے ٹیگور کے "غیر مزاحتی پروپیگنڈے" کو بدنام کرنے کے لئے بہت سارے مضامین شائع کئے، کیوں کہ ان کے خیال میں ٹیگور نے جو باتیں کہیں وہ پروپیگنڈا تھیں، اور ان کے خیال میں ان باتوں کا یہ مقصد تھا کہ لوگوں میں الگ تھلگ رہنے کے رجحان کو اور برائیوں کو، نفرت کو، تباہ کن جوش و خروش کو اجاگر کیا جائے اور اس طرح ایک خانہ جنگی شروع کی جائے۔ چنانچہ فاشسی حکومت ایک ہندوستانی سنت اور شاعر کی آمد سے چوکنا ہو گئی، کیونکہ ان کی شاندار داڑھی میں انلوگوں نے قوت اور صلاحیت کو پوشیدہ دیکھا۔

اس قسم کی تنقیدیں صرف غیر ملکی پریس تک محدود نہ رہیں۔ بنگال میں بھی ان پر تنقید کی گئی۔ شری سدھیندرا بوس نے اخبار "فارورڈ" (۲۲ جولائی ۱۹۲۵ء) میں اٹلی میں ٹیگور کے دورے کی تفصیل کے ساتھ روداد شائع کی۔ اٹلی میں فاشسی حکومت ٹیگور کو اور ان کے امن پسند اور بین الاقوامی بھائی چارگی کے خیالات کو، جن کا انہوں نے وہاں جلسے اور پریس کانفرنس میں ذکر کیا تھا، پسند نہیں کرتی تھی، اسی لئے اٹلی میں ٹیگور کا بہت ہی سرد مہری سے استقبال کیا گیا۔ لیکن ان کے اس بیان کو شری سدھیر کمار لاہری نے چیلنج کیا، کیوں کہ وہ ان تمام جگہوں میں جہاں جہاں ٹیگور گئے تھے، ٹیگور کے ساتھ تھے۔

قدرتی طور پر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ٹیگور کو فاشزم کی بابت کچھ معلومات حاصل تھیں۔ کیا انہوں نے اٹلی میں فاشزم کی بابت کچھ باتیں سنیں۔ ایسی باتیں سننے کے بعد ان کا سب سے پہلے کیا ردِ عمل ہوا؟
متعلقہ حقائق اور کاغذات کی کمی کی وجہ سے
ان سوالوں کا جواب دینا مشکل ہے۔ سطحی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگور کو فاشزم کی بابت کچھ باتیں معلوم تھیں اور پریس اور دیگر ذرائع سے انہوں نے ایسی معلومات حاصل کی تھیں۔ ٹیگور کے خیال میں بنیادی طور پر فاشزم کے معنی دباؤ اور جبر کے ذریعہ خیال اور ضمیر کی آزادی کو اور انفرادی طور پر لوگوں کی آزادی کو دبا کر رکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا اور ۱۹۲۵ء

(باقی صا۱ میں)

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

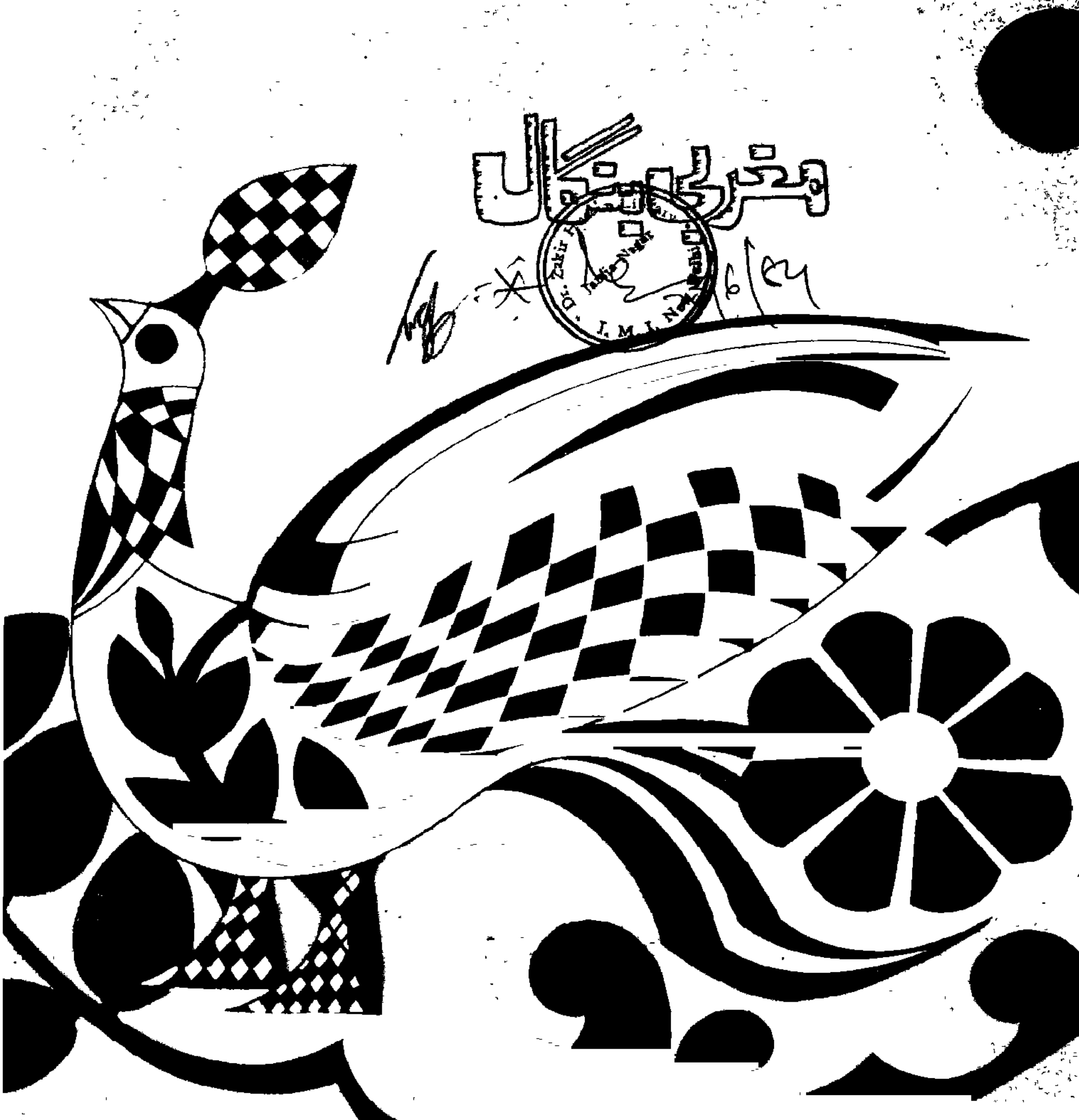


ٹیگور کی مصوّری

MAGHREBI BANGAL
15th May 1984

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 31 No. 10
PRICE 30 Paise





یکم جون سنہ ۱۹۸۴ء

پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ یکم جون سنہ ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۱۱

شرحِ خریداری

سالانہ: تین روپے ــــ اس شمارے کی قیمت: ۱۲ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳-آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



حکومت مغربی بنگال کے وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری پروبھاش چودھری ۹ مئی سنہ ۱۹۸۴ء کو شیشر منچ کلکتہ میں ٹیگور کے جنم دن کے سلسلہ میں ایک تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے۔

بحرِ کائنات کے ساحل پر

(آزاد ترجمہ)

از: ——— رابندرا ناتھ ٹیگور

★★

بحرِ کائنات کے ساحل پر
بچوں کی ایک بھیڑ ہے
یہاں سے وہاں تک
پھیلا ہوا آسماں
وہ جھاگ سے پُر نیلا پانی
ہمیشہ محوِ رقص ہے
ساحل پر کیسی ہلچل مچی ہے
بچوں کی بھیڑ ہے

بالو کے گھروندے بنا رہے ہیں
سیپی سے کھیل رہے ہیں
بہتے ہوئے نیلگوں پانی میں
بہا رہے ہیں ننھی منی ناؤ
اپنے ہاتھوں سے جوڑ جاڑ کر
پتوں کو توڑ جوڑ کر
بنایا ہوا بھیلا[1]
بحرِ کائنات کے ساحل پر
بچے کھیل رہے ہیں۔

نہیں آتا ان کو تیرنا
نہ ہیں واقف جال پھینکنے سے
غوطہ خور غوطہ لگاتا ہے موتی کی تلاش میں
بیوپاری دوڑتا ہے چپو چلاتے ہوئے
بچے سنگریزوں کو چن چن کر
جمے ہوئے پتھروں کی شکل میں سجاتے ہیں
ہیرے جواہرات کی جستجو نہیں انہیں
نہیں ہیں واقف جال پھینکنے سے
جھاگ سے پُر سمندر قہقہہ لگاتا ہے
گونجتی ہے ساحلِ سمندر کی زمیں
خوفناک تھپیڑے بچوں کے کانوں میں
سنا رہے ہیں کوئی مدھر سُر میں
پنگورا پکڑے جیسے لوری سناتی
ماں پینگ دیتی ہے
سمندر کھیلتا ہے بچپن سے
مسکراتی ہے ساحل سمندر کی زمیں
کائنات ـ سمندر کے ساحل پر
بچے کھیل کھیلتے ہیں۔

طوفان اٹھتا ہے آسمان میں
ناؤ ڈگمگاتی ہے بہت دور پانی میں
موت کا سفیر اڑا چلا جاتا ہے؟
بچے کھیل کھیلتے ہیں
بحرِ کائنات کے ساحل پر
بچوں کا ایک جمِ غفیر ہے ★★

---

[1] بھیلا: ایک قسم کی چھوٹی ناؤ

ٹیگور
ایک محبّ وطن

از:- صفدر علی خاں



ربندرا ناتھ اپنے عہد کے ایک عظیم مغنی شاعر تھے۔ ان کے کارنامے محتاجِ تعارف نہیں۔ انکی نگاہ ہمیشہ اپنے وطن کی فلاح اور سلامتی سے متعلق باتوں کی متلاشی رہتی تھی۔ انہوں نے اکثر و بیشتر ہمیں ٹوٹ کر بکھرنے سے بچایا ہے۔

اپنے مادرِ وطن سے متعلق یوں رقمطراز ہیں:- "وہ مخلصانہ لگاؤ جو میرے والد کو اپنے وطن سے تھا۔ انکی زندگی کے نشیب و فراز میں بھی کبھی ان سے جدا نہ ہوا۔ یہ حب وطن کا وہ جذبہ ہے جو ان کے بچوں کو ورثہ میں ملا۔ گرچہ اس وقت جب میں رقمطراز ہوں وطن سے محبت کا یہ جذبہ اتنی شدت کا حامل نہیں رہا۔ ہمارے پڑھے لکھے افراد اپنے ملک کی زبان سے علیحدگی اختیار کئے ہوئے ہیں:" ہندو میلہ جس کا انعقاد ٹیگور خاندان کے تعاون سے ہوا کرتا تھا شاید اپنے مادرِ وطن ہندوستان کی عظمت کی شناخت کے سلسلے میں ایک پہلی کوشش تھی۔ ربندرا ناتھ کے منجھلے بھائی کا مایہ ناز قومی ترانہ بنام "بھارتیر جیا" کی دھن اسی زمانے میں تیار کی گئی تھی۔ مادرِ وطن کی عظمت کا اظہار کرنے والوں نغموں، حب وطن سے متعلق نظموں، اور دیسی علوم و فنون کی اس میلہ میں ہمت افزائی کی گئی تھی:" شاعر کے پانچویں بھائی جتیندرا ایک سیاسی تنظیم سے منسلک تھے جس کے صدر راج نرائن بوس تھے۔

گزشتہ صدی کے اواخر میں ربندرا ناتھ نے سوادیشی چیزوں کو فروغ دینے کے لئے کافی پیسے خرچ کئے۔ انکی عملی حب وطن کی دوسری مثال ہمیں کلکتہ کے وبائی پلیگ میں جو ۱۸۹۹ء میں پھیلا تھا ملتی ہے۔ وہ ہمیشہ نہایت ہی فراخدلی کے ساتھ سیلاب اور قحط سے متاثر لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔

جب ۱۹۰۵ء میں بٹوارے کے خلاف ایک تحریک بنگال میں نمودار ہوئی تو ربندرا ناتھ نے کلکتہ کے بہت سارے جلسوں میں خطاب کیا اور متعدد قومی نظمیں کہیں۔ بٹوارے سے نبرد آزمائی کے لئے انہوں نے ایک جلسے میں پچاس ہزار روپیہ اکٹھا کیا۔ عدم تعاون ان کا ہتھیار تھا۔ لیکن اس عدم تعاون میں تخریبی مقصد پوشیدہ نہیں تھا جیسا کہ شاعر نے فرمایا ہے "ہم لوگ اس سلسلہ میں حکومت کی مدد نہیں کریں گے لیکن ہم لوگ اپنے طور پر سماج میں اصلاح اور بہتری لانے کی کوشش کریں گے"

انصاف کی نمائندگی اور عملی بھائی چارگی کے ذریعہ ہم لوگ خود کو ایک قوی اور مضبوط قوم بنائیں گے تب کوئی بھی ہماری طرف بری نگاہ ڈالنے کی جرأت نہ کرے گا لیکن ربندرا ناتھ بدیسی چیزوں اور تعلیم سے علیحدگی اختیار کرنے سے متعلق پروگرام کو منظوری نہ دے سکے۔ اور وہ سیاسی سرگرمیوں سے سبکدوش ہو گئے اور شانتی نکیتن کے کام میں لگ گئے۔ وہ اپنے ایک قریبی دوست چارلس فریئر اینڈریوز کو ایک خط میں لکھتے

ہیں :" سوادیشی سامراجیت ہمارے ہم وطنوں میں عام طور پر ایک سخت قسم کی ہلچل پیدا کرتی ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر جذبات کی گرمی رکھتے ہیں جو ان کے غم و غصہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ اس تحریک اور جذبات کی گرمی سے میں بے بہرہ ہوں۔ بہرکیف میں بحیثیت ایک شاعر کے اس طرح کے احساسات بطور نتیجہ قبول کرنے کیلئے خود کو تیار نہیں پاتا ہوں۔ میں ان کا جتنا مقروض ہوں اس سے کہیں زیادہ وہ مجھ سے توقع رکھتے ہیں۔ ایک خاص نقطہ تک پہونچنے کے بعد میں خود کو اپنے ہم وطنوں سے جن کے ساتھ میں کام کر رہا ہوں، علیحدہ کرنے پر مجبور ہوتا ہوں :"

۱۹۰۸ء کے پبنا مہوبائی کانفرنس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے ربندرا ناتھ نے سماج کو تخلیقی سرگرمیوں کا ایک موثر ذریعہ بنایا اور دیہی لوگوں کی شمولیت کے ساتھ قومی تعمیر و ترقی کے ایک پروگرام کی وضاحت کی۔ ربندرا ناتھ نے پبنا کی تقریر میں عوامی لیڈروں کے فرائض کی اہمیت پر زور ڈالا۔ انہوں نے مزید یہ بھی کہا کہ عوام کو اپنے فرقہ وارانہ جذبات کو پرے ڈال کر اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں سچے دل سے منہمک ہو جانا چاہئے۔ ان کی تقاریر اور مضامین - قومی تعلیم، دیہی ترقی، چھوٹی صنعت کی ہمت افزائی اور دیگر مسئلوں کے موضوعات پر نہایت ہی پرمغز ہیں۔ سوادیشی تحریک کے دوران شاعر نے کبھی بھی آنکھ بند کر کے رجعت پسند قومیت کی پشت پناہی نہیں کی۔ ربندرا ناتھ کہتے ہیں کہ یہ حقیقت میں کور بینی قومیت کے پرستاروں (cult) کی بنیادی بیماری تھی۔

" اگر ہم لوگ خود کو الفاظ کے گورکھ دھندوں کی گمراہی سے محفوظ رکھ سکیں، ساتھ ہی حب الوطنی کے جذبہ کو اعلیٰ ترین ہی تصور نہ کریں بلکہ ہم لوگ قومیت کے جذبے پر سچائی، انصاف اور اخلاقی قدروں کو ترجیح دیں تو ہمارے لئے زمین وسیع ہو جائیگی اور آسمان بیکراں نظر آئے گا۔" اس سے پہلے بھی شاعر اپنے مضمون "ہندستان کی تاریخ" میں بیان کرتا ہے :" دنیا کے مہذب سماج میں ہندستان کثرت میں وحدت کا حامل ہے۔ اور یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔" ان کے قومیت کو زندہ رکھنے کا شعور کبھی بھی علیحدگی پسندی سے ہمکنار نہیں ہوا۔ ان کی ایک مشہور نظم اس بات کی یوں وضاحت کرتی ہے کہ "ہندستان کی ہمہ گیر انسانیت کے سمندروں کے ساحلوں سے کوئی بھی شخص نامراد نہیں لوٹا۔ ہندو، مسلمان اور عیسائی یکے بعد دیگرے سب آئے اور ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایک گلدستہ کی شکل اختیار کر لی :"

۲۶ سال کی عمر میں ربندرا ناتھ کو خاندانی جائیداد کی دیکھ بھال کے لئے شیلیدہ بھیجا گیا۔ وہاں انہیں گاؤں کے لوگوں سے بلاواسطہ سابقہ پڑا۔ ان کی تکلیفوں، ان کی کاشتکاری کے مسائل، ان کے قرض اور ان کی خرید و فروخت (Marketing) سے واقفیت ہوئی۔ گرچہ شیلیدہ میں شاعر بذات خود ایک زمین دار تھا تاہم انہوں نے خود کو اور اپنے طبقہ کے لوگوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ مزید یہ کہا کہ جب تک زمین دار طبقہ اپنی پرانی عادتوں سے باز نہیں آئے گا اس وقت تک ان کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

۱۹۰۱ء میں ربندرا ناتھ نے اپنے خاندان کے ہمراہ شانتی نکیتن میں سکونت اختیار کر لی اور اپنے اسکول قائم کرنے کے کام میں مشغول ہو گئے۔ جناب ایل۔ کے۔ المہرسٹ جنہوں نے وشوا بھارتی کے شعبۂ دیہی خدمات کے فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، یوں فرماتے ہیں : " اس کے بعد ان کے ذہن میں کچھ خاص قسم کے خیالات صاف طور پر نقش ہو گئے تھے جن کے تحت وہ بچوں میں تعلیم کے نام پر انتشار اور بددلی پیدا کرنے والے ان محرکات سے جن کا خود انہیں سامنا کرنا پڑا تھا، بچوں کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اس بات کے خواہاں تھے کہ بچوں میں فنون لطیفہ شاعری، نغمہ نگاری، ناٹک، رقص وغیرہ کے ذوق پیدا ہوں۔ ان کا یہ خیال کہ بنگال کے دیہی باشندے کچھ پڑھ سیکھ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں اس مسئلہ کو انہوں نے خود حل کیا۔ شاعر نے ایک خاص امید کے سہارے خود کو شانتی نکیتن اور سری نکیتن

کے کاموں میں وقف کر دیا تاکہ انکی یہ کوشش ان کے دیہاتی پڑوسیوں کے دلوں کو چھو لیں اور اپنی تقویت پہونچائیں کہ وہ اس نئے سماجی نظام میں خود کو کھپا لیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوگ چند گاؤں میں اس طرح کے کاموں کی ابتدا کرتے ہیں تو دوسروں کو اس سے ساہس ملے گا اور اس طرح میری زندگی کے کام ثمر آور ہوں گے۔ انہوں نے کھیل اور آزادی کو تعلیم کی بنیاد قرار دی ہے۔ وہ کہتے ہیں "ہم لوگوں کو تکمیل کی حصولی کیلئے جسمانی طور پر قوی اور ذہنی طور پر مہذب ہونا ہوگا ہم لوگوں کو فطرت کے فطری تحائف سے ہم آہنگ ہونا ہوگا اور انسانی سماج میں انسان بن کر رہنا ہوگا۔

الڈس ہکسلے نے ان کے تعلیمی تجربوں سے کافی دلچسپی ظاہر کی ہے۔ اس نے کہا کہ "ٹیگور نے نہایت ہی صاف طور پر تعلیم کی اس حقیقت تک پہونچے تھے جہاں آج ہم لوگ کھڑے ہیں۔ بنیادی تعلیم زبانی ہونی چاہئے تاکہ بچوں کے ارد گرد کی چیزوں کی اصطلاحوں کی وضاحت ہو۔ پھر بعد کی تعلیم کی جس میں اونچے درجے کے مضامین ہوتے ہیں، بابت سوچنا چاہئے۔" شانتی نکیتن میں انہوں نے ان دو طرز کی تعلیم کو فروغ دینے میں انتھک کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں ان کے یہاں تین طرز کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ پہلی اصطلاحی طرز (Conceptional) کی تعلیم جو روایتی تعلیم سے ملتی ہے لیکن اس سے افضل ہے۔ دوسری غیر زبانی طرز (Non-Verbal) کی تعلیم جس کو ٹیگور نے جابرانہ (savage) تعلیم کا نام دیا ہے تیسری اور آخری روحانی طرز کی تعلیم جو صوفیانہ یا معارفت کی باتوں پر مبنی ہے۔

جلیان والا باغ کے خونریز واقعہ پر احتجاج کرتے ہوئے رابندر ناتھ وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کو اپنے نائٹ ہوڈ کا خطاب واپس کرتے ہیں اور خط میں لکھتے ہیں۔ "میں اپنے ملک کے لئے اور اپنے ان لاکھوں ہم وطنوں کے احتجاج میں شمولیت کے لئے، جو خوف و حیرت کے پتلے بن گئے ہیں، ہر قسم کے نتائج سے نبرد آزما ہونے کیلئے تیار ہوں۔ اب وہ وقت آپہونچا ہے جب یہ عزت بخشنے والے تمغے شرمساری اور ننگ کے نشانات بن گئے ہیں۔ میرے لئے ان ہم وطنوں کے شانہ بشانہ چلنا چاہتا ہوں جنہیں انسانیت کی

عظیم قدروں کو بروئے کار لانے کیلئے ظلم و تضحیک کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

رابندر ناتھ نے اپنی آخری سالگرہ کے موقع پر ایک مضمون بنام "تہذیب کے مسئلے" سنایا جسے یقین و نفی، فریب نجات پر ایک عظیم عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ رابندر ناتھ فرماتے ہیں کہ کبھی مجھے اس بات پر مکمل یقین تھا کہ تہذیب کے چشمے یورپ کے قلب سے پھوٹے ہیں لیکن آج جب اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں تو مجھے میری یہ بات مہمل نظر آرہی ہے۔" مزید وہ کہتے ہیں کہ "قسمت کی چرخی انگلستانیوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دے گی لیکن وہ لوگ اپنے پیچھے ایک ننگا، بھوکا اور پریشان حال ہندوستان چھوڑ جائیں گے۔ تصور میں مجھے ایک عظیم تہذیب کی تباہ شدہ عمارت ایک ملبہ کی شکل میں نظر آرہی ہے لیکن پھر بھی میں انسانی خلوص و اعتقاد سے منہ پھیر کر گناہ عظیم کا مرتکب بننا پسند نہ کروں گا بلکہ میں پس ازیں انسانی تاریخ میں عالمی انقلاب کے ایک نئے باب کی ابتدا اور اس کے فروغ کے لئے کوشاں رہوں گا۔

(باقی صفحہ ۱۱ کا)

اس سمجھوتے کے تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موجودہ حالات میں جتنے زیادہ فائدے حاصل کئے جا سکتے تھے، وہ سب حاصل کر لئے گئے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ ۴۸ دنوں تک ہڑتال جاری رہنے کے باعث مزدوروں کی قوت برداشت متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی کی سب سے کڑی آزمائش میں مبتلا تھے۔ ۲ لاکھ مزدوروں نے جس اتحاد، صبر و تحمل، عزم اور لڑاکو پن کا مظاہرہ کیا، یہ ایسی شاندار خصوصیات ہیں جو ہمیشہ یاد رہیں گی ۔۔ انہیں ہمارے ملک کی ٹریڈ یونین تحریک کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ مغربی بنگال کی بائیں بازو کے مورچے کی حکومت نے جو ہمدردی اور تحفظ بخشا، وہ فیصلہ کن عنصر بنا۔ کسانوں، طالبعلموں، نوجوانوں اور عورتوں کی تنظیموں اور ٹریڈ یونینوں نے یکجہتی کی جو تحریکیں چلائیں، وہ ٹریڈ یونین تحریک میں اپنی مثال آپ ہیں۔ محنت کشوں کے تمام حصوں سے کافی مالی امداد موصول ہوئی۔ ان سب حقیقتوں کے بغیر جوٹ مزدوروں کی فتح ممکن نہ ہوئی ہوتی ***

پی۔ ایس۔ پوتی

قومی یکجہتی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے

احمد آباد میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کے چھ سال کے پورے ہونے کے سلسلہ میں ۱۱ راپریل ۱۹۸۳ء کو منعقدہ ایک تقریب میں قومی یکجہتی پر ایک سمپوزیم کا شری پی۔ ایس۔ پوتی، عزت مآب چیف جسٹس، گجرات ہائی کورٹ نے افتتاح کیا۔ شری پوتی کی افتتاحی تقریر، اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

اس وقت مجھے تھوڑی بہت ہچکچاہٹ محسوس ہوئی تھی جب میں اس سمپوزیم کے افتتاح کرنے کی دعوت کو قبول کیا تھا لیکن بعد میں یہ ابتدائی ہچکچاہٹ ختم ہو گئی جب میں نے یہ محسوس کیا کہ ہندستان کے ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ قومی یکجہتی جیسے اہم قومی مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرے۔ یہ بات قابل تعریف ہے کہ اس جشن کے منتظمین نے اس موقعہ پر اس اہم موضوع پر ایک سمپوزیم کا انتظام کیا۔

ہندستانی قوم پرستی یا یوں کہئے ہندستانی قومیت تو اس وقت عروج پر تھی جب اس ملک کے لاکھوں لاکھ لوگوں نے سامراجی حکومت سے خود کو آزاد کرانے کیلئے اپنے تن، من دھن کی بازی لگا دی تھی۔ ہزاروں مصائب اور تکالیف برداشت کیں، لیکن اپنی جدوجہد آزادی کو برقرار رکھا۔ لیکن اس کے بعد کے عرصوں میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قومیت کے اس جذبے کی جگہ تنگ نظری اور علاقہ پرستی لے رہی ہے اور یہی نہیں بلکہ لوگوں کو منقسم کرنے والی طاقتیں لوگوں کو ذات پات اور مذہب کے جذباتی مسائل پر غیر تعلیمیافتہ لوگوں کے جذبات کو بھڑکا رہی ہیں۔

ہندستان ابھی بھی ترقی کے دور میں ہے اور اس بات کے پیش نظر کہ اسے دنیا کی قوموں میں ایک اچھا مقام حاصل ہو، معاشی استحکام اسے حاصل ہو، اور اس ملک میں معاشی لحاظ سے پسماندہ طبقوں کے لوگوں کو سماجی انصاف فراہم ہو تو اس کیلئے قربانی کے اس جذبہ کی ضرورت ہے جس کا اظہار آزادی کیلئے جدوجہد کے دوران کیا گیا تھا۔ حکومتوں، با اثر معاشی طاقتوں اور تمام سماجی تنظیموں کو ایک ساتھ نو تعمیر کے کام میں جٹ جانا چاہیے۔ اس کام میں اس وقت بہت ساری مشکلات رونما ہوں گی اور اس طریقہ کار کا اثر بھی برعکس ہوگا۔ اگر ذاتی۔ سیاسی، معاشی یا سماجی۔ مفاد پرستوں کو اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ تمام سطحوں پر قومی مفاد کو پرے رکھدے۔ ہندستان کی تاریخ شاہد ہے کہ درحقیقت ایسے واقعات رونما ہوئے۔

آزادی سے قبل ایسا بھی ایک دور تھا جب میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ چند برسوں کے بعد ذات پات اور مذہب پر مبنی سماجی فرق مٹ جائیں گے۔ لیکن آج یہ حقیقت ہے کہ ہندستان کے عوام سیکولر ہونے کی جگہ، ذات، فرقہ اور مذہب کی، ساتھ

کا سیاسی بنیاد پر تمام سطحوں میں مختلف مسائل پر منقسم ہو چکے ہیں۔
علاقہ پرستی، فرقہ واریت کی طرح قومی یکجہتی کی راہ میں شدید
خطرہ کی طرح حائل ہو جاتا ہے۔ اگر علاقہ پرستی مقامیت کی شکل میں
ظاہر ہو۔ ہمارے دستور کے تحت کسی بھی ریاست کے ایک ہندوستانی
کو دیگر ریاستوں میں جا کر رہنے کا اور وہاں اپنے حقوق کو روبہ عمل لانے
کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن ہندوستان کی موجودہ صورتحال نے
ان لوگوں کے لئے جو بھی قومی مقاصد سے زیادہ عزیز ہے اور اس
کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

اس صورتحال کی وجہ کیا ہے؟ اس ملک میں تیز فہم
سیاست دانوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے لیکن قابل مدبروں کی
تعداد بہت ہی کم۔ سیاست داں روزمرہ کے مسائل کو دیکھتے ہیں
اور انہیں اپنے مفادات، اور اپنی پارٹی کے مفادات کو پیش نظر
رکھتے ہوئے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن قابل مدبر
وسیع زاویہ نظر سے امور پر غور و خوض کرتے ہیں اور فوری ضرورت کے
مسائل سے زیادہ قومی تعمیر اور معیشت کی افزائش کے مسائل
کو حل کرنے کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ فوری نفع کے لئے
انتخابات کے معاملے میں یہ بات بھی عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ اس
ملک میں بڑی سیاسی پارٹیاں مقامی علاقوں میں رہنے والے فرقوں
کی طاقت کی بنیاد پر امیدواروں کو منتخب کرنے کے فیصلے کرتی ہیں۔
سیکولرازم کو پرے ڈال دیا جاتا ہے، لوگوں کو زیر اثر لایا جاتا
ہے۔

جذباتی مسائل پر لوگوں کے، خاص طور پر اس ملک کی
بڑی اکثریت کے جذبات کو ابھارنا تو آسان ہے۔ ماضی میں ایسا
کیا گیا اور ایک ریاست کے لوگوں کو دوسری ریاست کے لوگوں کے
مدمقابل لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

اگر اس ملک میں بڑی سیاسی پارٹیاں اس بات کا فیصلہ
کریں کہ وہ ملک کے وسیع مفادات کی خاطر وہ صرف قومی کاز پر ہی
مرکوز طور پر غور کریں گی، اور منقسم کرنے والی طاقتوں کا منظم طور پر مقابلہ
کریں گی، خواہ اس کی وجہ سے انہیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ برداشت
کرنا پڑے، تب ہی ہم اس صورتحال پر قابو پا سکیں گے۔ یہ ایک
(باقی صفحہ ۱۲ پر)

بائیں محاذ کی حکومت کے چھ سال پورے ہونے پر احمد آباد میں جشن

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال
پورے ہونے پر حکومتِ مغربی بنگال کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی
امور کے زیر اہتمام ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ اپریل ۱۹۸۳ء کو گجرات کی
دار السلطنت احمد آباد میں سہ روزہ جشن منایا گیا۔ اس پروگرام
میں مغربی بنگال کی موجودہ حکومت نے اپنے اغراض و مقاصد پر روشنی
ڈالی اور چھ سال کے دوران اپنی کارگزاریوں کو عیاں کیا اور ساتھ
ہی ساتھ ایک عام جلسہ اور مذاکرہ کا بھی انتظام کیا۔ ۱۰ اپریل کے
عوامی اجلاس میں پروفیسر پی۔ جی۔ ماوالنکر نے صدارت کے فرائض
انجام دئے اور جناب سید منصور حبیب اللہ، وزیر عدلیہ، مغربی
بنگال اور شری پربھاش پھودیکار، وزیر شعبہ اطلاعات و
ثقافتی امور مغربی بنگال نے جلسہ میں عوام سے خطاب کیا۔ قومی
یکجہتی پر منعقدہ ایک مذاکرہ کا افتتاح گجرات کے چیف جسٹس
جناب پی۔ ایس۔ پوٹی نے کیا۔ شری گھنشیام داس اوجھا، سابق
وزیر اعلیٰ گجرات، گجرات یونیورسٹی کے پروفیسر یتیندر ادھولاکیہ،
شری چیرن لال بھدرام داس سابق ممبر پلاننگ کمیشن، جناب سید
منصور حبیب اللہ وزیر عدلیہ اور شری پی۔ کے بھٹاچاریہ، ڈائرکٹر
اطلاعات حکومتِ مغربی بنگال نے تقریریں کیں۔

اس جلسہ میں مقامی لوگوں نے ہزاروں کی تعداد
میں شرکت کی اور اس جلسہ کے تاثرات نے ان کے اندر ایک
نئی امنگ بھر دی۔ شہر کے ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ خیال کے لوگوں نے
نمائش "بعنوان "بائیں محاذ اور عوام کی رفتار ترقی" سے استفادہ
حاصل کیا۔ وہ لوگ مغربی بنگال کی موجودہ حکومت کی پالیسی، پروگرام
اور اغراض و مقاصد سے کافی متاثر ہوئے۔ حکومت مغربی بنگال قومی
یکجہتی کے فروغ سے جو دلچسپی لے رہی ہے اس سے کافی متاثر ہوئے
جس کی نمائش حکومتِ مغربی بنگال نے دوسری ریاستوں میں کی ہے۔
ہر روز مغربی بنگال کی موجودہ حکومت کی تیار کردہ فلمیں بھی دکھائی
گئیں جس نے لوگوں کی کثیر تعداد کو اپنی طرف متوجہ کیا ❖❖

غزل

مزاجِ رہبر و راہی بدل گیا ہے میاں
زمانہ چال قیامت کی چل گیا ہے میاں

تمام عمر کی نظارگی کا حاصل ہے
وہ ایک درد جو آنکھوں میں ڈھل گیا ہے میاں

کوئی جنوں نہ رہا جب تو زندگی کیا ہے
وہ مر گیا ہے جو کچھ بھی سنبھل گیا ہے میاں

بس ایک موجِ تہِ آب کیا تڑپ اٹھی
لگا کہ سارا سمندر اچھل گیا ہے میاں

جب انقلاب کے قدموں کی گونج جاگی ہے
بڑے بڑوں کا کلیجہ دہل گیا ہے میاں

کوئی ثبوت ملے گا تو کیوں نہ مانیں گے
سُنا تو ہے کہ بُرا وقت ٹل گیا ہے میاں

ہمارا خواب بھی بہلا نہ پائے آج ہمیں
جو رو لئے ہیں تو کچھ دل بہل گیا ہے میاں

نہ آہِ نیم شبی ہے نہ گریۂ سحری ! !
مزاجِ اہلِ محبت بدل گیا ہے میاں

جاں نثار اختر

جوٹ مزدوروں کی ولولہ انگیز فتح

مالی سے ہم نے کھیل نکالیں موتی لائیں جل سے
جو کچھ اس دنیا میں بنا ہے بنا ہمارے بل سے
کب تک محنت کے پیروں میں دولت کی زنجیریں
ہاتھ بڑھا کر چھین لو اپنے خوابوں کی تعبیریں

— ساتھی ہاتھ بڑھانا
ساحر

محمد امین

بہادر جوٹ مزدور اپنی ۸۴ روزہ بہادرانہ ہڑتال
کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یہ شاندار ہڑتال ۱۸ اپریل ۱۹۸۴ء کو
اس وقت ختم ہوئی جب شہید مینار کے میدان میں جوٹ مزدوروں کا اجتماع
سہ فریقی معاہدے کی توثیق کی۔
سمجھوتے کی شرطوں میں اجرت میں ۶۵ روپے کا اضافہ،
مہنگائی بھتے میں ۵ روپے ۲۰ پیسے کا اضافہ اور ہر درجہ کے مزدوروں
کے لئے اجرت میں اضافہ شامل ہیں۔ یوں ہر جوٹ مزدور کی اجرت میں
۷۰ روپے ۲۰ پیسے کا مجموعی اضافہ ہو جائے گا۔ دیگر چھوٹے چھوٹے
فائدوں کو بھی حساب میں جوڑ لیا جائے تو مزدوروں کو ۱۰۰ روپے ماہانہ
سے کچھ زیادہ کا فائدہ حاصل ہوگیا۔ جوٹ مزدوروں کی مجموعی اجرت
بل اب ۳۰ کروڑ روپے کے قریب ہو جائے گا۔
مہنگائی بھتے میں فی نشان اب ایک روپیہ ۳۰ پیسے
کے بجائے ایک روپیہ ۵۰ پیسے ملیں گے۔ یہ اضافہ قیمتوں کا اشاریہ
۵۰۰ کے نشان سے بڑھ جانے سے وابستہ ہے (۱۹۶۰ = ایک سو)
اگر کسی وقت کپڑے کی چیزوں کی قیمت کا اشاریہ ۵۰۰ کے نشان سے
گھٹا، تو بھی مہنگائی بھتے میں کوئی کٹوتی نہیں کی جائے گی۔

درجہ بندی اور گریڈ: ہر درجے کے مزدوروں کے لئے
فوری طور سے اجرت کے گریڈ اور اسکیل لاگو ہو جانا، جوٹ مزدوروں
کی سب سے زیادہ معنی خیز فتح ہے۔ یہ مطالبہ منظور کرانے کی خاطر
ٹریڈ یونین تحریک ۱۰ برس سے جدوجہد کر رہی ہے۔ مزدوروں کے سات
درجے بنائے گئے ہیں اور ان سب کی اجرتوں میں ۴ روپے سے دس
روپے تک کا سالانہ اضافہ ہوگا۔ ۱۹۷۹ء میں ۵۰ روزہ ہڑتال کے بعد
یونینوں نے اس کمیٹی کی سفارشات منظور کر لی تھیں جو مغربی بنگال کی حکومت
نے سمجھوتے کے مطابق قائم کی تھیں۔ مالکوں اور یونینوں کے مابین کارخانے
کی سطح پر یکساں انداز میں درجہ بندی کے نکتے پر اختلاف پیدا ہوا تھا۔
اور یہ سمجھوتے کی راہ میں رکاوٹ بن گیا تھا۔ یہ تعطل مغربی بنگال کے وزیر
اعلیٰ کی مداخلت سے دور ہوا۔ انہوں نے اسے دور کرنے کے لئے ایک
فارمولا تیار کیا۔ اس کے مطابق تکنیکی ماہرین کی ایک کمیٹی ریاستی حکومت
ایک مہینے کے اندر اندر قائم کر دے گی۔ یہ کمیٹی چار مہینے میں اپنی رپورٹ
پیش کرے گی۔ اس کے بعد حکومت یہ فیصلہ فریقین کو بھیج دے گی
جو اسے کارخانے کی سطح پر لاگو کریں گے۔ اس مقصد کے لئے کمیٹی جزو
کے نرخ دوبارہ مقرر کرنے کے سوال پر غور کرے گی۔ یہ کام کرتے
ہوئے وہ جزو کے حساب سے اجرت پانے والے مختلف درجوں کے
مزدوروں کے بارے میں حقیقت پسندانہ ضابطے اور نرخ وضع کرے گی۔

کمیٹی اس بات کو ذہن میں رکھے گی کہ کوئی ایسی صورتحال نہ پیدا ہو جس کے سبب ایک ہی شعبے میں کام کرنے والے مزدوروں اور مختلف شعبوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی اجرتوں میں بہت زیادہ فرق آ جائے۔

کمیٹی ہر ایک کارخانے میں مشینوں کی موجودہ حالت اور سہارا دینے والے نظام پر بھی توجہ دے گی۔ یوں جز کے نرخ کے حساب سے کام کرنے والے مزدور کام کے بہت زیادہ بوجھ، غیر ضروری محنت سے بھی محفوظ رہیں گے اور انہیں اس صورت میں کم سے کم اجرت کی ضمانت بھی حاصل ہو گی۔ جب پیداوار ایسے اسباب کے باعث کم ہو، جن پر ان کا قابو نہ ہو۔

دیگر مطالبات : کام کے بوجھ کے سلسلے میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ مالکان جوٹ کے ہر ایک کارخانے میں کام کرنے والی اس قوت کا ۹۰ فیصد حصہ مستقل برقرار رکھیں گے جو ۵ مئی ۱۹۷۱ء کو کام سے لگی ہوئی تھی۔ ۱ سے ۱۸ شفٹوں کی بنیاد پر برقرار رکھا جائے گا۔ اسی بنیاد پر کام کرنے والوں کی دیگر ۲۰ فیصد تعداد خصوصی بدلی مزدور کی حیثیت سے برقرار رکھی جائے گی۔ اور اسے ہر سال ۲۲۰ دن ملازمت کی ضمانت حاصل ہو گی۔ خصوصی بدلی مزدوروں کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہوں گی جو مستقل مزدوروں کو حاصل ہیں۔ جن کارخانوں میں شفٹوں کی تعداد بڑھائی گئی ہے، ان میں مالکان مستقل مزدوروں کی تعداد جوں کی توں برقرار رکھیں گے۔

ریاستی حکومت کام کے بوجھ کے بارے میں کچھ سوالوں کی جانچ کے لئے ایک ۳ فریقی اعلیٰ کمیٹی مقرر کرے گی۔ دونوں فریقوں کے خیالات کا بخوبی لحاظ کرتے ہوئے، ریاستی حکومت اس کمیٹی کی تشکیل اور اس کے زیر غور آنے والے معاملوں کا فیصلہ کرے گی۔

مالکان اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ وہ جوٹ کی صنعت میں صنعتی رہائش گاہیں بنانے کی جلد سے جلد کوششیں شروع کریں گے۔ اس کام کے پورا نہ ہونے تک صفائی، پانی کی فراہمی، بجلی اور صحت کی حفاظت سے متعلق معاملات بہتر کئے جائیں گے۔ موجودہ رہائشی جگہوں کی مناسب مرمت کرائی جائے گی۔ تہ خانوں، بارکوں اور باورچی خانوں کی وضع کی جگہوں میں رہنے والوں سے مکان کا کرایہ نہیں لیا جائے گا۔ دربانی وغیرہ جیسی لازمی خدمتوں میں کام کرنے والوں کو خدمت معاوضے کی ادائیگی سے چھوٹ ملے گی۔

متعلقہ مزدور یا اس کے نامزد کردہ فرد کی جانب سے گریچوٹی کی درخواست موصول ہونے کے ۴۵ دن کے اندر اندر اسے ادا کر دیا جائے گا۔ بصورت دیگر ادائیگی کئے جانے تک مزدور کو ملازمت پر برقرار سمجھا جائے گا۔ مالکان اس بات کو خیال رکھیں گے کہ مزدوروں کو دئے ہوئے روپئے یا پروویڈنٹ فنڈ اور ای ایس آئی میں مزدوروں کے دئے ہوئے پیسے کو جمع کئے جانے میں مالکان کی کوتاہی کے سبب مزدوروں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچے۔ سمجھوتے کی شرطوں کے مطابق اب کینٹین میں کام کرنے والے ملازم کمپنی کے ملازم مانے جائیں گے۔

ٹھیکے پر کام کرنے والے کسی مزدور کو کسی مسلسل جاری رہنے والے یا کسی مستقل نوعیت کے کام سے نہیں لگایا جائے گا اور "بھاگ والا" (حصہ والا) نظام ختم کر دیا جائے گا۔

مالکان نے زچگی سہولت ایکٹ لاگو ہو جانے کے بعد جوٹ کی صنعت میں خاتون مزدوروں کی تعداد بہت کم کر دی ہے۔ موجودہ سمجھوتے میں یہ بات شامل ہے کہ کارخانوں کے ایکٹ کے ڈھانچے کے مطابق جوٹ کارخانوں میں خاتون مزدوروں کی موجودہ تعداد نہ صرف برقرار رکھی جائے گی بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا جائیگا۔

بند پڑے کارخانے : اس وقت چار کارخانے یا تو بند یا پھر جزوی بند ہیں۔ ان کے نام ہیں :— پریم چند جوٹ ملز، لنکر پاڑا جوٹ ملز، نارتھ بروک جوٹ ملز، شری رام جوٹ ملز، شری گوری شنکر جوٹ ملز اور دیورلی جوٹ ملز (کیلون بورڈ لوم سیکشن)۔ یونینوں نے ان کارخانوں کو جلد سے جلد کھولے جانے پر زور دیا۔ مالکان اس مطالبے پر ممکنہ حد تک غور کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

جو معاملات اس سمجھوتہ کے دائرے میں شامل نہیں، ان کے بارے میں موجودہ نظام، عمل اور مراعات برقرار رہیں گی۔

وزیر اعلیٰ کے کہنے پر مالکان اس بات پر راضی ہو گئے کہ کارخانے کھلتے ہی ہڑتال سے پہلے برسر ملازمت مزدوروں کو دو ہفتہ وار قسطوں میں ایک سو روپیہ سمجھوتے کی رقم کے بطور ادا کیا جائے گا۔ یہ سمجھوتہ تین برس تک برقرار رہے گا۔ اسے تافرکی نوٹس یا صنعتی جھگڑا قانون کے ذریعہ ختم کیا جا سکے گا۔

(باقی صـ۲ پر)

سماجی فلاح و بہبود کی کارگذاریاں

اس سماجی ماحول میں جہاں آبادی کی بڑی اکثریت غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کرتی ہے، سماجی فلاح و بہبود کے اقدامات کافی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ گذشتہ چھ برسوں میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کے سماجی رفاہ کے شعبہ نے اپنی سرگرمیوں کو عام لوگوں تک پہونچانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس شعبہ کے زیر اہتمام بہت سارے تعمیراتی اور رفاہی پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا گیا اور ان سے اب عوام اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔ اس عرصہ میں اس شعبہ کے ذریعہ جن پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا گیا، انکی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) زچہ بچہ رفاہ پروجیکٹ: گذشتہ چھ برسوں میں سماجی رفاہ کے شعبہ نے ماں اور بچوں کو تغذیہ فراہم کرنے کے لئے بچوں کی افزائش کے ۴۹ تکمیلی پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا ہے۔ ان پروجیکٹوں سے تقریباً ۵ لاکھ بچے مستفید ہوتے ہیں۔ ان پروجیکٹوں میں ۔۔۔ ۶ عورتیں کام کر رہی ہیں۔ انہیں انکی خدمات کے لئے معمولی تنخواہیں دی جاتی ہیں اور اس طرح معاشی لحاظ سے جزوی طور پر وہ سب ان پروجیکٹوں سے مستفید ہوئیں۔
ضلع پریشدوں کے تحت بھی ایسے پروجیکٹ چالو کئے گئے اور بچوں کے تغذیہ پروجیکٹ سے ۲٫۲۰ لاکھ بچے مستفید ہو رہے ہیں۔ مغربی بنگال سماجی رفاہ بورڈ بھی اسی طرح کے پروجیکٹوں کو روبہ عمل لا رہا ہے اور ان میں ۱۸۵۰۰ بچے مستفید ہو رہے ہیں۔

(۲) ماں اور بچہ کی رفاہ کے مراکز: سنہ ۱۹۷۸ء کے تباہ کن سیلاب سے متاثر ہونے والے دس اضلاع کے ۲۰ منتخبہ بلاکوں میں "یونیسف" کی مالی امداد کے ذریعہ سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۲۵ لاکھ روپئے خرچ کر کے ماں اور بچہ کی رفاہ کے ۱۵۰۰ مراکز تعمیر کئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ۱۰۵۰ نئے ٹیوب ویل بٹھائے گئے اور ۸۲۵ پرائمری اسکولوں کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۸۱ء سے ریاستی حکومت اس پروجیکٹ کے کل اخراجات برداشت کر رہی ہے۔ سی۔اے۔آر۔ای کی غذائی امداد سے تین لاکھ ماں اور بچے مستفید ہو رہے ہیں۔ ان اقدامات کے ذریعہ ۳۲۰۰ عورتوں کیلئے پورے وقت کی ملازمتیں اور ۹۰ عورتوں کے لئے جزوی وقت کی ملازمتیں فراہم کرنی ممکن ہو سکیں۔

(۳) سلائی اور کشیدہ کاری میں تربیت: ۷۶ بلاکوں میں سلائی اور کشیدہ کاری کے تربیتی مراکز قائم کئے گئے۔ یہاں عورتوں کو سلائی اور کشیدہ کاری میں تربیت دی جا رہی ہے۔ ایسی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ معاشی بحالی کے لئے ضرورتمند اور غریب عورتیں خود کفیل بن جائیں۔ ہر سال ان مرکزوں میں ۳۸۰۰ عورتوں کو سلائی اور کشیدہ کاری کی تربیت دی جاتی ہے اور تربیت کے دوران انہیں فی کس فی ماہ ۵۰ روپئے دئے جاتے ہیں۔ تربیت دینے کیلئے ۲۰۴ عورتوں کو ملازمت دی گئی ہے۔ اس پروجیکٹ پر سالانہ ۵۰ لاکھ روپئے خرچ کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۸ تا ۵۰ سال کی عورتوں کی، جن کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، معاشی بحالی کیلئے مرکزی حکومت کے ایک پروجیکٹ کے تحت مشہور رضاکار تنظیموں کے ذریعہ اور بھی مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ ایسے مراکز کلکتہ، بارکپور، چنے رام باٹی، اور سندربن رنگابلیا میں واقع ہیں۔ ریاستی حکومت ان کے کل اخراجات کا ۵۴ فیصد حصہ خود برداشت کرتی ہے۔ ایسے تربیتی مراکز کی تیار کردہ مصنوعات کو فروخت کرنے کیلئے بہالہ، کلکتہ میں "مینٹون مارکیٹ" میں خردہ فروشی کا ایک مرکز بنام "شوکلپانی" کھولا گیا ہے۔

(۴) عورتوں کا ہاسٹل پروجیکٹ: شہری علاقوں

میں کام کرنے والی عورتوں کے رہائشی مسئلہ کو حل کرنے کیلئے ۴ ہاسٹل کی عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں۔ ان عمارتوں کی تعمیر پر ۵۴ر۲ لاکھ روپئے خرچ ہوئے۔ اور ان سے ۲۰۰ عورتیں مستفید ہو رہی ہیں۔

(۵) بچوں کی پرورش گاہ: مغربی بنگال سماجی رفاہی بورڈ کے ذریعہ دفتروں میں کام کرنے والی عورتوں کے بچوں کی دیکھ بھال کرنے کیلئے ۲۰ مراکز کھولے گئے ہیں۔ ان مراکز میں ۴۰۰ بچوں کی دیکھ بھال کی جا رہی ہے اور اس طرح چار سو مائیں مستفید ہو رہی ہیں نیز بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ان مراکز میں ۶۰ افراد کو روزگار بھی فراہم کیا گیا ہے۔ سماجی رفاہ بورڈ کے ذریعہ مزید ۴۴ مراکز کھولے جا رہے ہیں۔ مزید برآں دو یتیم خانے، ایک کوچ بہار میں اور دوسرا کرشنگر میں، کھولے گئے ہیں۔ یہاں نادار اور یتیم عورتوں اور نوعمر لڑکیوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ ان یتیم خانوں کی تعمیر پر ۴ لاکھ روپئے خرچ ہوئے۔ یہاں دو سو عورتوں اور بچوں کو رکھا گیا ہے۔ ضلع ۲۴ پرگنہ کے جنوبی گڑیہ میں نادار بوڑھی عورتوں کے لئے ایک "ہوم" زیر تعمیر ہے۔

دیبرا تھانہ کے علاقہ میں واقع ترقی پذیر مہیلا سمیتی کے زیر انتظام ایک تربیتی مرکز قائم کیا گیا ہے جہاں فاحشہ عورتوں کیلئے مفت رہائش اور تربیت کی سہولتیں فراہم ہیں۔

(۶) بیوہ کو پنشن: نادار بیوہ عورتوں کے لئے فی ماہ فی کس ۳۰ روپئے کے حساب سے پنشن دینے کی اسکیم رائج کر دی گئی ہے۔ فی الحال اس اسکیم سے ۷۲۰۰ بیوہ عورتیں مستفید ہو رہی ہیں۔

(۷) طلباء کو عطیات: یتیم بچوں کی تعلیم اور پرورش کے لئے فی کس فی ماہ ۳۰ روپئے مالی امداد دینے کی اسکیم رائج کی گئی ہے۔ اس اسکیم سے ایسے ۴۰۰۰ بچے مستفید ہو رہے ہیں۔

جلپائی گوڑی میں ۵۰ نادار اور یتیم بچوں کی رہائش کے لئے ایک یتیم خانہ قائم کیا گیا ہے تاکہ یہاں نادار اور غریب بچوں کو رہائش اور تعلیم کی سہولتیں فراہم ہوں۔ یہاں ۳۰۰ افراد کو روزگار بھی فراہم کیا گیا۔ رضاکار تنظیموں کے ذریعہ بھی تقریباً ۱۰۰۰ بچوں کی رہائش اور تعلیم کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں ایسے بچوں کی تعداد ۴۰۰ تھی۔

دیہی پروجیکٹ کے تحت ۴۵۶۰ نادار بچوں کو لایا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۷ء کے اوائل میں ایسے بچوں کی تعداد ۲۰۰۰ تھی۔ یہ مرکزی حکومت کا پروجیکٹ ہے اور ریاستی حکومت اس کے کل اخراجات کا ۵۴ فیصد حصہ برداشت کرتی ہے۔

اقوام متحدہ نے ۱۹۷۷ء کو بچوں کا بین الاقوامی 'سال' قرار دیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں ۱۹۷۷ء کے سال کو بچوں کے سال کی طرح بہت ہی جوش و خروش سے منایا گیا۔ اس پروگرام کے تحت دو فلمیں تیار کی گئیں، جن میں سماج کے تمام طبقوں کے بچوں کے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس موقع پر بچوں کے لئے کہانی کی کتاب "آور بیبلی" شائع کی گئی۔ اس موقع پر ضلع دارجلنگ میں بچوں کا ایک باغ تعمیر کیا گیا۔

سارے مغربی بنگال میں بچوں کا ایکٹ نافذ العمل ہے۔ سماجی رفاہ بورڈ کے تحت بچوں کی رفاہ کے ۳۴ پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

معذور بچوں کیلئے سہولتیں:

فلمیں — ۱۹۸۱ء سال کو معذوروں کے بین الاقوامی سال کی طرح منایا گیا۔ معذوروں کے مسائل کو اجاگر کرنے کے لئے چار مشہور ڈائرکٹروں کے تحت چار دستاویزی فلمیں تیار کی گئیں۔

عطیات — ہر سال ۴۳۰ معذور افراد کو فی کس ۱۰۰ روپئے کے حساب سے عطیات دئے جاتے ہیں۔ ان عطیات کا مقصد یہ ہے کہ معذور افراد اس رقم سے اپنا کاروبار یا کام کاج شروع کر سکیں۔ معذوروں کے لئے چار امدادی تربیتی مراکز۔ دو ضلع پریشدوں کے ذریعہ اور دو حکومت کے ذریعہ۔ قائم کئے گئے ہیں۔ یہاں ۲۰۰ معذوروں کو تربیت دی جاتی ہے۔

مصنوعی اعضاء کی سپلائی: معذور افراد کیلئے مصنوعی اعضاء سپلائی کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۷۷ء سے اب تک تقریباً ۲۰۰۰ معذور افراد اس اسکیم سے مستفید ہوئے۔ اس مقصد کیلئے

تقریباً ۲۰ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے۔

مکانات: رائے گنج میں ایک "ہوم" تعمیر کیا جارہا ہے۔ یہاں ۱۰۰ بہری اور گونگی عورتوں کو رہائش کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ کوچ بہار میں اندھوں کے لئے ایک ایسا "ہوم" زیر تعمیر ہے۔

وظیفہ: معذور طلبا کو وظیفہ دینے کے پروجیکٹ کے تحت درجہ پنجم سے درجہ ہشتم تک کے طلبا کو وظیفے دئے جا رہے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں ایسے پروجیکٹ سے مستفید ہونے والے طلبا کی تعداد ۹۱۱ تھی جو بڑھ کر ۱۹۸۲ء سے ۲۳۴ ہو گئی۔ ۸۳-۱۹۸۲ء تک اس پروجیکٹ سے مستفید ہونے والے طلبا کی تعداد ۱۰۵۰ ہے۔

معذوروں کیلئے بورڈ: معذوروں کی فلاح و بہبود کے لئے ایک بورڈ قائم کیا گیا ہے۔ معذور افراد کے روزگار کے سلسلے میں عمر کی حد کو بڑھا کر ۴۵ سال کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ، ان کے لئے روزگار میں آسامی مخصوص رکھے جاتے ہیں۔ انہیں پیشہ ورانہ ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ نیز انہیں ٹرام اور بسوں میں مفت سفر کرنے کی سہولتیں فراہم ہیں۔ تمام سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں تمام آسامیوں کی دو فیصد نشستیں معذور افراد کے لئے مخصوص رکھی جاتی ہیں۔

آوارہ گردوں کی بحالی: ہوڑہ اور مرشدآباد میں دو بڑی عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں یہاں ۴۰۰ آوارہ گردوں کو بحال کیا جائے گا۔ انہیں یہاں رہائش کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ ان عمارتوں کی تعمیر پر تقریباً ۴۰ لاکھ روپئے خرچ ہوں گے۔ ان عمارتوں کی تعمیر کا کام اب قریب الاختتام ہے۔

فٹ پاتھ میں رہنے والوں کی بحالی: فٹ پاتھ پر رہنے والے ۱۱۰ خاندانوں کی بحالی کا کام لوتھرن عالمی خدمات کی مدد سے شروع کر دیا گیا۔ ضلع ۲۴ پرگنہ کے سندر بن علاقہ میں اس پروجیکٹ کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا ہے۔

ضعیفی پنشن: سماجی رفاہ شعبہ کی ایما کے ذریعہ نادار ضعیف لوگوں میں فی کس فی ماہ ۳۰ روپئے بطور مالی امداد دئے جاتے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں ایسے پنشن یافتگان کی تعداد ۲۰۰۰۰ تھی، انہیں فی کس ۲۵ روپئے فی ماہ دئے جاتے تھے۔ اب ایسے لوگوں کی تعداد ۳۰۰۰۰ ہے اور فی کس ۳۰ روپئے فی ماہ بطور پنشن دئے جاتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۸ کا)

فیصلہ ہے جسے قابل مدبر ہی لے سکتے ہیں۔ اور اس سے قومی یکجہتی کو کافی تقویت پہونچے گی۔ مجھے امید ہے کہ اس سمپوزیم میں ان باتوں پر غور و خوض کیا جائے گا۔ میں ان الفاظ کے ساتھ اس سمپوزیم کا افتتاح کرتا ہوں۔

بالغوں کی تعلیم کے مراکز کیلئے عطیات

حکومت مغربی بنگال کے شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب کو رفاہ کے شعبہ نے ۸۳-۱۹۸۲ء کے تحت مختلف اضلاع میں بالغوں کی تعلیم کے ۹ مراکز کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ۹۱۸۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

دل آزار کتاب ضبط کرلی گئی

دلی انتظامیہ نے "قرآن اینڈ دی کافر" نامی کتاب ضبط کرلی ہے۔ اس کتاب کا مصنف اور ناشر اے۔ گھوش ہے جس نے ۵/۲۷، ڈبلو، لٹل پارک سوٹ ۲۱۶، ہارسٹی، ٹیکس ۷۷۰۲۱ سے یہ کتاب شائع کی ہے۔ چونکہ اس کتاب میں شامل بعض ابواب سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں اور مختلف فرقوں کے درمیان منافرت پھیلنے کا خدشہ ہے اس لئے اس کتاب کی ہر کاپی حکومت نے ضبط کرلی ہے۔



جوڑاسا کھوٹھاکر باڑی میں رابندر اجینتی کا ایک منظر

راسٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں ۱۴ر مئی ۱۹۸۴ء کو آنتوں کے امراض کے سلسلے میں حکومتِ مغربی بنگال کے وزیرِ صحت شری آمریش مکھرجی، بنگلہ دیش کے طبی ماہر ڈاکٹر مجیب الرحمٰن سے محوِ گفتگو۔



MAGHREBI BANGAL
1st June 1984

Regd. No. WB/...
Vol. ... No. 11
PRICE 12 Paise



مہارشی بھون، جوڑاسانکو، کلکتہ میں ۹ مئی ۱۹۸۴ کو ٹیگور کے جنم دن کے موقعہ پر ایک تقریب ۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.



پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ۱۵ جون سنہ ۱۹۸۴ء شمارہ نمبر ۱۲

شرح خریداری

سالانہ: ۳ روپئے ــــ اس شمارے کی قیمت: ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال،
۲۳-آر۔این۔مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



ادیوگ بھون، نئی دہلی میں فالتا آزاد تجارتی علاقہ کے سلسلے میں مغربی بنگال کے وزیر صنعت و حرفت شری نرمل باسو تجارت کے مرکزی وزیر ریاست شری این۔آر۔لشکر سے بات چیت کرتے ہوئے۔

اے دلِ بیتاب ٹھہر

فیض احمد فیض

تیرگی ہے کہ امڈتی ہی چلی آتی ہے
شب کی رگ رگ سے لہو پھوٹ رہا ہو جیسے
چل رہی ہے کچھ اس انداز سے نبضِ ہستی
دونوں عالم کا نشہ ٹوٹ رہا ہو جیسے

رات کا گرم لہو اور بھی بہہ جانے دو
یہی تاریکی تو ہے غازۂ رخسارِ سحر
صبح ہونے ہی کو ہے اے دلِ بیتاب ٹھہر!

ابھی زنجیر چھنکتی ہے پسِ پردۂ ساز
مطلق الحکم ہے شیرازۂ اسباب ابھی
ساغرِ ناب میں آنسو بھی ڈھلک جاتے ہیں
لغزشِ پا میں ہے پابندیِ آداب ابھی
اپنے دیوانوں کو دیوانہ تو بن لینے دو
اپنے میخانوں کو میخانہ تو بن لینے دو
جلد یہ سطوتِ اسباب بھی اٹھ جائے گی
یہ گراں باریِ آداب بھی اٹھ جائے گی

خواہ زنجیر چھنکتی ہی چھنکتی ہی رہے

★★

تعلیم کے میدان میں مغربی بنگال کی نمایاں کامیابی

اس بات کے پیش نظر کہ تمام بچوں کو ابتدائی (پرائمری) تعلیم فراہم کی جائے، حکومتِ مغربی بنگال نے ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے تمام بچوں کو اسکولوں میں ابتدائی تعلیم دینے کے لئے ایک وسیع پروگرام کو اپنایا ہے۔ سنہ ۷۸-۷۷ء میں مغربی بنگال میں کلاس I تا کلاس V میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد ۵۹۹۳۰۰۰ تھی سنہ ۸۳-۸۲ء کے آخر میں ایسے بچوں کی تعداد بڑھ کر ۷۲۷۵۰۰۰ ہو گئی۔ سنہ ۸۵-۸۴ء کے سالانہ منصوبہ میں نشانہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ ۷۷۵۰۰۰۰ بچوں کو ابتدائی تعلیم فراہم کی جائے۔ سنہ ۸۵-۸۴ء میں ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے بچوں کی تعداد تقریباً ۸۱۷۹۰۰۰ ہوگی۔ ان میں سے ۹۴ فی صد بچوں کو سنہ ۸۵-۸۴ء کے آخر تک اسکول جانے کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ اس نشانہ کو پورا کرنے کیلئے سنہ ۸۱-۸۰ء میں ۱۲۰۰، سنہ ۸۲-۸۱ء میں ۱۲۰۰، اور سنہ ۸۴-۸۳ء میں ۱۳۰۰ نئے پرائمری اسکول کھولنے کی منظوری دی گئی۔ ان اسکولوں کیلئے مزید اساتذہ کے لئے مزید عہدوں کی منظوری دی گئی۔ اور سنہ ۸۱-۸۰ء میں ۲۸۰۰، سنہ ۸۲-۸۱ء میں ۳۸۰۰ اور سنہ ۸۴-۸۳ء میں ۴۰۳۰ نئے اساتذہ کی تقرری کی منظوری دی گئی۔ ایک تجویز یہ ہے کہ آئندہ مالی سال میں اور بھی زیادہ اسکول قائم کئے جائیں اور ان کے لئے مزید اساتذہ مقرر کئے جائیں تاکہ اسکول جانے والے تمام بچے اسکول میں جاکر ابتدائی تعلیم حاصل کرسکیں۔

ہندوستان کی تمام ریاستوں میں مغربی بنگال ہی وہ واحد ریاست ہے جہاں پرائمری اسکولوں کے تمام طلباء کو نصاب کی کتابیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ سنہ ۱۹۸۴ء کے تعلیمی سال میں مختلف موضوعات پر ۲۶۲۰۰۰۰۰ کتابوں کی چھپائی اور تقسیم کا کام قریب الاختتام ہے۔

[illegible] زبان میں نصابی کتابیں شائع کی جاتی ہیں، ان کے علاوہ نیپالی، ہندی، اردو، انگریزی اور سنتھالی (اولچیکی رسم الخط میں) زبانوں میں بھی نصاب کی چند کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں۔ نظامت کی پرائمری شاخ کے افسروں کو ان کتابوں کی تقسیم کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ کتابوں کی جلد از جلد تقسیم کے لئے پنچایتوں، میونسپلٹیوں اور ٹیچرس ایسوسی ایشنوں کی خدمات حاصل کی جارہی ہیں۔ نصابی کتابوں کے لئے اس سال ساڑھے پانچ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ کتابوں کی چھپائی اور تقسیم کے کام میں تیزی لائی گئی ہے تاکہ تعلیمی سال کے پہلے مہینہ میں ہی طلباء کو کتابیں فراہم ہوں۔ سنہ ۱۹۸۴ء کے اسکول سال کے شروع ہونے کے قبل ہی دسمبر سنہ ۱۹۸۳ء تک زیادہ تر ضلع ہیڈ کوارٹرس میں نصاب کی کتابیں بھیج دی گئیں۔

قومیائے نصاب کی کتابوں کے سلسلے میں قانون میں ترمیم لاکر ایسی کتابوں کی غیر قانونی ملکیت اور کالا بازاری کی روک تھام کرنے کے لئے سخت ترین اقدامات کئے گئے۔ قومیائے نصاب کی کتابیں پرائمری سطح تک تقریباً ۷۶ لاکھ طلباء کو فراہم کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ تاہم تقسیم کے ان انتظامات کو اور بھی موثر بنانے اور ان کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے ہمیں عزت مآب ممبران کے تعاون اور تعمیری مشوروں کی ضرورت ہے۔

گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی طالبات کو اسکول کے لباس مفت فراہم کرنے کی اسکیم کو بروئے عمل لایا جائے گا۔ عام طبقوں کی ۴۰ فیصد طالبات کو بھی موجودہ مالی سال میں اسکول کے لباس مفت فراہم کئے گئے۔ ایک تجویز یہ

ہے کہ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں گیارہ لاکھ طالبات کو اس اسکیم کے تحت لایا جائے۔

ابتدائی درجوں میں، نصاب کمیٹی کی سفارشات کے مطابق کھیل کود اور جسمانی ورزش کو نصاب کے تحت لازمی موضوع کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا ہے۔ اسکولوں کو بچوں کے لئے کھیل کود اور اسپورٹس کے سازو سامان خریدنے اور سالانہ اسپورٹس کا انتظام کرنے کیلئے کافی فنڈ کی منظوری دی گئی ہے۔ گزشتہ سال کی طرح آئندہ سال بھی یہ پروگرام جاری رہے گا۔ پہلی بار سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ضلع سطح پر اسپورٹس منعقد ہوئے۔ اس کیساتھ ریاستی سطح پر پرائمری اسکولوں کے بچوں کے لئے بین اضلاع اسپورٹس بھی منعقد ہوا۔ اس مد پر موجودہ مالی سال میں ۴ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ پرائمری درجوں کے تمام بچے اور بچیوں کو ان اسپورٹس میں شامل ہونے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں کیوں کہ ایسی مسابقت، گرام پنچایت سطح ہی سے شروع ہوتی ہے۔ اس سال ضلع سطح پر اسپورٹس بہت ہی شاندار طریقہ سے منعقد ہوئے۔ اساتذہ، تعلیم میں دلچسپی لینے والے مقامی لوگوں کے نمائندوں اور اسکول کی جانچ کرنے والے اسٹاف کی پرخلوص کوششوں کے ذریعہ ان اسپورٹس اور کھیل کود کے دائرہ میں ابتدائی سطح پر بچوں کے لئے صحت مند ثقافت اور کسرت کو فروغ دینے کیلئے ایک بہت ہی خوشگوار ماحول پیدا کیا جاسکا۔

بچہ تغذیہ اسکیم کے تحت اور سی۔ اے۔ آر۔ ای کے تعاون کے ساتھ ساری ریاست میں شہری اور دیہی علاقوں میں پرائمری اسکولوں کے بچوں کو دن کا کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔ فی الحال ریاستی تغذیہ پروگرام کے تحت پرائمری اسکولوں کے ۲۹ر۱۲ لاکھ بچوں اور سی۔ اے۔ آر۔ ای اسکیم کے تحت اور ۶ر۵ لاکھ بچوں کو دن کا کھانا مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں اس اسکیم کے تحت بچوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

پرائمری تعلیم ایکٹ سنہ ۱۹۷۲ء میں ایک ترمیم لائی گئی۔ سنہ ۱۹۸۲ء میں ریاستی قانون ساز اسمبلی نے اس ترمیم کو پاس کیا تھا۔ اس ترمیمی ایکٹ کو صدر کی منظوری حاصل کرنے کیلئے بھیج دیا گیا۔

اس ریاست میں کلاس VI تا کلاس VIII میں طلبا کی تعداد سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۹۸ر۱۶ لاکھ سے بڑھ کر سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۸۴ر۲۲ لاکھ ہوگئی۔ اسی عرصہ میں کلاس IX اور X میں زیر تعلیم طلبار کی تعداد ۷۸ر۶ لاکھ سے بڑھ کر ۹ر۸ لاکھ ہوگئی۔ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں ثانوی درجوں میں زیر تعلیم طلبار کی تعداد ایک نشانہ کے مطابق ۲۵ر۳۵ لاکھ ہوجائیگی۔

مذکورہ بالا نشانے تک پہونچنے کے لئے ریاستی حکومت نے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۱۲۱ چار کلاس جونیر ہائی اسکولوں اور ۱۴۲ ہائی اسکولوں کو تسلیم کرلینے کی منظوری دی۔ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۲۵۰ جونیر ہائی اسکولوں اور ۱۵۰ ہائی اسکولوں کو تسلیم کرنے کی منظوری دی گئی۔

اس ریاست میں سنہ ۱۹۸۴ء کے تعلیمی سال کے شروع میں ۱۰۳۴ ہائیر سکنڈری اسکولوں میں ۱۲ر۳ لاکھ طلبا زیر تعلیم تھے۔ اعلیٰ تر تعلیم کی توسیع کے لئے ریاستی حکومت نے مزید ۵۰ ہائیر سکنڈری اسکولوں کو تسلیم کرنے کی منظوری دی اور اسی مقصد کے لئے حکومت نے ٹیچروں کے ۳۰۰ مزید اسامی پیدا کئے۔

گزشتہ پانچ چھ برسوں میں حکومت کے زیر اہتمام لائبریریوں کی تعداد ۷۵۰ سے بڑھ کر ۲۵۰۰ ہوگئی۔ اس کے علاوہ ۸۳۷ لائبریریوں میں بچوں کا شعبہ بھی کھولا گیا۔

موجودہ ریاستی حکومت نے جہالت کو دور کرنے کے پروگرام کے جزو کے طور پر غیر رسمی تعلیم کو قبول کرلیا ہے۔ ۹ سے ۱۴ سال کی عمر کے بچے، جو مالی دشواریوں کی وجہ سے عام اسکولوں میں تعلیم حاصل نہ کرسکے یا جنھیں کلاس VIII سے قبل ہی اپنی تعلیم کے سلسلہ کو مجبوراً ختم کرنا پڑا، اس تعلیمی پروگرام سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

اس ریاست میں فی الحال تقریباً ۱۶۰۰ مراکز کے ذریعہ دیہی اور شہری علاقوں میں اور خاص طور پر بستیوں میں رہنے والے بچوں کو تعلیم دی جارہی ہے۔ ایک منصوبہ یہ ہے کہ آئندہ مالی سال میں اس طرح کے مزید ۱۰۰۰ مراکز قائم کئے جائیں۔

سماجی تعلیم کے میدان میں ۱۵ مرکزی سیکٹر دیہی خواندگی پروجکٹس، ۳۰ ریاستی سیکٹر دیہی خواندگی پروجکٹس اور دیگر ریاستی سماجی تعلیم

(باقی صفحہ ۹ پر)

انسانیت کا پجاری ساحر لدھیانوی

ڈاکٹر کیول دھیر، لدھیانہ

جہاں جہاں تری نظروں کی اوس ٹپکی ہے
وہاں وہاں سے ابھی تک غبار اٹھتا ہے
جہاں جہاں ترے جلووں کے پھول بکھرے ہیں
وہاں وہاں دلِ وحشی پکار اٹھتا ہے

ساحر لدھیانوی آج ہمارے درمیان نہیں ہے تو اسی کے یہ اشعار مجھے اکثر اور شدت سے یاد آتے ہیں۔ نہیں معلوم کہ ساحر نے یہ کن جذبات کے تحت اور کس کے لئے کہے تھے لیکن محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشعار میرے لئے ہیں۔ ان سبھوں کے لئے ہیں جنہیں ساحر سے پیار تھا اور ہے ـــــ تاکہ اس کے جانے کے بعد یہ اشعار اس کی یادوں کے پھول بن کر مہکتے رہیں اور دلِ وحشی اسے بیکراں پکارتا رہے۔

میں ساحر کا ذاتی دوست نہیں صرف شناسا تھا لیکن ادبی رشتے سے وہ میری برادری کا نہ صرف ایک قابلِ احترام فرد تھا بلکہ میرا ذاتی "ادبی دوست" بھی تھا۔ آج ساحر نہیں ہے تو بھی میں کہتا ہوں کہ وہ میرا بہت ہی پیارا ادبی دوست ہے کیوں کہ اس کا ادب زندہ ہے، اس کا قلم زندہ ہے ـــــ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

سرزمینِ پنجاب کو خصوصاً لدھیانہ کی دھرتی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ساحر نے زندگی کی پہلی سانس یہاں لی تھی۔ لدھیانہ کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ اس عظیم شاعر نے اپنا بچپن، اپنی جوانی اسی دھرتی پر گزاری۔ آٹھ مارچ ۱۹۲۱ء کا مبارک دن تھا جب عبدالحئی نام سے اس انسان نے لدھیانہ کے ایک جاگیردارانہ خاندان میں آنکھ کھولی جو بعد میں بین الاقوامی سطح پر ساحر لدھیانوی کے نام سے مشہور ہوا۔ سرسری طور پر اگر ہم ساحر کی زندگی پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ایک جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتے ہوئے بھی جاگیردارانہ نظام سے اس نے بغاوت کی۔ عالمِ شباب تک پہنچتے پہنچتے وہ اس ماحول سے بہت دور جا چکا تھا۔ دوسرے معنوں میں اس کے جذبات میں ترقی پسند سوچ کا جو طوفان پیدا ہوا تھا اس سوچ نے اسے باغی بنا دیا تھا۔

ساحر نے ابتدائی تعلیم لدھیانہ کے خالصہ ہائی اسکول میں حاصل کی اور پھر تعلیمی سلسلہ مقامی گورنمنٹ کالج میں جاری رکھا۔ وہ دور تھا جب مادرِ وطن غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ حصولِ تعلیم کے دوران ہی ساحر کے باغی جذبات میں شدت پیدا ہوئی اور اس کے قلم نے برٹشی سامراج کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔ اس دور میں اس نے انقلابی نظمیں لکھیں اور اپنی شعری تخلیقات کے ذریعہ برق باریاں اور شعلہ باشیاں کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی حکومت نے اس کی انقلابی نظموں کو ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔ ساحر کے جذبوں کا طوفان بھلا اتنی سی بات سے کیسے تھم جاتا۔ اس نے سامراجی حکومت کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ نتیجے کے طور پر اسے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود اس کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ اس کے باغی جذبات کی ترجما

ان اشعار کے ذریعہ ہوتی ہے ۔

مری صدا کو دبانا تو خیر ممکن ہے
مگر حیات کی للکار کون روکے گا
فصیلِ آتش و آہن بہت بلند سہی
بدلتے وقت کی رفتار کون روکے گا
نئے خیال کی پرواز روکنے والو!
نئے عوام کی تلوار کون روکے گا؟

"تلخیاں" ساحر کی نظموں کا اولین مجموعہ تھا جس نے بے پناہ شرف مقبولیت حاصل کی۔ اس کتاب کے پچیس[25] سے زائد اردو ایڈیشن، ایک درجن کے قریب ہندی ایڈیشن اور ان کے علاوہ پنجابی اور دیگر زبانوں میں بھی کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔
بین الاقوامی موضوع پر طویل نظم "پرچھائیاں" اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کے تراجم بہت سی ملکی و غیر ملکی زبانوں میں ہوئے۔ ساحر کی شہرہ آفاق کتاب "گاتا جائے بنجارہ" گیتوں کا انتخاب ہے جس میں انسانی جذبات و احساسات کے علاوہ ملک کی سیاسی و سماجی تصویر بھی پیش کی گئی ہے ۔

"آؤ کہ کوئی خواب بُنیں" ساحر لدھیانوی کا مجموعہ کلام ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ اس تصنیف کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی اور اسی پر اسے سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ، اردو اکیڈمی ایوارڈ اور مہاراشٹرا اسٹیٹ لٹریری ایوارڈ حاصل ہوئے۔ اس مجموعے کی اشاعت سے سال بھر قبل ۱۹۷۱ء میں ساحر کو حکومتِ ہند کی طرف سے اس کی لاثانی ادبی خدمات کے پیشِ نظر "پدم شری" کا اعزاز دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ ساحر کو بہت سے دوسرے اعزاز و ایوارڈ بھی حاصل ہوئے۔

ساحر عوام کا شاعر تھا۔ اس حقیقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے جو نظم وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو پر لکھی تھی اسے "سٹی پارک" کرنال میں نہرو جی کے بت کے نیچے ان کی وصیت کے ساتھ ہی کندہ کیا گیا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں ہند۔ پاک جنگ کے بعد، ہمارے بہادر جوانوں نے کئی فوجی چوکیوں کا نام ساحر کے نام پر رکھا ۔۔۔ ہمارے جوانوں کا فوجی ترانہ (Marching - Song) ساحر لدھیانوی نے لکھا تھا۔ عوامی سطح پر پہلی بار لدھیانہ میں ساحر کی عزت افزائی کی گئی۔ سول لائن، لدھیانہ کی ایک سڑک کا نام ساحر روڈ رکھا گیا ۔۔۔۔ اور ساحر کی وفات کے بعد پنجاب زراعتی یونیورسٹی لدھیانہ نے ایک بہت ہی خوبصورت پھول کا نام "گلِ ساحر" رکھ کر اپنے محبوب شاعر کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا۔

اب کے برس یعنی ۱۹۸۴ء میں "ادیب" انجمن پنجاب کے زیرِ سرپرستی اور شری جوگندر پال پانڈے (سابقہ وزیر صحت و تعلقات عامہ پنجاب) اور جناب کے۔ آر۔ لکھن پال۔ ڈپٹی کمشنر لدھیانہ کی رہنمائی میں بہت بڑے پیمانے پر جشنِ ساحر تقریبات کا انعقاد کیا جا رہا ہے اور لدھیانہ میں ساحر آڈیٹوریم کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تجویز ہے۔ بعد ازاں یہاں "ساحر اکادمی" کے قیام کی بھی تجویز ہے ۔
اپنے ادبی دوست کی فنکارانہ عظمتوں کا ذکر کروں تو مجھے برصغیر کے مشہور شاعر و ادیب احمد ندیم قاسمی کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں جو انہوں نے ساحر کی زندگی ہی میں اس سے متعلق اپنے ایک مضمون میں لکھے تھے ۔۔۔ "ساحر لدھیانوی کی شاعری میں جن خصوصیات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ان میں احساس کی شدت بہت نمایاں ہے اور چونکہ ساحر کے فن کی بنیادیں صالح اور خلوص بھرے احساس پر استوار ہیں اس لئے اس کے ہر شعر میں تفکر، آہنگ، مشاہدہ اور ماحول کے اثرات موجود ہیں اور انہی کے باعث وہ دورِ جدید کے شعراء میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے" ۔ ساحر کا دل، اس کا قلم کس قدر حساس تھا اس کا اندازہ ہم مندرجہ ذیل اشعار سے لگا سکتے ہیں ۔
انسان کے خلوص، چاہت اور محبت کا ذکر کرتے ہوئے ساحر نے اپنے ماحول پر شدید چوٹ کی ہے ۔

حسن کے کھلتے پھول ہمیشہ بے دردوں کے ہاتھ بکے
اور چاہت کے متوالوں کو دھول ملی ویرانوں کی !!
دل کے نازک جذبوں پر بھی راج ہے سونے چاندی کا
یہ دنیا کیا قیمت دے گی "سادہ دل" انسانوں کی

ے

ساحر لدھیانوی ایک ترقی پسند شاعر تھا۔ مشہور صحافی اور مقبول ترقی پسند ادیب خواجہ احمد عباس نے ساحر کے بارے میں لکھا تھا ـــــ "ساحر کو بحیثیت شاعر جو چیز ممتاز درجہ عطا کرتی ہے وہ ہیئت سے زیادہ مواد ہے۔ اس کے طرزِ نگارش میں نغمگی بھی ہے، پیغامِ بیداری بھی۔ وہ نہ تو فراریت پسند ہے، نہ خود نگر اور نہ ہی اردو فارسی کے بیشتر شاعروں کی طرح بلبلوں اور پھولوں کے گیت گاتا ہے۔ اس کی شاعری میں ابہام پسندی اور تصوف پرستی نام کا کوئی عنصر نہیں۔ اپنی پود کے بعض دوسرے شاعروں کی طرح جو جدوجہد اور کھنچاؤ سے بھرے ہوئے دو عالمگیر جنگوں کے وقفہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ ساحر آج کے گیت گاتا ہے اور دھرتی کے گیت گاتا ہے۔ اس کا نقطۂ نظر ایک تشکیک پسند نوجوان کی انتشار پسندی سے ترقی کر کے ایک ایسی معقولیت تک پہونچا ہے جو نہ صرف اپنے ملک کی بلکہ پوری دنیا کی سماجی طاقتوں کے صحیح شعور پر مبنی ہے۔"

ساحر نے بلاشبہ انسان اور دھرتی کے گیت گائے ہیں۔ اس کے قلم نے امن کے حق میں سلامتی، محبت اور بھائی چارے کی بات کی ہے۔ اس کی شعری تخلیقات دل کی عمیق گہرائیوں تک اتر جانے والی انسانی دستاویز ہیں۔ اس نے وقت کے ہر تقاضے کو پورا کیا ہے۔ جنگ کے خلاف امن و آشتی کا پیغام دیتے ہوئے ساحر نے کہا ہے ــ

خون اپنا ہو یا پرایا ہو ۔۔۔ نسلِ آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں ۔۔۔ امنِ عالم کا خون ہے آخر
بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر ۔۔۔ روحِ تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے ۔۔۔ زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
ٹینک آگے بڑھیں کہ پیچھے ہٹیں ۔۔۔ کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ ۔۔۔ زندگی میتوں پہ روتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے ۔۔۔ جنگ کیا مسئلوں کا حل دیگی
آگ اور خون آج بخشے گی ۔۔۔ بھوک اور احتیاج کل دیگی
اس لئے اے شریف انسانو ۔۔۔ جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں ۔۔۔ شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

ساحر کے قلم سے نکلا ہوا ہر شعر ذہنِ انسانی پر ایک نشتر بن کر پیوست ہوتا ہے۔ جنگ کی تباہی و ہولناکی کا احساس، انسان اور انسانیت کے قتل کی دہشت اور پھر امن کا پیغام ـــ ایسا جذباتی اور انقلابی انداز صرف ساحر کا جادو بیان قلم کا مرہون منت ہی ہو سکتا ہے۔

ساحر کی طویل نظم "پرچھائیاں" سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔ ان میں امن کی تڑپ ہے، پیار کی التجا ہے، انسانیت کی بقا کی اپیل ہے۔

گزشتہ جنگ میں گھر ہی جلے مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گزشتہ جنگ میں پیکر جلے مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ پرچھائیاں بھی جل جائیں

ساحر نے مذہب کے نام پہ نفرت پھیلانے والوں کو ایک پیغام دیا ہے۔ اس کا نظریہ بے حد وسیع تھا۔ انسانیت اور محبت ہی اس کے نزدیک واحد ایک مذہب تھا۔

رنگ اور نسل، ذات اور مذہب جو بھی ہیں آدمی سے کمتر ہیں
اس حقیقت کو تم بھی میری طرح مان جاؤ تو کوئی بات بنے

ساحر کا قلم کبھی ناامید نہیں ہوا۔ حالات کی دشواریوں اور مسائل سے اسے کبھی گھبراہٹ نہیں ہوئی۔ اس کا قلم صبحِ نو کے گیت اس طرح گاتا ہے ــ

دھرتی کے پھیلے آنگن میں پل دو پل ہے رات کا ڈیرا
ظلم کا سینہ چیر کے دیکھو جھانک رہا ہے نیا سویرا
ڈھلتا دن مجبور سہی، چڑھتا سورج مجبور نہیں
رات کے راہی تھک مت جانا صبح کی منزل دور نہیں

ساحر حقیقی معنوں میں ایک انسان تھا۔ اس دھرتی پر بسنے والے ہر انسان کا درد اس کا اپنا درد تھا، انسان کی خوشی اس کی اپنی خوشی تھی۔ انسان کو اس نے ہمیشہ حوصلہ اور ہمت کا درس دیا۔ انسانیت کی بقا کے لئے اس نے امن کا پیغام دیا۔ نسلی و مذہبی امتیاز اور جنون کے خلاف اس نے پرزور آواز بلند کی۔ اس کے بیباک اور بے خوف قلم نے اردو زبان و ادب کو اپنی لاثانی شعری

تخیلقات سے مالا مال کیا۔

ساحر کے ان اشعار کے ساتھ میں اپنے بہت ہی پیارے ادبی دوست کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔

نہ منہ چھپا کے جئے، نہ سر جھکا کے جئے
ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کے جئے
اب ایک رات اگر کم جئے تو کم ہی سہی
یہی بہت ہے کہ ہم مشعلیں جلا کے جئے

[بشکریہ 'پاسبان' چنڈی گڑھ]

[باقی صفحہ ۵ کا]

پروجیکٹس کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

۸۴-۱۹۸۳ء میں مرکزی سیکٹر دیہی خواندگی پروجیکٹوں پر ۷۰ر۶۴ لاکھ روپئے، ریاستی سیکٹر دیہی خواندگی پروجیکٹوں پر ۰۵ر۷۰ لاکھ روپئے اور ریاستی تعلیم بالغان کے دیگر پروجیکٹوں جیسے مستحکم پائیلٹ پروجیکٹس، کسانوں کے خواندگی پروجیکٹس، ۱۵-۲۵ سال کی عمر کے لڑکے لڑکیوں کے لئے غیر رسمی تعلیم بالغان پروگرامس وغیرہ کیلئے ۲۳ر۶۳ لاکھ روپئے اب تک خرچ کئے جا چکے ہیں۔

مذکورہ پروگرام کے تحت سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۷ر۳۰ لاکھ کی جگہ دسمبر سنہ ۱۹۸۳ء تک ۴ لاکھ سے زیادہ ناخواندہ لوگوں کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء کیلئے منصوبہ بندی کمیشن کے مقرر کردہ نشانہ کو یعنی مزید ۵۶ر۴ لاکھ ناخواندگان کو تعلیم کی سہولتیں فراہم کرنے کے نشانہ کو پورا کر لیا جائے گا۔ سنہ ۱۹۸۵ء کے لئے یہ نشانہ ۵ر۵ لاکھ کا ہے جسے پورا کر لیا جائے گا۔

[ریاستی اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں حکومت مغربی بنگال کے وزیر تعلیم کے تعلیمی بجٹ کی تقریر سے ماخوذ]

(باقی صفحہ ۱۲ کا)

گائے گھاٹہ، ہابرا، سروپ نگر، بادوریا اور بن گاؤں تھانوں اور ضلع ندیا میں حیکداہ اور ہرن گھاٹہ تھانوں کے علاقوں میں۔

(۴) گرگوریا بیسن نکاس اسکیم ـــ ضلع ندیا میں نکاشی پاڑہ، نوادیپ اور کرشنگر تھانوں کے علاقوں میں۔

(۵) بالارام پور کھال نکاس اسکیم ـــ ضلع ۲۴ پرگنہ میں ڈائمنڈ ہاربر اور رفاتا تھانوں کے علاقوں میں۔

(۶) سکدا بیسن نکاس اسکیم ـــ ضلع ۲۴ پرگنہ میں سندیشی کھالی اور رمنیا کھالی تھانوں کے علاقوں میں

(۷) آمتہ اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں پانی کے نکاس میں بہتری ـــ ضلع ۲۴ پرگنہ کے وشنو پور، فالتا، موگراہاٹ، برئی پور اور سنار پور تھانوں کے علاقوں میں۔

ایک اہم سیلاب کنٹرول معہ نکاس اسکیم یعنی گھٹال ماسٹر پلان کو تکنیکی طور پر روبہ عمل لانے کی منظوری دی گئی ہے، لیکن سال بہ سال اتنے بڑے سیلاب کنٹرول پروجیکٹ کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کیلئے کافی مرکزی امداد ضروری ہے، لیکن مرکز ایسی امداد فراہم نہیں کر رہا ہے، جس کی وجہ سے اس اسکیم پر کام شروع نہیں کیا گیا ہے۔ اس اسکیم پر تقریباً ۵۰ر۱۵ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے۔

پنشن کے ایک جزوی حصے کی یک مشت وصولی کے نئے طریقے

ریاستی حکومت کے ریٹائرڈ ملازمین کے پنشن کے ایک جزوی حصے کی یک مشت رقم دینے کی منظوری کے اختیارات ان مجازی حکام کو سونپ دئے گئے ہیں جو پنشن اور گریجویٹی منظور کرنے کے مجاز ہیں۔ اس لئے متعلقہ پنشن پانے والے حضرات پنشن کے ایک جزوی حصے کی یک مشت وصولی کے سلسلے میں ایک مقررہ فارم پر مجازی حکام کو درخواست داخل کریں۔

بائیں محاذ حکومت کے چھ سال

آبپاشی و آب رسانی

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کے شعبۂ آبپاشی و آب رسانی نے گزشتہ سات برسوں میں آبپاشی و آب رسانی کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس شعبہ نے آبپاشی کے بہت سارے بڑے اور متوسط درجے کے پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ سیلاب کنٹرول اور پانی کے نکاس کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔

آبپاشی کے بڑے پروجکٹس

ٹیسٹا بیراج پروجیکٹ۔ پہلا تحتی دور۔ آبپاشی کے بڑے اور متوسط درجہ کے سیکٹر میں مغربی بنگال میں آبپاشی کے سب سے بڑے پروجیکٹ یعنی ٹیسٹا بیراج پروجیکٹ کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے مرکوز طور پر کوششیں کی گئیں اور اس سلسلے میں بہت سارے اقدامات کئے گئے۔ اس پروجیکٹ کا کام سنہ ۱۹۷۵ء میں شروع کیا گیا تھا لیکن سنہ ۷۷ء تک صرف ابتدائی اقدامات کئے گئے۔ بائیں محاذ نے اپنے دورِ حکومت میں یعنی گزشتہ سات برسوں میں ٹیسٹا بیراج، مہانندا بیراج اور مہانندا پختہ نہر جیسے اہم بیراجوں اور نہروں کی تعمیر کے کام کو مکمل کر دیا۔

ٹیسٹا بیراج پروجیکٹ کے پہلے تحتی-۱ اسٹیج سے خریف موسم میں مجموعی طور پر ۳۰۳ ہزار ہیکٹائرس اور ربیع موسم میں مجموعی طور پر ۷۶ ہزار ہیکٹائرس پر مشتمل کھیتوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ نیز اس تحتی اسٹیج سے خریف میں ضلع جلپائی گوڑی کے ۸ر۱۷ ہزار ہیکٹائرس، ضلع دارجلنگ کے ۹ر۱۰ ہیکٹائرس، ضلع مغربی دیناجپور کے ۸ر۱۵ ہزار ہیکٹائرس اور ضلع مالدہ کے ۱۰ر۲۲ ہزار ہیکٹائرس قطعات آراضی مستفید ہوں گے۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اس پروجیکٹ کے پہلے اسٹیج کے دوسرے تحتی اسٹیج کے کام کے دوران خریف موسم میں پانچ اضلاع میں کل ۱۲۲ ہزار ہیکٹائرس قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

موجودہ اسکیموں سے مندرجہ ذیل فصلوں کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

امن دھان ــ ۱۴۸ ہزار ہیکٹائرس، ربیع فصل ــ ۷۱ ہزار ہیکٹائرس، اوس دھان ــ ۳۷ ہزار ہیکٹائرس، پاٹ ــ ۳۰ر۳۲ ہزار ہیکٹائرس اور گنا ــ ۳۰ر۱۵ ہزار ہیکٹائرس۔ کل ۶۰ر۲۷۹ ہزار ہیکٹائرس پر مشتمل کھیتوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

ٹیسٹا بیراج پروجیکٹ کی تعمیر۔ ٹیسٹا بیراج کی تعمیر کا کام نومبر سنہ ۷۸ء سے شروع کیا گیا، نیز مہانندا بیراج کی تعمیر کا کام نومبر سنہ ۷۹ء سے اور مہانندا ایکی نہر کی تعمیر کا کام سنہ ۷۹-۷۷ء سے شروع کیا گیا۔

بائیں محاذ حکومت کے سات برسوں کے بعد ٹیسٹا بیراج پروجیکٹ کی تعمیر کا کام قریب الاختتام ہے۔ ٹیسٹا بیراج اور مہانندا بیراج کی تعمیر کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے، اس کے ساتھ ہی مہانندا ایکی نہر جو ایشیا میں دوسری بڑی ایکی نہر ہے، کی بھی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ بڑے بڑے بیراجوں میں گیٹ لگانے کا کام جاری ہے۔ بڑی نہروں کی کھدائی کا کام بھی جاری ہے یعنی ٹیسٹا۔ مہانندا کو ملانے والی نہر، مہانندا کی بڑی نہر اور ڈاوک نگر کی بڑی نہروں کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔

پانی کی نکاس کے لئے چھوٹے ریگولیٹرس اور پختہ نہروں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اس سلسلے میں قطعات آراضی کی حصولیابی میں بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ نیز کلیدی چیزوں جیسے سمنٹ، اسٹیل اور چکنا تیل کی حصولیابی میں مشکلات کی وجہ سے اس پروجیکٹ کی تیزی سے تکمیل کے کام میں بڑی دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں۔

ان تمام نشانوں کو پورا کرنے کیلئے مالی فنڈ کی فراہمی ایک عظیم مسئلہ بن چکی ہے کیونکہ ان پروجیکٹوں کے لئے مرکزی امداد فراہم نہیں کی جارہی ہے۔ ان دشواریوں کی وجہ سے ان پروجیکٹوں کو مقررہ وقت پر پایۂ تکمیل تک نہیں پہونچایا جاسکا اور اس کی وجہ سے چھٹے منصوبے کے آخر میں آبپاشی کی مزید سہولتیں فراہم کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

عظیم ٹیسٹا بیریج پروجیکٹ کی تکمیل سے آبپاشی اور آب رسانی کے کام کاج میں بڑی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ اس پروجیکٹ سے شمالی بنگال کے ان علاقوں میں جہاں آبپاشی کے لئے پانی سپلائی نہیں کیا جاتا تھا اب آب پاشی کی کافی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ نیز اس پروجیکٹ کے ذریعہ ۲۰ نکاتی پروگرام کے تحت آبپاشی کی سہولتوں میں کافی اضافہ ہوگا، غذائی پیداوار میں کافی اضافہ ہوگا۔ اس طرح یہ پروجیکٹ ملک کو غذائی پیداوار میں خود کفیل بنانے میں معاون ثابت ہوگا۔

آبپاشی کے دیگر بڑے پروجکٹس

<u>کنگسابتی ریزروائر پروجیکٹ</u> اس پروجیکٹ کے ہیڈ۔ ورکس اور بڑی نہر کی تعمیر کا کام پانچویں منصوبہ کے آخر تک مکمل ہوچکا تھا۔ اس پروجیکٹ کی تقریباً ۳۰۰۰ کیلومیٹر لمبی نہریں تعمیر کی گئیں۔ ان نہروں کے ذریعہ اس پروجیکٹ سے آبپاشی کے لئے پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ ۱۹۷۷ء کے قبل تک پانی کی سپلائی کے سلسلہ میں صرف ۲۵ فیصد کام ہوا، لیکن بائیں محاذ کے دور حکومت میں اس ریزروائر پروجیکٹ سے تقریباً ۱۰۰ فیصدی کام لیا جارہا ہے۔ گزشتہ سات برسوں میں کنگسابتی پروجیکٹ سے ایک لاکھ ہیکٹر قطعات اراضی کو آبپاشی کے لئے پانی سپلائی کیا جارہا ہے۔ اس پروجیکٹ سے آبپاشی کے مکمل امکانات کی ترقی اور انہیں بروئے کار لانے میں فنڈ کی کمی کے ساتھ ساتھ زمین کی حصولیابی اور دیگر متعلقہ مسائل سدِ راہ ثابت ہو رہے ہیں۔

ڈی۔ وی۔ سی بیرج اور آبپاشی

۸۳-۸۴ء تک ڈی۔ وی۔ سی کے بیرج اور آبپاشی کے نظام میں بہتری لانے اور اسے وسیع تر بنانے کا کام ۸۰ فیصد مکمل ہوچکا ہے اور اب اس بیرج اور آبپاشی کے نظام سے مزید ۱۰۵ ہزار ہیکٹرس کی آب پاشی کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ گزشتہ سات برسوں میں مزید ۷۰ ہزار ہیکٹرس کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

مؤراکشی ریزروائر پروجیکٹ

اس پروجیکٹ کی اور یہاں سے پانی کی سپلائی کیلئے نہروں کی تعمیر کا کام اب تقریباً مکمل ہوچکا ہے۔ اب اس پروجیکٹ سے مزید ۳۲ ہزار ہیکٹر قطعات اراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

جدید تر بنانے کی اسکیم کو روبہ عمل لاکر کنگسابتی، مؤراکشی اور ڈی، وی، سی پروجیکٹوں کو مزید وسیع بنانے کا کام جلد ہی شروع کیا جائیگا۔

متوسط درجہ کی آبپاشی اسکیمیں

اضلاع پرولیا، بیربھوم اور بانکوڑا کے ان علاقوں میں، جو خشک سالی سے بُری طرح متاثر ہوتے ہیں، چھٹے منصوبہ کے عرصہ سے آبپاشی کی متوسط درجہ کی ۱۱۰ اسکیموں کی تکمیل کا کام جاری ہے۔ ان میں دو اسکیمیں یعنی ضلع پرولیا میں کاری آبپاشی اسکیم اور بندھو آبپاشی اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا اور اب ان دونوں اسکیموں کے علاقوں میں علی الترتیب ۶۳ء۳ ہزار ہیکٹر اور ۴۳ء۲ ہزار ہیکٹر قطعات اراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

آبپاشی کے متوسط درجہ کی ایک اور اہم اسکیم۔ یعنی ضلع پرولیا میں سیاراجور آبپاشی اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا

گیا اور اب اس ضلع میں ۶ ہزار ہیکٹائر قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہیں۔ ضلع بیربھوم میں ہنگلو آبپاشی اسکیم کو بھی پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا اور اس سے ۳۸ر۱۲ ہزار ہیکٹائر قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔ آبپاشی کے متوسط درجہ کی چند اور اسکیموں کو چھٹے منصوبہ کے آخر تک پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا جائے گا۔ اب تک اس طرح کی کل ۲۲ اسکیموں کے لئے کام شروع کردئے گئے ہیں۔ ان اسکیموں سے جن میں خشک سالی سے متاثر علاقہ پروجیکٹ کی چار اسکیمیں شامل ہیں، ۵۲ ہزار ہیکٹائر قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہورہی ہیں۔ گزشتہ سات برسوں میں تقریباً ۲۸ ہزار ہیکٹائر قطعات آراضی کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

گزشتہ سات برسوں میں آبپاشی کی بڑی اور متوسط درجہ کی اسکیموں سے مزید ۲۵۰ ہزار ہیکٹائر قطعات آراضی کے لئے آبپاشی کے امکانات پیدا کئے گئے اور ان میں ۲۰۰ ہزار ہیکٹائر قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

آبپاشی کے سیکٹر میں مختلف برسوں میں اخراجات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سال		رقم
سنہ ۷۹-۸۰ء	—	۳۸ر۴۹ کروڑ روپئے
سنہ ۸۰-۸۱ء	—	۳۶ر۳۱ کروڑ روپئے
سنہ ۸۱-۸۲ء	—	۵۳ر۳۸ کروڑ روپئے
سنہ ۸۲-۸۳ء	—	۱۲ر۳۱ کروڑ روپئے
سنہ ۸۳-۸۴ء	(نشانہ) —	۴۷ر۳۸ کروڑ روپئے

سیلاب پر کنٹرول اور پانی کا نکاس

مغربی بنگال کو اکثر و بیشتر سیلابات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور انکی وجہ سے اس ریاست کو شدید معاشی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے سیلاب کی روک تھام کرنے اور پانی کے نکاس کی اسکیموں کی تکمیل پر زیادہ زور دیا گیا۔

سیلاب کنٹرول کے سلسلے میں چند اہم باتیں درج ذیل ہیں:

مغربی بنگال میں سیلاب کی زد میں آنے والے علاقے — ۳۷۶۶۰ مربع کیلومیٹر
سنہ ۱۹۷۷ء میں سیلاب سے متاثر ہونے والے علاقے — ۷۰۹۰۹ مربع کیلومیٹر
سنہ ۱۹۷۸ء میں سیلاب سے متاثر ہونے والے علاقے — ۳۰۶۰۷ مربع کیلومیٹر
سنہ ۱۹۸۰ء تک سیلاب کنٹرول اقدامات سے مستفید ہونے والے علاقے — ۱۲۸۶۰ مربع کیلومیٹر
سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء میں سیلاب کنٹرول اقدامات سے مستفید ہونے والے علاقے — ۱۳۶۸۰ مربع کیلومیٹر
سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء میں سیلاب کنٹرول اقدامات سے مستفید ہونے والے علاقے — ۱۴۴۳۰ مربع کیلومیٹر
سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء میں سیلاب کنٹرول اقدامات سے مستفید ہونے والے علاقے — ۱۴۹۸۰ مربع کیلومیٹر
سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء میں سیلاب کنٹرول اقدامات سے مستفید ہونے والے علاقے — ۱۵۶۲۰ مربع کیلومیٹر

سیلاب کنٹرول سیکٹر میں اخراجات کی تفصیل درج ذیل ہے:

سال		رقم
سنہ ۷۸-۸۰ء	—	۱۵ر۳۰ کروڑ روپئے
سنہ ۸۰-۸۱ء	—	۴۱ر۲۲ کروڑ روپئے
سنہ ۸۱-۸۲ء	—	۴۲ر۲۰ کروڑ روپئے
سنہ ۸۲-۸۳ء	—	۲۲ر۱۶ کروڑ روپئے
سنہ ۸۳-۸۴ء	—	۲۶ر۱۸ کروڑ روپئے

گزشتہ سات برسوں میں سیلاب کنٹرول اور پانی کے نکاس کی بہت ساری اسکیموں پر کام شروع کردیا گیا۔ ان میں سے چند اہم اسکیمیں درج ذیل ہیں:

(۱) گھیا کنتی بیسن نکاسی اسکیم۔ ضلع ہوگلی میں
(۲) سندربن میں پانی کے نکاس کے بہتر انتظامات — ضلع ۲۴ پرگنہ کے ہنگل گنج، مینا خان، وسنتی، پاتھر پرتیما، کیننگ، نام کھانہ، ستھرا پور، ساگر، کلتائی، رائے ڈیگھی اور کاکدیپ تھانوں کے علاقوں میں۔
(۳) جمنا بیسن پانی کے نکاس کی اسکیم — ضلع ۲۴ پرگنہ میں

(باقی صفحہ ۹ پر)

سرکاری خبریں

اضلاع میں خونی پیچش کی روک تھام کے سلسلہ میں مزید منظوری

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال کے مختلف اضلاع میں خونی پیچش کی روک تھام کرنے کے سلسلے میں ضروری اقدامات کئے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت نے اپنے جن ملازمین کو اس کام کے لئے اضلاع میں بھیجا ہے انہیں سفری بھتہ دینے اور اس وبا کی روک تھام کرنے کے سلسلہ میں حسب ضروری اخراجات کو پورا کرنے کیلئے مزید ۲۰۰۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

معاشی ترقیاتی اسکیموں کیلئے مالی امداد

ریاستی حکومت نے ماحول کی بہتری اور تحفظ کے لئے مزید آلودگی کے خطروں سے لوگوں کو بیدار کرنے کے سلسلے میں متعلقہ پروگراموں کو روبہ عمل لانے کیلئے کل ۱۲۷۵۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

قبائلیوں کے لئے پینے کے پانی کی سپلائی

ریاستی حکومت نے ۸۵-۱۹۸۴ء سال میں قبائلی تحتی منصوبہ کے علاقوں میں پینے کے پانی کی فراہمی کے سلسلہ میں پانی کی سپلائی کے ذرائع کی تعمیر، مرمت اور ٹیوب ویل بٹھانے کے لئے اس ریاست کے بارہ اضلاع سے شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کی رفاہ کے شعبہ کے متعلقہ پروجیکٹ افسروں کو آٹھ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

۱۱ جون سے دودھ کی قیمت میں اضافہ

سرکاری دودھ اسکیموں کے تحت مختلف اقسام کے دودھ کی موجودہ قیمت ۱۱ جون ۱۹۷۷ء کو مقرر ہوئی تھی۔ دودھ کے پیداواری خرچ میں مسلسل اضافہ کے باوجود گزشتہ سات برسوں تک مختلف ڈیری میں اسکی قیمت فروخت میں اضافہ نہیں ہوا۔ نتیجہ کے طور پر خریداروں کو دودھ کی فراہمی برقرار رکھنے کے سلسلے میں سرکار کو ہر سال خسارے کی تلافی کا ایک بھاری بار اٹھانا پڑتا تھا لہذا حکومت نے مختلف دودھ کی اسکیموں کے تحت دودھ کی قیمتِ فروخت میں نظرثانی کا فیصلہ کیا ہے۔ نظرثانی کردہ قیمتِ فروخت ۱۱ جون ۱۹۸۴ء سے لاگو ہوگی۔ نظرثانی کردہ قیمتیں درج ذیل ہیں:

(الف) گائے کا دودھ ——— ۴ روپے ۵۰ پیسے فی لیٹر
(مع ۴ فیصد روغن اور ۸٫۵ فی صد ایس، این، ایف)

(ب) ٹونڈ دودھ ——— ۲ روپئے ۶۰ پیسے فی لیٹر
(مع ۳ فیصد روغن اور ۸٫۵ فیصد ایس، این، ایف)

(ج) ڈبل ٹونڈ دودھ ——— ۲ روپئے فی لیٹر
(مع ۱٫۵ فیصد روغن اور ۹ فیصد ایس، این، ایف)

دودھ کی قیمت فروخت میں اس اضافہ کی رو سے خسارے میں کمی کی توقع ہے۔ خریداروں سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ اس نظرثانی کردہ قیمت فروخت کو برداشت کرنا گوارہ کریں۔

بچوں کی تکمیلی ترقی سے متعلق خدمات کے ۱۶۰ مزید پروجیکٹ

رائٹرس بلڈنگ کے ایک پریس کانفرنس میں شری دیبابراتا بندوپادھیائے، ریاستی وزیر رفاہ، نے اخباری نامہ نگاروں کو بتایا کہ مغربی بنگال میں ساتویں منصوبہ کے خاتمہ تک بچوں کی تکمیلی ترقی سے متعلق خدمات کے ۱۶۰ مزید پروجیکٹ روبہ عمل لائے جائیں گے۔ فی الحال چالیس پروجیکٹ کام کر رہے ہیں اور ۳۹ جلد ہی کام کرنا شروع کر دیں گے۔ وزیر موصوف نے مزید کہا کہ اس اسکیم کے سلسلہ

میں ۱۶لاکھ روپئے فی پروجیکٹ اب تک خرچ کیا جاچکا ہے۔ شریمتی بندیا دھیائے نے مزید فرمایا کہ ان بچوں کی تکمیلی ترقی سے متعلق خدمات کے کارکنان ان ریاستی بچوں سے متعلق تغذیہ اسکیم میں جو حالیہ ہیجش کے حملے کے شکار ہوئے تھے، شامل ہوں گے۔

صحت عامہ کی اسکیم

ریاستی حکومت نے پہلی اپریل ۱۹۸۴ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۸۵ء تک کی مدت کے لئے اسکیم کے چار دور میں ریاست کے ۱۵ اضلاع کے ۳۳۵ بنیادی صحت کے مراکز میں صحت عامہ رہنمائی اسکیم کو جاری رکھنے کی منظوری دی ہے۔ تربیت کی تکمیل کے بعد عملی میدان میں کام کرنے والوں کو دی جانے والی مقررہ شرح پر تنخواہ، متفرق اخراجات، دواؤں کی خریداری، صحت عامہ گائیڈ کے لباس، ایلوپیتھک دواؤں کے تھیلوں کے پیکٹ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے حسب ضرورت منظوری دی گئی ہے۔

مغربی بنگال میں آبپاشی کیلئے ۲۰۰ نئے گہرے ٹیوب ویل

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال کے مختلف اضلاع میں آبپاشی کے لئے ۲۰۰ گہرے ٹیوب ویل بٹھانے کی منظوری دے دی ہے اور ایسے ٹیوب ویلوں کے بٹھانے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔

ریاست کے چھوٹی آبپاشی شعبہ کے وزیر شری کنائی بھومک کے بیان کے مطابق حکومت کے براہ راست کنٹرول کے تحت مغربی بنگال میں گہرے ٹیوب ویل بٹھانے کا کام ۱۹۷۶ء سے بند ہوگیا تھا۔ اس وقت سے صرف ۴۰۰ گہرے ٹیوب ویل ریاستی چھوٹی آبپاشی کارپوریشن نے خاص طور سے بنکوں سے قرض لے کر بٹھائے۔ زمین دوز پانی سے خشک سالی کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور زرعی پیداوار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے زمین دوز پانی سے ۱۳ لاکھ ایکڑ زرعی قطعات آراضی کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔

چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی کی اہمیت اس بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ بائیں محاذ حکومت نے کابینہ کے وزیر کے تحت چھوٹی آبپاشی کے لئے ایک الگ شعبہ قائم کیا۔ حکومت نے چھوٹی آبپاشی کے تحت اور بھی زیادہ علاقوں میں آبپاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں بہت سارے اقدامات کئے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے ۲۰۰ گہرے ٹیوب ویل نصب کرنے کی منظوری دی۔ اس کام پر ۶۰۷۲۷۵۰ روپئے خرچ ہوں گے اور ریاستی حکومت نے کنویں بٹھانے کا کام شروع کرنے کے لئے موجودہ مالی سال میں ۱۲۰ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی۔ آئندہ سال تک تمام منظور کردہ ۲۰۰ گہرے ٹیوب ویلوں کو بٹھانے کا کام مکمل ہو جائے گا۔ اس کام کے مکمل ہونے پر تقریباً ۲۰ ہزار ایکڑ قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

آبپاشی کیلئے پانی اٹھانے کے کام پر کافی اخراجات ہوتے ہیں۔ انہیں کم کرنے کے لئے پمپ سیٹوں کو بجلی سے چلنے والے پمپ سیٹوں میں تبدیل کر دیا جا رہا ہے۔ ریاستی چھوٹی آبپاشی کارپوریشن کو گہرے ٹیوب ویل بٹھانے کے سلسلے میں بنک سے قرض حاصل کرنے کے سلسلے میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اب اس سلسلہ میں دیگر مالیاتی اداروں سے قرض حاصل کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

اس کام کی دیکھ بھال کرنے کے لئے کام کرنے والوں کی کمی ایک مسئلہ بن چکی ہے۔ اس لئے ۴۰۰ سب اسسٹنٹ انجینئر کے عہدے خالی پڑے ہوتے ہیں اور ایسے عہدوں پر کسی کو فی الحال بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کی بابت عدالتوں میں مقدمے دائر ہیں۔



وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری پربھاش چندر پھدیکار رائٹرس بلڈنگس کلکتہ میں فلمی دنیا سے وابستہ لوگوں کے ساتھ محو گفتگو

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
15th June 1984

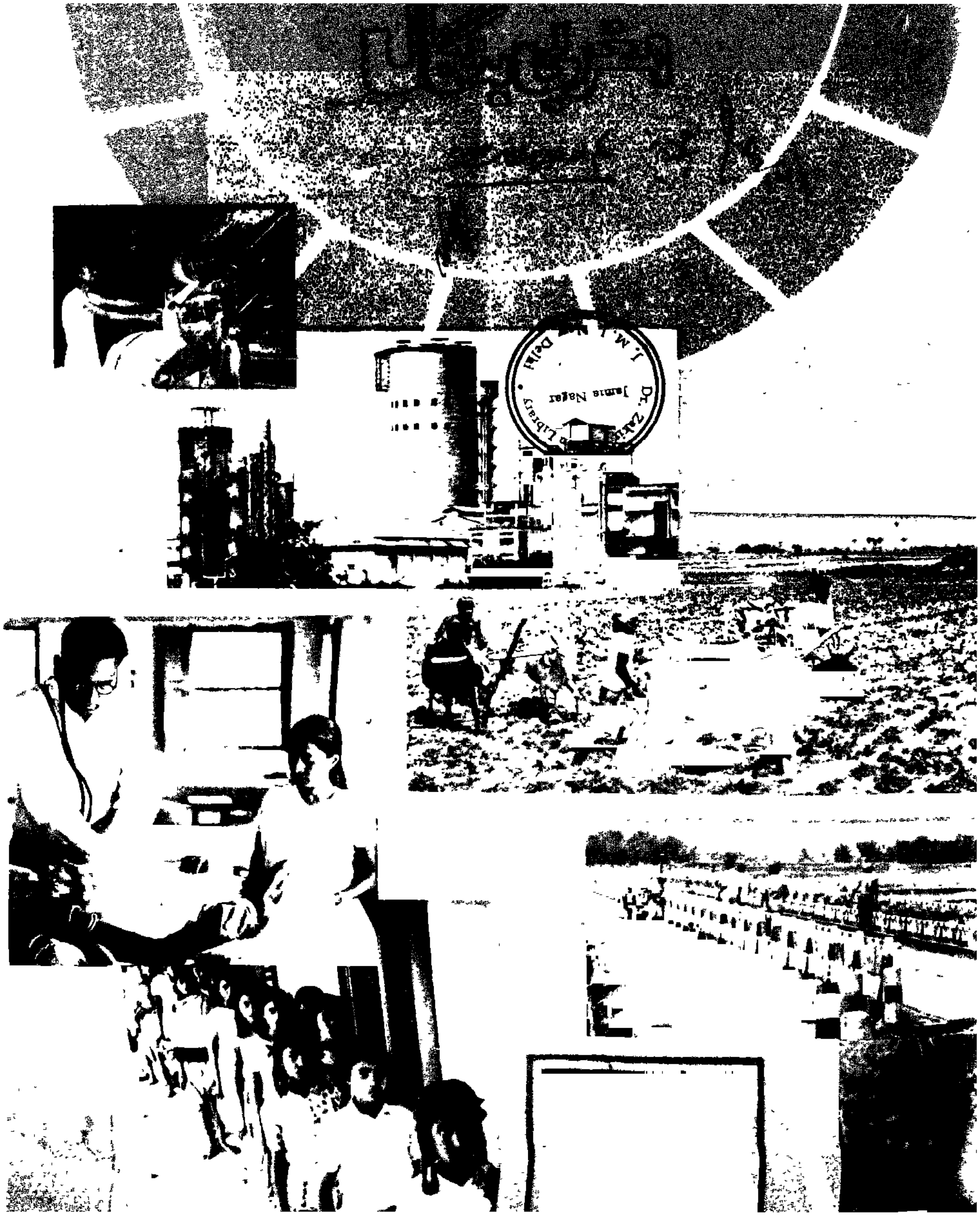
Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 12
PRICE-12 Paise

وزیر قانون اور وزیر اعلیٰ تعلیم
اس سال ربندرا یادگاری
انعام پانے والوں کے ساتھ.
تصویر میں (دائیں سے بائیں)
شری دلیپ بسواس، شری
سوشیل کمار مکھوپادھیہ،
جناب سید منصور حبیب اللہ
وزیر قانون، شری شمبھو گھوش
وزیر اعلیٰ تعلیم، شری اسل کمار
بندھوپادھیہ اور نندا گوپال
گپتا۔





مہارشی بھون
۱۰۱ ساکھو کلکتہ میں،
منعقدہ
ربندرا نمائش
کا ایک منظر۔



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتمیش بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندر ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ یکم اور ۱۵ر جولائی ۱۹۸۴ء شمارہ نمبر ۱۳ اور ۱۴

شرحِ خریداری

سالانہ : ۳ روپئے — اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۳۰ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ- کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



مغربی بنگال کے ایک گاؤں میں کسان دھان جھاڑتے ہوئے۔



عوام کے نام وزیر اعلیٰ کا پیغام

بائیں محاذ حکومت کے اپنے دورِ حکومت کے سات سال پورے کر لینے کے موقعہ پر میں مغربی بنگال کے لوگوں کو مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔ ان سات برسوں میں ہم نے اس بات پر زیادہ زور دیا کہ عوامی رفاہ کی مختلف اسکیموں کی تکمیل کے ذریعہ عام لوگوں کی تکالیف اور مشکلات کو دور کیا جائے۔ ہم ہمیشہ عوام کے مختلف طبقوں کی نمائندہ جماعتوں سے قریبی رابطہ رکھتے ہیں اور عوامی اہمیت کے اہم مسائل پر ان کے ساتھ گفت و شنید کرتے ہیں۔ اس ریاست کے لوگوں کے دلوں میں ہمت و اعتماد پیدا کرنے کے سلسلہ میں ہماری کوشش بہت حد تک کامیاب ہوئی۔ سارے ملک کے بیدار اور باشعور لوگ مغربی بنگال کی جمہوری ترقی کا دلچسپی سے معائنہ کرتے ہیں۔

مرکز اور ریاستوں کے درمیان موجودہ تعلقات اور مرکزی حکومت کے ناموافق رویے کی وجہ سے مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کئی ایک مسائل سے دوچار ہے۔ موجودہ انتظامی نظام کی چند منفی خصوصیات کو مکمل طور پر دور نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال ہم لوگ ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے اقدامات کرنے اور اپنے مسائل اور مشکلات سے لوگوں کو روشناس کرانے کیلئے مسلسل کوششیں کر رہے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ مغربی بنگال کے عوام ہماری پالیسیوں اور پروگراموں کی تائید اور اس سلسلہ میں ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہیں گے۔

کلکتہ
۱۶ / جون ۱۹۸۴ء

دستخط: جیوتی باسو

لہو نذر دے رہی ہے حیات

مرے جہاں میں سمن زار ڈھونڈنے والے
یہاں بہار نہیں، آتشیں بگولے ہیں
دھنک کے رنگ نہیں، سرمئی فضاؤں میں
افق سے تا بہ افق پھانسیوں کے جھولے ہیں
پھر ایک منزلِ خوں بار کی طرف ہیں رواں
وہ رہنما جو کئی بار راہ بھولے ہیں
بلند دعویٔ جمہوریت کے پردے میں
فروغِ مجلس و زنداں ہے تازیانے ہیں
بنامِ امن ہیں جنگ و جدل کے منصوبے
بہ شورِ عدل، تفاوت کے کارخانے ہیں
دلوں پہ خوف کے پہرے، لبوں پہ قفلِ سکوت
سروں پہ گرم سلاخوں کے شامیانے ہیں

مگر مٹے ہیں کہیں جبر اور تشدد سے
وہ فلسفے کہ جلا دے گئے دماغوں کو
کوئی سپاہِ ستم پیشہ چور کر نہ سکی
بشر کی جاگی ہوئی روح کے ایاغوں کو
قدم قدم پہ لہو نذر دے رہی ہے حیات
سپاہیوں سے الجھتے ہوئے چراغوں کو
رواں ہے قافلۂ ارتقائے انسانی
نظامِ آتش و آہن کا دل ہلاتے ہوئے

بغاوتوں کے دہل بج رہے ہیں چاروں طرف
نکل رہے ہیں جواں مشعلیں جلائے ہوئے
تمام ارضِ جہاں کھولتا سمندر ہے
تمام کوہ و بیاباں ہیں تلملائے ہوئے

مری صدا کو دبانا تو خیر ممکن ہے
مگر حیات کی للکار کون روکے گا
فصیلِ آتش و آہن بہت بلند سہی
بدلتے وقت کی رفتار کون روکے گا
نئے خیال کی پرواز روکنے والو!
نئے عوام کی تلوار کون روکے گا
پناہ لیتا ہے جن مجلسوں کی تیرہ نظام
وہیں سے صبح کے لشکر نکلنے والے ہیں
ابھر رہے ہیں فضاؤں میں احمریں پرچم
کنارے مشرق و مغرب کے ملنے والے ہیں
ہزار برق گرے، لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں

ساحر لدھیانوی

مغربی بنگال فرقہ وارانہ عصبیت کیخلاف ایک قلعہ

سید ابوالمنصور حبیب اللہ ـــــ وزیر، شعبۂ قانون

مغربی بنگال کی یہ قدیم روایت رہی ہے کہ یہاں ہندو اور مسلمان دونوں ہی نے متحد ہو کر ہمیشہ جدوجہد کی۔ دراصل ہندو اور مسلمان کی متحد جدوجہد کی یہ روایت اس وقت سے چلی آرہی ہے جب بنگال کی تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ بنگال کے فقیر اور باغی سنیاسیوں نے متحد ہو کر آٹھویں صدی میں انگریزوں کے خلاف جنگ کی۔ ۱۸۵۵ء میں ہندو اور مسلمان فرقے کے محنت کش طبقوں نے سنتھالی باغیوں کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فسادات اور تقسیم ہند کے بعد یہاں بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ فسادات کے واقعات رونما نہیں ہوئے۔ تیبھاگا احتجاجی تحریک کو صرف ۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فساد کی وجہ سے تقویت ملی تھی۔ بنگال کے دیسی لوگوں کی اکثریت متحد تحریک کی خواہاں تھی۔ کلکتہ کا آخری فرقہ وارانہ فساد ۱۹۶۴ء میں واقع ہوا تھا بیشتر لوگوں کی رائے میں مشرقی اور مغربی بنگال کے مسلمان کاشتکار اپنے مذہبی جنون اور کٹرپن کی وجہ سے اس فساد کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن اگر اسکی تاریخ پر حقیقی نگاہ ڈالی جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس رائے کے پس پشت کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملتی ہے کہ فرقہ وارانہ سیاست تیسری دہائی کے دوران حدود سے تجاوز کر گئی تھی۔ اسی دہائی کے دوران یعنی ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں مسلمانوں نے خصوصاً جناب فضل الحق اور ان کے حامیوں کو منتخب کیا۔ بعد میں کس طرح کانگریس کی متعصب سیاست نے جناب حق کو مسلم لیگ کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کیا، یہ ایک الگ ہی کہانی ہے۔ مشرقی بنگال میں بھی پہلے انتخاب میں جو پاکستان کے قیام کے بعد ہوا تھا، تین سو نمائندوں میں لیگ کے صرف سات نمائندے کامیاب ہوئے تھے باقی ۲۹۳ نمائندے جناب فضل الحق کے حمایتی تھے۔ بعد ازاں مشرقی بنگال میں لسانی تحریک کو ذہن نشین رکھتے ہوئے بنگلہ دیش کے قیام اور بنگلہ زبان کی خصوصاً شناخت کی بابت بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ گرچہ فرقہ وارانہ عصبیت کا زہر بنگال کے دیسی لوگوں کے ذہن میں داخل کر دیا گیا تھا تاہم فرقہ وارانہ عناصر کی دشمن طاقتیں بھی کافی مضبوط تھیں۔ تقسیم کے بعد کانگریس نے خصوصاً مسلمانوں کو الگ تھلگ کر دیا اور انہیں دوسرے درجے کا شہری بنا ڈالا۔ کانگریسیوں نے ان کے مفاد کے تحفظ کے لئے ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کی بلکہ ان کے ووٹوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے قیام کے بعد جس مسئلہ نے ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کیا وہ خصوصاً مغربی بنگال کے مسلمانوں کی پسماندگی ہے — خاص طور پر تعلیم اور دیگر مراعات کے شعبوں میں ان کی پسماندگی قابلِ رحم ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں ان کے حقوق محدود ہیں اور اس سلسلہ میں ان کے فی صد کا حساب لگانا بھی مشکل ہے۔

جمہوری اور سیکولر نظام حکومت کے دستوری پروپیگنڈہ کے باوجود یہ لوگ حقیقت میں محرومی کے شکار ہیں۔ گرچہ اقلیتی پسماندہ فرقوں کے لئے ملازمت کا تناسب، انتظام کا تذکرہ دستور کی دفعہ ۱۶ اور آرٹیکل ۴۶ میں موجود ہے تاہم سب سے کم توجہ اس آرٹیکل کی طرف دی گئی ہے۔ نہ صرف انہیں ملازمت، لائسنس اور پرمٹ کی حصولیابی کے میدان میں ہی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ انہیں تعلیم کے میدان میں زبردست غیر مساوی مقابلہ کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد یہ دیکھا گیا ہے کہ ان تعلیمی اداروں میں جو پہلے مسلمانوں کے لئے مخصوص

تھے جیسے لیڈی براوبرن کالج، سخاوت میموریل گرلس اسکول وغیرہ، انہیں داخلہ کے لئے کافی سابقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ فطری طور پر اس طرح کے حالات فرقہ وارانہ عصبیت کو ہوا دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ لیکن فرقہ پرست قوتیں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی گزشتہ سالوں کے دوران اپنے مقاصد میں ناکام رہیں۔ مغربی بنگال کے مسلمان اپنے مسئلوں کو اس انداز سے حل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان مختلف طرح کی پریشانیوں کے باوجود کبھی بھی فرقہ پرست نعرہ بازی سے مشتعل نہیں ہوئے۔ علاوہ ازیں روایتی ثقافتی تعلقات جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اور رابندر ناتھ اور نذرالاسلام کے ترقی پسند خیالات اور تصورات کے نتائج کے طور پر ظہور میں آئے تھے، بعد میں صحت مند بائیں سیاست کی روایت نے مغربی بنگال سے فرقہ پرستی کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ قیام میں آنے کے فوراً بعد ہی سے بائیں محاذ حکومت نے اس ریاست کے مسلم سماج کے مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کیں اور فرقہ پرستی کے شعلوں کو ہوا دینے والی قوتوں کے خلاف ہمیشہ جنگ کرتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں مغربی بنگال فرقہ وارانہ فساد سے آزاد ریاست کے نام سے مشہور ہے۔

دوسری متحدہ محاذ حکومت کے دور میں اور موجودہ وزیر اعلیٰ کی قیادت میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خصوصی اقدامات کئے گئے۔ پہلے جب کبھی کوئی مسلمان شہری زمین کی خرید و فروخت کرتا تھا تو اسے رجسٹریشن آفس میں ایک سند شہریت داخل کرنی پڑتی تھی لیکن ہندو شہری اس سے بری تھے۔ کانگریس کے مسلمان نمائندوں نے اسے ختم کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ لیکن متحدہ محاذ حکومت نے اپنی مختصر سی مدت میں اس تعصب پسند پالیسی کو منسوخ کر دیا۔ مغربی بنگال کی حکومت اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ زیادہ تر مسلمان کاشتکار زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے مالک ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں زراعتی مزدوروں کی اور زراعتی سرگرمیوں سے منسلک افراد کی ایک بڑی تعداد بھی مسلمان ہے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے مغربی بنگال کی حکومت نے زراعتی حقوق کی ملکیت، برگہ دار حقوق اور رعیتی حقوق سے متعلقہ ملکیت کے بنیادی اصول کو وسعت دی۔ کلکتہ کے رعیت مالکان زمین کے ظلم و ستم کے شکار رہے تھے۔

انہیں اپنے مکانات تعمیر کرنے کا کوئی حق نہیں تھا چنانچہ پرانے رعیتی ایکٹ میں تبدیلی لاکر مندرجہ بالا بندش کو دور کیا گیا جو اب ہر شخص پر لاگو ہوتا ہے لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ کلکتہ میں مسلمانوں کی آبادی کا ۸۰ فیصد حصہ بستی علاقوں میں رہتا ہے اور مغربی بنگال کے اضلاع میں بہت سارے مسلمان برگہ دار اور زراعتی مزدور دیہاتوں میں رہتے ہیں۔ چونکہ برگہ دار ایکٹ کی نظر ثانی اور اصلاحات اراضی کے قوانین کو نافذ کر کے بائیں محاذ حکومت نے غریب مسلم کاشتکاروں کی ایک بڑی تعداد کو مستفید کیا ہے۔ اسی طرح حکومت نے ۳۰ کروڑ روپے کے زراعتی قرضہ کو معاف کر دیا ہے اور مسلمان کاشتکاروں کو اس سے بہت فائدہ پہونچا ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت کے لئے شماریات کا جائزہ ... ہے۔ پچھلے متعدد منصوبوں کی مدت میں ریاستی حکومت نے مغربی بنگال کے غریب دیہی لوگوں کے لئے مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں تقریباً آٹھ کروڑ سے زائد روپئے خرچ کئے ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ ساتھ غریب دیہاتی مسلمان بھی بہت زیادہ اس سے مستفید ہوئے۔

گزشتہ سال کے عرصہ کے دوران زراعتی مزدور کی اجرت میں اضافہ گفت و شنید کے ذریعہ بہت سارے کارخانے میں ہڑتال کے تصفیہ نے دیہی اور شہری مسلمان اقلیت کے جائز حقوق کو مستحکم بنا دیا ہے۔

اب آیئے اپنی توجہ تعلیم اور ثقافت کی طرف مبذول کریں۔ ریاستی حکومت نے نظام تعلیم اور مغربی بنگال مدرسہ کے تعلیمی نصاب میں اصلاح کی ہے اور اس طرح اس نظام کو مسلم طلبا کے لئے صحیح معنوں میں بامقصد بنا دیا ہے۔ فی الحال طالب علموں کے لئے تعلیم کی حصولی کے مواقع میں اضافہ کیا گیا ہے اور جونیر ہائی اور ہائی مدرسہ تک مفت تعلیم دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جس طرح عام ثانوی اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا اسی طرح مدرسہ کے اساتذہ کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ریاستی حکومت نے اس سلسلہ میں اور بھی پروگراموں کو اپنایا ہے جن کے تحت ایسے قوانین وضع ہوں گے جو ان مدرسوں کو خود اختیار ادارہ جمہوری اداروں میں تبدیل کر دیں گے مسلم اقلیت کے نظام تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے ایسی عملی اور حقیقی کوشش نے سارے ملک میں ایک شاندار مثال قائم کر دی ہے۔

دیہی علاقوں میں پرائمری، سکنڈری، ھائر سکنڈری اور غیر روایتی نظام تعلیم کے فروغ کے سلسلہ میں حکومت کی پیش قدمی اور لائبریریوں کی تعداد میں اضافہ بلاشبہہ دیہی علاقوں کے بنگلہ بولنے والے مسلمان فرقہ کے درمیان تعلیم اور ثقافت کے فروغ کے میدان میں ایک زبردست انقلاب برپا کرے گا۔

مغربی بنگال کی حکومت نے اردو ثقافت کے فروغ کے لئے اردو اکاڈمی قائم کی۔ اردو اسکولوں کے نظام تعلیم کو فروغ دینے کے لئے حکومت نے خصوصی امداد دینے کا انتظام کیا ہے مثلاً اکاڈمی کے ذریعہ ادبی انعامات سے نوازنا، دوسو سے زیادہ طالب علموں کو وظائف دینا، کتابچوں کی طباعت وغیرہ۔ اس سے قبل اس طرح کی منظم کوشش کو روبہ عمل نہیں لایا گیا تھا۔ مغربی بنگال کے ۵۰ لاکھ اردو بولنے والے افراد اس سے مستفید ہوں گے۔ چونکہ مسلم گھرانوں کی طالبات عموماً مشترکہ تعلیمی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنا پسند نہیں کرتی ہیں، اس لئے ریاستی حکومت نے گھنے مسلم علاقوں میں واقع مسلم لڑکیوں کے اسکولوں کے معیار کو بلند کرنے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال وقف بورڈ کی گرتی ہوئی حالت کو سدھارنے کے لئے بھی کچھ اہم اقدامات کئے ہیں۔ نیز حکومت نے بورڈ کے ملازمین کی تنخواہ کی باقاعدہ ادائیگی کے سلسلہ میں انتظامات کئے ہیں۔ ان اخراجات کی تکمیل کے لئے ایسے انتظامات کئے گئے ہیں جن کے تحت نئے بورڈ کو ہر سال پانچ لاکھ روپئے دئے جائیں گے۔ ان مالی امداد کے علاوہ، کلکتہ میں مسلم طالب علموں کے لئے ایک ہوسٹل کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ ہوسٹل کی عمارت سے متعلق منصوبے کو منظوری دی جا چکی ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے پانچ لاکھ سے بھی زائد روپئے جمع کئے جا چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ریاستی حکومت نے حاجیوں کے لئے ایک رئیسٹ ہاؤس یا حج گھر کی تعمیر کے منصوبے کو اپنانے کی ذمہ داری لی ہے۔ اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے جگہ منتخب کی جا چکی ہے اور کچھ رقم بھی جمع کی گئی ہے۔ چونکہ تجارت اور ملازمت کے سلسلہ میں مسلم فرقہ کے لئے جگہیں مخصوص کرنے کی دستور میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، اس لئے اس فرقہ کے لوگوں کو بڑی دشواریوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان سب باتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ریاستی حکومت نے اپنے محدود ذرائع میں رہتے ہوئے ریاست کے مسلمانوں کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے کوششیں کر رہی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی بنیادی تبدیلی ان سرگرمیوں کی وجہ سے نہیں لائی جا سکے گی لیکن یہ سرگرمیاں مسلم فرقہ کو سیاست اور فرقہ وارانہ تنازعہ کے زہر سے محفوظ رکھنے میں ان کی خاص طور پر مدد کرے گی۔

اپنے غیر فرقہ پرست اور ترقی پسند خیالات کی وجہ سے مغربی بنگال حقیقی معنوں میں فرقہ پرست عناصر کے سامنے ایک قلعہ کی طرح کھڑا رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ قوم پرست کہلانے والوں کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اقلیتیں بہت ہی کم مسائل سے دوچار ہیں۔ اس قسم کی باتوں میں حقیقت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ مسائل کو اس وقت تک حل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ہم ان مسئلوں کو بحیثیت مسئلے کے تسلیم نہ کریں۔ اس طرح کے رجحانات قومی یکجہتی کے لئے نقصان دہ ہیں۔ اس طرح کی باتیں علیحدگی پسند اور تفریق پسند گروہ عوام میں بے چینی اور خلفشار پھیلانے میں معاون ثابت ہوں گی ÷÷

مغربی بنگال میں حالیہ سیلاب اور زبردست بارش سے متاثر ہونے والوں کے لئے امدادی مہم

ریاست کے ۱۵ متاثر اضلاع میں سیلاب اور موسلادھار بارش سے متاثر ہونے والے لوگوں کی امداد کے لئے حکومت مغربی بنگال نے بڑے پیمانے پر اقدامات کئے ہیں۔ اس سال ۵ جون سے ۲۶ جون تک آٹھ اضلاع میں امداد پہونچانے کے لئے ۹ لاکھ تیس ہزار نقد روپئے کی منظوری دے دی گئی ہے۔ ۱۲ اضلاع میں ۱۴۰۸ میٹرک ٹن غذائی اجناس تقسیم کئے گئے ہیں۔ اس طرح اس مقصد میں کل ۲۸۳۹۰۶۰ روپئے دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں مختلف مقاصد کو پورا کرنے کیلئے ۲۱۷۰۰۰۰ روپئے دینے کی منظوری دے دی گئی ہے۔ حکومت کی طرف سے مصیبت زدہ لوگوں میں ۱۷۰۵۰ عدد ترپال، ۱۵۰۰۰ عدد سے زائد کپڑے، لباس اور ۲۲۵۰ کیلو خشک دودھ تقسیم کئے گئے ہیں ÷÷÷

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے سات سال : تعلیم

بجٹ : ۱۹۷۷ء میں برسراقتدار آتے ہی بائیں محاذ حکومت نے کچھ باتوں پر خصوصی توجہ دی ہے جن میں تعلیم بھی ایک ہے۔ اس ریاست کی تمام تر ترقی تعلیم کے فروغ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اور بائیں محاذ حکومت نے اس حقیقت کو کافی اہمیت دی ہے۔ اس سلسلہ میں بجٹ اہم اجزا میں سے ایک ہے جو اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ ۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران مغربی بنگال میں تعلیمی بجٹ ۱۱۲ کروڑ روپئے تھا جسے حالیہ سالوں میں کئی گنا بڑھا کر (۱۹۸۴-۸۵ء میں) ۴۶۸ کروڑ روپئے کردیا گیا ہے۔ مرکزی حکومت نے بجٹ میں اس سال تعلیم کی مد پر ایک فیصد رقم بھی مختص نہیں کی جبکہ ریاستی بجٹ میں ۲۶ فیصد سے زیادہ رقم مختص کی گئی ہے — گرچہ مغربی بنگال زبردست مالی بحران سے گذر رہا ہے۔ مغربی بنگال میں فی کس تعلیمی خرچ ۸۵ روپئے ہے اور جو مرکزی حکومت کے ناقابلِ ذکر رقم ۵ روپئے سے بہت زیادہ ہے۔

داخلہ : ۱۹۷۶-۷۷ء میں پرائمری اسکولوں (درجہ اول تا پنجم) میں داخلہ کی تعداد ۵۹ لاکھ تھی جو ۱۹۸۳-۸۴ء میں بڑھکر ۷۵ لاکھ ۷۳ ہزار ہوگئی۔ اس دلیل کی روشنی میں اب یہ امید کی جاتی ہے کہ مغربی بنگال میں ۱۹۸۴-۸۵ء میں ۶ سے ۱۱ سال تک کی عمر کے بچوں کے پرائمری اسکول میں داخلے کی تعداد بڑھکر سو فیصدی تک پہونچ جائے گی۔ جبکہ اس کے لئے قومی نشانہ ۱۹۸۹-۹۰ء تک مقرر کیا گیا ہے۔ ۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران ثانوی اسکولوں کا تقابلی ہندسہ ۱۸ لاکھ اور ۱۹۸۳-۸۴ء میں ۳۶ لاکھ ہے اور ہائر سکنڈری کے لئے ۱۹۷۶-۷۷ء میں ۱ر۴۵ لاکھ اور ۱۹۸۳-۸۴ء میں ۴ر۳۰ لاکھ ہے۔

تعداد : اسکولوں اور کالجوں کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے۔ ان سات برسوں میں ۴۰۰۰ نئے پرائمری اسکول، ۱۰۰۰ ہائی اسکول، ۱۹ ڈگری کالج اور ایک مخصوص یونیورسٹی کا قیام بیادگار ایشور چندر ودیا ساگر عمل میں آیا ہے۔ ایک کھلی یونیورسٹی کی تجویز زیر غور ہے۔ علاوہ ازیں حالیہ سال میں ۱۳۰۰ نئے پرائمری اسکولوں، ۲۵۰ جونیئر ہائی اسکولوں، ۱۵۰ ہائی اسکولوں اور ۵۰ ہائر سکنڈری اسکولوں کو منظوری دے دی گئی ہے۔ ریاست کے مختلف اضلاع میں نئے سرکاری کالجوں کے قیام کے سلسلے میں تجویز زیر غور ہے۔

ہمت افزا اسکیمیں : ۱۹۷۷ء سے پہلے تعلیم صرف درجہ چہارم تک مفت تھی۔ ان سات برسوں میں ساری ریاست میں ہائر سکنڈری تک کی تعلیم مفت کردی گئی۔ پرائمری اسکولوں کے تمام بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لئے انہیں مفت نصابی کتابیں تقسیم کی گئیں۔ سکنڈری اسکولوں میں بھی مختلف درجوں کے کچھ موضوعات پر مفت کتابیں تقسیم کی گئیں۔ پرائمری اور سکنڈری اسکولوں کے تمام شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب طالبات کے درمیان مفت یونیفارم تقسیم کئے گئے ہیں۔ تغذیہ پروگرام کے تحت پرائمری اسکولوں کے ۳۵ لاکھ سے بھی زائد بچوں کو دوپہر کا کھانا/ ٹفن فراہم کیا جاتا

ہے۔ آشرم نما اسکول قائم کئے گئے ہیں جہاں شیڈیولڈ کاسٹ و ٹرائب بچوں (پرائمری اور سکنڈری دونوں درجوں کے لئے) کے رہنے سہنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ دیگر ہمت افزا اسکیموں میں اقتصادی طور پر پسماندہ طلبا کے لئے کتابوں اور لکھنے پڑھنے کے سامان کے عطیات، طالبات اور اقتصادی طور پر پسماندہ طلبا کو حاضری سے متعلق وظیفے اور سلیٹ اور کاپیوں کی مفت تقسیم وغیرہ شامل ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے میدان میں پر امن فضا کو بحال کر کے نمایاں کارنامہ انجام دیا گیا۔ امتحانات اب وقت پر لئے جاتے ہیں اور نتائج تقریباً پابندی وقت کے ساتھ نکال دئے جاتے ہیں۔

تکنیکی تعلیم:

تکنیکی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے کافی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ پولی ٹکنک کے تین سالہ کورس کامیابی کے ساتھ چلائے جا رہے ہیں

ادبی پنشن:

سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۵۵ سال سے زائد عمر کے پریشان حال صحافیوں، ادیبوں کو عطیات دینے کے لئے ۸۸ر۲ لاکھ روپئے کی منظوری دے دی گئی ہے۔ حالیہ سال میں ۲۰۰ سے زائد افراد کو ۱۰۰ سے ۵۰۰ فی ماہ کی مختلف شرحوں کے حساب سے پنشن دئے گئے ہیں۔

کتاب بورڈ:

سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں مغربی بنگال کے ریاستی کتاب بورڈ نے اعلیٰ تعلیمی سطح کے لئے نصاب کی ۳۹ کتابیں بنگلہ زبان میں شائع کی ہیں اور ۴ لاکھ روپئے کی کتابیں فروخت کی ہیں۔ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں تقریباً ۷۰ مزید کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں جیتندر موہن باگچی کی تخلیقات کی اشاعت کی جائے گی۔

علاوہ ازیں ربندر رچناولی تیسرا حصہ شائع کر دیا گیا ہے۔ نیتاجی سبھاش چندر بوس کے تمام تحریری کاموں کے مجموعہ کی اشاعت زیر غور ہے۔ شری سرت چندر چٹو پادھیہ کے نام پر انعام دینے کی تجویز پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔

تعلیم بالغان:

ریاستی حکومت نے تعلیم بالغان کے پروگرام پر خصوصی توجہ دی ہے اور اسے اپنے ۳۴ نکاتی پروگراموں میں شامل کر لیا ہے۔ ایسی تعلیم کے میدان میں ۱۵ سنٹرل سیکٹر رورل فنکشنل لٹریسی پروجیکٹس ۳۰ اسٹیٹ سیکٹر رورل فنکشنل لٹریسی پروجیکٹس سرگرم عمل ہیں۔ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۶۰ر۶۴ لاکھ اور ۰۵ر۶۰ لاکھ روپئے علی الترتیب خرچ ہوئے ہیں۔ دیگر ریاستی تعلیم بالغان پروجیکٹوں پر ۲۳۱ر۳۶ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے ہیں۔ ایسے مراکز کی کل تعداد تقریباً ۲۲ ہزار ہے۔ اس اسکیم کے تحت تقریباً چھ لاکھ افراد تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

غیر رسمی تعلیم اور لائبریری:

غیر رسمی تعلیم کے ذریعہ رسمی تعلیم اور تعلیم بالغان کے درمیانی خلا کو پر کیا جا رہا ہے۔ غیر رسمی تعلیم ان بچوں کے لئے ہے جنہیں کسی وجہ سے رسمی تعلیم کے تحت نہیں لایا جا سکتا۔ مغربی بنگال میں ۷۵۲۰ مراکز سرگرم عمل ہیں جن کے ذریعہ سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۱۵۹۸۷۶ طلبا، سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۲۲۲۲۴۰ اور سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۲۷۱۱۰۱۵ طلبا تعلیم سے مستفیض یاب ہوئے ہیں۔ تعلیم بالغان اور رسمی تعلیم دونوں کا جب تعلیمی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو نئے پڑھے لکھے افراد اور غیر رسمی تعلیم کے طلبا میں خطرناک رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی پہلی حالت میں لوٹ آتے ہیں۔ اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کرتے ہوئے مغربی بنگال ریاستی حکومت نے ایسے افراد کے لئے لائبریری تحریک کا آغاز کیا اور جس کے تحت پوری ریاست میں ۱۵۰۰ نئی لائبریریاں قائم کی گئی ہیں۔ ان لائبریریوں کو چلانے کے لئے ریاستی حکومت کی طرف سے ۲ کروڑ روپے سالانہ عطیات دئے جاتے ہیں۔

لائبریری سروس:

آزادی کے بعد تیسری دہائی کے دوران لائبریری کی تحریک کافی سست رفتار تھی جسے سنہ ۱۹۷۷ء کے بعد بائیں محاذ حکومت نے اپنی پر خلوص کوششوں سے تیز کر دی اور تعلیمی میدان میں لائبریریوں کی توسیع و ترقی دینے میں اسے نمایاں کامیابی

حاصل ہوتی ہے۔ ۱۹۷۹ء میں مغربی بنگال لائبریری ایکٹ منظور کرکے لائبریریوں کی افادیت اور تعلیم میں اس کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ مغربی بنگال نے لائبریری سروس میں تاریخی حصہ لیا ہے اور لائبریری تحریک کے لئے نئے مواقع تلاش کئے ہیں۔ گزشتہ پانچ تا چھ برسوں میں حکومت کے زیر نگرانی لائبریریوں کی تعداد ۵۰، سے بڑھ کر تقریباً ۲۵۰۰ ہوگئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ۸۳۷ لائبریریوں میں بچوں کے سیکشن پہلی بار کھولے گئے ہیں۔

جس طرح لائبریریوں کے انتظامات کے سلسلے میں پبلک لائبریریز ایکٹ" کے تحت ریاستی سطح پر" ریاستی لائبریری کونسل" کی تشکیل کی گئی تھی اسی طرح" لوکل لائبریری اتھورٹی" کی ضلع سطح پر تشکیل کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ضلع لائبریری افسران کی چار جگہوں کی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ ان کی تقرری کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں مغربی بنگال کا تیسرا کتابی میلہ بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منعقد کیا گیا تھا جس میں پہلے سے بہت زیادہ تعداد میں لوگوں نے شرکت کی تھی۔

لائبریریوں کے ملازمین کے واسطے عزلت (Retirement) کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ کلمپونگ اور بانی پور میں دو لائبریری تربیتی مراکز کھولے جا رہے ہیں۔

ویلفیر ہوم : اس ریاست میں یتیم بچوں کے لئے ۱۱ سرکاری عمارتیں اور ۷۰ سرکاری اعانت سے چلنے والی عمارتیں ہیں۔ آٹھ ہزار سے زائد غریب بچوں کو ان عمارتوں میں تعلیمی سہولتیں مل رہی ہیں۔ بچوں کے لئے فی کس ۸۵ روپیہ کی شرح سے عطیہ کی منظوری دی گئی ہے۔ دیگر پروگراموں میں حکومت نے جمہوری تحریک کے ذریعہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جمہوری اور پرامن ماحول برقرار رکھنے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔

پرائمری سطح پر مادری زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ چوتھی جماعت تک روایتی امتحانات کا طریقہ ختم کرکے سال بھر کی کارگزاریوں کو دیکھکر پاس کر دیا جاتا ہے۔

پرائمری سطح پر چھ زبانوں یعنی بنگلہ، ہندی، اردو، نیپالی، سنتھالی اور انگریزی میں ۹۴ عنوانات سے زیادہ نصابی کتابیں شائع کی گئی ہیں اور انہیں طلباء میں مفت تقسیم کیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت سماجی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیشہ ورانہ تعلیم کو موافق بنانے کے لئے بھی کوشاں ہے

مختلف اسکولوں میں مختلف مقصد کے تحت کھیل کود کو فروغ دینے کے لئے حکومت نے ۲۵۰۶۵۹۹ روپئے کی منظوری دی ہے۔ تمام لسانی اقلیتوں کی تعلیمی سہولتیں بڑھادی گئی ہیں پسماندہ علاقوں میں عورتوں کے لئے چار ڈگری کالج قائم کئے گئے ہیں۔

ریاست مغربی بنگال میں نئے ٹیچرس ٹریننگ کالج قائم کرنے پر بھی خاصہ زور دیا جا رہا ہے۔

کارل مارکس میموریل پرائمری اسکول کا افتتاح

کارل مارکس کی برسی کے موقع پر ۱۹۸۳ء کے دوران سیوری بلاک دوم بیر بھوم کے تحت کنڈائی پر تپاتی کالونی میں کارل مارکس میموریل پرائمری اسکول کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۲؍ جون ۱۹۸۴ء کو اس اسکول کا رسمی طور پر افتتاح کیا گیا۔ اس اسکول کی عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں جوبلی بچت اسکیم (۵۰۰۰،۰۰ روپئے)، گاؤں پنچایت (۶۵۲۹،۵۵ روپئے) اور ضلع اسکول بورڈ نے مالی تعاون دیا۔

پرائمری تعلیم کے ریاستی وزیر جناب محمد عبدالباری اس افتتاحی تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔ اس تقریب میں مقامی دیہی لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

بائیں محاذ حکومت کے سات سال

از: شری کرشنا پد گھوش
وزیر، شعبۂ محنت

مزدور-پالیسی اور پروگرام

تاریخ ہند کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ ملک کی آزادی کے بعد سے ۱۹۷۷ء کا سال مغربی بنگال کے لاکھوں عوام کے لئے اور خصوصاً ان مزدور طبقوں کے لئے جنہیں ماضی میں استحصال و ظلم کا زبردست شکار ہونا پڑا ہے، ہمیشہ کے لئے ایک یادگار نقطۂ انقلاب رہے گا۔ مزدور اپنی بے اطمینانی اور آزردگی کے احساس کے تحت گھل رہے تھے۔ کیونکہ ان کی شکایتوں کے اظہار کا راستہ مسدود نظر آ رہا تھا۔ بایاں محاذ کی وزارت کے قیام سے ایک زبردست تبدیلی آئی۔ ایک نئی مزدور پالیسی کی اور نئے پروگرام کے مرتب ہونے سے ٹریڈ یونین تحریک کے ذریعہ مزدوروں کی شکایتیں دور کرنے، ان کی جائز مانگوں کے دلوانے اور مزدور طبقہ کے جمہوری حقوق جو برسوں سے مظلومیت آمیز جدوجہد کے شکار تھے، پھر سے متحرک ہوتے۔ جمہوری بایاں محاذ حکومت کی کوششوں سے آج مزدور طبقہ کو تنظیم کی آزادی اور عدم مزاحمت تحریک کا حق ملا ہے اور ایمرجنسی کے دوران جن حقوق کی تنفی ہوئی تھی وہ بھی دوبارہ مل گئے ہیں۔ گزشتہ سات سال کے عرصے میں ہماری مزدور پالیسی کا مخصوص نکتہ نگاہ ریاست میں مستحکم اور مضبوط ٹریڈ یونین تحریک کی ارتقاء ہے تاکہ مزدور طبقہ کی ضرورتیں اور ان کی آشاؤں کی تکمیل ہو سکے۔ منظم ٹریڈ یونین تحریک نے بلاشبہ مختلف دشواریوں کے باوجود بھی حالات کو سمجھنے میں اپنی بالغ نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ مزدوروں کی اکائی اور جدوجہد نے سرکار کی مدد میں مثبت کردار ادا کیا ہے تاکہ مزدور پالیسی روبہ عمل آ سکے اور ریاست میں صنعتی ہم آہنگی تشفی بخش ہو۔ مغربی بنگال میں گزشتہ سال کے عرصے میں صنعتی تعلقات کی یہی مرکزی خصوصیت رہی ہے۔

ہماری سرکار کا اصل مقصد یہی رہا ہے کہ مسئلوں کو گفت و شنید کے ذریعہ حل کیا جائے تاکہ صنعتی تنازعوں مثلاً ہڑتال، تالہ بندی، چھٹائی وغیرہ باہمی مفاہمت سے طے ہو۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ مزدوروں کی اصل اجرت بڑھتی ہوئی قیمتوں کے بموجب ہو۔ بیشتر صورتوں میں ہماری یہ پالیسیاں کامیاب رہی ہیں۔ مختصراً گفت و شنید کے ذریعہ صنعتی تنازعہ کا تصفیہ تشفی بخش رہا ہے۔ لمبی مدت کے لئے صنعتی سہ طرفہ تصفیے جو گزشتہ سات سال کے عرصے میں ہوتے ان سے اجرت میں خاطر خواہ اضافہ اور دوسری مراعات بھی ریاست کے لاکھوں مزدوروں کو ملے۔ یہ سہ طرفہ تصفیے ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۰ء میں انجینئرنگ انڈسٹری، سوتی مل، جوٹ مل اور چائے کے باغات میں ہوئے۔ ۱۹۸۳ء اور اپریل ۱۹۸۴ء میں پھر انجینئرنگ انڈسٹری، چائے کے باغات اور آخرالذکر جوٹ مل میں ہوئے۔ ان تنازعوں کے حل کے دوران کسی قسم کا صنعتی خلفشار کا نہ پایا جانا ہی ہماری سرکار کی مزدور پالیسی کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اس مذکورہ عرصے میں مزدوروں کو خاطر خواہ مراعات ملی ہیں۔ ہم نے

اس عرصہ میں انتظامی مشنری اور مصالحتی مشنری پر بھی نظر رکھی گئی۔ ۷۶-۱۹۷۰ء کے دوران کل تنازعوں کا ۲۱ فیصد حصہ نپٹایا گیا تھا جبکہ ۸۲-۱۹۷۷ء کے دوران یہ اعداد و شمار بڑھ کر ۳۲ ہو گئے۔ اسی طرح گزشتہ عہد حکومت کے دوران قلیل ترین اجرت آئین ۱۹۴۸ء کے تحت قانونی کارروائی کی سالانہ اوسط ۸۰ تھی۔ جبکہ گزشتہ سات سال کے عرصہ میں یہ اعداد و شمار بڑھ کر ۱۵۰۰ ہو گئے۔

گزشتہ سات سال کے عرصہ میں جو لوگوں نے مزدور طبقوں کے لئے جو اہم اقتصادی سہولتیں باہمی گفت و شنید کے ذریعہ حاصل کی ہیں وہ بنیادی اور ضروری اشیاء کے دام میں اضافہ اور ہر سال افراط زر کے دباؤ کے بڑھنے کی وجہ سے پس پشت پڑ گئی ہیں کیوں کہ اصل اجرت کافی کم ہو گئی ہے۔ سب واقف ہیں کہ ہندوستان کی معاشیات میں افراط زر کی وجہ سے حاصل نفع بڑھتا ہے جبکہ محنت کش طبقے کی اصل اجرت گھٹ جاتی ہے اور اس طرح سے تفریق کو فروغ ملتا ہے۔ مختصراً مزدور طبقہ اپنی ناقابل تسخیر قوت خرید قائم نہیں رکھ سکتا ہے اور نہ ہی مسلسل جدوجہد سے حاصل کی ہوئی سہولتوں کی صحیح قیمت۔ قومی پالیسی کی وجہ سے جو شدید اقتصادی بحران پیدا ہوا ہے اس سے تمام ملک میں غیر یقینی اقتصادی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ مالکوں نے اجتماعی طور پر اور اجارہ داروں نے خصوصاً اس بحران اور صنعتی مسئلوں کی تمام تر ذمہ داری مزدوروں کے سر ڈال دی ہے تاکہ وہ آرام سے نفع کمائیں۔ اس بحران کی حالت میں اجارہ داروں کی یہی بنیادی پالیسی رہی ہے جو ریاست کی تمام صنعتوں میں چالو ہے۔

گزشتہ سات سال کے عرصہ میں ریاست میں کام ٹھپ پڑ جانے کی وجہ سے جو کام کے دن ضائع ہوتے ہیں اس میں جوٹ ملوں کی تالہ بندی کا خصوصی حصہ رہا ہے۔

جوٹ ملوں کے مزدوروں کی اکائی اور مستقل جدوجہد کی زبردست مثال ۱۹۷۹ء کے ۵۳ دنوں کی ہڑتال اور ۱۹۸۴ء کے ۸۴ دنوں کی لمبی ہڑتال ہے۔ اس مرتبہ مالکان نے ہڑتال کے ۶۰ دنوں تک گفت و شنید کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ وہ پہلے ہی چند شرائط لاگو کرنا چاہتے تھے جس میں ۸۰ فیصد پیس ریٹ (Piece Rate) سسٹم کی منظوری تھی۔ اس پر ہماری سرکار کا فیصلہ بالکل اٹل تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ بغیر کسی شرط کے بات چیت ہونی چاہئے۔ آخر مالکوں کو یہ بات ماننی پڑی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ میٹل بوکس کے مزدوروں کی بہادرانہ جدوجہد کی وجہ سے وہ ۲۵۰ مزدوروں کی چھٹائی کو روکنے میں کامیاب ہوئے جبکہ مالک ایک حصہ کو بند کر دینا چاہتے تھے۔

میں یہاں یہ بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ مغربی بنگال میں چھکلوں میں ہڑتال یا دوسری صنعتوں میں ہڑتال کی وجہ سے کسی قسم کا ہنگامہ نہیں ہوا اور نہ ہی امن عامہ میں خلل پڑا۔

درج ذیل نقشے میں ۷۶-۱۹۷۰ء اور ۸۳-۱۹۷۷ء کے دوران ہڑتال اور تالہ بندی کا تجزیہ کیا گیا ہے:

سال	ہڑتال			تالہ بندی		
	معاملات کا اعداد و شمار	ملوث مزدوروں کا اعداد و شمار	ضائع شدہ کام کے دن کا اعداد و شمار	معاملات کا اعداد و شمار	ملوث مزدوروں کا اعداد و شمار	ضائع شدہ کام کے دن کا اعداد و شمار
۷۶-۱۹۷۰	۱۲۸۱	۱۹٫۷۱ لاکھ	۲٫۶۵ کروڑ	۱۰۳۲	۱۴٫۵ لاکھ	۲٫۵۹ کروڑ
۸۳-۱۹۷۷	۷۰۶	۷٫۶۴ لاکھ	۲٫۵۱ کروڑ	۱۰۳۷	۷٫۵۲ لاکھ	۶٫۲۸ کروڑ

اوپر دیئے ہوئے نقشہ سے صاف ظاہر ہے کہ گزشتہ سات سال کے عرصہ میں کل کام کے دن (Mandays) کا ۷۲ فیصد حصہ تالہ بندی کے سبب ضائع ہوا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۷۹ء میں ۲۹ لاکھ کام کے دن ضائع ہوتے جبکہ اچانک ۱۹۸۱ء میں یہ اعداد و شمار بڑھ کر ایک کروڑ تک پہونچ گئے۔ گزشتہ دو سال کے عرصے میں یہ اعداد و شمار ہر سال

ڈیڑھ کروڑ مزید بڑھ رہا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے ملک کے سماجی و سیاسی ارتقا کے ذرا سے مشاہدے سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ سرکار ہند کی مزدور دشمن پالیسیوں اور اقدامات کی وجہ سے سرمایہ داروں نے مزدوروں کا خون چوسا ہے۔ NASA، ESMA اور LIC ایکٹ کا آرڈی نینس وغیرہ شاہد ہیں کہ حکومت ہند نے مزدوروں سے متعلق قوانین میں کیا تنزل پسند اقدامات کئے ہیں۔ اس طرح کے اقدامات کو اب بھی بروئے کار لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بلاشبہ حکومت ہند کے ان ہی اقدامات کی وجہ سے مالکوں کے حوصلے بڑھے ہیں اور وہ مزدوروں کے درپے ہو گئے ہیں۔

بائیں محاذ حکومت نے برابر کوشش کی ہے کہ کارخانوں میں تالابندی ختم ہو اور وہ چالو ہو جائیں۔ مزدوروں کے لئے گفت و شنید کے ذریعہ بہتر مراعات حاصل کرنے کے علاوہ اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ قانونی محافظت بھی حاصل ہو۔ چنانچہ مزدوروں سے متعلق مختلف آئین میں چند تبدیلیاں کی گئیں تاکہ مزدوروں کو بہتر مراعات اور انصاف جلد ملے۔ حکومت ہند کے مزدوروں سے جدوجہد سے حاصل کئے گئے حقوق اور مراعات گھٹانے کی کوششوں کے پس منظر میں ہمارے اقدامات کو داد دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ صنعتی تعلقات کے میدان میں کوئی بھی قانون ایسا نہیں ہونا چاہئے جس سے مزدوروں کے جائز حقوق کی کٹوتی ہو۔ کیوں کہ بالآخر یہی صنعتی تعلقات میں بدمزگی پیدا کرنے کا باعث بنے گا اور پیداوار میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔ ۱۹۴۷ء کے صنعتی تنازع آئین اور ۱۹۶۳ء کے مغربی بنگال شاپ اور اسٹبلشمنٹ آئین میں مزدوروں کے بہتر مفاد کی خاطر کئی ترمیمیں کی گئی ہیں۔ اسی طرح ۱۹۷۴ء کے مغربی بنگال کے مزدوروں کے گھر کے کرایہ بھتہ سے متعلق آئین میں بھی ترمیم کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چند اہم ترمیمیں جو مغربی بنگال کے مجلس قانون ساز میں پاس ہو گئی ہیں لیکن اب تک انہیں صدر کی منظوری نہیں ملی ہے۔ اس کی وجہ سے ریاست میں صنعتی تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے بایاں محاذ کی کوششوں پر الٹے اثرات پڑے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۹۴۷ء کے صنعتی تنازعہ آئین کے ۱۹۸۱ء کی اہم ترمیم بطور مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح غیر منظم سیکٹر کے مزدوروں کے کام کو ضابطے میں لانے اور انکی بہبودگی کے لئے مراعات فراہم کرنے کے لئے ۱۹۸۱ء میں ٹنڈل مزدور بل پاس ہوا تھا۔ اسی طرح کے آئین کو دوسری ریاستوں مثلاً مہاراشٹرا اور تامل ناڈو میں منظوری مل گئی ہے جبکہ ہمارا بل اب تک صدر کی منظوری کا محتاج ہے۔

یہ ہماری قطعی رائے ہے کہ بہتر صنعتی تعلقات کا مدار ٹریڈ یونین حقوق کی محافظت اور گفت و شنید کے آلے کے مناسب انتخاب پر ہے تاکہ گفت و شنید کا نظام مناسب سطح پر رہے۔ ہم لوگ ایسی گفت و شنید کے آلے کا انتخاب ۱۹۶۶ء سے کرتے آئے ہیں۔ بدقسمتی سے ۱۹۶۹ء کے ٹریڈ یونین (مغربی بنگال ترمیم) بل کو صدر کی منظوری نہیں ملی اور اسے واپس بھیج دیا گیا۔ ریاستی مزدور مشاورتی بورڈ کی سفارش کے بموجب ۱۹۸۳ء کے ٹریڈ یونین (مغربی بنگال ترمیم) بل جس میں گفت و شنید کے ایجنٹ کے مخفی بیلٹ پیپر کے ذریعہ انتخاب کی بابت تذکرہ ہے اور مغربی بنگال کی مجلس قانون ساز میں پاس ہو چکی ہے اب تک صدر کی منظوری کی محتاج ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حکومت ہند ہمارے بل کو مخفی بیلٹ کے متعلق قرار داد ہونے کی وجہ سے پاس نہیں کرے گی حالانکہ ہمارے خیال میں یہی بہتر صنعتی تعلقات کی ضامن ہے اور یونین کی کثرت کو ختم کر سکتی ہے۔ مجھے اب بھی امید ہے کہ حکومت ہند اپنے موقف کو بدلے گی اور ہمارے ترمیمی بل کو لاگو کرنے میں مدد کرے گی۔

حالیہ قانونی قراردادوں کے تحت ریاستی حکومت کو کارخانوں کی بندی کے سلسلے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ریاستی اسمبلی کے گزشتہ بجٹ سیشن میں ایک بل پیش کیا تھا تاکہ صنعتی تنازع آئین میں مناسب ترمیم کی جائے جس کے تحت بندی کے سلسلے میں مالک کے یکطرفہ فیصلے کے خلاف چند پابندیاں عائد کی جائیں۔ ریاست کے بہت سارے

کارخانے بند ہونے کی وجہ سے نا کارہ (بیمار) ہوگئے ہیں۔ بیشتر حالتوں میں مزدوروں کے خلفشار کی وجہ سے یہ ناکارہ نہیں ہوئے ہیں بلکہ بدنظمی، خام اشیاء کی کمیابی اور سرمایہ کی قلت ان کے اصل اسباب ہیں۔ اس طرح کی صورتوں میں دیکھا گیا ہے کہ مزدوروں کے ساتھ دھوکا ہوتا ہے۔ مزدوروں کے جائز بقایا مثلاً ESI، پروویڈنٹ فنڈ وغیرہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آج بند اور نا لہ بندی ہندوستان میں ہر جگہ عام ہیں لیکن حکومت ہند نے ابتک ان حالتوں میں مزدوروں کے مفاد کی حفاظت کی خاطر کوئی بھی قانونی چارہ جوئی نہیں کی ہے۔ اس سلسلے میں بینک وغیرہ بشمول IRCI کے ان کارخانوں کو بچانے کی پالیسیوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ یہ پہلے جیسے کام دوبارہ شروع کر دیں۔ بیشتر حالتوں میں حکومت ہند نے اپنائے ہوئے کارخانوں کو واپس کر دیا ہے یا پھر بند کر دیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ایک تنزل پسند قدم ہے اور حکومت ہند کو چاہیئے کہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ یہ امید افزا بات ہے کہ ہم مسلسل کوششوں کی وجہ سے مغربی بنگال کے بندی کے بڑھتے ہوئے رجحان پر کسی حد تک قابو پا سکے ہیں جو مندرجہ ذیل نقشے سے عیاں ہے:

نقشہ

بندی سالوں میں

سال	معاملات کے اعداد و شمار	ملوث مزدوروں کے اعداد و شمار
۱۹۷۰-۷۶	۸۴۷	۱۶۵ ہزار
۱۹۷۳-۸۳	۴۸۳	۴۸ ہزار

غیر منظم سیکٹر میں اجرت کی کم سے کم شرح میں ۲۶ روزگار میں مقرر کی گئی ہیں یا نظر ثانی کی گئی ہیں۔ جن میں بیڑی کی پیداوار اور زراعتی سیکٹر شامل ہیں۔ ایک علیحدہ قانون کی ضرورت جو روزگار فراہم کرے، روزگار کے موزوں حالات بنائے اور زراعتی مزدوروں کی بہبود کا خیال رکھے، ہماری حکومت کے زیر غور ہے۔ جہاں تک مرکزی قانون سازی کا تعلق ہے اس سلسلہ میں حکومت ہند نے ابتک توجہ نہیں دی ہے جبکہ ہم لوگوں نے ریاستی سطح پر اس طرح کے قانون کی افادیت کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ ایک طرف کھیت مزدور تنظیموں کی ارتقا اور دوسری طرف تفتیشی اسٹاف کی اضافہ شدہ تعداد کی تقرری نے زراعتی مزدوروں کے لئے پیش کردہ اجرت کی کم سے کم شرح پر موثر عمل درآمد کے معاملے میں نتیجہ کے طور پر کچھ بہتر صورتحال پیدا کی تھی لیکن پھر بھی بہت سارے علاقے ایسے ہیں جہاں آج بھی ان مزدوروں کا استحصال ہو رہا ہے۔ اس نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور زراعتی مزدوروں کے لئے دیگر حفاظتی اقدامات کو بھی نگاہ میں رکھتے ہوئے، مختلف کسان تنظیموں کے نمائندوں کی شمولیت سے ریاستی سطح پر ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی ہے۔ اس طرح کی کمیٹیاں ضلع سطح پر بھی قائم ہوئی ہیں۔

ریاستی حکومت نے ریاستی ٹھیکہ مزدور مشاورتی بورڈ کے کارکنوں کے ذریعہ متعدد کارخانوں میں ٹھیکہ مزدور کے خاتمہ کے لئے انتظامات کئے ہیں۔ قانون میں اس بات کی کہیں بھی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے کہ اس ٹھیکہ مزدور نظام کے خاتمہ پر ایسے ٹھیکہ مزدور کی بحالی کی جائے۔ ٹھیکہ مزدور آئین میں مناسب ترمیم کے سوال کو ہم لوگوں نے اپنایا ہے جس کے تحت حکومت ہند کو وقتاً فوقتاً مزدوروں کی بحالی کا انتظام کرنا ہوگا۔ سماجی تحفظ کے میدان میں جو اس دوران زیر غور رہا ہے خاطر خواہ کامیابی ملی ہے۔ ۱۹۷۷ء سے پہلے ESI (MB) اسکیم کے تحت بیرونی علاج (Outdoor Treatment) مغربی بنگال میں نظام فہرست (Panel Syestem) کے ذریعہ انجام پا رہے تھے۔ اس کے برعکس ہم لوگوں نے پہلی مرتبہ بیرونی مریض کے معالجے خدمتی نظام کو رواج دیا ہے اور اب تک ریاست میں سرکاری ۱۹ شفاخانے اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ اسی مدت کے دوران ۱۶ مزید سرکاری دواؤں کی دکانیں بھی کھولی گئی ہیں۔

ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت آنے والے لوگوں کی تعداد ۱۹۷۷ء میں ۶۰ر۱۰ لاکھ سے بڑھکر ۱۹۸۲ء میں ۳۸ر۱۳ لاکھ ہوگئی۔ اسی سلسلہ میں ملازمین ریاستی اسپتالوں کی تعداد ۱۲ ۶ ہوگئی ہے۔ ۲۴ پرگنہ کے ضلع ٹھاکرپور میں ایک اور اسپتال تعمیر ہورہا ہے۔ بایاں محاذ حکومت کے دور میں بیرونی مریضوں کے علاج کے لئے ۱۹ شفاخانے کھولے گئے ہیں۔ جبکہ اس کے پہلے ایسا کوئی ہسپتال نہیں تھا۔ اس زیر غور مدت میں مزدوروں کے علاج اور دوسرے نقدی مراعات کے سلسلے میں ہونے والے خرچے میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے

بائیں محاذ حکومت نے اس ریاست میں پہلی بار اکتوبر ۱۹۷۷ء سے روزگار کے دفتروں کے ذریعہ ہی روزگار دینے کی پالیسی اپنائی ہے۔ اس پالیسی کو عمل میں لانے کے لیے ضروری انتظامی اقدامات کئے گئے ہیں۔ مختلف دباؤ اور پابندیوں کے باوجود سات سال کے عرصہ میں روزگار دفتروں کے ذریعہ تک بھگ پچاسی ہزار بے روزگار لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ روزگار دفتروں میں رجسٹرڈ لوگوں میں روزگار پانے والوں کی تعداد کافی کم ہے۔ اس ریاست میں روزگار کے مواقع میں کمی کی خاص وجہ مرکز کی اپنائی جانے والی پالیسی کے ساتھ ساتھ اجارہ داروں اور ملٹی نیشنل کارپوریشن کی پالیسیاں رہی ہیں جو اس ریاست سے کافی منافع کماتے رہے ہیں لیکن انہوں نے اپنی کمائی کا ایک معمولی حصہ بھی اس ریاست میں نہیں لگایا۔ حالیہ برسوں میں پونجی آنے اور مرکز کی طرف سے پونجی لگانے میں کافی کمی ہوئی ہے۔ ہندوستان میں پہلی بار بائیں محاذ حکومت نے بے روزگاروں کے لئے رفاہ کی اسکیم کو روبہ عمل لایا ہے۔ پچھلے سات برسوں کے دوران اس اسکیم کے تحت بے روزگاروں کو چھ لاکھ سے زیادہ روزگار فراہم کرکے مستفید کیا گیا ہے۔

اس اسکیم میں ترمیم اور اسے مختلف خود روزگار نظام کے ساتھ جوڑنے پر خیال کیا جارہا ہے۔ یہاں اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ مغربی بنگال میں اس اسکیم کو روبہ عمل لانے کے بعد اسے اور دس ریاستوں میں جاری کیا گیا ہے۔

مزدوروں میں خلفشار کی اصل وجہ ہمارے طبقاتی فرق میں پنہاں ہے جس میں پیداوار کے ذرائع کی نجی ملکیت کو تسلیم کیا جاچکا ہے۔ مزدوروں میں خلفشار کی دوسری اصل وجہ پیداوار کی ماہیت میں بھی پوشیدہ ہے جو منافع بخش ہے اور جو عوام کے خون پسینہ پر پھلتا پھولتا ہے۔ مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کی یہ لگاتار کوشش رہی ہے کہ مزدوروں کو پیداوار میں جائز حصہ ملے۔ ان کے حقوق اور مراعات کی بحالی اور تحفظ ہو۔ ان کے ساتھ مالک من مانی نہ کرسکیں ٭٭٭

سماجی رفاہی تنظیم کو عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے سماجی رفاہ تنظیم، ۲/۸۸ رفیع احمد قدوائی روڈ، کلکتہ کو موجودہ مالی سال میں ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے اس کے چیسٹ کلینک (سینہ کے امراض کا شفاخانہ) کے اخراجات کو برداشت کرنے کے سلسلے میں ۱۰۰۰۰ روپئے بطور غیر مکرر عطیہ دینے کی منظوری دی ہے ٭٭

ٹیوب ویل بٹھانے کی انتظامی منظوری

ریاستی حکومت نے ۳۲ رلنٹن اسٹریٹ، کلکتہ میں واقع ڈاکٹر آر۔ احمد ڈنٹل کالج طلبار ہوسٹل کے احاطہ میں لگے ہوئے ناکارہ ٹیوب ویل کو ہٹانے اور اس کی جگہ نیا ٹیوب ویل بٹھانے کے اخراجات کے سلسلے میں ایک انتظامی منظوری دی ہے۔ اس سلسلہ میں ۴۷۳۴ روپئے کی لاگت کا تخمینہ ہے ٭٭

انتشار

کیفی اعظمی

کبھی جمود کبھی صرف انتشار سا ہے
جہاں کو اپنی تباہی کا انتظار سا ہے

منو کی مچھلی، نہ کشتیِ نوح اور یہ فضا
کہ قطرے قطرے میں طوفان بیقرار سا ہے

میں کس کو اپنے گریباں کا چاک دکھلاؤں
کہ آج دامنِ یزداں بھی تار تار سا ہے

سجا سنوار کے جس کو ہزار ناز کیے
اسی پہ خالقِ کونین شرمسار سا ہے

تمام جسم ہے بیدار، فکر خوابیدہ
دماغ پچھلے زمانے کی یادگار سا ہے

سب اپنے پاؤں پہ رکھ رکھ کے پاؤں چلتے ہیں
خود اپنے دوش پہ ہر آدمی سوار سا ہے

جسے پکاریے ملتا ہے اک کھنڈر سے جواب
جسے بھی دیکھیے ماضی کا اشتہار سا ہے

ہوئی تو کیسے بیاباں میں آ کے شام ہوئی
کہ جو مزار یہاں ہے مرے مزار سا ہے

کوئی تو سود چکائے کوئی تو ذمہ لے
اس انقلاب کا جو آج تک ادھار سا ہے

مغربی بنگال میں زراعت

مغربی بنگال کی ۸۰ فیصد آبادی کا انحصار زراعت پر ہے اور زراعت بنیادی طور پر پیشے پر منحصر ہے۔ اس ریاست میں کل آمدنی کے ۵۰ فیصد اور کل روزگار کے ۷۰ فیصد حصے کا انحصار زراعت پر ہے۔ اس ریاست کی معیشت کی بنیاد بھی زراعت پر ہے۔ کل زراعتی زمین کے ۶۰ فیصد حصے میں چھوٹے اور حاشیائی کسان کام کرتے ہیں۔ باقی زمین وسط اور امیر درجے کے کسانوں کے دائرہ اختیار میں ہے۔ ۹۰ فیصد سے زیادہ کھیتوں جن کا تعلق پیداوار سے ہے کی دیکھ بھال ایسے چھوٹے اور حاشیائی کسان کرتے ہیں۔ چاول کی پیداوار میں ہندستان میں مغربی بنگال کا مقام دوسرے نمبر پر آتا ہے اور کل پیداوار میں چوتھے نمبر پر۔ ہندستان میں یہ ریاست ۷۰ فیصد جوٹ اور ۲۵ فیصد چائے پیدا کرتی ہے۔

		۱۹۷۶-۷۷ء	۱۹۸۴-۸۵ء
۱۔	بجٹ	۳۵۲۲ر۴۳ لاکھ روپے	۶۷۷۰ر۰۱ لاکھ روپے

		۱۹۷۶-۷۷ء	۱۹۸۳-۸۴ء
۲۔	زراعتی زمین کا کل علاقہ	۵۵۷۵ ہزار ایکڑس	۵۵۷۵ لاکھ ہیکٹرس
۳۔	چاول کی پیداوار	۶۴ لاکھ میٹرک ٹن	۶۶ لاکھ میٹرک ٹن
۴۔	گیہوں ″ ″ ″	۱۰ر۵۱ لاکھ ٹن	۱۰ لاکھ ٹن
۵۔	جوٹ ″ ″ ″	۳۴ر۷۰ لاکھ گانٹھ	۴۵ لاکھ گانٹھ
۶۔	آلو ″ ″ ″	۱۶ر۵۷ لاکھ ٹن	۲۰ لاکھ ٹن
۷۔	دال ″ ″ ″	۳ر۵۱ لاکھ ٹن	۳ر۵۰ لاکھ ٹن
۸۔	اناج کی سالانہ پیداوار	۷۵ لاکھ ٹن (سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء)	۸۷ لاکھ ٹن (سنہ ۱۹۷۷-۸۲ء)

کاشت کاروں کو کھیتی باڑی سے متعلق ضروری اشیاء کی فراہمی کو فروغ دیئے بغیر زراعت کو ترقی نہیں دی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ سنہ ۱۹۷۷ء میں بائیں محاذ حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی زراعت اور کاشتکاروں دونوں کی ترقی کے لئے متعدد پروگراموں کو روبہ عمل لایا۔ صحیح معنوں میں بھلائی اور بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے زراعت میں سماجی اور مالی طور پر کمزور لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے سلسلہ میں بہت سارے پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا گیا ہے۔

۱۹۷۸-۷۹ء کے تباہ کن سیلاب اور ۱۹۸۲-۸۳ء کی شدید خشک سالی کی وجہ سے زرعی پیداوار میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں اور تقریباً ۵۰۰ کروڑ روپئے کا غلہ برباد ہوگیا۔ زراعتی زمین کو بھی اس سے کافی نقصان پہونچا۔ ایسی قدرتی اور دیگر رکاوٹوں کے باوجود گزشتہ سات برسوں میں زراعت کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ ۱۹۷۲-۷۳ء تا ۱۹۷۶-۷۷ء اور ۱۹۷۷-۷۸ء تا ۱۹۸۱-۸۲ء کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اناج کی سالانہ اوسط پیداوار پہلے پانچ سال میں ۷۵ لاکھ ٹن تھی جو دوسرے دورِ حکومت میں بڑھ کر ۷۸ لاکھ ٹن ہوگئی۔ سابقہ دور میں یعنی ۱۹۷۷ء تک چاول کی سالانہ اوسط پیداوار ۶۲ لاکھ ٹن تھی۔ برعکس اس کے دوسرے پانچ سالہ دور یعنی ۱۹۷۷-۸۲ء میں یہ بڑھ کر ۶۷ لاکھ ٹن ہوگئی۔ مغربی بنگال میں اناج کی کل پیداوار کا دار و مدار دھان کی پیداوار پر ہے۔ ۱۹۷۲-۷۷ء کے دوران چاول کی سالانہ اوسط پیداوار ۴۶ لاکھ ٹن تھی جو ۱۹۷۷-۸۲ء میں بڑھ کر ۵۲ لاکھ ٹن ہوگئی۔ اس دور میں اوسط پیداوار قومی سطح سے بھی آگے نکل گئی۔ ۱۹۷۷-۷۸ء میں چاول کی کل پیداوار ۸۹ر۷ لاکھ ٹن تھی اور ۱۹۸۰-۸۱ء میں صرف امن (چاول) کی کل پیداوار ۶ر۲ لاکھ ٹن تھی۔ دونوں پیداوار نے مغربی بنگال میں ایک مثال قائم کی ہے۔ ہماری ریاست اب تجارتی اجناس جیسے آلو، جوٹ، پیتا وغیرہ کی پیداوار میں خود کفیل ہے۔

بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں ہر سال تقریباً ایک لاکھ ہیکٹرس نئے علاقوں میں زمین اور پانی کے تحفظ کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں۔

اس ریاست کے کسانوں کی مانگ پورا کرنے کیلئے گزشتہ سات برسوں میں تقریباً ۲۱۰ کروڑ روپئے کی مختلف فصلوں کے بیج درآمد کئے گئے جو پچھلے سال کی رقم سے کہیں زیادہ رقم تھی۔ ریاست کو بیج کی سپلائی اور اس کی پیداوار میں خود کفیل بنانے کے لئے ریاستی بیج کارپوریشن قائم کیا گیا۔ گزشتہ سات برسوں میں مختلف فصلوں کی پیداوار کے سلسلے میں

غریب کسانوں کی مدد کے لئے چھوٹی تھیلیاں مفت تقسیم کی گئیں۔ اس ریاست میں ۱۹۷۹-۸۰ء میں فصل بیمہ پروجیکٹ کو پہلی بار روبہ عمل لایا گیا۔ اس کے تحت امن، اوس اور بورو دھان اور آلو کی پیداوار کو لایا گیا۔ مذکورہ بالا بیمہ پروجیکٹ کے بموجب چھوٹے اور حاشیائی کسانوں اور بٹائی داروں کے جمع شدہ کل پریمیم کا ۵۰ فیصد حصہ حکومت کی طرف سے امدادی رقم کے طور پر انہیں دیا گیا۔ موجودہ دورِ حکومت میں ۱۹۸۰-۸۱ء کے دوران کسانوں کے لئے ضعیفی بھتہ پہلی بار جاری کیا گیا۔ پنشن پانے والے کی موت کے بعد اس کی بیوہ کو بھی پنشن دیا جاتا ہے۔ ہمارا ملک اب آزاد ہے مگر ہنوز مغربی بنگال کے کسانوں کو جوت داروں اور مختلف اقسام کے قرض دینے والوں کے شکنجے سے آزاد کرانا ہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۷ء سے قبل برگداروں اور چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کو جوت داروں اور سود خوروں سے بھاری شرح پر سود پر قرضہ لینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسی طرح "پیداوار کی پالیسی" جوت داروں کے مفاد اور مرضی کے مطابق مرتب کی جاتی تھی۔ سماجی رفاہ کے لئے یہ پالیسی کبھی بھی مبارک ثابت نہیں ہوئی۔ کسان بھاری سود کے بوجھ کو برداشت نہیں کر پاتے تھے اور اپنی تمام چیزوں کو بھی ایسے درندوں کے ہاتھوں گنوا دیتے تھے۔ مزید برآں کسانوں کو اس بات پر یقین نہیں تھا کہ وہ فصل کی کٹائی کر پائیں گے اور لے اپنے سائبان میں [illegible] سکیں گے۔ اس طرح انہیں کبھی بھی اپنی پیداوار کے بدلے میں معقول قیمت نہیں ملی۔ زراعت کے میدان میں موجودہ حکومت کی یہ پالیسی رہی ہے کہ جو جوتتا ہے اسے کو فصل اپنے گھر میں جمع کرنے کا حق ہے۔ اس حکومت نے برگداروں اور حاشیائی کسانوں کو مناسب شرائط اور آسان شرح پر امداد باہمی اور بینکوں کے ذریعہ قرضہ دینے کے انتظامات کئے ہیں ساتھ ہی چھوٹی تھیلیاں بھی انہیں دی جاتی ہیں۔ اس طرح کسان اب جوت داروں کے ہاتھوں کٹھ پتلی نہیں رہ گئے ہیں۔ آج وہ اپنی زمین کی دیکھ بھال اپنی ملکیت کے طور پر کرنا جان گئے ہیں۔ حکومت نے کاشتکاروں کو ان کی فصل کے لئے معقول قیمت دینے کا انتظام کیا ہے ٭ ٭ ٭

مغربی بنگال میں چھوٹی صنعت

از : پیرالے تالکدار - وزیر ریاست، دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت

مغربی بنگال میں صنعتی ترقی، آزادی کے تیس سال کے بعد بھی کلکتہ۔ ہوڑہ، درگاپور۔ آسنسول کے اردگرد چند مربع میلوں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس کے نتیجے میں اس ریاست کے دیگر علاقے صنعتی لحاظ سے پسماندہ ہو گئے اور ان علاقوں میں صنعتوں کے لئے بنیادی سہولتوں کی کافی کمی ہو گئی۔ اس کے پس منظر ۱۹۷۸ء میں بائیں محاذ حکومت نے پہلی بار اس ریاست کے لئے بہت ہی اہم صنعتی پالیسی کا اعلان کیا۔ اس پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ چھوٹے پیمانہ کی نئی صنعتی یونٹیں قائم کرکے روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں اور اس طرح چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی مستحکم طور پر مسلسل افزائش اور ترقی ہوتی رہے۔ مسلسل مطالبات کے باوجود چھوٹی صنعتی یونٹوں کی سرگرمیوں کی باضابطگی اور تحفظ کے لئے قومی سطح پر جامع قانون مرتب نہیں کیا گیا۔ رضاکارانہ رجسٹریشن کا موجودہ نظام اب بھی رائج ہے۔ مصنوعات کی پیداوار میں کمی کر دی گئی لیکن اس کے ساتھ بڑی صنعتوں کی پیداواری صلاحیت پر پابندی عائد نہیں کی گئی، اس کے نتیجہ میں بہت سارے کیسوں میں ایسی کمی بے ثمر ثابت ہوتی۔ پبلک انٹرپرائزیس کے بیورو کے جاری کردہ ہدایت ناموں کے ذریعہ چھوٹی اور معاون صنعتی اداروں کے قیام کے پروگرام کو روبہ عمل لانے کی کوششیں کی گئیں، لیکن اس سلسلہ میں متعلقہ قانون کے نہ ہونے کی وجہ سے اس پروگرام کی رفتار ترقی خاطر خواہ نہیں ہوئی۔

ریاستی حکومت نے گزشتہ چند برسوں میں بہت ساری دشواریوں کے باوجود چھوٹی صنعتوں کی بہتری اور ترقی کے لئے بہت سارے اقدامات کئے جن میں چند کی تفصیل درج ذیل ہیں :

صنعتوں کیلئے خام اشیاء اور فنڈ کی فراہمی

(الف) : ادارہ جاتی فنڈ : اس سے قبل چھوٹے صنعتی سیکٹر کے لئے فنڈ کی فراہمی اتنی تشفی بخش نہ تھی۔ حکومت کو اس بات کا احساس تھا۔ اس سیکٹر کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بی ایس اے ایل کے تحت شعبہ جاتی فنڈ کے لئے رکھی گنجائش ناکافی تھی۔ اس لئے اس بات کی کوششیں کی گئیں کہ اس سیکٹر کی ترقی کے لئے ادارہ جاتی مالیات فراہم کی جائیں۔ چونکہ مالی وسائل کافی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اس لئے دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی نظامت نے ۱۹۷۹ء میں مالیاتی اداروں سے مالی وسائل کی فراہمی کے سلسلہ میں ایک خصوصی پروگرام کو اپنایا۔ اس پروگرام کے تحت مرکوز طور پر مہم چلائی گئی تاکہ بات

چیت کے ذریعہ زیر غور تجاویز منظور کرلی جائیں۔ اسس طریقہ کار سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ سرمایہ کاری کی تجاویز پر اب جلد از جلد غور و خوض کیا جائے گا۔

درج ذیل جدول سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ مرکز جسم کے ذریعہ سرمایہ کاری میں کافی اضافہ ہوا۔

جدول نمبر ۱

سال	رقم (کروڑ روپے)
۷۹-۸۰ء	۲۸/۵۴
۸۰-۸۱ء	۲۵/۶۸
۸۱-۸۲ء	۳۹/۲۲
۸۲-۸۳ء	۴۳/۶۲
۸۳-۸۴ء	۵۰/۰۰

مذکورہ بالا اعداد و شمار سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ادارہ جاتی فنڈ کی دستیابی میں کافی بہتری ہوئی۔

ریاستی مالیاتی کارپوریشن نے چھوٹی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کو قرض فراہم کئے۔ اسس کارپوریشن نے گزشتہ پانچ برسوں میں چھوٹے پیمانہ کی صنعت کے سیکٹر میں ۲۵۰۳ صنعتوں کو قرض دینے کی منظوری دی ہے۔ ان میں سے ۲۲۵۲ چھوٹی صنعتی یونٹیں ہیں۔ ۱۹۸۲-۸۳ء میں ۸۹۴ چھوٹی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کو قرض فراہم کئے گئے۔ ان میں سے ۸۶۹ چھوٹی صنعتیں ہیں اور انہیں کل قرض کی ۴۴/۲۷ فی صد رقم سرمایہ کاری کے لئے فراہم کی گئی۔ اسس کارپوریشن نے ۸۱-۸۲ء میں ۱۴ کروڑ روپے، ۸۲-۸۳ء میں ۲۰ کروڑ روپے اور ۸۳-۸۴ء میں ۲۲ کروڑ روپے چھوٹی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کو بطور قرض فراہم کئے۔

(ب) ریاستی امداد کے تحت قرضے:

اسس اسکیم کے تحت مستفید ہونے والوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران اس اسکیم کے تحت دئے جانے والے قرض میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

(ج) حاشیائی سرمایہ

ادارہ جاتی مالیاتی ایجنسیاں اکثر حاشیائی سرمایہ کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اسس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اس ریاست میں اسس بات کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے کہ اس اسکیم کے تحت مستفید ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

جدول ۲

حاشیائی سرمایہ کے لئے دی جانے والی مالی امداد

سال	رقم (لاکھ روپے میں)
۷۸-۷۹ء	۱۷/۸۱
۷۹-۸۰ء	۳۵/۳۰
۸۰-۸۱ء	۳۵/۲۰
۸۱-۸۲ء	۴۰/۱۷ *
۸۲-۸۳ء	۳۱/۱۷ *
۸۳-۸۴ء	۴۰/۳۴

(* معہ مرکزی امداد)

ان صنعت کاروں کو جو یہاں نئی صنعتی یونٹیں قائم کرنا چاہتے ہیں یا جو اپنی موجودہ یونٹوں کی توسیع کے خواہاں ہیں، محرک پروگرام کے تحت امداد فراہم کی جاتی ہے۔

جدول ۳

صنعتوں کو محرک پروگرام کے تحت بطور امداد دی گئی رقوم

سال	رقوم (لاکھ روپے میں)
۷۷-۷۸ء	۴۲/۱۰
۷۸-۷۹ء	۴۲/۴۷

۸۰-۱۹۷۹ء	۳۱ر۴۵
۸۱-۸۰ء	۶۰ر۱۰۲
۸۲-۸۱ء	۰۷ر۹۲
۸۳-۸۲ء	۲۹ر۷۸
۸۴-۸۳ء	۸۲ر۱۰۹

خام اشیاء :

ضروری خام اشیاء کی ضرورت اور فراہمی میں فرق کی وجہ سے اس ریاست کی چھوٹی صنعتوں کو عرصہ تک کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس مسئلہ سے اب ہر کس وناکس واقف ہے۔

ایک طرف تو اس ریاست کو لوہا، اسپات اور کوئلہ کے ذرائع سے نزدیکی کی وجہ سے قدرتی سہولتیں فراہم ہیں لیکن اس ریاست کو ان سہولتوں سے محروم رکھا جارہا ہے، اور دوسری طرف اس ریاست کو دیگر خام اشیاء جیسی روئی، ربڑ، کیمیاوی اشیاء، کی سپلائی سے محروم رکھا جارہا ہے۔ مزید برآں درآمد کردہ چیزیں بمبئی میں لائی جاتی ہیں اور اس طرح مشرقی علاقہ کی صنعتی یونٹوں کو کرایہ کے فاضل اخراجات کرنے پڑتے ہیں۔

صنعتی اسٹیٹ کا قیام :

حکومت ہند نے ۱۹۵۵ء میں صنعتی اسٹیٹ قائم کرنے کے پروگرام کو اپنایا۔ ترقیاتی منصوبہ بندی کے نہ ہونے سے ادھر ادھر صنعتیں قائم ہوگئیں اور اس سلسلہ میں رہائشی علاقوں کا خیال نہیں رکھا گیا۔ بہرحال اس بات کی کوشش کی جارہی ہیں کہ صنعتی اسٹیٹوں / ترقی یافتہ علاقوں اور کاروباری اسٹیٹوں میں رہائشی سہولتیں فراہم کی جائیں اور اس سلسلہ میں کئے گئے اقدامات کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱ر سال	۸۰-۷۹ء	۸۱-۸۰ء	۸۲-۸۱ء	۸۳-۸۲ء
۲ر صنعتی اسٹیٹ میں				
جاری یونٹیں	۴۲۰	۵۴۰	۷۲۰	۸۴۰
اسٹیٹ کی تعداد	۱۴	۱۸	۲۴	۲۸

گرچہ چھوٹی صنعتوں کے قیام کے لئے اس ریاست میں فراہم سہولتوں میں اضافہ کیا گیا، بہت سارے علاقوں کو صنعتوں کے قیام کے لئے بہتر بنایا گیا تاہم ایسی سہولتیں مطالبات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں کیوں کہ صنعتی فروغ کے لئے ریاستی حکومت کے حال ہی میں کئے گئے بہت سارے پروگراموں کی وجہ سے چھوٹی صنعتوں کے قیام کیلئے قطعات آراضی کے مطالبات میں کافی اضافہ ہوگا۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی چھوٹی صنعت کارپوریشن نے کئی ایک بڑے پروجیکٹوں پر کام شروع کردیا ہے۔ ان میں سے چند اہم پروجیکٹس یہ ہیں :

(۱) السنی، ہوڑہ میں ۵ر۲۲ ایکڑ قطعات آراضی کی ترقی

(۲) دیبا گرام جلپائی گوڑی میں ۲۵ر۲۶ ایکڑ قطعات آراضی کی ترقی

(۳) داس نگر، ہوڑہ میں ۵ر۲ ایکڑ قطعات آراضی کی ترقی

(۴) فیرس لین میں کاروباری اداروں کے قیام کے لئے مکانوں کی تعمیر

ناظموں کی تربیت :

تمام حلقوں میں اس بات کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی ترقی کا بہت حد تک صنعتوں کے ناظموں کی لیاقت اور تکنیکی بہتری پر انحصار ہے۔ اس لئے ڈی۔ آئی۔ سی کی تشکیل ہونے تک شعبہ جاتی تربیتی یونٹوں میں مختلف کام کاج کے ہنر کی ترقی پر زیادہ زور دیا گیا۔ اسلئے چھوٹی صنعتی یونٹ قائم کرنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کے سلسلہ میں ریاستی حکومت نے ناظموں کی تربیت کے لئے بہت ساری اسکیمیں تیار کی ہیں۔ تکنیکی اور انتظامی تربیت کے لئے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ اس کام کی رفتار ترقی درج ذیل ہے :

سال	تربیت یافتگان کی تعداد
سنہ ۷۹-۸۰ء	۲۵۶
سنہ ۸۰-۸۱ء	۴۱۸
سنہ ۸۱-۸۲ء	۴۵۸
سنہ ۸۲-۸۳ء	۴۲۶
سنہ ۸۳-۸۴ء	۶۰۲۰

مصنوعات کی فروخت : چھوٹے پیمانہ کی یونٹوں کو وسائل کے سلسلے میں شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ نیز انہیں بازار کی بابت بھی معلومات فراہم نہیں ہیں، اس لئے انہیں مصنوعات کی فروخت میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ریاستی حکومت چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی مصنوعات کی قیمت فروخت کے سلسلہ میں مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ نیز میلہ اور نمائشوں میں ایسی مصنوعات کافی فروخت ہوتی ہیں۔ ریاستی حکومت نے حالیہ برسوں میں مصنوعات کے لئے بہت سارے مثبتی اقدامات کئے۔ ریاست کے مختلف بلاکوں میں پنچایت سمیتیوں کے تحت چھوٹی صنعتوں کی مصنوعات کی فروخت کے لئے بازاروں میں خردہ فروشی کی دکانیں کھولی گئیں۔ اس سلسلہ میں کاروباری بنکوں نے مالی امداد فراہم کی اور ریاستی حکومت نے بھی بنیادی سرمایہ کے طور پر رقوم فراہم کیں۔ اب تک اس ریاست کے ۵۹ ترقیاتی بلاکوں میں اس طرح کی ۵۹ دکانیں کھولی گئی ہیں۔ ان دکانوں سے چھوٹے پیمانہ کی مقامی یونٹوں کی تیار کردہ مصنوعات فروخت کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ چھوٹے پیمانہ کی صنعت کے سلسلہ میں ڈاکٹر بھبتوش کمیٹی کی سفارشات کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ اس سکٹر کی مختلف ریاستی ایجنسیاں چھوٹی صنعت کی تیار کردہ ۵۰ اقسام کی مصنوعات خریدتی ہیں نیز اس صنعت کی اور بھی بہت ساری مصنوعات ریاستی حکومت کے مختلف شعبے براہ راست خریدتے ہیں۔

چھوٹے پیمانہ کی بہت ساری صنعتیں معاشی لحاظ سے بیمار ہیں۔ اس کی بہت ساری وجوہ ہیں جیسے انہیں وقت پر خام اشیاء نہیں فراہم ہوتیں، مصنوعات کی فروخت کے بعد پیسے بہت دیر سے ملتے ہیں۔ نیز ایسی یونٹوں کی انتظامی نااہلیت اور فرسودہ مشینوں کا مصنوعات پر ناموافق اثر پڑتا ہے ـــ ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے ایک اسکیم کو اپنایا ہے۔ اس اسکیم کے تحت چھوٹی صنعت کی ہر یونٹ کو اپنے نو تعمیر کے پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لئے، جن میں بنکوں نے شرکت پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے، ریاستی حکومت کی طرف سے حاشیائی سرمایہ کی ۲۰ فیصد رقم، زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ روپئے دئے جائیں گے۔ نیز بیمار یونٹوں کی بحالی کے لئے اسکیم کو روبہ عمل لانے کے سلسلے میں ریاستی چھوٹی صنعت کارپوریشن کو ایک ریاستی سطح کے ادارہ کی حیثیت دی گئی۔ اس کام کے لئے آئی آر سی آئی سے قرض کے انتظامات کئے گئے ہیں۔ اس کارپوریشن نے کئی ایک بیمار یونٹوں کے سلسلہ میں سفارشات کی ہیں؛

دیہی اور چھوٹی صنعت: اس صنعت کی بہتری اور ترقی کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے ہیں۔

(۱) دستکاری اور دیگر دیہی صنعتیں

ریاستی دستکاری کارپوریشن اور مرکزی (اپیکس) دستکاری کارپوریشن نے دستکاروں کو زیادہ سے زیادہ وسائل اور سرمایہ کی فراہمی کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ نیز انہوں نے دستکاروں کی تیار کردہ مصنوعات کو بازار میں فروخت کرنے اور انہیں خام اشیاء فراہم کرنے کے لئے منظم طور پر اقدامات کئے۔ ریاستی حکومت کی دیگر ایجنسیاں مصنوعات کو فروغ دینے معہ تربیتی پروگرام، مصنوعات کو مقبول عام بنانے اور ڈیزائن کی بہتری وغیرہ جیسے اہم فرائض انجام دیتی ہیں۔ یہ بات باعث مسرت ہے کہ اس کارپوریشن کی سالانہ تیار کردہ مصنوعات کی مالیت سنہ ۷۹-۸۰ء اور سنہ ۸۳-۸۴ء کے درمیان ۸۱، ۲۲ لاکھ روپئے

سے بڑھکر ۲۵.۰ لاکھ روپئے ہو گئی۔

لاک صنعت کے سلسلے میں یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اضلاع پرولیا، بانکوڑا اور مرشدآباد میں جن پروگراموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے، ان کے تحت دستکاری اور کاریگروں کو تربیت دی جاتی ہے اور اپنی پرورش کے لئے لاک کے کپڑے سپلائی کئے جاتے ہیں۔ رسی کے ریشوں اور اس کی مصنوعات کی کوالیٹی میں بہتری لانے کے لئے اضلاع ۲۴ پرگنہ اور ہوڑہ میں متعلقہ کارخانوں میں مشین بٹھانے کے انتظامات کئے گئے ہیں۔ ریاستی کھادی بورڈ بھی کھادی اور مخصوص دیہی صنعتوں کے فروغ کے لئے امداد فراہم کر رہا ہے۔ کھادی اور دیہی صنعت بورڈ نے ضلع صنعتی مراکز کو اس بات کا اختیار دے دیا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار روپیے تک مالی امداد فراہم کر سکتا ہے۔

مالی امداد کے ساتھ ساتھ دیہی صنعتوں کو اور بھی بہت ساری سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ جیسے (۱) چمڑہ اور برتن سازی میں کامن سروس سنٹر کا قیام (۲) رسہ سازی کی صنعت میں تربیت (۳) دیہی تجارتی شیڈ کا قیام (۴) دستکاری کارپوریشن کے ذریعہ مدراس، جئے پور اور دہلی میں فروخت کے لئے مراکز کا قیام۔ نیز حالیہ برسوں میں ایک اور اہم کام یہ کیا گیا کہ ضلع صنعتی مراکز کو پنچایتوں اور ضلع دیہی ترقیات ایجنسی کے تعاون کے ساتھ تکمیلی مضافاتی ترقیاتی پروگرام کی تکمیل کے کام میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کام کا مقصد یہ ہے کہ کاریگروں اور دست کاروں کو زیادہ سے زیادہ فنڈ آسانی سے فراہم ہو۔ سنہ ۸۲-۸۱ء اور سنہ ۸۳-۸۲ء کے درمیان اس اسکیم سے ۸۰۰۰ کاریگر مستفید ہوئے۔

ہینڈلوم (ہتھ کرگھا) : دیہی کاریگروں کے روزگار کے نقطۂ نظر سے ہینڈلوم سیکٹر کافی اہمیت کا حامل ہے۔ سنہ ۸۳-۸۲ء میں اس سیکٹر کا جائزہ لیا گیا۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ مغربی بنگال میں کل ۲۵۶۵۶۶ ہینڈلوم یعنی ہتھ کرگھے ہیں اور ان میں تقریباً ۱۰۲۶۰۰ کام کرتے ہیں۔ ریاستی حکومت کی طرف سے کئے گئے بہت سارے اقدامات کی وجہ سے اس ریاست کے ہتھ کرگھوں کی مصنوعات، کوالیٹی اور ڈیزائن کے لحاظ سے مقبول عام بن چکی ہیں۔ سنہ ۸۳-۸۲ء تک ۸۰۰۰۰ بنکروں کو کوآپریٹو کے تحت لایا جا سکا۔ ایسی کوآپریٹو سوسائیٹیوں کو دھاگے کی سپلائی، رنگ سازی اور ڈیزائن کی بہتری اور مصنوعات کی فروخت کے سلسلے میں بہت ساری سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ مرکزی کوآپریٹو سوسائٹی کی کل تیار کردہ مصنوعات کی مالیت سنہ ۸۰-۷۹ء میں ۴٫۲۸ کروڑ روپئے سے بڑھکر سنہ ۸۳-۸۲ء میں ۳۰ کروڑ روپئے ہو گئی۔ اس عرصہ میں ریاستی ہتھ کرگھا کارپوریشن کی تیار کردہ مصنوعات کی مالیت ۲۷٫۸۲ لاکھ روپئے سے بڑھکر ۷ کروڑ روپئے ہو گئی۔ نیز مرکزی کوآپریٹو سوسائٹی کے ہینڈلوم کے کپڑے فروخت کرنے کے لئے ۱۱۵ مراکز ہیں اور ریاستی ہتھ کرگھا کارپوریشن کی سارے ملک کے مختلف علاقوں میں کل ۵۳ دکانیں ہیں۔

بہت سارے بنکروں کو، جو دوسروں کے کرگھوں میں کام کرتے ہیں، کوآپریٹو کے تحت لانے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ مشترکہ کام کرنے کے شیڈ کی تعمیر کے لئے گنجائش رکھی گئی۔ ایسے شیڈ میں بنکروں کو کرگھے، دھاگے اور دیگر سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ مرکزی کوآپریٹو سوسائٹی ایسے شیڈوں میں تیار کردہ کپڑوں کی فروخت کی ذمہ داری سنبھال لی ہے۔ ان کاریگروں کیلئے، جن کے پاس کرگھے ہیں ۲۸ کوآپریٹو سوسائیٹیاں قائم کی گئی ہیں اور طرح طرح کے کپڑے تیار کرنے کے لئے اقدامات بھی کئے گئے ہیں۔

مستقبل کے پروگرام میں ہتھ کرگھے کے سیکٹر میں نئی نئی چیزیں، سجانے کے کپڑے، بڑے اور بھاری تولیہ وغیرہ تیار کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ کرگھوں کو جتنے دھاگے کی ضرورت ہوتی ہے اس کا صرف ۱۵ فیصد حصہ دھاگہ اندرونی وسائل سے حاصل ہوتا ہے۔ دھاگوں کی مانگ پورا کرنے کے لئے دو دھاگہ تیار کرنے والی ملیں، ایک مدنا پور میں اور دوسری بانکوڑہ میں تیار کرنے کے لئے اور سیرامپور میں واقع مل کی موجودہ صلاحیت میں اضافہ کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ کئی یک پروسیسنگ

پلانٹ نصب کئے گئے ہیں اور کئی ایک کئے جائیں گے۔

ریشم اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش

خام ریشم کی پیداوار کے سلسلہ میں سارے ملک میں یہ ریاست تیسرے نمبر پر اور اوسط پیداوار کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر آتی ہے۔ اس ریاست میں فی ایکڑ پیداوار سب سے زیادہ ہے۔ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء تک تقریباً ۳۰۰۰۰ ایکڑ قطعات آراضی کو شہتوت کی کاشت کے تحت لایا گیا، اور اس طرح خام ریشم کی پیداوار بڑھ کر ۹۲ء۶ لاکھ کیلو گرام ہو گئی اور اس کی وجہ سے تقریباً دو لاکھ افراد کو روزگار کے مواقع فراہم ہوئے۔ آبپاشی کی سہولتوں میں کمی، ریشم کے بہتر کیڑوں کی غیر دستیابی اور خام ریشم کے بازار میں فروخت کی دشواریوں کے باوجود بہت سے ترقیاتی پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت نے اقدامات کئے نیز ان اضلاع میں بھی شہتوت کی کاشت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا جہاں پہلے نہیں ہوتی تھی۔

تنظیمی تائید : مغربی بنگال میں دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ایک تنظیم کی ضرورت عرصہ دراز سے محسوس کی جا رہی تھی۔ آخر کار پہلی بار اگست سنہ ۷۹ء میں مغربی بنگال کے اضلاع میں ۱۵ ضلعی صنعتی مراکز قائم کئے گئے۔ ان مراکز کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ہتھ کرگھے اور ریشم کی دیہی صنعت کے علاوہ دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی دیگر صنعتوں میں صنعت کاروں کی ہمت افزائی اور ایسی صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے اقدامات کریں۔ ہتھ کرگھے اور ریشم سازی کے لئے اس ریاست میں علاقائی سطح پر تنظیمیں موجود ہیں۔ ڈی آئی سی (ضلع صنعتی مراکز) نے ہر ضلع دفتر میں ایک جنرل منیجر اور انکی تحت دفتروں میں کام کرنے کے لئے چار منیجر اور تین پروجیکٹ منیجر کی تقرری کی گئی۔ نیز ڈی آئی سی کی کوشش خاص طور پر خدمات اور فروغ دینے والی سرگرمیوں کی طرف مرکوز ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سارے کارپوریشن بھی قائم کئے گئے ہیں جو کاروبار کرنے والوں کو حسب ضرورت سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں اقدامات کرتے ہیں۔

روزگار کے امکانات : دیہی اور چھوٹی صنعت سیکٹر کی سرگرمیاں روزگار کے مواقع کی فراہمی اور ایسے مواقع پیدا کرنے کی طرف مرکوز ہیں۔ ذیل میں متعلقہ دو اسکیمیں درج ہیں۔

(۱) **ایس، ای، پی :** تعلیمیافتہ بے روزگاروں کو خود روزگار فراہم کرنے کی اسکیم کو ریاستی حکومت نے اپنایا ہے، اور ایک ٹاسک فورس کے ذریعہ اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ داری ڈی ایس سی کو سونپی گئی ہے۔ گزشتہ مالی سال میں بنکوں سے زرضمانت کے لئے ۲۳۶۸۰ کیسوں کی سفارش کی گئی۔

(۲) ایس آئی ڈی اے : دیہی اور چھوٹی صنعتوں کے نئے نئے صنعت کاروں کی مدد کرنے کے لئے چھوٹی صنعت ترقیاتی ایجنسیاں (ایس آئی ڈی اے) جون سنہ ۸۳ء میں قائم کی گئی۔ یہ ایجنسی منتخب علاقوں میں چھوٹی صنعت قائم کرنے کے لئے صنعت کاروں کو کافی سہولتیں فراہم کر رہی ہیں۔ اس ایجنسی نے اپنے قیام کے پہلے آٹھ مہینوں میں ۶۱ پروجیکٹوں کو قائم کرنے کی منظوری دی۔ ان پروجیکٹوں پر ۱۰ کروڑ روپئے سے زیادہ روپئے کی سرمایہ کاری ہوگی۔ ان پروجیکٹوں کے تحت ۳۰۰۰ افراد کو روزگار فراہم ہوگا۔

امکانات : اس ریاست میں دیہی اور چھوٹی صنعتوں کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حکومت ہند کی مساوی کرایہ کی پالیسی کے رائج کرنے سے خام اشیاء کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ اس سلسلہ میں کوئی موثر قانون بھی نہیں ہے۔ مرکزی عوامی سیکٹر ادارے کی ناکافی سرمایہ کاری ہے۔ لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود حالیہ برسوں میں امداد کی قبل از سرمایہ کاری کی اسکیموں کو اور مربوط اور جامع پروگراموں کو بروئے عمل لاکر مختلف میدانوں میں نمایاں کامیابیاں ہوئی ہیں۔

گرچہ روایتی صنعتیں تمام صنعتیں ہیں تاہم اب الکٹرونکس، ادویہ سازی، پلاسٹک، کیمیاوی اور دیگر نئی صنعتوں کو بھی آہستہ

آہستہ فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

ضلع سطح پر ڈی آئی سی اور ریاستی سطح پر ایس آئی ڈی سی نے صنعتوں کو فروغ دینے والی تنظیموں سے قریبی رشتہ قائم رکھا ہے اور اس کی وجہ سے گزشتہ چند برسوں میں نئی صنعتی یونٹیں قائم کرنے کے کام کی رفتار ترقی کافی تشفی بخش ثابت ہوئی۔ نئی یونٹوں کی تفاصیل درج ذیل ہیں :

نئی یونٹیں

سال	۷۸-۷۹ء	۷۹-۸۰ء	۸۰-۸۱ء	۸۱-۸۲ء	۸۲-۸۳ء
چھوٹے پیمانہ کی نئی صنعتی یونٹیں	۲۶۸	۳۴۰۸	۳۷۱۵	۴۵۱۹	۵۶۷۷
روزگار	۱۳۴۶۴	۱۶۹۹۹	۱۸۱۱۹	*۳۴۷۰۰	۳۳۱۷۰

* مکمل روزگار شامل ہے

گزشتہ چند برسوں سے دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی بابت کافی بیداری ہوئی ہے۔ ہر سال تقریباً ۱۲۰۰۰ افراد عارضی رجسٹریشن کے لئے درخواستیں داخل کرتے ہیں اور ہر سال ان میں ۵۰۰۰ افراد رجسٹریشن پانے کے بعد اپنے کارخانے چالو کر دیتے ہیں۔ ان صنعتوں میں ریشم سازی اور ہینڈ لوم شامل نہیں ہیں۔ اور ان دونوں صنعتوں میں روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنے کی جگہ مکمل روزگار پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ ان تمام اقدامات سے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ تمام دشواریوں کے باوجود ریاستی حکومت نے اس ریاست میں نئی چھوٹی صنعتی یونٹیں قائم کرنے کے مزید روزگار پیدا کرنے کے امکانات کو کافی روشن کر دیا ہے ٭٭



ہاتھ کا ہنر

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے سات سال

چھوٹی آبپاشی کی رفتارِ ترقی

از : کناٸی بھومک — وزیر، چھوٹی آبپاشی کا شعبہ

سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء کے آخر میں چھوٹی آبپاشی سیکٹر سے ۸۱ر۱۱ لاکھ ہیکٹائر قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم تھیں اور سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء کے آخر میں ۶۶ر۱۴ ہیکٹائر کو ایسی سہولتیں فراہم تھیں یعنی سات سال کے عرصے میں ۸۵ر۲ لاکھ ہیکٹائر کی ترقی ہوئی۔ سنہ ۱۹۷۷ء سے حالیہ برسوں تک چھوٹی آبپاشی کے پروجیکٹوں کی آبپاشی کی صلاحیت میں ترقی کے چند واضح رجحانات نمایاں ہوتے ہیں۔ گرچہ سرمایہ کاری کے سلسلہ میں منفی رجحانات رونما ہوئے۔ (سنہ ۱۹۷۹-۸۰ء، سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء اور سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء کے دوران چھوٹی آبپاشی پر منصوبہ کے تحت اخراجات ۰۵ر۱۶.۱ کروڑ روپئے، ۸۶ر۱۲.۷ کروڑ روپئے اور ۲۰ر۹.۵ کروڑ روپئے بالترتیب تھے) تاہم اس دوران آبپاشی کی صلاحیت گزشتہ عرصوں کی بہ نسبت بہتر تھی۔

حالیہ برسوں کے دوران زیادہ قیمتی آبپاشی کے سازوسامان کی جگہ سے کم قیمتی سازوسامان پر زور دیا گیا تاکہ تمام لوگوں کے لئے خاص طور پر کمزور طبقوں کے لئے آبی وسائل کی مساوی تقسیم ہو۔ مزید برآں کہ مختلف چھوٹی آبپاشی اسکیموں کے تحت قبائلی ذیلی منصوبہ میں رکھی گنجائش کے علاوہ عام بجٹ میں رکھی گئی گنجائش کی ۵٪ رقوم سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء سے شیڈول کاسٹ طبقہ کی فلاح و بہبود کے لئے ترقیاتی اقدامات کرنے کے سلسلہ میں مختص کی گئی۔

سنہ ۱۹۷۹-۸۰ء میں ایک کنواں کی کھدائی پر ۱۰۰۰۰ روپئے خرچ ہوئے۔ اس سلسلہ میں چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کو کل خرچ کا ۷۵ فیصد بطور امداد دیا جاتا ہے۔ یہ رقم چھوٹے کاشتکاروں کو ترقیاتی ایجنسی کی طرف سے دی جانے والی ۳۳/۲ ۲۲ فیصد رقم سے کہیں زیادہ ہے۔ سنہ ۱۹۷۹-۸۰ء اور سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء کے دوران علی الترتیب ۲۵۲ لاکھ روپئے اور ۲۶۹ لاکھ روپئے اس اسکیم کے تحت اخراجات کے لئے دئے گئے۔ اس اسکیم کی تمیس کا کام ابھی تک جاری ہے۔

سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء اور سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء کے دوران سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء کے سیلاب زدگان کی امداد کیلئے ۱۱ کروڑ روپئے کی مرکزی امداد ملی جس کے تحت تالاب کی کھدائی/ دوبارہ کھدائی، کنوئیں کی کھدائی، بورویل، سطحی آبپاشی اور پانی کے نکاس کی اسکیموں کے زبردست پروگرام روبہ عمل لائے گئے۔

جب مذکورہ شعبہ نے چھوٹی آبپاشی کی اسکیم کو حکومت کی امداد سے مزین کر دیا تو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ چھوٹی آبپاشی اسکیم پر انتہائی خرچ ۲۵۰۰۰ روپئے مقرر کئے گئے۔ سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء کے دوران حکومت نے خرچ کی ۵۰ فیصد رقم بطور امداد دی۔ اس کے بعد ہی حکومت کی یہ امداد بڑھ کر ۷۵ فیصد ہوگئی اور آخر کار سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء کے دوران یہ بڑھکر ۱۰۰ فیصد

ہو گئی جس کی رو سے اسکیموں کے عمل درآمد میں کافی تکنیکی سہولتیں فراہم ہوئیں۔

جب SFDA کی جگہ DRDA نے لے لی تو اس سے چھوٹی آبپاشی سیکٹر کو فراہم کردہ امداد کی رقم میں نفی کے برابر کمی ہوگئی۔ اب اس کے نتیجہ میں ۸۳-۱۹۸۲ء سے کم گہرے ٹیوب ویلوں کو پمپ سیٹ کے ساتھ یا ملٹی یونٹ کے ساتھ بٹھانے کے لئے چھوٹے حاشیائی اور متوسط درجہ کے کسانوں کو جتنی رقم خرچ کرنی پڑتی ان کا پچیس ۲۵ فیصد بطور امداد فراہم کیا جاتا تھا اور اسی طرح ایک کروڑ روپے فراہم کئے گئے۔

اسی طرح جون ۱۹۸۳ء میں حکومتِ ہند نے نتیجہ کے طور پر SFDA کا ایک وسیع پروگرام جاری کیا۔ اس پروگرام کے تحت جو اخراجات ہو رہے ہیں اسے مرکزی اور ریاستی حکومت مساوی طور پر برداشت کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ہر بلاک میں چھوٹے اور حاشیائی کاشتکاروں کے لئے ۵۰۰ر۳ لاکھ روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔

چھوٹی چھوٹی زمینوں کی ملکیت ادارہ جاتی قرض کی فراہمی میں ہچکچاہٹ، قرض کی ادائیگی میں تاخیر وغیرہ جیسے دیہی معیشت کی مورثات کے باوجود اس پالیسی نے دیہی سیکٹر میں STWs کی افزائش کی رفتار کو تیز کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔ ۱۹۷۶ء کے آخر میں STWs کی مجموعی تعداد ۷۶۰۹۳ تھی جن میں ۳۳۰۹ ریاستی ملکیت کے STWs شامل تھے۔ اسطرح کے ڈھانچے کی تعداد پہلی اپریل ۱۹۸۱ء تک ۱۸۲۶۸۷ تھی۔ گرچہ آخری اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں تاہم اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ یہ عدد دو لاکھ سے زیادہ ہو جائیں گے۔ یہ بات نہایت ہی اہم اور قابلِ ذکر ہے کہ آزادی کے بعد سے ۳۰ برسوں کے دوران جو کامیابیاں حاصل ہوئیں گزشتہ سات برسوں میں اس کی ۲۵۰ فیصد کامیابیاں حاصل کی گئیں۔

آبپاشی کے امکان کو زیادہ سے زیادہ استعمال میں لانے کے لئے حکومت نے ایک اسکیم مرتب کی ہے۔ یہ نہایت ہی مناسب اسکیم ہے۔ اس کا مقصد بطور پائلٹ پروجیکٹ پانی کا صحیح مصرف لینا اور پانی کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہ اسکیم ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران عمل میں لائی گئی اور گہرے ٹیوب ویل کی تعداد میں اضافہ اور ندی سے پانی اٹھا کر آبپاشی کرنا وغیرہ اس پروگرام میں شامل ہیں۔ خراب ٹیوب ویل وغیرہ کی مرمت اور موجودہ وسائل کی بہتر دیکھ بھال پر مزید توجہ دی گئی ہے۔ اس کے پس منظر چند کھوج لگانے والے ٹیوب ویل کو پیداواری ٹیوب میں تبدیل کرنے کے سلسلہ میں اس شعبہ کی سرگرمیوں کا تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس طرح کی تبدیلی کے سلسلہ میں ایسے ۷۷ ٹیوب ویلوں کی شناخت کی گئی ہے۔ آبپاشی کے امکان میں ۶۰ سے ۶۵ فیصد اضافہ ہوگیا ہے۔

فی الحال اس ریاست میں بجلی کی مجموعی سپلائی کا تقریباً ۴ فیصد حصہ زرعی سیکٹر میں صرف ہوتا ہے۔ اس ریاست میں بجلی کی مجموعی سپلائی کا زیادہ سے زیادہ ۱۰ فیصد حصہ کو زراعتی سکٹر میں صرف کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ اس مقصد کی برآوری کے لئے بجلی کے خراب تنصیبات کی مرمت کے پروگرام کے ساتھ ساتھ بجلی کے نئے تنصیبات کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ دیہی بجلی پروگرام سے استفادہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں کوشش کی گئی ہیں اس کے تحت بجلی کی ترسیل سے مستفید ہونے کے لئے ایک کیلومیٹر کے دائرہ میں واقع گہرے ٹیوب ویلوں میں بجلی کی فراہمی کی منظوری دی گئی ہے۔ مرشد آباد ضلع میں اس طرح کی ۱۷ اسکیمیں ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران منظور کی گئی ہیں۔ ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران کچھ اسکیموں کو مکمل کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ مزید حالیہ ۷۷ ڈیزل سے چلنے والے گہرے ٹیوب ویلوں کو بجلی سے چلنے والے ٹیوب ویلوں میں تبدیل کرنے کے سلسلہ میں ایک پروگرام اپنایا گیا ہے۔ بجٹ برائے ۸۵-۱۹۸۴ء میں اس مقصد کے لئے ۲ لاکھ روپے منظور کئے گئے۔ کم گہرے ٹیوب ویلوں میں سے ۷/ کو حال ہی میں برقیایا گیا ہے۔ گہرے ٹیوب ویل اور ندی سے پانی اٹھا کر آبپاشی کرنے کے معاملہ میں اس شعبے نے جہاں تک ممکن ہو سکا ہے نئے کم گہرے ٹیوب ویلوں کو مسلسل بجلی پہونچانے کیلئے شعبۂ توانائی سے قریبی تعلقات قائم رکھا ہے۔

فی الحال حکومت گہرے ٹیوب ویل، کم گہرے ٹیوب ویل،
بٹھانے اور کنویں کی کھدائی اور زمین دوز پائپ وغیرہ کے لئے ۱۱۰
کروڑ روپے کے پروگرام کی بابت حکومتِ ہند کے ساتھ بات چیت
کررہی ہے تاکہ عالمی بینک سے امداد مل سکے۔ شمالی بنگال کے
ضلعوں کی ترقی کے سلسلے میں ایک بات چل رہی ہے جس کے
تحت حکومتِ ہالینڈ نے ۱۰ کروڑ روپئے بطور امداد دینے کی
رضامندی دی ہے۔

ان علاقوں میں جہاں زمین کے نیچے پانی کی سطح اور بھی
نیچی ہو جاتی ہے، وہاں پمپ کے ذریعہ لمبے پائپ سے پانی نکالا جائے
گا اور پھر اس پانی کو کم گہرے ٹیوب کے ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔
اس سلسلہ میں ۸۴-۱۹۸۳ء میں ایسے ۱۰۰ ٹیوب ویل مع پمپ
بٹھائے جانے کی انتظامیہ کی طرف سے منظوری دے دی گئی ہے۔

شمالی بنگال کے پہاڑی علاقوں میں "جھورا" کے پانی
کو باہر نکالنے کے لئے ہائیڈرولک پمپ نصب کئے گئے ہیں۔ اس
طرح یہاں سے آبپاشی کے لئے پانی فراہم کیا جارہا ہے۔

اس بات کے پیش نظر کہ تمام علاقوں کی متوازن ترقی
ہو، شمالی بنگال کی ترقی کی طرف خصوصی زور دیا گیا ہے۔ پہاڑی
علاقوں میں پہاڑوں کے دامن سے کنویں کھودے جارہے ہیں، نیز
وہاں تکنکی تجربہ بھی کیا جارہا ہے۔ یہ کام ایس ڈبلو آئی ڈی انجام
دے رہا ہے۔ اس کام کے مکمل ہونے پر اس بات کی امید
کی جاسکتی ہے کہ پہاڑی علاقوں میں جہاں پانی کی کافی کمی ہے
وہاں پانی فراہم ہوگا۔ شمالی بنگال کے مختلف بلاکوں کے علاقوں میں
مرکز کے زیر اہتمام چھوٹی آبپاشی کے پروگرام کے تحت آبپاشی
کیلئے پانی فراہم کیا جارہا ہے۔

ریاستی حکومت، نیز ڈبلو بی ایس ایم آئی سی لمیٹڈ
اور ڈبلو بی سی اے ڈی سی کے تحت نصب کردہ تمام ایم۔ آئی
تنصیبات سے لئے یکم مئی ۸۳ء سے پانی کی سپلائی کے سلسلہ
میں ٹیکس کی شرح ایک کردی گئی ہے اور وہ شرح فی ایکڑ انچ
پانی کی سپلائی کے لئے ۵ روپئے ہے۔

چھوٹی آبپاشی کے شعبہ نے اپنی گوناگوں ترقیاتی سرگرمیوں
سے کسانوں کو کافی فائدہ پہونچایا اور زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوگیا۔
یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں اس ریاست میں بورو
دھان کی پیداوار ۷ء۸ لاکھ ٹن تھی، جو ایک ریکارڈ ہے۔ اس
بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں بورو دھان کی پیداوار
میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ مغربی بنگال جیسی ریاست کو غذائی اجناس
کی کمی کا سامنا کرنا پڑرہا ہے اور اسے ہر سال کروڑوں روپئے
کے غذائی اجناس دیگر ریاستوں سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اس
کے پیش نظر بورو دھان کی پیداوار میں اضافہ سے ایسی دشواریوں
میں کافی کمی ہوجانے کی امید ہے۔ زیادہ پیداوار سے روزگار کے
زیادہ مواقع فراہم ہوں گے اور اس طرح ہمارے کسانوں کی معاشی
حالت میں کچھ بہتری ہوگی۔ ٭ ٭ ٭



چھوٹی آبپاشی و آب رسانی

شہری ترقی

از: پروشانتوسور : وزیر مقامی حکومت اور شہری ترقیات شعبہ، حکومت مغربی بنگال

بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی یہ فیصلہ کیا کہ نئے ترقی یافتہ شہری افزائش مراکز میں اعلان کردہ حکام اور میونسپلٹیاں قائم کی جائیں تاکہ ان علاقوں میں لوگ اپنے ذاتی انتظامی امور کی اچھی طرح دیکھ بھال کر سکیں۔ گزشتہ چھ برسوں میں ۱۴ نئی میونسپلٹیاں قائم کی گئیں اور اس طرح شہری مقامی باڈیز کی تعداد ۱۹۷۷ء میں ۱۰۰ سے بڑھ کر ۱۱۴ ہو گئی۔ نئی میونسپلٹیاں یہ ہیں:

(۱) باڑا (۲) بلڈانگہ (۳) اسلام پور (۴) جادب پور (۵) جبار گرام (۶) ڈائمنڈ ہاربر (۷) الوبیڑیا (۸) طوفان گنج (شہری کمیٹی سے تبدیل کر دیا گیا)۔ نئے اعلان کردہ علاقے یہ ہیں:

(۱) گاسپور (۲) کلٹی۔ براکر (۳) ڈسیر گڈھ (۴) نعمت پور (۵) برن پور (۶) میرک اور (۷) ہلدیہ۔ مندرجہ ذیل علاقوں میں میونسپلٹیاں قائم کرنے کی تجویز حکومت کے زیر غور ہے:

(۱) ضلع جلپائی گوڑی میں دیباگرام (۲) ضلع جلپائی گوڑی میں مال (۳) ضلع مغربی دیناجپور میں کالیہ گنج (۴) ضلع مغربی دیناجپور میں سارناگی (۵) ضلع بردوان میں کسگارا (۶) بردوان ضلع میں جموریا (۷) ضلع ۲۴ پرگنہ میں کیننگ (۸) ضلع مدناپور میں بانسکوڑا (۹) ضلع ندیا میں کوپرس کیمپ (۱۰) ضلع مغربی دیناجپور میں کالیہ گنج اور (۱۱) ضلع مدناپور میں اگرا۔

درگاپور، کلیانی اور سینتھیا کے اعلان کردہ علاقوں کو پورے پیمانہ کی میونسپلٹیوں میں تبدیل کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

بنگال میونسپل ایکٹ ۱۹۳۲ء کی دفعات کے تحت تین شہری کمیٹیوں کو یعنی ضلع کوچ بہار میں واقع ماتھا بھانگا، میکھلی گنج اور ہلدی باڑی، پورے پیمانہ کی میونسپلٹیوں میں تبدیل کرنے کے لئے اقدامات شروع کر دیئے گئے ہیں۔ اسی ضلع کی طوفان گنج شہری کمیٹی کو میونسپلٹی میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

حسب معمول جمہوری طریقہ کار کو مستحکم بنایا گیا اور ۱۹۸۰ء میں عام انتخابات ہوئے اور مئی ۱۹۸۱ء میں شہری مقامی باڈیز کے انتخابات ہوئے۔

ہوڑہ میونسپل ایکٹ ۱۹۸۰ء ۱۰ر جنوری ۱۹۸۳ء سے اور کلکتہ میونسپل کارپوریشن ایکٹ ۱۹۸۰ء ۴ر جنوری ۱۹۸۴ء سے نافذ کر دیا گیا۔ یہ دونوں ایکٹ اس ریاست میں میونسپل انتظامیہ کے معاملہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور دونوں ایکٹ نے سارے ہندوستان میں پہلی بار میونسپل انتظامیہ میں چند نئی خصوصیات رائج کیں۔ ان دونوں ایکٹ کا مقصد یہ ہے کہ اس ریاست کے دو اہم شہروں میں نئے تصورات پر مبنی اعلیٰ جمہوری تصورات کو ٹھوس شکل میں رائج کیا جائے۔ نئے ایکٹ کے نفاذ کے بعد ہوڑہ میونسپل کارپوریشن اور کلکتہ میونسپل کارپوریشن میں انتخابات کرانے کیلئے انتخابی فہرستوں کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ان دونوں کارپوریشن میں ۱۹۸۴ء میں انتخابات ہوں گے۔

بہتر انتظامیہ اور بہتر میونسپل خدمات کی فراہمی کے لئے گارڈن ریچ، ساؤتھ سوبرن اور جادب پور کے میونسپل علاقوں کو کلکتہ کارپوریشن کے دائرۂ عمل میں شامل کر لیا گیا ہے۔

ہمارے شہری اداروں کو برسوں سے مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ماضی میں یہ دشواریاں میونسپل خدمات کی افزائش اور میونسپل سہولتوں کی ترقی کی راہ میں سدِ راہ بن گئیں۔ بائیں محاذ حکومت نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ شہری میونسپل باڈیز کو ترقیاتی مالیات کے باضابطہ اور باقاعدہ تفویض اختیارات کی ضرورت ہے اسی بات کے پیش نظر حکومت نے میونسپلٹیوں کو وسیع پیمانے پر ترقیاتی فنڈ فراہم کرنے کے سلسلے میں اقدامات کئے۔ فنڈ کو اور بھی زیادہ اعتدال اور اصولوں کے ساتھ تقسیم کرنے کے لئے مقامی حکومت اور شہری ترقی کے شعبہ نے اس ریاست میں اپنی نوعیت کا پہلا مغربی بنگال میونسپل مالیاتی کارپوریشن قائم کیا۔ اس کمیشن میں میونسپلٹیوں کے انتظامیہ اور مالی حالت کو مستحکم بنانے کے لئے بہت سارے عملی اور معاشی اقدامات کرنے کی سفارشات کی گئیں۔ ان سفارشات پر اب حکومت غائر غور و خوض کر رہی ہے۔ اسی دوران حکومت نے میونسپل مالیات کمیشن کی دو اہم سفارشات کو قبول کر لیا ہے۔ اس بات کے پیش نظر میونسپلٹیوں مع کلکتہ کارپوریشن نے ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء تک حکومت جو رقوم بطور قرض لی تھی، حکومت نے انہیں ان کی ادائیگی سے معاف کر دیا ہے۔ اس فیصلے کے پیش نظر حکومت نے ۲۷ء۱۹ کروڑ کے قرض کو معاف کر دیا۔ دوسری بات یہ کہ تفریحی ٹیکس سے حکومت کو جتنی رقم موصول ہوں گی ان کا نصف میونسپلٹیوں کو دے دیا جائے گا۔ اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی سفارشات جیسی کلکتہ کارپوریشن کے حلقۂ عمل میں توسیع اور میونسپلٹیوں کی بجٹوں پر نظرثانی کرنے کی تجویز پیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل، نظرثانی کردہ مطلبات کے اصول کو رائج کرنا وغیرہ، کو بھی حکومت نے تسلیم کر لیا ہے، اور اب ان کی تکمیل کا کام جاری ہے۔

ریاستی حکومت نے مقامی باڈیز کے لئے نئی مالیت کا نمونہ مرتب کرنے کیلئے مرکزی مالیت بورڈ قائم کیا ہے۔

اس ریاست میں نئی میونسپلٹیاں قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر زور دیا گیا کہ موجودہ میونسپلٹیوں کی انتظامیہ اور کارکردگی میں بہتری لائی جائے۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے خرچ پر ہر میونسپلٹی میں ایک اگزیکیوٹو افسر، ایک فائنانس افسر، ایک ہیلتھ افسر اور ایک انجینئر کی تقرری کی جائے۔ اس فیصلہ کے مطابق مختلف میونسپلٹیوں میں مندرجہ افسر مقرر کئے گئے :-

اگزیکیوٹو افسر —— ۶۲
فائنانس افسر —— ۳۷
ہیلتھ افسر —— ۲۳

۱۹۷۸ء میں مقامی باڈیز کی نظامت قائم کی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ شہری مقامی باڈیز کے تحت روبہ عمل لائی جانے والی بہت ساری ترقیاتی اسکیموں کی قریبی نگرانی کی جائے اور روزمرہ کے انتظامی کام کاج میں شہری مقامی باڈیز کی حسب ضرورت رہنمائی اور مدد کی جائے۔ نیز مقامی باڈیز کی نظامت کو مزید مستحکم بنانے کے لئے تاکہ وہ میونسپل انتظامیہ میں اور بھی زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکیں، مزید تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ بہت سارے ترقیاتی اقدامات کو روبہ عمل لانے کے لئے شہری مقامی باڈیز کو کافی فنڈ فراہم کئے گئے اور اس کام کے لئے انجینئرنگ تنظیم کی ضرورت محسوس کی گئی ہے تاکہ وہ ان باڈیز کو جامع اور مکمل تکنیکی رہنمائی فراہم کرے۔ اسی نئی صورتحال کے پیش نظر ۱۹۸۱ء میں ماہر انجینئروں پر مشتمل میونسپل انجینئرنگ کی نظامت قائم کی گئی۔ شہری مقامی باڈیز کو تکنیکی معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ نظامت اب شہری مقامی باڈیز کے لئے مختلف ترقیاتی اسکیموں کی تیاری اور تکمیل کے کام میں مشغول ہو گئی ہے۔ اس نظامت کے ورکس سرکل کے تحت اضلاع میں سات ڈویژن کھولے گئے ہیں۔

بنگال میونسپل ایکٹ میں ۱۹۸۰ء میں ترمیم لائی گئی۔ اس ترمیم کے تحت میونسپلٹیوں کو اور بھی زیادہ اختیارات دئے گئے۔ شہروں کی شہری منصوبہ بندی اور ترقیاتی کام کاج کے معاملہ میں میونسپلٹیوں کو خود اختیاری دی جا رہی ہے۔ ترقیاتی پروگرام — III میں آئی ڈی اے

اے نے ۱۰۰ کروڑ روپئے کے مختلف پروجیکٹوں پر عمل درآمد کرنے کے لئے کلکتہ شہری میونسپل باڈیز کی مدد کی ہے۔ ان تمام فرائض کی انجام دہی کے لئے شہری مقامی باڈیز کی انتظامی صلاحیت پر زبردست دباؤ پڑا ہے۔ اسی لئے اس شعبہ کا ایک انسٹی ٹیوٹ بنام "مقامی حکومت اور شہری مطالعہ کا ادارہ" قائم کیا۔ یہ خاص طور پر شہری مقامی باڈیز اور دیگر شہری اداروں کے لئے ایک تربیتی اور تحقیقی ادارہ ہے۔ یہ ادارہ میونسپل باڈیز کے حکام اور منتخب نمائندوں کو تربیت کی سہولتیں فراہم کررہا ہے۔

اس حکومت کی قائم کردہ تنخواہ جائزہ کمیٹی اور کمیشن کی سفارشات کے مطابق یکم اپریل سنہ ۱۹۸۱ء سے کلکتہ کارپوریشن اور دیگر شہری مقامی باڈیز کے ملازمین کی تنخواہوں کی شرحوں میں نظرثانی کی گئی۔ کلکتہ کارپوریشن اور دیگر شہری مقامی باڈیز کے ملازمین کے لئے پنشن اسکیمیں مرتب کی گئیں۔ ریاستی حکومت کے ملازمین کی تنخواہوں کی شرحوں پر اور پنشن اسکیم پر جس طرح نظرثانی کی گئی، اسی طرح کلکتہ کارپوریشن اور دیگر شہری مقامی باڈیز کے ملازمین کے سلسلہ میں بھی کی گئی۔

ملازمین کی تنخواہوں کی شرحوں پر نظرثانی سے رونما ہونے والے اگر کہیں بے ضابطگی ہوئی تو اسے دور کرنے کے لئے دو خصوصی کمیٹیاں قائم کی گئی تھیں، جنہوں نے اپنی اپنی رپورٹ داخل کردی۔ ان رپورٹ پر غور کیا جارہا ہے۔

حکومت نے شہری مقامی باڈیز کے ملازمین کو ریاستی حکومت کے ملازمین کو دئے جانے والے مہنگائی بھتہ کے برابر مہنگائی بھتہ دینے کی سہولتیں فراہم کی ہیں۔ اس مد پر جو اخراجات ہوں گے ان کا ۸ فیصد ریاستی حکومت برداشت کرے گی۔

شہری مقامی باڈیز معہ کلکتہ کے میونسپل کارپوریشن کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ اس بات سے سبھی واقف ہیں۔ ریاستی حکومت اس بات کی ہر ممکن کوشش کررہی ہے کہ مالی مشکلات کو دور کرنے کے لئے شہری مقامی باڈیز کی مدد کی جائے اور اس سلسلہ میں ریاستی حکومت نے ان باڈیز کو گزشتہ چھ برسوں میں تقریباً ۲۲۱ کروڑ روپئے فراہم کئے۔ اس کے چند میونسپلٹیوں کو اپنی شدید مالی دشواریوں کو دور کرنے کے لئے اس عرصہ میں مزید سات کروڑ روپئے دور کئے گئے۔

شہروں کی توسیع اور ترقی، یہ دونوں کام ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ زیر غور مدت میں شہروں میں تمام میونسپل علاقوں کی بہتری کے لئے فنڈ فراہم کئے گئے۔ شہری مقامی باڈیز کی بنیادی ضرورتوں کا تکنیکی طور پر جائزہ لیا گیا اور انہیں کاروباری اسٹیٹ، اجتماعی ہال، پارک، اور دیگر تعمیراتی کام کے لئے فنڈ فراہم کئے گئے۔ دستیاب وسائل کے پیش نظر کچے کی جگہ پختہ پائخانے بنائے گئے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں شہری حکمت عمل کمیٹی قائم کی گئی اور اس کمیٹی کی سفارشات پر حکومت نے سنہ ۸۱-۸۲ء سے ترقیاتی پروگراموں کے سلسلے میں اپنے نظریہ پر نظرثانی کی۔ اپنی ترجیحی بنیاد پر اپنی اسکیمیں مرتب کرنے کے لئے میونسپلٹیوں کو مواقع فراہم کئے۔ اور اب انہیں اس سلسلہ میں ان کے کوٹہ کے مطابق عطیات دئے جاتے ہیں۔ سالانہ منصوبوں کے تحت عام پروگراموں میں مدد دینے کے لئے ریاستی حکومت نے سنہ ۱۹۸۱ء میں جامع شہری ترقیاتی پروجیکٹ کے تحت چھوٹے اور درمیانی درجہ کے شہروں کی جامع ترقی کے لئے مرکز کے زیر اہتمام اسکیم کو منظور کرلیا۔

اس اسکیم کی تکمیل کے لئے پہلے دور میں سی ایم ڈی اے کے حلقۂ عمل کے باہر مغربی بنگال کے ۲۰ میونسپل شہروں کو منتخب کیا گیا۔ مرکزی حکومت نے بھی پرولیا کے لئے ایک بنیادی خدمت اسکیم کو تسلیم کرلیا ہے۔ اس اسکیم کی تکمیل پر تخمیناً ۵ر۵۰ لاکھ روپئے صرف ہوں گے۔ اس اسکیم کے لئے یونیسیف بھی امداد فراہم کرتی ہے۔ جانے پہچانے ۱۲ شہروں میں فلش والے پائخانہ کی تعمیر کا ایک پروجیکٹ حکومت کے زیر غور ہے۔ اس سلسلے میں جائزہ کا کام مکمل ہوچکا ہے۔ خصوصی مشتمل منصوبہ کے تحت مرکزی حکومت نے عام بیت الخلا کو ہٹا دینے کے لئے ایک اسکیم کو تسلیم کرلیا ہے، اور اس اسکیم کے تحت دو شہروں یعنی سونا مکھی اور مرشد آباد میں عام بیت الخلا کی جگہ پختہ پائخانے تعمیر کئے گئے۔ اس کام پر ۲۶ر۲ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے۔ میکھلی گنج، گھاٹال، بولپور، شانتی پور اور علی پور دوار شہروں کے لئے بھی ایسے پروجیکٹ تیار کئے گئے اور انہیں

منظوری کے لئے حکومتِ ہند کے پاس داخل کر دیا گیا۔ اس کام کے لئے ریاستی حکومت کو نصف خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس بات کے پیش نظر ریاستی حکومت اس مقصد کے لئے اس سال اپنے بجٹ میں ۴۰ لاکھ روپئے کی گنجائش رکھی۔ اس کے علاوہ رگھوناتھ پور، آرام باغ، جنگی پور، طوفان گنج رام جیون پور اور کرسیونگ میونسپلٹیوں کے علاقوں میں تمام سروس پاخانوں کی جگہ پختہ پاخانے تعمیر کرنے کے لئے ۴۸۴ر۲۹ لاکھ روپئے دینے کی ریاستی حکومت نے منظوری دی۔

کلکتہ کارپوریشن نے پانی کی سپلائی اور شہر کی سڑکوں کی بہتری، کوڑا کرکٹ کی صفائی، صحت عامہ خدمات وغیرہ میں بہتری لانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔ پینے کے پانی کی سپلائی میں اضافہ کے لئے ٹالا پمپنگ اسٹیشن میں دو نئے پمپ سٹ بٹھائے گئے۔ شہر کے جنوبی علاقوں میں پانی کی سپلائی میں اضافہ کے لئے آکلینڈ اسکوئیر پمپنگ اسٹیشن کی صلاحیت میں اضافہ کیا گیا۔ کلکتہ کے ان علاقوں میں جہاں پانی کی شدید کمی ہے بڑے قطر کے ۲۷ اور چھوٹے قطر کے ۲۰۵ ٹیوب ویل بٹھائے گئے۔ ایمرسٹ اسٹریٹ میں پانی کا بڑا پائپ نصب کیا گیا اور ٹالا پمپنگ اسٹیشن سے سووا بازار تک پانی کی سپلائی کے لئے بڑا پائپ بٹھایا گیا ہے اور اسے چالو کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں کلکتہ کارپوریشن نے تقریباً ۲۸ ٹینکر گاڑیوں کا انتظام کیا ہے۔ یہ گاڑیاں ان علاقوں میں روزانہ پانی پہونچاتی ہیں جہاں پانی کی کمی ہے۔ اس کارپوریشن کا اپنے وسائل سے بڑے قطر کے دس اور چھوٹے قطر کے ۵۰۰ ٹیوب ویل اور سی ایم ڈی اے کے دئے گئے فنڈ سے چھوٹے قطر کے ۷۶ ٹیوب ویل بٹھانے کا ایک پروگرام ہے۔ کلکتہ کارپوریشن نے شہر کی بہت ساری سڑکوں کی مرمت کا کام شروع کر دیا ہے۔ کوڑا کرکٹ صاف کرنے کے لئے اور بھی کئی نئی گاڑیوں کا اضافہ کیا گیا ہے اور ایسی صفائی کے لئے بڑی بڑی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

بائیں محاذ حکومت شروع ہی سے فائر بریگیڈ کو جدید طرز پر ڈھالنے اور اسکی بہتری کیلئے ایک پالیسی کو روبہ عمل لارہی ہے۔ کاروباری اعتبار سے اہمیت کے حامل علاقوں میں نئے دمکل گھر قائم کرنے کیلئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ اس مقصد کے لئے مختلف علاقوں میں قطعات آراضی حاصل کرلئے گئے ہیں۔ سیکھلی گنج میں ایک دمکل گھر کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ ہلدیہ میں ایک دمکل گھر کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ ضلع جلپائی گوڑی کے مال بازار میں اور کلکتہ کے مانک تلہ میں نئے دمکل گھر کھولے گئے۔ اسٹیشن ماسٹر کے عہدے پر مغربی بنگال فائر سروس کے کام کرنے والے اسٹاف کے لئے تین شفٹ کا انتظام کیا گیا ہے۔ پرانی گاڑیوں اور گاڑیوں کے پرانے کل پرزوں کی جگہ نئی گاڑیاں، پائپ اور دیگر ضروری سامان خریدنے کے لئے کافی رقوم دینے کی منظوری دی گئی۔ آگ بجھانے کی جدید مشینوں جیسے ہائیڈرولک پلیٹ فارم، ٹرن ٹیبل لاڈر (سیڑھی) وغیرہ خریدنے کے لئے جنرل انشورنس کارپوریشن آف انڈیا سے ریاستی حکومت نے ۴۴ر۲ کروڑ روپئے قرض لئے۔ ہنگامی حالات میں ترسیل پیغامات کے لئے ایک وائرلیس نظام جاری کرنے کا بھی انتظام کیا گیا۔ پہلے دور میں کلکتہ اور آس پاس کے ۲۴ پرگنہ کے علاقوں، ہوڑہ اور ہگلی میں وائرلیس کا نظام رائج کیا گیا۔ دیگر علاقوں میں واقع دمکل گھروں میں بھی وائرلیس نظام رائج کرنے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔



سالٹ لیک ٹورسٹ لوج

مغربی بنگال میں بجلی کی صورتحال

پروبیر سین گپتا' وزیر ریاست شعبۂ توانائی

آج انسانی زندگی میں بجلی کی اہمیت کو عیاں کرنے کی ضرورت نہیں۔ توانائی، کارخانوں، پینے کے پانی کے وسائل اور آبپاشی کے لئے انتہائی اہم ہے۔ لہذا یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کے لئے بجلی کی ضرورت کو پورا کرے۔ کسی بھی ریاست کے ترقیاتی منصوبے کے لئے بجلی کی ضرورت کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے لیکن ہندستانی وفاق کے دائرے میں ایک ریاست اپنی ذاتی پاور پلانٹ قائم کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ مرکز کی پاور اتھورٹی ہی ریاستوں میں پاور پلانٹ قائم کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں رقم منصوبہ بندی

کمیشن کے تحت خرچ کی جاتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے انتظامات سے مانگ اور سپلائی کے درمیان پیدا ہونے والے خلا کو پس پشت رکھ دیا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۵۶ء تک مغربی بنگال میں توانائی پیدا کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ تھی۔ مندرجہ ذیل خاکہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس ریاست میں توانائی پیداوار کس طرح درجہ بدرجہ گھٹتی گئی ہے:

تمام ریاستوں میں بجلی کی پیداوار کے لئے گنجائش (میگاواٹ میں)

ریاست	سنہ ۱۹۵۱ء	سنہ ۱۹۵۶ء	سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء	سنہ ۱۹۶۵-۶۶ء	سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء	سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء	اکتوبر سنہ ۸۳ء
گجرات	۱۴۱	۲۲۴	۳۳۳	۶۵۰	۱۱۶۴	۲۴۴۰	۲۵۸۶
مہاراشٹر	۲۳۹	۵۳۲	۷۵۹	۱۳۰۴	۲۱۲۸	۳۹۶۶	۵۵۷۴٫۵
تامل ناڈو	۱۵۴	۲۴۹	۵۱۷	۱۳۱۴	۲۲۵۴	۲۹۱۰	۳۳۷۴
کرناٹک	۱۱۴	۱۹۰	۱۹۱	۷۵۵	۹۶۶	۱۵۹۰	۱۸۶۰٫۴
اڑیسہ	۴	۳۳	۱۳۶	۳۱۴	۶۸۴	۸۸۰	۱۱۰۰
اترپردیش	۲۲۰	۳۰۸	۳۹۷	۹۳۰	۱۷۱۶	۳۸۸۶	۴۸۷۸
دہلی	۴۱	۵۵	۷۶	۱۱۲	۳۳۰	۱۰۶۳	۱۰۶۳٫۷
مدھیہ پردیش	۳۹	۸۲	۲۶۷	۳۱۰	۷۷۴	۱۴۷۵	۲۵۱۷٫۵
کیرالا	۳۲	۸۹	۱۳۷	۱۹۷	۶۲۵	۱۰۱۱	۱۰۱۱٫۵

آندھرا پردیش	۵۹	۱۳۱	۲۶۹	۲۶۶	۶۷۰	۲۰۶۳	۲۹۸۱٫۶۷
بہار	۴۶	۲۰۴	۳۵۰	۶۷۲	۶۰۴	۹۱۵	۱۰۲۵
مغربی بنگال	۵۴۶	۵۲۸	۷۵۳	۱۲۹۲	۱۳۳۳	۱۷۹۵	۱۹۱۳٫۵

[یہ تفصیلات پبلک الکٹریسیٹی — آل انڈیا اسٹاٹسٹکس (۱۹۷۰-۷۱) اور ملک میں پاور سپلائی پوزیشن بلیٹن، جلد دوم سے ماخوذ ہیں]

مندرجہ بالا خاکہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مغربی بنگال کو جو بجلی کی پیداوار میں سرِفہرست تھا قصداً ساتویں مقام پر لا کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود مغربی بنگال میں کوئلہ اور پانی کی فراوانی کی وجہ سے بجلی کی بنیادی طور پر پیداوار ہو جاتی ہے۔ ریاست میں بجلی کی کل پیداوار کو کم کر دیا گیا ہے جس سے صنعتوں کی ترقی بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ یہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مرکزی حکومت اس ریاست کے ساتھ امتیازی سلوک کر رہی ہے۔

بائیں محاذ حکومت کے برسرِاقتدار آنے سے پہلے ریاست میں بجلی کی مانگ بڑھی لیکن حسبِ ضرورت بجلی کی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اسی طرح کچھ نئے پاور پروجیکٹ قائم کرنے کے فیصلے پر سنجیدگی سے کوئی عمل نہیں کیا گیا۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ کولاگھاٹ پاور اسٹیشن کے لئے زمین کی حصولیابی سے پہلے ساز و سامان خرید لئے گئے اور انہیں کھلے میدان میں بے احتیاطی سے رکھ دیا گیا۔ بہت سارے سامان دھوپ، بارش اور طوفان کی وجہ سے خراب ہو گئے۔ بائیں محاذ حکومت کے قیام کے بعد ان زمینوں کو چھوڑ دینے کے اقدامات کئے گئے جنہیں سابق حکومت نے اپنے اختیار میں لے لیا تھا۔ ان زمینوں کو مخصوص پروگرام کے تحت کام میں لگا دیا گیا۔

کلکتہ میں بجلی کی سپلائی صرف سی ای ایس سی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ مدتِ دراز سے مرکز کی طرف سے اس ادارے کو پیداواری صلاحیت بڑھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی کلکتہ میں بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے کوئی بھی موثر قدم اٹھایا نہیں گیا۔ بائیں محاذ حکومت کے برسرِاقتدار آنے کے بعد ۴۶۰ میگاواٹ کی نئی یونٹیں قائم کرنے کے لئے سی ای ایس سی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا گیا۔ ان یونٹوں میں سے دو یونٹیں حسبِ ضرورت بجلی کی پیداوار کا کام انجام دے رہی ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ یونٹ ۳ اور ۴ اسی سال کے اندر اپنا کام شروع کر دے گی۔ منافع بخش مقصد کے تحت کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن نے خصوصاً صنعتی علاقوں میں فاضل بجلی کی پیداوار کی سپلائی کی لیکن جنوبی کلکتہ میں گھریلو خرچ کے لئے بجلی کے دیرینہ مسئلہ کو حل کرنے میں یہ ناکام رہا۔ گزشتہ چار برسوں سے سی ای ایس سی جنوبی کلکتہ میں اپنی فاضل پیداوار کو سپلائی کرنے میں ناکام رہا۔ علاوہ ازیں مرکز کی التوائی پالیسی جنوبی کلکتہ میں ۶۰ میگاواٹ کی یونٹیں قائم کرنے کے فیصلے کو پس پشت ڈال رہی ہے۔ ہم مرکز کی اس امتیازی پالیسی کے خلاف سوائے احتجاج کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔

بائیں محاذ حکومت نے برسرِاقتدار آنے کے بعد ریاست میں بجلی کی امکانی مانگ اور اس کی حقیقی دستیابی کے درمیان پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں پرانے پروجیکٹوں کی مرمت کی گئی اور کچھ نئے پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا گیا۔

ذیل میں مکمل اور جاری پروجیکٹوں کی ایک فہرست پیش کی جا رہی ہے:

نمبر	پروجیکٹ	مکمل ہونے کی تاریخ
۱۔	سنتالڈیہ تھرمل پروجیکٹ یونٹ نمبر ۳ ــ ۱۲۰ میگاواٹ	دسمبر ۱۹۷۸ء
۲۔	سنتالڈیہ تھرمل پروجیکٹ یونٹ نمبر ۴ ــ ۱۲۰ میگاواٹ	مارچ ۱۹۸۱ء
۳۔	بنڈیل تھرمل پروجیکٹ یونٹ نمبر ۵ ــ ۲۱۰ میگاواٹ	مارچ ۱۹۸۱ء
۴۔	سی ای ایس سی، ٹیٹا گڑھ، یونٹ نمبر ۱، ۲ ــ ۱۲۰ میگاواٹ فی یونٹ	۱۹۸۳ء
۵۔	کسبا گیس ٹربائین، ۲×۲۰ میگاواٹ	اگست ۱۹۷۹ء
۶۔	سیلی گوڑی گیس ٹربائین ۲×۲۰ میگاواٹ	ستمبر ۱۹۷۹ء
۷۔	ہلدیا گیس ٹربائین ۲×۲۰ میگاواٹ	فروری ۱۹۸۰ء
۸۔	سیلی گوڑی ــ ڈیزل ۲×۳٫۵ میگاواٹ	۱۹۷۷ء
۹۔	ہائیڈل پروجیکٹ رنگ۔چینگ۔ٹن، ۲×۱ میگاواٹ	۱۹۷۹ء
۱۰۔	جل ڈھاکہ اسٹیج ــ II ۲×۴ میگاواٹ	اکتوبر ۱۹۸۳ء
۱۱۔	کولاگھاٹ، یونٹ نمبر ۳ ۔ ۲۱۰ میگاواٹ	جون/جولائی، ۱۹۸۴ء (زیر تکمیل)
۱۲۔	کولاگھاٹ، یونٹ نمبر ۲ ۲۱۰ میگاواٹ	مارچ ۱۹۸۴ء (زیر تکمیل)
۱۳۔	کولاگھاٹ، یونٹ نمبر ۱ ۲۱۰ میگاواٹ	مارچ ۱۹۸۴ء (زیر تکمیل)
۱۴۔	کولاگھاٹ اسٹیج II، یونٹ نمبر ۴ ۲۱۰ میگاواٹ	جون ۱۹۸۷ء (زیر تکمیل)
۱۵۔	کولاگھاٹ، یونٹ نمبر ۵ ۲۱۰ میگاواٹ	مارچ ۱۹۸۶ء (زیر تکمیل)
۱۶۔	کولاگھاٹ، یونٹ نمبر ۶ ۲۱۰ میگاواٹ	دسمبر ۱۹۸۴ء (زیر تکمیل)
۱۷۔	سی ای ایس سی، ٹیٹا گڑھ یونٹ نمبر ۳، ۶۰ میگاواٹ	جون ۱۹۸۴ء (زیر تکمیل)
۱۸۔	سی ای ایس سی، ٹیٹا گڑھ یونٹ نمبر ۴، ۶۰ میگاواٹ	ستمبر ۱۹۸۴ء (زیر تکمیل)
۱۹۔	درگاپور پروجیکٹ لمیٹڈ، یونٹ نمبر ۶ ۱۱۰ میگاواٹ	جنوری ۱۹۸۵ء (زیر تکمیل)
۲۰۔	رم م ہائیڈل پروجیکٹس اسٹیج۔II، ۴ × ۱۲٫۵ میگاواٹ	۱۹۸۸/۱۹۸۷ء (زیر تکمیل)
۲۱۔	رنگا۔چینگ۔ٹن ہائیڈل پروجیکٹ کی توسیع ۱×۱ میگاواٹ	۱۹۸۵ء (زیر تکمیل)

یہ امید کی جاتی ہے کہ ریاستی حکومت کو بھوٹان کی چوکھا ہائیڈل پروجیکٹ اور این ٹی پی سی کی فرانکا تھرمل پروجیکٹ سے درج ذیل مقدار میں بجلی دستیاب ہوگی:

۱۔	چوکھا ہائیڈل پروجیکٹ ۶۰ میگاواٹ	جون ۱۹۸۵ء
۲۔	فرکا تھرمل پروجیکٹ ۲۰۰ میگاواٹ (تقریباً)	مئی/جون ۱۹۸۵ء

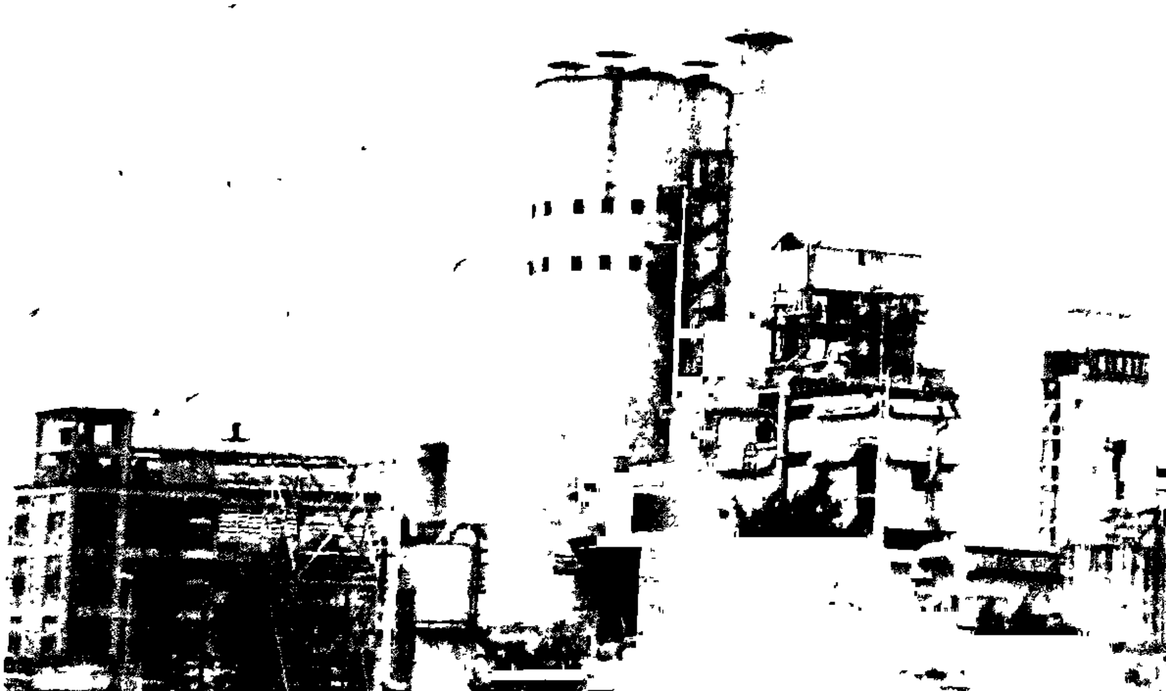
ریاست میں بجلی کی مانگ اور سپلائی کے درمیان پیدا ہونے والے مزید خلا کو پُر کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے آٹھ نئے پروجیکٹ قائم کرنے کو ضروری سمجھا ہے۔ ان پروجیکٹوں کے سلسلے میں تجویز باضابطہ طور پر مرکز کو پیش کردی گئی ہے جسے ابتک منظور نہیں کیا گیا ہے۔

ریاستی حکومت نے دور افتادہ موضع میں اور چھوٹے شہروں میں برق رسانی کے لئے مشینیں بٹھائی ہیں۔ نتیجۃً سال ۱۹۸۳-۸۴ میں آر ای سی کے لئے مرکزی فنڈ کے استعمال کے سلسلے میں کوٹا بڑھانا ممکن ہو سکا۔ اسی طرح آر ای سی کو اصل منظور شدہ ۱۸ر۰۹ کروڑ رقم کے بجائے ۲۱ر۰۰ کروڑ روپئے ملے۔ سال ۱۹۸۳-۸۴ء کے دوران ۱۱۰۰ موضع میں برق رسانی کا انتظام کیا گیا۔

۵۰۱۲ کم گہرے ٹیوب ویل پمپ چالو کر دئے گئے ہیں اور مزید ۳۸۴۸ کم گہرے ٹیوب ویل تیزی سے اپنے کام انجام دے رہے ہیں۔ اس طرح بجلی سے مستفید ہونے والے موضعات کی کل تعداد ۱۸۶۹۴ یعنی مغربی بنگال میں کل دیہاتوں کے ۴۹ر۱۰ فیصد ہو گئی۔ کل چالو پمپ سیٹوں کی تعداد ۳۲۵۰۲ ہو گئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ سال ۱۹۸۴-۸۵ء کے دوران ۲۷۰۰ نئے موضعات میں اور ۳۰۰۰ کم گہرے ٹیوب ویلوں کے لئے بجلی فراہم کی جائے گی ÷ ÷ ÷

بچوں کی تکمیلی ترقی سے متعلق خدمات کے ۱۶۰ مزید پروجیکٹ

رائٹرس بلڈنگ کے ایک پریس کانفرنس میں شری دیبابرتا بندوپادھیائے، ریاستی وزیر رفاہ، نے اخباری نامہ نگاروں کو بتایا کہ مغربی بنگال میں ساتویں منصوبہ کے خاتمہ تک بچوں کی تکمیلی ترقی سے متعلق خدمات کے ۱۶۰ مزید پروجیکٹ روبہ عمل لائے جائیں گے۔ فی الحال ۴۰ پروجیکٹ کام کر رہے ہیں اور ۳۹ جلد ہی کام کرنا شروع کر دیں گے۔ وزیر موصوف نے مزید کہا کہ اس اسکیم کے سلسلے میں ۱۶ لاکھ روپئے فی پروجیکٹ اب تک خرچ کیا جا چکا ہے۔ شری بندوپادھیائے نے مزید فرمایا کہ ان بچوں کی تکمیلی ترقی سے متعلق خدمات کے کارکنان ان ریاستی بچوں سے متعلق تغذیہ اسکیم میں جو حالیہ بجٹ کے حملے کے شکار ہوئے تھے شامل ہوں گے۔



ہلدیہ میں کھاد تیار کرنے کا کارخانہ

بائیں محاذ حکومت کے سات سال

عوام کی فلاح و بہبود کیلئے رفاہی اسکیمیں

دیبو بروتو بندوپادھیہ : وزیر شعبہ سماجی رفاہ اور جیل

بائیں محاذ کی مقبول حکومت نے گزشتہ سات برسوں کے دوران شعبۂ سماجی رفاہ کے ذریعہ سماجی رفاہ کے کاموں کو روبہ عمل لانے کے لئے مسلسل کوششیں کی ہیں۔ اس حکومت نے عوام کے سماجی اور مالی طور پر معذور طبقہ کی رفاہ کے کام پر خصوصی زور دیا ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے اس شعبہ کی سرگرمیوں کو وسعت دینے، متنوع حیثیت بخشنے اور عوام کے حق میں لانے کے لئے کوششیں کی ہیں۔ ایسی مبارک کوششوں کے سبب کثیر التعداد غریب و بے توجہی سے شکار عوام کو کافی فائدہ پہونچا ہے۔ انہیں وسیع پیمانے پر سماجی تحفظ اور رفاہ کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ آبادی کے کمزور طبقوں جیسے بچوں، عورتوں، جسمانی اور دماغی طور پر معذور لوگوں کی سماجی رفاہ اور ترقی کی چند اسکیموں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

خاندانی اور بچوں کی رفاہ :

گزشتہ سات برسوں کے دوران ریاست میں متعدد خاندانی اور بچوں کی رفاہی اسکیموں کو روبہ عمل لایا گیا ہے ان میں بچوں کی ترقیاتی خدمات کی جامع اسکیم، خصوصی تغذیہ پروگرام اور ماں اور بچے کی رفاہی پروگرام خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ مندرجہ بالا اسکیموں کے تحت بچوں، زچوں اور حاملہ عورتوں کے لئے طاقت بخش غذا سپلائی کیا جاتی ہے اور چھ سال تک کی عمر کے بچوں کو مکتبی (اسکول سے پہلے) کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آئی۔ سی۔ ڈی۔ ایس اسکیم کا مقصد ایک مخلوط خدمات انجام دینا ہے جن میں شامل ہیں (۱) معاون تغذیہ، (۲) متعدی بیماریوں سے محفوظ کردینا (۳) صحت کی جانچ (۴) طبی حوالگی کے خدمات کی ترقی (۵) صحت اور تعلیم (۶) غیر رسمی تعلیم۔ ۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران ایسے دو پروجیکٹوں کے تحت محدود پیمانے پر رفاہی کاموں کو روبہ عمل لایا گیا۔ بہت ساری مشکلات کے باوجود سات سال کے دوران بائیں محاذ حکومت کی مسلسل کوششوں کی وجہ سے ایسے پروجیکٹوں کی تعداد ۷۹ ہوگئی جن میں سے چھ پروجیکٹ ریاستی حکومت کے اپنے پروجیکٹوں میں شامل ہیں۔

ان پروجیکٹوں کے ذریعہ دس لاکھ سے زائد بچے مستفید ہورہے ہیں اور دو لاکھ سے زیادہ مفلس عورتوں کو تعلیم اور جزوی معاشی بحالی کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

ماں اور بچوں کا رفاہی پروجیکٹ :

۱۹۷۸ء کے طوفانی سیلاب نے اس ریاست کے ۱۰ اضلاع کے ۳۰ بلاکوں کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ مذکورہ بالا جگہوں میں سماجی تحفظ و فلاح کی توسیع کو مدنظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے ماں اور بچوں کی دیکھ بھال کے ۳۰ پروجیکٹ "یو این آئی سی ایف" کی مالی مدد سے قائم کئے گئے ہیں۔ مفلوک الحال خاندانوں کے بچوں کو طاقت ور غذا اور طبی دیکھ بھال کا بندوبست اس پروجیکٹ کے تحت ہورہا ہے تاکہ ان کی صحت اور جسمانی بالیدگی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوسکے۔ فی الحال ان پروجیکٹوں کے لئے غذا کی سپلائی سی اے آر ای (CARE) کے ذریعہ ہوتی ہے اور باقی اخراجات ریاستی حکومت برداشت کرتی ہے۔ تین

لاکھ ماں اور بچے اس اسکیم سے مستفید ہو رہے ہیں۔ مزید برآں ۳۰۰۰ عورتوں کو جن میں ۱۵۰۰ بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی عورتیں اور ۱۵۰۰ طباخ۔ سع۔ خدمت گزار شامل ہیں، جزوی روزگار فراہم کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ مزید ۹۰ افراد ہیں جن میں تیس پروجیکٹ افسران بھی شامل ہیں۔ رضاکار اداروں کو جو بچوں کی رفاہ کے لئے بالواڑی سرگرمیوں میں لگے ہوتے ہیں، ریاستی حکومت مالی امداد کی منظوری یا تو خود دیتی ہے یا ڈبلیو۔ بی۔ ایس۔ ڈبلیو۔ اے بی کے ذریعہ دلواتی ہے۔ فی الحال ۳۷۰۰ بچے بالواڑی مراکز کے تحت مستفید ہو رہے ہیں۔ ۴۵۰۰ بچوں کو رہائش، تعلیم اور ان کی دیکھ بھال کی سہولتیں حکومت کے زیر نگرانی اور مالی امداد میں چلنے والے رضاکار اداروں کے ذریعہ فراہم کی جارہی ہیں۔ مغربی بنگال کی ریاستی حکومت کی مالی امداد سے مفلس بچوں کیلئے ایک "تعطیل گھر" جسے "چھٹی گھر" کہتے ہیں ڈیگھا میں ڈبلیو۔ بی۔ ایس ڈبلیو۔ اے بورڈ کی نگرانی میں کھولا گیا ہے۔

کپڑے کی کانٹ چھانٹ اور اسکی سلائی کے تربیتی مراکز

بائیں محاذ حکومت نے محتاج عورتوں کے روزگار کو بڑھانے کے مقصد پر کافی زور دیا ہے۔ اس مقصد کے تحت ہر سال ۷۶ مراکز میں ۳۸۰۰ عورتوں کو کپڑے کی کاٹ چھانٹ اور اسکی سلائی کی تربیت دی جاتی ہے۔ حکومت اس اسکیم کے لئے ۵۰۰۰ روپئے کی سالانہ خرچ برداشت کرتی ہے۔ اب تک ایسے مراکز سے تربیت پانے والی ۴۳۰ عورتوں کو روزگار فراہم کئے گئے ہیں علاوہ ازیں یہ حکومت تربیت کے ایسے مرکزی سیکٹر پروجیکٹ اور محتاج عورت کی بحالی کے لئے کل اخراجات کے ۴۵ فیصد روپئے ریاستی حکومت برداشت کرتی ہے۔ موجودہ حکومت بچوں اور عورتوں کی رفاہ کے لئے چلنے والے "۱۲ سرحدی علاقے کے پروجیکٹوں" کے کل اخراجات کا ½ حصہ برداشت کرتا ہے۔ یہ حکومت ڈبلیو۔ بی۔ ایس۔ ڈبلیو۔ اے کے زیر اہتمام چلنے والے ۴۳ خاندانی اور بچوں کے رفاہی پروجیکٹوں کے کل اخراجات برداشت کرتی ہے۔ ایسے پروجیکٹوں کو چلانے کے لئے یہ حکومت سالانہ اخراجات کے ۶۰۰۰ لاکھ روپئے کی ذمہ داری نبھا رہی ہے۔ ۲۰۰۰ مفلس اور محتاج بیوہ عورتوں کو فی ماہ ۳۰ روپئے فی کس کے حساب سے بیوہ پنشن دیا جاتا ہے۔ ڈبلیو۔ بی۔ ایس۔ ڈبلیو۔ اے بورڈ کے زیر اہتمام ۴۰۰ محتاج بچوں کی دیکھ بھال اور انکی تربیت کے لئے اس حکومت نے منظور شدہ عملیات سے کرشنگر میں ایک 'ہوم' کھولا ہے۔ اس حکومت نے دیہی علاقوں میں کام کرنے والی عورتوں کے رہائشی مسئلہ کو دور کرنے کے لئے ۴ موجودہ ہاسٹلوں کی اضافت میں ۳ "برسر روزگار عورتوں کے ہاسٹل" کھولنے کی منظوری دے دی ہے۔

معذور لوگوں کی تعلیم اور رفاہ:

۱۹۸۱ء میں معذوروں کیلئے

بین الاقوامی سال کے موقع پر کئے گئے فیصلے کے بموجب بائیں محاذ حکومت معذور لوگوں کی ہر طرح کی رفاہ کے لئے مصروف عمل ہے۔ معذوروں کی قابل روزگار تربیت کے لئے چار تربیتی مراکز کھولے گئے ہیں۔ موجودہ حکومت نے ۳۴۰۰ معذوروں کو معذوری پنشن دے رہی ہے۔ علاوہ ازیں یہ حکومت معذوروں کی رفاہ کے لئے بہت ساری اسکیموں جیسے (۱) معذوروں کو ضروری سامان کی فراہمی (۲) معذور ملازمین کو انعام دینا (۳) درجہ ہشتم سے نیچے کے معذور طلبار کو وظیفہ کی منظوری (۴) معذوروں کی امتیازی بحالی (۵) معذوروں کی رفاہ کی دیکھ بھال کرنے والے رضاکار اداروں کو مالی امداد کی منظوری وغیرہ کو روبہ عمل لا رہی ہے۔

غریب اور محتاج لوگوں کی رفاہ

بائیں محاذ حکومت نے بے گھر لوگوں کی رفاہ کے لئے بھی مصروف عمل رہی ہے۔ شعبۂ سماجی رفاہ کے تحت "بے گھروں کے لئے مختلف گھروں" میں ۲۴۰۰ بے گھر لوگوں کی دیکھ بھال کی جارہی ہے اور انہیں تربیت دی جارہی ہے۔ اندول روڈ، ہوڑہ اور محالنڈی مرشدآباد میں واقع بے گھروں کے لئے دو گھروں کی توسیع ۴۰۰۰۰ روپئے کے خرچ پر کی گئی ہے تاکہ مزید ۴۰۰ بے گھروں کی دیکھ بھال اور تعلیم کا کام انجام دیا جا سکے۔ اس کے علاوہ اس شعبہ نے

(باقی صفحہ نمبر ۴۲ پر)

میر کی شاعری کا اسم اعظم

محمود ہاشمی

میر کے عہد سے ہمارے عہد تک تبدیلیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ اور بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں رہتے ہوئے، دو صدی پہلے کے ایک گراں پایہ فن کار کے بارے میں کچھ کہنا بہت آسان ہے اور بہت دشوار بھی۔ آسان اس لئے کہ میر کی شاعری پر ہر ایک مکتبۂ فکر کے ملاذ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان تحریروں سے استفادہ کے علاوہ، ہمارے عہد میں بہت سی ایسی تنقیدی اصطلاحات اور آلات وجود میں آچکے ہیں کہ کسی ایک اصطلاح یا آلے کو بنیاد بنا کر میر کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ مشکل اس لئے ہے کہ ادب عالیہ کے میر جیسے بے پناہ فنکار کا مطالعہ اگر تخلیقِ مکرر کا عمل ہے تو ہمیں اپنے زمانے اور اپنے عہد میں میر کی معنویت کو اس طرح تلاش کرنا ہوگا کہ میر ہمیں اپنے ہمعصر معلوم ہوں یا خود ہماری ذات کا تجربہ میر کے تجربے سے پوری طرح ہم آہنگ نظر آسکے۔

ہمارے عہد کے ناصر کاظمی نے میر کو اپنا ہم عصر اس لئے تصور کیا تھا کہ ناصر کاظمی کو میر کی شاعری کے محرکات اور اپنے عہد کے ذہنی اور اجتماعی محرکات میں کچھ باتیں مشترک نظر آئی تھیں۔ ناصر کاظمی نے لکھا تھا:

> "میر صاحب کا زمانہ ہمارے زمانے سے مل گیا ہے، وہی غریب الوطنی، وہی قافلوں کا سفر، وہی رہزنی، آئے دن حکومت کا بدلنا، خوراک کی قلت، سیلاب کی تباہی اور پرانی اقدار کا بکھر جانا اور رواجِ ہند اور وفا پیشگی کا اٹھ جانا۔"

ناصر کاظمی نے تخلیقی محرکات میں جن عوامل کی ہم آہنگی کا حوالہ دیا ہے، ظاہر ہے، وہ ہندوستانی ذہن کا تجربہ نہیں ہے۔ اس لئے میر کو اپنے عصر میں پڑھنے اور سمجھنے کے لئے کوئی دوسری بنیاد درکار ہوگی۔ اس راہ میں ناصر کاظمی کا مضمون ہماری راہ نمائی تو کرتا ہے، لیکن میر کے تمام دواوین اور میر کی شاعری کے اسم اعظم کی نشاندہی کے لئے مزید مطالعے کے لئے اکساتا بھی ہے۔

اب اگر میر کو اپنا ہم عصر تصور کرنا ہے تو میر پر لکھے ہوئے بہت سے مضامین سے ماورا جا کر، میر کی کلیات کو کھنگالنا ہوگا اور اس اسم اعظم کو تلاش کرنا ہوگا جو کلام میر اور ہمارے عہد کے تخلیقی مزاج، دونوں کے لئے کلید ثابت ہو۔

ہمارے عہد کا تخلیقی احساس، اور رویہ، کائنات کے مقابل ذات کی جستجو کا رویہ ہے۔ سائنس، منطق اور صدیوں سے جاری رہنے والی فلسفیانہ موشگافیوں نے انسان اور کائنات کے اقرار کی جو بنیادیں تلاش کی ہیں ان سے ماورا جانے یا ان بنیادوں کو باطنی تجربے کی کسوٹی پر پرکھنے کا عمل ہے۔ بیسویں صدی کا تخلیقی احساس اگر خلاء کو پُر کرنے کا عمل ہے، جو اشیاء اور الفاظ کے درمیان دوئی پیدا کرتا ہے — ہمارے عہد میں اس نقطۂ نظر کو تلاش کیا گیا ہے کہ مابعد الطبیعات نے روح کی جس افضلیت کو تسلیم کرایا تھا، وہ وجود کی افضلیت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اور وجود کا تعلق اس ذہن سے ہے، جو کائنات کو خود تخلیق کرتا ہے اور خود ہی اس کی تفسیر کرتا ہے۔ لمحۂ موجود جدید ذہن کی رزمگاہ ہے اور مستقبل سے اس کا تعلق برائے نام ہے۔

ہمارے عہد کے تخلیقی رویے میں وہ لسانی رویہ بھی شامل ہے، جو عام لسانی ضابطوں اور منطق سے ماوراء جا کر، نئی تخلیقی زبان یا اظہار کے نئے اسالیب کو تشکیل دیتا ہے۔ جدید ذہن کی ایسی ہی بہت سی خصوصیات ہیں جن کی تفسیر، نئی تخلیقات اور فن کی نئی تفسیرات میں تلاش کی جا سکتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ میر کے تخلیقی رویے اور ہمارے عہد کے تخلیقی رویے میں بنیادی کلید اور ہم آہنگی کی صورت کیا ہے؟ وہ اسم کون سا ہے، جو اس سوال کا جواب فراہم کرتا ہے، اور دو صدی پہلے کے میر کو ہمارا ہم عصر بناتا ہے؟ ظاہر ہے کہ میر کی کلیات ہی میں اس اسم کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔

میر کے چھ دیوان ہیں۔ سیکڑوں غزلیں ہیں — اشعار کی تعداد ہزاروں میں ہے — ان ہزاروں اشعار میں ایک لفظ ایسا ہے جسے میر نے بار بار استعمال کیا ہے — اور بیشتر غزلوں کے مطلع میں یہ لفظ اس طرح موجود ہے کہ غزل کے تخلیقی محرک کی بنیاد اسی لفظ کو تصور کیا جا سکتا ہے — ذرا سے شبہ کا اظہار مجھے اس لیے کرنا پڑ رہا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ میر نے غزل کا مطلع پہلے کہا ہوگا، یا کوئی دوسرا شعر — تاہم کثیر تعداد میں غزلیں ہیں، جن کے مطلع میں یہ شعر موجود ہے۔ بہت کم غزلیں ایسی ہیں جن میں اس لفظ کو استعمال نہیں کیا گیا — زیادہ تر غزلوں میں بار بار یہ لفظ سامنے آتا ہے۔ اس لفظ سے وابستہ مرکب الفاظ، تراکیب اور تلازمات کو تلاش کیا جائے تو میر کی شاعری کا بیشتر حصہ اس ایک بنیادی لفظ کی داستان معلوم ہوگا — اور یہی وہ لفظ ہے، جسے کلامِ میر کی کلید کہا جا سکتا ہے۔ اسمِ اعظم کی حیثیت رکھنے والا یہ لفظ ہے — "دل"۔

گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا
اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا

بغیر دل کے یہ قیمت ہے سارے عالم کی
کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم کی

دو حرف درد دل کو، میرا کوئی نشان ہے
میں ہوں چراغ کشتہ، بادِ سحر کہاں ہے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے، گر دلِ بے مدعا ہوتا

اک آن اس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا
کیا جانیے کہ میر زمانے کو کیا ہوا

دل کی آبادی کو پہونچا اپنے گویا چشمِ زخم
دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر سب ویران ہوا

دل میں کیا کیا تھا ہمارے جو، نہ ہو جاتی یاس
یہ نگر کاہے کو اس طرح سے ویران ہوتا

اندوہ و غم کے جوش سے دل رک کے خوں ہوا
اب کے بھی بہار سے آگے جنوں ہوا

ٹک دل کے نسخے ہی کو کیا کر مطالعہ
اس درس گہہ میں صرف ہمارا ہے اک کتاب

کیا جانوں چشم تر سے ادھر دل پہ کیا ہوا
کس کو خبر ہے میر سمندر کے پار کی

ثباتِ قصر و در و بام خشت و گل بنیاد
عمارتِ دلِ درویش کی رکھو بنیاد

سارے بازارِ جہاں کا ہے یہی مول اے میر
جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رہو

افسردگیٔ سوختہ جاناں ہے قہر میرؔ
دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

یہ تو صرف چند اشعار ہیں ۔ اگر لفظِ "دل" اس کے مناسبات اور تلازمات کی نشاندہی کرنی ہو تو سیکڑوں اشعار نقل کرنے پڑیں گے ـــ لیکن صرف ان اشعار کو ہی ذہن میں رکھا جائے، تو یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آخر "دل" سے میرؔ کی کیا مراد ہے؟ میرؔ دل کے بغیر، جنسِ آدم کو، بے تعلقی یا عہدِ نو کی اصطلاح میں Ailination کا حامل کیوں سمجھتے ہیں، دلِ بے مدعا کو خدا کے مترادف کیوں جانتے ہیں، دل کے نسخے کے مطالعے کو لازم کیوں قرار دیتے ہیں ـــ دل کو جان کے مول سے زیادہ قیمتی کیوں سمجھتے ہیں ـــ اور یہ کہ دلوں کی بجھی ہوئی آگ کو ہوا دینا کیوں چاہتے ہیں ـــ؟ کیا میرؔ کی شاعری میں دل کا مفہوم وہی ہے، جو جسم کے محض ایک عضو کا نام بتاتا ہے ـــ؟ اگر صرف یہی مفہوم ہو تو میرؔ یہ کیوں کہتے کہ:

ہمارا خاص مشربِ عشق، اس میں
پیمبر دل ہے، قبلہ دل، خدا دل

"دل" کے لفظ سے میرؔ یقیناً کوئی ایسا مفہوم اخذ کرتے ہیں جسے ہم ان کے شعوری اور لاشعوری محرکات کی بنیاد کہہ سکتے ہیں ـــ یا دوسرے لفظوں میں میرؔ کے نزدیک دل ایک وجدانی قوت ہے ـــ میرؔ کی جمالیات کا محور اور مرکز ہے، علاوہ ازیں میرؔ دل کو جوششِ حیات کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں،

حرم کو جایئے یا دیر میں بسر کریئے
تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کریئے

کیا ہے جو راہِ دل کی طے کرتے مر گئے ہم
چوں نقشِ پا ہمارا تا دیر اثر رہے گا

جوششِ حیات کو برگساں کے الفاظ میں Being کہا جا سکتا ہے ۔ چنانچہ میرؔ کے لاشعور میں موجود، دل کے مفہوم کو Being کہنا غلط نہ ہوگا ۔ اب اگر میرؔ کا دل Being ہے تو پھر ان کا اضطراب، ان کا غم، ان کا گریہ، Nothingness کے خلاف ایک تخلیقی احتجاج ہے ۔ یہی وہ منزل ہے جہاں میرؔ کا رشتہ ہمارے عصر سے استوار ہوتا ہے ۔

ہمارے عہد کا تخلیقی ذہن، بنیادی طور پر وجود اور لاوجود کے درمیان جاری رہنے والی کشمکش، اضطراب اور تشکیک کا اظہار کرتا ہے ۔ اور میرؔ کے دل جیسی کسی وجدانی قوت کے بغیر ہیں، ان علامتوں کی تخلیق میں مصروف ہے ۔ جو اپنا ایک اسم، ایک پیکر اور مجرد ہیئت رکھتی ہوں ـــ میرؔ کی شاعری میں "دل" کا لفظ ایک لاشعوری علامت کی حیثیت سے موجود ہے ـــ وہ اس علامت کو ہر طرح کی تباہی سے بچانا چاہتے ہیں، اس کی بربادی پر نوحہ کناں بھی ہوتے ہیں، اور احتجاج کی آواز بھی بلند کرتے ہیں ـــ جدید ذہن کی علامت سازی کے میلان کی طرح، میرؔ کو اپنے تخلیقی اظہار کی لاشعوری علامت کے تحفظ کا احساس اتنا شدید ہے کہ وہ بار بار اس "علامت" کے مجرد مفہوم اور اسکی تباہی، اضطراب اور ویرانی کا ذکر کرتے ہیں ۔ مثلاً

مطلق اثر نہ اس کے دلِ نرم میں کیا
ہر چند نالہ ہائے حزیں عرش تک گئے

صد حرف زیرِ خاک، تہِ دل چلے گئے
مہلت نہ دی اجل نے ایک بات کی

غالب کریہ دلِ خستہ شبِ ہجر میں مر جائے
یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گزر جائے

دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں
اس عمارت کو ٹک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

یا دل وہ دیدنی تھی جگہ، یا کہ تجھ بغیر
اب دیکھتا نہیں ہے کوئی اس مکاں کی اور

ان تمام اشعار میں، اور لفظِ دل کی شکایت و تعبیر بیان کرنے والے میرؔ کے شعروں میں جو شعری یا تخلیقی نقطۂ نظر مضمر ہے وہ ہے عقلی اور منطقی

استدلال کے بجائے، وجدان اور علامتی فکر کو تخلیق کی بنیاد تصور کرنے کا نظریہ — میر نے اپنی خوں آشام اور اضطراب سے بھرپور شعری کائنات میں اسی طرزِ فکر کے بنیادی اسلوب کو تلاش کیا تھا — جدید ذہن نے اس وجدانی اور علامتی فکر کو نئی معنویت سے روشناس کرایا ہے میر کی شاعری میں اگرچہ علامت سازی نہیں ہے، استعارے کا عمل بھی کم ہے — لیکن "دل" کے لفظ کو اپنی شاعری کا اسمِ اعظم بناتے ہوئے انہوں نے علامت کے اولین اضافات (Presentations) کی تخلیق کی تھی۔ اس طرح وہ جدید ذہن کے ہمنوا اور ہمعصر کہے جا سکتے ہیں۔ میر نے 'دل' کے علامتی مفہوم کے ذریعہ جس شعری کائنات کو تخلیق کیا ہے، اس کی شعلگی اور اظہار ہمارے عہد کے تخلیقی محرکات سے نہیں بلکہ تخلیقی مزاج سے مماثلت رکھتا ہے۔ میر وجود و عدم کے درمیان زندگی کی حرارتوں اور شعلگی کا احساس دلاتے ہیں۔ ان کا اضطراب عناصر کے اس کارخانے میں عمومی حقائق اور غیر تخلیقی مناظر کا بے پناہ خاموشی کو توڑنا چاہتا ہے۔ اسی لئے ان کی آواز خارجی کائنات کے سناٹے میں وجود کے استحقاق اور تلاش و تجسس کی چیخ بن جاتی ہے۔

گلی میں اس کی گیا سو گیا، نہ بولا پھر
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا

یہ شعر ایک چیخ بھی ہے، اور لفظ کو پوری قوت کے ساتھ ادا کرنے کا وہ ہنر بھی جس کی ہم صفیری کا حق اردو کے جدید شعراء ادا کر رہے ہیں۔

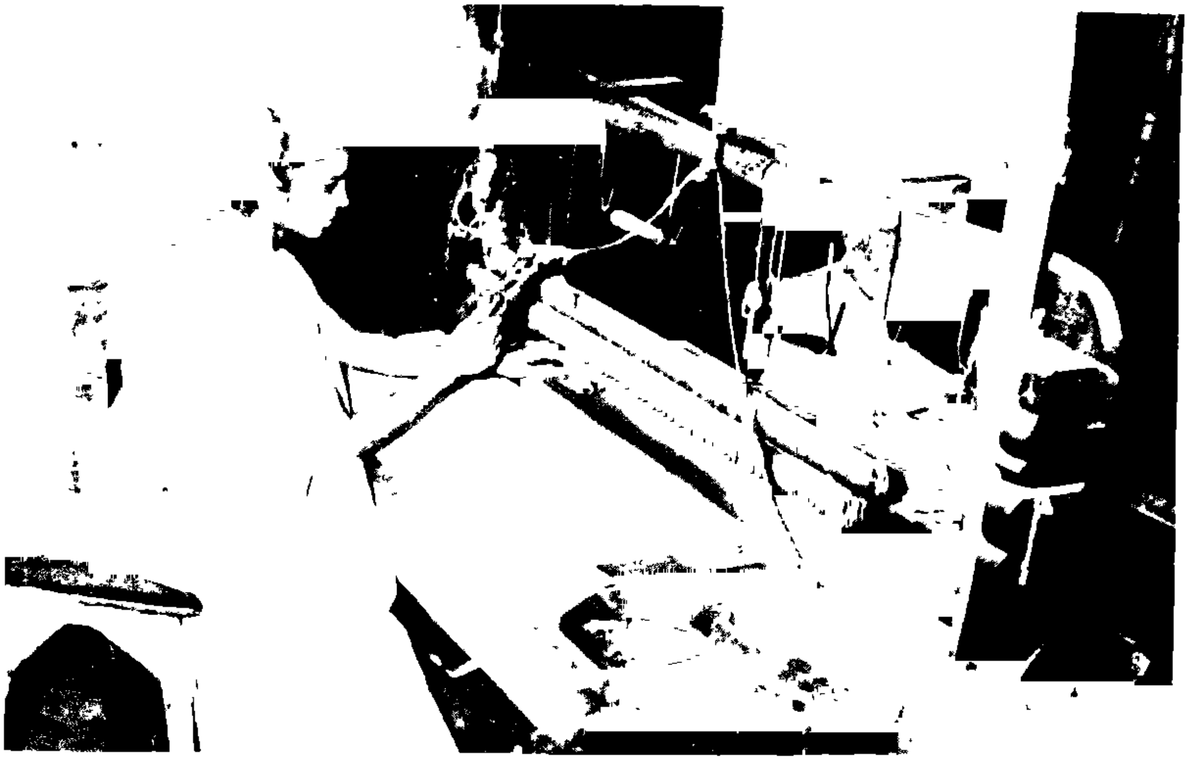
خارجی کائنات کا سکوت، یا وہ سکوت جو عہدِ نو میں بے پناہ مشینی شور کے باعث وجود میں آیا ہے، ہمارے عہد کے شاعر کی طرح میر کے لئے بھی ایک تخلیقی تحریک تھا — اسی باعث میر شور کے ساتھ رونا چاہتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ ان کے گریہ کا اندازہ آہ و زاری کا تھا، یا ہمسائے کی نیند کا احساس تھا، بلکہ اس لئے کہ وہ خارجی کائنات کی خاموشی کو توڑنا چاہتے تھے، میر نے اپنے شعر کا اسلوب میں شعلگی اور سوختگی کی جس کیفیت کو بیان کیا تھا وہ رات کی تاریکی میں روشنی اور تحرک کا نوحہ نہیں تھا، بلکہ آگ اور شعلوں کو چھونے اور ہوا دینے کا عمل تھا۔ شعری اظہار اور تخلیقی کیفیت کی یہی وہ منزل ہے جو ہمارے عہد کی شاعری کا مزاج ہے — اور اسی لئے میر کا یہ شعر پڑھتے ہوئے ہمیں احساس ہوتا ہے کہ میر اٹھارہویں صدی کے نہیں بیسویں صدی کے شاعر ہیں۔

افسردگیٔ سوختہ جاناں ہے قہر میر
دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

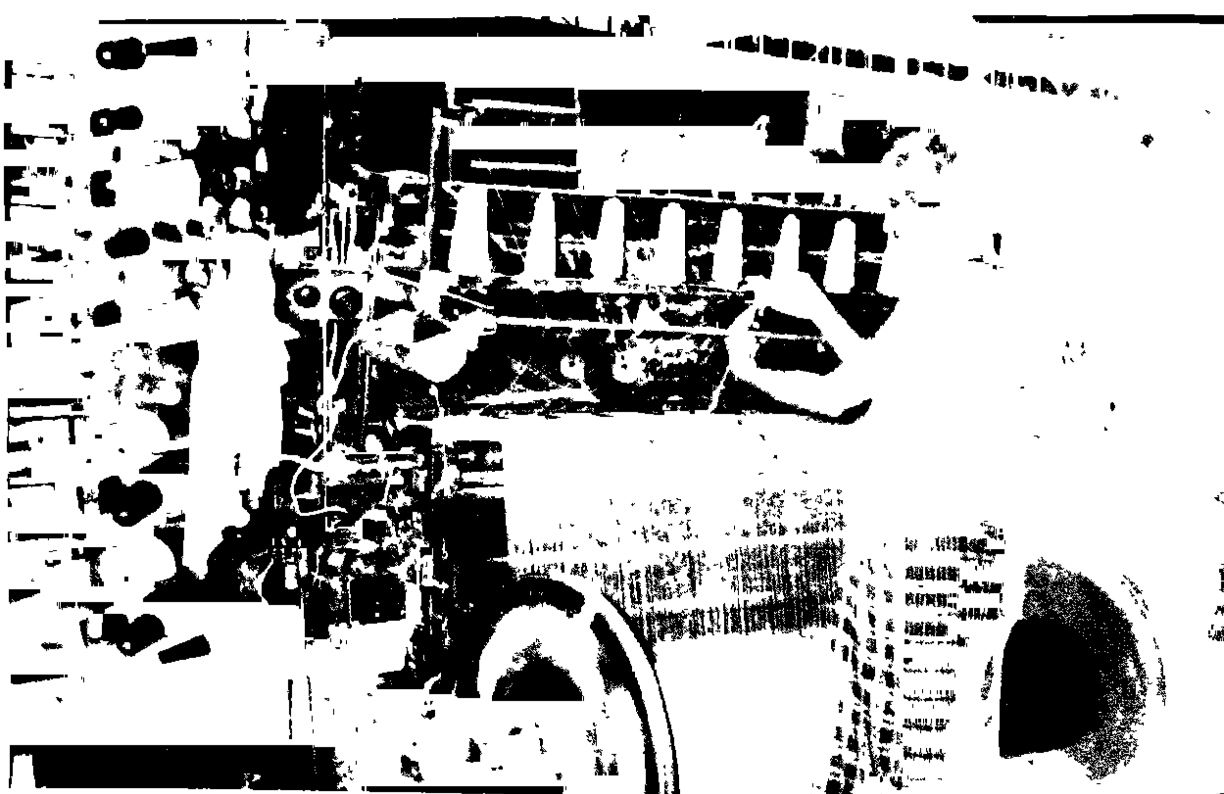
(بشکریہ "آجکل" نئی دہلی)

باقی صفحہ ۳۸ کا

...۴ یتیم بچوں کی تعلیم اور دیکھ بھال کے لئے فی ماہ ۳۰ روپئے فی کس کے حساب سے مالی امداد کی منظوری دی ہے۔ ضعیفی پنشن کے تحت ۳۰.... نادار ضعیف العمر افراد کو فی ماہ ۳۰ روپئے فی کس کے حساب سے مالی امداد دی جاتی ہے۔ رضاکار اداروں میں محتاج بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم پر اور مرکزی سیکٹر پروجیکٹ پر ہونے والے اخراجات کے ۴۵ فیصد حصہ ریاستی حکومت برداشت کرتی ہے۔ ایس۔ آئی۔ ٹی کے تحت قائم کردہ چھ ضلعی پناہ گاہیں اب اپنا کام انجام دے رہی ہیں۔ ایسی پناہ گاہوں میں زیر سماعت اور مجرم عورتوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور ان کو تربیت دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں مدنا پور کے دیہی علاقے میں واقع تربیتی مراکز میں زبردستی پیشہ پر لگائی جانے والی خاصی عورتوں کو چٹائی کی بُنائی کی تربیت دی جاتی ہے۔



ہتھ کرگھا



کپڑے مل کا مزدور

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 14
PRICE 30 Paise

MAGHREBI BANGAL
15th July 1984

مایۂ ناز سات سال

مغربی بنگال کی پیش قدمی جاری

مغربی بنگال میں وقت [illegible] علیحدگی پسند [illegible] طاقتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ حکومت [illegible] کے باشعور اور روشن خیال [illegible] عوام سے قائم کیا ہے

بائیں محاذ کی حکومت [illegible] متوسط طبقہ [illegible]

جمہوری حقوق واقدار کی حفاظت [illegible] بائیں محاذ کی حکومت قائم ہے [illegible] اس نے سارے ملک کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی ہے

اصلاحات اراضی کے سلسلے میں بائیں محاذ حکومت نے جو اقدامات کئے ہیں [illegible] تعلیم [illegible]

[illegible] حکومت نے پچھلے سات برسوں [illegible]

عوام کے ساتھ ہے جو اپنے جائز مطالبات کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

کارپوریشن، میونسپلٹیوں اور سی ایم ڈی اے جیسی ایجنسیوں کے ذریعہ شہریوں کو زیادہ سے زیادہ شہری سہولتیں دینے کے لئے بائیں محاذ کی حکومت ماضی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خرچ کر رہی ہے

بائیں محاذ کی حکومت عہد کرتی ہے کہ وہ ۲۰ سالہ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد کے لئے [illegible] کام جاری رکھے گی [illegible] حکومت مغربی بنگال [illegible] کے خلاف جنگ کرے گی

حکومت مغربی بنگال



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya Editor Dhirendra Dutta Associate Md Azam

مغربی بنگال

یکم اگست سنہ ۸۴ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

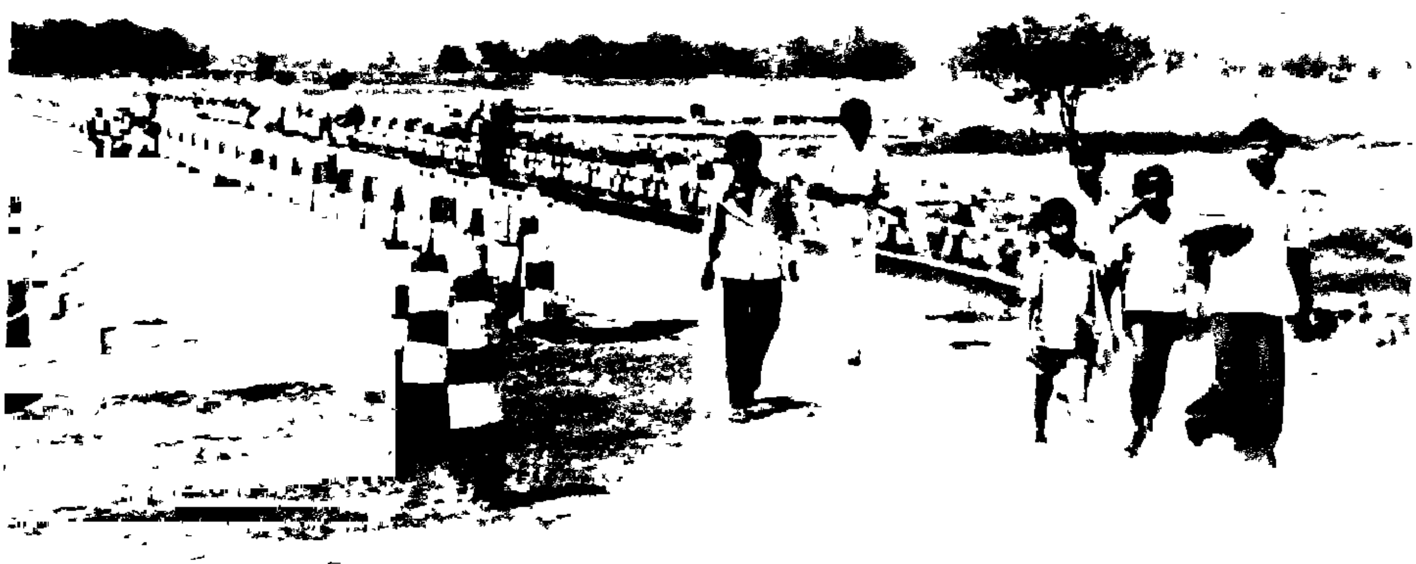
جلد نمبر ۳۱ یکم اگست ۱۹۸۴ء شمارہ نمبر ۱۵

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے ۔ اس شمارہ کی قیمت : ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



مغربی بنگال کے ایک گاؤں میں پنچایت کے ذریعہ تعمیر کردہ ایک پل

عقل اور قلم

اے شعاعِ عقل و دانش!
تیرے پیکر میں نہاں ہے حاکمِ مطلق عناں
یہ قلم ہے واسطے سے دل کے اس کا ترجماں
اے چراغِ عقل تو عہدِ سعادت میں
یونہی روشن رہے
پا نہ لے جب تک قلم اپنا کمال

اے شعاعِ عقل و دانش!
راہبر ہے تو جہاں
ہر کوئی بھی واں ہے مورِ نیم جاں
تو نے خود مجھ کو بھی ہے کر دیا ہے روشناس

اے کہ تو تعلیمِ لینن کا ثمر
تیرا تابع حریت کا خامۂ آتش نوا
تو نئے آئین نے مجھ کو دیا
یہ قلم ــــ یہ خامۂ خورشید طاقی
ترجمانِ پاکی و درخشندگی
اور یہ آئینِ نو عظمت سرائے آدمی

اے شعاعِ عقل و دانش!
تو نہ کام آتی اگر انسان کے
گر نہ روشن تر ہوتی تجھ سے وطن کی آبرو
حریت کا اصل مطلب گر سمجھ پاتی نہ تو
تو کہیں بہتر ہے تیری ترجمانی کی زباں
جل کے ہو جائے سیہ و بے نشاں

اپنے دستورِ نوی کی روشنی کے فیض سے
میں ہوا اصلِ قلم اہلِ نظر
جس کے بے پایاں حقوقِ انسان بشر
جب تلک قائم ہے یہ ہستی یہ انساں یہ جہاں
ہیں مرے دستور کے حرف و بیاں بھی جاوداں
ہوں میں اس عہدِ مقدس کا بشر
دانش و خامہ ہیں میری زندگی میری نظر
ایک دن جب عیش سے معمور میرا یہ بدن
خاک میں مل جائے گا
تو قلم میرا، مری ہی قبر پر
اک شعلۂ پرچمِ درخشندگی بن جائے گا

تخلیق : غفور غلام (از بکستان)

ترجمہ : ڈاکٹر قمر رئیس

آبپاشی اور چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی

مغربی بنگال کی معیشت زراعت پر مبنی ہے اور زراعت کے لئے آبپاشی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے بائیں محاذ حکومت نے آبپاشی پر بہت زیادہ زور دیا۔

	۷۶-۷۷ء	۸۲-۸۳ء	۸۴-۸۵ء
(۱) آب پاشی کے لئے بجٹ میں رکھی گنجائش	۶۵۳۹ر۸۷ لاکھ روپئے	—	۱۴۷۳۸ر۷۹ لاکھ روپئے
(۲) چھوٹی آبپاشی کیلئے بجٹ میں رکھی گنجائش	۲۰۷۶ر۳۹ لاکھ روپئے	—	۹۱۶۸۸۹ لاکھ روپئے
(۳) آب پاشی سے سیراب کردہ علاقہ	۳۹۴۷۰۰۰ ہیکٹائرس	۵۵۳۵۰۰۰ ہیکٹائرس	—
(۴) چھوٹی آبپاشی کے تحت علاقے	۱۱۸۱ر۶۰ ہزار ہیکٹائرس	۱۴۶۶ر۰۶ ہزار ہیکٹائرس	۱۵۲۶ر۸۶ ہزار ہیکٹائرس (نشانہ)
(۵) چھوٹی آبپاشی پروجیکٹ کے تحت بنائے گئے کم گہرے ٹیوب ویل	۸۰۹۳ (کم گہرے)	—	۲ لاکھ سے زیادہ (کم گہرے)

بائیں محاذ حکومت نے مَوراکشی، ڈی وی سی اور کنگسابتی پروجیکٹوں سے آب پاشی کے لئے فراہم کردہ پانی کو مکمل طور پر استعمال میں لاکر اناج کی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنے کے سلسلہ میں اقدامات کئے ہیں۔ مشرقی علاقہ کے سب سے بڑے آبپاشی پروجیکٹ یعنی تیستا بیراج پروجیکٹ کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔ اس کے مکمل ہونے کے بعد اضلاع دارجلنگ، جلپائی گوڑی، مغربی دیناجپور اور مالدہ میں تقریباً ۹ر۸ ہیکٹائرس قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے۔ آبپاشی کے اس پروجیکٹ سے آئندہ سال سے آبپاشی کیلئے پانی فراہم ہوگا۔

۱۹۷۷ء سے ہنگلو، سہارا جور سے، کماری اور بندھو جیسے چھوٹے چھوٹے بیسن پروجیکٹوں سے آبپاشی کے لئے ۲۲ر۲۹ ہزار ہیکٹائرس قطعات آراضی کو پانی سپلائی کیا جارہا ہے۔ مزید ۸۹ر۴ ہیکٹائرس کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلہ میں بائیں محاذ حکومت نے آبپاشی کے ۸ بڑے پروجیکٹوں کی تعمیر کا کام شروع کردیا ہے وہ پروجیکٹ یہ ہیں (۱) بالائی کنگسابتی (۲) سوبرنوریکھا بیراج (۳) داراکشور (۴) گجولی ندی لفٹ (۵) باون گولہ۔ حبیب پور ندی لفٹ (۶) ٹینگو وادی (۷) اجوئے ریزروائر اور (۸) سدھیشوری نیون بل۔

گزشتہ سات برسوں میں چھوٹی آبپاشی کے میدان میں بھی کافی ترقی ہوئی ہے اور چھوٹی آبپاشی سے مزید ۸۵ر۲ لاکھ ہیکٹائرس کو پانی فراہم کیا جارہا ہے۔ ان پروجیکٹوں کی جگہ جن کی تکمیل پر بہت زیادہ اخراجات ہوتے ہیں بہت سارے چھوٹے پروجیکٹوں کی تکمیل پر زیادہ زور دیا گیا اور اس کے

نتیجہ میں کسانوں کو کافی فائدہ پہونچا۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۲۰۰ گہرے ٹیوب ویلوں کی منظوری دی گئی۔ دریا سے پانی اٹھا کر آبپاشی کرنے کے ۵۵۰ پروجیکٹوں کو گزشتہ سات برسوں میں پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ اس عرصہ میں دو لاکھ سے زیادہ کم گہرے ٹیوب ویل بٹھائے گئے۔ بڑی بڑی نہروں سے چھوٹی چھوٹی نہریں کاٹی گئی ہیں اور ان نہروں سے زیر کاشت قطعات آراضی کے لئے پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ موجودہ ریاستی حکومت کے دور میں اس بات کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے کہ ان قطعاتِ آراضی میں جہاں سال میں ایک فصل اگائی جاتی تھی وہاں اب سال میں ایک سے زیادہ فصلیں اگائی جائیں۔ مغربی بنگال میں ۳۷۶۶۰ مربع کیلومیٹر قطعات آراضی اکثر سیلاب کی زد میں آجاتے ہیں۔ ان میں سے ۹۸ر۱۴ ہیکٹارس قطعات آراضی کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ۱۹۷۸ء کے سیلاب میں آبپاشی کے جن پروجیکٹوں کو نقصان پہونچا ان کی مرمت کرنے کے لئے ۳۰ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ ۱۹۸۱ء کے طوفان سے تباہ ہونے والے علاقوں کی ترقی کے لئے ۲۱ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ اس کے علاوہ گزشتہ سات برسوں میں خشک سالی سے متاثرہ علاقوں میں کئی ایک پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچا کر مقامی لوگوں کے لئے روزگار فراہم کیا گیا۔

چھوٹی آبپاشی اسکیم اور بائیں محاذ حکومت :

مغربی بنگال میں چھوٹی آبپاشی کی اسکیموں کی تکمیل کے سلسلہ میں سابق کانگریسی حکومت اور موجودہ بائیں محاذ حکومت کے نظریہ میں کچھ فرق ہے۔ پہلا یہ کہ سابق کانگریسی حکومت کے دوران چھوٹی آبپاشی پر کافی زور نہیں دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء سے براہِ راست حکومت کی مدد سے گہرے ٹیوب ویل بٹھانے کا کام بند کر دیا گیا۔ دوسرا یہ کہ سابق حکومت کا یہ خیال تھا کہ مؤثر اکشی، دامودر اور کنگسابتی پروجیکٹ کے ریزروائر سے بڑی اور لمبی نہروں کے ذریعہ پانی سپلائی کر کے کھیتوں کو آبپاشی کی کافی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ لیکن اب یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ دور افتادہ کھیتوں میں ان نہروں سے ذریعہ پانی سپلائی کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے موجودہ حکومت نے میدانوں اور کھیتوں میں پانی کے چھوٹے ذرائع کے ذریعہ آبپاشی پروجیکٹ کو روبہ عمل لانے کے سلسلہ میں اقدامات کئے۔ تیسرا یہ کہ ۱۹۸۲ء کی خشک سالی سے جو تلخ تجربہ حاصل ہوا، اس کے تحت اس ریاست کے کسانوں پر چھوٹی آبپاشی کی اہمیت عیاں ہو گئی ہے۔ اس لئے اب وہ پانی کے چھوٹے ذرائع کے سلسلہ میں تنصیبات کے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے قطعاتِ آراضی حکومت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح عوام حکومت سے ساتھ سرگرم تعاون کر رہے ہیں۔ چوتھا یہ کہ سابق حکومت کے دور میں اگر کسان حکومت کے ذریعہ بورو دھان کی کاشت کے لئے گہرے ٹیوب ویل سے پانی لیتا تو اسے فی ایکڑ کے لئے ۲۶ روپئے بطور ٹیکس اور اگر وہ چھوٹی آبپاشی کے کارپوریشن کے ذریعہ کھیتوں کی سیرابی کے لئے پانی حاصل کرتا تو اسے فی ایکڑ ۴۸۰ روپئے بطور ٹیکس ادا کرنے پڑتے۔ موجودہ حکومت نے ٹیکس کی اس تفریق کو دور کر دیا اور دونوں حالتوں میں ٹیکس کی ایک جیسی شرح ۲۴۰ روپئے فی ایکڑ مقرر کر دی۔ اس لئے اب کسانوں کی اس سلسلہ میں بے چینی دور ہو گئی۔ پانچواں یہ کہ ڈچ ہالینڈ، عالمی بنک جیسی ایجنسیوں کے ذریعہ چھوٹی آبپاشی کی توسیع پر زور دیا گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں "ہائیڈرولک ریم" مشین کے ذریعہ آبپاشی کے لئے پانی فراہم کیا جا رہا ہے۔ یہ نئی مثال ہے۔ زندگی بیمہ کے ذریعہ جو بچت ہوتی ہے اس کا ایک بڑا حصہ کسانوں کا ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ زندگی بیمہ کارپوریشن نے آبپاشی کی توسیع کے سلسلہ میں آسان شرائط پر قرض فراہم کرنے کے لئے اقدامات نہیں کئے۔ موجودہ حکومت نے آسان شرائط پر قرض کی فراہمی کے سلسلہ میں مرکزی وزیر مالیات سے بات چیت کی اور مرکزی وزیر مالیات نے وعدہ کیا وہ بھی اس سلسلہ میں کوشش کریں گے۔ پہلے صرف ۴ فیصد بجلی زراعت کے سلسلہ میں بروئے کار لائی جاتی تھی، اب اسبابات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اس مد پر ۱۰ فیصد بجلی استعمال کی جائے۔ اختتام میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد کسانوں کے درمیان ایک نیا جوش، ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا ہے ٭٭٭

اصلاحات اراضی

بائیں محاذ حکومت کے اصلاحات آراضی پروگراموں کے اہم مقاصد یہ ہیں کہ ایسی مستحکم بنیاد قائم کی جائے کہ نادار کسان اور مضافاتی علاقوں کے غریب لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور ان کے قانونی حقوق کا تحفظ کیا جا سکے۔ کیوں کہ موجودہ ریاستی حکومت اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ ان غریب اور نادار لوگوں کے مستقبل میں بہتری کے لئے تبدیلی لائے بغیر، اس ریاست کی صحیح معنوں میں ترقی ممکن نہیں۔ گرچہ ۱۹۵۳ء میں زمینداری کو ختم کرنے کا ایکٹ اور ۱۹۵۴ء میں اصلاحات آراضی ایکٹ پاس کیا گیا تاہم اصلاحات آراضی کا کام صحیح معنوں میں بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں شروع ہوا۔ اس سے قبل ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۹ء میں متحدہ محاذ کے دورِ حکومت میں اس منزل کی طرف پیش قدمی کی گئی تھی۔

	۱۹۷۷ء	۱۹۸۴ء (فروری)
۱) ان برگداروں کی تعداد جن کے نام ریکارڈس میں درج ہیں۔	۲۴۲۰۰۰	۱۲۷۹۹۴۰
۲) زرعی قطعات آراضی جن پر حکومت کو حقوق ملکیت حاصل ہو چکی ہے۔	۱۱۲۲۰۰۰ ایکڑ	۱۲۶۳۰۰۰ ایکڑ (۱۹۸۳ء)
۳) حکومت کے زیر اختیار قطعات آراضی کی تقسیم	۶۱۲۰۰۰ ایکڑ	۷۷۰۰۰۰ ایکڑ
۴) قطعات آراضی کی تقسیم سے مستفید ہونے والوں کی تعداد	۹۶۳۰۰	۱۵۰۰۰۰۰
۵) بجٹ میں رکھی گئی گنجائش	—	۲۷۵۲۷۰۰۰ (۱۹۸۴-۸۵ء)

مضافاتی بنگال کے روایتی طور پر غریب اور نادار طبقہ یعنی بٹائی داروں کی زندگی میں معاشی بہتری لانے اور ان میں تحفظ کے احساس کو بیدار کرنے میں "آپریشن برگہ" کافی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ فروری ۱۹۸۴ء تک تقریباً ۱۲۷۹۴۰ بٹائی داروں کے نام ریکارڈس میں برگداروں کی طرح درج کر لئے گئے ہیں۔ ان برگداروں میں سے ۳۷۶۹۰۷ افراد شیڈولڈ کاسٹ اور ۱۵۵۷۵ افراد شیڈولڈ ٹرائب فرقہ کے ہیں۔ ان برگداروں میں جن کے نام ریکارڈس میں درج ہیں، شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب برگداروں کا تناسب، مجموعی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ ہے۔ مغربی بنگال گھریلو حصول اراضی ایکٹ کے تحت نومبر ۱۹۸۳ء تک ۱۷۵۹۳۳ زرعی مزدوروں، کاریگروں کسانوں اور ماہی گیروں کو قطعات آراضی کے پٹے دئے گئے۔ ان پٹے داروں میں ۱۷ ہزار افراد شیڈولڈ کاسٹ اور ۴۳ ہزار افراد شیڈولڈ ٹرائب طبقہ کے ہیں۔ مغربی بنگال اصلاحات آراضی ایکٹ کے تحت حساب کتاب کے کھاتہ کی تیاری کے سلسلہ میں جائزہ لینے اور ابتدائی مرحلہ کے کام بھی قریب الاختتام ہیں۔ ۹۵ فیصد موضعات میں ابتدائی مرحلہ کا کام اب مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسودہ کی اشاعت کا کام نصف سے زیادہ ہو چکا ہے۔ برگداروں اور پٹہ داروں کو دیہی مہاجنوں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے، انہیں ۱۹۷۹ء سے ادارہ جاتی مالیات منصوبہ کے دائرہ عمل میں لایا گیا۔ خریف اور ربیع کی فصلوں

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

نقل و حمل

مغربی بنگال میں سرکاری اور غیر سرکاری نقل وحمل کی ذمہ داری حکومت کی ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے نقل وحمل کے نظام میں بہتری لانے کے لئے ایک خصوصی پروگرام کو اپنایا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۸۴-۸۵ء کے بجٹ میں شعبۂ نقل وحمل کے لئے ۶۸۸۷۹۴۰۰۰ روپئے مختص کئے گئے جبکہ ۷۶-۷۷ء میں اس مد کے تحت ۷۵۵۱۶۰۰۰ روپئے مختص کئے گئے تھے۔

بائیں محاذ حکومت کے نقل وحمل کے پروگرام میں کلکتہ اور عظیم تر کلکتہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ عالمی بنک سے قرض۔ امداد سے کلکتہ شہر میں نقل وحمل منصوبے کے تحت گاڑیوں کی تعداد میں گزشتہ سات برسوں میں کافی اضافہ ہوا۔ اس عرصہ میں کلکتہ ٹرامویز کمپنی کی ٹرام گاڑیوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ ۷۵ نئی ٹرام گاڑیاں بنائی گئیں، ۶۰ ٹرام گاڑیاں از سر نو تیار کی گئیں اور ۱۰۵ گاڑیوں کو خصوصی مرمت کر کے آمدورفت کے قابل بنا دیا گیا۔ اس منصوبہ کے تحت کلکتہ ریاستی نقل وحمل کارپوریشن نے اب تک ۵۳۰ بسیں خریدیں۔ ۷۷-۸۳ء تک کلکتہ اور اس کے مضافاتی علاقوں میں ۲۲ نئے راستوں سے بسوں کو آمدورفت کی اجازت دی گئی۔

فی الحال قصبہ، بلگھوریا، بیک باڑا، ایک ڈپو اور لوئنٹ اکسچینج شاپ میں بس ڈپو کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ نیز مختلف ٹرام ڈپو معہ نونا پوکھر ٹرام کارخانہ کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ ۱۹۸۳ء میں راجہ بازار اور کالی گھاٹ ٹرام گومتی میں ٹیلیفون اکسچینج قائم کئے گئے۔ ان میں علی الترتیب ۱۰۰ اور ۵۰ لائن ہیں۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ نونا پوکھر میں بھی ۱۵۰ لائن کا ایک ایسا ہی اکسچینج قائم کیا جائے گا۔

سی ایم ڈی اے اور سی ٹی ای پی پروجیکٹوں کے تحت مختلف سڑکوں کی ترقی اور ٹرافک سگنل کی تنصیب کے لئے تجاویز ابھی حکومت کے زیر غور ہیں۔ الٹا ڈانگہ میں سی ایم ٹی اے کے بس ٹرمینس کی تعمیر کا کام قریب الاختتام ہے۔

بائیں محاذ کے عہد حکومت میں آبی نقل وحمل نظام میں بہتری لانے کے لئے ہوڑہ اور آرمینین گھاٹ، چاند پال گھاٹ، گارڈن ریچ اور باغ بازار کے درمیان باضابطہ لانچ سروس چالو کر دیا گیا ہے۔ نیز چندن نگر سے بج بج تک اور بھی لانچ سروس رائج کرنے کا منصوبہ زیر غور ہے۔ سرکاری نقل وحمل کے ساتھ ساتھ علاقائی نقل وحمل کی آتھوریٹی مسافروں کے نقل وحمل کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ علاقائی نقل وحمل آتھوریٹی نے حال ہی میں مختلف روٹوں کے لئے ۱۰۵ مینی بسوں، ۴۱۴ بسوں اور ۷۴۸ آٹو رکشا کے لئے پرمٹ جاری کیا ہے۔ صرف ایک سال میں ٹیکسیوں کی تعداد ۱۳۳۰ سے بڑھکر ۵۸۷۷ ہو گئی۔ بسوں، مینی بسوں اور آٹو رکشا کی تعداد میں قانونی بندشوں کی وجہ سے مزید اضافہ نہیں کیا جا سکا۔ گزشتہ سال بسوں کے لئے پرمٹ جاری کئے گئے۔ پرولیا کے لئے ۴۲۳، بانکوڑا کے لئے ۲۱۲، بردوان کیلئے ۱۲۴ اور کوچ بہار کیلئے ۴۲، مزید برآں بین ریاستی آمدورفت

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

نواب واجد علی شاہ

چند روز بنارس میں

فرحت زیدی

جانِ عالم حضرت واجد علی شاہ مرحوم والیٔ اودھ سے متعلق بہت سے واقعات مشہور ہیں، کچھ غلط کچھ صحیح۔ کچھ تو انگریزوں کے تعصب کی دین ہیں اور کچھ اپنوں اور غیروں کی گڑھی ہوئی کہانیاں ہیں جنہیں اس مظلوم بادشاہ میں سوائے عیب کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ کچھ کہانیاں جن میں بادشاہ کی غریب پروری، ذہانت اور اعلیٰ ذوق کے اوصاف ملتے ہیں صرف اس لئے باقی رہ گئیں اور ہم تک پہونچ سکیں کہ انگریزوں کی نظریں انہیں سنسر نہ کرسکی تھیں یا انہیں انگریزوں نے قابلِ اعتنا نہ سمجھا۔

لیکن بادشاہ سے متعلق ایک دو واقعات ایسے بھی ہیں جو شاید دنیا کو نہ معلوم ہوں۔ لیکن پہلے یہ سنئے کہ یہ مجھے کیسے معلوم ہوئے۔

بات میرے بچپن کی ہے۔ میرے والد مرحوم بنارس اسٹیٹ میں کلکٹر کے عہدے پر فائز تھے۔ اگرچہ اس وقت بنارس اسٹیٹ کا حکومت اترپردیش میں انضمام ہوچکا تھا لیکن مختلف شعبوں کا چارج ضلع کے حکام رفتہ رفتہ لے رہے تھے ادھر والد صاحب بھی ریٹائرمنٹ کی درخواست دے چکے تھے۔ والد صاحب چند گھنٹوں کے لئے کچہری جاتے اور واپس آجاتے۔ اس وقت انتظامی امور آج کل کی طرح چوبیس گھنٹے کی دردسری نہیں تھے۔ شام کو والد صاحب کے بچپن کے دوست آجاتے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مختلف موضوعات پر بڑی دلچسپ باتیں ہوتیں۔ شنکر بابو ایک سگریٹ پیتے اور ٹھیک آٹھ بجے رخصت ہوجاتے۔ اسی گفتگو کے دوران ایک بار بادشاہِ اودھ کا کچھ ذکر نکلا تو والد صاحب نے الماری سے ایک لمبی سی کتاب نکالی اور اس میں سے کچھ حصے پڑھ کر سنانے لگے۔ یہ کتاب کون سی تھی اب یہ تو یاد نہیں لیکن جو کچھ سنایا وہ فارسی میں لکھی ہوئی ایک یادداشت کے کچھ حصے تھے۔ شنکر بابو فارسی جانتے تھے۔ یہ یادداشت دراصل میرے والد کے پردادا کے چھوٹے بھائی میر دولت علی مرحوم و مغفور کی تھی جو ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے زمانے میں بنارس میں تحصیلدار تھے۔ چونکہ میں نے ابتدائی دنوں میں فارسی پڑھی تھی اور درمیان میں کسی کسی واقعے کی وضاحت والد صاحب اردو میں بھی کرتے جاتے تھے اس لئے بہت کچھ میں سمجھ سکا اور اب تک یاد رہ گیا۔ والد صاحب کا انتقال ہوچکا ہے اور اب وہ کتاب کون سی تھی جس کی جلد کے آخری صفحات پر وہ یادداشت تحریر تھی۔ معلوم نہیں وہ کتاب یا یادداشت کیا ہوئی۔ ممکن ہے والد مرحوم کی کتابوں میں کہیں وطن میں پڑی ہو۔ اس وقت جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں وہ اسی شام اسی یادداشت سے سنی ہوئی باتوں پر مبنی ہے۔

حضرت واجد علی شاہ ۱۸۵۷-۵۸ء کی کشمکش کے خاتمے کے بعد کچھ دنوں تک تو لکھنؤ ہی میں مقیم رہے اس کے بعد کلکتہ کی جانب مراجعت کی۔ ایک وجہ یہ تھی کہ انگریزی حکومت نہیں چاہتی تھی کہ بادشاہ لکھنؤ میں رہیں کیوں کہ حکومت

چھن جانے کے بعد بھی رعایا بادشاہ کا ہی دم بھرتی تھی اور بادشاہ کی لکھنؤ میں موجودگی عوام کے دلوں میں آزادی اور حب الوطنی کی بجھی ہوئی بلکہ دبی ہوئی چنگاری کو کسی بھی وقت شعلہ بنا سکتی تھی۔ چنانچہ بادشاہ کے مشیروں نے جن میں کچھ انگریزوں کے ساختہ پرداختہ تھے اور کچھ واقعی بادشاہ کے وفادار لیکن انگریزوں کے انصاف کی طرف سے خوش عقیدہ بھی تھے، بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی اور مقامی انگریزوں نے جو زیادتیاں کی ہیں اس کی شکایت آپ ملکۂ انگلستان کوئین وکٹوریہ سے کیجئے تو عجب نہیں ہے کہ آپ کا علاقہ آپ کو واپس کر دیا جائے۔ اور اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ آپ خود کلکتہ چل کر جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہندوستانی ہیڈ کوارٹر تھا، کمپنی کے اعلیٰ افسران اور ملکہ کے نمائندہ سے گفتگو کریں۔ ایک بادشاہ کا اپنی حکومت کے لئے ہر کسی سے دادرسی کرنا کتنا تکلیف دہ ہے اس کا تصور کرنا کم از کم آجکل ناممکن ہے لیکن یہ ایک خود مختار بادشاہ کی بات تھی جس نے زندگی بھر صرف عطا کیا تھا۔ آج وہ کسی کے آگے دستِ سوال کیسے دراز کرتا خواہ وہ سلطنت ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ بادشاہ کی ذہنی کیفیت اور روحانی اذیت کا اندازہ کرنا بھی ہمارے لئے تقریباً ناممکن ہے۔

بہرحال مصلحتاً اور مجبوراً بادشاہ عازمِ کلکتہ ہوئے چونکہ یہ بھی امکان تھا کہ کلکتہ سے شاید انگلستان جانا پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ واپس لکھنؤ نہ آسکیں اس لئے بادشاہ نے بڑے درد انگیز لہجے میں کہا تھا ؎

در و دیوار پہ حسرت کی نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

یہ شاہی قافلہ نہ صرف ایک بڑے توشہ خانے پر بلکہ کچھ حقیقی اور کچھ انگریزوں کے پرداختہ جاں نثاروں کی ایک بڑی تعداد پر بھی مشتمل تھا۔ سفر کے بعد قیام کی ایک منزل بنارس بھی تھی (جسے آجکل وارانسی کہا جاتا ہے)۔ چونکہ بنارس کا راجہ خود مختار ہونے سے قبل سلطنت اودھ کا باجگزار تھا اس لئے بنارس کے اس وقت کے راجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ نے بادشاہ کے قیام و طعام کا ذمہ لیا گویا بادشاہ کو اپنا مہمان بنانے کی سعادت حاصل کرنا چاہی۔

میر دولت علی صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ بادشاہ کو کیسے دیکھا جائے۔ کیونکہ بادشاہ حکومت چھن جانے اور شاہی خاندان کے افراد کی بے حرمتی اور اہانت کے بعد اب نہ صرف گوشہ نشین بلکہ پردہ نشین ہو گئے تھے اور سوائے چند مقربین خاص کے کسی کو بھی شرف باریابی نہیں بخشتے تھے۔ میر دولت علی صاحب نے یہاں تک سوچا تھا کہ کسی چوبدار یا پہرے دار کی خوشامد کر کے بادشاہ کو ایک نظر دیکھ لیں گے۔ یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ بنارس راج کے ایک ذمہ دار افسر کی یہ بے چینی کہ وہ چوبدار کی خوشامد کر کے بھی بادشاہ کو ایک نظر دیکھنے کا متمنی تھا یہ ظاہر کرتی ہے کہ اگرچہ انگریزوں کا اقتدار قائم ہو چکا تھا تاہم عوام و خواص کے دلوں پر اب بھی واجد علی شاہ کی حکمرانی تھی۔ یہ تمنا کسی اوباش اور عیاش انسان کو دیکھنے کی نہ تھی بلکہ ایک غریب پرور اور سخی حکمراں کی زیارت کی تھی جس کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کے واسطے انگریزی حکومت کوشاں تھی۔ دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ افسر و ماتحت کے مابین عزت و تکریم اور اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ آج کے زمانے سے کہیں زیادہ تھا پھر بھی اپنے فرائض کی بجا آوری کا جذبہ پہرے داروں اور چوبداروں کے نزدیک مقدس ترین و مقدم ترین تھا اور ایسا تھا کہ ایک تحصیلدار کو بھی انہیں دھونس میں لینے اور ان کی مٹھی گرم کرنے کا نہیں بلکہ ان کی خوشامد کرنے کا خیال آیا۔ لیکن جذبۂ صادق کا اثر دیکھئے کہ اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بادشاہ کے بنارس میں قیام کے دوران مہاراجہ کی جانب سے بادشاہ کی خدمت میں جس افسر کو تعینات کیا گیا وہ میر دولت علی ہی تھے۔ یعنی آج کی اصطلاح میں میر صاحب OFFICER IN ATTENDANCE یا LIAISON OFFICER کے طور پر مامور ہوئے۔

میر صاحب بنارس کے حدود سے کچھ فاصلے
پر بادشاہ کے قافلے میں شامل ہو گئے اور مہاراجہ بنارس
کی جانب سے استقبال کا پیغام دیا۔ بادشاہ کو علم ہوا تو
انہوں نے خود میر صاحب کو اپنے حضور میں طلب کیا اور اس طرح
میر صاحب کی بادشاہ کی زیارت کی تمنا بر آئی۔ بادشاہ نے
بنارس پہونچنے کے وقت اور قیام کے سلسلے میں چند باتیں
دریافت کیں جن کا میر صاحب نے بہت تشفی بخش جواب دیا۔
میر صاحب کے بیان کے مطابق بادشاہ بہت آہستہ اور مختصر
گفتگو کرتے تھے۔

بنارس میں بادشاہ اور ان کے قافلہ کا قیام
نندیسر کی کوٹھی اور اس کے بالمقابل سڑک کی دوسری جانب
منٹ ہاؤس نامی کوٹھی میں تھا (نندیسر پیلیس آجکل سرکٹ ہاؤس
ہے اور منٹ ہاؤس میں سرکاری دفاتر ہیں) گرمی کا زمانہ تھا
دونوں عمارتوں میں خس کے بے شمار پودے لگائے گئے
تھے گویا انہیں خس کے پردوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔
دونوں عمارتوں کے چاروں طرف دور دور تک کیوڑے اور گلاب
کے پانی کا چھڑکاؤ ہوتا رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کئی مہینے
تک جونپور اور غازی پور کے گندھیوں کے یہاں جہاں کیوڑہ
اور گلاب کے عرقیات کی کشید بڑے پیمانے پر ہوتی تھی (اور کسی
حد تک آج بھی ہوتی ہے) عرقیات دستیاب نہیں ہو سکے
کیونکہ سارا ذخیرہ مہاراجہ بنارس نے خرید لیا تھا۔

بنارس میں بادشاہ کا قیام صرف چند روز رہا
اور اس دوران بادشاہ نے صرف ایک بار مہاراجہ بنارس
کو شرف باریابی بخشا۔ اس ملاقات میں مہاراجہ جب بادشاہ
کے سامنے آئے تو بادشاہ تختوں کے فرش پر گاؤ تکیے سے
لگے بیٹھے تھے۔ مہاراجہ نے نذر دی، بادشاہ نے قبول کی اور
موگرے کے پھولوں کا ایک ہار مہاراجہ کو یہ کہتے ہوئے
عنایت کیا کہ "اب کیا رہا"۔ یعنی سب کچھ تو انگریز لوٹ چلے
ہیں۔ ہمارے پاس اب کیا رہ گیا ہے جو ہم اپنے قدیم نمک
خوار کو دیں۔ اس سلسلہ [illegible] پر بادشاہ کے یہ الفاظ ملاحظہ

ہوں اور یہ بھی سنئے کہ موگرے کے گچھوں کے اس ہار میں ہر
گچھے میں کبوتر کے انڈوں کے برابر ایک اصلی موتی تھا۔

نذر دینے کے بعد مہاراجہ کھڑے رہے تو بادشاہ
نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مہاراجہ نے مزاج پوچھا۔ بادشاہ
نے بڑے آہستہ اور غمگین لہجے میں جواب دیا۔ "اچھا ہوں"
اس کے بعد کہا "بیٹھئے"۔ مہاراجہ پھر بھی کھڑے رہے
اور ایک دو مزید رسمی باتیں کیں۔ جب بادشاہ نے دوبارہ بیٹھنے
کے لئے کہا تو مہاراجہ نے دست بستہ جواب دیا "کبھی ہوا
نہیں" یعنی بنارس کا راجہ جو اودھ کا باج گزار تھا شاہان
اودھ کے سامنے نجی ملاقات کے دوران بیٹھنے کی جسارت نہیں
کرتا تھا۔ (یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ اب
بنارس کی ریاست ایک خود مختار ریاست ہو چکی تھی اور اودھ
کے سلطان کی رہی سہی حکومت بھی ختم ہو چکی تھی لیکن مہاراجہ
کی وضع داری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ . . . .
. . . . یہ سن کر بادشاہ آبدیدہ
ہو گئے اور صرف اتنا کہا "اب وہ بات کہاں"۔ بادشاہ
کو مغموم دیکھ کر مہاراجہ نے جھک کر فرشی سلام کیا اور الٹے
پیروں واپس آ گئے۔

بادشاہ کے بنارس میں قیام کے دوران ایک
واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ بادشاہ نے اپنے کسی مقرب خاص سے
کہا تھا "کیا بنارس کا راجہ بہت غریب ہو گیا ہے" اور
پوچھنے پر بادشاہ نے بتایا کہ بیت الخلا میں پرانی خس لگی
ہوئی ہے۔ میر دولت علی صاحب نے اپنے فرائض منصبی کی
بجا آوری کے طور پر جہاں بادشاہ کے قیام سے متعلق
تفصیلی رپورٹ مہاراجہ کو پیش کی اس میں اس واقعہ کا بھی
ذکر کیا۔ مہاراجہ نے سنا تو اس شخص کو طلب کیا جسے
بادشاہ کے قیام کے سلسلے میں خس کی ٹٹیاں اور پردے
سپلائی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ٹھیکیدار نے کہا "حضور کی خدمت
کرتے ہماری کئی پشتیں گزر گئیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے
حضور کا ہی دیا ہوا ہے۔ بادشاہ کے قیام کے سلسلہ میں

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

خدمات نوجوان

نوجوان، قوم کے مستقبل کی جیتی جاگتی طاقت ہوتے ہیں۔ اس لئے ملک اور عوام کے مستقبل کے لئے انہیں صحیح راستہ پر گامزن رکھنا اشد ضروری ہے۔ اس بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے اپنا خدماتِ نوجوان پروگرام مرتب کیا۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں شعبہ خدماتِ نوجوان نے سالانہ بجٹ میں رکھی ۷۶ ہزار روپئے کی گنجائش کے ساتھ اپنا سفر شروع کیا۔ خدماتِ نوجوان پر خصوصی زور دیا گیا اور اس لئے اب اس مد پر بجٹ میں ۵۰ر۳۱۶ لاکھ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ سنہ ۱۹۷۷ء سے قبل اس شعبہ کی سرگرمیاں فاضل روزگار پروگرام کے ساتھ ساتھ صرف دو یا تین اسکیموں تک محدود تھیں، لیکن اب یہ نظریہ بالکل بدل چکا ہے اور اس شعبہ کی سرگرمیاں کافی وسیع ہو چکی ہیں۔

	سنہ ۷۶-۷۷ء	سنہ ۸۳-۹۲ء	سنہ ۹۴-۸۵ء
(۱) بجٹ میں رکھی گئی مالی گنجائش	۹۹ر۴۱ لاکھ روپے	۲۵۰ لاکھ روپے	۵۰ر۳۱۶ لاکھ روپے
(۲) خدماتِ نوجوان کے تحت لائے گئے بلاکوں کی تعداد	۴۰	۳۳۵	—
(۳) خدماتِ نوجوان کے ضلع دفاتر کی تعداد	—	۱۵	—

خدماتِ نوجوان پروگرام کو مغربی بنگال نے جتنی اہمیت دی اتنی ہندوستان میں کسی ریاست نے نہیں دی۔ اس ریاست کے تمام بلاکوں میں خدماتِ نوجوان رائج کر دیے گئے۔ تمام ضلعوں میں خدماتِ نوجوان افسران ہیں۔ کوئی اور ریاست ایسے وسیع تنظیم کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

نوجوانوں کی بے روزگاری کے مسئلہ کی شدت کو کچھ حد تک کم کرنے کے لئے اس شعبہ نے ۵ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری کی۔ اس رقم میں ایشیائی قرض کی رقم بھی شامل ہے۔ اس کے نتیجہ میں ۱۵۰۰ پروجیکٹوں کے ذریعہ ۴۲۰ نوجوان مرد اور عورتوں کو خود روزگار بنا دیا گیا۔ اگر قومیائے بینک کچھ اور تعاون کرتے تو اور بھی بہت سارے نوجوان مستفید ہوتے۔ اس شعبہ کے ذریعہ گزشتہ سات برسوں میں ۴۰ ہزار نوجوان مرد اور عورتوں کو ۱۵۰۰ پروجیکٹوں کے ذریعہ پیشہ ورانہ تربیت دی گئی۔ اس کام پر ۵۰ لاکھ روپئے صرف کئے گئے۔ اس کے علاوہ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے نوجوان مرد اور عورتوں کو ۶ لاکھ روپئے خرچ کر کے پیشہ ورانہ تربیت دی گئی۔

بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں کلکتہ میں ۵۰ لاکھ روپئے خرچ کر کے ایک ریاستی نوجوان مرکز قائم کیا گیا۔ اس مرکز میں ایئر کنڈیشن اوڈیٹوریم (سماعت گاہ) کے علاوہ لائبریری، یوتھ ہاسٹل، پیشہ ورانہ تربیتی مرکز اور آزادی کی تحریک کی دستاویزات کی نمائش کے لئے مستقل عجائب خانہ ہے۔ بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں اس بات کی بھی کوشش کی جا رہی ہے کہ مختلف اضلاع کے اہم شہروں میں یوتھ سنٹر (نوجوانوں کا مرکز) قائم کیا جائے۔ سنہ ۱۹۷۷ء سے یہ شعبہ بلاک سطح پر ہر سال نوجوانوں کے تہوار کا انتظام کرتا ہے۔ ہر سال ان تقریبات میں اوسطاً ۵ لاکھ لوگ شرکت کرتے ہیں۔ اس شعبہ نے بین الاقوامی یوتھ فیسٹول میں اپنے نمائندے بھیجے۔ سنہ ۱۹۸۵ء کے بین الاقوامی یوتھ سال کے لئے اس شعبہ نے مختلف پروجیکٹوں کے لئے لاکھوں نوجوانوں کو یکجا کرنے اور حسب ضروری اقدامات کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔

دیہی نوجوانوں کی ثقافتی ترقی کے لئے گزشتہ سات برسوں میں ۱۷۰ اجتماعی مراکز اور ۱۷۰ کھلا اسٹیج تعمیر کیا گیا ہے۔

نوجوانوں میں سائنسی خیالات کو اجاگر کرنے اور فروغ دینے کے لئے بائیں محاذ حکومت ہر سال بلاک سطح سے لے کر ریاستی سطح تک سیمینار کا انتظام کرتی ہے۔ ضلع اور ریاستی سطح پر سائنس

نمائش منعقد کی جاتی ہے۔ بہت سارے سائنسی کلبوں کو باضابطہ
مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پرولیا میں جینتی
لاکھ روپئے خرچ کر کے ایک مستقل سائنس مرکز قائم کیا گیا۔
ہندوستان میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا مرکز ہے۔

اس شعبہ کے زیر اہتمام ۲۱ یوتھ ہاسٹل ہیں، جن
میں سے ایک راجگیر، بہار میں ہے۔ ۱۹۷۷ء کے بعد سے یہ
تمام ہاسٹل تعمیر کئے گئے۔ اس کے علاوہ گنگا ساگر، سلی
گوڑی اور بکریشور میں ہاسٹلوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ گزشتہ
سات برسوں میں ۱۸۱۰ اداروں کے ۷۰ ہزار طلباء کو تعلیمی سیر
کے لئے مالی امداد فراہم کی گئی۔ اس شعبہ کی ایما پر ۱۱۹ اسکولوں
میں امداد باہمی تحریک کا انتظام کیا گیا۔ نصاب کی کتابوں کی کمی
سو لائبریریاں قائم کی گئیں۔ جہالت کو ختم کرنے کے لئے یہ شعبہ
دارجلنگ کے چائے باغات اور ہگلی کے صنعتی علاقوں میں بالغوں
کی تعلیم کے مراکز کا انتظام کر رہا ہے۔ گزشتہ سات برسوں میں
مختلف بلاکوں میں کھیلنے کے آٹھ سو میدان تیار کئے گئے اور بہت
سارے اسپورٹس ایسوسی ایشن کو مالی امداد فراہم کی گئی۔
کسرت کے لئے ۴۱ لاکھ روپئے خرچ کر کے ۶۵۰ کسرت گاہیں
تعمیر کی گئیں اداروں کے لئے حسب ضروری ساز و سامان خریدنے
کے لئے ۱۸٫۵ لاکھ روپئے دئے گئے۔ بائیں محاذ حکومت نے
فی بلاک تین اسپورٹس تربیتی مراکز قائم کرنے کی اسکیم کو کامیابی
کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچایا اور ہر گاؤں میں کم از کم ایک
فٹ بال مفت فراہم کیا۔ کوہ پیمائی کے لئے اس شعبہ نے ضروری
ساز و سامان کا ایک بنک قائم کیا ہے۔ یہ شعبہ نوجوانوں کے لئے
ایک ماہ نامہ یوبا مانوس (نوجوان آدمی) شائع کرتا ہے۔
یہ رسالہ دن بہ دن مقبول ہوتا جا رہا ہے۔

مرکزی حکومت کی کوئی منصوبہ بند پالیسی تو نہیں ہے
اور نہ کوئی اور ریاست ایسی پالیسی کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔ سال
رواں میں بائیں محاذ حکومت نے اس ریاست میں نوجوانوں کی فلاح
و بہبود کی جانب ایک لمبے عرصے کے تفتیشی پروجیکٹ پر کام شروع
کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ریاستی حکومت فرقہ پرستی
اور افتراقیت کے خلاف قومی یکجہتی کو مستحکم بنانے کے لئے مختلف
پروگراموں کو روبہ عمل لا رہی ہے۔

نیز بائیں محاذ حکومت قومی اتحاد اور یکجہتی کو مستحکم
بنانے کیلئے فرقہ وارانہ اور علیحدگی پسند طاقتوں کے خلاف مسلسل
جدوجہد کر رہی ہے۔

باقی صفحہ ۔۔ کا

کیلئے ۷۶ منی بسوں کو اور کلکتہ، سیلی گوڑی روٹ کیلئے
چھ ایئر کنڈیشن بسوں کیلئے اجازت دی گئی۔ دیگر اضلاع
میں بہت ساری پرائیویٹ بسوں کو آمد و رفت کے لئے
پرمٹ دئے گئے۔ کلکتہ اور بھوٹان کے درمیان بس سروس
شروع کر دی گئی ہے۔

مزید روزگار اسکیم کے تحت گزشتہ ایک سال میں
۲۶۴۷۲۶۴ روپئے خرچ کر کے ۱۵۰۰ افراد کے لئے روزگار فراہم
کیا جا سکا۔ کلکتہ اور چوبیس پرگنہ میں بسوں کا انتظار کرنے کے لئے
شیڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ کلکتہ اور آس پاس کے علاقوں میں
۱۱٫۶۱ لاکھ روپئے خرچ کر کے ۱۱ بس ٹرمینس (بس ڈپو)
تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ دمدم روڈ اور بی ٹی روڈ کی ترقی اور توسیع
کا کام جاری ہے

اگرچہ نقل و حمل کے مسئلے کو مکمل طور پر حل نہیں کیا
جا سکا تاہم اس کام میں کچھ حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے
کیونکہ گزشتہ سات برسوں میں چند پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک
پہونچایا گیا۔ اگر ریل سروس بہتر ہوتی تو کلکتہ اور اضلاع میں نقل
و حمل کی دشواریاں بہت حد تک کم ہو جاتیں۔

قبائلیوں کی فلاح وبہبود

مغربی بنگالے میں کل آبادی کی ۲۷ فیصد آبادی شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب پر مشتمل ہے ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد بائیں محاذ حکومت ان پسماندہ طبقوں کی فلاح وبہبود اور ترقی کے لئے بہت سارے پروگراموں کو روبہ عمل لارہی ہے۔ اس سلسلے میں کئے گئے اقدامات کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

	۱۹۷۶-۷۷ء	—	۱۹۸۴-۸۵ء
۱) مالیات کی فراہمی	۵۸۸ لاکھ روپئے		۱۹ر۴۳۹۲ لاکھ روپئے
۲) تعلیم میں وظیفہ پانے والے شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب کے طلبا کی تعداد	۱۸۴۱۰۶	—	۳۸۷۰۰۰ (۱۹۸۳-۸۴ء)
۳) قائم کردہ طلبا کے ہاسٹل، آشرم ہاسٹل کی تعداد۔	۳۲۲	—	۴۷۳
۴) ثانوی سطح پر زیر تعلیم طلبار کی تعداد	۲۴۷۶۴۲	—	۴۸۷۰۰۵
۵) ثانوی سطح پر وظیفہ پانے والے طلبار کی تعداد	۱۱۶۰۰	—	۵۰۰۰۰

چونکہ شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب آبادی کی اکثریت زراعت پر انحصار کرتی ہے، اس لئے موجودہ دستوری گنجائش کے تحت، اس بات کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ اس طبقہ کے مفادات کے لئے حسب ضروری تبدیلی لائی جائے۔ بائیں محاذ حکومت کے اصلاحات آراضی پروگرام کے تحت ۱۴۷۷۳۲۱ بٹہ داروں میں سے، جن کے نام ریکارڈس میں درج ہیں، ۵۴۷۱۲۰۱ افراد شیڈولڈ کاسٹ کے اور ۲۸۴۲۲۵ افراد شیڈولڈ ٹرائب طبقے کے ہیں۔

ریکارڈس میں درج برگداروں میں سے ۶۰ فیصد برگدار مذکورہ طبقوں کے ہیں۔ معاشیاتی کسانوں کو دیہی مہاجنوں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے فروری ۱۹۸۴ء تک مالی امداد پروگرام کے تحت ۲۳۱۶۲۸ افراد کو ۱۴۳۰۸۷۰۰۰ روپئے بطور قرض اور امداد فراہم کئے گئے۔ نیز امدادی منصوبہ کے تحت، شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب کی ترقی کے لئے زراعتی دیہی صنعت، آبپاشی، ماہی گیری، مویشیوں کی پرورش وپرداخت، امداد باہمی، جنگلات کی ترقی وغیرہ کی مدوں کے تحت بہت سارے پروگراموں کو روبہ عمل لایا گیا۔

شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب کے ترقیاتی اور مالیاتی کارپوریشن کے ذریعہ ان طبقوں کے نوجوانوں کو بہت سارے کام کاج کے لئے متوسط درجہ کے قرض فراہم کئے گئے۔ فروری ۱۹۸۴ء تک اس کارپوریشن کے ذریعہ اس شعبے نے ۴۳۰۹۷ افراد کو ۱۰۰۱۵۹۴۸۷۰ روپئے بطور مالی امداد فراہم کرنے کا انتظام کیا۔

گزشتہ مالی سال میں مناسب قیمتوں میں مصارف کی چیزوں کی سپلائی کی اسکیم کے تحت، قبائلی ترقیاتی امداد باہمی کارپوریشن لمیٹڈ نے ۶۸ کثیر المقاصد امداد باہمی سوسائٹیوں کے ذریعہ ان لوگوں کو ۲۳۶۰۰۰۰۰ روپئے کی مالیت کے مصارف کی چیزیں سپلائی کیں۔ نئے جنگلات پالیسی کے تحت ان امداد باہمی سوسائٹیوں کو چھوٹی چھوٹی جنگلاتی مصنوعات کی فروخت کی اجارہ داری کا حق دے دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے گزشتہ

سال قبائلیوں کے لئے کام کرنے کے ۵ ء ۷ ر ۱۰ لاکھ دن پیدا کیے جا سکے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کو مناسب قیمتوں پر آٹو، روٹی اور بسکٹ سپلائی کرنے کے بھی اقدامات کئے گئے۔ بائیں محاذ حکومت نے صدیوں پرانا مطالبہ کو یعنی قبائیلیوں کو جنگلات واپس دیئے جائیں پورا کر دیا۔

شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کو اور بھی زیادہ بیدار کرنے کے لئے تعلیم کی اشاعت پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ اسی مقصد کے تحت تعلیم کے ساتھ ساتھ بچے طلبار کے درمیان غذائی اجناس کی سپلائی کے لئے بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ مزید برآں بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں طلبار کے مختلف ہاسٹلوں میں رہائش کے لئے دئے جانے والے وظیفہ کی رقم کو ۵۰ روپئے سے بڑھا کر ۷۵ روپئے فی کس کر دیا گیا ہے۔ تمام کلاسوں کے قبائلی طلبا کو کتابیں خریدنے کے لئے دی جانے والی رقوم دگنی ہو گئی ہیں۔ اسی طرح ثانوی سطح پر فی الحال تقریباً ۵۰۰۰ طلبار کو ہاسٹل کا کرایہ دیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں ضرورت مند طلبار کے خاندان کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے ۲۹۰۰۰ قبائلی طلبار کو امداد فراہم کی جا رہی ہے۔

اسی سلسلہ میں اقدامات کئے جا رہے ہیں کہ قبائلی اپنی ثقافتی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی ثقافتی ترقی کے کام کو فروغ دیں۔ ثقافتی تحقیق ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے اول چیکی رسم الخط کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس رسم الخط میں لکھی کتابیں سنتھال طلبار کو سپلائی کی گئیں تاکہ بچوں کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دی جائے۔ بائیں محاذ حکومت نے فلاح و بہبود کے جن پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا، اس کے نتیجے میں اس پسماندہ طبقہ کے لوگ اپنے مطالبات کی بابت بیدار ہو چکے ہیں اور انکی تکمیل کے لئے متحد ہونا بھی سیکھ گئے ہیں ۔۔۔

بانی صنا کا

ہم نے جتنی رقم سرکاری خزانے سے مانگی ہتیا لی۔ اور اگر ہم اور رقم مانگتے تو ملتی۔ بات صرف اتنی تھی کہ ہم نے سنا تھا کہ واجد علی شاہ کو خوشبوؤں کی پرکھ بہت زیادہ ہے اسی لئے ہم نے بیت الخلا کی ایک ٹٹی میں صرف ایک سستی پرانی خس لگا دی تھی ۔۔

بشکریہ: نیا دور لکھنؤ

باقی صے کا

کے لیے سنہ ۷۹ء، سنہ ۸۰ء، سنہ ۸۱ء اور سنہ ۸۲ء میں علی الترتیب ۵۹۱۱۴، ۷۱۰۵۴، ۱۷۵۵۹۰ اور ۲۷۰۰۰۰ لوگوں کو امداد فراہم کی گئی۔ سنہ ۱۹۸۳ء میں ایک نشانہ کے مطابق ۵ر۲۵ لاکھ افراد کو خریف اور ربیع کی کاشت کے لئے امداد فراہم کی جائے گی۔

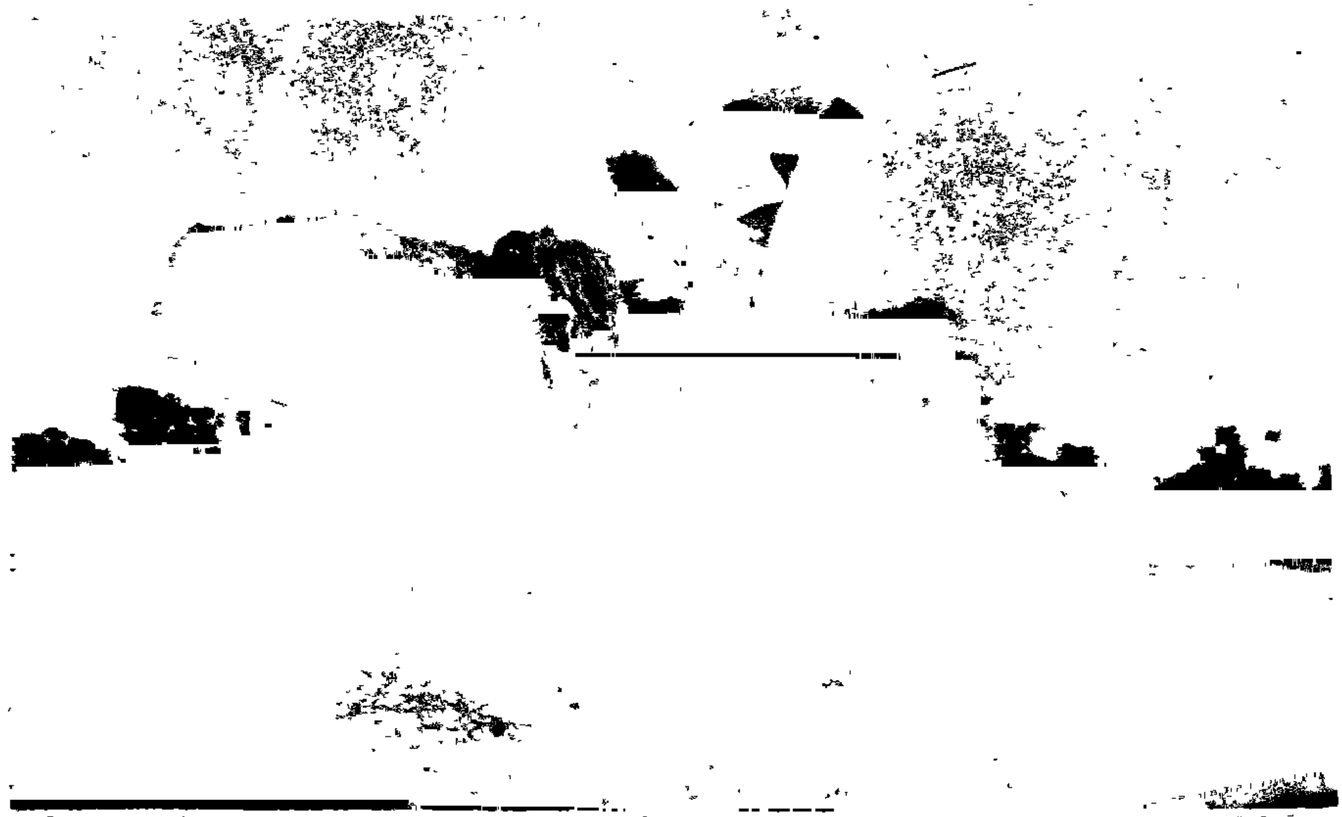
یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرض کی سہولتوں سے مستفید ہونے والوں میں دو تہائی سے زیادہ تعداد شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی ہے۔ اصلاحاتِ آراضی کے مختلف اقدامات سے مستفید ہونے والے ہر پانچ افراد میں سے دو افراد شیڈولڈ کاسٹ اور ایک شیڈولڈ ٹرائب طبقہ کا ہے ۔۔

تصحیح

۱۵ر جولائی سنہ ۸۲ء کے شمارہ میں سید منصور حبیب اللہ، وزیرِ شعبۂ قانون کے مضمون " مغربی بنگال ــــ فرقہ وارانہ عصبیت کے خلاف ایک قلعہ " میں دوسری عبارت میں " ٹیوانگا احتجاجی تحریک کو صرف سنہ ۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فساد کی وجہ سے تقویت ملی تھی " کی جگہ " سنہ ۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فساد کے باوجود ٹیوانگا تحریک کے سلسلہ میں" ہے ـــــــ مدیر



کاشتکاری ـــــــ محنت کا پھل



**Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.**

MAGHREBI BANGAL
1st August 1984

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 14
PRICE 12 Paise

مغربی بنگال میں بدلتے ہوئے صنعتی مناظر



صنعتوں کی افزائش اور ترقی کے لئے ایک سے زیادہ طریقوں سے محرکات کا استحکام کے ساتھ فروغ

مغربی بنگال کی صنعت گذشتہ سات برسوں میں ترقی کی راہ میں بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ بائیں محاذ حکومت کی مسلسل اور باضابطہ تائید اور رہنمائی نے طوائف الملوکی اور جمود، جنہوں نے اس اہم سیکٹر کی رفتار ترقی کو بالکل پست کر دیا تھا، کے رجحان کو پلٹ دیا۔

صنعت کاری کے لئے مشترکہ کوششیں، روزگار کے امکانات مہیا کر [illegible] مزدوروں کی فلاح و بہبود کے تمام [illegible] صنعتوں کیلئے خام اشیا [illegible] ان تمام اقدامات نے صنعتی افزائش کو جلا بخشی اور [illegible] ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔

تاملوک میں الکٹرونک [illegible] الکٹرونک کمپلکس، ناتا میں سرمایہ [illegible] علاقہ میں مجوزہ پٹرو کیمیکل پروجکٹ، سلی گوڑی، الوبڑیا، [illegible] کوچ بہار اور رواحاہ میں صنعتی افزائش کے مراکز۔ ان میں سے ہر پروجکٹ حکومت کی طرف سے وسیع پیمانہ پر روزانہ کی جانے والی کوششوں کا ثبوت ہے۔ بڑی صنعتوں کے سیکٹر میں ریاستی حکومت پر عائد ہونے والے اور بہت سے بیچ تنظر مغربی بنگال کی معاشی اور سماجی ترقی میں ان کا ماحول کی حقیقی طور پر اہمیت عیاں ہو جاتی ہے۔

بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کے ساتھ ہی دیہی اور چھوٹی صنعتوں میں روز افزوں اضافہ حکومت کی پرخلوص کے نتیجہ کا مظہر ہے۔ منظم سیکٹر میں بھی روزگار میں کافی اضافہ ہوا۔ دیہی اور چھوٹی صنعتوں میں، الکٹرونکس سے ہینڈلوم تک، چمڑہ سے ریشم سازی تک ترقی سے روزگار کے نئے مواقع فراہم ہوئے۔ موجودہ روزگار کا مستحکم طور پر تحفظ کیا جا رہا ہے۔ قیمت، ترجیحی پالیسی، خام اشیاء کی باضابطہ سپلائی، مشترکہ کی بیا مارکیٹ انفرا [illegible] بہت ہی سازگار ماحول پیدا کر دیا ہے۔ ترقیاتی ایجنسیں، رضاکار اداروں کے سرگرم تعاون کے ساتھ حکومت ہر سال نئی یونٹوں کے قیام اور فروغ میں سرگرم رہی ہے۔

بہت سارے مسائل کو اب بھی حل کرنا ہے۔ بہت سارے اقدامات اب بھی کئے جائیں گے، لیکن یہاں عوام کی حکومت ہے جو محنت کش عوام کے مفاد کے لئے انتھک محنت کر رہی ہے۔ صنعتوں کی افزائش اور ترقی اور مزدوروں کی رفاہ کے کام کو انجام دیتے ہوئے مغربی بنگال روشن مستقبل کی طرف آگے بڑھ رہا ہے۔

عوام کی مسلسل اور اہم جدوجہد کے سات سال

حکومت مغربی بنگال



مغربی بنگال
یومِ آزادی نمبر
۱۵ راگست سنہ ۱۹۸۴ء

پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

آزادی نمبر

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ ۱۵؍ اگست ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۱۶

شرحِ خریداری

سالانہ : تین روپے ★ اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۲۵ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



ڈاکٹر اشوک مترا، وزیر مالیات، حکومت مغربی بنگال کلکتہ میں ریاستی منصوبہ بندی بورڈ، کلکتہ کے دفتر میں حال ہی میں آٹھویں مالیاتی کمیشن کی سفارشات کی بابت اخباروں کے ایڈیٹروں سے محوِ گفتگو۔

طلوعِ اشتراکیت

جشن بپا ہے کٹیاؤں میں اونچے ایواں کانپ رہے ہیں
مزدوروں کے بگڑے تیور دیکھ کے سلطاں کانپ رہے ہیں
جاگے ہیں افلاس کے مارے، اٹھے ہیں بے بس دکھیارے
سینوں میں طوفاں کا تلاطم، آنکھوں میں بجلی کے شرارے
چوک چوک میں گلی گلی میں سرخ پھریرے لہراتے ہیں
مظلوموں کے باغی لشکر سیل صفت امڈے آتے ہیں
شاہی درباروں کے در سے فوجی پہرے ختم ہوئے ہیں
ذاتی جاگیروں کے حق اور مہمل دعوے ختم ہوئے ہیں
شور مچا ہے بازاروں میں ٹوٹ گئے در زندانوں کے
واپس مانگ رہی ہے دنیا غصب شدہ حق انسانوں کے
روندی کچلی آوازوں کے شور سے دھرتی گونج اٹھی ہے
دنیا کے انیائے نگر میں حق کی پہلی گونج اٹھی ہے
کاندھوں پر سنگین کدالیں، ہونٹوں پر بے باک ترانے
دہقانوں کے دل نکلے ہیں اپنی بگڑی آپ بنانے
آج پرانی تدبیروں سے آگ کے شعلے تھم نہ سکیں گے
ابھرے جذبے دب نہ سکیں گے، اکھڑے پرچم جم نہ سکیں گے

ایک نیا سورج چمکا ہے، ایک انوکھی ضوباری ہے
ختم ہوئی افراد کی شاہی، اب جمہور کی سالاری ہے

ساحر لدھیانوی

بائیں محاذ حکومت اور مزدور

مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے بائیں محاذ حکومت
کے کئے گئے اقدامات کے سلسلے میں ہمارے نامہ نگار نے حال
ہی میں جوٹ ملوں، کارخانوں، چائے باغات اور دیگر صنعتوں کے
مزدور ساتھیوں سے بات چیت کی جس کی تفصیل درج ذیل ہیں :

سوال : مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار
آنے سے آپ لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا ؟

سلطان صدیقی نے جو جوٹ مل میں کام کرتے ہیں اور
شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں، ساحر لدھیانوی کی نظم کے
ان مصرعوں سے گفت و شنید کا آغاز کیا۔

دیکھو دور افق کے چھور سے جھانک رہا ہے سرخ سویرا
جاگو اے مزدور ساتھیو!
اٹھو اے مظلوم انسانو!

اس کے بعد انہوں نے کہا — آپ نے بڑا ہی اچھا
سوال کیا ہے۔ کل ہم مزدور تھے، آج بھی ہم مزدور ہیں لیکن کل
اور آج کے مزدور میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کل کے مزدور
ملوں کی مشینوں اور پرزوں کی طرح تھے اور مالک کے رحم و کرم پر
زندگی گزارتے تھے۔ مالک کی خوشی مزدوروں کی زندگی کا
دار و مدار تھا لیکن آج ہم سب مزدور جاگ اٹھے ہیں۔ ساری دنیا
میں ظالم سامراجیت کے خلاف مزدور اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آج
کے مزدور بیدار ہیں۔ اس کے لئے ہم اپنے کامریڈس کا شکر گزار ہوں

بھائیوں اور بائیں محاذ حکومت کے شکر گزار ہیں۔ بائیں محاذ حکومت
ہماری اپنی حکومت ہے۔ اس حکومت نے برسر اقتدار آنے
کے فوراً بعد ہی ہمارے جمہوری اور ٹریڈ یونین حقوق بحال کر دیے۔
حکومت کے پہلے برسوں میں جب کل مزدوروں نے دو بار ہڑتالیں
کیں، بائیں محاذ حکومت نے مزدوروں کا ساتھ دیا۔ آخر کار
مالکوں کو جھکنا پڑا اور بات چیت کے ذریعہ تنازعات کا تصفیہ
کر لیا۔ مزدوروں کے بہت سارے مطالبات تسلیم کر لئے گئے۔
حال ہی میں بائیں محاذ حکومت کی کوششوں کے ذریعہ چائے
باغات کے مالکوں اور مزدوروں کے درمیان تنازعات کا تصفیہ
ہو گیا۔ اس تصفیہ سے چائے باغات کے مزدوروں کو بہت ساری
سہولتیں فراہم کی گئیں۔ یہی باتیں دیگر صنعتوں میں بھی دیکھی جا
سکتی ہیں۔ ہر جگہ بائیں محاذ حکومت مزدوروں کا ساتھ دیتی ہے۔

شری اربندو مکرجی نے، جو ٹکسٹائل مل میں کام کرتے
ہیں کہا کہ دیکھئے آجکل ملوں میں ہڑتال اور تالہ بندی کے واقعات
میں کافی کمی ہوئی ہے۔ گزشتہ برسوں میں بائیں محاذ حکومت
نے تالہ بندی اور بندش کے بہت سارے کیسوں کا باہمی بات
چیت کے ذریعہ تصفیہ کرا دیا۔ اسی طرح دیگر کارخانوں میں بھی
تالہ بندی اور بندش کے کیس کا تصفیہ ہو جائے گا۔ نیز بہت
ساری چھوٹی صنعتوں میں حکومت نے مزدوروں کے لئے کم سے کم
اجرت مقرر کر دی۔ ریاستی حکومت مسلسل کئی برسوں سے ٹھیکہ
مزدوروں کو مستقل طور پر برسر روزگار بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔

سوال : مزدوروں کی فلاح کے لئے حکومت نے بہت سارے
اقدامات کئے، ان سے آپ کس حد تک مستفید ہوئے ؟

اس کا جواب دیتے ہوئے شری اربندو مکرجی نے
کہا کہ بائیں محاذ حکومت نے بہت سارے اقدامات کئے۔ ابھی
دیکھئے یہاں ٹیٹا گڑھ میں بچوں کی تعلیم کے لئے بہت سارے اسکول
ہیں۔ حکومت نے ان اسکولوں کو تسلیم کر لیا۔ یہاں ایک ٹکنیکل اسکول
بھی ہے جسے حکومت نے تسلیم کر لیا ہے جس سے ہمارے لڑکے لڑکیوں
کو کافی فائدہ ہو رہا ہے۔ صحت عامہ کے سلسلے میں بھی حکومت
نے ٹیٹا گڑھ میں بہت اقدامات کئے۔ یہاں ICDS پروگرام کے

تحت بچوں کی فلاح و بہبود کے بہت سارے اقدامات کئے۔ یہاں کے بستی علاقوں میں گروپ سنٹر قائم کئے گئے اور ہر سنٹر کو ایک ہزار بچوں کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ ان سنٹروں میں مزدوروں کے ایک سال تا تین سال کے بچوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ مزدور جب کام پر چلے جاتے ہیں تو وہ اپنے بچوں کو ان سنٹروں کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ جب کام سے لوٹتے ہیں تو اپنے بچوں کو یہاں سے لے جاتے ہیں۔ یہ مراکز بستی علاقوں میں واقع ہیں جہاں بچوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ انہیں متوازن اور صحت بخش خوراک فراہم کی جاتی ہے۔ انہیں یہاں تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں بی۔ این۔ یو۔ ایس سب ڈویژنل اسپتال بھی ہے۔ یہاں سات سال پہلے اتنی زیادہ طبی سہولتیں فراہم نہیں تھیں جتنی کہ آج ہیں۔ یہاں بستروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور ساتھ ساتھ ڈاکٹروں کی بھی۔ یہاں خون بنک ہے جہاں وقتاً فوقتاً لوگ خون دان دیتے رہتے ہیں اور اچھی بات یہ ہوئی کہ ہمارے رہنما امین صاحب اور کامریڈ جے پرتاپ چندر کی پرخلوص کوششوں سے اور تعاون کے ذریعہ سن ۱۹۷۷ء کے بعد سے تقریباً ۵۰۰۰۰ مزدوروں کے نام راشن کارڈ جاری کئے گئے۔

سوال : یہاں مزدوروں میں باہمی تعلقات کیسے ہیں؟

اس کا جواب دیتے ہوئے شری ہیرالال گپتا نے، جو این۔ جے۔ ایم۔ سی کرشنا یونٹ، پاٹ مل، ٹیٹا گڑھ میں کام کرتے ہیں کہا کہ بڑی اچھی بات آپ نے پوچھی ہے۔ ہم مزدور محنت کرتے ہیں اور روٹی کماتے ہیں۔ یہاں ہم سب ایک ہیں گرچہ یہاں مختلف مذاہب اور فرقے کے لوگ آباد ہیں۔ مختلف بولیاں بولتے ہیں لیکن آج تک یہاں فرقہ وارانہ یا لسانی فساد نہیں ہوا۔ اگر کبھی کچھ تنازعہ پیدا ہوتا ہے تو اسے ہم خود آپس میں مل جل کر تصفیہ کر لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہماری بائیں محاذ حکومت ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کرتی ہے۔ یہاں ہم سب مزدور ایک ہیں اس لئے سماج دشمن عناصر اور مفاد پرستوں کو سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

سوال : پاٹ ملوں کو قومیانے کے مطالبات ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

شری کامریڈ جے پرتاپ چند اور دیگر مزدور بھائیوں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ تمام ملوں کو قومیا لیا جائے لیکن یہاں ایک عجیب بات دیکھنے میں آ رہی ہے کہ سرمایہ نہیں چاہتے کہ ملوں کو قومیا لیا جائے اور اس سلسلے میں مل مالکان مزدوروں کو زیادہ سے زیادہ کام کرانے پر مجبور کرتے ہیں اور چھنٹائی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پاٹ ملوں میں بہت ساری چھوٹی چھوٹی مشینیں ہوتی ہیں جہاں ہم لوگ کام کرتے ہیں۔ مالکان ایسی مشینوں کو خراب کرتے رہتے ہیں اور پھر ان مشینوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو دوسری مشینوں پر کام کرنے کے لئے مجبور کرتے رہتے ہیں۔ پہلے دو مشینوں میں دو مزدور کام کرتے تھے اب ایک مشین میں دو مزدور کام کرتے ہیں اور اس طرح دونوں کی اجرت کم ہو جاتی ہے۔ یہاں ایک مل تو قومیا لیا گیا ہے لیکن وہ مل نقصان پر چل رہی ہے۔ ہم حکومت سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس بات کی چھان بین کرے کہ قومیائی ہوئی ملیں نقصان پر کیوں چل رہی ہیں جبکہ غیر سرکاری ملیں کافی منافع کما رہی ہیں۔

(باقی صـ ۷ کا)

جاوید علی صاحب اور دیگر کسان بھائیوں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے باہمی تعلقات بہت ہی خوشگوار ہیں۔ یہاں ہندو مسلمان سبھی آباد ہیں۔ سب ہی کاشتکار ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ محنت کی روزی کماتے ہیں۔ ہم سب ایک ساتھ مل کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ ہمارے یہاں کبھی فرقہ وارانہ فساد یا لسانی فساد نہیں ہوا۔ کبھی کبھی فساد پرست طبقہ فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اسے ناکامی حاصل ہوتی ہے۔ ہم بائیں محاذ حکومت کے بھی مشکور ہیں کہ اس نے بروقت اقدامات اور احتیاطی اقدامات کر کے شر پسند عناصر کو ابھرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

بائیں محاذ حکومت اور کسان

جناب جاوید علی منڈل، جناب غلام خان، جناب مشتاق احمد اور دیگر کسان بھائیوں سے ملک پور میں ہمارے نامہ نگار نے ملاقات کی اور کسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بائیں محاذ حکومت کی طرف سے کئے گئے اقدامات کے سلسلہ میں گفت و شنید کی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے :

سوال : کاشت کاری کی بہتری اور فلاح و بہبود کے لئے بائیں محاذ حکومت کی طرف سے کئے گئے اقدامات سے آپ کس حد تک مستفید ہوئے۔

جناب جاوید علی منڈل نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ سب سے پہلے ہم اپنی حکومت یعنی بائیں محاذ حکومت کا شکریہ ادا کرتے ہیں کیوں کہ آج ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم بھی انسان ہیں، کسان ہیں۔ اس سے قبل ہماری کوئی ہستی نہ تھی۔ مہاجنوں اور زمینداروں کے رحم و کرم پر ہم زندگی بسر کرتے تھے۔ ہم محنت کرتے لیکن اس کا پھل زمینداروں کو ملتا۔ دن رات محنت کرتے لیکن پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن آج آپ خود دیکھ رہے ہیں ہم لوگ ہل چلا رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ پیداوار کی کوشش کرتے ہیں اور سب سے بڑی بات تو اب ہم ایک کھیت میں کم از کم دو بار فصلیں اگاتے ہیں۔ ہم لوگ اپنے گھر کے چاروں طرف خالی جگہوں میں ساگ سبزی بھی اگاتے ہیں۔ اب ہم دھان حکومت کی ایجنسیوں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں اور ہمیں اس کی اچھی اور مناسب قیمتیں بھی ملتی ہیں۔ اس سے قبل ہمیں دھان کی فروخت کے لئے بڑے کاروباریوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ وہ ہماری غربت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اونے پونے دام میں ہم سے دھان خرید لیتے اور پھر آئندہ کاشت کے لئے ہمیں مہاجنوں سے قرض لینا پڑتا۔ اور کبھی کبھی تو ہم لوگ کلکتہ اور آس پاس کے شہری علاقوں میں جا کر بذات خود چاول فروخت کر دیتے ہیں۔

دوسری طرف کھیتی باڑی کیلئے بھی ہمیں حکومت کی طرف سے بہت ساری سہولتیں فراہم ہیں۔ اب ہمیں مناسب قیمتوں پر سب ضروری چیزیں مل جاتی ہیں جیسے دھان، کھاد، جراثیم کش ادویہ وغیرہ، اگرچہ ہمیں حسب خواہ مقدار نہیں ملتی لیکن کچھ نہ کچھ تو مل ہی جاتی ہے۔

سوال : سیلاب یا بارش سے تو آپ کا علاقہ ضرور متاثر ہوا۔ اس سلسلہ میں آپ لوگوں نے کیا کیا؟

جواب : ایک ضعیف کاشتکار نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ایک بات یاد آرہی ہے مجھے سن ۱۹۴۲ء کے قحط سے تو آپ واقف ہیں۔ اس وقت عالمی جنگ دوم عروج پر تھی۔ اس قحط سے بہت سارے دیہی باشندے بھک مری کے شکار بن گئے۔ گاؤں سے غریب کسان کاسۂ گدائی لے کر کلکتہ آئے اور "بھات"، "بھات" کے "پھین" (ماڑ) کے لئے در در گڑگڑانے لگے۔ آپ کو یاد ہوگا اور یہ خبر اخباروں میں بھی شائع ہوئی تھی کہ کلکتہ کے ایک مشہور ہوٹل میں رات بھر ناچ و رنگ کی محفل جمی رہی اور دوسری صبح اسی ہوٹل کے دروازے پر پانچ چھ آدمیوں کی نعشیں ملیں جو بھک مری کے شکار بن گئے تھے۔ لیکن آج خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج یہاں ہماری حکومت ہے یعنی عوام کی حکومت ہے۔ ہمیں اپنی حکومت پر بجا طور پر فخر ہے۔ گزشتہ سات برسوں میں مغربی بنگال کو کئی بار سیلاب اور خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن کیا کبھی بھی کسی بھی متاثرہ علاقے سے لوگوں کو کلکتہ اور دیگر شہروں میں کسی نے آتے دیکھا۔ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متاثرہ علاقوں میں ریاستی حکومت نے لوگوں کو بروقت امداد فراہم کی اور وسیع پیمانہ پر سڑک کی تعمیر، تالابوں کی کھدائی جیسے کاموں پر لگا دیا۔ اس کے عوض انہیں خوراک اور نقد روپے فراہم کیا جاتا تھا۔ نیز وہاں سیلاب زدگان کی امداد اور آبادکاری کے لئے کافی رقوم خرچ کیں اور انتظام کر دیا ہے۔

سوال : آج آپ کو کیا کیا سہولتیں فراہم ہیں؟

مشتاق احمد صاحب نے جواب دیا : ہمیں بہت ساری سہولتیں فراہم ہیں۔ یہاں پہلے ایک بھی اسکول نہ تھا آج آپ دیکھئے اس گاؤں میں دو تین مکتب ہیں۔ اسٹیشن کے پاس حکومت کا تسلیم کردہ ایک اسکول ہے۔ پھر اس سے تھوڑی دوری پر ایک ہائی اسکول بھی ہے جہاں ہمارے بچے پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں آپ نے ایک فٹ بال گراؤنڈ بھی دیکھا۔ وہاں ایک کلب بھی ہے۔ یہاں کے اور آس پاس کے لڑکے یہاں فٹبال کھیلتے ہیں۔ ہر سال یہاں چیمپئنشپ بھی ہوتا ہے۔ اتنے اچھے اچھے کھلاڑی یہاں ہیں کہ کیا بتاؤں۔ ابھی تو کھیل کا موسم بھی ہے۔ آئیے کچھ کھیل بھی دیکھیں۔ اگر یہاں کے کھلاڑیوں کو ٹریننگ دی جائے تو اچھے کھلاڑی بن سکتے ہیں۔ یہاں سے تھوڑی دوری پر مرکز صحت ہے۔ وہاں علاج کے لئے ہم جاتے ہیں۔ یہاں ایک دو ہومیوپیتھک ڈاکٹر بھی ہیں جو بہت کم قیمت پر دوا دیتے ہیں۔

سوال : دیہی علاقوں میں قانونی حد سے زیادہ سے زیادہ زمین رکھنے والوں کا اور ایسے فاضل قطعات آراضی کی کھوج لگانے کے کام میں آپ لوگوں نے کیا کیا ؟

جناب غلام محمد نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا : قانون کے تحت ایک آدمی زیادہ سے زیادہ کتنے قطعات آراضی کا مالک ہو سکتا ہے یہ بات تو ہمیں معلوم نہیں لیکن بڑے بڑے جوتدار تو ہزاروں ایکڑ زمین کے مالک ہوتے ہیں۔ قانون سے بچنے کے لئے ان لوگوں نے اپنی زمینوں کو اپنے اہل و عیال، اپنے رشتہ داروں، یہاں تک کہ اپنے دوست احباب کے نام منتقل کر دیا ہے۔ فاضل زمین کی کھوج میں یہاں کچھ سرکاری لوگ آتے تھے لیکن انہیں ناکامی حاصل ہوئی۔ ہم لوگ انہیں ساتھ لے کر جگہ جگہ گئے، صرف دو چار جوتداروں کے یہاں کچھ فاضل قطعات آراضی ملے۔ بڑے بڑے جوتداروں نے قطعات آراضی دوسروں کے نام کر دئے۔ لیکن ان کی دیکھ بھال کا انتظام وہ خود کرتے ہیں۔

اب اگر آپ اس علاقہ کے اندر کی طرف جائیں تو آپ بہت سارے بے نامی قطعات آراضی ملیں گے۔ ایسے بے نامی زمینوں کے حقوق ملکیت حکومت کو حاصل ہے اور حکومت نے ایسے قطعات آراضی کو بے زمین غریب کسانوں کو دے دیا۔ کسان وہاں کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے انہیں کاشتکاری کی تمام سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔

سوال : زراعت میں مزید بہتری کے لئے اور بھی کیا کیا کرنے کی ضرورت ہے ؟

جناب مشتاق احمد نے کہا کہ ہم برگدار یا بٹائی دار ... دوسروں کی قطعات آراضی پر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ بیج، کھاد، پانی کا خود ہی انتظام کرتے ہیں اور پیداوار کا نصف جوتداروں کو دے دیتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ پیداوار کی تقسیم ۶۰ اور ۴۰ فیصد ہو جائے۔ ہم محنت کرتے ہیں اس لئے ہمیں پیداوار کا ۶۰ فیصد ملنا چاہئے۔ اگر جوتدار خود بیج، کھاد وغیرہ سپلائی کرے تو برگداروں کو کچھ کم ملے۔ یہ ایک قانون ہے لیکن اسے کوئی استعمال نہیں کرتا۔ جوتدار بے زمین کسانوں کو اجرت پر رکھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کی یومیہ اجرت کی شرح بہت ہی کم ہوتی ہے۔ کیا حکومت اس بات پر غور کرے گی۔

اس کے بعد جاوید علی صاحب نے کہا کہ ابھی آپ نے ہل جوتنے کی ایک چھوٹی سی مشین دیکھی۔ اسے ابھی ایک لڑکا یہاں سے لے جا رہا تھا اسی مشین سے ہل جوتنے کا کام لیا جاتا ہے۔ بیلوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور ایک دن میں بہت سارے قطعات آراضی میں ہل جوتے جاتے ہیں۔ یہ مشین ایک جوتدار کی ہے۔ ہم غریب کسان ہیں۔ اگر حکومت ہمارے لئے ایسی مشینوں کا انتظام کر دے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ کیونکہ ایسی مشینوں کے ذریعہ ہل جوتنے میں آسانی ہوگی اور وقت کی بچت بھی ہوگی اور اس خالی وقت میں ہم کچھ گھریلو دستکاری کا کام کر سکیں گے۔ یہاں تو آپ نے تاڑ کے پتہ کا ستھ پنکھا دیکھا ہے۔ ہم اس کے علاوہ بتہ کا پردہ بھی بناتے ہیں۔ اس طرح یہاں گھریلو صنعت کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔

سوال : آپ لوگ کاشتکار ہیں۔ سب آس پاس ہی رہتے ہیں آپ لوگوں کے مابین تعلقات کیسے ہیں ؟

(باقی صفحہ نمبر ۵ پر)

ماہی پروری اور ماہی گیری

مغربی بنگال کے لوگ بہت شوق سے مچھلی کھاتے ہیں۔ اس ریاست کو سالانہ ۷ر۵ لاکھ ٹن مچھلیوں کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن یہاں مچھلی کی سالانہ پیداوار صرف ۷ر۳ لاکھ ٹن ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمیں دیگر ریاستوں سے مچھلیوں کی درآمد پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ مچھلیوں کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے بائیں محاذ مندرجہ ذیل تین پالیسیوں کو بروئے کار لا رہی ہے (۱) ماہی پروری کے لئے بہتر ٹکنالوجی کا اطلاق (۲) ماہی گیروں کو زیرہ۔ مچھلی کی سپلائی اور مچھلیوں کی پیداوار اور تقسیم کے سلسلہ میں ماہی گیروں کو حسب ضرورت معلومات فراہم کرنا اور (۳) ماہی گیروں کو مچھلی پکڑنے کے لئے جدید ساز و سامان سپلائی کرنا اور سمندر میں ماہی گیری کی ہمت افزائی کرنا۔

سنہ ۱۹۷۷ء کے بعد سے بہتر طریقہ سے زیرہ۔ مچھلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے اور مرکوز طور پر ماہی پروری کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ ماہی پروری کے کام میں مالی نفع کے امکانات سے لوگوں کو واقف کرانے کے لئے تعلیم یافتہ بے روزگار، ماہی گیر اور ماہی گیروں کے طبقہ کے لوگوں کو ماہی گیری میں تربیت دینے کے لئے انتظامات کئے گئے۔ اس سلسلہ میں پنچایتوں کی مدد طلب کی گئی۔ ۳۰۷ بلاکوں کو ماہی گیری بلاک کی طرح شناخت کرکے، ماہی گیری اور ماہی پروری پر زور دیا گیا۔ حکومت کی طرف سے بہتر تکنک کے ساتھ ماہی پروری کے لئے، غیر سرکاری تالابوں میں بھی متعدد اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ان تالابوں میں جہاں ماہی پروری نہیں کی جاتی۔ مشترکہ ماہی پروری کی ہمت افزائی کرنے کے لئے ماہی گیروں کو ساتھ لے کر مختلف سوسائٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ گزشتہ چار برسوں میں اس طرح کی ۲۶۳۳ سوسائٹیاں قائم کی گئیں۔

چھٹے منصوبہ میں مچھلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ۲۸ کروڑ روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ سارے ملک میں جتنی زیرہ مچھلیوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی ۷۵ فیصد صرف مغربی بنگال میں پیدا کی جاتی ہے۔ تقریباً ۲۴ ہیکٹرس دلدلی زمین کو جسے جزوی طور پر استعمال میں لایا گیا یا جسے اب بھی استعمال میں نہیں لایا گیا، ماہی پروری پروجیکٹ کے تحت لانے کے لئے عالمی بنک کی مدد سے منصوبے مرتب کئے گئے۔ دریں اثنا اس پروجیکٹ کو ۱۰۰۰۰ ہیکٹرس دلدلی زمین میں پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ اس ریاست میں ۵۵ شیڈولڈ ٹرائب خاندانوں کی بحالی کا انتظام کیا گیا۔ انہیں فی خاندان ایک ایکڑ دلدلی زمین دی گئی اور دیگر امداد بھی فراہم کی گئی۔ اس ریاست کے دیگر علاقوں میں غریب ماہی گیروں کو زیرہ۔ مچھلیوں کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں مفت فراہم کی جا رہی ہیں، نیز انہیں دیگر سہولتیں بھی فراہم کی جا رہی ہیں۔ سنہ ۸۲-۸۳ء میں کونٹائی اور دیگھا کے ساحلی علاقوں میں ماہی گیروں کی ۶۹ سوسائٹیوں کو مشین سے چلنے والی پانچ کشتیاں، ۱۳۱ دیسی کشتیاں اور سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے ۲۲۰ جال دئے گئے۔ اس کے تحت ۱۲ر۹۷ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ اس کے بعد اس پروجیکٹ کو اور بھی بڑھا دیا گیا۔ اب ۲۴ پرگنہ میں گہرے سمندر میں ماہی گیر ٹرالروں کے لئے ایک ماہی گیر بندرگاہ قائم کر دی گئی ہے۔ فریزر گنج میں ۲۴ر۲ کروڑ روپے خرچ کرکے اس طرح کی ایک بندرگاہ کی تعمیر جاری ہے۔ مزید برآں ریاستی حکومت نے بھی ۱۶ر۸۹ لاکھ روپیہ خرچ کرکے اس قسم کی ایک اور بندرگاہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا ہے۔ سندربن کے نمکین پانی میں ماہی گیری کے لئے سنہ ۱۹۸۰ء سے ماہی گیروں کو مالی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں بنک ۷۵ فیصد رقم بطور قرض دیتا ہے اور حکومت ۲۵ فیصد رقم بطور امداد دیتی ہے۔ بسنرکا آئی لینڈ کے ۱۰۰ ہیکٹرس میں نمکین پانی میں ایک ماہی گیری بند تعمیر کیا گیا ہے۔ ٭ ٭ ٭

شعبہ عدلیہ

مقدمات کی عدالتی کارروائی کرنے میں بہت تاخیر ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے متعلقہ افراد کو کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے اس ریاست میں برسر اقتدار آنے کے بعد پرانے کیسوں کا جلد سے جلد تصفیہ کرنے کے لئے اس ریاست میں ۲۹ نئی عدالتیں قائم کیں۔ ان نئی عدالتوں میں ہوڑہ اور بشیر ہاٹ اڈیشنل جوڈیشیل کورٹ اور ڈائمنڈ ہاربر سب۔ جج کورٹ قابل ذکر ہیں۔ جلپائی گوڑی اور دارجلنگ کی تیز بالدہ اور مغربی دیناجپور کی مشترکہ ضلع عدالتوں کو الگ الگ کرکے ان چار ضلعوں کے لئے الگ عدالتیں قائم کی گئیں۔ لازمی اشیا ایکٹ سے متعلقہ کیسوں کا جلد از جلد تصفیہ کرنے کے لئے ۲۴ نئی عدالتیں قائم کی گئیں اور ۲۴ اڈیشنل جج کے عہدے تیار کئے گئے۔ ہائی کورٹ میں ان مقدموں کی جن کے سلسلہ میں فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ تعداد میں کمی کرنے کے لئے شہری دیوانی عدالت کے مالیاتی دائرہ عمل کو ۵۰۰۰ روپے سے بڑھا کر ایک لاکھ روپیہ کر دیا گیا۔ مقدموں کے جلد از جلد تصفیہ کے کام کو انجام دینے کے لئے مغربی بنگال فوجداری ایکٹ میں ترمیم لائی گئی۔ شمالی بنگال کے لوگوں کی سہولتوں کے پیش نظر جلپائی گوڑی میں کلکتہ ہائی کورٹ کی نشست قائم کرنے کی ایک تجویز حکومت کے زیر غور ہے۔ اس معاملہ میں ریاستی حکومت کو ہائی کورٹ کی منظوری کا انتظار ہے۔ لوگوں کی ضرورتوں کے پیش نظر بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ سات برسوں میں ۱۲ نئے سب۔ رجسٹری دفاتر کھولے۔

شادی کے رجسٹریشن کی ہمت افزائی کرنے کے لئے پرچار کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اور کئی ایک شادی افسران، مسلم شادی

افسران اور قاضی مقرر کئے گئے۔ سماج کے غریب لوگوں کو مفت قانونی امداد فراہم کرنے کے لئے بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۸۰ء میں ایک اسکیم رائج کی۔ شہری علاقوں میں ان لوگوں کو، جن کی سالانہ آمدنی ۷۰۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے اور دیہی علاقوں میں جن کی سالانہ آمدنی ۵۰۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے، اس اسکیم کے تحت قانونی امداد اور مشورے مفت فراہم کئے جا رہے ہیں۔ دیوانی اور فوجداری عدالتوں کے، ٹائپسٹوں، جنہیں کام کے حساب سے اجرت دی جاتی ہے اور اصل کاپیوں کی نقل کرنے والوں کو بائیں محاذ حکومت کے تحت سرکاری ملازمین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔

گزشتہ سات برسوں میں ۵۲۶۰ سیاسی مقدمات کو واپس اٹھا لیا گیا، جبکہ ۱۹۷۷ء تک ایک بھی سیاسی مقدمہ کو عدالت سے واپس نہیں لیا گیا تھا۔

اب اس ریاست میں سیاسی قیدی نہیں ہیں۔ لوگوں کے مختلف طبقوں معہ عورتوں، بچوں، مزدوروں اور بر گداروں کے قانونی حقوق کی، آسانی اور سیدھے سادے الفاظ میں، کتابچے شائع کئے گئے ہیں۔ لوگوں کو ان کے حقوق اور موجودہ قوانین سے آگاہ کرنے کے لئے پروگراموں کو روبہ عمل لایا گیا۔ دستور ہند کے بنگلہ میں ترجمہ کی اشاعت بائیں محاذ کی ایک اور اہم کامیابی ہے ٭٭

(باقی صفحہ ۱۰ کا)

کو بجلی فراہم کی گئی۔

جن دیہاتوں میں بجلی فراہم کی گئی ان میں سے ۱۰۷۶۱ دیہاتوں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگ آباد ہیں۔ بائیں محاذ حکومت کی بجلی پالیسی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ دیہی علاقوں میں بجلی کی فراہمی اور سپلائی کے سلسلہ میں پنچایتوں کے منتخب نمائندوں اور عوامی تنظیموں کے تعاون کو قبول کیا جائے۔ گرچہ بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنا مشکل ہے تاہم پیچیدہ بجلی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بائیں محاذ حکومت انتھک محنت کر رہی ہے ٭

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

توانائی (بجلی)

آزادی کے دوران بجلی کی پیداوار میں مغربی بنگال کا مقام تمام ریاستوں کے سرفہرست تھا۔ لیکن آزادی کے تیس سال بعد اس ریاست نے بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے کوئی قابل ذکر اقدام نہیں کیا۔ اسی عرصہ میں جب مہاراشٹر اور تامل ناڈو نے فاضل ۲۰۰۰ میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کے لئے اقدامات کئے، مغربی بنگال کی حکومت نے اس عرصہ میں بجلی کی پیداوار میں ۴۰۰ میگاواٹ کا اضافہ کیا۔ اس کے نتیجے میں بائیں محاذ حکومت کو ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد ہی سے ایک دشوار صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ بائیں محاذ حکومت نے بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرکے سابق نظام کی بدنظمی اور نااہلیت کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ گزشتہ سات برسوں میں اس حکومت نے بجلی کی پیداوار اور اس ریاست کے مختلف اضلاع میں بجلی کی سپلائی کے لئے ۹۰۰ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کی۔ گزشتہ تیس برسوں میں سرمایہ کاری کے لئے جتنی رقم صرف کی گئی تھی یہ رقم اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے نتیجے میں گزشتہ سات برسوں میں بجلی کی پیداوار میں ۶۱۰ میگاواٹ کا اضافہ ہوا اور اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ حالیہ برسوں میں مزید ۳۵۰ میگاواٹ کا اضافہ ہوگا۔ ایک میزان درج ذیل ہے۔ جس میں بائیں محاذ حکومت کے قبل اور برسر اقتدار آنے کے بعد اس ریاست میں بجلی کے سلسلہ میں سرمایہ کاری اور بجلی کی پیداوار کا ایک موازنہ پیش کیا گیا ہے:

	۷۷-۱۹۷۶ء	۸۴-۱۹۸۳ء	۸۵-۱۹۸۴ء
۱) اخراجات کے لئے مختص رقوم	۲۹ر۵۲ کروڑ روپے	—	۱۲ر۱۷۰ کروڑ روپے
۲) ریاستی بجلی بورڈ کی بجلی پیداوار	۲۳۴۹ر۷ لاکھ کے ڈبلیو اے	۳۷۰۰۰ لاکھ کے ڈبلیو اے (تخمینہ)	۴۶۵۵۰ لاکھ کے ڈبلیو اے (نشانہ)
۳) ریاست میں صلاحیت بجلی کی پیداوار	۱۷۴۹۰ لاکھ میگاواٹ ۵۰۰ کروڑ یونٹ	۲۳۵۹ میگاواٹ	۲۷۰۶ میگاواٹ (نشانہ) ۵۹۰ کروڑ یونٹ
۴) دیہاتوں کی تعداد جہاں بجلی کی سپلائی کی گئی	۱۰۹۸۱ (۲۸ر۹۴ فیصد)	۱۶۲۱۱ (۴۲ر۱۱ فیصد)	—

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ آئندہ چار برسوں میں رامام پن بجلی پلانٹ سے ۵۰ میگاواٹ اور کولہ گھاٹ تھرمل پاور پلانٹ سے ۱۲۶۰ میگاواٹ بجلی فراہم ہوگی۔ ضلع مرشدآباد کے ساگردیگھی میں ۲۰۰۰ میگاواٹ صلاحیت کے ایک بجلی پلانٹ نصب کرنے کی اسکیم پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ بکریشور ضلع بیربھوم میں بھی اسی طرح کے ایک پلانٹ قائم کرنے کی اسکیم زیر غور ہے۔ شمالی بنگال میں تیستا پر ۶۷ر۵ میگاواٹ کے پن بجلی پلانٹ نصب کرنے کے لئے مرکز کی منظوری مل چکی ہے۔ سوتھاما اور منگپو ندیوں کے پانی سے ۹ میگاواٹ پن بجلی پیدا کرنے کے پروجیکٹ کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

بائیں محاذ حکومت نے اس بات پر زور دیا کہ نئے پلانٹس کی تنصیب کے باوجود پرانے پلانٹس کو برقرار رکھا جائے۔ بجلی کی پیداوار پر زیادہ اہمیت دیتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے غیر سرکاری کوششوں کی بھی ہمت افزائی کی اور کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو بج بج کے علاقہ میں نئے بجلی گھر تعمیر کرنے کے لئے مالی اور دیگر امداد دی۔ نیز ریاستی حکومت نے اس کارپوریشن کو دیگر جگہوں میں دوار یونٹیں قائم کرنے کی اجازت دی۔

زرعی اور دیگر ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت نے ابتک ۱۷۵۹۴ (۴۶ر۱۳ فیصد) گاؤں میں بجلی سپلائی کرنے کا انتظام کیا ہے اس کے علاوہ ۲۵۴۱۰ کم گہرے ٹیوب ویلوں، ۲۸۱۲ گہرے ٹیوب ویلوں اور دریا سے پانی اٹھانے کے لئے ۸۵۷ لفٹ پمپس

(باقی صفحہ ۹ پر)

وہ دن کب آئیگا

سید محمد مہدی

وہ دن کب آئیگا
جب روٹی بس روٹی ہوگی
آٹے کی پکی ہوئی روٹی
جب روٹی تقریروں اور مقالوں کا موضوع نہ ہوگی
جب روٹی قومی اور بین الاقوامی جھگڑوں کا موضوع نہ ہوگی
جب روٹی پیسے والوں کا ذاتی مال نہ ہوگی
جب روٹی پر مزدوروں کی ہڑتال نہ ہوگی
جب روٹی مینی فیسٹو کے صفحوں سے اتر کر ہر دسترخوان پر ہوگی
جب روٹی سیمیناروں سے تھک کر بس آٹے پانی نمک کی روٹی ہوگی
جب روٹی کا آٹا ہر گھر میں گوندھا جائے گا
چور بزار میں قید نہ ہوگا
جب روٹی افراط سے ہوگی
جب روٹی پیار سے پکے گی
پیار سے کھائی جائے گی
وہ دن کب آئے گا ؟

(انگولا کے شاعر کوجات اوسورک کی ایک نظم سے ماخوذ)

بشکریہ "حیات" نئی دہلی

اطلاعات و ثقافت

گزشتہ دونوں عام انتخابات میں عوام کی بڑی اکثریت کی تائید سے مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت برسر اقتدار آئی۔ آج مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے سات برس مکمل ہو چکے ہیں۔ بہر حال ملک کے موجودہ وفاقی نظام کے تحت، جہاں بہت سارے مالیاتی، انتظامی اور دستوری اختیارات مرکزی حکومت کو حاصل ہیں، ایک ریاستی حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے لوگوں کے بنیادی مسائل کو حل کر دے۔ اپنے محدود اختیارات سے لوگوں کی روزمرہ کی زندگی کی کم سے کم ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ بائیں محاذ حکومت اس بات پر زور دے رہی ہے کہ سماجی تبدیلی لانے کے لئے لوگوں کو انکی جد و جہد میں مدد کی جائے۔ لوگوں کو ان کے جمہوری حقوق سے روشناس کرانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوامی تعلیم، عوامی رابطہ اور صحت مند ثقافتی رجحانات کو فروغ دیا جائے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت اس بات کی مسلسل کوششیں کر رہی ہے کہ سرکاری مشنری کو اور بھی بہتر طور پر بروئے کار لانے کے لئے لوگوں سے قریبی رابطہ قائم رکھا جائے۔ مفاد پرستوں کے عائد کردہ بہت ساری بندشوں کے باوجود گزشتہ سات برسوں میں بہت سارے صحت مند اقدامات کئے گئے۔ ان اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان صحت مند ثقافت کو فروغ دیا جائے اور اپنی حکومت کے ترقیاتی اقدامات سے باخبر رکھا جائے۔ مغربی بنگال کی تاریخ میں اس قسم کی مثال نہیں ملتی۔

تعلقات عامہ: چونکہ مغربی بنگال میں آبادی کی اکثریت دیہی علاقوں میں آباد ہے، اس لئے بائیں محاذ حکومت نے مضافاتی اطلاعات عامہ کو مستحکم بنانے پر زیادہ زور دیا ہے۔ ۱۹۷۷ء سے قبل [illegible] عامہ صرف سب ڈویژن سطح تک محدود تھا۔ بائیں محاذ حکومت کے دوران اس انتظامی کمی کو دور کرنے کے لئے بلاک سطح پر فیلڈ ورکرس (عملی کارکنندگان) کے ۳۰ عہدے قائم کئے گئے۔

مضافاتی علاقوں میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت کی طرف سے کئے گئے اقدامات اور دیگر ترقیاتی اقدامات سے لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے بہت سارے پروگراموں کو بروئے عمل لایا جا رہا ہے۔ ایسے پروگراموں کے تحت نمائشیں منعقد کی جا رہی ہیں۔ دستاویزی فلم شو کا انتظام کیا جاتا ہے۔ فی الحال ضلع اور سب ڈویژن میں اطلاعات کے دفاتر کو دستاویزی فلمیں دکھانے کے لئے ۹۰ سمعی بصری مشین فراہم کی گئیں۔

دیہی اطلاعات شاخ کو مستحکم بنانے کے لئے ضلع سطح پر فیلڈ انفارمیشن کے ۱۶ عہدے تیار کئے گئے۔ مزید برآں علاقائی دفاتر اطلاعات کو از سر نو منظم کرنے کے بعد وہاں اعلیٰ عہدوں پر افسران مقرر کئے گئے۔

ریڈیو مضافاتی فورم پروگرام کے تحت مضافاتی علاقوں میں اطلاعات کی توسیع کے لئے گزشتہ سات برسوں میں ۲۲۳۸۴ ریڈیو سٹ نصب کئے گئے۔ دوسری طرف ۱۹۷۶ء تک مغربی بنگال کے دیہی علاقوں میں صرف ۱۹۸۴ ریڈیو سٹ نصب کئے گئے تھے۔ اسی طرح ۱۹۷۷ء تک اطلاعات کی فراہمی کے لئے حکومت کی امداد سے ۲۲۶ ٹی. وی سٹ نصب کئے گئے۔ گزشتہ سات برسوں میں اس مقصد کے لئے بائیں محاذ حکومت نے مزید ۹۱۱ ٹی. وی سیٹ نصب کئے۔

۱۹۷۷ء میں سب ڈویژنل مرکز اطلاعات کی تعداد ۱۵ تھی اور اب انکی تعداد ۲۲ ہے۔ ان کے علاوہ تین مراکز اطلاعات، ایک مالدہ میں، دوسرا بہرامپور میں اور تیسرا باگڈوگرا میں قائم کئے گئے۔ یہاں فلم دکھانے والی گشتی یونٹیں بھی ہیں۔ ان مراکز سے چائے باغات کے علاقوں میں مزدوروں کے درمیان

اطلاعات کے نشر کے کام کو اور بھی مستحکم بنا دیا گیا۔ رانی گنج اور اندول میں کانوں کے مزدوروں کے لئے اسی طرح کے دو اور مراکز کھولے گئے۔ نیز سلی گوڑی اور آسنسول میں ریاستی سطح کے دو مراکز اطلاعات کھولے گئے۔ سلی گوڑی میں ایک آڈیٹوریم (سماعت گاہ) کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اس میں ایک جدید اسٹیج بھی تعمیر کیا جائے گا۔ اس ریاست کے باہر کے لوگوں کو بائیں محاذ حکومت کی سرگرمیوں اور خیالات سے باخبر رکھنے کے لئے مدراس، اگرتلہ اور کٹک میں مراکز اطلاعات قائم کئے گئے۔

اس شعبہ کے تعلقات عامہ کے وسیع پروگراموں کی جلد از جلد تکمیل کے لئے اطلاعات، ثقافت اور ضلع کی تنظیموں کو از سر نو منظم کیا گیا۔ تعلقات عامہ کے واسطے کو اور بھی موثر بنانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ تمام اخبارات کو بلا لحاظ سیاسی نظریہ، اشتہارات دئے جاتے ہیں۔ اضلاع کے چھوٹے چھوٹے اخبارات اور ادبی اور ثقافتی رسالوں کو اشتہارات دینے کی پالیسی سے لوگوں کے درمیان ثقافتی بیداری کے فروغ اور اظہار رائے کے امکانات کافی وسیع ہو گئے ہیں۔ اس شعبہ کے رسالوں کی تعداد اشاعت میں بھی کافی اضافہ ہوا اور اب یہ رسالے مقبول عام بن گئے ہیں۔

ریڈیو، ٹی۔ وی اور مختلف اخباروں کے ذریعہ اطلاعات کی اور بھی بہتر طریقے سے نشر و اشاعت کیلئے اس شعبہ کے بیورو کو مستحکم بنا دیا گیا ہے۔ اس شعبہ کی نمائش شاخ کی سرگرمیاں اور بھی تیز تر ہو گئی ہیں اور اس ریاست کے باہر بہت ساری نمائش منعقد کی گئیں۔ مولا علی، کلکتہ میں واقع یوتھ سنٹر میں آزادی کی تحریک کی ایک مستقل نمائش گاہ قائم کی گئی ہے۔

ثقافت کے شعبہ میں باتیں

ثقافتی سرگرمیاں :

محاذ کی یہ بنیادی پالیسی ہے کہ مغربی بنگال کی ثقافت میراث کی حفاظت کی جائے اور اسے مزید مالا مال کیا جائے۔ اس بات کے پیش نظر رکھتے ہوئے اس شعبہ کا نام بدل کر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور رکھا گیا۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں مصنفوں کو اپنی کتابیں شائع کرنے کے لئے عطیات دینے کی اسکیم رائج کی گئی۔ اس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ نوجوان اور ابھرتے ہوئے ادیبوں کی مدد کی جائے۔ بہرحال چند بڑے اور مشہور ادیبوں کی تصانیف کی اشاعت کے لئے اس اسکیم کے تحت عطیات فراہم کئے گئے۔ اب تک اس اسکیم کے تحت ۱۰۴ مصنفوں کو ۱۳۷۰۰۰ روپئے دئے گئے۔ اس شعبہ کی مالی امداد سے تقریباً ۲۰۰ کتابیں شائع کی گئیں۔ ان کتابوں کی قیمتیں بھی کم رکھی گئی ہیں۔ بلاشبہ اس اسکیم نے اشاعت کے میدان میں ایک نئی لہر پیدا کی۔ اس سلسلہ میں کوششیں کی جاری ہیں کہ پریم چند کی منتخبہ تصانیف کا بنگلہ ترجمہ شائع کیا جائے۔ نیز ضرورت مند اسٹیج اور جاترا کے ایکٹروں، مصوروں، سنگ تراشوں اور موسیقاروں کو مالی امداد فراہم کرنے کی گنجائشیں بھی رکھی گئی ہیں۔

گزشتہ چھ برسوں میں ۲۷ مصوروں اور سنگ تراشوں، ۲۰۰ موسیقاروں اور ۳۴۳ اسٹیج ایکٹروں کو ۶۱۴۵۰۰ روپئے دئے گئے۔ اس کے علاوہ ۱۴۹ گروپ تھیٹروں، موسیقی کے ۷۵ اداروں اور مصوروں کی ۱۴ جماعتوں کو عطیات کے طور پر ۱۲۲۸۰۰۰ روپئے دئے گئے۔ تھیٹر تحریک کو فروغ دینے کے لئے ۲۵ افراد کو اسکالرشپ دئے گئے۔ مزید برآں ہر سال تھیٹروں اور جاتروں کے بہترین ڈائرکٹر، اداکار، موسیقار اور پروڈیوسروں اور جاترا لکھنے والوں کو انعامات دئے جاتے ہیں۔ تھیٹر کے میدان میں بہترین خدمات انجام دینے کے لئے "دینا بندھو مترا" انعام دیا جاتا ہے۔ اس انعام کی مالیت دس ہزار روپئے ہے۔ اسی طرح آرٹ اور موسیقی کے میدان میں بھی علی الترتیب ابو نندرا ایوارڈ اور علاء الدین میموریل ایوارڈ بھی اتنی ہی مالیت کے دئے جاتے ہیں۔ ایک آرٹ گیلری کی تعمیر کا کام فی الحال جاری ہے

جماعتی تھیٹروں کے لئے دو آڈیٹوریم، ایک شمالی اور دوسرا جنوبی کلکتہ میں تعمیر کیا جارہا ہے۔ گریش چندر گھوش اور مدھوسدن دت، کے نام پران دونوں آڈیٹوریم کے نام رکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اضلاع میں ڈرامہ تھیٹر بھی بنائے جانے ہیں۔

(باقی صفحہ [illegible] پر)

ماڈرن جیل

ایک قیدخانہ کی فضا ایسی ہونی چاہئیے کہ اس سے قیدیوں کی نفسیاتی اصلاح میں مدد ملے۔ جدید ماہر عمرانیات کی یہی رائے ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں برسراقتدار آنے کے بعد مغربی بنگال میں جیل قانون نظر ثانی کمیٹی قائم کی۔ فی الحال مغربی بنگال میں ۵ سنٹرل جیل، ۱۱ ضلع جیل، ۵ خصوصی جیل، ۱۲ ذیلی جیل، ایک اصلاحی ادارہ، ایک وارڈرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ اور ایک مرکز صحت ادارہ ہے۔

اس ریاست کی جیلوں میں فی الحال دس ہزار قیدی ہیں۔ بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں قیدیوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ اس لئے زیر سماعت ملزمین کو الگ رکھنے کے لئے انتظامات کئے گئے۔ کم سن قیدیوں کو بالکل الگ تھلگ رکھا گیا ہے۔ موجودہ ریاستی حکومت نے عورت قیدیوں کے لئے ایک الگ قیدخانہ تعمیر کرنے کے لئے ایسٹرن بائی پاس کے نزدیک ۳۰ ایکڑ قطعات آراضی کو مخصوص کر دیا ہے۔

اصلاحی خدمات کا انسٹی ٹیوٹ بارا سات میں ہے، اور وہاں ۱۲۲ آوارہ گرد نوجوان ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس انسٹی ٹیوٹ کے ایک لڑکے نے ۱۹۸۲ء میں مدھیامک امتحان بڑے اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ اس نے پانچ موضوعات میں ۸۰ فیصد سے زیادہ نمبر پائے۔

جون ۱۹۸۳ء میں دماغی صحت کا انسٹی ٹیوٹ علی پور اسپیشل جیل میں قائم کیا گیا۔ یہاں فی الحال تقریباً ۲۰۰ پاگل قیدی زیر علاج ہیں۔

فی الحال اس ریاست میں قیدیوں پر مشتمل پنچایتوں کے ذریعہ جیلوں کی بہت ساری سرگرمیوں کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ بائیں محاذ حکومت کے دور میں قیدیوں کو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے ملنے کے زیادہ مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں مغربی بنگال واحد ریاست ہے جہاں ہر خصوصی جیل میں زیر سماعت قیدیوں کو ان کی مزدوری کی اجرتیں دی جاتی ہیں۔ ایسے قیدیوں کو مختلف پیشوں میں تربیت دینے کے لئے بھی انتظامات کئے گئے ہیں تاکہ یہ جیل سے رہائی کے بعد اچھے کام کاج سے لگ جائیں۔

بائیں محاذ حکومت کی قائم کردہ جیل قانون نظر ثانی کمیٹی کی سفارشات پر لالگولہ خصوصی جیل کو کھلی جیل میں تبدیل کرنے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ؂ ؂

(باقی صفحہ نمبر ۱۲ کا)

کلکتہ میں ایک ماترا تہوار بھی منعقد ہوا۔ گزشتہ چند برسوں سے نئی دہلی میں بنگلہ ڈرامہ تہوار باضابطہ منعقد ہو رہا ہے۔ ریاستی سنگیت اکیڈیمی قائم کی گئی تاکہ وہ موسیقی کے میدان میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

ریاستی حکومت نے لوک ثقافت میں بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اضلاع میں باضابطہ لوک تہوار منائے جاتے ہیں۔ یہاں ایک لوک موسیقی خانہ قائم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لوک ثقافت پر ایک رسالہ بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں حکومت مغربی بنگال نے شری ستیہ جیت رائے اور دیگر مشہور و معروف ہدایت کاروں کے تحت کئی ایک فلمیں تیار کی گئیں۔ اس بات کی سارے ملک میں مثال نہیں ملتی۔

اس طرح کی بہت ساری اسکیموں کی تکمیل کے ذریعہ بائیں محاذ حکومت نے ثقافت کے میدان میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہیں۔

پناہ گزینوں کی بحالی و امداد

سنہ ۱۹۷۱ء سے اس بات کا بہ بانگ دہل اعلان کیا جا رہا ہے کہ مشرقی بنگال سے آنے والے ۳۲ لاکھ پناہ گزینوں کی بحالی کا کام مکمل ہو گیا ہے اب چند چھوٹے چھوٹے مسائل تشنہ حل رہ گئے ہیں۔ اس اعلان کے پس پردہ ایک غلط تخمینہ ہے اور ایک غلط پالیسی ہے۔ درحقیقت آزادی کے شکار یعنی مشرقی بنگال سے آنے والے پناہ گزینوں کی بحالی کی بابت سنہ ۱۹۷۷ء سے قبل رائج رویہ یہ تھا۔ جبراً قہراً ایسے ناخوشگوار فرائض کی ذمہ داریاں سنبھالی جائیں۔ سنہ ۱۹۷۷ء تک پناہ گزینوں کی بحالی کا کام عملی طور پر بہت پیچھے رہ گیا۔ اس کی بہت ساری وجوہ ہیں۔ اس مسئلہ کا مناسب طور پر تخمینہ نہیں لگایا گیا۔ پناہ گزینوں کی کالونیوں کی اُٹکل پچو طریقہ سے بحالی کا کام کیا گیا۔ متبادل انتظام کئے بغیر پناہ گزینوں کے کیمپ بند کر دئے گئے۔ اس طرح کے اور ناگفتہ بہ اقدامات کئے گئے۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے ہی بائیں محاذ حکومت نے پناہ گزینوں کے مسائل پر بہت ہمدردی سے غور کیا اور انہیں حل کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ مشرقی بنگال سے آنے والے پناہ گزینوں کی صحیح تعداد ۶۷ر۵۰ لاکھ تھی۔ ان کی مناسب اور مستقل آباد کاری کے لئے ۷.۵۰ کروڑ روپئے کی ضرورت تھی۔ مرکز سے یہ رقم طلب کی گئی، لیکن اب تک اس سلسلہ میں مرکز نے جو کچھ کیا اسے بے التفاتی سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پناہ گزینوں کی معاشی اور سماجی رفاہ کیلئے شہری اور دیہی علاقوں میں ان قطعات آراضی کی جن پر پناہ گزیں زبردستی قبضہ کئے ہوئے تھے، مستقل حقوقِ ملکیت قابض پناہ گزینوں کے نام دینے کے سلسلہ میں بائیں محاذ حکومت نے عرصہ دراز کی کوششوں کے ذریعہ مرکز کو اس بات پر آمادہ کر سکی کہ وہ دیہی علاقوں میں ایسے پناہ گزینوں کو مستقل حقِ ملکیت عطا کر دے لیکن مرکز نے آج بھی شہری علاقوں میں ایسے اقدامات کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کیا۔ فی الحال مرکز نے اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے کہ ۹۹ برسوں کے لئے ملکیت کے پٹے دئے جائیں اور بائیں محاذ حکومت کے دباؤ کے تحت ملکیت کی منتقلی کی دستاویزات بہت حد تک پناہ گزینوں کے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تیار کی گئیں۔ ملکیت کے حقوق کی منتقلی کے کام کو جلد از جلد انجام دینے کے لئے بہت سارے خصوصی سب رجسٹرار کی تقرری کی گئی۔ مستفید ہونے والوں کو عدالتی فیس اور رجسٹریشن فیس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اب تک ۲۹۲۳۶ دستاویزات رجسٹرڈ کی گئیں۔ مختلف کالونیوں میں سڑکوں اور زمین دوز نالوں کی تعمیر اور پانی کی سپلائی کے نظام میں بہتری لانے کے کام پر زور دیا گیا۔ گزشتہ سات برسوں میں ۶۰۰۶ قطعات آراضی پر ترقیاتی کام مکمل کر لئے گئے۔ "ہومس" میں آباد لوگوں کی بحالی کی پالیسی میں ترمیم لا کر از سر نو آباد کاری کی متلاشی پناہ گزین عورتوں کی عمر کی آخر حد کو ۴۵ سال سے بڑھا کر ۶۰ سال کر دیا گیا ہے۔ سال رواں میں رانا گھاٹ کوپرس کیمپ کے ۱۷۳ خاندانوں کی بحالی کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ گزشتہ سات برسوں میں پناہ گزینوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے بہت سارے فیصلے کئے گئے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) اس سے قبل ان پناہ گزینوں کو، جو ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۷۱ء سے قبل ہندوستان میں آئے، تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، لیکن بائیں محاذ حکومت نے اس سلسلہ میں انتظامات کئے، اس تاریخ کے بعد بھی آنے والے پناہ گزینوں کو تسلیم کر لیا جائے۔

(۲) سنہ ۱۹۶۳ء کے بعد آنے والے پناہ گزینوں کو رہائشی مکان کے لئے قطعات آراضی پانے کا حق حاصل نہ تھا۔ بائیں محاذ حکومت نے اس غیر مساوی نظام کو رد کر دیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ اس

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

مضافاتی علاقوں میں پانی کی سپلائی

مضافاتی علاقوں میں پینے کے پانی کی قلت کو دور کرنے کے لئے گزشتہ سات سالوں میں مضافاتی پانی کی سپلائی کی نظامت کی طرف سے مختلف پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔

اس شعبہ کے ۱۹۷۷ء کے ایک جائزے کے مطابق پہلی اپریل ۱۹۷۷ء تک ریاست کے ۳۰۲۷۵ دیہاتوں میں پینے کے پانی کا کوئی مناسب انتظام نہیں تھا۔ آئندہ تین برسوں کے دوران پمپ سے چلنے والے ٹیوب ویلوں کے ذریعہ اور پائپ سے پانی کی سپلائی میں بہتری لاکر دیہاتوں کی مذکورہ تعداد کم ہوکر ۲۳۷۵۲ ہوگئی ہے۔ ۱۹۸۲ء تک پینے کا پانی ۱۱۲۸۰ سے زائد دیہاتوں کو فراہم کیا جاتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پینے کے پانی کی سپلائی اور صحت مند دیہاتی کے تحت ریاست کے ہر گاؤں میں پینے کا پانی مہیا کرنے کے لئے چھٹے اور ساتویں منصوبہ کے دوران تقریباً ۱۳۳۲ کروڑ روپئے کی ضرورت ہوگی۔

اس بات کا بھی تذکرہ لازمی ہے کہ ایم این پی اور اے آر پی کے تحت فی الحال ۲۰۴ پروجیکٹوں پر کام جاری ہے۔ نیز ریاستی حکومت کی طرف سے کم سے کم ضرورت کے پروگرام کے تحت مضافاتی علاقوں میں ہر سال تین ہزار پانی کے وسائل کو تیار کرنے کے سلسلہ میں مصارف کی منظوری دے دی گئی ہے۔

ہر سال تین ہزار "رگ ٹیوب ویل" بھی خشک اور پتھریلے علاقوں میں بٹھائے جارہے ہیں۔

۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء تک اس ریاست میں چالو ٹیوب ویل اور کنویں کی مجموعی تعداد ۱۲۷۹۹ اور ۲۳۹۰۳ تھی۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں کم سے کم ضرورت پروگراموں کے تحت ۱۲۲۷ پانی کے وسائل قائم کرنے کے لئے منظوری دی گئی۔ ۷۸-۱۹۷۷ء سے ۸۳-۱۹۸۲ء تک اے آر ڈبلیو ایس پی پروجیکٹ کے تحت ۱۴۲۳۹ رگ بورڈ ٹیوب ویل بٹھائے گئے تھے ✣✣✣

(باقی صفحہ ۱۵ کا)

تاریخ کے بعد بھی آنے والے پناہ گزین مکانات کے لئے قطعات آراضی حاصل کرنے کے مستحق ہوگئے (۳) ۱۹۷۷ء کے قبل کے عرصہ میں آنے والے پناہ گزینوں کو جو قطعات دئے گئے، ان کی بہتری اور ترقی کے لئے کئے گئے اخراجات انہیں برداشت کرنے پڑتے۔ بائیں محاذ حکومت نے اس طریقہ کار کو ختم کردیا اور ایسے قطعات آراضی کی مفت تقسیم کا انتظام کیا (۴) سابق طریقہ کار کو اسی طرح ختم کرتے ہوئے بائیں محاذ نے بہت سارے تعلیمی اداروں کے ایسے قطعات آراضی مفت تقسیم کئے۔ (۵) حکومت کی زیر ملکیت قطعات آراضی پر جو پناہ گزین آر ہتے ہیں اور جو کاشت کاری کرتے ہیں انہیں ایسے قطعات آراضی کا اجارہ دے دیا گیا۔ (۶) بائیں محاذ حکومت نے غریب پناہ گزینوں کے قرض کو معاف کردیا ہے اس اقدام سے یہ فائدہ ہوا کہ اب پناہ گزینوں کو بنک سے یا دیگر ذرائع سے قرض لینے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

پناہ گزینوں کے مسائل کو دبانے کی جگہ بائیں محاذ حکومت کا یہ خیال ہے کہ ان اجڑے لوگوں کی مناسب طور پر بحالی کے لئے اب بھی بہت کچھ کیا جاسکتا ہے اور ریاستی حکومت اس ذمہ داری کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا عزم کرچکی ہے۔ مغربی بنگال میں پناہ گزینوں کی آبادکاری کے لئے ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۲۷۵۰۰ کالونیوں کو اور ۱۹۸۲ء تک ۶۰۶۰۰ کالونیوں کو بہتر بنایا گیا نیز ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۹۱۸ سرکاری قطعات آراضی کی پناہ گزینوں کو اجارہ داری دی گئی ✣ ✣

پہاڑی علاقوں کی ترقی

مغربی بنگال میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے ہی بائیں محاذ حکومت نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقہ کی معاشی۔ سماجی ترقی کی طرف خصوصی توجہ دی۔

سنہ ۱۹۷۷ء میں پہاڑی ترقیاتی پروگرام کے تحت ترقیاتی اقدامات کئے جا رہے ہیں تاکہ وہاں کے چھوٹے اور حاشیائی کسان زیادہ پیداوار اور زیادہ قیمت کے غلوں کی کاشت کر سکیں۔ ۸۴ء تک ۵۵۰۰۰ قطعات آراضی ایسی کاشتکاری کے تحت لایا گیا۔ اس عرصہ میں ۱۸۰۰۰ ایکڑ میں اعلیٰ پیداوار والے مکئی کی کاشت کی گئی۔ سنہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں دارجلنگ ضلع میں صرف ۲۲۵۲ ایکڑ قطعات آراضی میں نارنگی کے باغات تھے اور اب مجموعی طور پر ۳۹۷۲ ایکڑ قطعات آراضی میں نارنگی کے باغات ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں پھلوں کے باغات کے رقبہ میں اضافہ کرنے کے لئے اخراجات کے سلسلے میں سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۶۲ر۲۶ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ لیکن سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں اس کام کے لئے ۲۶ر۳۴ لاکھ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء سے ۸۴-۱۹۸۳ء تک کے عرصہ میں دارجلنگ پھل اور سبزی پروسیسنگ کوآپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ کو ۷۲ر۱۷ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی گئی تاکہ اس سوسائٹی کو مالی دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء سے ۸۴ء تک جنگلاتی زمین کے تحفظ ڈویژن نے ۷۹ پروجیکٹوں کو کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچایا، اس کے ساتھ ساتھ ۱۷۹۶ ہیکٹارس جنگلاتی زمین کے تحفظ کے لئے اقدامات کئے۔ مغربی بنگال جنگلات ترقیات کارپوریشن لمیٹیڈ نے بھی اسی طرح کے اور ۱۲ پروجیکٹوں میں سے ۷ پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ بائیں محاذ حکومت کے دور میں آب پاشی و آب رسانی کے شعبہ نے اس طرح کے اور بھی ۱۴ پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ ۵۶ پروجیکٹوں کی تکمیل کے بعد زمین کی کٹائی سے کھیتی باڑی کے ۱۳۵۰ ایکڑ قطعات آراضی کو محفوظ رکھا جا سکا۔

کمی یک بلاک ترقیاتی و ناٹرکی ایما پر سنہ ۸۲-۱۹۸۰ء کے دوران ۳۶ر۱۲۴۸ ایکڑ قطعات آراضی کو آبپاشی کے تحت لایا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مزید ۷۲۵ ایکڑ قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ جامع علاقہ ترقیاتی پروگرام کے تحت ۶۰ ایکڑ قطعات آراضی پر مشتمل چار چھوٹے پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ ضلع مضافاتی ترقیاتی ایجنسی نے آب پاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے جو اقدامات کئے ان سے ۴۰۰ چھوٹے اور حاشیائی کسان مستفید ہو رہے ہیں۔ اس کام پر سنہ ۸۲-۱۹۷۷ء کے دوران ۱۲ر۲۲۱ لاکھ روپئے فراہم کئے گئے۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ مویشیوں کو مصنوعی طور سے گابھن کرنے کے لئے سنہ ۱۹۸۴ء تک ۴ مراکز اور ۳۲ ذیلی مراکز قائم ہو جائیں گے۔ نیز پہاڑی علاقوں کے ہر بلاک میں مویشیوں کے علاج کا ایک مرکز قائم کرنے، دارجلنگ میں مویشیوں کے علاج کے ایک ہسپتال کی تعمیر اور کتے کے کاٹنے کے علاج کے انجکشن کے لئے کرسیونگ میں قائم ریسرچ مرکز کی توسیع کے کام جاری ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنہ ۸۰ء سے سنہ ۸۲ء تک مرغ مرغیوں کی پرورش کے مراکز کے قیام اور توسیع کے لئے ۵۹ر۲۱۱ لاکھ روپئے منظور کئے گئے۔ سنہ ۸۲-۱۹۸۰ء میں ۳۰۰۷ ہیکٹارس قطعات آراضی میں جنگل کاری کی گئی نیز ہمالیہ میں ناپید ہونے کے قریب جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لئے دارجلنگ کے پدما جانائیڈو چڑیا خانہ پارک کو اور بھی بہتر بنانے کے لئے مالی امداد فراہم کی گئی۔ اس

باقی صفحہ ۲۶ پر

جدوجہدِ آزادی اور اردو شاعری

از: ایم۔ اے۔ نسیم

اگر یہ کہا جائے کہ اردو شاعری صحیح معنوں میں ہندستان
ی سیاسی تحریکوں کا ایک تاریخی ذخیرہ ہے، تو غلط نہ ہوگا۔ ہر دور
ں ہندستان کی سیاسی تحریکوں کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں
سیاسی شعور اور جمالیاتی اقدار کی بھی ترقی ہوئی۔ اردو شاعروں نے
مرف سیاسی واقعات اور حالات کی تصویریں ہمارے سامنے
یش کیں بلکہ انہوں نے ہر عہد کی سماجی اور سیاسی تحریکوں کو بڑھاوا
یا۔ بقول پروفیسر آل احمد سرور "شاعر سیاسی تحریکوں کے طوفان
ں تنکے کی طرح نہیں بہہ جاتا، بلکہ وہ دریاؤں کا رخ موڑتا ہے اور
جوں کو اپنے قابو میں لاتا ہے۔ وہ طوفان اور انقلاب کے لئے فضا
ار کرتا ہے۔ وہ دلوں کی گہرائی میں اترتا ہے جہاں آرزوئیں مچلتی
ر کروٹ لیتی ہیں اور ان تاریک وادیوں میں ایک بڑے نصب العین
ں شمع جلاتا ہے۔" یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو شاعری نے
طائر زیر دام کا نالہ" سے نہیں بلکہ "طائر بلند بام" کے روح پرور نغمہ
ے لوگوں کو بیدار کیا۔ انہیں جھنجوڑا، خواب غفلت سے بیدار
یا اور ان کے دلوں میں آزادی کی جوت جلادی۔ بقول سردار جعفری
اردو والوں نے آزادی کی جدوجہد کو قومی دائرہ تک محدود
نہیں رکھا۔ اس کے دائرے بین قومیت سے ملائے اور اس طرح ایک
زیادہ جاندار اور ہمہ گیر شعور کو بیدار کیا۔

بہت سارے اردو ادیبوں اور شاعروں نے خاموشی
ے ساتھ مزاحمت کرنے پر زور نہیں دیا بلکہ وہ ملک کو غیر ملکیوں کے
ہتوں سے آزاد کرانے کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان عمل میں
آگئے اور انقلابی سرگرمیوں میں براہ راست حصہ لیا۔ اس صدی کی
دوسری سے چوتھی دہائی تک کا عرصہ ہندستان کی تاریخ میں بڑی
اہمیت کا حامل ہے۔ اس عرصہ میں سارے ہندستان میں جگہ جگہ
سورشیں رونما ہوئیں اور انگریزوں نے بہت سارے محبان وطن کو
پھانسی پر لٹکا دیا۔ مالیگاؤں، ضلع ناسک سے سلیمان شاہ،
مدھو فریدنا، محمد شعبان، اور اسرار اللہ رکھاکر یرودا جیل میں پھانسی
دی گئی۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں کاکوری کیس چلا۔ ۸ راگست سنہ ۱۹۲۵ء میں
شاہجہاں پور میں انقلاب پسندوں کا ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت
رام پرشاد بسمل نے کی۔ انقلاب کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے
اس لئے اس مقصد کی برآوری کے لئے اس جلسہ میں یہ فیصلہ کیا گیا
کہ خزانہ لے جانے والی ٹرین کو لوٹا جائے۔ یہ ذمہ داری اشفاق اللہ
خاں کے سپرد کی گئی اور کاکوری میل کو لوٹ لیا گیا۔ اشفاق اللہ
خاں شہید اور رام پرشاد بسمل دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۸ دسمبر
سنہ ۱۹۲۵ء کو فیض آباد جیل میں دونوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔
اشفاق اللہ خاں اردو کے اچھے غزل گو تھے۔ ان کے چند شعر درج
ذیل ہیں:

> سبھی سامان عشرت تھے مزے سے اپنی کٹتی تھی
> وطن کے عشق نے ہم کو ہوا کھلوائی زنداں کی
> وہ گلشن جو کبھی آباد تھا گزرے زمانے میں
> میں شاخ خشک ہوں، ہاں ہاں اسی اجڑے گلستاں کی
> یہ جھگڑے اور بکھیڑے میٹ کر آپس میں مل جاؤ
> یہ تفریق عبث ہے تم میں ہندو اور مسلماں کی

اسی طرح رام پرشاد بسمل اردو کے وہ شاعر تھے جنکی
غزلوں میں حب الوطنی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ انکی
وہ غزل جو ہندستان کے بچے بچے کی زبان پر تھی آج بھی اس عہد کی
یادگار بن کر ہمارے ذہنوں میں زندہ ہیں:

> سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
> دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

اب آئیے ہندستان کی آزادی کے سلسلہ میں کانگریس

کے قیام کا ذکر کریں۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں سریندر ناتھ بنرجی، آنند موہن بوس اور دیگر بڑے بڑے فرزندانِ وطن نے بنگال میں انڈین ایسوسی ایشن قائم کیا۔ اس کے صدر سریندر ناتھ بنرجی تھے۔ وہ بہت اچھے مقرر تھے۔ انہوں نے ملک کے طول و عرض کا دورہ کیا اور ہر جگہ حب الوطنی کے پیغام کا پرچار کیا۔ ان کی تقریروں کا بہت ہی اچھا اثر ہوا۔ ان کا پیغام سارے ملک میں بجلی کی طرح پھیل گیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۸۳ء میں نیشنل کانفرنس قائم کی گئی اور اس وقت بھی اس تحریک کا مرکز بنگال ہی تھا۔ پھر بمبئی میں سنہ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوا۔ کانگریس نے آزادی کے لئے بہت ساری تحریکیں چلائیں لیکن اسکی تحریکوں کی ایک بورژوا کی نوعیت تھی کہ اس نے برٹش حکومت کے ساتھ آزادی کی جد و جہد میں حد سے زیادہ آئین پسندی کا ثبوت دیا جس کی وجہ سے جیسے جیسے وقت گزرتا گیا بہت سارے لوگ کانگریس سے مایوس ہوتے گئے اور ایک نئے طریقہ کار کی بابت غور و خوض کرنے لگے اور اس طرح آتنک وادی تحریک کا جنم ہوا۔ خود کانگریس میں اعتدال پسندوں اور انتہا پسندوں کے درمیان نظریاتی جنگ چھڑ گئی، لیکن آخر کار انتہا پسندوں کی جیت ہوئی اور کانگریس نے سنہ ۱۹۳۰ء میں اپنے سالانہ اجلاس میں ملک کے لئے مکمل آزادی کی ایک قرارداد منظور کی۔ چنانچہ اسی سال مارچ میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی، ہزاروں کو جیل میں بند کر دیا گیا، ہزاروں محبانِ وطن کو گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔ لیکن تحریک جاری رہی اور اس نے سارے ملک میں قومی استحکام اور وطن پرستی کی زبردست لہر پیدا کر دی۔ اس دور میں اردو شاعری برابر اپنا کردار ادا کرتی رہی۔ تلوک چند محروم، جوش ملیح آبادی، روش صدیقی، جمیل مظہری، آنند نرائن ملا، علی جواد زیدی اور دیگر شاعروں کی مختلف نظمیں اس کا بین ثبوت ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو ادب نے آزادی کی تحریک اور جد و جہد کی مکمل طور پر ترجمانی کی۔

پھر جب پہلی عالمی جنگ سنہ ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تو اس وقت ہندوستان میں ایک مخصوص بیداری پھیل رہی تھی۔ یہ جنگ سنہ ۱۹۱۴ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک جاری رہی۔ اس جنگ نے جو تباہی پھیلائی اس کی وجہ سے بہت سارے محبانِ وطن ہندوستانیوں نے دیگر واقعات کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول کی۔ پھر سنہ ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکیتی انقلاب کی کامیابی نے بڑی تعداد میں ہندوستانیوں کے نظریے میں تبدیلی لائی۔ جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت انقلابی رجحانات بڑی تیزی سے اردو شاعری میں پیدا ہونے لگے۔ اور سماجی دکھوں کا بھرپور اظہار اس دور کی شاعری کا طرۂ امتیاز بن گیا۔ اس دور کے شاعر ملا، یگانہ، مجاز، جذبی، جاں نثار اختر، فیض احمد فیض، مخدوم، سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، علی جواد زیدی، شمیم کرہانی، اسلام مچھلی شہری، احسان دانش اور دیگر شاعروں نے مزدوروں کی دکھی زندگی کو اپنی شاعری کا موضوعِ سخن بنایا۔ آزادی کی خواہش اور غلامی کے خلاف نفرت کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں اقتصادی اور معاشرتی مسائل بھی ابھر کر سامنے آنے لگے۔ ملوکیت اور سرمایہ داری کے خلاف اردو شاعروں نے گویا اعلانِ جنگ کر دیا۔ پھر انہوں نے طبقاتی حرکات اور اقتصادی حالات کی طرف بھی توجہ دی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مارکسزم کے اثرات انقلابِ روس سے بھی پہلے اردو شاعری میں رونما ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں اقبال کی نظم "خضرِ راہ" کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظم سنہ ۱۹۱۱ء کی لکھی ہوئی ہے۔ اس نظم میں سرمایہ و محنت، سلطنت کے زیرِ عنوان جو دردمندی اور جو مجاہدانہ لہجہ ہے اور جس انداز میں بیداری اور عمل کا پیغام دیا گیا ہے وہ اردو کی کم نظموں میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح جاں نثار اختر، کیفی، مخدوم، سردار جعفری، جوش کی نظموں میں ہمیں پیغامِ نو ملتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین قائم کی گئی۔ اپریل سنہ ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں اس انجمن کی پہلی کانفرنس ہوئی۔ اس کی صدارت منشی پریم چند نے کی۔ اس انجمن کو آچاریہ نریندر دیو، یوسف مہر علی، سجاد ظہیر، ڈاکٹر علیم اور دیگر اشتراکیت پسند دوستوں نے بڑھاوا دیا۔ اسے ٹیگور، پریم چند اور ڈاکٹر عبدالحق کی اعانت حاصل تھی۔ ٹیگور نے ترقی پسندوں کے نام جو پیغام دیا تھا اس میں کہا تھا "ملک کا ذرہ ذرہ دکھ کی تصویر بنا ہوا ہے ہمیں اس غم و اندوہ کو مٹانا ہے اور از سرِ نو زندگی کے چمن کی آبیاری کرنا ہے

۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت صوبوں کو خود مختاری دی گئی تھی لیکن اس ایکٹ سے بہت سارے اردو ادیب اور شعراء خوش نہ ہوئے اور انہوں نے اس ایکٹ کے خلاف اور بیرونی تعلقات کی مخالفت اور معاشی اقتصادی تصورات پر مبنی بے شمار نظمیں لکھیں۔ مولانا ظفر علی خاں کی نظم "انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء" احمق پھپھوندی کی نظم "آئین جدید" جوش کی نظم "وفاق" وغیرہ اسی بات کا اعلانیہ اظہار ہیں۔ نیز اس دور میں ترقی پسند شعراء مجاز، جاں نثار اختر، مخدوم، کیفی، جعفری، احتشام، ساحر وغیرہ کی نظموں میں ہندوستان کی آزادی کے جذبے اشتراکیتی نقطہ نظر سے لبریز نظر آتی ہیں۔ اس دور میں جوش ملیح آبادی کی نظم "وفاداران ازلی کا پیام شہنشاہ ہندوستان کے نام" جو انہوں نے جارج ششم کی رسم تاجپوشی پر کہی تھی، کے ایک ایک مصرعہ سے وہ نفرت ٹپکتی ہے جو انگریزوں کے لئے ہر ہندوستانی کے دل میں تھی۔ ۱۹۳۹ء میں جب دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی تو اس وقت جوش ملیح آبادی کی جذباتی نظم "ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام" کو انگریزوں کی حکومت نے ضبط کر لی جوش صاحب کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ اس دور کی چند یادگار نظموں مجاز کی "اندھیری رات کا مسافر" مخدوم کی "اندھیرا" اور "زلف چلیپا" سردار جعفری کی "جنگ اور انقلاب" ساحر کی "کم غنیمت" جاں نثار اختر کی "سویرا" کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس وقت حکومت نے تحریر و تقریر پر پابندی عائد کر دی اور عوام کی آواز کو گھونٹنے کے لئے جیل کے دروازے کھول دیئے۔ بہت سارے رہنما اور محبان وطن گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں اردو ادیبوں اور شاعروں کی تعداد بھی کافی تھی۔ ۱۹۴۱ء میں انگریزوں نے ہندوستان کو آزاد کر دینے کا وعدہ کیا اور گرفتار شدگان کو رہا کر دیا۔ لیکن انگریزوں کا یہ وعدہ وعدۂ فردا بن کر رہ گیا تو پھر ہندوستانیوں نے اگست ۱۹۴۲ء میں "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک شروع کی۔ اس تحریک کو کچلنے کے لئے انگریزی حکومت ظلم و تشدد پر اتر آئی اور بے تحاشا لوگوں کو گرفتار کر کے جیلوں کو بھرنا شروع کر دیا۔ صرف سبھاش چندر بوس اس وقت ہندوستان سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکے۔ انہوں نے آزاد ہند فوج بنائی جو انگریزوں کے لئے وبال جان بن گئی۔ جاں نثار اختر کی نظم "اے ہمرہان قافلہ" اس وقت کی صورتحال کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔ نیز مجاز کی "بدلیسی مہمان سے" اور "خواب سحر" جمیل مظہری کی "موسم کے اشارے" اور فیض کی نظم "بول" اس وقت کے شاعروں کے تیور کی غمازی کرتی ہیں۔

اس کے بعد ۱۴-۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی رات کو،

سینے سے آدھی رات کے
پھوٹی وہ سورج کی کرن

سورج کی کرن پھوٹی اور ہندوستان آزاد ہو گیا۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آزادی کے لئے عملی جد و جہد کی ابتدا سے آزادی کی حصولیابی تک اردو شاعروں نے قربانیاں دیں۔ اشفاق اللہ شہید اور رام پرشاد بسمل کو پھانسی دی گئی۔ مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، جمیل مظہری، گوپی ناتھ امن، سیلارام وفا، فراق گورکھپوری، احمق پھپھوندی، سردار جعفری، مخدوم محی الدین اور نہ جانے کتنے ادیبوں اور شاعروں نے انگریزوں کے ہاتھوں قید و بند کے مصائب جھیلے۔ ان شاعروں کی تخلیقات، دلی جذبات کے جگمگاتے آئینہ ہیں۔

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی سے قبل انگریزوں نے دہلی اور شمالی بنگال کے بہت سارے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا اور ہر جگہ ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور چاروں طرف ویرانی اور مایوسی چھا گئی۔ شاہ ظہور الدین حاتم نے اپنی نظم "ویرانیٔ عالم" میں یوں ذکر کیا ہے۔

کیا بیاں کیجئے نیرنگیٔ اوضاعِ جہاں
کہ بیک چشم زدن ہو گیا عالم ویراں
جن کے ہاتھی تھے سواری کو سو اب ننگے پاؤں
پھرتے ہیں جوتے کو محتاج پڑے سرگرداں

میر تقی میر کی نظم ۔

زندگانی ہوتی ہے سب پر وبال
کنجڑے جھینکیں روتے ہیں بقال
پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال
ایک تلوار بیچے ہے اک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش

واجد علی شاہ اختر کی نظم ۔

شب اندوہ میں روا رو کے بسر کرتے ہیں
دن کو کس رنج و تردد میں گزر کرتے ہیں
نالہ و آہ غرض آٹھ پہر کرتے ہیں
در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہل وطن! ہم تو سفر کرتے ہیں

شیخ غلام علی راسخ کی نظم "درمیان انقلاب زمانہ"

اب اس باغ کا کچھ عجب رنگ ہے
قفس سے بھی تاریک ہے تنگ ہے
عنادل سے نغموں کی آگے تھی دھوم
اب اس میں ہے زاغ و زغن کا ہجوم

تو یہ تھا حالِ زار سارے ہندستان کا جہاں لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تھا ۔ پھر ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے دوران انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا، بادشاہ ظفر کو قید کر لیا اور ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا ۔ انگریز ہر جگہ ظلم و ستم ڈھانے لگے اور دہلی کے بستے اور بسیدھے سادے لوگوں کو مجبوراً دہلی سے فرار ہو کر دوسری جگہ پناہ لینا پڑی ۔ دورانِ قید بادشاہ ظفر نے ایک نظم "نوحۂ غم" کہی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ۔

یہ گنبدِ فلک ہے عجب طرح کا قفس !!
طاقت نہیں ہے نالے کی بھی جس میں اک نفس
جنبش ہو ایک پر کی تو پر ٹوٹ جائیں دس
رہ جائے دل کی دل میں نہ کس طرح سے ہوس
کیا طائرِ اسیر وہ پرواز کر سکے
جس میں نہ آشنا دم ہو کر آواز کر سکے

اسی طرح غالب نے بھی اس منظر کو اپنی نظم "داغِ ہجراں" میں پیش کیا ۔ اس نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں :

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے
زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک
آدمی واں نہ جا سکے یاں کا

پھر خواجہ الطاف حسین حالی نے اپنی نظم "دہلی مرحوم" میں یوں منظر کشی کی ہے :

تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز
داستاں گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز

مذکورہ بالا اشعار سے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بعد دہلی کی تصویر بالکل عیاں ہو جاتی ہے ۔ یہاں انگریزوں نے ظلم و تشدد کے بازار کو گرم رکھا تھا قتل و غارت گری عام ہو گئی تھی لیکن ظالم حکمران شاعروں کی زبان کو بند نہ کر سکے ۔

انگریزوں نے ملک میں تسلط کے بعد یہاں اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کے لئے ہندستانیوں میں پھوٹ ڈالنے کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ کیوں کہ انہیں اس بات کا خدشہ لاحق تھا کہ اگر سب ہندستانی ایک ہو گئے تو ان کے لئے یہاں ٹکنا مشکل ہو جائے گا ۔ اس لئے انہوں نے ایک طرف جبر و تشدد کا بازار گرم رکھا تو دوسری طرف پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کو روبہ عمل لانا شروع کیا ۔ اس وقت اردو کے شعراء خاموش نہیں بیٹھے ۔ حالانکہ ان کی آواز کو دبانے کے لئے سرکاری کوششیں جاری تھیں ۔ اردو شعراء نے لوگوں کے احساس غلامی کو دور کرنے اور ان میں حب الوطنی کے جذبہ کو اجاگر کرنے کی مہم کا آغاز کیا ۔ محمد حسین آزاد نے اپنی نظم "حب وطن" میں پہلے تو اپنے ہم وطنوں کی بے بسی کا ذکر کیا ہے ۔

ٹھنڈے ہیں کیوں دلوں میں نہ جوش ہو گئے
کیوں سب بجھے چراغ ہیں خاموش ہو گئے
حب وطن کی جنس کا ہے قحط سال کیوں
حیراں ہوں آج کل بڑا اس کا ہے کال کیوں
پھر انہوں نے حب الوطنی کا پیغام دیا ہے
الفت سے گرم سب کے دل سرد ہوں بہم
اور جو کہ ہموطن ہوں وہ ہمدرد ہوں بہم
لبریز جوشِ حب وطن سب کے جام ہوں
سرشارِ ذوق و شوق، دلِ خاص و عام ہوں

اسمٰعیل میرٹھی نے اپنی نظم "اچھا زمانہ آنے والا ہے" میں اپنے ہم وطنوں کو اتحاد و یک جہتی کی تعلیم دیتے ہوئے ایک نئے زمانے کی آمد کی پیشن گوئی کی؛

کریں سب مدد ایک کی ایک مل کر
یہی بات واجب ہے ہر مرد و زن پر
نکلے ہاتھ سب کا تو ٹوٹ جائے تعبیر
کہ صبر آنے ہے اچھا زمانہ!

اسی دوران ڈاکٹر محمد اقبال نے سبھوں کے دلوں کو "شعاعِ امید" سے روشن کر دیا ہے

سورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دنیا ہے عجب چیز کبھی صبح کبھی شام
مدت سے تم آوارہ ہو پہنائے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہریٔ ایام
نے ریت کے ذروں پہ چمکنے میں ہے راحت
نے مثلِ صبا طوفِ گل و لالہ میں آرام
پھر میرے تجلی کدۂ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و بیابان و در و بام!

اس صدی کی دوسری دہائی سے لے کر پانچویں دہائی تک کا عرصہ سیاسی، معاشی اور سماجی لحاظ سے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس عرصہ میں دوبار عالمی جنگ ہوئی، اشتراکیت روس سے آہستہ آہستہ دیگر ملکوں میں پھیلنے لگی۔ محکوم قوموں میں بیداری کی لہر پیدا ہو گئی۔ اس دور میں اردو شعراء نے عوام کو بیدار کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس صدی کی دوسری دہائی میں ہندوستان میں جگہ جگہ شورشیں ہوئیں۔ انگریز حکمرانوں نے بہت سارے محبان وطن کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ بہت سارے لوگوں کو جیل خانوں میں بند کر دیا۔ اردو کے بہت سارے ادیبوں اور شاعروں نے بھی اس جد و جہد آزادی میں عملی طور پر حصہ لیا۔ عوامی بیداری کو دیکھتے ہوئے انگریز حاکموں نے ہندستانیوں کو موہ لینے کی کوششیں کیں۔ اور انہیں "ہوم رول" (یعنی اندرون ملک خود اختیار حکومت) دینے کا دعویٰ کیا۔ ہوم رول کے بارے میں برج نرائن چکبست نے "وطن کا راگ" نظم میں ہوم رول کے پس پردہ انگریزوں کی حکومت کی چاپلوسی کو عیاں کر دیا۔

وطن پرست شہیدوں کی خاک لائیں گے
ہم اپنی آنکھ کا سرمہ اسے بنائیں گے
غریب ماں کے لئے درد دکھ اٹھائیں گے
یہی پیام وفا قوم کو سنائیں گے
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

اسی دوران ۱۹۱۹ء میں جلیان والا باغ کا واقعہ ہوا۔ اس باغ میں انگریز حاکموں کے نہتے لوگوں پر حملہ کر دیا اور انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اس حملہ سے بہت سارے لوگوں نے جام شہادت نوش کیا اور بہت سارے افراد زخمی ہوئے۔ مرنے والوں اور زخمیوں میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ اس حادثہ سے متاثر ہو کر تلوک چند محروم نے اپنی نظم "شکوۂ صیاد" میں یوں طنز کیا ہے

حکم تیرا ہے کہ فریاد نہ ہونے پائے
کوئی بلبل کہیں آزاد نہ ہونے پائے
دہر میں شہرت بیداد نہ ہونے پائے
اور مشہور یہ روداد نہ ہونے پائے
نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

اس حادثہ سے ڈاکٹر اقبال بھی بہت متاثر ہوئے

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

لیکن وہ مایوس نہیں ہوتے۔ مادرِ وطن کی آزادی کے لئے اور بھی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ انگریز حاکم آزادی کو سنہری طشتری میں سجا کر ہم لوگوں کو پیش نہیں کریں گے۔ اس کے لئے ہمیں جدوجہد کو جاری رکھنا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو مشورہ دیا کہ وہ آپس کو فراموش کردیں اور ذات پات اور مذہب کی تفریق کو مٹا کر ایک ساتھ ہو کر جدوجہد کریں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ پیغام دیا۔

وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ساغر نظامی نے بھی اپنے ہم وطنوں کو یہ پیغامِ عمل دیا:

اٹھ اے مشرق اور اپنے حق فطرت کی حفاظت کر
جو آزادی ترا مفہوم ہے اس کی حمایت کر
فضا پر غور کر ہر چیز کو حاصل ہے آزادی
بلند اپنی نظر، اپنی طبیعت، اپنی فطرت کر
قریب ایوانِ آزادی ہے کیوں مایوس ہوتا ہے
تبسم کامیابی کا مجھے محسوس ہوتا ہے

سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء کی "عدم تعاون" تحریک، سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء کی "سول نافرمانی تحریک" اور سنہ ۱۹۴۲ء کی "بھارت چھوڑو تحریک" یہ تینوں آزادی کی جدوجہد میں بہت اہم سنگ میل ثابت ہوئیں۔ حکومت نے ان تحریکوں کو دبانے کے لئے ظالمانہ اقدامات کئے۔ تحریکوں میں شرکت کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔ انہیں سماعت کے بغیر حوالات میں رکھا گیا۔ ان کی جائداد ضبط کرلی گئی۔ انہیں شدید اذیتیں پہنچائی گئیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے۔ بہت سے محبانِ وطن کو مار ڈالا گیا۔ لیکن برٹش حکمراں آزادی کی تحریکوں کو دبا نہ سکے۔ صرف یہی نہیں سنہ ۱۹۲۲ء کا کاکوری سازش مقدمہ، سنہ ۱۹۲۹ء کے میرٹھ سازش مقدمہ اور اسی طرح کے دیگر مقدمات ہندستان کی سیاست کے ایک نئے پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایک طرف ملک کی آزادی کے لئے گاندھی جی کی رہنمائی میں جدوجہد جاری تھی تو دوسری طرف مزدور طبقہ اور کسانوں کی پارٹیاں، کسان سبھا اور اسی طرح کی دیگر تنظیمیں آزادی کی جدوجہد میں شامل ہوگئیں۔ کیونکہ جیسے جیسے اشتراکیت کے تصورات پھیلنے لگے ان کی تحریکوں میں تیزی اور شدت پیدا ہوتی گئی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آزادی اور معاشی نجات کی تحریکوں میں اردو ادیبوں اور شاعروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور دار و رسن کی پرواہ کئے بغیر وہ میدانِ عمل میں کود پڑے۔ ان اردو ادیبوں اور شاعروں کو قید و بند کے مصائب جھیلنے پڑے کتنے ایک شاعر تو پھانسی کے تختے پر چڑھ گئے اور اپنی اپنی جانِ عزیز کی قربانیاں دیں۔ اس دوران اردو شاعروں نے عوام کو بیدار کرنے میں بہت ہی موثر کردار ادا کیا۔ انہوں نے عوام کے دلوں کو حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار کردیا اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سارے ملک میں عوامی بیداری کی لہر چھا گئی۔

سودیشی تحریک کی تائید کرتے ہوئے تلوک چند محروم نے عوام کو یوں مخاطب کیا:

وطن کے دردِ نہاں کی دوا سودیشی ہے
غریب قوم کی حاجت روا سودیشی ہے
تمام دہر کی روحِ رواں ہے یہ تحریک
شریکِ حسنِ عمل جا بجا سودیشی ہے
ہو اپنے ملک کی چیزوں سے کیوں ہمیں نفرت
ہر ایک قوم کا جب مدعا سودیشی ہے

پھر عوامی بیداری اور تحریکوں سے رونما ہونے والی صورتحال کو دیکھتے ہوئے حکومتِ برطانیہ نے ہندستان میں سائمن کمیشن بھیجا تاکہ کچھ ٹال دے کر ہندستانیوں کو خوش کر دیا جائے اور یہاں ان کا تسلط قائم رہے۔ اس موقع پر جوش ملیح آبادی نے اپنی نظم "سائمن کمیشن" میں عوام کو خبردار کرتے ہوئے کہا:

لگی ہے گھات میں مدت سے تیری
فرنگی کی نگاہِ جادوانہ!
عدو تیری گرفتاری کی خاطر
مہیا کر رہا ہے آب و دانہ
اگر جینا ہے آزادی سے تجھ کو
سنا دشمن کو بڑھ کر یہ ترانہ
"برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ"

جمیل مظہری نے لوگوں کو اپنی نظم "ولولے برس" میں پیغام دیتے ہوئے کہا ؎

سروں سے باندھ کے کفن، بڑھے چلو بڑھے چلو
امیدوارِ وطن بڑھے چلو بڑھے چلو
دعائیں دے رہی ہے ماں بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں، بڑھے چلو بڑھے چلو

آنند نرائن ملا نے محبانِ وطن کا نعرہ لگاتے ہوئے اعلان کیا ؎

غلامی اور آزادی بس اتنا جانتے ہیں ہم
نہ ہم دوزخ سمجھتے ہیں نہ ہم جنت سمجھتے ہیں
دکھانا ہے دار نے یہ جہاں میں باوفا کیوں کر
نکلتی ہے زباں سے زخم کھا کر مرحبا کیوں کر

ادھر روس میں ۱۹۱۷ء میں اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے بعد اشتراکیت آہستہ آہستہ دنیا کے دیگر ملکوں میں پھیلنے لگی۔ ہندوستان میں بھی اس کا اثر ظاہر ہونے لگا اور ایک نئے قسم کی سماجی شعور اور بیداری پیدا ہو گئی۔ ۱۹۱۸-۱۹ء میں ہندوستان میں مزدوروں اور کسانوں کی جدوجہد نے جامع شکل اختیار کر لی۔ آسام بنگال ریل مزدوروں کی ہڑتال، مدنا پور میں ٹیکس نہ ادا کرنے کی مہم، کشور گنج میں عوامی شورش، پنجاب میں کسانوں کی بغاوت، ملابار میں موپلا بغاوت، ان تمام جدوجہد نے ہندوستان میں برٹش راج کی بنیاد ہلا کر رکھ دی۔ نئی صورت حال نے سماجی نظام کی نو تخلیق پر زور دیا۔ اردو شاعر قومی تحریک کے ساتھ ساتھ، سماج کے کمزور اور غریب طبقہ کی آزادی اور نجات کے لئے میدان عمل میں کود پڑے۔

ساحر لدھیانوی نے اپنی نظم "طلوعِ اشتراکیت" میں نئی صورتحال کی یوں تصویر کھینچی ہے ؎

جشن بپا ہے کٹیاؤں میں اونچے ایواں کانپ رہے ہیں
مزدوروں کے بگڑے تیور دیکھ کے سلطاں کانپ رہے ہیں
جاگے ہیں افلاس کے مارے، اٹھے ہیں بے بس دکھیارے
سینوں میں طوفاں کا تلاطم، آنکھوں میں بجلی کے شرارے
کاندھوں پر سنگین کدالیں، ہونٹوں پر بے باک ترانے
دہقانوں کے دل نکلے ہیں اپنی بگڑی آپ بنانے
آج پرانی زنجیروں سے آگ کے شعلے تھم نہ سکیں گے
ابھرے جذبے دب نہ سکیں گے اکھڑے پرچم جم نہ سکیں گے
ایک نیا سورج چمکا ہے ایک انوکھی ضوباری ہے
ختم ہوئی افراد کی شاہی، اب جمہور کی سالاری ہے

انقلابی شاعر مخدوم محی الدین بھی سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے کا انتظار کرنے لگے ؎

جہل، فاقہ، بھیک، بیماری، نجاست کا مکاں
زندگانی، تازگی، عقل و فراست کا مکاں
اس زمیں پر موت پروردہ کو ڈھایا جائے گا
اک نئی دنیا، نیا آدم بنایا جائے گا۔

سردار جعفری نے بھی "وقت کا ترانہ" لوگوں کو پیش کیا ؎

قافلہ انقلاب کا ہے رواں — بج رہی ہے خوشی کی شہنائی
زلزلوں سے دہل رہی ہے زمیں — لے رہے ہیں پہاڑ انگڑائی
سلگ اٹھی ہے انتقام کی آگ — برف کی چوٹیاں دہکتی ہیں
ظلم اور جبر کے اندھیرے میں — سیکڑوں بجلیاں چمکتی ہیں
جن کو کچلا گیا ہے صدیوں سے — آج تک ان کے دل دھڑکتے ہیں
زندگی کے بجھے ہوئے شعلے — اک نئی شان سے بھڑکتے ہیں

اسرار الحق مجاز نے اپنی نظم "انقلاب" میں حریت کے آفتاب کے طلوع ہونے کی پیش گوئی کرتے ہوئے کہا ؎

آرہے ہیں جنگ کے بادل وہ منڈلاتے ہوئے
آگ دامن میں چھپائے خون برساتے ہوئے
ختم ہو جائے گا یہ سرمایہ داری کا نظام
رنگ لانے کو ہے مزدوروں کا جوشِ انتقام
کوہساروں کی طرف سے "سرخ آندھی" آئیگی
جا بجا آبادیوں میں آگ سی لگ جائے گی
اس طرح لے گا زمانہ جنگ کا خونیں سبق
آسماں پر خاک ہوگی، فرش پر رنگِ شفق
اور اس رنگِ شفق میں باہزاراں آب و تاب
جگمگائے گا وطن کی حریت کا آفتاب

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ محنت کش طبقہ بیدار ہو چکا تھا۔ وہ سب انقلابی جوش و خروش کے جذبہ کے ساتھ آزادی کی تحریک اور اپنی معاشی نجات کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ سرمایہ دار حکومت نے مزدوروں پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا لیکن اسے ناکامی ہوئی اور مزدور آگے بڑھتے ہی رہے۔ جمیل مظہری نے اپنی نظم "مزدور کی بانسری" میں اس کی منظر کشی کرتے ہوئے کہا ہے

بازارِ تمدن بھی ان کا، دنیائے سیاست بھی ان کی
مذہب کا ادارہ بھی ان کا، عادل کی عدالت بھی انکی
پابند ہمیں کرنے کے لیے سو راہیں نکالی جاتی ہیں
قانون بنائے جاتے ہیں زنجیریں ڈھالی جاتی ہیں
پھر بھی آغاز کی شوخی میں انجام دکھائی دیتا ہے
ہم چپ ہیں لیکن فطرت کا انصاف دکھائی دیتا ہے
منظر کی کدورت دھو دے گی، دھرتی کی پیاس بجھائیگی
موسم کے اشارے کہتے ہیں، یہ بدلی کچھ برسائیگی
یہ ابر جو گھر کر آتا ہے گر آج نہیں کل برسے گا
سب کھیت ہرے ہو جائیں گے جب ٹوٹ کے بادل برسے گا

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ انقلاب روس سے بہت پہلے اقبال نے اشتراکیت کا پیغام لوگوں کو دیا۔ انھوں نے اپنی نظم "خضر راہ" میں جسے انھوں نے ۱۹۱۲ء میں لکھا محنت کشوں کو بیدار کیا اور انہیں عمل کا پیغام دیا۔ اس نظم کے چند اشعار "سرمایہ و محنت" اور "فرمانِ خدا" کے عنوانات کے تحت درج ذیل ہیں:

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

فرمانِ خدا (فرشتوں کے نام)

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

پھر ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی۔ اسی دوران ہندوستان میں آزادی کی جد و جہد اور بھی تیز ہو گئی۔ ۱۹۴۲ء میں "ہندوستان چھوڑ دو تحریک" شروع ہوئی۔ جاں نثار اختر اپنی نظم "ابھی نہیں" میں یوں رمز طراز ہیں۔

ابھی تلاطمِ حیات ہے کمالِ اوج پر
ابھی سفینۂ بشر ہے ظلمتوں کی موج پر
چراغِ ماہتاب و سیر آب جو ابھی نہیں
چمکا وہ فرقِ آسماں ابھی وہ تیغِ بے نیام
ہم اپنے ملک و قوم کو کریں گے کیا سلام
جوانیوں کا سر ابھی قدر ابھی لہو نہیں

کیفی اعظمی نے اپنی نظم "آخری مرحلہ" میں پیغام عمل دیتے ہوئے کہا ہے

پھر ایک بار بڑھو سنے کے صلح کا پیغام
پھر ایک بار جبلادر شکوں سے خم ہیں
یہ یاس کیوں؟ یہ تمنائے خودکشی کیسی
نوید فتح ہے قلب عوام کی دھڑکن
مٹا دو اہل کے مٹا دو نشاں غلامی کا
زمین چھوڑ چکا کارواں غلامی کا

۱۵ راگست سنہ ۱۹۴۷ء کو ہندستان آزاد ہوگیا۔ ہندستان کے گھر گھر جشنِ آزادی منایا گیا۔ جاں نثار اختر اپنی نظم "جشنِ آزادی" میں یوں رمز طراز ہیں:

سینے سے آدھی رات کے
پھوٹی وہ سورج کی کرن
برسے وہ تاروں کے کنول
وہ رقص میں آیا گگن
آئے مبارکباد کو
کتنے شہیدانِ وطن
آزاد ہے، آزاد ہے، آزاد ہے اپنا وطن
آزاد ہے اپنا وطن

امین سلونوی نے اپنی نظم "اعلان آزادی" میں اپنی خوشیوں کا اظہار یوں کیا۔

آج یہ محسوس ہوتا ہے جہاں آزاد ہے
یہ زمیں آزاد ہے یہ آسماں آزاد ہے
آج چھوٹے ہیں طلسم قید افرنگی سے ہم
آج اپنی آرزوؤں کی زباں آزاد ہے
خون شہیدانِ وطن کا رنگ لاکر ہی رہا
آج یہ جنت نشاں ہندوستاں آزاد ہے

تو یہ ہے ایک خاکہ، تفصیل تو لے کہہ نہیں سکتے اردو شاعری اور جنگِ آزادی کا۔ آج بھی اردو شاعری قوم کی اقتصادی ترقی کے کیلئے قومی وحدت اور یکجہتی کا ترقی کی رفتار کو تیز تر بنانے کے لئے سرگرم عمل ہے ٭٭

(باقی صفحہ ۔۔ کا)

مقصد کے لئے سن ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۵۵ر۱۶ لاکھ روپے رکھے گئے۔

سن ۱۹۷۸ء سے سن ۱۹۸۰ء تک اور سن ۸۱-۱۹۸۰ء سے سن ۸۳-۱۹۸۲ء تک دارجلنگ میں ۲۱۴۳ اور مزید ۷۶۶ ایکڑ متعلقات آراضی سنکونا کاشت کے تحت لائے گئے۔ اس مقصد کیلئے ۲۹۰ر۹۰ لاکھ روپے سن ۱۹۸۳ء سے اب تک خرچ کئے گئے۔

صحت عامہ انجینئرنگ شعبہ کا پہل پر سن ۸۲-۱۹۸۰ء کے درمیان پہاڑی علاقوں میں پانی کی سپلائی کی ۱۴۶ اسکیموں کو پایہ تکمیل تک پہونچایا گیا۔

تعلیم کے میدان میں ۵۰ پرائمری اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر و تجدید کا کام مکمل کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ پہاڑی علاقوں میں ۵۲ پرائمری اسکولوں کے لئے کھیلنے کے میدان تیار کئے گئے۔ نیز کرسیونگ کالج کی عمارت کی تعمیر کے لئے مزید ۲۰ لاکھ روپے فراہم کئے گئے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دارجلنگ صدر ہسپتال میں ۱۰۰ بستروں کے اضافہ کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں ٭٭٭

مغربی دیناجپور، ہوڑہ اور ہگلی کو امداد

شعبۂ ریاستی امداد نے ۳۰ رجولائی سنہ ۱۹۸۴ء کو مغربی دیناجپور کے سیلاب زدگان کے لئے ۵۰ میٹرک ٹن غلہ دینے کی منظوری دی ہے۔ علاوہ ازیں دوسرے امدادی کاموں کو پورا کرنے کیلئے ۲۵۰۰۰ روپے دینے کی منظوری دے دی گئی ہے۔

ریاستی حکومت نے بھی ہوڑہ کے سیلاب زدگان کیلئے ۲۰ میٹرک ٹن غلہ دینے کی منظوری دی ہے۔ شعبۂ امداد سے ملنے والی خبر کے مطابق ۳۰ رجولائی سنہ ۱۹۸۴ء کو مفلس الحال لوگوں میں تقسیم کے لئے ۲۰۰۰ لباس ہوڑہ ضلع روانہ کئے گئے ہیں۔

٭٭٭

MAGHREBI BANGAL
1 September 1984

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 16
PRICE 25 Paise

اپنے عہد کو دہرانے کا دن

اپنی آزادی کے ستونوں کی حفاظت کیجئے
اتحاد، مساوات، بھائی چارگی اور امن

آزادی کی ۳۷ ویں سالگرہ کے موقع پر ہم ایک بار پھر ان شہیدوں اور لاکھوں لوگوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جنہوں نے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ آج جب ملک کے مختلف حصوں میں انتشار کی آگ بھڑک رہی ہے ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم انتشار پھیلانے والی، استحکام کو کمزور کرنے والی اور علیحدگی پسند طاقتوں کا مقابلہ کریں۔ اور آج کی سب سے بڑی ضرورت آزادی کے ستونوں کی — لوگوں کے درمیان اتحاد، مساوات، بھائی چارگی اور امن — کی حفاظت کرنی ہے۔

بائیں محاذ حکومت مغربی بنگال کو علاقائی، فرقہ وارانہ اور ذات پات کے جھگڑوں سے پاک رکھنے کا مصمم عزم کرتی ہے۔ ایک سچے وفاقی جذبہ کو برقرار رکھنے کیلئے، جس سے ہمارے سماج کے مختلف فرقوں کے درمیان بہتر اتحاد قائم ہو سکے، ہمیں اور بھی اہم جدوجہد کرنی ہے۔

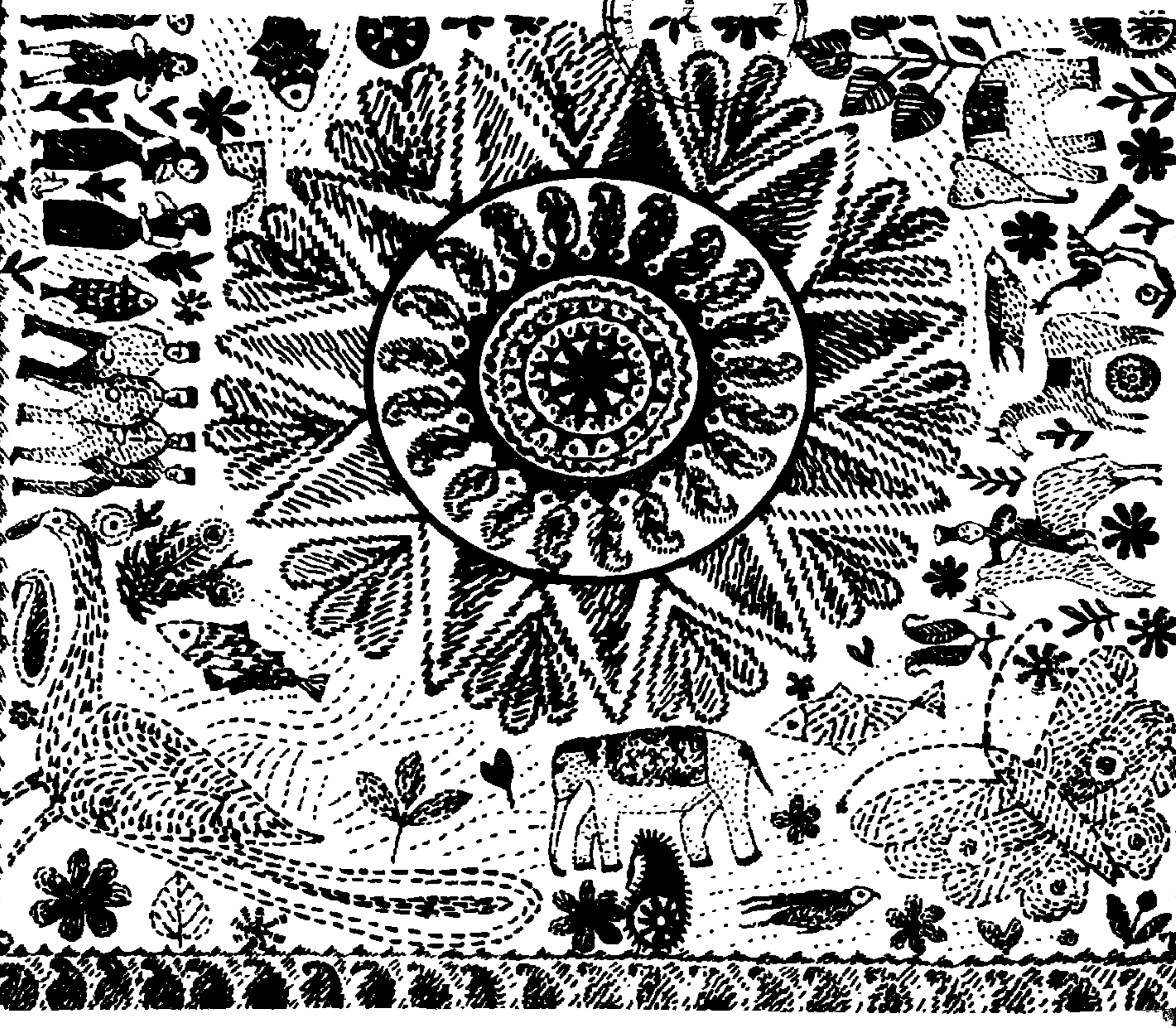
ہم جمہوری قدروں اور آدرشوں کو بحال کرنے کے لئے کوشاں ہیں اور ہم ناانصافی، استحصال اور مفاد پرستی کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

آج اس اہم دن کے موقع پر ہم عوام کی خدمت کرنے اور قومی یکجہتی اور ایکتا کی حفاظت کرنے کے عہد کو پھر سے دہراتے ہیں

حکومت مغربی بنگال

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتمن جٹاچاریہ

مدیر : دھریندر ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ یکم ستمبر ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۱۷

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے قیمت : ۱۲ پیسے فی پرچہ

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳-آر-این-مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



۱۲ر جولائی ۱۹۸۴ء کو امریکہ سے واپس آنے کے بعد وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کا دمدم ہوائی اڈہ پر شری پروشانتو سور، ڈاکٹر ایمبرلش مکھوپادھیہ اور وزیر اعلیٰ کی اہلیہ محترمہ شریمتی کملا باسو استقبال کرتے ہوئے۔

قومی یکجہتی

از: سید منصور حبیب اللہ — وزیر عدلیہ و قانون ساز شعبہ

"روسی پرولتاریت کے ارد گرد سابق دور کے مظلوم لوگوں کے اتحاد کی راہ میں دوسری بات جو سدِ راہ ثابت ہو رہی ہے وہ ہے حقیقی عدم مساوات، جسے ہم نے زارشاہی کے دور سے میراث میں پایا تھا۔ ہم نے قانونی حیثیت کی مساوات کا اعلان کیا اور اسے ہم روبہ عمل بھی لا رہے ہیں، لیکن قانونی حیثیت کی مساوات، گرچہ بذات خود سوویت عوامی جمہوریہ کی ترقی کی تاریخ میں کافی اہمیت کی حامل ہے، اب بھی حقیقی مساوات سے بہت دور ہے۔"

(۲۳ / اپریل سنہ ۱۹۲۳ء کو منعقدہ روسی کمیونسٹ پارٹی کے ۱۲ویں اجلاس میں مسٹر جے۔ وی۔ اسٹالن کی تقریر)

اسٹالن نے اپنی مذکورہ بالا تقریر میں نہ صرف قومی یکجہتی کے خلاف سرگرم عمل مختلف قوموں اور جماعتوں کی خصوصیات کا تجزیہ کیا ہے بلکہ انہوں نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ اہم اور ترقی یافتہ قوموں کے برژوائی طبقہ ایک طرف اکثر دوسروں کو زیر تسلط رکھنے اور کمزور قوموں کے مسائل سے غفلت برتنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسری طرف چھوٹی اور کمزور قوموں کے ابھرتے ہوئے برژوائی طبقے ترقی کے قومی دھاروں کو اور دفاع خود کے اقدامات کو جارحیت میں تبدیل کر کے اتحاد و یکجہتی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ انہوں نے مزید اس بات کو بھی عیاں کیا کہ کبھی کبھی مختلف قوموں کے کمیونسٹ بھی برژوائی تصورات اور جذبات کے شکار بن جاتے ہیں۔

کامریڈ اسٹالن کی اس تقریر سے ہندستان کی قومی یکجہتی سے وابستہ مسائل پر گفت و شنید کرنے کے لئے ہمیں چند اہم نکات

ملتے ہیں، گرچہ یہ حقیقت ہے کہ وہ طبقہ جو قومی یکجہتی کے مسئلہ کو حقیقی معنوں میں حل کر سکتا ہے، یعنی پرولتاریتی طبقہ، اب بھی قومی سطح پر بہت ہی کمزور کردار ادا کرتا ہے۔ اس سال ہم لوگوں نے پنجاب اور آسام کے آتشیں مسائل، تری پورہ اور منی پور میں انتہاپسندوں کی سرگرمیوں اور تلنگانے، بھیونڈی، پونے، بمبئی اور حیدرآباد میں فرقہ وارانہ فسادات کے درمیان ۱۵ / اگست کی خوشیاں منائیں۔ لیکن یہ باہمی تنازعات ختم نہیں ہوئیں۔ اس بڑھتی ہوئی عداوت اور لڑائی جھگڑے کو روکنے کے لئے متحدہ طور پر کوششیں نہیں کی گئیں۔

موازنہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے بیان کی وضاحت کرنے کے لئے میں یہاں سنہ ۱۹۴۶ء میں کلکتہ، نواکھالی اور بہار کے فسادات کا اور کس طرح ان کا مقابلہ کیا گیا، ان کا ذکر کر سکتا ہوں۔ گاندھی جی کی سربراہی میں فرقہ واریت کے خلاف ایک قومی مزاحمتی جماعت کی تعمیر کی گئی۔ گرچہ اس وقت ہماری پارٹی (کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا) چھوٹی اور کمزور تھی، لیکن اس نے متحدہ مزاحمتی تحریک میں بہت ہی اہم کردار ادا کیا اور ہر امن تحریک میں پیش پیش رہی۔ ہمارے کامریڈوں نے امن کے لئے جدوجہد میں اپنی اپنی جانِ عزیز کی قربانی دی۔ اس وقت کی کمیونسٹ پارٹی، جب اس نے جدوجہد میں شرکت کی، اپنے تنگ دائرہ سے باہر نکل سکی اور اس طرح عوام نے اسے پہچانا۔ اس بات کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے میں اس پارٹی نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ گرچہ ہم لوگ آج بھی افتراق پسندوں کے خلاف سخت جدوجہد کر رہے ہیں اور جب کبھی بھی ایسا واقعہ رونما ہوتا

ہے تو ہم اس میں مداخلت کرتے ہیں لیکن ہمیں آج بھی عام مزاحمت کے لئے قومی پیمانہ پر ایک متبادل صورتحال پیدا کرنی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے منفی رخ سے اس مضمون کا آغاز کیا لیکن میرے خیال میں صورتحال کی شدت اور اہمیت پر زور ڈالنے کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔ مقامی یا ملک گیر طور پر قومی وحدت اور یک جہتی کے لئے مزاحمتی تحریک کو مستحکم بنانے کیلئے ہمیں اس صورتحال کا احساس ہونا چاہئے تھا۔ لیکن کیا صرف قومی سطح پر مزاحمتی تحریک کی غیر موجودگی ہے؟ حقیقت اور بھی ابتر ہے۔ مہاراشٹر کے بھیونڈی، بمبئی اور پونے کے فرقہ وارانہ فسادات میں یہ بات دیکھی گئی کہ جہاں ہندو اور مسلمان فرقہ وارانہ طاقتوں نے اپنے پیروکاروں کو شہ دی کہ وہ فسادات شروع کر دیں، وہاں حکمراں پارٹی کے سیاسی پیروکاروں اور انتظامیہ کی مشنری کے ایک حصہ نے فسادیوں کے ساتھ براہ راست اور بلاواسطہ تعاون کیا۔ محنت کش طبقہ کے خیالات کو کمیونسٹ نصب العین سے دوسری طرف موڑنے کے لئے بمبئی کے کانگریسی سربراہوں نے شیوسینا لیڈر، بال ٹھاکرے کو مقبول عام بنا دیا۔ پھر کانگریسی سربراہ انتولے، سابق وزیر اعلیٰ، کو پرتیبھا ٹرسٹ کا ایک متولی بنا دیا گیا اور یہ صاحب ٹھاکرے کے زبردست پیروکار ہیں۔ حاجی مستان اور ان کے ساتھیوں کے خلاف کوئی چارج شیٹ پیش نہیں کیا گیا۔ ان لوگوں کو فسادات میں ساجھی ہونے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ خبریں نہ صرف کمیونسٹ رسالوں میں بلکہ تمام اخبارات میں شائع ہوئیں جب تری پورہ کی حکومت اپنے انتظامیہ اور اپنی پولس پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے، دیہاتوں میں قبائلیوں اور بنگالیوں کے درمیان ہم آہنگی کے قیام اور فروغ کے لئے کوششیں کرنے لگی تو مرکزی سربراہ، قبائلی نوجوانوں کی تنظیم سے معاہدہ کرکے، اصولاً اور عملاً قبائلی افتراق پسندوں کی بھرپور تائید کرنے لگے۔ پنجاب میں بھنڈراں والے اور افتراق پسندوں کو دبانے کے لئے فوجی اقدامات کئے گئے، لیکن درحقیقت اکالیوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے مرکز نے فوجیوں کی مدد اور تائید کی۔ ایک اخبار میں یہ خبر شائع کی گئی کہ راجیو گاندھی نے بھنڈراں والے کی بابت یہ کہا کہ بھنڈراں والے ایک مذہبی رہنما ہے۔ یہ بات تو فطرتی طور پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس طرح سے گولڈن ٹیمپل کو فوجی چوکی میں بدل دیا گیا، ویسا کرنا مرکز کی تائید کے بغیر ناممکن تھا۔ جب حکمراں پارٹی کا رویہ یہی رہا تو کیا خوب اختلاف موافق صورتحال سے دوچار ہوں گے؟ ہر شخص قومی یکتا اور یک جہتی کا ذکر کرتا ہے لیکن شمالی ہندوستان کی دو اہم مخالف پارٹیاں لوک دل اور بی جے پی، کھلے عام ہندو فرقہ واریت کی تائید کرتی ہیں۔ پنجاب کی موجودہ صورتحال کے لئے یہ لوگ بھی کچھ کم ذمہ دار نہیں ہیں گرچہ اکالیوں کی طاقت کو کچلنے کیلئے بھنڈراں والے کو تیار کیا گیا۔ آسام میں بائیں پارٹیوں میں سے ایک اہم پارٹی نے ۱۹۷۱ء سال کو بنیادی سال کی طرح تسلیم کر لینے کی تائید کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں مختلف علاقوں میں قومی مخالف پارٹیوں نے فرقہ وارانہ اور افتراق پسند طاقتوں کی مدد کی۔ دوسری طرف حکومت اور حزب اختلاف کی اس سلسلہ میں ایک ہی رائے ہے کہ موجودہ صورتحال میں افتراق پسند طاقتوں کو غیر ملکی طاقتیں مدد کر رہی ہیں اور ایسی طاقتیں ہمارے ملک کی مشکلات سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج ہم جس خطرناک صورتحال سے دوچار ہیں اس سے قبل ہم ایسی صورتحال سے دوچار نہیں ہوئے تھے۔ آزادی کے قبل کے دنوں میں اس کا بیج بویا گیا تھا۔ اسٹالن نے اپنی اسی تقریر میں یوں کہا تھا "ہندوستان میں آٹھ سو سے کم قومیت کے لوگ آباد نہیں ہیں اور برطانیہ عظمیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ آٹھ سو قوموں کی بابت الگ الگ فکر کرنے کی جگہ یہ بہتر ہوگا کہ ان میں سے چند قوموں کو چن لیا جائے اور انہیں چند سہولتیں اور مراعات دی جائیں اور ان کے ذریعہ باقی قوموں پر حکومت کی جائے۔ اس سے دو فوائد ہوں گے۔ پہلا یہ کہ دیگر قوموں کے غم و غصہ کا نشانہ مراعات پانے والی قومیں نہ کہ برطانیہ عظمیٰ بنے گی۔ اور دوسرا یہ کہ سو قوموں کی جگہ دو تین قوموں سے نپٹنا آسان ہوتا ہے"۔ آج یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی کہ برٹش کے تیار کردہ منصوبہ کے مطابق کم و بیش ہمیں آزادی ملی۔ قومی یکجہتی سے وابستہ بنیادی مسائل کے پیچھے جو

باتیں پوشیدہ ہیں وہ یہ ہیں کہ ایک طرف تو ہندوستان کی آبادی کا ترقی یافتہ اور خوشحال طبقہ چھوٹے اور کمزور طبقوں کی ضرورتوں سے غفلت برتتا ہے۔ اور دوسری طرف مقامی، پسماندہ اور نوزائیدہ بورژوا تنازعات اور نا انصافی اور نا اتفاقی پیدا کرنے کے لئے ماحول کو ہموار کرنے کی مسلسل کوششیں کر رہے ہیں۔ اس لئے اس بات کی ضرورت آن پڑی ہے کہ تمام سمجھدار لوگوں کو بلا لحاظ سیاسی پارٹیاں، افتراق پسند طاقتوں کے خلاف اور قومی اتحاد اور یکجہتی کو مستحکم بنانے کے لئے متحد کیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ قومی یکجہتی اور کثرت میں وحدت جس کا اب تک ہم پرچار کرتے آرہے ہیں، کا عام پیغام موجودہ صورتحال کو تبدیل کرنے میں کافی نہیں ہوگا۔ ہمیں اور بھی گہرائی میں جانا پڑے گا اور قومی نفاق اور تفریق کے بنیادی سماجی۔ معاشی وجوہ کی شناخت کرنی ہوگی۔ ان کے حل کے لئے حسب ضروری انتظامات کرنے ہوں گے۔ قومی اتحاد کے ساتھ جو مسئلہ ہے دراصل وہ سماج اور معیشت کی غیر مساوی ترقی کا مسئلہ ہے۔ ہمارے ملک میں امارت کے جزائر غربت اور نابرابری کے طوفانی سمندر سے گھرے ہوئے ہیں۔ قدیم جاگیردارانہ استحصال اور دیہاتوں پر مبنی سماج سے ابھرنے والے نیم جاگیردارانہ۔ سرمایہ دارانہ نظام کی چوکھٹ پر ہمارا موجودہ سماج کھڑا ہے۔ گزشتہ ۲۷ برسوں میں ہمارے سماج میں کسی قسم کی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ ایک ہی جگہ ساکت کھڑا ہے۔ گرچہ اس عرصہ میں سرمایہ داری کی اجارہ داری کی خصوصیات کافی نمایاں ہو گئیں۔ سماج کے مختلف سطحوں کے درمیان خلا بڑھتی ہی جا رہی ہے، ہندوستان کے مغربی اور شمال مغربی علاقوں کی بہ نسبت مشرقی، مرکزی اور جنوبی علاقہ ترقی کے میدان میں کافی پیچھے ہیں۔ بے زمین کسانوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ استحصال میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور لوگوں سے کی جانے والی ناانصافی خاص طور پر بے ہنر مزدوروں کے ساتھ، جن میں شیڈولڈ کاسٹ فرقہ کے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ مسلم اقلیت، خاص طور پر پڑھے لکھے مسلمان یہ محسوس کر رہے ہیں کہ انہیں

تعلیم، روزگار، کاروباری، پرمٹ لائسنس وغیرہ کے میدانوں میں حکومت کی طرف سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ تری پورا کے وزیر اعلیٰ نے تری پورہ کے قبائلی نوجوانوں کی بے چینی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب بھی ایک قبائلی نوجوان اگرتلہ میں آتا ہے تو اس کی رہائش اور حسب ضروری سہولتوں کے لئے کوئی مناسب انتظام شہر میں نہیں ہے۔ شری زین جیکرورتی کی یہ باتیں کلکتہ اور مغربی بنگال پر بھی صادق آتی ہیں۔ جب شمالی بنگال کا ایک راج بنسی گھرانا نوجوان یا جھاڑگرام یا پرولیا سے ایک سنتھالی نوجوان کلکتہ آتا ہے تو کیا وہ اس شہر کو بنگالی نوجوان کی طرح اپنا شہر سمجھتا ہے؟ ہر جگہ ایسے لوگ ہیں، جن سے غفلت برتی گئی ہے، اس تفاوت کا حل چاہتے ہیں۔ وہ لوگ جو مقابلتاً کچھ بہتر حالت میں ہیں، اپنی سہولتوں کے ایک جز بھی انہیں دینا نہیں چاہتے۔ اس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ اور تفریق پسند قوتیں اپنا سر اٹھاتی ہیں۔ جیسے جیسے دن گزرتا جاتا ہے، ویسے ویسے پوری سرمایہ دار دنیا کا مسئلہ بھی شدید اور پیچیدہ بنتا جا رہا ہے، اور اس سے ہمارے اندرونی مسائل بھی پیچیدہ بنتے جا رہے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معیشت کے قانون کے مطابق بحران کے بوجھ کو سماج کے غریب طبقہ کے لوگوں کے کاندھے پر لاد دیا جاتا ہے اور ایسا تو خاص طور پر زرعی معیشت کے نظام میں ہوتا ہے۔ غیر ملکی بازار میں صنعتی چیزوں کی قیمتیں جیسی بڑھتی ہیں، عالمی بازار میں زیادہ سے زیادہ خام اشیاء بھیجی جاتی ہیں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غیر ملکی تجارت میں بڑھتی ہوئی کمی کو پورا کیا جائے۔ آج جیسے جیسے مسائل بڑھتے جا رہے ہیں ایک طرف سماج کا امیر طبقہ غیر مساوی معاشی صورتحال کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے اور دوسری طرف یہی طبقہ ہر قسم کی افتراق پسندی کی مدد کرتا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ عوام کی، جن کا استحصال کیا جاتا ہے، متحدہ مزاحمتی کوششوں کو ناکام بنا دیا جائے۔ لینن نے اظہار رائے کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ قوموں کے مسئلہ کے سوال پر قومی بورژواؤں کے جو خیالات ہیں محنت کش طبقہ کے خیالات ان سے مختلف ہیں۔ انہوں نے کہا تھا "محنت کش طبقہ کی جدوجہد کے نقطۂ نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ طبقہ قومی ریاست کی مساوات

اور مساوی حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے تمام قوموں کے پرولتاریوں کے اتحاد کو کافی ترجیح دیتا ہے اور اسی کی روشنی میں قومی مطالبات کا تخمینہ کرتا ہے۔ محنت کشوں کے لئے اہم بات یہ ہے کہ دو رجحانات کے اصولوں میں تمیز کیا جائے۔ جب تک مظلوم قوم کا برژوا طبقہ ظالموں سے جدوجہد کرتا ہے، ہم ہر معاملہ میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہیں، کیوں کہ ہم ظلم کے کٹر دشمن ہیں۔ لیکن جب مظلوم قوم کے برژوا اپنی برژوائی قومیت کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، ہم ان کے خلاف کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ہم ظالم قوموں کے ظلم وستم کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں، لیکن مظلوم قوموں کے برژوا طبقہ اگر صرف اپنے لئے سہولتیں حاصل کرنے کی کوشش کرے تو ہم ایسی کوششوں کو کبھی نہیں سراہتے۔ (لینن: خود فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں قوموں کے حقوق)۔

محنت کش طبقہ کے اس نقطۂ نظر سے ہمیں مرکز ریاست تعلقات پر بھی بحث کرنی چاہئے۔ قومی اتحاد کے لئے مرکز۔ ریاست تعلقات کو از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مشرقی ہندستان کی ریاستوں کو ہر لحاظ سے محروم رکھا جا رہا ہے۔

عام طور پر اقلیتوں یا پسماندہ علاقوں کے مسائل اکثریتی طبقہ یا ترقی یافتہ طبقہ کی بنیادی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ لوگوں کو تقسیم کرنے والی طاقتیں، چاروں طرف کی غربت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے، غریبوں کو آپس ہی میں لڑا دیتی ہیں۔ اس لئے یہ محنت کش طبقہ کا اور ان لوگوں کا، جو اتحاد کے خواہاں ہیں، فرض ہے کہ وہ سماج کے ترقی یافتہ طبقہ کو سمجھائیں تاکہ پسماندہ طبقہ کو اس کا جائز حق مل سکے۔ اگر اکثریتی یا ترقی یافتہ طبقے اس فرض کی ادائیگی سے غفلت برتی تو تقسیم کرنے والی طاقتوں کے اکسانے سے لوگ الجھن میں پڑ جائیں گے۔ مغربی بنگال میں جھارکھنڈ والے اور اترکھنڈ والے پسماندہ علاقوں کے مسائل کو صرف اپنے مفاد کے لئے استعمال میں لا رہے ہیں۔ اگر مغربی بنگال کے عوام، خاص طور پر پڑھے لکھے لوگ پسماندہ علاقوں کے ان لوگوں کے مسائل سے آگاہ نہ ہوں یا ان کے سلسلے میں وہ کم از کم ہمدردانہ رویہ نہ اختیار کریں تو اس سے افتراق پسندوں کو فائدہ پہونچے گا۔

جب مختلف اقلیتی طبقوں کے لوگ انتظامیہ، روزگار وغیرہ کے میدانوں میں نمائندگی کا مطالبہ کرتے ہیں، کیوں کہ وہ سب ایسی سہولتوں سے محروم ہیں، تو اکثریت کو ان کے مسائل پر ہمدردی سے غور کرنا چاہئے اور ان سے انصاف کرنا چاہئے۔ اگر وہ سب ان کے مطالبات پر کان نہ دھریں تو فساد کرنے والوں اور قوم دشمن عناصر کو لوگوں کو بھڑکانے کا موقع مل جائیگا۔

اس قوم کی تاریخ کے اس اہم لمحے میں محنت کش طبقہ اور تمام مکاتیب خیال کے لوگوں کو ایک متحدہ تحریک کے لئے، قومی اتحاد اور یکجہتی کے لئے متحد کرنے کے سلسلہ میں سربراہی کرنی چاہئے نیز ہمیں دستوری اور دیگر حقوق کے لئے محروم اور پسماندہ طبقوں کی سماجی۔ معاشی ترقی کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔ یکجہتی کیلئے اس سے ایک ٹھوس بنیاد قائم ہوگی۔ قومی یکجہتی کی بابت صرف لچھے دار تقریروں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا ٭٭٭

سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں غلہ کی پیداوار

سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران مغربی بنگال میں غلہ کی کل پیداوار ۹۲ لاکھ ٹن ہوئی اور اس نے تمام پچھلے ریکارڈ توڑ دیئے۔ اس مدت کے دوران چاول کی پیداوار ۷۹ر۴۰ لاکھ ٹن ہوئی تھی اور آلو ۲۰ر۴۰ لاکھ ٹن اگا تھا۔ ساتویں دھائی کے دوران آلو کی پیداوار حالیہ پیداشدہ مقدار کے مقابلہ میں آدھی تھی۔ پیداوار میں یہ اضافہ ایک قابل غور امر ہے۔ اب مغربی بنگال کا شمار ضرورت سے زیادہ آلو اگانے والی ریاستوں میں ہوتا ہے۔ جہاں تک گیہوں کا تعلق ہے اس کی گرتی ہوئی شرح پیداوار کو سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں صرف روکا ہی نہیں گیا بلکہ اس میں اس طرح اصلاح لائی گئی کہ اس کی شرح پیداوار نے ۲۵۹۵ کیلو گرام فی ہیکٹر پہونچ کر ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ٭٭٭

صنعت و حرفت

سنہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان میں صنعتی میدان میں
سنہ ۱۹۲۷ء تک ریاستوں میں بنگال کا نام سرفہرست تھا۔ اس کی وجوہ
یہ تھیں: معدنی ذخائر کی قربت، باہنر مزدور، بندرگاہ کی بہتر
سہولتیں، خام اشیاء کی آسانی سے فراہمی، رسل و رسائل کا اچھا
نظام وغیرہ۔ لیکن مرکز کی غیر منصفانہ اور ناعاقبت اندیش پالیسی کی
وجہ سے، مغربی بنگال کی، جو سے اپنے جغرافیائی جائے وقوع اور
دیگر سہولتوں کے لحاظ سے حاصل ہیں، صنعتی میدان میں اہمیت کم
ہونے لگی۔ اس صدی کی پانچویں دہائی کے عرصے میں مشرقی ہندوستان
کے کوئلہ، لوہا و فولاد وغیرہ کو دیگر جگہوں میں لے جانے کے لئے
کرایہ کی شرح سارے ہندوستان میں ایک جیسی کر دی گئی تھی۔ لیکن
دیگر ریاستوں میں آسانی سے دستیاب ہونے والی خام اشیاء
جیسے کپاس، جس کی مغربی بنگال کی صنعتوں کے لئے ضرورت ہوتی
ہے، کے کرایے سارے ہندوستان میں ایک جیسے نہیں ہیں۔ اس
کی وجہ سے مغربی بنگال کو صنعتی میدان میں آہستہ آہستہ پیچھے
رہ جانا پڑا۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد ہی سے بائیں
محاذ حکومت نے اس ریاست میں نئی صنعتوں کے قیام کے لئے بہت
سارے پروگراموں کو روبہ عمل لانا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ
مرکز کے ناموافق رویے کے خلاف احتجاج بھی کرنا شروع کیا۔ ذیل
میں صنعتوں کی بابت تفاصیل درج ہیں۔

	سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء	سنہ ۱۹۸۲ء تک
(۱) چالو رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد	۵۸۳۷	۶۹۵۴
(۲) صنعتی پیداوار میں اضافہ (بنیادی سال سنہ ۱۹۷۰ء = ۱۰۰)	۱۰۸٫۸	۱۲۲٫۲

مرکز کی بے التفاتی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ گزشتہ
سات برسوں میں بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں صنعتی یونٹوں
کے قیام کے لئے ۲۱۲۵ تجاویز مرکز کے پاس بھیجیں لیکن مرکز نے ان
میں صرف ۶۹۳، صنعتی یونٹیں قائم کرنے کی منظوری دی۔ اس عرصہ میں
مرکزی حکومت کے مختلف مالیاتی اداروں نے مغربی بنگال میں ان صنعتی
یونٹوں کے قیام کے لئے ۴۸٫۶۵۸ کروڑ روپے الاٹ کئے اور اس
رقم میں سے صرف ۶۶٫۵۰۱ کروڑ روپئے دیئے گئے۔ اس سلسلہ میں
یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ ہلدیہ میں پیٹرو کیمیکل صنعتوں کے
قیام کے لئے مرکز کی طرف سے نفی کے برابر اقدامات کئے گئے۔ کلکتہ کے
سالٹ لیک کے علاقہ میں الیکٹرونکس صنعت قائم کرنے کی تجویز کو
مرکز نے اب تک اپنی منظوری نہیں دی ہے۔ بہرحال ریاستی حکومت
ان دونوں اہم پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے حتی الامکان
کوشش کر رہی ہے۔ بائیں محاذ حکومت پہلی حکومت ہے جس نے
اس ریاست کی ایک جامع صنعتی پالیسی کا اعلان کیا۔ اس سے قبل
سابق حکومت نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا۔ پسماندہ علاقوں میں صنعت
کاری کے لئے ریاستی حکومت خصوصی سہولتیں فراہم کر رہی ہے اور
سنہ ۱۹۸۸ء تک ایسی سہولتیں فراہم کی جاتی رہیں گی۔ اس ریاست
میں کہیں بھی الیکٹرونکس اور ادویہ سازی صنعتوں کے قیام کے لئے ایسی
سہولتیں فراہم ہوں گی۔

عظیم تر کلکتہ کی جگہ اس ریاست کی پسماندہ علاقوں
میں صنعت کاری کو تیزی سے فروغ دینے کے لئے انڈسٹریل
انفرااسٹرکچر ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے اضلاع جلپائی گوڑی، کوچ
[illegible]

علاقوں کو صنعتی یونٹوں کے قیام کے لئے بہتر بنایا۔ اس کام پر ڈیڑھ کروڑ روپئے خرچ کئے جا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کلیانی اور ہلدیہ میں ۷ ایکڑ قطعات اراضی کو حکومت نے حاصل کر لیا ہے۔ یہاں ۵۲ صنعتی یونٹوں کے لئے قطعات اراضی فراہم کئے گئے۔ ان میں سے ۳ یونٹیں چالو ہو گئی ہیں اور ان میں ۴۵۰۰ افراد برسر روزگار ہیں۔ تسلیم شدہ پروجیکٹوں کی تکمیل کی راہ میں حائل دشواریوں کو دور کرنے کے لئے ایک ریلیف یونٹ صنعتی یونٹوں کی مدد کر رہی ہے۔

گزشتہ سات برسوں سے صنعتی ترقیاتی کارپوریشن ۱۳ علاقوں کو بہت ساری مراعات فراہم کر رہی ہے۔ ان صنعتوں میں ۱۴۹۹۱ افراد برسر روزگار ہیں۔ اس عرصہ میں اس کارپوریشن نے اپنے سیکٹر میں ۶ صنعتی یونٹیں قائم کیں۔ الکٹرونکس کارپوریشن نے ۱۴ یونٹوں کے قیام میں مدد دی اور اس سلسلے میں ۱۲ کروڑ روپئے فراہم کئے۔ اس کے نتیجے میں دو ہزار افراد کو براہ راست طور پر روزگار فراہم ہوا۔ اس کارپوریٹ سیکٹر میں دو الیکٹرانک [illegible] اس سال رواں میں چالو ہو جائیں گے۔ نئی یونٹیں قائم کرنے کے لئے الکٹرونکس کارپوریشن کو سالٹ لیک کے علاقہ میں ۳۰ ایکڑ قطعات اراضی فراہم کئے گئے۔ سالٹ لیک علاقہ میں الکٹرونکس صنعت قائم کرنے کے لئے [illegible] کے چیئرمین [illegible] کے تحت ایک اعلیٰ اختیاری کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ ادویہ سازی اور نباتاتی کیمیاوی مصنوعات ترقیاتی [illegible] نے کلیانی میں واقع اپنے کارخانہ میں سالانہ ۵۰ ٹن [illegible] تیار کرنے کے پروجیکٹ کو روبہ عمل لانے [illegible] شروع کر دیا ہے۔ ادویہ سازی صنعت کے قیام کے لئے ۵۲ ایکڑ قطعات اراضی کو بہتر بنایا جا رہا ہے۔ مونگپو میں کونین پلانٹ کو جدید طرز پر ڈھالنے کے لئے ایک کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ ریاستی حکومت اب ایمیٹین [illegible] ادویہ تیار کرنے کے کام میں سرگرم حصہ لے رہی ہے۔ بائیں محاذ حکومت کے دور میں چائے ترقیاتی کارپوریشن نے چھ بیمار چائے باغات کی ذمہ داری سنبھالی۔ اب یہی باغات معاشی لحاظ سے نفع بخش بن گئے اور گزشتہ سال ان باغات نے ۲۲۴۸ لاکھ روپئے کی مالیت کی چائے فروخت کی۔ معدنی ترقیاتی کارپوریشن نے مغربی بنگال میں واقع کوئلہ کی دو کانوں میں کوئلہ کے ذخیرہ کا اندازہ لگانے کے لئے اقدامات کرنے کے سلسلہ میں حکومت سے اجازت طلب کی ہے۔ اس کارپوریشن نے شمالی بنگال میں ڈولومائیٹ اور پرولیا میں فاسفیٹ کی کھوج کا کام جاری رکھا ہے۔ یہ تمام کامیابیاں بائیں محاذ کے دور حکومت میں ہوئیں۔

برآمدات کو فروغ دینے کے لئے ریاستی حکومت نے فالتا میں ۲۸۰ ایکڑ قطعات اراضی کو بہتر بنانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ دو سال کے اندر یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ نہ صرف مغربی بنگال کے لئے بلکہ سارے مشرقی ہندوستان کے لئے فالتا پروجیکٹ کافی اہمیت کی حامل ہے۔

ہلدیہ میں ۸۲۲٫۰۴ کروڑ روپے خرچ کرکے پٹروکیمیکل پروجیکٹ قائم کرنے کی تجویز [illegible] منظوری [illegible] مرکز کے پاس بھیج دی گئی ہے۔ ریاستی حکومت کی یہ خواہش ہے کہ اس پروجیکٹ کو [illegible] مکمل کر لیا جائے۔ اس ریاست کی صنعتی ترقی کی راہ میں یہ ایک اہم قدم ہے۔ کوئلہ پر مبنی ایندھن اور کیمیاوی پروجیکٹ کے لئے بھی مرکز کی منظوری حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ریاستی حکومت نے کول ہندوستان کمپنی کے دانکونی پلانٹ میں روزانہ تیار کردہ ۳ کروڑ کیوبک فیٹ گیس سپلائی کرنے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔

آج مغربی بنگال صنعتی میدان میں تیزی سے آگے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ صنعتی توسیع کے لئے سازگار فضا، بجلی کی فراہمی کی تبدیل شدہ صورتحال، ریاستی حکومت کی طرف صنعتی توسیع کیلئے فراہم کردہ تمام ضروری سہولتیں [illegible] اقدامات سے مغربی بنگال میں صنعتیں ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئی ہیں ٭٭

تعمیرات عامہ اور مکانات

شعبہ تعمیرات عامہ نے سنہ ۱۹۷۷ء سے سنہ ۱۹۸۲ء
کے عرصے میں تعمیرات عامہ کے میدان میں گراں قدر خدمات
دیں۔ اس شعبہ نے سیکڑوں سڑکیں، سرکاری عمارتیں، رہائشی
ت، سڑک، پل اور زمین دوز نالے تعمیر کئے اور عظیم ہستیوں کے
نصب کئے۔ اس سلسلہ میں عوامی کوششوں کے ساتھ
ں بیل کو سلادینے کی ایک نئی مثال قائم کی گئی ہے۔

گزشتہ سات برسوں میں تعمیرات عامہ شعبہ کے کئے
قدامات کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

	سنہ ۷۶-۷۷ء	سنہ ۸۲-۸۳ء	سنہ ۸۴-۸۵ء
ارسائل فراہمی	—	—	۶۰۱۶/۹۳ لاکھ روپے
برکردہ نئی اور پرانی کی توسیع داد۔	۶ —	۱۳ — (فی الحال ۲ اور عمارتیں زیر تعمیر ہیں)	—
نئی سڑکوں کی تعمیر۔	مجموعی لمبائی ۶۹۰ کیلومیٹر	مجموعی لمبائی ۱۴۲۱ کیلومیٹر (سنہ ۱۹۷۷-۸۳ تک)	—
بت کی پالیسی کردہ عمارتوں کی تعداد۔	۲۳۲۰۰ یونٹیں	۲۷۰۰۰ یونٹیں	—
(۵) چائے باغات کے مزدوروں کے لئے مرکزی امداد سے اور ریاستی حکومت کی امداد سے تعمیر کردہ مکانات کی تعداد	۲۱۰۰ یونٹ	۳۰۰۰ یونٹ	—

اس شعبہ نے گزشتہ ۷ برسوں میں ۹ بڑی عمارتیں تعمیر کیں۔ وہ عمارتیں یہ ہیں: (۱) تعمیرات عامہ بھون، بدھان نگر، (۲) پے اینڈ اکاؤنٹس آفس عمارت، تیرتی بازار کلکتہ (۳) علی پور بھوانی بھون کے دالان میں دس منزلہ عمارت، (۴) بردوان کے صدر گھاٹ میں آٹھ منزلہ عمارت (۵) ہنگر فورڈ اسٹریٹ میں سرکٹ ہاؤس (۶) کڈ اسٹریٹ کلکتہ میں سرکاری مہمان خانہ عمارت، (۷) نئی دہلی میں بنگو بھون (۸) مہاجاتی سدن اور اس کے سماعت خانہ کی نو تعمیر اور مٹ سترالین، کلکتہ میں ایک نئی عمارت کی تعمیر (۹) کلکتہ یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ کی جلی عمارت اور سماعت خانہ کی نو تعمیر۔

مزید برآں چند بڑے بڑے پروجیکٹوں جیسے کہ گورکی مرکز اطلاعات، آسنسول میں رابندرا بھون، پبلک سروس کمیشن کی عمارت، پولیس کمپیوٹر سنٹر کی عمارت اور دیگر عمارتوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ گزشتہ سات برسوں میں ماتا گنگنی ہاجرہ، بدھان چندر رائے، رام موہن، مائیکل مدھوسدن، پریتی لتا وادیدار، جیوتش گھوش، سرت چندر، ہیما ترپس، گوسٹو پال، باگھا جتن، کارل مارکس اور اینجلس، گوپ بندھو داس، بنوئے۔ بادل۔ دنیش اور دیگر ممتاز مرد عورتوں کے مجسمے نصب کئے گئے۔ نیز چارلی چیپلن، جے پرکاش نارائن، امبیدکر کے مجسموں کا کام جاری ہے۔

گزشتہ سات برسوں میں بائیں محاذ حکومت نے بہت سارے پل تعمیر کئے جن میں چند کے نام درج ذیل ہیں۔ ضلع بردوان میں صدر گھاٹ کرشک سیتو، بابو گھاٹ میں اژائی سیتو، ماتھابھانگا

ندیا پردا انسا ٹے پل، نوادیپ میں بھاگیرتھی ندی پر پل، تلنگی پر دوئی جندرا سیتو، آمتہ میں دا اسودر ندی پر پل، ترکاٹ پل، کوچ بہار ٹی ٹی ٹ میں سوبرنو ریکھا ندی پر پل، ٹاٹن پور میں کیلے جہائی پل، دارجلنگ میں بوڑھی بالا سار پل، بانکوڑہ میں چنڈی داس پل اور مرشد آباد میں نالیبنی سیتو۔

کلیانی اور کلکتہ میں دریائے ہگلی پر پلوں کی تعمیر کا کام جاری ہے ۔ ایجئے، مور اکشی اور اتوین ندیوں پر تین پل تعمیر کرنے کے سلسلے میں فیصلہ کیا گیا ہے ۔ اضلاع مدنا پور، پرولیا، بردوان، مرشد آباد، مغربی دیناجپور، جلپائی گوڑی اور مالدہ میں ندیوں پر آٹھ پلوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

سنہ ۷۷-۷۶ء میں مجموعی طور پر ۶۹۰ کیلومیٹر لمبی نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں اور سنہ ۷۷-۸۳ء میں مجموعی طور پر ۱۶۲۱ کیلومیٹر لمبی نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں۔

ریاستی حکومت کے وسائل بہت ہی محدود ہیں۔ شعبۂ مکانات نے سماج کے چار طبقوں کے لوگوں کے لئے مکانات تعمیر کئے۔ سماج کے پسماندہ طبقہ، کم آمدنی والے لوگوں، متوسط آمدنی والے لوگوں اور سرکاری ملازمین کے لئے مکانات تعمیر کئے گئے۔ اس شعبہ نے ۲۷۰۰۰ خاندان کے لئے مکانات تعمیر کئے۔ نیز ریاستی حکومت نے ۲۵ ہزار رہائشی یونٹوں کی تعمیر کے لئے قرض فراہم کئے۔ چائے باغات کے مزدوروں کے لئے تقریباً ۱۵۱۰۰ رہائشی یونٹیں تعمیر کی گئیں۔ رہائشی مکانات بورڈ نے اب تک ۱۲۱۰۰ رہائشی یونٹیں لوگوں کے ہاتھ فروخت کیں — یہ بورڈ مختلف علاقوں میں ۸۵۷ عدد قطعات اراضی کو قابل رہائش قطعات آراضی میں تبدیل کرنے کا کام کر رہا ہے اور جب ایسے قطعات مکمل ہو جائیں گے تو انہیں لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے گا ٭٭

باقی صفحہ ۱۳ کا

کردار ادا کیا۔ شروع سے ہی اجڑے پارکوں اور باغات میں شجر کاری کے ساتھ ساتھ اس شاخ نے ضلع میں باغبانی اور پھولوں کی نمائش اور پودوں کی شجر کاری کے ذریعہ بہت اہم فرائض انجام دیئے۔ مغربی بنگال کو خوبصورت بنانے کی اسکیم اب بہت مقبول بن چکی ہے۔

اس سلسلہ میں ضروری تفاصیل درج ذیل ہیں:

	سنہ ۷۶-۷۷ء	سنہ ۸۳-۸۴ء	سنہ ۸۴-۸۵ء
(۱) بجٹ میں رکھی گنجائش۔	—	—	۲۱۵۸ر۱۲ لاکھ روپے
(۲) جنگلات ترقیاتی کارپوریشن کی آمدنی۔	۱۵۲٫۰۸ لاکھ روپے (سنہ ۷۸-۷۹ء میں)	۱۵[illegible]ر۸۸ لاکھ روپے (سنہ ۸۲-۸۳ء میں)	—
(۳) جنگلات کا کل علاقہ	۱۱۸۶۰۰۰ ہیکٹارس	۱۱۸۶۰۰۰ ہیکٹارس (سنہ ۸۱-۸۲ء تک)	—
(۴) جنگلات ترقیاتی کارپوریشن کے پیداکردہ کام کرنے کے دن کی تعداد	۲۳ لاکھ	۷۰ لاکھ (سنہ ۸۲-۸۳ء میں)	—
(۵) تقسیم کردہ پودوں کی تعداد۔	۱۲ لاکھ	۴۲۴ لاکھ	—

باقی صفحہ ۱۹ کا

اور اب ۵۹ر۴ لاکھ لیٹر دودھ سپلائی کیا جاتا ہے۔ اس طرح دودھ کی سپلائی میں ۱۰۰ فیصد سے زیادہ کا اضافہ ہوا۔ تمام کوآپریٹو سوسائٹیوں کو یکجا کر کے امداد باہمی کی بنیاد پر مویشی پالن، دودھ کی پیداوار اور بازار میں فروخت کے کام میں تیزی لانے کے لئے ایک دودھ فیڈریشن قائم کیا گیا ہے۔ روزانہ دودھ ٹونکن پلانٹ کے ذریعہ دودھ سے تیار کردہ ۱۰۰۰ لیٹر مقوی مشروب فروخت کیا جاتا ہے ٭

امداد و بحالی

آفاتِ ناگہانی کے شکار ہونے والے لوگوں کو بچانا، انہیں محفوظ جگہوں میں لانا، پھر ان کی امداد اور بحالی کا انتظام کرنا، جسمانی لحاظ سے معذور افراد کے بسراوقات کے لئے حسب خواہ انتظام کرنا، اس موسم میں جب کھیتی باڑی نہیں ہوتی ضرورت مند کسانوں اور زرعی مزدوروں کو عارضی طور پر روزگار فراہم کرنا وغیرہ حکومت مغربی بنگال کے شعبہ امداد کی اہم ذمہ داریاں ہیں۔ بائیں محاذ حکومت ۱۹۷۷ء سے ان ذمہ داریوں کو عزم مصمم کے ساتھ نبھا رہی ہے۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۴ء تک امداد کے اقدامات پر جو اخراجات ہوئے ہیں ان کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

۱۹۴۷-۷۷ء (۳۱ مارچ ۷۷ء)	۱۹۷۷ء - ۸۲-۸۳ء
۲۲۵۴۴۵۲۰۰۰ روپئے (گذشتہ تیس برسوں میں اوسط ۷۵۱۴۸۰۰۰ روپئے)	۱۷۰ کروڑ روپئے سے زیادہ رقم (گذشتہ سات برسوں میں اوسط ۲۴ر۲۹ کروڑ روپئے)

۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۴ء کے درمیان سال بہ سال امداد کے تحت اخراجات کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

سال	آفاتِ ناگہانی	نقصانات کی مالیت	امداد کے تحت دی گئی رقوم اور اناج
۱۹۷۷-۷۸ء	سیلاب	۹۵ ہزار مکانات کو نقصان پہونچا۔ ۳۸ر۲۱ کروڑ روپئے کا اناج برباد ہوگیا	۱۲۲۴۳۰۰۰۰ روپئے اور ۹۰ ہزار میٹرک ٹن اناج
۱۹۷۸-۷۹ء	سیلاب	۱۸۲۴ افراد سیلاب کی زد میں آگئے اور ہلاک ہوئے۔ ۲ر۷۵ لاکھ مویشی مارے گئے۔ ۱۴ لاکھ مکانات گر گئے۔ ۲۰۰۸ کروڑ روپے کی مالیت کا اناج برباد ہوگیا۔	۵۲۴۴۷۶۰۰۰ روپئے اور ۱۰۵۵۰ میٹرک ٹن اناج (اس میں دیگر شعبوں کے کئے گئے اخراجات شامل نہیں ہیں)
۱۹۷۹-۸۰ء	خشک سالی	۷۰ فیصد کھڑی فصلیں برباد ہوگئیں	۲۴۵۰۵۰۰۰ روپئے، ۱۲۰۰۰ میٹرک ٹن گیہوں۔
۱۹۸۰-۸۱ء	ژالہ باری، طوفان، سیلاب، آسام سے پناہ گزینوں کی آمد۔	۶۵ افراد مارے گئے۔ ۶۸ر۲۹ لاکھ مکانات کو نقصان پہنچا۔	۱۳۹۴۷۰۰۰۰ روپئے
۱۹۸۱-۸۲ء	خشک سالی اور طوفان	۱۹۸ افراد مارے گئے۔ ۵ر۱۴۵ کروڑ روپئے کی مالیت کا اناج برباد ہوگیا۔ ۴۹ر۷۴ کروڑ روپئے کی مالیت کے سرکاری/غیر سرکاری اثاثوں کو نقصان پہونچا۔	

۸۳-۱۹۸۲ء	شدید خشک سالی۔	۳ کروڑ افراد متاثر ہوئے۔	۲۹٫۲۵ کروڑ روپے
۱۹۸۴ء سے ۲۴ جنوری ۸۴ء تک	طوفان برفباری سیلاب	۵۲۵۰۰ مکانات برباد ہوگئے ۳۳ افراد ھلاک ہوئے۔ ۹ کروڑ روپے کی مالیت کا اناج برباد ہوگیا۔	۱۷ کروڑ روپے

گزشتہ سات برسوں میں امداد کے بہت سارے اقدامات کئے گئے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں: (۱) کام کے بدلہ اناج پروجیکٹ رائج کیا گیا (۲) سیلاب، خشک سالی اور طوفان سے متاثر ہونے والے علاقوں میں اور متاثر لوگوں کی امداد کے لئے بہت سارے مختلف اقدامات کئے گئے اور انہیں پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ (۳) آسام سے آنے والے پناہ گزینوں کو عارضی رہائش کی سہولتیں و امداد فراہم کرنے کے لئے ۴۲٫۵۴ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ (۴) امداد [illegible] طریقہ کار میں ترمیم لاکر بہت سارے ضرورتمند لوگوں کو امداد فراہم کی گئی

کام کے بدلے اناج، پروگرام کی تکمیل کے لئے شعبۂ امداد نے ۸۰-۱۹۷۹ء اور جنوری ۱۹۸۴ء تک ۱۱۲۸۲٫۷۲ روپے فراہم کئے اور ۳۵۳۲۴۱ میٹرک ٹن اناج فراہم کیا۔ امداد کے اقدامات کے تحت خرچ کی گئی رقوم اور دئے گئے اناج کی تفاصیل درج ذیل ہیں:-

	فراہم کردہ رقوم (لاکھ روپے میں)		اناج (میٹرک ٹن میں)
(۱) بے اختصاصی امداد	۳۷۴۸٫۴۶	—	۱۱۴۸۰۰
(۲) کام کے لئے اناج اور روزگار فراہم کرنے والے دیگر پروجیکٹس	۴۳۲۴٫۵۴	—	۱۷۵۸۷۵
(۳) سفاناتی نوتعمیر پروجیکٹ	۵۰۰٫۰۰	—	۴۳۸۱۶
(۴) مکانات کی تعمیر کیلئے گرانٹ	۲۷۰۹٫۷۲	—	۱۸۷۵۰
کل	۱۱۲۸۲٫۷۲	—	۳۵۳۲۴۱

مفاماتی علاقوں میں "کام کے بدلے اناج" اور روزگار فراہم کرنے والے اسی طرح کے دیگر پروجیکٹوں کے تحت ۸۰-۱۹۷۹ء سے ستمبر ۱۹۸۴ء تک پنچایتوں کے ذریعہ ۶۷۰۰۰ پرانی سڑکوں کی مرمت کی گئی۔ ۵۱۹۳ نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں، ۴۲۱۶ کھالیں اور تالاب از سر نو کھودے گئے، چھوٹی آبپاشی زرعی معاون کے ۲۱۴۹۱ پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا، ۴۱۵۲ پشتوں کی مرمت کی گئی۔ سیلاب سے مکمل یا جزوی طور پر متاثر ہونے والے ۱۳۴۵۰۰ مکانات کی مرمت کی گئی یا ان کی نوتعمیر کی گئی، پرائمری اسکولوں کی ۲۳۷۶۰ عمارتوں کی مرمت / نوتعمیر کی گئی، ۵۱ لاکھ پودوں کی شجر کاری کی گئی اور ۱۸۰۰۰ دیگر پروجیکٹس کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا ::

عشق ہے وجہِ بربادیٔ دل مگر
حسن بھی آپ کا قسیم بود و رہے
(بیخود لکھنوی)

جنگلات

جنگلوں میں نباتات اور حیوانات کے درمیان جو توازن ہے اسے برقرار رکھنے اور دیگر بہت ساری وجوہ کیلئے جنگلات کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ مغربی بنگال میں جنگلات کا مجموعی علاقہ ۱۱۸۶۰۰ ہیکٹائرس ہیں۔ ان میں ۷۹۹۴۳ ہیکٹائرس پر مخصوص جنگلات اور ۲۵۲۵۴ ہیکٹائرس پر محفوظ جنگلات ہیں۔ اس ریاست کے کل جغرافیائی علاقہ کا صرف ۱۳٫۴ فیصد علاقہ جنگلات پر مشتمل ہے حالانکہ قومی جنگلات پالیسی کے تحت جنگلات کا علاقہ ۳۳ فیصد ہونا چاہئے۔ اس ریاست میں گھنی آبادی، صنعتی ترقی وغیرہ جیسی باتوں سے جنگلات کے علاقہ میں کمی ہوئی ہے۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں جنگلات کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔

سنہ ۷۸-۷۹ء میں ۱۱۱۲۰ ہیکٹائرس قطعات اراضی میں اور سنہ ۸۲-۸۳ء میں ۱۷٫۲۲۲ ہیکٹائرس قطعات اراضی میں شجر کاری کی گئی۔ اس کے نتیجے میں بہت سارے جنگلاتی اقدامات کو روبہ عمل لانے سے بہت سارے دیہی لوگوں کو روزگار فراہم کیا جا سکا۔ مضافاتی علاقوں میں اور صنعتی یونٹوں کی جلاون کی ضرورت کے پیش نظر بھی شجر کاری کی جارہی ہے۔ جنگلات کو سماجی لحاظ سے بہتر بنانے کے لئے ۳۵ کروڑ روپئے خرچ کئے جارہے ہیں۔ ان اقدامات سے ۱۷۵۰۰ ہیکٹائرس قطعات اراضی پر جنگلات اگائے گئے اور ۵٫۲ کروڑ کام کرنے کے دن پیدا کئے گئے۔ جنگلات سے لکڑی حاصل کرنے کے پروجیکٹ کے تحت سنہ ۸۲-۸۳ء میں ۶۶ لاکھ مکعب میٹر لکڑی حاصل کی گئی۔ اس منصوبہ کے تحت جنگلوں کے آس پاس رہنے والے لوگوں کے لئے ۱۵۰ کام کرنے کے دن فراہم کئے گئے۔ اس کام کے لئے انہیں مناسب اجرتیں بھی دی گئیں۔ نیز قبائلی نوجوانوں کو مشینوں سے لکڑی کاٹنے کی تربیت دی گئی۔ خشک سالی سے متاثر ہونے والے علاقوں میں کاشت جنگلاتی پروجیکٹ پر سنہ ۷۸-۷۹ء میں ۵۳٫۹۷ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے جبکہ اس کام کے لئے سنہ ۸۲-۸۳ء میں ۲۰٫۱ کروڑ روپے خرچ کئے گئے۔ آئی، ٹی، ڈی، اسی منصوبہ کے تحت سنہ ۷۸-۷۹ء میں ۱۶٫۵۵ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے جبکہ سنہ ۸۲-۸۳ء میں اس منصوبہ کے تحت ۶۸ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔

قبائلیوں کے روایتی حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے قبائلیوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ ان جنگلوں میں جہاں وہ رہتے ہیں، مہوا، سال کے پتے، پھل اور لکڑی اور کیندو۔ پتے، جلاون اور دیگر کاموں کے لئے مفت حاصل کرسکتے ہیں۔

جنگلات میں نباتات اور حیوانات کے درمیان توازن کو برقرار رکھنے کے لئے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ جنگلی جانوروں کی بھی حفاظت کی جائے۔ اس بات کے پیش نظر سنہ ۱۹۷۷-۸۲ء میں بانکوڑا، مدنا پور اور مالدہ میں تین ہرن پارک قائم کئے گئے۔ جلدا پاڑا جنگلی پناہ گاہ کے تحفظ کو مستحکم بنانے کے لئے سنہ ۸۲ء میں ۸ مستقل اور ۳ گشتی گارڈ اسٹیشن قائم کئے گئے۔ سندربن علاقوں میں گھڑیال اور شیر پروجیکٹوں کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ کچھوے جن کے جسم پر زیتونی رنگ کے گول گول داغ ہوتے ہیں اور اسی طرح کے ہرن اور گھڑیال، جن کی تعداد اب اتنی کم ہو گئی ہے کہ وہ اب ان کی نسل ختم ہو جائے گی، ان تمام جانوروں کو محفوظ رکھنے اور ان کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے اور اس میدان میں کامیابی حاصل ہوئی۔ بائیں محاذ کے برسر اقتدار آنے کے بعد جنگلاتی ترقیاتی کارپوریشن نے سنہ ۷۸-۷۹ء میں ۵۲٫۱ کروڑ روپئے اور سنہ ۸۲-۸۳ء میں ۴۶٫۴ کروڑ روپئے بطور نفع کمائے۔

اس شعبہ کی پارک اور باغ شاخ نے بھی بہت ہی نمایاں

مویشیوں کی پرورش و پرداخت

مویشیوں کی پرورش و پرداخت دیہی معیشت میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو دودھ، انڈا، گوشت جیسی متوازن خوراک فراہم ہوتی ہے۔ نیز بے روزگار لوگوں، بے زمین کھیت مزدوروں اور حاشیائی کسانوں اور شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب طبقے کے کسانوں کو مزید روزگار کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت نے اس مد پر کافی مدد دی اور گزشتہ سات برسوں میں اس مد کے تحت بجٹ کی گنجائش میں کافی اضافہ کیا۔ اس سلسلہ میں متعلقہ تفاصیل درج ذیل ہیں:

	سنہ ۷۶-۷۷ء	سنہ ۸۴-۸۵ء
سالانہ بجٹ گنجائش۔	۲۲۶۲۶۲۳۰۰ روپئے	۵۱۷۰۷۵۰۰۰ روپئے
۱) مرکوز مویشی ترقیاتی پروجیکٹ۔	۴	۸
۲) مویشیوں کی جنسی رطوبت حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کے مراکز۔	۲۲	۳۶
۳) مویشیوں کی افزائش کے مراکز۔	۹۳	۱۳۲
۴) مویشیوں کی افزائش کے تحتی مراکز۔	۸۱۲	۱۲۱۲
۵) مویشیوں کی خوراک تیار کرنے والے پلانٹس	۲	۴
۶) مویشیوں کی خوراک کی تیاری	۱۰۶۰۰ میٹرک ٹن	۲۵۰۰۰ میٹرک ٹن
۷) انڈے کی پیداوار	۱۰ر۵۰ لاکھ	۶ ۱۶۰ لاکھ
۸) دودھ کی پیداوار	۱۰ر۶۳ لاکھ میٹرک ٹن	۲۱ر۰۰ لاکھ میٹرک ٹن
۹) ڈیری	۴	۶

غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی گزارنے والوں کی معاشی بہتری کے لئے بائیں محاذ حکومت نے ان لوگوں کو خود کفیل بنانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔ اس طرح کے تقریباً ۴۴۱۲۲ خاندان کے درمیان سور، مرغ مرغیاں تقسیم کی گئیں۔

مویشیوں کے علاج کے سلسلے میں بائیں محاذ حکومت نے بہت سارے اقدامات کئے۔ اس سلسلہ میں تفاصیل درج ذیل ہیں،

	سنہ ۷۶-۷۷ء	سنہ ۸۳-۸۴ء
۱) مویشیوں کے علاج کے ہسپتال	۷۶	۱۰۳
۲) مویشیوں کے علاج کے شفاخانے	۳۳۵	۵۴۱
۳) اسی طرح کے گشتی شفاخانے	۳۰	۸۳
۴) طبی جانچ کی تجربہ گاہ	۲۴	۳۵
۵) ذیلی شفاخانہ	۵۲۰	۵۲۸
۶) دق کنٹرول مراکز	—	۳

مناسب قیمتوں پر صحت بخش دودھ سپلائی کرنے کیلئے شہری اور صنعتی علاقوں میں دودھ ترقیاتی پروگرام کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ اس ریاست کے ہرن گھاٹا، بیلگچھیا، درگاپور، مانی گاڑا (سلی گوڑی)، بردوان اور درانگرنی میں ۶ ڈیریاں کام کر رہی ہیں۔ کرشنگر میں ایک ڈیری کی تعمیر کا کام اب قریب الاختتام ہے۔ سنہ ۱۹۷۶ء میں سرکاری ڈیریوں سے ۲ر۲۶ لاکھ لیٹر دودھ سپلائی کیا جاتا تھا

MAGHREBI BANGAL
1 September 1984

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 17
PRICE 12 Paise

مغربی بنگال میں بدلتے ہوئے صنعتی مناظر



صنعتوں کی افزائش اور ترقی کے لئے ایک سے زیادہ طریقوں سے محرکات کا استحکام کے ساتھ فروغ

مغربی بنگال کی صنعت گذشتہ سات برسوں میں ترقی کی راہ میں بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ بائیں محاذ حکومت کی مسلسل اور باضابطہ تائید اور رہنمائی نے طوائف الملوکی اور جمود، جنہوں نے اس اہم سیکٹر کی رفتار ترقی کو بالکل پست کر دیا تھا، کے رجحان کو پلٹ دیا۔

صنعت کاری کے لئے مشترکہ کوششیں، روزگار کے امکانات پیدا کرنے کے لئے نمایاں ترجیحات، مزدوروں کی فلاح و بہبود کے کام پر تیزی [illegible] اور چھوٹی صنعتوں کیلئے خام اشیاء [illegible] سال تمام اقدامات نے صنعتی افزائش کو جلا بخشی اور صنعتی ترقی کی راہ ہموار کر دیا۔

[illegible]

کوچ بہار اور [illegible] میں صنعتی افزائش کے مراکز۔ ان میں سے کچھ پروجیکٹ حکومت کی طرف سے وسیع پیمانہ پر [illegible] کی جانے والی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ بڑی صنعتوں کے سیکٹر میں ریاستی حکومت [illegible] مغربی بنگال کی معاشی [illegible] ترقی میں ان کا [illegible] صنعتی طور پر اہمیت عیاں ہو جاتی ہے۔

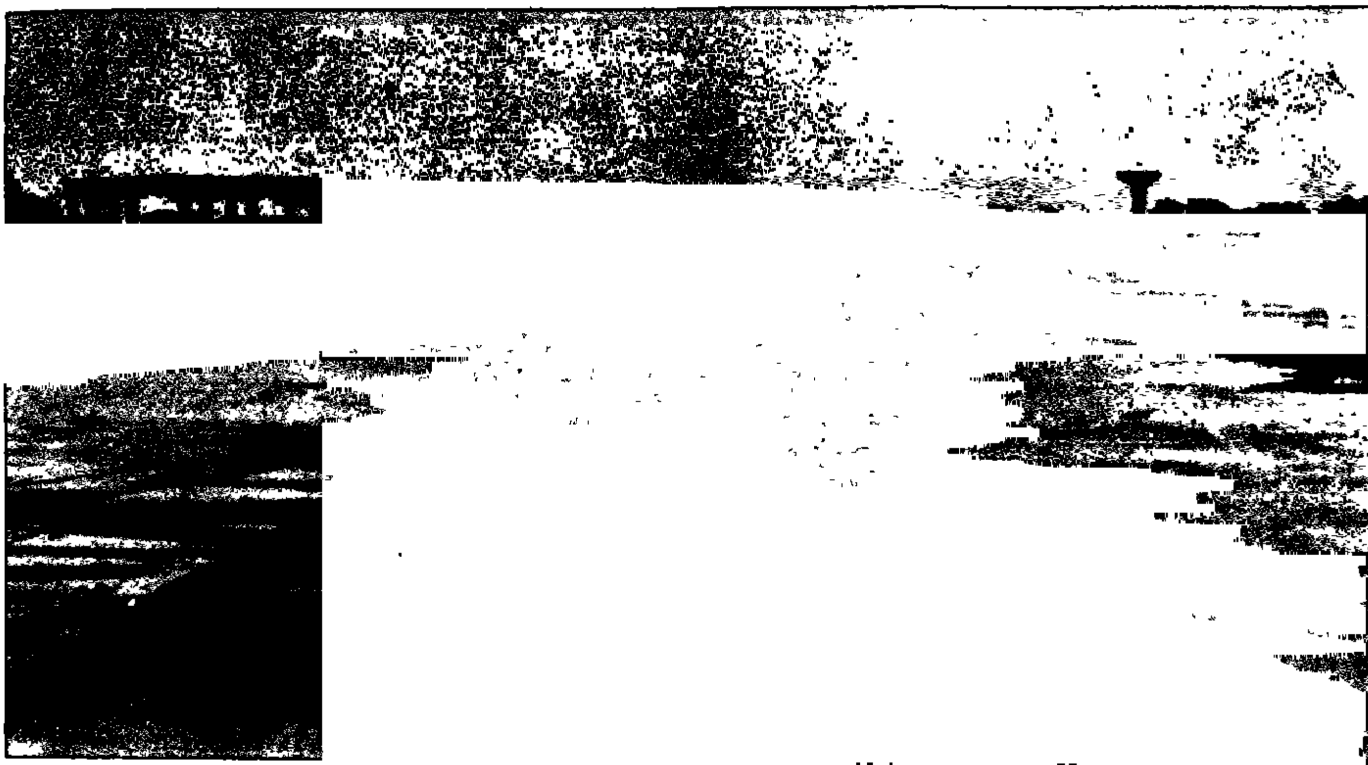
بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں، [illegible] اور چھوٹی صنعتوں میں روزگار میں اضافہ حکومت کی پرخلوص [illegible] کے نتیجہ کا مظہر ہے۔ منظم سیکٹر میں بھی روزگار میں کافی اضافہ ہوا۔ دیہی اور چھوٹی صنعتوں، الیکٹرانکس [illegible] چمڑہ [illegible] ترقی [illegible] روزگار کے نئے مواقع فراہم ہوئے۔ موجودہ روزگار کا استحکام [illegible] کیا جا رہا ہے۔ [illegible] ترجیح [illegible] خام اشیاء کی باضابطہ سپلائی [illegible] بہت ہی سازگار ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ ترقیاتی ایجنسیوں اور مالیاتی اداروں کے سرگرم تعاون کے ساتھ حکومت ہر سال نئی یونٹوں کے قیام اور فروغ میں مدد کر رہی ہے۔

بہت سارے مسائل کو اب بھی حل کرنا ہے۔ بہت سارے اقدامات اب بھی کئے جائیں گے، لیکن یہاں عوام کی حکومت ہے جو محنت کش عوام کے مفاد کے لئے انتھک محنت کر رہی ہے۔ صنعتوں کی افزائش اور ترقی اور مزدوروں کی رفاہ کے کام کو انجام دیتے ہوئے مغربی بنگال روشن مستقبل کی طرف آگے بڑھ رہا ہے۔

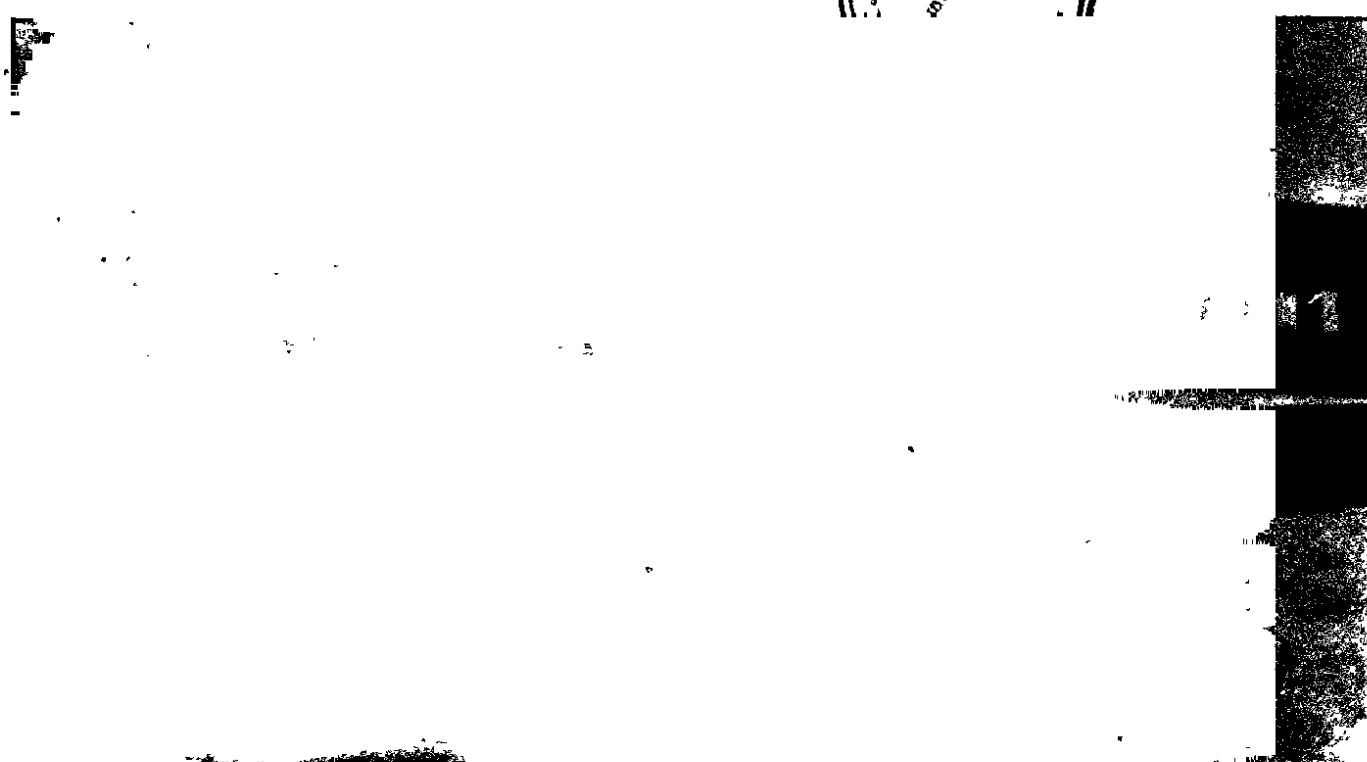
عوام کی مسلسل اور اہم جدوجہد کے سات سال

MAGHREBI BANGAL
1 September 1984

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 17
PRICE 12 Paise



کلکتہ میں دریائے ہگلی پر نئے پل کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

مغربی بنگال



پندرہ روزہ
مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر اعلیٰ :
مدیر :
مدیر معاون :

جلد نمبر ۳۱ ★ ۱۵ ستمبر ...

شرح خریداری

سالانہ : بیس روپئے   قیمت : ۱۲ پیسے فی پرچہ

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر- این مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں ۱۱ ستمبر ۸۴ء کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ویت نام کے وفد کے ساتھ محو گفتگو

قومی یکجہتی

از : نرمل بوس، وزیر صنعت و حرفت

آج ملک کی یک جہتی کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ فرقہ واریت، صوبہ پسندی، تفریق پسندی، سبھوں نے بہت تباہ کن طریقہ سے ملک کو گھیر لیا ہے۔ آسام اور پنجاب میں، بھیونڈی اور بروڈا میں اور ملک کے دیگر علاقوں میں جو باتیں رونما ہوئی ہیں اور جو حادثات ہوئے ہیں، ان سے یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ مستقبل میں ہندوستان ایک رہے گا یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

افتراقیت کا بیج تو ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو بویا گیا جب ہمارے اس وقت کے لیڈروں نے، جن میں جواہر لال نہرو شامل ہیں، دو قوموں کی تھیوری کو قبول کرتے ہوئے ملک کی تقسیم پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اگر مسلمانوں کو مذہب کی بنیاد پر ایک الگ قوم تسلیم کر لیا گیا اور انہیں اپنے لئے ایک الگ ریاست بھی مل گئی تو پھر اسی نقطۂ نظر سے سکھ بھی اس طرح کا دعویٰ کیوں نہیں کر سکتے۔ اگر مذہب ایک ریاست کی بنیاد ہو سکتا ہے تو زبان کی اور نسلی بنیاد پر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ اسی بنیاد پر تامل اور ناگا بھی الگ ریاست کے لئے اپنا دعویٰ پیش کر سکتے ہیں ہندوستان کی لمبی تاریخ نے اس بات کو عیاں طور پر ثابت کر دکھایا کہ مذہب، زبان، نسل کے لحاظ سے ہماری تفریق کے باوجود ہندوستان ایک ہے اور ہم سب ایک ہی قوم ہیں۔ آزادی کی تحریک لمبے عرصے تک جاری رہی اور ملک کی آزادی کے لئے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی سبھوں نے ایک ساتھ مل کر جد و جہد کی اور اپنی زندگی کی قربانیاں دیں۔ لیکن اقتدار کی ہوس اور لالچ سے جو تھی رہائی کے عرصہ میں کانگریسی سربراہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور مسلم لیگ سے ملک کی تقسیم کا معاہدہ کیا اور اس طرح قومی یک جہتی کی تاریخی حقیقت کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہا۔ اس اقدام سے ان لوگوں نے یکجہتی کے کاز کو کافی نقصان پہونچایا۔ آج بھی ہم اس قومی جرم کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ فرقہ واریت، صوبہ پرستی، تفریق پسندی اس وقت سے یہ تمام طاقتیں مستحکم ہوتی جا رہی ہیں۔

ہندوستان کے دستور میں، جو ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء سے نافذ العمل ہو گیا، سیکولرزم کو، اس کی بنیاد کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا تھا۔ یہ ایک صحیح فیصلہ تھا، لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کے مختلف پہلوؤں میں سیکولرزم کے تحفظ کے لئے حسب ضرورت اقدامات نہیں کئے گئے۔ کانگریس پارٹی عرصہ دراز سے مرکز میں اور ریاستوں میں برسر اقتدار رہی۔ یہ بات دیکھی گئی کہ حکومت کا انتظامیہ اکثریتی ہندو فرقہ واریت کے زیر اثر رہا۔ یہاں تک کہ سرکاری تقریبات میں بھی ہندو مذہبی رسومات کو بروئے عمل لایا جاتا۔ مذہبی، لسانی اور نسلی اقلیتوں کی ثقافتی ترقی اور قومی آدرش کے فروغ کے لئے بہت کم کام کیا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اقلیتوں میں سے چند لوگوں کو وزرا، گورنرز، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا جج، سفیر یہاں تک کہ ہندوستان کا نائب صدر اور صدر بنا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ سب تو گویا میکانیکی طریقے سے کیا گیا، اس سے عام طور پر عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا۔

تعلیم قومی یک جہتی کے میدان میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آسام سے پنجاب تک ہر جگہ یہ بات نظر آئے گی کہ افتراق پسندوں کی اہم طاقت طلبا اور نوجوانوں کا ایک طبقہ ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو وحدت اور یک جہتی کے تصورات سے سرشار نہیں کیا گیا۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام سیکولر نہیں ہے اور نہ اس میں یک جہتی کی خو بو ہے۔ ہماری تعلیم کے نصابات میں قومی یک جہتی کا بہت ہی کم ذکر ملتا ہے۔ تاریخ کی، ادب کی یا کسی اور موضوع پر کتابوں میں آزادی کی جدوجہد کے دوران لوگوں کی، بلا لحاظ مذہب، زبان، ملت، متحدہ کوششوں اور اقدامات کا شاید ہی کہیں ذکر ہو۔ جب برٹش حکومت کے دور میں سامراجیوں کے اکسانے پر ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے، تو جنوبی مشرقی ایشیا میں آزاد ہند فوج میں نیتاجی کی سربراہی میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی اور اینگلو انڈین بھی اپنے مادر وطن کی آزادی کے لئے ایک ساتھ متحدہ طور پر جدوجہد کر رہے تھے اور قربانی دے رہے تھے۔ کسی بھی ریاست میں، جہاں کانگریس کی حکومت ہے، تواریخ کی کسی بھی کتاب میں آزادی کی جدوجہد کی تاریخ میں قومی وحدت کی اس انوکھی خصوصیت کا ذکر نہیں ہے۔ نیز دوسری عالمی جنگ کے بعد کے عرصہ میں رائل انڈین نیوی کے ہندوستانی بحری سپاہیوں کی بغاوت کا یا طلبا، کسانوں اور مزدوروں کی جدوجہد میں ہندو اور مسلمانوں کے متحدہ اقدامات کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ ہمارے طلبا ایسی باتیں کہیں نہیں پڑھتے، لیکن انہوں نے اپنی تواریخ کی کتاب میں یہ پڑھا ہے کہ اورنگ زیب ہندو دشمن بادشاہ تھا اور شیواجی مسلمان دشمن تھا۔ درحقیقت یہ عجیب بات ہے کہ آج بھی ہمارے ملک میں مرکزی حکومت ایک ہندو یونیورسٹی (بنارس) اور ایک مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کے اخراجات برداشت کر رہی ہے۔

نہ صرف تعلیم کے میدان میں بلکہ ثقافتی ترقی کے شعبہ میں بھی اب تک ایسی کوئی پالیسی کو روبہ عمل لایا نہیں گیا جس سے قومی یک جہتی کو فروغ حاصل ہو۔ ہندوستان بہت ساری ثقافتوں کا ملک ہے، لیکن اقلیتوں کے آرٹ، ثقافت یا ادب کی ترقی اور بہتری کے لئے نفی کے برابر اقدامات کئے گئے۔ بلاشبہ ان باتوں کی وجہ سے ان لوگوں کے درمیان افتراق پسندی کے احساس کو فروغ حاصل ہوا۔ خاص طور پر شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے مختلف طبقوں کے لوگوں کے معاملہ میں یہ بات تو سچ ثابت ہوئی ہے۔

کئی یک ریاستوں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں پر مختلف طریقوں سے ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہے۔ بہت سارے کیسوں میں ان کے مکانات کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے، ان کی عورتوں کی برسرِ عام بے حرمتی کی جاتی ہے اور ان لوگوں کو، جن میں ان کے بچے اور عورتیں شامل ہیں، بے دریغ قتل کیا جاتا ہے۔ ان واقعات کے پس پردہ چند لوگوں کی ذات پات کی تنگ نظری شامل ہے۔ لیکن یہ خاص طور پر دیہی علاقوں میں اچھے کھاتے پیتے گھرانے کے لوگوں کا ان غریب لوگوں پر حملہ ہے۔ اس رویہ نے بیگانگی کی طاقت کو مستحکم بنا دیا۔

افتراق پسندی کے لئے ہندوستان کے سیاسی نظام میں حد سے زیادہ مرکزیت بھی ذمہ دار ہے۔ ملک میں موجودہ وفاقی نظام کے تحت تقریباً تمام اختیارات۔ سیاسی، معاشی تقریباً ہر شعبہ میں ۔۔ مرکز کو حاصل ہے۔ ریاستوں کو بہت ہی کم اختیارات دئے گئے ہیں۔ اس لئے ریاستوں کے لئے یہ بہت ہی مشکل کام ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے طور پر ترقیاتی سرگرمیوں کو جاری رکھیں۔ مختلف حلقوں سے مطالبات در مطالبات کے باوجود مرکز نے مرکز و ریاست کے موجودہ تعلقات کو بدلنے پر اور ریاستوں کو زیادہ اختیارات اور زیادہ مالی سہولتیں فراہم کرنے پر اب تک اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کیا۔ اگر ایک خاص ریاست کے لوگ یہ دیکھیں کہ ان کے زیادہ تر وسائل ۔۔۔ چائے، پاٹ، کوئلہ وغیرہ سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ مرکز لے لیتی ہے، لیکن ضرورت کے وقت انہیں تعلیم، صحت، آبپاشی وغیرہ کے لئے مرکز سے رقم نہیں ملتی تو

ایسی حالت میں لازمی طور پر افتراق کا احساس ان لوگوں کے دلوں میں ابھر آگیا ہوگا۔

ریاستوں کی معاشی ترقی کے سلسلہ میں گزشتہ برسوں سے مرکزی حکومت تفریق کی جس پالیسی کو روبہ عمل لا رہی ہے، وہ آج ہماری قومی وحدت کے لئے ایک عظیم خطرہ بن چکی ہے۔ ہندستان کے مشرق اور شمال مشرقی علاقے مع مغربی بنگال مرکزی تفریق کا شکار بن چکے ہیں۔ ملک کے دیگر علاقوں کے مقابلہ میں مرکزی حکومت نے مشرق اور شمال مشرق کی ریاستوں کو کم مالی امداد فراہم کی اور یہاں صنعتی ترقی کے لئے بہت ہی کم اقدامات کئے۔ مشرقی ہندستان کی ریاستیں مساوی کرایہ کی پالیسی، جسے مرکزی حکومت روبہ عمل لا رہی ہے، کی شکار بن چکی ہیں۔

بلاشبہ پنجاب کی صورتحال کچھ مختلف ہے۔ یہاں افتراق پسند طاقتوں کو غفلت اور غربت کے احساس سے تقویت نہیں پہونچی۔ سکھ افتراق پسندی کی پشت پر بلاشبہ غیر ملکی عناصر ہیں، ان کے علاوہ اور بھی طاقتیں ہیں۔ سنہ ۱۹۷۷ء کے انتخاب کے بعد جب پنجاب میں اکالی۔ جنتا متحدہ حکومت برسر اقتدار آئی تو اس وقت اکالی۔ جنتا حکومت کے لئے دشواریاں پیدا کرنے کیلئے کانگریس پارٹی نے جرنیل سنگھ بھنڈراں والا اور ان کے ساتھیوں کی بھرپور مدد کی۔ اندرا گاندھی کی تائید سے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے براہ راست مشورہ سے شری ذیل سنگھ اور دیگر لوگوں نے اس کام کو بڑھاوا دیا۔ لیکن بعد میں وہ بھنڈراں والا کو زیر قابو نہ رکھ سکے۔ تقریباً ایک سال قبل تمام مخالف پارٹیوں مع اکالی پارٹی سے مشورہ کرنے کے بعد پنجاب کے مسئلہ کے حل کے لئے ایک مصالحتی فارمولا تقریباً مکمل کر لیا گیا تھا۔ اور اگر اس فارمولے کو اس وقت تسلیم کر لیا جاتا تو آج موجودہ صورتحال رونما نہ ہوتی۔ لیکن شریمتی اندرا گاندھی نے اس وقت ایسا نہیں کیا اور انہوں نے ایسا اپنی سیاسی وجوہ کے لئے کیا۔ اب امرتسر میں سورن مندر میں فوج کے گھس جانے کے بعد نہ صرف سکھ بلکہ ملک کی تمام اقلیتی کے دلوں میں اکثریتی طبقہ کے خلاف جذبہ بیگانگی پیدا ہوگیا۔ موجودہ صورتحال کے نتائج ملک کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے۔ یہ بات اب بالکل صاف ہو چکی ہے کہ شریمتی اندرا گاندھی نے پنجاب میں لاٹھی سے سکھوں کو دبانے کی اور جموں کشمیر میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی منتخب حکومت کو برطرف کرنے کی کوششیں کیں۔ ان اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ لوک سبھا انتخابات میں گائے کے علاقہ کے ہندو ووٹ حاصل کئے جائیں۔ لیکن انہوں نے اپنے ذاتی مفاد یا پارٹی کے مفاد کے لئے جو کچھ بھی کیا اس سے قومی اتحاد کو کافی نقصان پہونچے گا، اور اس کی وجہ سے سارے ملک کے لوگوں کو مصائب کا شکار ہونا پڑے گا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ملک میں افتراق پسند طاقتوں کے پیچھے غیر ملکی عناصر سرگرم عمل ہیں۔ سامراجی طاقت اس ملک کو اپنے دائرہ میں رکھنا چاہتی ہے کیوں کہ ہندستان کو عالمگیر سیاست میں بہت ہی اہم مقام حاصل ہے۔ لیکن اس کے لئے صرف غیر ملکی عناصر اور اس ملک میں ان کے ساتھیوں کو مورد الزام ٹھہرانا غلط ہوگا۔ اس ملک کے اندر مفاد پرست اور ان کے سیاسی حامی یعنی کانگریس پارٹی بھی اس کھیل میں شامل ہے۔ ملک کے عام لوگ اب نہ صرف مغربی بنگال، تری پورہ یا کیرالا میں بلکہ ملک کے دیگر علاقوں میں بھی شدید معاشی بحران، قیمتوں میں اضافہ، بے روزگاری وغیرہ کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ اور ان کی یہ تحریک روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ مفاد پرست اور ان کے سیاسی ایجنٹس اس تحریک کے رخ کو پھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کے خیال میں اس کام کے لئے افتراق پسندی ایک اچھا ہتھیار ہے۔ برٹش سامراجیوں نے آزادی کی جدوجہد کے عرصے میں ایسے اقدامات کئے اور اب شریمتی گاندھی اسی طریقہ کار کو روبہ عمل لا رہی ہیں۔ صرف اسی وجہ سے آسام اور پنجاب اور بھیونڈی اور دیگر جگہوں میں تناؤ کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب ملک کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ اور افتراق پسند طاقتیں سرگرم عمل ہیں تو پھر مغربی بنگال کیوں ان آفات سے پاک رہے۔ مغربی بنگال میں ایسی تفریق پسند طاقتیں نشوونما نہیں پا سکتیں کیوں کہ یہاں جمہوری تحریک بہت ہی مستحکم ہے اور یہاں مزدور، کسان اور دیگر محنت کش لوگ

باقی صفحہ ۱۲ پر

امداد باہمی

آج کے معاشی ترقی کے میدان میں امداد باہمی بہت ہی طاقتور ہتھیار ہے۔ اس تحریک کو مستحکم بنانے کے لئے ریاستی حکومت کے شعبہ امداد باہمی نے گذشتہ سات برسوں میں بہت سارے ترقیاتی اقدامات کئے جو اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

کوآپریٹیو مارکٹنگ: مغربی بنگال کی گھریلو صنعت اور دستکاری کی مصنوعات کو فروخت کرنے کے لئے فی الحال مغربی بنگال میں ۲۶۵ کوآپریٹیو مارکٹنگ سوسائیٹیاں ہیں۔ مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹیو مارکٹنگ فیڈریشن، سنٹرل سوسائٹی (بردوان) سنٹرل اگریکلچرل پروڈکشن اینڈ مارکٹنگ کوآپریٹیو سوسائٹی لمیٹڈ اور ۲۶۷ پرائمری مارکٹنگ کوآپریٹیو سوسائیٹیاں اس ریاست میں امداد باہمی کے اصول پر دیسی مصنوعات کو بازار میں فروخت کرنے کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ کسانوں کو کھاد، جراثیم کش ادویہ، بیج وغیرہ سپلائی کرنے کے ساتھ ساتھ پرائمری کوآپریٹیو سوسائیٹیاں بلاک سطح پر بہتر پیداوار کے لئے ضروری اقدامات بھی کرتی ہیں اور زرعی پیداوار کو بازاروں میں فروخت کرنے کا انتظام بھی کرتی ہے۔

صارف کی چیزوں کیلئے صارفین کی کوآپریٹیو:

گزشتہ سات برسوں میں صارف کی چیزوں کے لئے صارفین کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح اب صارف کی چیزوں کی مساوی تقسیم ممکن ہو سکی۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں اس طرح کی ابتدائی سوسائیٹیوں کی تعداد ۲۴ تھی جو بڑھکر ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۱۳۱ ہو گئی۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ایسی سوسائیٹیوں کے ذریعہ ۵٫۰ر ۱۹۶ لاکھ روپئے کی اور ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۳۱ر ۱۵۵۲ لاکھ روپئے کی مالیت کی چیزیں فروخت کی گئیں۔

ڈیری (دودھ) کوآپریٹیو سوسائیٹی:

مغربی بنگال امداد باہمی دودھ پیداوار فیڈریشن نے "دودھ" کی امداد باہمی تحریک کو مرکوز طور پر فروغ دینے میں بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایسی امداد باہمی سوسائیٹیوں کے تحت دودھ دینے والی ۲۰ر۱ لاکھ گائیں اور دودھ کے ۳۲۰۰۰ تاجروں کو لایا گیا۔ دوسرے آپریشن فلڈ پروجیکٹ کے تحت ایک منصوبہ یہ ہے کہ دودھ دینے والی ۸ لاکھ گائیں اور دودھ کے ۴ لاکھ تاجروں کو دودھ امداد باہمی سوسائیٹیوں کے تحت لایا جائے۔

ھاوسنگ کوآپریٹیو: مغربی بنگال میں مکانات کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بائیں محاذ حکومت کے دور میں مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں امداد باہمی تحریک کافی تیز ہو گئی۔ ۱۹۷۷ء میں اس ریاست میں پرائمری ہاؤزنگ کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کی تعداد ۶۹۵ تھی جو بڑھکر ۱۹۸۳ء میں ۱۰۱۴ ہو گئی۔ مغربی بنگال ریاستی امداد باہمی مکانات فیڈریشن نے ۱۹۷۷ء میں ۶۴ ۷۸۸ ۶ روپئے بطور نفع کمائے اور ۱۹۸۳ء میں اس نے ۱۷۶۱۲۹۰ روپئے کا نفع کمایا۔

امداد باہمی تربیت اور تعلیم: ۱۹۷۷ء سے مارچ ۱۹۸۳ء تک جونیئر بیسک کوآپریٹیو ٹریننگ سنٹر کی تعداد ۴ سے بڑھکر ۶ ہو گئی۔ اسی طرح کے دو اور مراکز کھولنے کی ایک اسکیم ہے۔ مزید برآں ایک اور کالج بنام "نیتاجی سبھاش کوآپریٹیو ٹریننگ کالج" کلیانی میں ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۲ء میں کلکتہ میں امداد باہمی اور دیہی ترقی میلہ لگایا گیا۔

ان کامیابیوں کے علاوہ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۱ء تک بنکروں کی سوسائیٹیوں کی تعداد ۱۱۶۱ سے بڑھکر ۱۱۹۲ اور ان کے ممبر ملکوں کی تعداد ۵۳۷۲۷ سے بڑھکر ۶۸۲۲۲ ہو گئی۔ اسی عرصہ میں ٹرانسپورٹ کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کی تعداد ۲۲۳ سے

سے بڑھکر ۳۵۱ اور ان کے ممبروں کی تعداد ۱۳۷۹۰ سے بڑھکر ۱۷۶۴۲ ہوگئی۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۱ء تک لیبر کونٹریکٹ کوآپریٹیو سوسائیٹوں کی تعداد ۵۵۶ سے بڑھکر ۶۸۴ اور ان کے ممبروں کی تعداد ۲۵۲۸۱ سے بڑھکر ۲۹۰۴۵ ہوگئی۔

ماہی گیروں کو امداد باہمی تحریک کے دائرہ عمل میں لانے کے لئے اور بھی کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی جارہی ہیں۔ فی الحال ماہی گیروں کی پرائمری کوآپریٹیو سوسائیٹوں کی تعداد ۷۵۰ ہے اور ان کے ممبروں کی تعداد ۷۵۰۰۰ ہے۔ نیز بہت سارے نئے میدانوں میں جیسے سیاحت، فلم سازی، دریائی نقل و حمل وغیرہ میں اور بھی کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی جارہی ہیں۔

غیر زرعی قرضی سوسائیٹوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

	۱۹۷۷ء	—	۱۹۸۳ء
(۱) سوسائیٹوں کی تعداد۔	۱۶۸۹	—	۲۲۳۵
(۲) ممبروں کی تعداد۔	۱۳۵۶۶۷۰	—	۱۷۲۱۰۰۰
(۳) ان سوسائیٹوں میں جمع کی جانے والی رقم۔	۱۶۳۲۵۸۰۰ روپے	—	۱۳۲۷۶۶۵۰۰۰ روپے
(۴) دیئے گئے قرض کی رقم۔	۷۱۲۷۰۸۰۰ روپے	—	۱۰۵۸۶۷۲۰۰۰ روپے

۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۱ء تک مختلف صنعتوں میں امداد باہمی سوسائٹیاں قائم کی گئیں جن کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

۱۹۷۷ء

	سوسائیٹوں کی تعداد	ممبروں کی تعداد	سرمایہ کی رقم
(۱) ہتھ کرگھا صنعت	۱۱۶۱	۵۲۷۲۷	۲۷۳ر۳۷ لاکھ روپے
(۲) ریشم بنائی صنعت۔	۳۳	۱۶۳۷	۵۲ر۵۰ لاکھ روپے
(۳) نقل و حمل صنعت	۳۲۲	۱۳۷۹۰	۱۵۷ر۸۱ لاکھ روپے
(۴) بے روزگار انجینئر	۴۸۱	۴۳۴۰	۱۴۳ر۵۵ لاکھ روپے

۱۹۸۱ء

	سوسائیٹوں کی تعداد	ممبروں کی تعداد	سرمایہ کی رقم
(۱) ہتھ کرگھا صنعت	۱۱۹۲	۶۴۲۲۲	۴۲۹ر۲۸ لاکھ روپے
(۲) ریشم بنائی صنعت	۸۱	۳۵۹۱	۱۵۳ر۲۰ لاکھ روپے
(۳) نقل و حمل صنعت	۳۵۱	۱۷۶۴۲	۱۸۹ر۷۷ لاکھ روپے
(۴) بے روزگار انجینئر	۵۳۵	۶۰۹۳	۳۷۱ر۱۲ لاکھ روپے

باقی صفحہ ۱۱ کا

[illegible] بات پر راغب کرنے کہ وہ ایسی تبدیلی پر اپنی رضامندی کا اظہار کریں) کے معنی یہ ہوں گے کہ ان میں بہت سارے لوگوں کو اہم ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا پڑے گا۔ اس کے معنی یہ بھی ہوں گے کہ اس حقیقت کو (جسے) طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ریاستیں کم وبیش امتیازی قومی خصوصیات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور ان سبھوں نے ملکر عظیم ہندستانی قوم کی تشکیل کی ہے۔ اگر ان حقائق سے انکار کیا جائے، تو اسکی وجہ سے قوم کو کتنی شدید دشواریوں اور پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اس کی تشریح کرنی مشکل ہے ٭ ٭ ٭

انسانیت کی بقا کا سوال

از ـــــــــــــــــ اشوک مترا

ایک برّاعظم پر حکومت کرنے کی کوشش کرنے کا غلط ترین ممکن طریقہ یہ ہے کہ اس نظریہ کو اپنایا جائے۔ "جو جیتے سب اسی کا"۔ جدید ترین اور سب سے زیادہ مشہور مثال شریمتی اندرا گاندھی ہیں جو ۱۹۸۰ء میں لوک سبھا انتخابات میں کل ووٹوں کے صرف ۴۲ فیصد ووٹ پاکر برسرِ اقتدار آئیں۔ اس کے بعد ریاستی اسمبلیوں کے لئے جو انتخابات ہوئے اور لوک سبھا کے لئے جو ضمنی انتخابات ہوئے، وہ تو اپنی الگ کہانی سناتے ہیں۔ یہ قیاس کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ انہیں اور ان کی پارٹی کو ایک تہائی سے زیادہ ووٹروں کا اعتماد حا[illegible]ں ہے۔ اور شاہی حکومت قائم کرنے کے لئے یہ بہت ہی ہلکی پھلکی بنیاد ہے۔ اگر صورتحال ایسی نہ ہو، یا اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ انہیں نصف آبادی کی تائید اور اطاعت حاصل ہے، تب بھی باقی نصف آبادی کے جذبات اور تمناؤں کو کچلنا ان کے لئے گراں ثابت ہوگا۔ اس لئے اس نصف آبادی کی تعداد، اقوامِ متحدہ کے سینکڑوں ملک ممبروں کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے۔ جب ہم ہندوستان کو ایک برّاعظم کہتے ہیں تو اس وقت ہم چند خصوصی حقائق کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ایک برّاعظم میں بہت ساری زبانیں بولی جاتی ہیں، بہت سارے مذہبی عقائد کے لوگ آباد ہوتے ہیں، ان کی ثقافتی تہذیب بھی مختلف ہوتی ہے۔ ان کی معاشی اور سماجی زندگی بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کے لوگوں کے اعتقاد اور یقین میں کافی فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔

آسام اور پنجاب کی اور مختلف سطحوں پر آندھرا پردیش اور کرناٹک کی جراحت کے بعد نئی دہلی میں فیصلہ سازوں پر زندگی کی یہ سخت و سرد حقائق عیاں ہو گئیں، لیکن اس حقیقت کا ایک اور پہلو بھی ہے، اب بھی اس بات کو سراہا نہیں جاتا کہ حالات کس حد تک بد سے بدتر ہوتے جاتے ہیں۔ اگر کیرالا، مغربی بنگال اور تریپورہ جیسی اہم ریاستوں میں کمیونسٹ تحریک کی گہرائی کے اثرات محسوس نہ ہوتے۔ ذرا اس صورتحال کا تصور کیجئے جو رونما ہو سکتی اگر شریمتی گاندھی، بعینہ کیوں کہ وہ شریمتی گاندھی ہیں، اپنی بصیرت اور فہمِ سلیم کے خلاف جاتے اور مغربی بنگال کی انتظامیہ سے سی پی آئی (ایم) کو ہٹا دے۔

ملک کے مختلف حصوں میں مذہبی، لسانی، سماجی اور معاشی طبقے تیزی سے اپنے دائرہ کے آخری حد کو پہونچ رہے ہیں۔ اسی دوران وہ سب نئی دہلی کو یہ پیغام بھیج رہے ہیں کہ وفاقی ڈھانچہ، جسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے قوم نے آزادی کے لئے جدوجہد کی تھی کو اکھاڑ پھینک کر اس کی جگہ بڑھتی ہوئی مرکزیت اور آمریت سے صورتحال میں بہتری نہیں ہوگی اور مرکز کے اربابِ حل و عقد خود اپنے آپ کو سدھاریں ورنہ یہاں انتشار کا دور دورہ ہوگا۔ آسام اور پنجاب کے واقعات ایک جیسے نہیں پھر بھی وہ اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ نہ معاشی ترقی اور نہ اس کی غیر موجودگی جو تمام باتوں کے مجمع میں ایک اہم عنصر ہے، بذاتِ خود بڑھتے ہوئے اختلاف کو مکمل طور پر تشریح نہیں کر سکتی

پنجاب کی بڑھتی ہوئی معیشت نے سکھوں کی زخمی انا کی شفا کے لئے مدد نہیں کی۔

تباہی کے راستے پر گامزن رہنا بہت آسان ہے۔ اگر شریمتی اندرا گاندھی اور ان کے قریبی ساتھیوں کے ذہن میں شہنشاہیت کی چاشنی باقی ہے تو ایک قوم کی حیثیت سے ہم سب بہت ہی شدید شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ شہنشاہیت کا نمونہ ایک تکمیلی ویسی نمونہ نہیں ہے۔ تاریخ میں پہلی بار مغلوں نے اسے ہندوستان بر اعظم میں رائج کرنے کی کوششیں کیں۔ ان کی حکومت کے ایک سو یا اس سے زیادہ عرصہ کے بعد بھی یہ تجربہ وفاقی انتظامات سے آگے نہیں بڑھا۔ جس گھڑی اورنگ زیب نے انتظامیہ کو مرکزیت کی طرف ڈھکیلنا شروع کیا اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

ایک صدی سے زیادہ عرصہ کے بعد برٹش نے تقریباً غیر ارادی طور پر اس تجربہ کی احیاء نو کی کوششیں کیں۔ انہیں ایک سہولت یہ فراہم تھی کہ وہ غیر ملکی فاتح تھے، لیکن وہ یہاں تخت و تاج کے مالک بن بیٹھے۔ اس وقت ہندوستانی قوم مختلف قومیت پر مشتمل تھا، اور برٹش حکمران معروضی ساتھ ہی خیالی طور پر خودکو ان قوموں سے مساوی فاصلہ پر رکھ سکے یا رکھنے کا بہانہ کیا۔ یہاں تک کہ اگر دوسری عالمی جنگ نہ چھڑتی اور قومی آزادی کے لئے ہندوستان کی جدوجہد اور بھی زیادہ مرکوز اور تیز نہ ہو جاتی، تب بھی برٹش کو اس بات پر آمادہ کیا جا سکتا کہ وہ شہنشاہیت کے نمونہ کو ترک کر دے۔ انتظامی لحاظ سے پہلے لنکا کو پھر برما کو ہندوستان کی انتظامیہ سے الگ کر دیا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع ہی سے ان تین ملکوں کی معاشی ابتری کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ پھر جب سنہ ۱۹۴۷ء میں اس ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تو اس وقت بہت سارے لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ ہندوستان کی سلطنت اتنی وسیع ہو گئی تھی کہ اس کے انتظام کے لئے انتظامی وحدت کو برقرار رکھنا ممکن نہ تھا۔

شہنشاہیت کے دونوں تجربات، یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ایک صدی سے زیادہ عرصے تک قائم رہے تو پھر نہرو گاندھی کی حکومت ایسا کیوں نہ کر سکے؟ ایک بات تو یہ ہے کہ اندرا گاندھی اور ان کی پارٹی کو وہ سہولتیں فراہم نہیں جو مغلوں اور برٹش کو حاصل تھیں۔ قرون وسطیٰ میں مغلوں نے ایک غیر ملکی شاہی طاقت ہونے کی حیثیت سے بہت سارے قوم پرستوں کا قتل عام کیا۔ برٹش طاقت نے ہمارے حلق میں بہت ساری ناموافق چیزیں ڈال دیں لیکن آج کی موجودہ صورتحال میں ایسا کرنا ممکن نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد کے پہلے تیس برسوں میں ہندوستان کی مختلف قومی جماعتوں نے توجہ ہی نہیں کیا تو اب وہ ایسا کیوں کریں گی۔ شاید ڈسپلن کی ایک دو ٹیکہ اس جنون کو دور کر دے۔ وفاق پسند لوگ جنہیں برسوں سے تاریکی میں رکھا گیا کبھی کبھی بذات خود جدوجہد کرنے کی کوششیں کرتے ہیں اور جب وہ اس راستہ پر گامزن ہو جاتے ہیں تو ان کے خلاف قرون وسطیٰ کے ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں اور انہیں مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس بات کی تائید میں شہادت کے لئے ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف اس بات کو دیکھیں کہ جب بنگالیوں کو ادھر ادھر ڈھکیلنے کی کوشش کی گئی تو اس کا اثر پاکستان پر کیا ہوا۔

تب "نجات" کا راستہ کدھر ہے۔ ہندوستان نہ صرف بے نظیر ملک ہے اور نہ بر اعظم نما ہندوستان کے مسائل کی نوعیت تاریخ میں کوئی نئی چیز ہے۔ دیگر بر اعظم کے ممالک جیسے یونائیٹڈ اسٹیٹس، کناڈا، برازیل، سوویت یونین اور چین کی انتظامی ساخت میں فرق کو تجربہ کے بہت سے دھاروں سے گزرنا پڑا، اس لئے اس سے ہمیں کچھ نتائج اخذ کرنے میں آسانی ہوگی۔ بہت زیادہ موافق زمین۔ آدمی تناسب اور صحیح لسانی غیر جنسیت کی غیر موجودگی برازیل اور ریاستہائے متحدہ امریکہ۔ دونوں ملکوں میں قومی سوال کو سمجھنے میں کچھ حد تک معاون ثابت ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان دونوں ملکوں میں وفاقیت کو جو چھوٹ دی گئی ہے اسے ہم شاید ہی نظر انداز کر سکیں۔ کناڈا بہت بڑا ملک ہے۔ اس کے وسائل بھی بہت زیادہ ہیں لیکن اس کی آبادی کم ہے۔ تو کیا ہوا کیونکہ شہر کو اچھی حالت میں رکھنا ہی بڑی بات ہے اور کوئی

بھی یہ یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ اس ملک کے فرانسیسی زبان بولنے والی اقلیت کو مراعات دینے کے باوجود اس ملک کی موجودہ سالمیت کو برقرار رکھنے میں کناڈا کے لوگوں کو کامیابی ہوگی۔

اس سلسلہ میں قومیت کے سوال کو حل کرنے کے لئے سوشیلسٹ ملکوں نے جو اقدامات کئے ان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ بعض حلقوں میں جوسیف اسٹالن کا ذکر کرنا خلاف شان سمجھا جاتا ہے، اپریل ۱۹۲۳ء میں سوویت کمیونسٹ پارٹی کے ۱۲ویں کانگریس کے دستوری دستاویز پر مرکزی کمیٹی کی رپورٹ پر بحث ومباحثہ کا جواب دیتے تو اسٹالن نے اپنے ادراک اور دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے جو کہا تھا، آیئے اب اس پر غور کریں۔ اسٹالن نے کہا تھا:

"اگر یونین کی مرکزی اکزیکیوٹیو کمیٹی کے اندر ہم مساوی اختیارات کے دو چیمبر قائم کر سکے، ان میں ایک بلا لحاظ قومیت سوویت یونین کے کانگریس میں منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوگا اور دوسرا ری پبلکس اور قومی علاقوں (دونوں کے مساوی نمائندے ہوں گے) کے نمائندوں پر جن کی سوویت ری پبلک یونین کا اسی کانگریس تصدیق کردے گا، مشتمل ہوگا، تب میرے خیال میں ہمارے اعلیٰ ترین ادارے بلا لحاظ تحت محنت کشوں کے طبقاتی مفادات کا نہ صرف اظہار کریں گے بلکہ قومی ضروریات کا بھی اظہار کریں گے ہمارا ایک ادارہ ہوگا جو یونین ری پبلک میں آباد قوموں، لوگوں اور ذاتوں کے خصوصی مفادات کا اظہار کرے گا۔ ہماری یونین کے موجودہ حالات کے تحت ایک ایسے ملک میں جہاں ......۱۴۰ افراد جن میں ......۶۵ افراد غیر روسی ہیں، آباد ہیں وہاں ان پر حکومت کرنی ناممکن ہے جب تک ہم یہاں ماسکو میں ہمارے ساتھ اپنے اعلیٰ ترین ادارے میں ان قوموں کے نمائندوں کو نہ شامل کریں، کیوں کہ یہ نمائندے نہ مجموعی طور پر پرولتاریت کے مشترکہ مفادات کا ذکر کریں گے بلکہ چند خصوصی قومی مفادات کا بھی ذکر کریں گے۔ کامریڈس! اس کے بغیر حکومت کرنا ناممکن ہے۔ اگر ہمارے پاس آلہ پیمائش نہ ہو، اگر مختلف قومیت کی خصوصی ضرورتوں کو مرتب کرنے کی صلاحیت رکھنے والے کارکنندگان نہ ہوں، ہمارے لئے حکومت کی ذمہ داریوں کو نبھانا ناممکن ہے۔"

(جے وی اسٹالن کی تصانیف)

اسٹالن کی اس تقریر کی روشنی میں ہم ۱۹۸۰ء کے اپنے چند خصوصی مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں کہ اور ایک بڑی قوم کو، اگر وہ زندہ رہنا چاہے تو اسے ایسے مسائل کو حل کرنا ہوگا۔ بیسویں پارٹی کانگریس کے بحث ومباحثہ کے بعد روس کا دستور مرتب ہوا۔ کل۔ یونین مرکزی اکزیکیوٹیو کمیٹی کو، جو یونین کی اعلیٰ ترین فیصلہ ساز کمیٹی ہے، دو چیمبروں پر مشتمل کیا گیا۔ یونین کا کاؤنسل اور قوموں کا کاؤنسل۔ اول الذکر آبادی کے تناسب سے منتخب دستوری ری پبلک کے نمائندوں پر مشتمل ہے اور بعد الذکر یونین ری پبلک یا خود اختیار ری پبلک کے مساوی نمائندوں پر مشتمل ہے۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قومیت کے کاؤنسل نے اس یونین کی مختلف قوموں کے درمیان، بلا لحاظ تعداد آبادی، مساوات کے اصول کو تسلیم کر لیا۔ دونوں چیمبرس، کل یونین مرکزی اکزیکیوٹیو کمیٹی کے مساوی ممبران، مساوی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہیں اس کمیٹی کا ہر فیصلہ یا اقدام ان دونوں چیمبروں کے الگ الگ ووٹ کے ذریعہ حاصل کردہ اتفاق رائے کے مطابق ہوتا ہے۔ جب دونوں چیمبروں کے خیالات ایک جیسے نہیں ہوتے اور مشترکہ اجلاس بلایا جاتا ہے، اگر یہاں بھی اتفاق رائے نہ ہو تو معاملہ کو سوئیس کے کل یونین کانگریس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔

اس بات کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے کہ سوویت دستور میں یہ باتیں درج ہیں یونین سے ملحق ریاستوں میں یونین سے الگ ہونے کا حق حاصل ہے۔ یہ سچ ہے کہ دوسری اور تیسری دہائی میں اس قسم کی رکھی گنجائش نے وفاق میں شامل لوگوں کے، خاص طور پر غیر روسی لسانی اقلیتوں کے شک وشبہ کو دور کر دیا۔ لیکن الگ ہونے کا حق کو آخری داؤ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے چیمبرس کی موجودگی سے سوویت یونین کی بنیاد مستحکم ہوگئی، کیوں کہ اس چیمبرس میں تمام قوموں کو مساوی نمائندگی حاصل تھی، اور آبادی کی بنیاد پر دیگر چیمبروں سے منتخبہ

ممبروں کی طرح ان نمائندوں کو بھی اظہارِ خیال کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ اس حقیقت کو کہ اس صدی کی تیسری دہائی کے درمیان عرصہ سے چوتھی دہائی کے درمیانی عرصہ تک چیمبر آف نیشنلٹی کی منظوری حاصل کئے بغیر مرکزی اگزیکیوٹو کمیٹی کے اہم فیصلوں کو یا چھوٹے امور کی بابت فیصلے کو روبہ عمل نہیں لایا جا سکتا، کافی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے سوویت یونین کافی مستحکم ہو گیا اور بعد کی دہائی کی مسلسل معاشی اور سیاسی دشواریوں کو کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکا ہے۔

ہندستان سوشیلسٹ ری پبلک نہیں۔ روس میں طبقاتی مفادات کی یکسانیت نے سوویت دستور میں خصوصی گنجائش میں مختلف قوموں کو یکجا کر دیا اور یونین کے مفادات کے ساتھ ساتھ وفاق کی یونٹوں کے مفادات کو بھی مساوی حیثیت دی گئی۔ ہندستان میں جب تک سماجی تبدیلی کا کام ممکن نہیں ہوگا اس وقت تک یہاں یہ ایک بیرونی تصور ہی رہے گا۔ لیکن اگر ہماری یہ پالیسی ہے کہ ہمیں زندہ رہنا ہے، تو ہندستان کے لوگوں کو ان باتوں کو جن کا ذکر ابتدائی سوویت دستور میں کیا گیا ہے، اپنانے سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ قومی سوال کا حل جس کے سلسلے میں اسٹالن نے تجویز پیش کی تھی اور جسے ۱۹۲۳ء میں سوویت دستور میں شامل کر لیا گیا۔ امریکہ کی وفاقی ریاستوں کے لئے امریکی دستور میں درج تحفظ کی باتوں سے مختلف نہیں ہے۔ اصول قانون کے لحاظ سے امریکی صدر کچھ حد تک یکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسے کانگریس کے ساتھ اپنے اختیارات کو روبہ عمل لانا پڑتا ہے اور یہ کانگریس نمائندوں کا ایوان ہے اور یہاں آبادی کی بنیاد پر نمائندے انتخابات میں منتخب کئے جائیں۔ لیکن اختیارات اور اثرات کے لحاظ سے یہ ایوان سینیٹ سے کمتر ہے اور سینیٹ میں امریکہ کے نیویارک سے لے کر ہوائی تک تمام ریاستوں کو مساوی نمائندگی ہے۔

حالیہ مہینوں میں سارے ملک میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں۔ ان کی روشنی میں کیا ہمارے دستور پر، نہ صرف اس لئے کہ مرکز کو اپنے بہت سارے اختیارات اور ذمہ داریوں کو ریاستوں کے حوالے کر دینے پر مجبور کیا جائے بلکہ بذات خود مرکز کے تصور کی از سرِ نو تشریح کی جائے، نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا ہم خود اپنی یاد دہانی نہیں کرائیں گے کہ ہندستانی دستور میں وفاق وحدت کے پہلے انتساب میں لفظ "یونین" درج ہے نہ کہ لفظ "مرکز"۔ اگر یہ یونین قوموں کی یونین کی حقیقی خصوصیات کو منعکس کرتا تو آج نئی دہلی کے مقاصد اور ارادوں کا شک و شبہ دھیرے دھیرے ختم ہو جاتا۔ مثال کے طور پر کیوں راجیہ سبھا کو ایک نئے ڈھانچہ میں نہ ڈھالا جائے اور اسے ایک ایوان میں تبدیل کر دیا جائے جہاں اترپردیش سے ناگالینڈ تک تمام ریاستوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہوگی؟ کیوں ایسے نو ساختہ راجیہ سبھا کو لوک سبھا جیسے اختیارات معہ مالیاتی اختیارات رکھنے کی اجازت دی جائے ہے نو آبادکاری رشتہ سے الگ اور کیا بات ہو سکتی ہے جو اس نقطہ پر اصرار کرے کہ راجیہ سبھا کو برٹش ہاؤس آف لارڈس کی ہو بہو نقل ہونی چاہئے۔

کیا بڑھتی ہوئی بیگانگی کی جڑیں، وسیع پیمانہ پر پھیلے ہوئے اس اعتقاد سے وابستہ نہیں ہیں کہ مرکزی حکومت ریاستوں کے بنیادی مسائل کی طرف کم و بیش توجہ نہیں دیتی؟ اس بات کو ہم تسلیم کرتے ہیں، تو راجیہ سبھا میں مساوی نمائندگی کے ذریعہ اور لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے اختیارات اور فرائض کو مساوی حیثیت دے کر۔ اس سے مرکزی فیصلہ سازی میں کافی دخل حاصل ہوگا، اس احساس میں تو کمی کی جا سکتی ہے، ہم کو الگ تھلگ رکھا جا رہا ہے۔ راجیہ سبھا کو ریاستوں کا کاؤنسل کہا جاتا ہے۔ لیکن فی الحال ریاستوں کو اس ادارہ کے ذریعہ صلاح و مشورہ کرنے کی نفی کے برابر اختیارات حاصل ہیں۔ یہاں اس قسم کی تبدیلی سے پوری فضا میں ایک معیاری تبدیلی رونما ہوگی اور شاید ایسی تبدیلی ہمارے ملک کو افراتفری کے گرداب سے بچانے کا واحد راستہ ہے۔

ان لوگوں کو، جو نئی دہلی میں اقتدار سے چپٹے بیٹھے ہیں،

جہاڑگرام کی ترقی

ضلع مناپور جسے پسماندہ علاقہ قرار دیا گیا ہے، میں جہاڑگرام سب ڈویژن کے ترقیاتی کاموں کی رفتار میں سرعت لانے کیلئے جہاڑگرام ترقیاتی بورڈ قائم کیا گیا۔ اس سب ڈویژن کی کل آبادی کا ۲۹ر فیصد اور ۱۲ر۶ فیصد علی الترتیب شیڈولڈ ٹرائب اور شیڈولڈ کاسٹ ہیں۔ گزشتہ سات برسوں کے دوران جہاڑگرام ترقیاتی بورڈ سرگرمیوں کے لئے بجٹ میں رکھی گئی گنجائش کی تفصیل درج ذیل ہے:

	۱۹۷۷-۷۸ء (روپئے)	۱۹۷۸-۷۹ء (روپئے)	۱۹۷۹-۸۰ء (روپئے)	۱۹۸۰-۸۱ (روپئے)	۱۹۸۱-۸۲ء (روپئے)	۱۹۸۲-۸۳ء (روپئے)	۱۹۸۳-۸۴ء
بجٹ میں رکھی گئی گنجائش	۳۵۰۰۰۰۰	۴۰۰۰۰۰۰	۴۶۰۰۰۰۰	۶۰۰۰۰۰۰	۶۵۰۰۰۰۰	۶۰۰۰۰۰۰	۷۰۰۰۰۰۰
(الف) آبپاشی	۴۰۰۰۰۰	۱۵۰۰۰۰۰	۲۰۹۳۲۸	۲۲۴۲۳۵۸	۲۹۳۱۴۲۲	۳۲۲۲۱۲۰	۱۰۱۵۶۱۷
(ب) تعلیم	۳۹۸۷۰۸	۳۰۰۰۰۰	۲۶۴۵۵۴	۳۹۶۰۰۰	۱۶۶۵۰۰	۱۵۷۵۷۰	—
(ج) سڑکیں	۱۳۸۸۵۳۳۰	۱۰۰۰۰۰۰	۴۶۵۴۰۴۸	۲۲۲۶۳۵۴	۲۰۰۸۷۲	۸۷۵۴۳۰	۲۰۳۴۸۳۴
(د) گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں	۸۷۰۰۰	۴۰۰۰۰	۱۱۶۰۰۰	۲۰۶۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	۱۹۶۶۵	۱۰۰۰۰
(ہ) جنگلات	۹۲۵۰۰	۲۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	۴۲۹۶۸	۳۱۸۰۰۰	۵۰۰۰۰	—

آبپاشی: ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۴ء کے چند ابتدائی مہینوں کے دوران ندی سے پانی اٹھا کر آبپاشی کے ۲۴ پروجیکٹوں اور آبپاشی کے ۲۲۱ پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ علاوہ ازیں کنٹوا کھال اور مورائی کھال کے ذریعہ آبپاشی کی سہولتیں میں اضافہ کیا گیا۔

سڑکیں: گزشتہ سات برسوں کے دوران سڑک کی تعمیر اور مرمت کے سلسلہ میں ۱۵۱ پروجیکٹوں کو پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے تعاون سے روبہ عمل لایا گیا تھا۔ نیز بہت سارے زمین دوز نالے اور پل بھی تعمیر کئے گئے تھے۔

تعلیم: گزشتہ سات برسوں میں پرائمری اور سکنڈری اسکولوں اور کالجوں کی ۱۶۵ عمارتوں کی تعمیر اور مرمت کے کام کے لئے مکمل کئے گئے۔ یہ بورڈ تعلیم بالغان کے مراکز اور تجربہ گاہوں کی عمارتوں کی تعمیر کے سلسلہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔

جنگلات: جنگلاتی پروگرام کے تحت ۱۹۷۷-۷۸ء میں ۴ پروجیکٹوں، ۱۹۷۹-۸۰ء میں ۵ پروجیکٹوں کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ۲۰۰ ہیکٹر بنجر زمین پر جنگلات کو فروغ دینے اور نئے پودے لگانے کے لئے ۱۹۸۱-۸۲ء میں محکمہ جنگلات کو رقم کی منظوری دی گئی تھی۔

مزید برآں بورڈ نے بھی مویشیوں کا شعبہ کھولنے، گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کو قائم کرنے، صاف پانی کی فراہمی اور دیہی چھوٹے شفاخانوں کی سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلہ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ❖ ❖ ❖

محنت کشوں کی رفاہ

بائیں محاذ حکومت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ باہمی بات چیت کے ذریعہ ہڑتال، تالہ بندی، چھنٹائی، بندی وغیرہ جیسے صنعتی مسائل کو مناسب طور پر حل کیا جائے۔ اس کی وجہ سے انجینئرنگ، سوتی کپڑے، چائے اور پاٹ کی صنعتوں میں تنازعات کا مناسب طور پر تصفیہ کرنا ممکن ہوسکا۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر مزدوروں کی حقیقی اجرتیں مقرر کی جاسکیں۔ موجودہ حکومت اس مسئلہ کی طرف خصوصی توجہ دیتی ہے کہ مزدوروں کی قوت خرید کو خطرہ لاحق نہ ہو۔

یہاں اس بات کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ پاٹ ملوں میں باربار تالہ بندی کے نتیجے میں گزشتہ سات برسوں میں بہت سارے کام کے دن ضائع ہوگئے۔ اس صنعت میں سنہ ۷۶ء میں ۵۳ دنوں کی اور سنہ ۸۲ء میں ۹۴ دنوں کی ہڑتال سے ہڑتال کرنے والے مزدوروں اور محنت کشوں کی پرعزم جدوجہد کا اظہار ہوا۔ اس سلسلہ میں یہاں میٹل بوکس کے مزدوروں کی بہادرانہ جدوجہد کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء اور سنہ ۷۷-۸۳ء کے دوران ہونے والی ہڑتالوں کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

سال	کیسوں کی تعداد	ہڑتال سے متاثر ہونے والے مزدوروں کی تعداد	ضائع ہونے والے کام کرنے کے دنوں کی تعداد
سنہ ۷۶-۷۷ء	۱۴۸۱	۱۹ر۶۱ لاکھ	۲ر۶۵ کروڑ
سنہ ۷۷-۸۳ء	۷۰۶	۷ر۶۴ لاکھ	۲ر۵۱ کروڑ

مذکورہ بالا اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ گزشتہ سات برسوں میں صرف ہڑتالوں کی وجہ سے ۲۷ فی صد کام کرنے کے دن ضائع ہوگئے۔

بائیں محاذ حکومت بند صنعتوں کو کھولنے اور مختلف صنعتی یونٹوں میں تالہ بندی کو ختم کرنے کے لئے مسلسل کوشش کر رہی ہے۔ نیز محنت کش لوگوں کے مفاد کے لئے چند خصوصی کیسوں میں ترمیمات بھی لائی گئیں۔ "صنعتی تنازعات ایکٹ سنہ ۱۹۴۷ء"، "مغربی بنگال دکان و ادارے ایکٹ سنہ ۱۹۶۳ء" اور "مغربی بنگال محنت کشوں کے مکان ۔ کرایہ بعتہ ایکٹ سنہ ۱۹۷۴ء" میں ترمیمات لائی گئیں۔ غیر منظم سیکٹر میں محنت کشوں کی ملازمت کے تحفظ کے لئے سنہ ۱۹۸۱ء میں "ٹھنڈل مزدور بل" پاس کیا گیا۔ اس بل کو ابھی صدر کی منظوری کا انتظار ہے۔ ایک اور بل بنام "ٹریڈ یونین بل (مغربی بنگال ترمیم سنہ ۱۹۸۳ء)" کو بھی صدر کی منظوری کا انتظار ہے۔

رائج قانون کے تحت ریاستی حکومت کو کارخانوں کی بندی کے مختلف کیسوں میں کوئی اہم کردار ادا کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ صنعتی تنازعات ایکٹ سنہ ۱۹۴۷ء میں ترمیم کے اس سلسلہ میں چند اقدامات کا کرنا ممکن ہوسکے گا۔ اس ریاست میں تالہ بندی اور بندی کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

	کیسوں کی تعداد۔	متاثر ہونے والے مزدوروں کی تعداد۔	کام کے دن ضائع ہوگئے۔
تالہ بندی			
سنہ ۷۶-۷۷ء	۱۰۳۲	۴۱ر۵ لاکھ	۲ر۵۹ کروڑ
سنہ ۷۷-۸۳ء	۱۰۴۷	۵۲ر۷ لاکھ	۶ر۲۸ کروڑ
بندی			
سنہ ۷۶-۷۷ء	۸۴۷	۶۵ر۱ لاکھ	—
سنہ ۷۷-۸۳ء	۴۸۳	۸۴ر لاکھ	—

تقریباً ۳۶ غیر منظم سیکٹروں میں مزدوروں معہ زرعی مزدوروں کی کم سے کم اجرتیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ گزشتہ سات برسوں میں ریاستی حکومت نے ریاستی ٹھیکہ مزدور مشاورتی بورڈ کے ذریعہ مختلف صنعتی یونٹوں میں ٹھیکہ مزدوروں سے کام کرانے کے نظام کو ختم کرنے کی کوششیں کر رہی ہے۔ ابتک ایسا کوئی قانون رائج نہیں ہے جس کے تحت حکومت تاجروں کو اس کام کے کرنے پر مجبور کر سکے کہ وہ اپنی یونٹوں میں ٹھیکہ مزدوروں کو مستقل طور پر برسر روزگار بنا دیں۔

بائیں محاذ حکومت کے دور میں مزدوروں کے علاج کے لئے ساری ریاست میں ۱۴ اسر وس شفا خانے قائم کئے گئے۔ حکومت کے زیر انتظام ادویہ کی ۱۶ دکانیں کھولی گئیں۔ ملازمین ریاستی بیمہ ہسپتالوں کی تعداد ۹ سے بڑھکر ۱۲ ہوگئی۔ ہسپتالوں میں بستروں کی تعداد ۲۰۰۰ سے بڑھکر ۳۱۵۵ ہوگئی۔ ٹھاکر پوکھر میں ایک ای۔ ایس۔ آئی ہسپتال زیر تعمیر ہے۔ سالٹ لیک میں مزدوروں کو رہائش کی سہولت فراہم کرنے کے لئے مکانات تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ ای ایس آئی اسکیم کے تحت ۱۹۷۷ء میں ممبروں کی کل تعداد ۶۰ر ۱۰ لاکھ تھی جو بڑھکر ۱۹۸۲ء میں ۳۸ر ۱۶ لاکھ ہوگئی۔ سبھوں کو مساوی مواقع فراہم کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے پہلی بار ۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۷ء سے تبادلۂ ملازمت کے دفاتر کے ذریعہ لازمی طور پر تمام سرکاری دفاتر میں خالی آسامیوں کو پُر کرنے کے طریقۂ کار کو رائج کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ گزشتہ سات برسوں میں تبادلۂ ملازمت کے دفاتر کے ذریعہ تقریباً ۸۵ ہزار بے روزگاروں کو روزگار فراہم ہوا۔ ۱۹۷۹ء میں پہلی بار بے روزگاری بھتہ اسکیم رائج کی گئی۔ اب تک اس اسکیم سے تقریباً ۶ لاکھ بے روزگار افراد مستفید ہوسکے۔ ❖❖❖❖

باقی صفحہ ۵ کا

پنی ذمہ داریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں دلچسپی کی گنجائش نہیں ہے اور ہمیں اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ مفاد پرست طاقتیں یہاں وہاں مشکلات پیدا کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں اور یہاں اس بات کو تسلیم کرنا ہوگا کہ مغربی بنگال نے اتحاد کی جو مثال قائم کی ہے وہ سارے ملک کے لئے ایک نمونہ ہے۔

اس لئے ان تمام لوگوں کے لئے جن کا جمہوریت پر اعتقاد ہے اور جن کے ترقی پذیر خیالات ہیں، یہ ضروری ہے کہ وہ ملک کے اتحاد اور یکجہتی کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ قومی یکجہتی کا قیام ممکن ہے۔ اگر ثقافتی قدروں کی لامرکزیت کے راستہ پر ہم گامزن رہیں اور آگے بڑھتے رہیں اور عوام کے معاشی مطالبات کی جدوجہد کو مستحکم بنائیں ❖❖❖

سماجی فلاح تنظیم کو عطیہ

ریاستی حکومت نے سال رواں میں رفیع احمد قدوائی روڈ، کلکتہ کی سماجی فلاح تنظیم کو ۸۵-۱۹۸۴ء کی مدت کے لئے ان کی چیسٹ کلنک کے اخراجات کی تکمیل کے سلسلہ میں ۱۰۰۰ روپئے بطور غیر مکرر عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ بغرض اس مد پر اس سال کے لئے کل منظور شدہ عطیہ کی رقم ۲۰۰۰ روپئے تک پہونچتی ہے ❖❖

سینتھیا کیلئے پانی سپلائی اسکیم

حکومت مغربی بنگال نے سینتھیا کے لئے پانی کی فراہمی کے سلسلہ میں منظوری دی ہے۔ بیر بھوم ضلع کے اعلان کردہ علاقے اس کے حلقۂ عمل میں آتے ہیں۔ اس اسکیم کو روبہ عمل لانے میں ۸۹ر ۶۷ لاکھ روپئے کی لاگت آئے گی۔ اس کام کو تکمیل تک پہونچانے کیلئے کل خرچ حکومت برداشت کرے گی ❖❖



ہتھ بنکر — اونی قالین کی تیاری۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
15 September 1984

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 18
PRICE 12 Paise



شری روبن مکھرجی، وزیر شعبۂ نقل و حمل، حکومت مغربی بنگال ۳۱ اگست ۸۴ء کو کلکتہ میں ہگلی ندی پر فیئرلی پلیس جیٹی کا افتتاح کرتے ہوئے (اوپر)۔ اس کے بعد اسی جیٹی پر جل ساتھی اسٹیمر میں



مغربی بنگال



پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

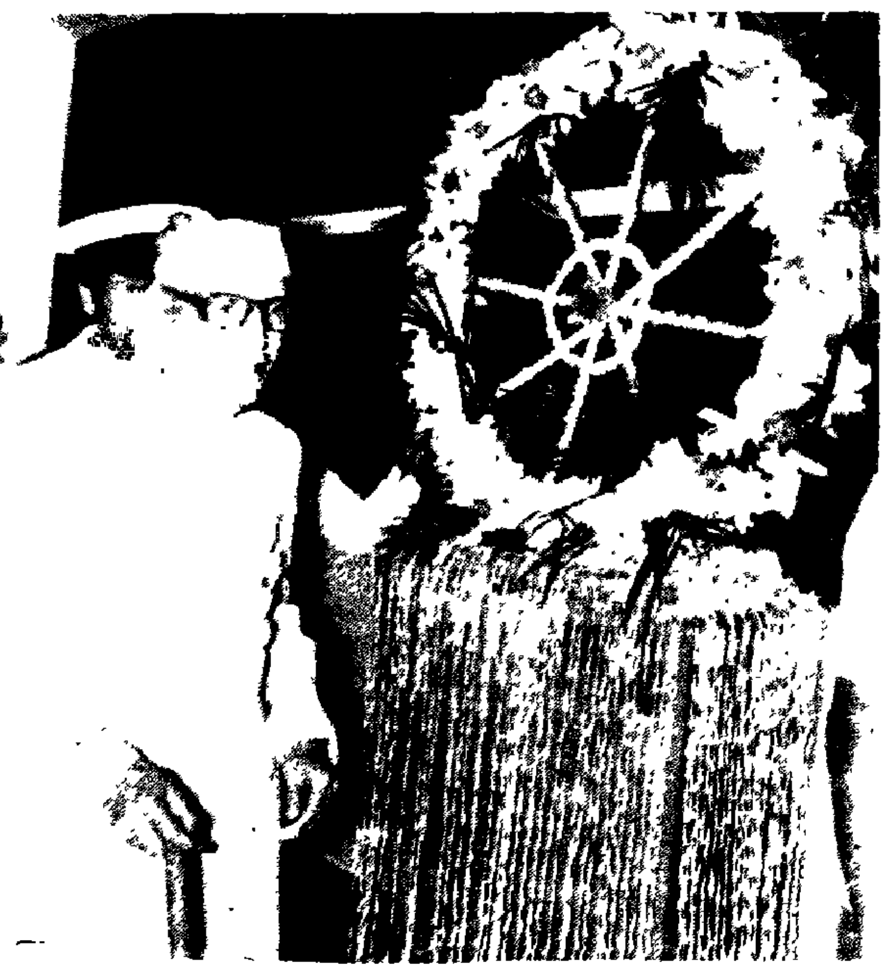
جلد نمبر ۳۱ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۴ء شمارہ نمبر ۱۹

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے — اس شمارے کی قیمت ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر این مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر ڈکشت بارکپور گاندھی گھاٹ میں گاندھی جی کے یوم پیدائش کے موقع پر شہیدوں کی یادگار پر گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے

عالمی بنک پروجیکٹ اور ریاستی حکومت

عالمی بنک اور ان کے تحت ادارہ ، انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن سے حاصل کردہ قرض کی پیچیدگیوں کی بابت کافی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ اخباروں نے، جنہیں مرکزی حکومت کے بہت ہی قریبی حلقہ کے بیانات سے اعانت ملتی ہے، یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ عالمی بنک سے ملنے والی رقم نے ریاستی حکومت کے دستیاب وسائل میں کافی اضافہ کیا اور یہ کہ ریاستیں اکثر ایسے وسائل کو مناسب طور پر بروئے کار نہیں لاتیں۔ اس لئے یہاں یہ ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں جو حقائق ہیں انہیں پیش کیا جائے۔

عالمی بنک اپنے ممبر ملکوں کو لمبے عرصے کا قرض فراہم کرتا ہے۔ اس قرض کو ۲۰ سے ۳۰ سال کے عرصے میں ادا کرنا پڑتا ہے۔ نیز قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں مزید ۳ تا ۵ سال کی مہلت دی جاتی ہے۔ ایسے قرض پر شرح سود ... تا ۱۱ فیصد ہوتی ہے۔ بنک کا یہ کہنا ہے کہ بین الاقوامی بازار کا قرض لینے والے سرمایہ فنڈ کی اوسط قیمت کو زیر غور رکھکر بنک سود کی شرح مقرر کرتا ہے۔ بین الاقوامی ترقیاتی ایسوسی ایشن، جسے ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں کی حکومتوں کے وقتاً فوقتاً دئے گئے مخصوص گرانٹس کے ذریعہ زندہ رکھا جاتا ہے دوسروں کو جو قرض دیتا ہے اس پر وہ سود نہیں لیتا، صرف ۳/۴ یا ایک فیصد بطور سروس چارج لیتا ہے۔ آئی ڈی اے کا قرض ۵۰ سال کے عرصہ میں ادا کیا جا سکتا ہے اور قرض داروں کو قرض ادا کرنے کے لئے مزید دس سال کی مہلت دی جاتی ہے۔ جہاں تک مغربی بنگال کا تعلق ہے تمام متعلقہ جاری پروجیکٹس آئی ڈی اے پروجیکٹس ہیں۔

خواہ یہ عالمی بنک کا قرض ہو یا آئی ڈی اے قرض، ایک پروجیکٹ پر جتنے اخراجات ہوتے ہیں، ان کا زیادہ سے زیادہ ۵۰ فیصد رقم بطور قرض فراہم کی جاتی ہے۔ قرض غیر ملکی زرمبادلہ کی شکل میں دی جاتی ہے۔ چوں کہ ہمارے دستور کے مطابق مرکزی حکومت کو غیر ملکی زرمبادلہ کی رقم فراہم کی جاتی ہے، اس لئے عالمی بنک یا آئی ڈی اے قرض کی رقم مرکزی حکومت کو ہی دی جاتی ہے۔ ۱۹۷۷ء تک یہ انتظام تھا کہ جب ایک ریاستی حکومت ایک پروجیکٹ کا منصوبہ تیار کرتی ہے تب اگر اس پروجیکٹ کو مرکزی حکومت کی منظوری حاصل ہو جائے تو عالمی بنک یا آئی ڈی اے اس پروجیکٹ کے اخراجات کی ۵۰ فیصد رقم مرکزی حکومت کو بطور قرض دیتی ہے۔ متعلقہ ریاستی حکومت کو بالکل الگ تھلگ کر دیا جاتا ہے اور اسے اپنے وسائل سے پورے اخراجات پورے کرنے ہوتے ہیں۔ ریاستی حکومت کو قرض کے اقرارنامہ کا ایک فریق بنایا جاتا ہے اور اسے عالمی بنک یا آئی ڈی اے کی عائد شرائط کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے، لیکن اسے اس پروجیکٹ کیلئے عالمی بنک یا آئی ڈی اے یا مرکزی حکومت سے ایک پیسہ بھی نہیں ملتا۔

۱۹۷۷ء سے صورتحال میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے، کیوں کہ اس سلسلہ میں ریاستی حکومتوں مع ہماری ریاستی حکومت، نے مرکزی حکومت سے کوئی بات چیت کی۔ اس سال مرکزی حکومت نے اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا کہ ہر پروجیکٹ کیلئے عالمی بنک یا آئی ڈی اے سے جتنی رقم بطور قرض ملے گی، اس کا ۷۰

فیصد حصہ ریاستی حکومت کو بطور فاضل منصوبہ امداد دے دیا جائے گا۔ اس طرح اگر ایک پروجیکٹ پر ۱۰۰ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے تو عالمی بنک یا آئی ڈی اے ۵۰ کروڑ روپئے غیر ملکی زر مبادلہ کی صورت میں بطور قرض فراہم کرے گا۔ اس ریاستی حکومت کو جو اس پروجیکٹ کو روبہ عمل لائے گی مرکزی حکومت کی طرف سے ۵۰ کروڑ روپئے کی ۷۰ فیصد رقم یعنی ۳۵ کروڑ روپئے بطور فاضل منصوبہ امداد کے تحت فراہم کئے جائیں گے۔ اس طرح کی فاضل منصوبہ امداد مرکزی حکومت، مرکزی منصوبہ امداد کے سلسلہ میں جن شرائط کو روبہ عمل لایا جاتا ہے، ان معیاری شرائط ریاستی حکومت کو فراہم کرے گی:- اس امداد کا ۷۰ فیصد قرض کی صورت میں ہوگا اور باقی ۳۰ فیصد عطیہ کی صورت میں ـــ منصوبہ کے تحت مرکزی حکومت کی طرف سے دئے گئے قرض پر ۷ فیصد سالانہ شرح سود ہے اور اس قرض کو ۱۵ سال کے اندر ادا کر دینا ہوگا۔ پہلی قسط کی ادائیگی فوری ہوگی۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عالمی بنک یا آئی ڈی اے قرض کی وجہ سے مرکز کی طرف سے ریاستی حکومت کو ۳۵ کروڑ روپئے بطور فاضل منصوبہ امداد فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس رقم میں سے ۲۴ر۵ کروڑ روپئے قرض کی صورت میں اور ۱۹ر۵ کروڑ روپئے عطیہ کی صورت میں دئے جاتے ہیں۔ مجموعی صورتحال یہ ہے کہ ۱۰۰ کروڑ روپئے کے ایک پروجیکٹ کے لئے ریاستی حکومت کو بذات خود ۷۵ کروڑ روپئے کا انتظام کرنا پڑتا ہے، ۲۴ر۵ کروڑ روپئے مرکزی حکومت فراہم کرتی ہے، جسے پندرہ سال میں ادا کرنا پڑے گا اور اس پر شرح سود ۷ فیصد ہے۔ صرف ۱۰ر۵ کروڑ روپئے مرکزی حکومت بطور امداد دیتی ہے۔ اس طرح پروجیکٹ کے کل اخراجات کا ۹۰ فیصد خرچ ریاستی حکومت کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور صرف ۱۰ فیصد مرکز سے بطور امداد فراہم ہوتا ہے۔ جہاں تک ریاستی حکومت کا تعلق ہے، اسے عالمی بینک یا آئی ڈی اے سے ایک پیسہ تک نہیں ملتا۔ اس کے باوجود اسی پروجیکٹ کو عالمی بنک پروجیکٹ کہتے ہیں اور ریاستی حکومت کو بنک کے پیش کردہ تمام شرائط کو تسلیم کرنا پڑتا ہے یعنی بوجھ تو ہماری گردن پر اور نام ہو دوسروں کا۔

ان شرائط میں بہت ساری بے جوڑ باتیں ہیں۔ دستور کے تحت ریاستی حکومت غیر ملکی زر مبادلہ پر، جو عالمی بنک قرض یا آئی ڈی اے قرض کے طور پر مرکزی حکومت حاصل کرتی ہے، اپنے حق کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ نیز قانونی لحاظ سے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ پروجیکٹ کے لئے مرکزی حکومت سے فاضل منصوبہ امداد کے تحت جو رقوم فراہم کی جاتی ہیں وہ ہندوستانی روپئے کی شکل میں ہوتی ہیں۔ یہ غیر ملکی زر مبادلہ قرض کے برابر نہیں ہوتیں، صرف قرض کی ۷۰ فیصد رقم فراہم کی جاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مرکزی حکومت کو آئی ڈی اے قرض پر سود ادا نہیں کرنا پڑتا، ریاستوں کو قرض پر ۷ فیصد کے حساب سے سود مرکزی حکومت کے یہاں داخل کرنا پڑتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ آئی ڈی اے قرض ۵۰ سال کے عرصہ میں ادا کیا جا سکتا ہے، لیکن مرکزی حکومت سے دئے گئے قرض کو ۱۵ سال میں ادا کرنا پڑتا ہے۔ آخر میں ریاستوں کو عالمی بنک سے ایک پیسہ بھی نہیں ملتا، لیکن انہیں بہت ہی سخت اور شرمناک شرائط کا پابند رہنا پڑتا ہے ٭٭

ہومیوپیتھک اداروں کو عطیات

ریاستی حکومت نے اس ریاست کے پانچ ہومیوپیتھک میڈیکل کالجوں کو ۴۲۴۰۵۶ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی تاکہ یہ کالج موجودہ معیار کی بہتری اور مجموعی ترقیاتی کام پر کئے گئے اخراجات کو پورا کر سکیں۔ مذکورہ کالج یہ ہیں: کلکتہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور ہسپتال، ڈی۔ این۔ ڈے ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور ہسپتال، ہیش بھٹاچاریہ ہومیوپیتھک کالج اور ہسپتال، مدناپور ہومیوپیتھک کالج اور ہسپتال اور بی۔ سی۔ بیورل ہومیوپیتھک کالج اور ہسپتال نارکلڈانگہ، کلکتہ۔ نیز ریاستی حکومت نے ان اداروں کو ۸۲۔۸۵ء میں اپنے ہسپتالوں کے بستروں کے اخراجات برداشت کرنے کیلئے مزید ۲۲۹۹۹۲ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ٭٭

سرمایہ داری نظام تخلیقی جوہر کا دشمن ہے

سرمایہ داری نظام پر مارکس کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ سود و زیاں کے اس معاشرے میں ہوسِ زر اور حصولِ زر انسان کی زندگی کا مقصد بن گیا ہے۔ اس نظام کے ہاتھوں انسان کا جوہرِ ذاتی بری طرح مجروح ہو کر رہ گیا ہے۔ بشر اپنی بشریت سے دور ہو رہا ہے۔ اس کی آزادی و خود مختاری چھن گئی ہے۔ اس کی تخلیقی صلاحیتیں غیروں کے خود غرض مفاد کے تابع ہو گئی ہیں اور اس کی تخلیقات دوسرے کے تصرف میں ہیں اس کو دوسرے انسان حتیٰ کہ اپنی ذات بھی غیر اور اپنی دشمن نظر آتی ہے۔ وہ تحصیل اور تکمیل ذات سے بیگانہ ہو گیا ہے کیونکہ اسے تحفظِ ذات کا سامان فراہم نہیں ہے اس لئے تکمیل ذات کا عمل ناممکن ہو گیا ہے۔

مارکس کے نزدیک اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مزدوروں کو محنت کا معاوضہ کم ملتا ہے یا زیادہ کیونکہ اس کو دو سو روپے کی جگہ ۲۰۰۰ روپے بھی ملنے لگیں تو بھی سرمایہ داری نظام بدستور قائم رہے گا۔ سرمایہ دار اور مزدوروں کے رشتے میں فرق نہیں آئے گا۔ غلام کو آپ وہی کھلائیں جو آپ خود کھاتے ہیں اور وہی پہنائیں جو آپ خود پہنتے ہیں تو بھی وہ غلام ہی رہے گا آپ کا آقا نہیں بن جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح مویشی کبھی مالک نہیں بن سکتا خواہ اس کی کتنی ہی دیکھ بھال کیوں نہ کی جائے۔

• اجرت میں اضافہ غلام کے معاوضے میں اضافے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس سے نہ تو مزدور کی انسانی معنویت اور قدر بحال ہوتی ہے اور نہ کام کی نوعیت بدلتی ہے!

سوال یہ ہے کہ اس معنویت اور قدر کو کیسے بحال کیا جائے بشر بیگانگیٔ ذات سے اور اشیاء کی غلامی سے چھٹکارا کیسے پائے۔ اس کو تحصیلِ ذات کے مواقع کیوں کر ملیں۔ مارکس جواب دیتا ہے کہ اس مسئلہ کا واحد حل کمیونزم ہے لیکن کمیونزم قائم کرنے کیلئے نجی ملکیت کے نظام کو منسوخ کرنا ہوگا۔ (نجی ملکیت سے مراد روزمرہ کے استعمال کی چیزیں نہیں بلکہ وہ املاک یا جائیداد ہیں جس سے نفع، سود، لگان یا کرایہ حاصل کیا جاتا ہے مثلاً زمین، کارخانے، فیکٹریاں، بنک، کانیں وغیرہ) اس لئے کہ کمیونزم نجی ملکیت اور بیگانگیٔ ذات کی مثبت تنسیخ ہے مگر نجی ملکیت سماجی انقلاب ہی کے ذریعہ منسوخ ہو سکتی ہے اور سماجی انقلاب باشعور مزدور طبقے کی تحریک برپا کرے گی۔ یہ عمل خاصا کٹھن اور طویل ہوگا۔

اشتراکیت حیاتِ انسانی کی آخری منزل یا زندگی کا آخری مقصد نہیں ہے۔ مارکس کے نزدیک اشتراکیت انسانی تاریخ کا اگلا قدم ہے جو بشر کی آزادی اور سماج کی تعمیرِ نو کی لازمی شرط ہے۔

اب تک انسان کا زیادہ وقت زندگی بسر کرنے کے بجائے ذرائع زندگی کی فراہمی میں صرف ہوا ہے۔ البتہ کمیونزم کے دور میں انسان سچ مچ پہلی بار انسان بننے میں آزاد و خود مختار ہے۔

مارکس نے سرمایہ داری معیشت میں بیگانگیٔ ذات کے مختلف عوامل کی نشاندہی کی، پھر ان کا رشتہ نجی ملکیت اور نظامِ زر سے جوڑا اور بتایا کہ انسان کی شخصیت اور تخلیقی صلاحیت، اس کے فکر و عمل، اس کے

اخلاق و احساسات پر نجی ملکیت کے نظام کا کتنا مہلک اثر پڑتا ہے اور تب ان سے یہ منطقی نتیجہ نکلتا ہے کہ سماجی انقلاب کے بغیر اور غیر استحصالی اور غیر طبقاتی (کمیونسٹ معاشرہ) سماج قائم کئے بغیر انسان کی مادی اور روحانی نجات نہیں ہو سکتی۔ مارکسی منطق کی رو سے بنی نوع انسان کی زندگی کے ارتقا کی لازمی شرط تکمیل ذات ہے اور تکمیل ذات کی شرط مکمل آزادی ہے یعنی انسان کے اپنے ارادے اور عمل پر پورا اختیار (تحریر و تقریر، ضمیر اور اجتماع کی آزادی، شخصیت کی آزادی کے مختلف مظاہر ہیں) شخصیت کے تخلیقی امکانات کو موجودات میں بدلنے کا اختیار نجی ملکیت کے موجودہ عہد میں انسان کو میسر نہیں کیونکہ یہ نظام بیگانگئ ذات پر مبنی ہے جو شخصیت کی آزادی کی نفی ہے۔ شخصیت کی مکمل آزادی اور خود مختاری کمیونزم ہی کے دور میں ممکن ہے لہذا تکمیلِ ذات حقیقی معنوں میں کمیونزم کے دور میں سرانجام پا سکتی ہے۔

یہ عہد تیز رفتار ترقی کا عہد ہے

جدید عہد کے دوسرے تمام عہدوں سے مختلف ہے۔ اس عہد میں معاشی، سماجی اور نظریاتی دنیا میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور ان تبدیلیوں کی رفتار ہر لمحہ تیز سے تیز تر ہو رہی ہے۔

اگر انسانی تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ قبائلی نظام کئی ہزار سال تک قائم رہا اور اس کے بعد غلامی کا سماج وجود میں آیا جو تقریباً سات سو برس تک قائم رہا اور اس کے بعد جاگیرداری نظام وجود میں آیا جسے گرانے اور اس کی جگہ لینے میں سرمایہ داری نظام کو کم و بیش تین سو برس لگے۔ گزشتہ ۳۶ برسوں سے سوشلزم نے سرمایہ داری نظام کی جگہ لینا شروع کر دیا ہے۔ تبدیلی کا یہ عمل مکمل نہیں ہوا لیکن ان برسوں میں سوشلزم ایک ملک سے بڑھ کر چوبیس ۲۴ ملکوں میں پھیل گیا ہے اور اس وقت دنیا کی کل آبادی کا چالیس فیصد سوشلسٹ سماج کی تعمیر و تکمیل میں مصروف ہے۔

انسانی سماج کی ترقی کا یہ ایک پہلو ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ سماج کی ترقی کا انحصار پیداواری قوتوں کی ترقی پر ہے۔ اب پیداواری قوتیں بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہیں اور ان کی ترقی سے سماجی رشتے بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں اور نظریاتی دنیا میں بھی ہلچل بپا ہے۔

سماج کی ترقی سماج میں موجودہ تضادات کے حل کا نتیجہ ہے۔ جوں جوں تضادات حل ہو رہے ہیں سماج تیزی سے ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

انسانی سماج کی ترقی آلاتِ پیداوار اور طریقِ پیداوار کی تبدیلی سے ہوئی ہے۔ جتنی تیزی سے جدید آلاتِ پیداوار وجود میں لائے گئے ہیں اور طریقِ پیداوار میں تبدیلی ہوئی ہے ویسے ویسے سماج میں ترقی کا قدم تیز ہوا اور مقداری تبدیلیاں ماہیتی تبدیلیوں میں ڈھل کر سماج کو اگلی منزل پر لے جانے کا ذریعہ بنی ہیں۔

ہر سماج میں نئے تضادات وجود میں آئے ہیں، ابھرے ہیں اور پرانے تضادات سے متصادم ہوئے ہیں اور ان کے درمیان ہونے والی جدوجہد ہی سے نیا سماج جنم لیتا رہا ہے۔

عالمی سطح پر دونوں نظاموں یعنی سوشلزم اور سرمایہ داری کا تضاد ہے۔ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کے مابین تضادات ہیں اور خود ان ملکوں میں مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان تضادات ہیں اور ان ملکوں کے اندر عوام اور امریکہ کی معاشی اثرات اور جاگیرداری کے درمیان تضادات ہیں۔ یہ دونوں تضادات مزدوروں اور دیہات کے غریب عوام کی ملک گیر تحریک سے حل ہو سکتے ہیں۔ مزدوروں اور دیہات کے غریب عوام کو سامراج اور رجعت پسند عناصر کی پھیلائی ہوئی گمراہی سے آگاہی اور بیداری ان میں اتحاد اور خود اعتمادی پیدا کرے گی۔ انہیں طبقاتی شعور سے لیس کرنا، انہیں منظم کرنا اور سامراجی اثرات اور جاگیردار طاقتوں کے خلاف صف آرا کرنا ان دانشوروں کا کام ہے جو سماج کی تبدیلی اور ترقی کی ضرورت اور اہمیت کا شعور رکھتے ہیں اور سماج کی تعمیرِ نو چاہتے ہیں۔

کارل مارکس نے کہا ہے کہ دانشوروں کا کام تاریخ کی تعبیر اور تفسیر نہیں ہے بلکہ سماج کو بدلنا بھی ہے۔ اس کے

(باقی صفحہ ۸ پر)

از: بریجیٹی گاچا

ایک خاتون مصنف: جسکی تصانیف کے سب سے زیادہ ترجمے ہوئے

یونیسکو کے تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق ادب کی دنیا میں ایک خاتون مصنف کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کی تصانیف کے سب سے زیادہ ترجمے ہوئے ہیں۔ ان میں نظم سے لیکر مزاحیہ پٹیوں تک ہر قسم کی تصانیف شامل ہیں۔

اگاتھا کرسٹی، جو آج بھی جاسوسی ناول نویسوں کی مسلمہ ملکہ ہے، کی تصانیف کے ۸۷۹۱ء میں ۲۶ ملکوں میں ۲۸۲ بار ترجمے ہوئے۔ یہ ریکارڈ اسے اپنے نزدیک ترین مد مقابل مرد مصنف جارجز سائمن سے کہیں آگے لے جاتا ہے جسکی تصانیف کے کل ۴۰۱ ترجمے ہوئے اور اس لحاظ سے وہ ایک اور برطانوی خاتون مصنف باربرا کارٹ لینڈ سے بھی پیچھے ہے جس کے رومانی ناولوں کا ۱۲۷ بار ترجمہ ہوا۔

خواتین کی یہ شہرت اس لحاظ سے حیران کن ہے کہ تراجم کی فہرست میں شامل ۵۷۱۵۸ کتابوں میں خواتین کو بہت کم اہمیت حاصل ہے۔ یونیسکو نے تراجم کا جو انڈکس مرتب کیا ہے اس کے مطابق دنیا کا سب سے زیادہ ترجمہ ہونے والا مصنف لینن ہے جس کی تصانیف کے ۲۳۲۴ ترجمے ہو چکے ہیں اور وہ برسوں پہلے کی مانند اب بھی سب سے آگے ہے۔ کارل مارکس کا ۱۸۵ بار، جولیس ورنے کا ۱۷۸ بار اور لیو ٹالسٹائی کا ۱۵۳ بار ترجمہ ہوا۔

پھر بھی ایسا دکھائی دیتا ہے کہ بعض خواتین مصنفوں کو مطالعہ کرنے والوں نے خوب سراہا ہے۔ برطانیہ کی بچوں کی مصنف اینڈ بلائٹن کا ۱۱۷ بار ترجمہ ہوا۔ پرل بک کا ۸۳ بار، لوئسا الم اسکاٹ کا ۳۲ بار، برونٹے سسٹرز کا ۲۹ بار، فرانسیکو ساگان کا ۲۷ بار، انائیس نن کا ۲۵ بار، سائمن ڈی بوہری کا ۲۱ بار، پیٹریکا ہائی اسمتھ کا ۱۸ بار، ڈورس لیسنگ کا ۱۵ بار، مارگریٹ مچل کا ۱۳ بار، ہین موئن کا ۱۱ بار اور رجارجز سنڈ کا ۱۰ بار ترجمہ ہوا۔ للین ہیلمین، انسٹونیا فراسر اور کارین بلزین کا پانچ پانچ بار میری رینالٹ، سوسن سونٹاگ اور میری میکارتھی کی تصانیف کا تین تین بار ترجمہ ہوا۔

جان نڈائن گورڈیمر، باربرا پچمین اور اینگلا ڈیوس کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ افریقی مصنف خواتین جن کی قابلیت کی شہرت ہے مثلاً بوچی ایمچیا، ماریما با یا آو اتھائم ان کا نام ابھی تک انڈکس میں نہیں آیا۔ مزید براں دیکھا گیا ہے کہ خواتین کا شمار ماسوائے ادب کے دلکش عنوانات کے علاوہ عالمی فہرست بندی کے اور کسی شعبے میں دکھائی نہیں دیتا۔

اس جائزے کیلئے جو ۷۱ ممالک اعداد وشمار مہیا کرتے ہیں ان میں سے سب کے سب مذہب کے ترجمے کرتے ہیں اور وہاں فلسفے سے زیادہ دینی کتب کا ترجمہ ہوا۔ سب سے زیادہ ترجمہ ہونے والی واحد کتاب اب بھی بائبل ہے۔ ۸۷۹۱ء میں اس کتاب کے ۱۸۵ ترجمے شامل ہوئے۔ انڈکس میں قانون، سماجی علوم اور تعلیم کو ایک ہی زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔ ان میں سے زائد از سات ہزار کتابیں سیاسی نظریات رکھنے والوں، ماہرین اقتصادیات اور دوسرے مصنفوں نے جدید نظریات پر لکھی ہیں۔ سوئس سائیکلوجسٹ جین پیاگٹ کی تصنیف کے ۲۸ بار ترجمے ہوئے۔ سماجی علوم کے جن ماہرین کی کتابوں کے ترجمے کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے ان کے نام ہیں:

پالو فریرے (۱۲) تھیو دراڈورنو (۱۰) سمیراین (۸) اور کلا ڈیبوی سٹراس (۸)۔

بچوں کے ادب میں پرانے مقبول مصنف ابھی بھی چھائے ہوئے ہیں۔ ہینڈا اینڈرسن ۴۵۰ ترجموں کے ساتھ اینڈ بلائمن پر بازی لے گئے ہیں۔ جیکب گریم کے ۱۰۳، لوئی ناٹس اور لوئیس کارول کی کتابوں کا بیالیس بیالیس بار ترجمہ ہوا۔ پھر بھی والٹ ڈزنی کی تصانیف ۲۷ کتابوں کے ترجموں کے ساتھ سب سے آگے ہیں۔

خالص ادب کے میدان میں ٹالسٹائی سے کچھ پیچھے لیو ٹنسن کا نام آتا ہے جس کی ۸۵ تصانیف ہیں۔ ان کے بعد ڈکنز (۷۶) دوستوفسکی (۵۷) ڈوماس پیرے (۶۲) بالزک (۵۰) ڈینیئل ڈیفو (۴۵) زولا (۴۴) ڈی موپساں (۴۳) اور وکٹر ہیگو (۲۷) کا شمار ہوتا ہے۔

عہد حاضر کے مصنفوں میں سے ۱۹۸۱ء کے نوبل پرائز یافتہ برائے ادب جبرئیل گارسیا مارگویز کی تصنیف کا ۲۷ بار ترجمہ ہوا اور جارج لوئی بورگز کا ۱۵ بار۔ اس سال کے نوبل پرائز جیتنے والے ولیم گولڈنگ کا چار مرتبہ ترجمہ ہوا جب کہ گراہم گرین جنہیں انعام نہیں ملا کی کتاب کا ۴۹ بار ترجمہ ہوا۔ وی ایس نیپائے پال کا تین بار ترجمہ ہوا۔ توفیق الحکیم اور طہٰ حسین کا دو دو بار اور سلیمان رشدی، چینوا اچے بے اور نوگی وا تھیونگ کا ایک ایک بار ترجمہ ہوا۔

جن ممالک نے یونیسکو کے ترجموں کے انڈکس کے لئے اعداد و شمار مہیا کئے ان میں سب سے زیادہ ترجمے روس میں ہوئے۔ دیگر زبانوں میں ترجمے کرنے والے ممالک تھے جرمنی، اسپین، ہالینڈ، جاپان، امریکہ اور ترکی ٭٭٭

(باقی صفحہ ۶ کا)

نزدیک سماج کو بدلنے کا تاریخ ساز عمل مزدوروں کے ہاتھوں ہوگا جو نجی ملکیت کے نظام کو ختم کر کے غیر طبقاتی اور غیر استحصالی نظام نو کی بنیاد ڈالیں گے اور اس عمل میں وہ صرف اپنی زنجیریں ہی نہیں توڑیں گے بلکہ تمام کچلے اور دبے ہوئے عوام کو آزاد کر دیں گے ٭٭٭

ساحر لدھیانوی

سعیٔ بقائے شوکت اسکندری کی خیر
ماحولِ خشت بار میں شیشہ گری کی خیر

فاقہ کشوں کے خون میں ہے جوشِ انتقام
سرمایہ کے فریبِ جہاں پروری کی خیر

طبقات مبتذل میں ہے تنظیم کی نمود!
شاہنشہوں کے ضابطۂ خود سری کی خیر

احساس بڑھ رہا ہے حقوقِ حیات کا
پیدائشی حقوقِ ستم پروری کی خیر

صحنِ جہاں میں رقص کناں ہیں تباہیاں
آقائے ہست و بود کی صنعت گری کی خیر

الحاد کر رہا ہے مرتب جہانِ نو
دیر و حرم کے حیلۂ غارت گری کی خیر

مغربی بنگال میں کھادی اور دیہی صنعتوں کی رفتار ترقی

مغربی بنگال کھادی اور دیہی صنعت بورڈ یکم اپریل سنہ ۱۹۶۰ء میں قائم کیا گیا۔ شروع شروع میں اس کی سرگرمیاں بہت ہی محدود تھیں اور دو چار اداروں کے ذریعہ ہی اس کی اسکیموں کو بروئے عمل لایا گیا۔ سنہ ۷۷-۷۶ء میں اس بورڈ نے کھادی اور دیہی صنعت کیلئے صرف ۸۰ر۲۵ لاکھ روپئے فراہم کئے۔ بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد اس بورڈ کی سرگرمیوں کو تیز کرنے کیلئے سب ضروری اقدامات کئے گئے اس کے نتیجہ میں سنہ ۸۳-۸۲ء میں اس بورڈ نے کھادی اور دیہی صنعتوں کے لئے ۵۴ر۱۹۲ لاکھ روپئے بطور مالیات فراہم کئے اور تقریباً ۲۴۰۰۰ افراد کو روزگار فراہم کیا۔

اس سال (یعنی سنہ ۸۵-۸۴ء میں) اس بورڈ نے کھادی اور دیہی دونوں صنعتوں کیلئے ایک بہت بڑے پروگرام کو روبہ عمل لانا شروع کر دیا ہے۔ اس سال کے لئے کھادی اور دیہی صنعت کمیشن نے اس بورڈ کے ۷۵ر۴ کروڑ روپئے کے بجٹ کو منظور کر لیا ہے۔ ریشم اور سوتی کھادی پروگرام کے ساتھ ساتھ اس اسکیم میں بہت ساری دیہی صنعتیں جیسی چرم سازی، برتن سازی بڑھئی کا کام، لہاری کا کام، تاڑ کا گڑ، دیہی تیل، غذائی اجناس دال وغیرہ کی پروسیسنگ شامل ہے۔ ان اسکیموں کے تفاصیل بورڈ، ضلع پریشد اور ضلع صنعت مراکز کے دفاتر میں دستیاب ہیں۔ یہ بورڈ کھادی کمیشن اور "ٹرائی سیم" اسکیم کی مدد سے نئے کاروباریوں کی تربیت کا بھی انتظام کر رہا ہے۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ سنہ ۸۵-۸۴ء تک یہ بورڈ اپنے نشانہ تک کامیابی حاصل کر لے گا۔ اور اس طرح تقریباً ۴۴۰۰۰ افراد کے لئے روزگار فراہم کر سکے گا۔

اپنے محدود وسائل کے باوجود ریاستی حکومت نے اس بورڈ کے ضلع دفاتر کے انتظامیہ کو اور بھی مستحکم بنانے کیلئے کھادی اور دیہی صنعت بورڈ میں ۹۲ نئی آسامیوں کو منظوری دی تاکہ یہ اپنے پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچا سکے۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ اس مالی سال کے اندر ہی کھادی اور دیہی صنعت بورڈ اپنی مزید ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے اپنی انتظامیہ کو حسب خواہ مضبوط بنا دے گا۔ اس بورڈ کی اپنی عمارت ہے یعنی ہمنتو باسو بھون، ۱۲، بی۔بی۔ڈی باغ کلکتہ۔ اس عمارت کی مرمت اور تعمیر نو کے لئے حکومت نے اس بورڈ کو ۲۱ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی۔ ریاستی حکومت نے کلیانی اور رداس گھر میں اس بورڈ کے دستی کاغذ تیار کرنے والی یونٹوں کو جدید طرز پر ڈھالنے کیلئے اس بورڈ کو ۱۰ لاکھ روپئے دینے کی گنجائش رکھی۔ بازاروں کی مصنوعات کی فروخت سے وابستہ سرگرمیوں کی رفتار میں تیزی لانے کیلئے حکومت نے اس بورڈ کو ۱۵ لاکھ روپئے فراہم کئے۔

شروع شروع میں کھادی اور دیہی صنعت بورڈ کی اسکیموں کو چند رجسٹرڈ ادارے اور کوآپریٹیو سوسائٹیاں پایۂ تکمیل تک پہونچاتی تھیں۔ بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال کھادی اور دیہی صنعت بورڈ ایکٹ میں مناسب ترمیم لائی تاکہ بورڈ کی اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کیلئے دیگر اداروں اور تنظیموں کو بورڈ میں

شامل کرلیا جائے۔ اب کھادی اور دیہی صنعتی اسکیموں کو ضلع پریشد اور پنچایت سوسائٹیاں پایۂ تکمیل تک پہونچا سکتی ہیں۔ نیز ان ضلع پریشدوں اور پنچایتوں کو یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی ہے کہ وہ مذکورہ اسکیموں کے لئے چھوٹے چھوٹے صنعت کاروں کو منتخب کریں۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ چھوٹی صنعتوں کے قیام کے لئے پنچایتوں کے پاس جو سہولتیں فراہم ہیں ان کے پیش نظر اب کھادی اور دیہی صنعتی اسکیموں کو اور بھی تیزی اور موثر طریقہ سے روبہ عمل لایا جائے گا۔ فی الحال مغربی بنگال جامع علاقہ ترقیات کارپوریشن اور مغربی بنگال شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب ترقیات کارپوریشن لمیٹڈ کھادی اور دیہی صنعتوں کی مختلف اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچا رہے ہیں۔ اس بورڈ کو اس بات کی امید ہے کہ مغربی بنگال جنگلات ترقیات کارپوریشن لمیٹڈ اور سندربن ترقیات بورڈ بھی چند کھادی اور دیہی صنعتی اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچائیں گے۔ ان تبدیلیوں سے اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ کھادی اور دیہی صنعت بورڈ دیہاتوں کے غریب باشندوں کو اور بھی زیادہ روزگار فراہم کرسکے گا ٭٭

عدالتوں میں ریاستی حکومت کی طرف سے دستاویزات داخل کرنے کے سلسلہ میں عدالتی فیس نہیں لی جائیگی

مغربی بنگال عدالتی فیس (ترمیمی) ایکٹ ۱۹۸۴ء ۲۵ ستمبر ۱۹۸۴ء سے لاگو ہوگیا ہے۔ اس ترمیم کی رو سے اس ایکٹ کے تحت ان دستاویزات پر، جو ریاستی حکومت دیوانی عدالت میں ہائی کورٹ کے پاس داخل کرے گی، کوئی عدالتی فیس نہیں لی جائے گی۔ دستاویزات میں شکایتیں، روداد، اپیل، درخواست یا عرضی اور کاغذات جنہیں دیوانی عدالت مع ہائی کورٹ میں پیش کردہ معاملوں کے سلسلہ میں پُر کرنا ضروری ہے، شامل ہیں ٭٭

ایک ذیلی صحت مرکز کا قیام

ریاستی حکومت نے جلپائی گوڑی ضلع کے میتلی بلاک کے تحت ماٹھا چولکا میں ایک ذیلی صحت مرکز مع ۲ بنا کھانا زچہ بستر جلد از جلد قائم کرنے کی منظوری دے دی ہے۔ اس سلسلے میں مکرر اور غیر مکرر اخراجات کی بابت بھی منظوری دی جاچکی ہے ٭٭

قبائلیوں کی فلاح کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران شیڈیول کاسٹ اور ٹرائب فلاح کے شعبہ کو مربوط قبائلی ترقیاتی پروجیکٹس کے سلسلہ میں خصوصی مرکزی امداد پروگرام کے تحت مویشیوں کے علاج کی منظور شدہ اسکیموں کو چلانے کیلئے دو لاکھ روپے دینے کی منظوری دی ہے ٭٭

شیڈیول ٹرائب کے ترقیاتی پروگرام

حکومت مغربی بنگال نے ۸۵-۱۹۸۴ء سال کے دوران شیڈیول ٹرائب کی رفاہ کے لئے بہت سارے معاشی اور ترقیاتی پروگراموں کی تکمیل کے سلسلہ میں مغربی بنگال شیڈیول کاسٹ اور شیڈیول ٹرائب ترقیات اور مالیات کارپوریشن کو ریاستی حکومت کی طرف سے ۱۵ لاکھ روپے بطور سرمایہ حصص دینے کی منظوری دی ہے ٭٭

طب یونانی کی ریاستی کونسل کو عطیہ

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال کے یونانی طب کی ریاستی کاؤنسل کو ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران ان کے اخراجات کی تکمیل کے لئے ۱۵۰۰۰ روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے ٭٭

رونے کا فن

ایم۔ اے۔ وحید

رونا دھونا مہذب سماج میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ آنسو چاہے وہ خوشی کے ہوں یا سوگواری کے، دیگر افراد کے لئے وبال جان ہوتے ہیں۔ چاہے کتنی ہی سنگین افتاد کیوں نہ آن پڑے، سنجیدہ افراد اشک باری سے گریز کرتے ہیں، لیکن آنسوؤں کا سیلاب بعض اوقات حالات کے دباؤ کے نتیجے میں طوفانِ بے کراں کی طرح لمحہ بہ لمحہ امڈتا چلا آتا ہے اور نہ صرف سوگوار افراد کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے بلکہ دیگر لوگوں کے لئے بھی افسردگی کا سامان پیدا کرتا ہے۔ شاہدین خواہ کتنے ہی سخت جان اور سنگ دل کیوں نہ ہوں اپنی بساط بھر کوشش کریں گے کہ گریہ مند کی اشک شوئی کریں۔ صدیوں سے یہ اشک شوئی انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کی جاتی رہی ہے، لیکن جدید تحقیق کے حوالے سے آج کل یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ رونا پیٹنا انسانی صحت و تندرستی کے لئے نہ صرف مفید بلکہ ناگزیر ہے۔

انسانوں کے علاوہ حیوان بھی وقت بے وقت آنسوؤں کی بوچھار کرتے ہیں، لیکن حیوانوں کے آنسو جذبات سے قطعی طور پر عاری ہوتے ہیں، جبکہ انسان کے آنسو کسی نہ کسی جذباتی رجحان کی عکاسی کرتے ہیں۔ ماہرینِ نفسیات کا خیال ہے کہ جذباتی ردِ عمل کے طور پر بہنے والے آنسو رونے والوں کے لئے مفید ہوتے ہیں کیوں کہ اس سے قدرتی طور پر رنج و غم یا سوگواری سے متاثر ہونے والے اعضاء کی کارکردگی (جو وقتی طور پر مفلوج ہو جاتی ہے) پھر سے بحال ہوتی ہے۔ ایک بار جب لوگ روتے پیٹتے اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں تو ان کا بوجھ بڑی حد تک کم ہو جاتا ہے۔ گلیسرین کے استعمال سے پیدا ہونے والے آنسو صرف گناہ

بے لذت ہوتے ہیں۔ اسی طرح پیاز کاٹتے وقت جو آنسو خود بخود بہہ نکلتے ہیں، ان کی بھی طبی افادیت ثابت نہیں ہو سکی۔ جب تک انسان کے جسم سے رطوبت مناسب مقدار میں خارج ہوتی رہتی ہے (خواہ آنسو کے ذریعہ یا پسینہ کے ذریعہ) اعضائے رئیسہ کی کارکردگی ٹھیک رہتی ہے۔ چنانچہ بعض افراد جو پیہم مصائب و آلام کا شکار ہو کر مسلسل گریہ و زاری میں زندگی کے دن کاٹتے ہیں لمبی لمبی عمروں کو پہنچتے ہیں۔ یہی حال محنت کش افراد کا ہوتا ہے، جو دن رات ایک کر کے گاڑھے پسینے کی کمائی کھاتے ہیں۔ ان کے ہر عضو میں فولادی طاقت ہوتی ہے۔ جس طرح گاڑی کی رفتار پر قابو پانے کے لئے وقفہ وقفہ سے گیئر بدلنا پڑتا ہے، گریہ مند بھی روتے وقت کچھ ایسی حکمتِ عملی اختیار کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اپنی شکل پر جھاڑو پھیرتے ہیں۔ نشتر کی طرح تیز ناخنوں کا استعمال کرتے ہیں اور خود اپنے چہرے سے تبسم اور مسکراہٹ نوچ ڈالتے ہیں اور اسکی جگہ حسرت و مایوسی، افسردگی و پژمردگی سے چہرے کو آراستہ کرتے ہیں۔ ایک بار ماحول کی آلودگی کے بارے میں اطمینان ہو جاتا ہے تو دھیمی آواز میں سرگوشیاں کرتے ہوتے سوئچ آن کیا جاتا ہے۔ رونے کا موڈ بنانے کے لئے کچھ دیر منہ بند رکھ کر آواز کی ذخیرہ اندوزی کی جاتی ہے۔ جتنا دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اتنی ہی طاقت سے وہ باہر نکلنے کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ اس دوران کوئی نہ کوئی بے ہنگم آواز ہلکے پھلکے دھماکے کے ساتھ باہر نکل پڑتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے گاڑی MISFIRE کرتی ہے۔ اب اندیشہ ہوتا ہے کہ حلق میں کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کیلئے قوالوں اور گویوں کے تجربے سے استفادہ کرتے

ہوئے زور زور سے تھوکتے ہوئے حلق صاف کیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں غرارہ بھی کرنا پڑتا ہے۔

انسان کے ہر عمل کے دو نمایاں پہلو ہوتے ہیں۔ ایک کامیاب، دوسرا ناکام۔ کامیاب طریقے سے رونے کیلئے آنسوؤں کا مناسب مقدار میں اخراج ہونا ضروری ہے۔ بعض افراد متبادل راستہ اختیار کرتے ہوئے صرف "آوازوں" سے کام چلاتے ہیں۔ جب لوگ وقت بے وقت منہ بسورنے کے عادی ہوجاتے ہیں تو ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں رونا دھونا ان کی شخصیت پر حاوی ہوجاتا ہے۔ جب آپ ان ہستیوں کا سامنا کرتے ہیں تو خود بخود آپ کے دل میں ایسے افراد کے لئے ہمدردی کے جذبات امڈنے لگتے ہیں اور آپ رضاکارانہ طور پر ایسے شخص سے اظہار تعزیت کرتے ہیں (خواہ وہ اجنبی ہی کیوں نہ ہو) اکثر صورتوں میں تیر غلط نشانے پر بیٹھتا ہے اور جب آپ پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ آپ نے غیر دانستہ طور پر بھلے چنگے انسان پر اپنی تعزیت لٹائی ہے تو اس حماقت پر آپ سراسر شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی آپ کی ناتجربہ کاری کے سبب نہیں ہوتی بلکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ بعض اشخاص شکل و صورت سے "رونے دھونے کا اشتہار" نظر آتے ہیں۔ بعض افراد کا المیہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں خشک سالی کا شکار ہوتی ہیں۔ وہ کسی بھی ناگہانی صورتحال سے دوچار ہونے کے باوجود آنسو بہانے سے قاصر رہتی ہیں۔ اشک شادی (خوشی کے آنسو) کا تو ذکر ہی کیا، شاید سوگواری کے موقع پر بھی ان کی آنکھیں قحط زدہ نظر آتی ہیں۔ چنانچہ خشک آنکھوں والے افراد عزیز و اقارب کے انتقال پر کرائے کے ٹٹوؤں کی خدمات حاصل کرتے ہیں جو مناسب اجرت پر انتہائی عمدہ طریقے سے آہ و بکا کرتے ہوئے سوگواروں کے گھر میں کہرام مچاتے ہوئے مصنوعی قیامت برپا کرتے ہیں۔

ہم نے کتابوں میں یہی پڑھا ہے کہ رونا دھونا ایک فطری عمل ہے، جو حالات کے ردِ عمل کے طور پر انسان کو آنسو بہانے پر مجبور کردیتا ہے لیکن اس وقت ہمیں اپنی گمراہی کا احساس ہوتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر سوگواری کے موقعوں پر متعلقہ افراد پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت و جامد بیٹھے رہتے ہیں اور غیر متعلقہ افراد صورتحال کا استحصال کرتے ہوئے غیر ضروری شور و غوغا اور آہ و بکا بپا کرتے ہیں۔

پیشہ ور اشک فروش آنسوؤں کی باقاعدہ کاشت کرتے ہیں۔ کھاد اور پانی فراہم کرکے آنسوؤں کا اسٹاک گوداموں میں جمع کرتے ہیں۔ متعدد بیماریاں، آفاتِ سماوی اور دنگے فساد ملک کو جب اپنی لپیٹ میں لیتے ہیں تو اشک فروشوں کا کاروبار چمک اٹھتا ہے۔ پہلے تو وہ اپنی اجرتیں دوگنی اور تین گنی کردیتے ہیں۔ پھر سنجیدگی سے رونے پیٹنے کے بجائے جھوٹ موٹ کے ٹسوے بہاکر دام کھرے کرتے ہیں کیوں کہ انہیں ایک لاٹھی سے سب کو ہانکنا پڑتا ہے۔

تمام لوگ اخلاقی طور پر پابند ہوتے ہیں کہ اپنی سماجی حیثیت کے مطابق آنسو بہائیں۔ حکمرانوں کے رونے کا انداز شاہانہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے وقار منصب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بردباری اور متانت سے روتے ہیں۔ سیاست داں روتے ہوئے ڈھکوسلے بازی کرتے ہیں۔ کمسن بچے روتے وقت پھرتی سے ہاتھ پیر زمین سے پٹختے ہیں۔ عوام کا انداز عامیانہ ہوتا ہے۔ بھکاری پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے مہیب اور بھیانک آوازوں کے ذریعہ دوسروں کو متاثر کرتے ہیں۔ کبھی ہلکی پھلکی سسکیوں کا سہارا لیتے ہیں تو کبھی پوری طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے گڑگڑاتے ہیں۔ وہ یکے بعد دیگرے پینترے بدلتے جاتے ہیں۔ اگر دوسروں پر خاطر خواہ ردِ عمل ہورہا ہے تو اپنی کارکردگی کو وسعت دیتے ہوئے ہچکیوں تک پہونچ جاتے ہیں یا انہیں تو غش کھاکر گرنے کا ڈرامہ کرتے ہیں۔

شیر خوار بچے روتے ہیں تو بعض صورتوں میں یہ صحت مندی کی علامت ہے اور بعض اوقات اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہیں کچھ نہ کچھ تکلیف ہے یا بھوک لگی ہے۔ سمجھدار بچے روتے ہیں تو یہ ضدی پن کی علامت ہے۔ اس طرح وہ اپنے جائز و ناجائز مطالبات منوانا چاہتے ہیں۔ غنڈے، بدمعاش اور دیگر مجرم تفتیش کے دوران ایذا رسانی سے بچاؤ کی خاطر دل سوز چیخیں مار مار کر اپنی بے گناہی کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔

بعض افراد سیاسی و سماجی مصلحتوں کے پیشِ نظر سوگواری کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے سبب انہیں چار آنسو بہانے کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایسے لوگ "سیاہ چشموں" کا استعمال کرتے ہیں۔ جب بھی کسی نامور شخصیت کا انتقال ہوتا ہے تو بازاروں میں سیاہ چشموں کے دام دوگنے ہو جاتے ہیں۔

گریہ وزاری کا محرک چاہے قدرتی اسباب ہوں یا صرف پیشہ ورانہ ضروریات دونوں صورتوں میں آواز کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ مشاعروں میں بعض شعراء حاضرین کی اکثریت کا پسندیدہ کلام کبھی مترنم ہو کر، کبھی رقص و سرود کے ساتھ اور کبھی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ سناتے ہیں۔ وہ مشاعروں کو لوٹ لیتے ہیں۔ شاعروں کو جس بھاؤ سے "داد" یا "بیداد" ملتی ہے اسے معیار بنا کر اس کا فن پرکھا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی بلند پایہ استادوں اور صاحبِ دیوان شعراء مشاعروں میں غیر معیاری اور نوٹنکی باز شعراء کے ہاتھوں بری طرح ہزیمت اٹھاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح سوگواری کے موقعوں پر جو شخص سب سے زیادہ رقت انگیز چیخیں مار مار کر آسمان سر پر اٹھاتا ہے، وہ محفل پر چھا جاتا ہے۔ سب اس کے کمالِ فن کو سراہتے ہوئے اس کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ وہ انکساری سے جھک جھک کر آداب بجا لاتا ہے اور پھر جوش میں آ کر مزید اونچی آواز میں گلا پھاڑتا ہے۔ اسی دوران ہمدرد اور غمگسار افراد بڑی ہی عقیدت سے بار بار ٹھنڈے پانی کا گلاس بھر کر اس خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ وہ حلق گیلا کرتا ہے اور پھر سے رونے پیٹنے لگتا ہے۔ کافی دیر تک آہ و بکا ہوتی ہے تو ساری فضا مکدر ہو جاتی ہے۔ جو افراد اس دوران اپنے حواس درست کرنے میں مصروف تھے وہ پھر سے تازہ دم ہو کر سرگرمی کے ساتھ رونے لگتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں شہزادوں اور امیرزادوں کو فنِ سپاہ گری سے لے کر شہ سواری تک ہر قسم کی تعلیم و تربیت شاہی محلات کی چار دیواری میں دی جاتی تھی۔ شہزادے کی دلبستگی کی خاطر دو یا تین ہمعمر لڑکے "مصاحب" بنا کر اس کی تربیت میں شامل کر دیے جاتے تھے۔

نازو ادا کا پروردہ شہزادہ جب کبھی کوئی غلطی کرتا تھا تو اسے سزا بھی براہِ راست نہیں دی جاتی تھی بلکہ اس کام کے لئے اس کے مصاحب کو قربانی کا بکرا بنایا جاتا تھا۔ شہزادہ کسی روز اپنا سبق یاد کرنے میں کوتاہی کرتا تھا تو اس کا کمسن حاشیہ بردار ڈانٹ ڈپٹ کا شکار ہوتا تھا۔ شہزادے سے کوئی سنگین غلطی سرزد ہوتی تھی تو اس کا ساتھی سزا پاتا تھا۔ شہزادہ اس قدر حساس طبع ہوتا تھا کہ جب کبھی اس کے ساتھی کو ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی تھی تو وہ خود سہم جاتا تھا۔ ساتھی کو بید پڑتے تھے تو شہزادے کی چیخ نکل پڑتی تھی۔ کچھ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہتا پھر شہزادہ اتالیق سے درخواست کرتا تھا کہ وہ فوراً اپنا ہاتھ روک لے۔ غرض بادشاہوں اور امراء کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ اپنی اولاد کو رونے دھونے سے ہر طرح محفوظ رکھیں۔

اس قسم کے ماحول میں تربیت پا کر بعض شہزادے جب عملی زندگی میں قدم رنجہ فرماتے تھے تو دل آزاری ان کے مزاج کا ایک حصہ بن جاتی تھی۔ نہ صرف یہ کہ ناگہانی صورتحال سے دوچار ہونے کے باوجود ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بے نیاز ہوتی تھیں بلکہ وہ اکثر و بیشتر تفریحِ طبع کی خاطر اپنے حاشیہ برداروں کو رونے کے لئے مجبور کرتے تھے۔ بعض اوقات لگاتار دو دو گھنٹے تک آہ و زاری کی جاتی، شہزادے کو رونے کا انداز پسند آتا تھا تو وہ خوش ہو کر انعام و اکرام کی بارش کرنے لگتا تھا۔

شرابی نشہ کی حالت میں "گریۂ مستانہ" کرتے ہیں۔ وقتی طور پر ان کی یادداشت مفلوج ہو جاتی ہے۔ تازہ واقعات (خواہ خوشی ہو یا غم) ان کے ذہن سے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف برسوں پرانے واقعات ان کے دماغ کی کھڑکیوں سے ٹکراتے ہیں اور وہ ان واقعات کی بھول بھلیوں میں کھو جاتے ہیں۔ کبھی اپنی کامیابی کا تصور کر کے اچھل کود کرتے ہیں تو کبھی اپنی ناکامیوں سے دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ عمر رسیدہ شرابی جام پر جام لنڈھاتے ہوتے اپنے بچپن کے کسی نہ کسی غمگین واقعہ سے الجھ جاتے ہیں۔ عزیزوں کی ریشہ دوانیاں، دوستوں کی بے وفائیاں اور محبوبہ کی بے التفاتیاں، ان تمام واقعات کا تصور کرتے ہی ان کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ زار و قطار رونے لگتے ہیں۔ شرابی کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ زندگی کے کتنے برس

گھل کر پی چکا ہے لیکن شراب کا نشہ سر چڑھ کر بولتا ہے تو وہ خود کو شیر خوار سمجھتا ہے اور پرانی باتوں تو یکے بعد دیگرے یاد کر کے دکھ سے بوجھل ہو جاتا ہے۔ جب اس کے پاس بے شمار واقعات کا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے تو وہ باقاعدگی سے ان کا "پوسٹ مارٹم" کرتے ہوئے رہتا ہے۔

عام حالات میں انسان کچھ دیر روتا ہے تو خود بخود تھک جاتا ہے، لیکن کمبخت شراب بھی ایسی چیز ہے، جس کا ردِ عمل مختلف لوگوں پر مختلف صورتوں میں اثر انداز ہوتا ہے۔ بزدل شراب پی کر نڈر اور بے خوف محسوس کرنے لگتا ہے۔ طاقتور شراب کے نشے میں ڈرپوک بن جاتا ہے۔ نارمل مزاج کا انسان شراب پیتا ہے تو غیر معقول حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ سب سے دلچسپ بات تو یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ عام حالات میں ایک دوسرے سے نظر ملانا گوارہ نہیں کرتے وہ شراب کے نشہ میں نہ صرف ہم خیال ہو جاتے ہیں بلکہ "جڑواں بچوں" کی طرح یکساں قسم کا حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ دو چار شرابی جب نشہ میں دھت ہو جاتے ہیں تو تصور کی دنیا میں اپنے کسی قریبی عزیز یا رشتہ دار کی موت کا تماشہ کرتے ہیں۔ مفروضوں کی بنیاد پر ایک شرابی مرنے والے کا بیٹا بن جاتا ہے اور دیگر افراد دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے زور زور سے رونے پیٹنے لگتے ہیں۔ ان کا رونا اس قدر غیر منظم ہوتا ہے کہ نہ تو آوازوں میں یکسانیت ہوتی ہے نہ ان کی حرکات میں۔ سب کے سب نیم بے ہوش ہوتے ہیں۔ کسی کا ہاتھ کسی کے سر سے ٹکراتا ہے تو کوئی کسی سے گلے ملتا ہے۔ غرض انہیں خود پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ بعض شرابی روتے روتے یکایک ہنسنے لگتے ہیں۔ کچھ دیر بعد پھر سے رونے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک جام حلق سے اتارا، کچھ دیر پھوٹ پھوٹ کر رویا پھر دوسرا جام نوش کیا۔ غرض جتنی بار جام حلق سے اتارا اتنی بار ایمانداری سے لمبی لمبی تان کھینچ کر روتا گیا۔

مردوں کی دشواری یہ ہوتی ہے کہ جب تک خاطر خواہ "موضوع" ہاتھ نہیں لگتا وہ رونے دھونے سے پس و پیش کرتے ہیں۔ گھنٹوں سوچ بچار کرتے ہیں۔ یادداشت پر زور ڈالتے ہیں اور پچھلی زندگی کی کچھ نہ کچھ افتاد یا المیہ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور روتے ہیں۔ سیاست داں انتخاب میں حریف امیدوار کے ہاتھوں پسپائی کو یاد کر کے رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ ایک پنتھ دو کاج کے مصداق عوام کی حالتِ زار پر مگرمچھ کے آنسو بہاتا ہے۔ اس طرح نہ صرف ان کے زخموں پر نمک چھڑکتا ہے بلکہ اپنے لئے سیاسی فوائد حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اداکار پچھلی کئی فلموں کی ناکامی سے دل برداشتہ رہتا ہے اور شوٹنگ کے دوران گلیسرین کے بغیر آنسو ٹپکاتا ہے۔ تاجر انکم ٹیکس عہدہ داروں کے اچانک دھاووں کا تصور کر کے پریشان ہو جاتا ہے اور رونے کیلئے مناسب موقع کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔

اس کے برخلاف رونے پیٹنے کے معاملہ میں خواتین کسی بھی "موضوع" کی دست نگر نہیں ہوتیں۔ وہ غیر مشروط طور پر کسی بھی لمحہ آنسو بہا سکتی ہیں۔ ان کے آنسو ہیروشیما اور ناگاساکی پر قیامت ڈھانے والے ایٹم بموں کے دھماکوں سے زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔ جس نے ان آنسوؤں کو دیکھنے کی جسارت کی، وہ ہمیشہ کے لئے اپنی بینائی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، جس نے گریہ و زاری سنی وہ سماعت سے محروم ہو جاتا ہے اور جس نے گرما گرم آنسوؤں سے خود کو آلودہ کیا وہ زندگی بھر کے لئے مفلوج اور اپاہج ہو جاتا ہے۔ جس لمحہ عورت کی آنکھ سے آنسو ٹپکتے ہیں، ٹھیک وہیں سے مرد کی بربادی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ عورت آنسو بہا کر وہ سب کچھ حاصل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے جو ایک مرد اپنی فطری ذہانت، قابلیت اور طاقت کے باوجود حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے

— ○ —

(بشکریہ "آجکل" نئی دہلی)

پوجا کی تعطیلات کی وجہ سے "مغربی بنگال" کا یکم اکتوبر ۱۹۸۴ء کا شمارہ شائع نہیں کیا جا سکا۔ (مدیر)



دیہی علاقوں میں ترقیاتی کام



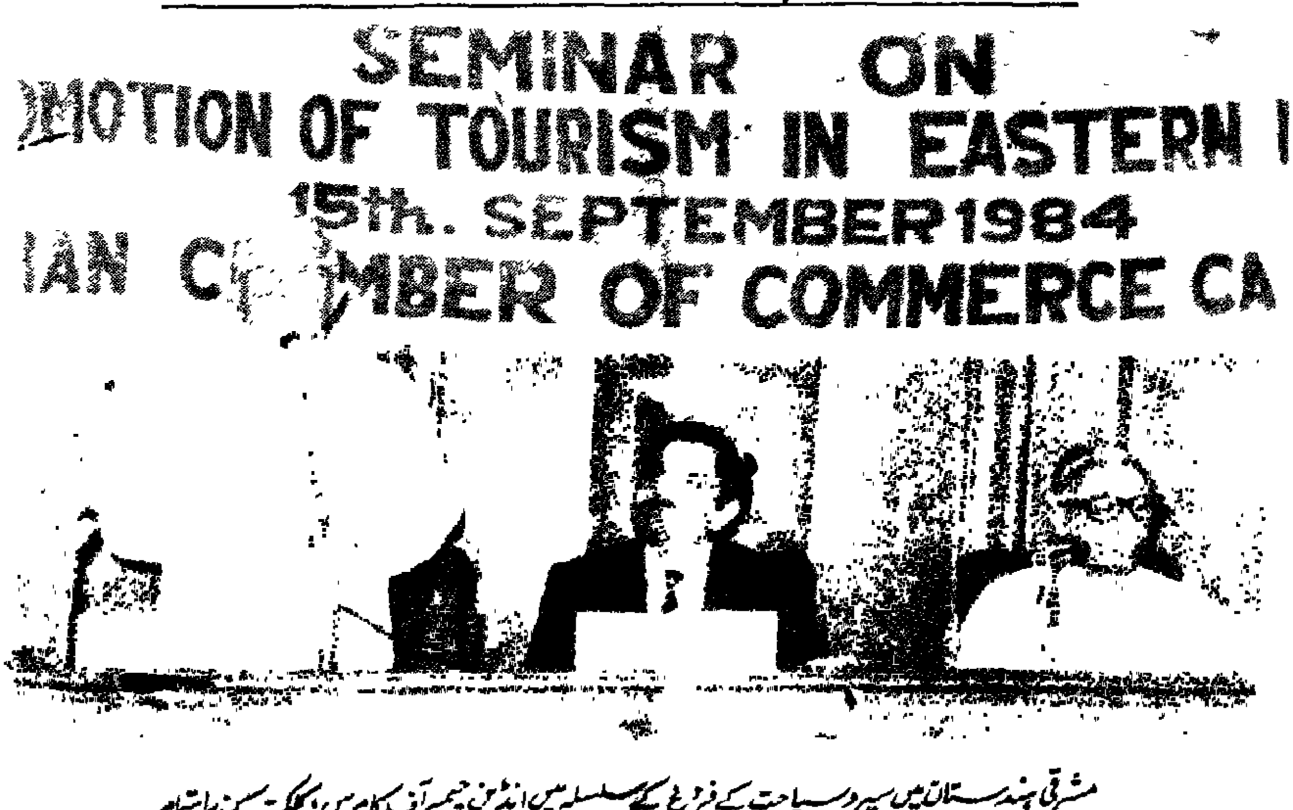
Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
15 October 1984

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 19
PRICE 12 Paise



بہار کے وزیراعلیٰ شری چندر شیکھر سنگھ کی ۱۴ ستمبر ۱۹۸۴ء کو رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں مغربی بنگال کے وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو سے ملاقات



مشرقی ہندوستان میں سیر و سیاحت کے فروغ کے سلسلہ میں انڈین چیمبر آف کامرس، کلکتہ کے زیر اہتمام


مغربی بنگال

پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ٣١ ★ یکم نومبر ١٩٨٢ء ★ شمارہ نمبر

شرحِ خریداری

سالانہ : تین ٣ روپئے ★ اس شمارے کی قیمت : بارہ ١٢ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
٢٣ - آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ٧٠٠٠٠١



اسٹیٹ بنک پبلسٹی گاڑی، جس کا اجرا وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کیا۔

نوآبادیاتی میراث اور مالیاتی کمیشن

از: مراری گھوش

آسٹریلین کومن ویلتھ گرانٹس کمیشن کی شکل میں یہاں بھی ہندستانی مالیاتی کمیشن مقرر کیا گیا ہے۔ بہر حال اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ آسٹریلیا سے زیادہ پرانی کسی بھی وفاقی ریاست میں اس طرح کے بین سرکاری ادارے نہیں ہیں۔ پرانے وفاقی دستوروں میں اس بات کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے کہ وفاقی مالیاتی منتقلی کے سلسلہ میں سفارشات کرنے کے لئے ایک آزاد کمیشن کی تشکیل کی جائے۔ ایک بار ممالک متحدہ امریکہ میں وفاقی ریاستوں کے تعلقات پر ہوور کمیشن نے وفاقی حکام کو اس بات کا مشورہ دیا تھا کہ وفاقی ریاستوں کے معاشی تعلقات کو زیر قابو رکھنے کے لئے ایک مستقل ادارہ قائم کیا جائے، لیکن ان سفارشات کو نہ وفاقی حکومت نے اور نہ وفاق سے وابستہ ریاستی حکومتوں نے تسلیم کیا۔ کناڈا میں اس طرح کا ایک کمیشن بنام ریاستی۔ صوبائی تعلقات پر رائل کمیشن قائم کیا گیا جس نے ایک مالیاتی کمیشن قائم کرنے کی سفارش کی۔ لیکن اس سفارش کو قبول نہیں کیا گیا کیوں کہ سبھوں کا یہی خیال تھا کہ اس سے صوبائی آزادی محدود ہو جائے گی اور قانون ساز اداروں کے اختیارات انتہائی حد تک کم ہو جائیں گے۔

ہمارے دستور کی دفعہ ۲۸۰ میں ایک مالیاتی کمیشن قائم کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس کمیشن کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ مرکزی حکومت کو ان رقوم کی، جو مختلف ٹیکسوں کی صورت میں مرکزی حکومت سارے ملک سے وصول کرتی ہے، ریاستوں کے درمیان تقسیم کے سلسلہ میں اپنی سفارش پیش کرے۔ اس سلسلہ میں یہ نقطہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کہ ہندستانی مالیات کمیشن کو دستور کی دفعات ۲۶۸ سے ۲۹۲ کے تحت رکھی گئی گنجائشوں کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے اور ان دفعات میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان مالیات کی تقسیم کے سلسلہ میں کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

یہاں اس بات کو زیر غور رکھنا ہوگا کہ مالیاتی کمیشن کی سفارشات مشاورتی نہ کہ قانونی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ایسے بھی واقعات ہوتے ہیں جب اس کمیشن کی سفارشات کو قبول نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر ریاستی منصوبوں کے لئے عطیہ۔ امداد کے لئے تیسرے کمیشن کی سفارشات پر حسب خواہ طریقہ سے غور نہیں کیا گیا۔ نیز دوسرے اور پانچویں کمیشنوں نے یہ سفارشات کی تھیں کہ مرکزی حکومت ریاستوں کو جو رقوم بطور قرض فراہم کرتی ہے، ان کی ادائیگی کے سلسلے میں ریاستوں سے کچھ نرمی برتی جائے، لیکن مرکزی حکومت نے ان سفارشات کو قبول نہیں کیا۔

مالیاتی کمیشن کے فرائض کا دستور میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دستور کی گنجائش کے تحت مرکزی وزارت مالیات

کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان مقاصد کا تعین کرے جنہیں وہ مالیاتی کمیشن کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ سیدھا سادا طریقہ یہ ہے کہ مالیاتی کمیشن کی تقرری سے قبل وزارت مالیات کا ایک افسر، جو عہدہ میں جوائنٹ سکریٹری کے برابر ہوگا، سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مرکز۔ ریاست مالیاتی امور کا جائزہ لے۔ اسے ایک میمورنڈم تیار کرنا پڑتا ہے جس میں عام طور پر مرکزی کابینہ کے تسلیم شدہ دریافت طلب مسائل کا ذکر کرے گا۔ کابینہ کی منظوری کے بعد ہندوستان کے صدر کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ ان مسائل کو مالیاتی کمیشن کے حوالے کرے۔ وزارت مالیات کے متعلقہ افسر کو عام طور سے اس کمیشن کا ممبر سکریٹری بنایا جاتا ہے۔

دریافت طلب مسائل کے تعین کرنے کا طریقہ کار پر بہت سارے ماہرین معاشیات نے سخت تنقیدیں کیں کہ مرکزی وزارت مالیات یکطرفہ طور پر ایسے مسائل کا تعین کرتی ہے اور دستور ہند میں ایسی ہدایات درج نہیں ہیں جن کے تحت صدر کو مجوزہ دریافت طلب امور کے سلسلہ میں اپنے طور پر آزادانہ جانچ پڑتال کر سکے۔ ایک جمہوری نظام میں ایسی باتیں از کمی دکھائی دیتی ہیں کہ ریاستوں سے اس سلسلہ میں مشورہ نہیں کیا جاتا۔ لوگوں کے منتخب نمائندوں کو، جو ریاستی حکومتوں کی تشکیل کرتے ہیں، ایک واحد ہستی ـــ مرکزی وزارت کے ایک افسر کے فیصلہ کو قبول کرنا پڑتا ہے۔

جب پہلے مالیاتی کمیشن نے اپنا کام شروع کیا تو اس وقت اسے نوآبادیاتی کے دنوں میں ہندوستان میں رائج وفاقی مالیاتی منتقلی کے طریقہ کار کا جائزہ لینا پڑا۔ اس سے قبل ہندوستان کے دستور نے دفعات ۲۶۸ تا ۲۹۲ کو تسلیم کرلیا۔ ان دفعات میں ریاستوں اور مرکز کے درمیان ماضی کے مالیاتی تعلقات کو اور ریاستوں اور مرکز کے درمیان محاصل کی تقسیم کو قبول کیا گیا تھا۔ اس کمیشن نے ان اصولوں کا ایک خاکہ مرتب کیا تھا، جنہیں یہ وفاقی مالیاتی منتقلی کی سفارش کرتے وقت پیش نظر رکھے گا۔ کمیشن کو ایک نئے طریقہ کار مرتب کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کیوں کہ ہندوستانی دستور کو صرف اس بات کی اجازت ہے کہ وہ سر اوٹو نائی میئر کے تیار کردہ اصولوں کو، جنہیں حکومت ہندوستان ایکٹ ۱۹۳۵ء میں اپنایا گیا تھا، وفاقی مالیاتی منتقلی کے لئے اپنائے۔

حکومت ہندوستان ایکٹ ۱۹۳۵ء کی تکمیل سے قبل آسٹریلیا کے سر اوٹو نائی میئر کو نوآبادیاتی حکومت نے مدعو کیا تھا کہ وہ مرکز سے ریاستوں کی دی جانے والی مالی رقوم کے سلسلہ میں سفارشات پیش کرے۔ سر اوٹو کو آسٹریلیا دول مشترکہ مطلوبات کمیشن کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ حاصل تھا۔ وہ نوآبادیاتی پالیسی سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ یہ کہ ایک نوآبادیاتی نظام میں ایک وفاقی نظامت کی شبیہہ تیار کرکے سامراجیوں کے مفادات کو محفوظ اور برقرار رکھا جاسکے۔ انہوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ صوبوں کی مالیاتی مساوات کو برقرار رکھا جائے، ساتھ ہی مرکز کی مقدرت کو جرکم سے آزاد رکھا جائے۔ لازمی طور پر یہ نوآبادیاتی نظام کے تحت غیر ترقی یافتہ معیشت میں تال میل پیدا کرنے کی ایک ہلکی پھلکی کوشش تھی۔ انہوں نے ماضی میں ہندوستان میں مرکز سے صوبوں کو ٹیکس کی دی گئی رقوم کی تقسیم کے طریقہ کار کا، اس سلسلہ میں کی گئی، میسٹن کمیشن ۱۹۲۰ء کی، پہلی پیل کمیٹی ۱۹۳۱ء کی، پرسی کمیٹی ۱۹۳۵ء اور دوسری پیل کمیٹی ۱۹۳۵ء کی سفارشات کا غائر مطالعہ کیا۔ انہوں نے صوبائی معیشت کے لئے حسب ضروری اخراجات کی نوعیت کی تفتیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کیوں کہ اس وقت کی مرکزی حکومت کو، ۱۹۳۵ء کے مذکورہ ایکٹ کے نفاذ سے قبل صوبائی اخراجات کے پروگرام پر کافی کنٹرول تھا۔

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ ان کی سفارشات کا اصل مقصد یہ تھا کہ ایک نوآبادیاتی معیشت میں وفاقیت کی بحالی کی جائے۔ اس لئے انہوں نے صوبوں یعنی نوآبادیاتی ملک میں علاقائی، انتظامی یونٹوں میں پولس ریاست کی مالیاتی ضرورتوں میں مطابقت پیدا کرنے

کی طرف زیادہ دھیان دینا شروع کیا اور انہیں ایک نیم ترقی یافتہ علاقہ کے رفاہی مقاصد کی بابت سوچ و فکر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

آزادی کے قبل کے دنوں میں مرکز سے صوباؤں کو ٹیکس کی فراہمی کے ڈھانچہ کا یہ تھا پس منظر۔ آزادی کے بعد تمام مالیاتی کمیشن نائیمیئر کے نمونہ کی پیروی کرتے رہے۔ کسی نے بھی ان سیاسی حالات کی طرف، جنہوں نے اسکی توجہ مرکوز کی تھی، توجہ نہیں دی۔ ہندوستان کے مالیاتی کمیشنوں نے اس بنیادی نظریہ کو ہی اپنایا۔

ریاستوں کا قرض اور مالیاتی کمیشن

پہلے مالیاتی کمیشن (۱۹۵۲ء) نے اوٹو نائی میئر کے بنیادی نظریہ کی احیاء نو کی، کیوں کہ نائی میئر نے ہی برطانیہ کے دور حکومت میں مرکز سے صوباؤں کو ٹیکس کی رقوم کی تقسیم کا ایک ڈھانچہ تیار کیا تھا۔ اس کے بعد کے تمام مالیاتی کمیشنوں نے اسی اصول کو روبہ عمل لایا۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ دوسرے مالیاتی کمیشن (۱۹۵۷ء) نے اس تبدیل شدہ ماحول کو سراہا جس میں رہتے ہوئے اسے کام کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں وہ یوں رقمطراز ہے :-

"نائی میئر ایوارڈ کے بعد آزادی اور معاشی ترقی کے قومی منصوبہ کی بنیاد پر مرکز اور ریاستوں کے درمیان قریبی مالیاتی تعاون کے لئے نئے تصور کے ابھر آنے کی وجہ سے تصورات میں کافی تبدیلی رونما ہوئی۔ محدود مفہوم میں اس انتظامیہ کا ادنی یا اعلی معیار کا سوال نہ تھا۔ ایک پولس ریاست کی رفاہی ریاست میں تبدیلی نے سرکاری کام کاج کے امکانات میں بنیادی تبدیلی لائی اور اس کے نتیجہ میں مالیاتی ضروریات کے تصور میں کافی اضافہ ہو گیا۔" (دوسرے مالیاتی کمیشن کی رپورٹ، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۲۲۱)۔

گرچہ دوسرے مالیاتی کمیشن نے بہت ہی ہشیاری سے بدلتی ہوئی صورتحال کا تجزیہ کیا تاہم یہ پھیکا پھیکا رویہ تھا۔

اس تجزیہ کے آخر میں یہ باتیں درج تھیں "بہرحال نائی میئر تصورات اب بھی جائز ہیں۔" اس قسم کے سامراجی ایوارڈ کو صرف پہلی بار ہی سراہا نہیں گیا۔ اسے دیگر مواقع پر بھی دہرایا گیا جب اس کمیشن نے اس ایوارڈ کے گرانٹ۔ این۔ ایڈ پر غور و خوض کیا۔ اس سلسلہ میں یہ کمیشن یوں رقمطراز ہے :

"امداد کے طور پر عطیات کے مسئلہ کی بابت ہمارا جو بنیادی تصور تھا اسی کو ہم روبہ عمل لا رہے ہیں، اگرچہ ہم نے ہمارے پیش رو علیحدہ دائروں کی بہت سے اصولوں پر زور دیا ہے ... نائی میئر والی باتوں سے متاثر ہوتے ہوئے زور دیا۔"

دوسرے مالیاتی کمیشن کے پیش رو کون تھے؟ دوسرے کمیشن نے نائی میئر کے رویہ کو اپنا کر نوآبادیاتی میراث کو جاری رکھا۔ اسی طرح چوتھے مالیاتی کمیشن کی رپورٹ میں درج اس عبارت سے یہ باتیں عیاں ہو جاتی ہیں۔

"مالیاتی کمیشن نے جو اصول مرتب کئے، وہ اب بھی قانونی طور پر جائز ہیں اور ہمیں ان اصولوں سے اتفاق ہے، صرف ہم اس بات کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم امداد کے طور پر عطیات میں منصوبہ کے تحت عطیہ اور خصوصی مقصد کے لئے عطیات کو شامل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔" (چوتھے مالیاتی کمیشن کی رپورٹ، ۱۹۷۳ء، صفحہ ۲۹)

یہ لوگ ایک ایک منصوبہ بند معیشت کے تحت مالیاتی وفاقیت کے بدلتے ہوئے مقاصد کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اس طرح ریاستوں کی ضروری مالیاتی ضرورتوں کا مناسب طور پر تخمینہ نہیں کیا جا سکا۔

عملی طور پر تمام مالیاتی کمیشن پہلے ہر ریاست کے بجٹ میں آمدنی اور خرچ کے درمیان فرق کا تخمینہ کرتے ہیں اور اس کے بعد ٹیکس کے حصص اور امداد کے طور پر عطیات کے سلسلہ میں سفارش کرتے ہیں۔ مالیاتی کمیشن کا یہ طریقہ کار دریافت طلب امور پر ہے۔ تقسیم کی جانے والی ٹیکس رقوم کی بابت دستور میں درج دفعات پر منحصر ہوتا ہے۔ اس طریقہ کار کا اور اس کے بعد کے ایوارڈ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ریاستی حکومتیں مرکز اور دیگر ایجنسیوں سے زیادہ رقوم بطور قرض

لے سکتی ہیں اور اس طرح بہت ساری ریاستوں کی معیشت میں توازن برقرار نہیں رہتا۔

وفاقی مالیاتی منتقلی کا اثر کیا ہوتا ہے اس کا اندازہ ہم اس کے نتائج سے لگا سکتے ہیں۔ پہلے مالیاتی کمیشن کی سفارش کے پیش نظر ٹیکس حصص کے تفویض کے بعد تمام ریاستوں کی بجٹوں میں آمدنی اور اخراجات کے درمیان فرق مجموعی طور پر ۴۶۶ر۳۲ کروڑ روپے ہوگیا۔ دوسرے اور تیسرے مالیاتی کمیشن نے اس خلیج کو پاٹنے کے لئے کچھ حد تک کوششیں کیں لیکن دوسرے مالیاتی کمیشن کے دور میں (سنہ ۱۹۵۷-۵۸ء سے سنہ ۱۹۶۱-۶۲ء تک) آسام، مدراس، اڑیسہ، راجستھان اور بمبئی جیسی ریاستوں کو غیر منصوبہ بجٹ میں کافی کمی برداشت کرنی پڑی۔ تیسرے کمیشن کے عرصے میں (سنہ ۱۹۶۲-۶۳ء سے سنہ ۱۹۶۵-۶۶ء تک) جبکہ بہت ساری ریاستوں کے بجٹ میں فاضل بجٹ ہوئی، آسام، کیرل، میسور، اڑیسہ، راجستھان اور تامل ناڈو جیسی ریاستوں کے بجٹ میں منفی رد کرٹا باقی ہوئی۔ چوتھے مالیاتی کمیشن (سنہ ۱۹۶۶-۶۷ء سے سنہ ۱۹۶۸-۶۹ء تک) کے ایوارڈ نے اسی عرصہ میں ریاستوں کے مثبتی رد کرٹا باقی کو کمی کے بجٹوں میں تبدیل کر دیا اور منفی رد کرٹا باقی ۱۴۸ر۷۸ کروڑ روپے کی ہوئی۔ صرف چھ ریاستوں یعنی گجرات، جموں وکشمیر، کیرل، ناگالینڈ، پنجاب اور تامل ناڈو میں غیر منصوبہ بجٹ میں مثبتی رد کرٹا باقی ہوئی۔ پانچویں کمیشن (سنہ ۱۹۶۹-۷۰ء سے سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء تک) کے ایوارڈ سے ریاستوں کے بجٹوں میں مجموعی طور پر منفی رد کرٹا باقی ۳۰۴ر۲۵ کروڑ روپے ہوگئی۔ صرف آندھرا، ہریانہ، کرناٹک، مدھیہ پردیش، ناگالینڈ، پنجاب اور اتر پردیش کی بجٹوں میں مثبتی رد کرٹا باقی ہوئی۔ چھٹے مالیاتی کمیشن (سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء سے سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء تک) کے ایوارڈ میں ہماچل پردیش، جموں وکشمیر اور اتر پردیش کو منفی رد کرٹا باقی کا سامنا کرنا پڑا۔

ریاستوں کے بجٹوں کی اس تصویر سے مالیاتی کمیشنوں کی کارکردگی نمایاں نہیں ہوتی۔ ہندستان میں وفاقی مالیاتی منتقلی کے مجموعی اثر کا صحیح معنوں میں اندازہ لگا سکتے ہیں اگر ہم یہ دیکھیں کہ مرکزی حکومت اور دیگر ایجنسیوں سے ریاستیں زیادہ سے زیادہ رقوم بطور قرض حاصل کرتی ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر مالیاتی کمیشن کے ایوارڈ کے بعد ریاستیں زیادہ سے زیادہ رقوم بطور قرض حاصل کر رہی ہیں۔ ریاستیں ہر کمیشن کے دور کے آخر تک کتنی رقوم بطور قرض حاصل کرتی ہیں، انکی تفاصیل درج ذیل ہیں:

کمیشنوں کا آخری سال	سال	مجموعی قرض (کروڑ روپے میں)
پہلا کمیشن	سنہ ۱۹۵۶-۵۷ء	۱۴۸۵ر۰۳
دوسرا کمیشن	سنہ ۱۹۶۱-۶۲ء	۳۱۴۷ر۶۵
تیسرا کمیشن	سنہ ۱۹۶۵-۶۶ء	۵۵۱۱ر۷۸
چوتھا کمیشن	سنہ ۱۹۶۸-۶۹ء	۷۴۴۰ر۰۰
پانچواں کمیشن	سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء	۱۱۵۸۰ر۰۰
چھٹا کمیشن	سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء	۱۶۱۳۹ر۰۰
	سنہ ۱۹۸۰ء	۲۱۶۲۶ر۰۰
	سنہ ۱۹۸۱ء	۲۴۲۵۴ر۰۰

(کرنسی اینڈ فائننس، ریزرو بینک آف انڈیا)

ریاستوں کے موجودہ قرض کا تفصیل سے جائزہ لینے سے قبل یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سابق صوبائی حکومتوں کے بقیہ قرض ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء میں ۳۴۳ر۶۹ کروڑ روپئے سے بڑھکر یکم مارچ سنہ ۱۹۵۱ء میں ۱۹۵ر۴۱ کروڑ روپئے ہوگئے۔ سنہ ۱۹۵۲ء سے مالیاتی کمیشن کے ایوارڈ کے ساتھ ساتھ ریاستوں کی معیشت بری طرح متاثر ہونے لگی۔ پہلے مالیاتی کمیشن کے پہلے سال میں (سنہ ۱۹۵۳ء) ریاستیں کل ۵۶۲ر۹۸ کروڑ روپے کی مقروض تھیں اور مارچ سنہ ۱۹۸۱ء کے آخر میں تمام ریاستیں ۲۴۲۵۴ کروڑ روپئے کی مقروض تھیں۔ ریاستوں پر قرض بڑھتا ہی جا رہا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ مرکز کی مالیات کی منتقلی کا اثر ہے اور نوآبادیاتی حکومت کی میراث ہے۔ ٭٭٭

غزل

صفدر علی خاں خموش
کلکتہ

ساری دنیا سے ہوں بیزار و خفا آپ کے بعد
زندگی کیا ہے فقط جبر و سزا آپ کے بعد

حسرتیں دل کی لٹیں، جل بھی گئی کشتِ امید
اب کہاں شوقِ صنم، ذکرِ خدا آپ کے بعد

زندگی اپنے ہی شانوں پہ ہے اک بارِ گراں
عشق میں مجھکو ملی ہے یہ سزا آپ کے بعد

وہ نظر ہے نہ وہ دل ہے نہ وہ نظارے ہیں
کتنی غمگین ہے دنیا کی فضا آپ کے بعد

اب تو جینے کی تمنا بھی نہیں ہے دل میں
ہو گیا جذبۂ ہستی بھی فنا آپ کے بعد

لب پہ آہیں ہیں تو آنکھوں میں سلگتے آنسو
وقت نے ہمکو دیا ہے یہ صلہ آپ کے بعد

داستانِ دلِ پُردرد سناؤں کس کو
دل ہی سنتا نہیں جب اپنی صدا آپ کے بعد

کیوں نہ میں شام و سحر غم سے لپٹ کر رو دوں
اب کسی شئے میں نہیں کوئی مزا آپ کے بعد

میں خموش آج کہاں ہوں مجھے معلوم نہیں
کون پائے گا بھلا میرا پتا آپ کے بعد

مضافاتی علاقوں کی جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن کا کردار

مغربی بنگال جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن دیہی نوجوانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کی خود روزگاری، دیہی عورتوں اور بچوں کی صحت ومعیشت اور آبپاشی کیلئے ٹیوب ویلوں کے انتظام کے ایک بالکل نئے نظام کے سلسلے میں ایک مخلوط پروگرام کو روبہ عمل لا رہا ہے۔ اس سلسلے میں تین پروگرام حسب ذیل ہیں:

جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن اعلیٰ نسل کی مرغیوں کی پیداوار کے سلسلہ میں ایک منظم پروگرام شروع کرنے والا ہے۔ یہ پروگرام ۲۲۰۷ پیداواری یونٹوں پر مشتمل ہوگا۔ یہ ایک سال میں کل ۱۲۰۰ ٹن صاف کی ہوئی مرغیوں کا گوشت فراہم کرے گا۔ اس سے فی کس ۳۰۰۰ روپئے خود روزگار نوجوان کی اوسط آمدنی ہوگی اور اس سے ۲۲۰۷ افراد مستفیض ہوں گے جن میں ۲۰۰۰ عورتیں شامل ہیں۔ اس طرح کے گوشت کی پیداوار میں کل سالانہ لاگت ۴۲ء۲ کروڑ روپئے کی آئے گی۔ اس پروگرام کو UNICEF، DRDA اور تجارتی بنکوں کی حمایت حاصل ہوگی۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ ایک سال کی مدت میں اس ریاست میں اعلیٰ نسل کی مرغیوں کی فراہمی کا ایک بڑا ذریعہ مغربی بنگال میں واقع سی اے ڈی سی کی ۲۱ پروجیکٹس ہیں۔ اس کی سپلائی خصوصاً ریاستوں کے بڑے شہری اور صنعتی مراکز کو ہوگی۔ خود روزگار عورتیں، اس اسکیم کا ہی پر اطلاق ہوتا ہے، عورتوں اور بچوں کے لئے ایک بڑے پروگرام کے ایک حصہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں گی۔ جسے UNICEF کی شرکت میں سی اے ڈی سی کے تحت اپنایا گیا ہے۔ اس پروگرام کے تحت پینے کے پانی کے لئے ۴۵۴ عدد ٹیوب ویل، ۱۱۳ عدد کنوئیں اور پینے کے پانی کی دوسری سہولتیں مزید برآں ۴۵۶ عدد نمونے کے طور پر پاخانوں کی تعمیر کی گئی ہے یا کی جارہی ہے۔

مزید برآں اوسطاً ۱۷۷۶۹ بچوں کو ٹرپل انجکشن، ڈبل انجکشن پولیو کا انجکشن دے کر بیماریوں سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اسی اسکیم کے تحت میدانِ عمل میں خدام صحت کی کل تعداد ۲۵۱ ہے جنہیں دوائیں ریاستی حکومت اور UNICEF کے توسط سے فراہم کی جاتی ہیں۔ صحت عامہ پر اس پروگرام کے اثرات حالیہ آنت کی بیماری پھیلنے کے دوران منظر عام پر آئے، جب اس بیماری سے جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن کے پروجیکٹس بالکل متاثر نہ ہوئے۔ مزید برآں عورتوں اور بچوں کے لئے ۷۰ اجتماعی مراکز تعمیر کئے جاچکے ہیں (یا کئے جا رہے ہیں) جہاں معاشی پروگرام کے اضافہ کے ساتھ ساتھ بلوینڈی اور غیر رسمی تعلیمی مراکز چلانے کے لئے انتظامات کئے گئے۔ کل ۲۳۱۲ عدد بچوں نے بلوینڈی میں شرکت کی اور ۲۱۰۰ جوان عمر افراد نے غیر رسمی تعلیمی مراکز سے رابطہ قائم کیا۔

وہ نوجوان اشخاص جو مرغیوں کی اعلیٰ نسل کی افزائش کے پروگرام کے تحت آتے ہیں، مغربی بنگال کے سات جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن کے پروجیکٹوں میں ٹیوب ویل چلانے کا کام بھی کرتے ہیں اور انہیں اس کام کی اجرت کمیشن کی بنیاد پر ملتی ہے۔ فی الحال ان سات پروجیکٹوں میں ٹیوب ویلوں کو جاگیردارانہ کمیٹیوں کے حوالے کر دیا گیا ہے جو ان ٹیوب ویلوں کو رضاکارانہ طور پر خود چلائیں

گے اور اس کام کے لئے کسی کو تنخواہ پر ملازم نہیں رکھیں گے۔ اس مقصد کے تحت ۱۱۷ عدد جاگیردارانہ کمیٹیاں تشکیل ہوئی ہیں جو ۵۲۲ عدد کم گہرے ٹیوب ویلوں کو چلائیں گے اور جس سے ۵۱۴۰ ایکڑ قطعاتِ آراضی سیراب ہوں گے۔ جاگیردارانہ کمیٹی کے کارکنان کو ٹیوب ویل چلانے اور آبپاشی کے انتظامات کے سلسلہ میں تربیت دی جا چکی ہے۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ انتظام کا یہ نیا طرز ٹیوب ویل کے بہتر استعمال کی ضمانت دے گا اور جاگیرداروں کو فراہم کی گئی سہولتوں کے ہمراہ ان کی شناخت میں مددگار ثابت ہوگا۔ اس بات کی بھی امید کی جاتی ہے کہ مستقبل میں حکومت اور عوامی جماعتیں ٹیوب ویل کے انتظامات کے سلسلے میں انتظام کے اس طرز کو اپنائیں گی اور معقول شروعات اپنے تاثرات دیہی ترقیاتی پروگراموں کے مختلف پہلوؤں پر بھی ثبت کریں گی۔

مغربی بنگال جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن کے منتخب پروجیکٹس میں آنت کی بیماری کے واقعات

پروجیکٹ	آبادی	واقعات کی اطلاع	اموات
اجودھیا کی پہاڑیاں	۱۲۴۲۸	—	۳
بالارام پور	۵۰۸۷۴	—	—
دیبرا	۳۳۲۱۸	—	۱۸
نالا سانا	۲۶۴۵۵	۱۲۷۳	—
کاٹے گھاٹا	۶۸۵۳۵	مریضوں کی کل تعداد ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی	—
گوال پوکھر II	۲۴۷۷۹	۱۸	—
کالیا گنج	۲۹۷۴۷	۴۸۷	۳
کلنگ پونگ	۲۱۶۳۷	—	—
نل ہاٹی	۲۵۳۰۱	اعداد و شمار دستیاب نہیں	—
سلہار جور	۲۷۵۱۰	۷	—
سلی گوڑی نکسل باڑی	۷۳۲۹۵	—	—
سونامکھی	۲۴۰۰۷	۱۳	—
تاملوک I	۷۰۹۸۵	—	—
کل	۴۸۸۷۷۰		

سندربن میں سیاحوں کی رہائش گاہ کا قیام

سندربن کے اندرونی علاقہ سجنا کھالی میں واقع سیاحوں کی ایک رہائش گاہ کی رسم افتتاح گزشتہ ۲۳ ستمبر ۱۹۸۲ء کو محکمہ جنگلات وسیاحت کے وزیر شری پرمیل مترا کے ہاتھوں انجام پائی۔ اس رہائش گاہ کا نام سندر چیتل ٹورسٹ لاج رکھا گیا ہے۔ اپنی افتتاحی تقریر میں شری پرمیل مترا نے کہا کہ یہ سیاحوں کی رہائش گاہ سندربن میں شب گزاری کو ممکن بنائے گی اور اس طرح یہ زیادہ بامقصد طور پر سندربن کے اس سفر سے لطف اندوز ہونے میں سیاحوں کے لئے مددگار ثابت ہوگی۔ اس بات کا تذکرہ لازمی ہے کہ اس سے پہلے سندربن کے علاقے میں اس طرح کی کوئی بھی رہائش گاہ موجود نہیں تھی اور یہی وجہ تھی کہ لوگ وہاں شب گزار نہیں پاتے تھے۔ اپنی تقریر میں وزیر موصوف نے مزید یہ کہا کہ مغربی بنگال کی موجودہ حکومت سندربن کے علاقوں کی اقتصادی ترقی کے سلسلہ میں کوشاں ہے اور یہ رہائش گاہ اس سلسلے میں اس کا ایک قدم ہے۔

سندربن ترقیات محکمہ کے ریاستی وزیر شری عبدالرزاق ملا بھی اس تقریب میں موجود تھے۔ شری ملا نے اپنی تقریر میں سندربن کے علاقوں کے لوگوں کی بدحالی اور روزی روٹی کے لئے ان کی جد وجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس علاقہ کے لوگوں کی معاشی بدحالی کو دور کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

سجنا کھالی میں واقع سندر چیتل ٹورسٹ لاج ۳۰ کمروں پر مشتمل ہے اور اس کے ہر کمرے میں دو بستر موجود ہیں۔ اس رہائش گاہ میں قیام کرنے والے سیاحوں کو کھانا فراہم کرنے کا بھی انتظام کیا جائے گا۔

سندربن میں سیاحت:

سارا سندربن کا علاقہ ڈیلٹائی جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان میں داخلہ صرف ان بحری راستوں — کیننگ، بسنتی، رائے دیگھی، نم کھانہ اور نیزت — سے ممکن ہے۔ ان تمام راستوں میں سوناکھالی (بسنتی) ہی ان معنوں میں سب سے زیادہ آرام دہ ہے کہ اس میں کشتی سے سب سے کم وقت لگتا ہے۔

سوناکھالی کلکتہ سے بری طور پر ۱۰۰ کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ نہر پار کرتے ہی ایک شہر بسنتی ہے جو سندربن کے جنگلات کے علاقہ کے دہانہ میں واقع ہے۔ سیاحوں کا سفر سوناکھالی سے شروع ہوتا ہے اور گوسابہ نہر یا نفنکھالی کھال ہوتے ہوتے گوسابہ سے باگنا اور ویدیا ندی کو عبور کرکے آگے جانا پڑتا ہے۔ گوسابہ کے قریب باگنا اور ویدیا کا سنگم ایک لامحدود جھیل کا منظر پیش کرتا ہے۔

سندربن کا کل علاقہ تقریباً ۲۶۲۴ مربع کیلومیٹر پر مشتمل ہے جس کا تقریباً نصف ماتلا ندی کے مشرق میں پڑتا ہے جسے شیروں کی نسل کے تحفظ کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ سجنا کھالی ٹھیک اسی شیر کے تحفظ کے علاقے

کے احاطے میں واقع ہے اور ان علاقوں سے شیر کے تحفظ کے علاقوں کے قلب تک جو جھیلا، اربیشی، بنٹی دھوبانی، جیامتا، جاندا کھالی، پان چکھانی، بیر کھالی وغیرہ جیسے مختلف بلاکوں پر مشتمل ہے، پیش رفت کی جا سکتی ہے۔ ان علاقوں کے قلب میں مختلف مناسب مقامات جیسے ہلدی، سدھانیہ کھالی، نیتی دھوآمی وغیرہ پر متعدد مینار نظارہ تعمیر کئے گئے ہیں تا کہ سیاح جنگلاتی زندگی کا بغور مطالعہ کر سکیں۔

سندربن کے اندرونی علاقوں میں داخل ہونے کا موزوں ترین راستہ کیننگ یا سونا کھالی (بستی) ہے۔ سیاح نم کھانہ اور رائے دیگھی سے بھی سندربن کے ان علاقوں میں داخل ہو سکتے ہیں جو شیر کے تحفظ کے علاقے سے باہر واقع ہے۔ لوتھن جزیرہ، ہالی ڈے جزیرہ، جمبو دیپ، جلکاتی وغیرہ قدرتی مناظر کے مقامات ہیں ـــــــ یہ مقامات جنگل کے درندوں، چرندوں اور پرندوں پر مشتمل ہیں۔ ان مقامات کی سیر کا انتظام شعبۂ سیاحت کرتا ہے۔

سندربن کے شیر کے تحفظ کے علاقوں میں شیر کی تعداد تقریباً ۲۸۷ ہے۔ حال ہی میں سندربن کا سارا علاقہ کو نیشنل پارک بنا دیا گیا ہے اور مختلف نوعیت کی سیاحی کی سہولتیں پیدا کی گئی ہیں۔

شعبۂ سیاحت کا سیاحی جہاز 'مدھوکر' سندربن کے اندرونی مقامات کی سیر کے سلسلہ میں دورہ کا انتظام کیا کرتا ہے۔ 'مدھوکر' میں آرام و آسائش کی، سونے کے کمرے مع بستر، شیر پروجیکٹ علاقوں کے لئے مسلح محافظ، بیچ ندی میں لنگر انداز ہونے اور شب گزارنے کی گنجائش یہ تمام سہولتیں فراہم ہیں۔ ذاتی کشتیاں اور ناؤ کنارہ پر کرایہ پر ملتی ہیں۔ ان مقامات سے کچھ محدود مقامات تک کے لئے اسٹیمر سروسیں بھی دستیاب ہیں۔

سجنا کھالی آنے والے سیاحان کیننگ سے گوسابہ تک کے لئے کرایہ کا لانچ پکڑیں پھر وہاں سے بذریعہ وین رکشہ پاکھی رالا پہونچیں اور پھر کشتی کے ذریعہ ندی کے دوسرے کنارے پر پہونچیں جہاں سجنا کھالی ٹورسٹ لاج جیٹی واقع ہے۔

نظارہ کرنے کے لئے قائم شدہ میناروں کی کچھ اس طرح سے توسیع کی جائے گی کہ سیاح ان پر شب بھی بسر کر سکیں اور ان میناروں پر سے دوربین کے ذریعہ جنگلاتی زندگی کا بغور مطالعہ بھی کر سکیں۔ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ سال کے دوران جنگل کے ان علاقوں کے قلب میں ایک بہتا ہوا ہاؤس بوٹ (کشتی) کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں آبپاشی کی اسکیمیں

ریاستی حکومت نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں آبپاشی کی مندرجہ ذیل اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے ۱۰ر۵۰ لاکھ روپئے دیئے کی منظوری دی ہے:

(۱) گوروباتھن بلاک میں مال کھولا آبپاشی اسکیم۔
(۲) کلمپونگ۔ I بلاک میں لاما کھولا اور سنانگ آبپاشی
(۳) بیجن باڑی بلاک میں پاپر کھولا چھوٹی آبپاشی اسکیم
(۴) انگلی انگیبونگ بلاک میں انگلی کھولا چھوٹی آبپاشی اسکیم۔

غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافہ

گزشتہ برسوں کے مقابلے اب مغربی بنگال میں غذائی اجناس کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۸۳-۸۴ء میں مغربی بنگال غذائی اجناس کی مجموعی پیداوار ۹۲ لاکھ ٹن تھی۔ یہ ایک ریکارڈ ہے۔ اس عرصہ میں چاول کی پیداوار ۷۹ر۴۰ لاکھ ٹن اور آلو کی پیداوار ۳۰ر۴۰ لاکھ ٹن ہوئی۔ ۱۹۷۰ء میں آلو کی پیداوار موجودہ پیداوار کی نصف تھی۔ اب مغربی بنگال کو آلو کی پیداوار کے لئے فاضل پیداوار کی ریاست تصور کیا جاتا ہے۔ گیہوں کی پیداوار میں حالیہ برسوں میں جو کمی ہوئی تھی، اسے نہ صرف روک دیا گیا بلکہ پیداوار میں کافی اضافہ کیا گیا۔ اب گیہوں کی پیداوار فی ہیکٹر ۲۵۹۵ کیلوگرام ہے ××

شہری علاقوں میں پانی کی سپلائی

سنہ ۱۹۴۷ء میں آزادی کے وقت پانی کی سپلائی کی سہولتیں ریاست کے صرف ۱۷ میونسپلیٹوں کے پائپ کے ذریعہ دستیاب تھیں۔ سنہ ۱۹۸۱ء تک مختلف منصوبوں کے تحت میونسپلیٹوں کو پائپ سے پانی کی سپلائی کے انتظامات بذریعہ ۸۲ پروجیکٹوں کے کئے گئے۔ اس سلسلہ میں ۱۰ر۱۱۰۵ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔

چھٹے منصوبے کے شروع میں ریاست کی ۱۳ میونسپلیٹوں کو پائپ کے ذریعہ پانی کی سپلائی کی سہولتیں فراہم کرنے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس وقت مختلف میونسپل علاقوں میں پانی کی سپلائی کے ۴۲ پروجیکٹوں پر کام ہو رہے تھے۔ ان میں سے دو پروجیکٹ آرام باغ، کرشنا نگر، بیرنگر، خپکدہ، رام پورہاٹ اور کھڑگ پور کی میونسپلیٹوں کے تحت روبہ عمل لائے گئے۔ نیز اس دوران گاریٹا اور ریل ڈانگہ کے تحت پانی کی سپلائی کے دو پروجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہونچایا گیا۔

چھٹے منصوبہ کے دوران شہری علاقوں میں پانی کی سپلائی کے ۱۵ نئے پروجیکٹوں کو منظوری ملی ہے۔ علاوہ ازیں پانی کی سپلائی میں مزید اضافہ کی غرض سے دو اور پروجیکٹوں کو بھی منظوری ملی ہے۔ چھٹے منصوبہ کی مدت کے دوران شہری پانی کی سپلائی کے مد پر اخراجات کیلئے مجموعی طور پر ۳۵ر۴۲ کروڑ روپئے دینے کی منظوری دی گئی ہے جس میں سے مجموعی ۶۵ر۱۰ کروڑ روپئے پہلے منصوبہ کے تین سال میں خرچ کئے جائیں گے۔ فی الحال کل ۳۲ شہری پانی کی سپلائی کے پروجیکٹوں پر کام ہو رہے ہیں۔ ان میں ایسے سات پروجیکٹ بھی شامل ہیں جن کے لئے زندگی بیمہ کارپوریشن نے قرض فراہم کیا۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ اسی دہائی کے اختتام تک ریاست کی ہر میونسپلیٹی میں پائپ سے پانی کی سپلائی ممکن ہو سکے گی۔

سرکاری خبریں

دکشن گرام میں ذیلی صحت مرکز کے قیام کا منصوبہ

مغربی بنگال حکومت نے بیربھوم ضلع میں واقع بارہ ریشور۔ بلاک۔۱ کے تحت دکشن گرام (رتنا) میں بہت ہی جلد ایک ذیلی صحت مرکز مع ۲ بنا خوراک زچہ بستروں کے کھولنے کے بارے میں فیصلہ کیا ہے۔ اس ذیلی صحت مرکز کے سلسلہ میں ایک سال کی مدت کیلئے سات عارضی عہدوں کے قیام کی بابت منظوری دی جا چکی ہے اور اس ذیلی صحت مرکز کو چلانے کے لئے ایک مکرر اور غیر مکرر اخراجات کی منظوری بھی دی جا چکی ہے۔

سومناتھ لاہیری کی موت پر ریاستی حکومت کے دفاتر میں چھٹی

سومناتھ لاہیری کی سوگوار موت پر سوائے رجسٹرار آف انشورنس اور اسٹامپ ریونیو افسر کے تمام ریاستی حکومت کے دفاتر ۱۹ ر اکتوبر سنہ ۱۹۸۴ء کو دو بجے دن میں بند کر دیئے گئے تھے۔ آپ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کے ایک اہم رہنما تھے۔

آپ کا ایک طویل علالت کے بعد ۱۹ ر اکتوبر سنہ ۱۹۸۴ء کو کلکتہ کے میڈیکل کالج میں دن کے ۱۵-۲ پر انتقال ہو گیا۔

آپ سنہ ۱۹۶۷ء میں پہلی متحدہ محاذ حکومت کے دوران محکمہ اطلاعات اور سنہ ۱۹۶۹ء میں دوسری متحدہ محاذ حکومت کے دوران محکمہ ترقیات و منصوبہ بندی کے وزیر رہ چکے تھے۔ آپ کی عمر ۷۶ سال کی تھی۔

ممتاز کمیونسٹ رہنما

شری سومناتھ لاہیری کا انتقال



ممتاز کمیونسٹ رہنما شری سومناتھ لاہیری طویل علالت کے بعد ۱۹ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو صبح کے سوا آٹھ بجے، کلکتہ میڈیکل کالج و ہسپتال میں اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔ ان کی عمر ۷۹ سال کی تھی۔ پسماندگان میں ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔ دو سال قبل ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔

شری لاہیری بہت دنوں سے بیمار تھے۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۸۴ء کو انہیں علاج کے لئے کلکتہ میڈیکل کالج و ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ۹ر جولائی کو ان کا آپریشن ہوا۔ اس کے بعد ان کی حالت کچھ سدھری، لیکن ۱۹ر ستمبر سے پھر ان کی حالت بگڑنے لگی۔ متعدد شکایتیں پیدا ہونے لگیں۔ تنفس کی دشواریں اور مثانہ میں خرابی پیدا ہونے کے سبب پیشاب اترنے میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ یکم اکتوبر کو جب ان کی حالت دگرگوں ہو گئی اور وہ بے ہوش ہو گئے تو انہیں شدید نگراں یونٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ لیکن یہاں بھی ان پر سکتہ طاری رہا اور ۱۹ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کی صبح سوا آٹھ بجے ان کی روح قفسِ عنصری سے ہمیشہ کے لئے پرواز کر گئی۔

ان کی موت کی خبر جب شہر میں پھیلی تو ہر مکتبۂ خیال کے لوگ، بائیں محاذ میں شریک پارٹیوں کے بہت سارے لیڈران بھی تعزیت کے لئے ہسپتال پہونچے۔ سی پی آئی (ایم) کے شری عبداللہ رسول اور شری سبلین داس گپتا، آر ایس پی کے شری جوتن چکرورتی اور دیگر سربراہوں نے ہسپتال میں جاکر آنجہانی کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

مغربی بنگال کے وزیرِ اعلیٰ شری جیوتی باسو اور بائیں محاذ کے چیرمین شری سروج مکھرجی نے شری لاہیری کی موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ آر ایس پی کی مغربی بنگال یونٹ کے سکریٹری شری ماکھن پال نے شری لاہیری کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی موت سے ملک نے ایک ایسے سپوت کو کھو دیا جو غریب لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے تمام عمر جد و جہد کرتے رہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ سب ایک مخلص دوست سے محروم ہو گئے۔ مغربی بنگال سی پی آئی سکریٹریٹ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ شری لاہیری کی موت سے کمیونسٹ تحریک اور پریشان حال عوام کی جد و جہد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہونچا ہے۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے ان کی جد و جہد ملک کے پریشان حال لوگوں کے لئے اور فرنگیوں کے قبضے سے مادرِ وطن کو آزاد کرانے کیلئے خود کو وقف کرنے کی روشن مثال ہے۔

شری لاہیری کی لاش ۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کی صبح کو سبودھ ملک اسکوائر میں رکھی گئی جہاں کافی تعداد میں سوگواروں نے لاش پر پھول چڑھائے۔ بعد میں لاش کو بوبازار میں سی پی آئی کے دفتر لے جایا گیا جہاں انہیں

آخری خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ پھر وہاں سے ارتھی کا جلوس نکالا گیا جو مختلف راستوں سے ہوتا ہوا نیم تلہ شمشان گھاٹ پہونچا جہاں ان کے جسد خاکی کو نذر آتش کر دیا گیا۔

شری سوم ناتھ لاہیری ستمبر ۱۹۰۹ء کو ستاتی پور ضلع ندیا میں پیدا ہوئے۔ وہ آنجہانی سرید رموہن لاہیری کے بیٹے تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔ ایس سی پاس کرنے کے فوراً بعد ہی آپ ۱۹۳۰ء میں سیول نافرمانی میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کل ہند کانگریس کمیٹی کے ممبر بن گئے۔ اس کے بعد آپ کل ہند ٹریڈ یونین کانگریس کے بھی ممبر بن گئے۔ آپکی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے انگریز حکام نے آپ کو ۱۹۳۲ء میں جیل میں قید کر دیا کیوں آپ اس وقت کمیونسٹ تحریک کے سرگرم کارکن بن چکے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں جب کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل ہوئی تو اس وقت آپ اس کے جنرل سکریٹری منتخب کئے گئے۔ اس وقت آپ کو چھپ چھپ کر پارٹی کا کام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ۱۹۳۶ء اور پھر ۱۹۴۰ء میں آپ کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ لیکن رہائی کے بعد آپ ۱۹۴۲ء میں پھر چھپ چھپ کر پارٹی کے کام میں مشغول ہو گئے۔ ۱۹۴۴ء میں آپ کلکتہ کارپوریشن کے کاؤنسلر منتخب ہوئے۔ آپ نے ۱۹۴۶-۴۷ء میں دستور ساز اسمبلی میں بھی خدمات انجام دیں۔

شری لاہیری ۱۹۵۷ء سے مغربی بنگال اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے رہے۔ ۱۹۶۷ء کی پہلی متحدہ محاذ حکومت میں آپ شعبہ جات اطلاعات اور لوکل سیلف گورنمنٹ کے وزیر تھے۔ پھر ۱۹۶۹-۷۰ء میں دوسری متحدہ محاذ حکومت میں آپ منصوبہ بندی، لوکل سیلف گورنمنٹ اور مکانات شعبوں کے وزیر ہو گئے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۱ء تک آپ سی پی آئی کے پولٹ بیورو کے اور کل ہند ٹریڈ یونین کانگریس کے ممبر رہے۔ آپ پارٹی کے اخبار "سادھنتا" کے بانی۔ مدیر تھے۔ آپ بنگلہ کے بہت اچھے ادیب بھی تھے۔ آپ نے "کول جرگیر گولپو" (کمیونزم کی کہانی) کتاب لکھی۔ اور مارکسزم پر بنگلہ میں پہلی کتاب "سامیاباد" لکھی۔ اس کتاب کو سامراجی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔ انہوں نے لینن کی "ریاست اور انقلاب" کا بنگلہ میں ترجمہ کیا تھا۔

شری لاہیری کمیونسٹ پارٹی کی ریاستی کاؤنسل کے ممبر بھی تھے۔

سیلاب سے تباہ شدہ سڑکوں کی مرمت

شری دیابرتا بندھوپادھیائے، ریاستی وزیر برائے جیل و فلاح نے ۲۴ راگست ۸۴ء کو رائٹرس بلڈنگ میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ فی الحال وہ پی۔ ڈبلو۔ ڈی شعبہ کی بھی نگہداشت کر رہے ہیں۔ حالیہ سیلاب کی وجہ سے ریاست کی مجموعی ۱۲ ہزار کیلومیٹر کی سڑکوں میں سے ۴ ہزار کیلومیٹر کی سڑک ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ شری بندھوپادھیائے نے کچھ خصوصی اقدامات کئے ہیں تاکہ سڑکوں کی مرمت کا کام جلد از جلد مکمل ہو۔

وشودھانند ہسپتال تحقیق انسٹی ٹیوٹ کو عطیہ

ریاستی حکومت نے شری وشودھانند ہسپتال تحقیق انسٹی ٹیوٹ، کلکتہ کو ۸۲-۸۴ء کیلئے اپنے اخراجات برداشت کرنے کیلئے ۱۵۰۰۰ روپے بطور عطیہ دینے کا منظور کر لی ہے۔

> ضبط کی ہوتی ہے اک حد ضبط کرتے تا بکے
> ہم بھی عاجز ہو کے مصروف فغاں ہونے لگے
>
> ——— وحشت کلکتوی



فالتا برآمدات پروسیسنگ علاقہ کا افتتاحی منظر

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T
Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

Postal Regd. No. WB/CC-52

MAGHREBI BANGAL
2 NOVEMBER 1984

Vol. 31 No. 20.
PRICE 12 Paise



زیر تعمیر مانک تلہ بازار، کلکتہ



طوفان گنج بخاست کے تحت ایک پُل کی مرمت کا کام


مغربی بنگال

پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتمن بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ یکم نومبر ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۲۰

شرحِ خریداری

سالانہ : تین روپے ★ اس شمارے کی قیمت : بارہ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳ - آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



اسٹیٹ بنک پبلسٹی گاڑی، جس کا اجرا وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کیا۔

نوآبادیاتی میراث اور مالیاتی کمیشن

از:
مراری گھوش

آسٹریلیا میں کومن ویلتھ گرانٹس کمیشن کی شکل میں یہاں بھی ہندستانی مالیاتی کمیشن مقرر کیا گیا ہے۔ بہرحال اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ آسٹریلیا سے زیادہ پرانی کسی بھی وفاقی ریاست میں اس طرح کے بین سرکاری ادارے نہیں ہیں۔ پرانے وفاقی دستوروں میں اس بات کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے کہ وفاقی مالیاتی منتقلی کے سلسلہ میں سفارشات کرنے کے لئے ایک آزاد کمیشن کی تشکیل کی جائے۔ ایک بار ممالک متحدہ امریکہ میں وفاقی ریاستوں کے تعلقات پر ہوور کمیشن نے وفاقی حکام کو اس بات کا مشورہ دیا تھا کہ وفاقی ریاستوں کے معاشی تعلقات کو زیر قابو رکھنے کے لئے ایک مستقل ادارہ قائم کیا جائے، لیکن ان سفارشات کو نہ وفاقی حکومت نے اور نہ وفاق سے وابستہ ریاستی حکومتوں نے تسلیم کیا۔ کناڈا میں اس طرح کا ایک کمیشن بنام ریاستی۔ وفاقی تعلقات پر رائل کمیشن' قائم کیا گیا جس نے ایک مالیاتی کمیشن قائم کرنے کی سفارش کی۔ لیکن اس سفارش کو قبول نہیں کیا گیا کیوں کہ سبھوں کا یہی خیال تھا کہ اس سے صوبائی آزادی محدود ہو جائے گی اور قانون ساز اداروں کے اختیارات انتہائی حد تک کم ہو جائیں گے۔

ہمارے دستور کی دفعہ ۲۸۰ میں ایک مالیاتی کمیشن قائم کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس کمیشن کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ مرکزی حکومت کو ان رقوم کی، جو مختلف ٹیکسوں کی صورت میں مرکزی حکومت سارے ملک سے وصول کرتی ہے، ریاستوں کے درمیان تقسیم کے سلسلہ میں اپنی سفارش پیش کرے۔ اس سلسلہ میں یہ نقطہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کہ ہندستانی مالیات کمیشن کو دستور کی دفعات ۲۶۸ سے ۲۸۲ کے تحت رکھی گئی گنجائشوں کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے اور ان دفعات میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان مالیات کی تقسیم کے سلسلہ میں کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

یہاں اس بات کو زیر غور رکھنا ہوگا کہ مالیاتی کمیشن کی سفارشات مشاورتی نہ کہ قانونی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ایسے بھی واقعات ہوئے ہیں جب اس کمیشن کی سفارشات کو قبول نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر ریاستی منصوبوں کے لئے عطیہ۔ امداد کے لئے تیسرے کمیشن کی سفارشات پر حسب خواہ طریقہ سے غور نہیں کیا گیا۔ نیز دوسرے اور پانچویں کمیشنوں نے یہ سفارشات کی تھیں کہ مرکزی حکومت ریاستوں کو جو رقوم بطور قرض فراہم کرتی ہے، ان کی ادائیگی کے سلسلے میں ریاستوں سے کچھ نرمی برتی جائے، لیکن مرکزی حکومت نے ان سفارشات کو قبول نہیں کیا۔

مالیاتی کمیشن کے فرائض کا دستور میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دستور کی گنجائش کے تحت مرکزی وزارت مالیات

کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان مقاصد کا تعین کرے جنہیں وہ
مالیاتی کمیشن کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ سیدھا سادا طریقہ یہ
ہے کہ مالیاتی کمیشن کی تقرری سے قبل وزارت مالیات کا ایک
افسر، جو عہدہ میں جوائنٹ سکریٹری کے برابر ہوگا، سے یہ کہا
جاتا ہے کہ وہ مرکز۔ ریاست مالیاتی امور کا جائزہ لے۔ اسے
ایک میمورنڈم تیار کرنا پڑتا ہے جس میں وہ عام طور پر مرکزی کابینہ
کے تسلیم شدہ دریافت طلب مسائل کا ذکر کرے گا۔ کابینہ
کی منظوری کے بعد ہندستان کے صدر کو اس بات کا اختیار
حاصل ہے کہ وہ ان مسائل کو مالیاتی کمیشن کے حوالے کرے۔
وزارت مالیات کے متعلقہ افسر کو عام طور سے اس کمیشن کا
ممبر سکریٹری بنایا جاتا ہے۔

دریافت طلب مسائل کے تعین کرنے کا طریقہ کار
پر بہت سارے ماہرین معاشیات نے سخت تنقیدیں کیں کہ
مرکزی وزارت مالیات یکطرفہ طور پر ایسے مسائل کا تعین کرتی ہے
اور دستور ہند میں ایسی ہدایات درج نہیں ہیں جن کے تحت
صدر کو مجوزہ دریافت طلب امور کے سلسلہ میں اپنے طور پر آزادانہ
جانچ پڑتال کرسکے۔ ایک جمہوری نظام میں ایسی باتیں انوکھی
دکھائی دیتی ہیں کہ ریاستوں سے اس سلسلہ میں مشورہ نہیں کیا
جاتا۔ لوگوں کے منتخبہ نمائندوں کو، جو ریاستی حکومتوں کی تشکیل
کرتے ہیں، ایک واحد ہستی ۔۔۔ مرکزی وزارت کے ایک افسر
کے فیصلہ کو قبول کرنا پڑتا ہے۔

جب پہلے مالیاتی کمیشن نے اپنا کام شروع کیا تو
اس وقت اسے نوآبادیاتی کے دنوں میں ہندستان میں رائج
وفاقی مالیاتی منتقلی کے طریقہ کار کا جائزہ لینا پڑا۔ اس سے
قبل ہندستان کے دستور نے دفعات ۲۶۸ تا ۲۹۲ کو
تسلیم کرلیا۔ ان دفعات میں ریاستوں اور مرکز کے
درمیان ماضی کے مالیاتی تعلقات کو اور ریاستوں اور مرکز کے
درمیان محاصل کی تقسیم کو قبول کیا گیا تھا۔ اس کمیشن نے ان
اصولوں کا ایک خاکہ مرتب کیا تھا، جنہیں یہ وفاقی مالیاتی منتقلی
کی سفارش کرتے وقت پیش نظر رکھے گا۔ کمیشن کو ایک نئے
طریقہ کار مرتب کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کیوں
کہ ہندستانی دستور کو صرف اس بات کی اجازت ہے کہ وہ سر
اوٹو نائی میئر کے تیار کردہ اصولوں کو، جنہیں حکومت ہندستان
ایکٹ ۱۹۳۵ء میں اپنایا گیا تھا، وفاقی مالیاتی منتقلی کے لئے
اپنا سکے۔

حکومت ہندستان ایکٹ ۱۹۳۵ء کی تکمیل سے
قبل آسٹریلیا کے سر اوٹو نائی میئر کو نوآبادیاتی حکومت نے مدعو
کیا تھا کہ وہ مرکز سے ریاستوں کی دی جانے والی مالی رقوم کے
سلسلہ میں سفارشات پیش کرے۔ سر اوٹو کو آسٹریلیا دول
مشترکہ مطالبات کمیشن کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ حاصل تھا۔ وہ
نوآبادیاتی پالیسی سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ یہ کہ ایک نو
آبادیاتی نظام میں ایک وفاقی نظامت کی شبیہ تیار کرکے
سامراجیوں کے مفادات کو محفوظ اور برقرار رکھا جاسکے۔ انہوں نے
اس بات کی بھی کوشش کی کہ صوبائی مالیاتی مسادات کو برقرار
رکھا جائے، ساتھ ہی مرکز کی مقدرت کو جرکم سے آزاد رکھا جائے۔
لازمی طور پر یہ نوآبادیاتی نظام کے تحت غیر ترقی یافتہ معیشت میں
تال میل پیدا کرنے کی ایک ہلکی پھلکی کوشش تھی۔ انہوں نے ماضی
میں ہندستان میں مرکز سے صوبائی کو ٹیکس کی دی گئی رقوم کی تقسیم
کے طریقہ کار کا، اس سلسلہ میں کی گئی، موسٹون کمیشن ۱۹۲۰ء کی،
پہلی پیل کمیٹی ۱۹۳۱ء کی، پرسی کمیٹی ۱۹۳۵ء اور دوسری
پیل کمیٹی ۱۹۳۵ء کی سفارشات کا غائر مطالعہ کیا۔ انہوں نے
صوبائی معیشت کے لئے حسب ضروری اخراجات کی نوعیت کی
تفتیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کیوں کہ اس وقت کی
مرکزی حکومت کو ۱۹۳۵ء کے مذکورہ ایکٹ کے نفاذ سے قبل
صوبائی اخراجات کے پروگرام پر کافی کنٹرول تھا۔

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس حقیقت
سے واقف تھے کہ ان کی سفارشات کا اصل مقصد یہ تھا کہ ایک
نوآبادیاتی معیشت میں وفاقیت کی پہل کی جائے۔ اس لئے
انہوں نے صوبائی یعنی نوآبادیاتی ملک میں علاقائی، انتظامی
یونٹوں میں پولس ریاست کی مالیاتی ضرورتوں میں مناسبت پیدا کرنے

کی طرف زیادہ دھیان دینا شروع کیا اور انہیں ایک نیم ترقی یافتہ علاقہ کے رفاہی مقاصد کی بابت سوچ و فکر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

آزادی کے قبل کے دنوں میں مرکز سے صوباؤں کو ٹیکس کی فراہمی کے ڈھانچہ کا یہ تھا پس منظر۔ آزادی کے بعد تمام مالیاتی کمیشن نائیمیئر کے نمونہ کی پیروی کرتے رہے۔ کسی نے بھی ان سیاسی حالات کی طرف، جنہوں نے اسکی توجہ مرکوز کی تھی، توجہ نہیں دی۔ ہندستان کے مالیاتی کمیشنوں نے اس بنیادی نظریہ کو ہی اپنایا۔

ریاستوں کا قرض اور مالیاتی کمیشن

پہلے مالیاتی کمیشن (۱۹۵۲ء) نے اوٹو نائیمیئر کے بنیادی نظریہ کی احیاء نو کی، کیوں کہ نائیمیئر نے ہی برطانیہ کے دورِ حکومت میں مرکز سے صوباؤں کو ٹیکس کی رقوم کی تقسیم کا ایک ڈھانچہ تیار کیا تھا۔ اس کے بعد کے تمام مالیاتی کمیشنوں نے اسکا اصول کو روبہ عمل لایا۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ دوسرے مالیاتی کمیشن (۱۹۵۷ء) نے اس تبدیل شدہ ماحول کو سراہا جس میں رہتے ہوئے اسے کام کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں وہ یوں رقمطراز ہے :۔

" نائیمیئر ایوارڈ کے بعد آزادی اور معاشی ترقی کے قومی منصوبہ کی بنیاد پر مرکز اور ریاستوں کے درمیان قریبی مالیاتی تعاون کے لئے نئے تصور کے اجاگر ہونے کی وجہ سے تصورات میں کافی تبدیلی رونما ہوئی۔ محدود مفہوم میں اس انتظامیہ کا ادنی یا اعلی معیار کا سوال نہ تھا۔ ایک پولس ریاست کی رفاہی ریاست میں تبدیلی نے سرکاری کام کاج کے امکانات میں بنیادی تبدیلی لائی اور اس کے نتیجہ میں مالیاتی ضروریات کے تصور میں کافی اضافہ ہو گیا۔" (دوسرے مالیاتی کمیشن کی رپورٹ، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۲۲۱)۔

گرچہ دوسرے مالیاتی کمیشن نے بہت ہی ہشیاری سے بدلتی ہوئی صورتحال کا تجزیہ کیا تاہم یہ پھیکا پھیکا رویہ تھا۔ اس تجزیہ کے آخر میں یہ باتیں درج تھیں " بہرحال نائیمیئر تصورات اب بھی جائز ہیں۔" اس قسم کے سامراجی ایوارڈ کو صرف پہلی بار ہی سراہا نہیں گیا۔ اسے دیگر مواقع پر بھی دہرایا گیا جب اس کمیشن نے اس ایوارڈ کے گرانٹ۔ این۔ ایڈ پر غور و خوض کیا۔ اس سلسلہ میں یہ کمیشن یوں رقمطراز ہے :

" امداد کے طور پر عطیات کے مسئلہ کی بابت ہمارا جو بنیادی تصور تھا اسی کو ہم روبہ عمل لا رہے ہیں، گرچہ ہم نے ہمارے پیش رو عہدہ داروں کی بہت سارے اصولوں پر اپنے ... زمانہ والی باتوں سے متاثر ہوتے ہوئے زور دیا۔"

دوسرے مالیاتی کمیشن کے پیش رو کون تھے؟ دوسرے کمیشن نے نائیمیئر کے رویہ کو اپنا کر نوآبادیاتی میراث کو جاری رکھا۔ اسی طرح چوتھے مالیاتی کمیشن کی رپورٹ میں درج اس عبارت سے یہ باتیں عیاں ہو جاتی ہیں۔

" مالیاتی کمیشن نے جو اصول مرتب کئے، وہ اب بھی قانونی طور پر جائز ہیں اور ہمیں ان اصولوں سے اتفاق ہے، صرف ہم اس بات کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم امداد کے طور پر عطیات میں منصوبہ کے تحت عطیہ اور خصوصی مقصد کے لئے عطیات کو شامل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ (چوتھے مالیاتی کمیشن کی رپورٹ، ۱۹۷۳ء، صفحہ ۲۹)

یہ لوگ ایک ایک منصوبہ بند معیشت کے تحت مالیاتی وفاقیت کے بدلتے ہوئے مقاصد کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اس طرح ریاستوں کی ضروری مالیاتی ضرورتوں کا مناسب طور پر تخمینہ نہیں کیا جا سکا۔

عملی طور پر تمام مالیاتی کمیشن پہلے ہر ریاست کے بجٹ میں آمدنی اور خرچ کے درمیان فرق کا تخمینہ کرتے ہیں اور اس کے بعد ٹیکس کے حصص اور امداد کے طور پر عطیات کے سلسلہ میں سفارش کرتے ہیں۔ مالیاتی کمیشن کا یہ طریقہ کار دریافت طلب امور پر ہے۔ تقسیم کی جانے والی ٹیکس رقوم کی بابت دستور میں درج دفعات پر منحصر ہوتا ہے۔ اس طریقہ کار کا اور اس کے بعد کے ایوارڈ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ریاستی حکومتیں مرکز اور دیگر ایجنسیوں سے زیادہ رقوم بطور قرض

لے سکتی ہیں اور اس طرح بہت ساری ریاستوں کی معیشت میں توازن برقرار نہیں رہتا۔

وفاقی مالیاتی منتقلی کا اثر کیا ہوتا ہے اس کا اندازہ ہم اس کے نتائج سے لگا سکتے ہیں۔ پہلے مالیاتی کمیشن کی سفارش کے پیش نظر ٹیکس حصص کے تفویض کے بعد تمام ریاستوں کی بجٹوں میں آمدنی اور اخراجات کے درمیان فرق مجموعی طور پر ۳۲ر۴۶۶ کروڑ روپئے ہوگیا۔ دوسرے اور تیسرے مالیاتی کمیشن نے اس خلیج کو پاٹنے کے لئے کچھ حد تک کوششیں کیں لیکن دوسرے مالیاتی کمیشن کے دور میں (سنہ ۱۹۵۷-۵۸ء سے سنہ ۱۹۶۱-۶۲ء تک) آسام، مدراس، اڑیسہ، راجستھان اور بمبئی جیسی ریاستوں کو غیر منصوبہ بجٹ میں کافی کمی برداشت کرنی پڑی۔ تیسرے کمیشن کے عرصے میں (سنہ ۶۲-۶۳ء سے سنہ ۶۵-۶۶ء تک) جبکہ بہت ساری ریاستوں کے بجٹ میں فاضل بجٹ ہوگئی۔ آسام، کیرل، میسور، اڑیسہ، راجستھان اور تامل ناڈو جیسی ریاستوں کے بجٹ میں منفی رودکڑ باقی ہوگئی۔ چوتھے مالیاتی کمیشن (سنہ ۶۶-۶۷ء سے سنہ ۶۸-۶۹ء تک) کے ایوارڈ نے اسی عرصہ میں ریاستوں کے مثبتی رودکڑ باقی کو کمی کے بجٹوں میں تبدیل کردیا اور منفی رودکڑ باقی ۶۸ر۴۸۱ کروڑ روپے کی ہوگئی۔ صرف چند ریاستوں یعنی گجرات، جموں وکشمیر، کیرل، ناگالینڈ، پنجاب اور تامل ناڈو میں غیر منصوبہ بجٹ میں مثبتی رودکڑ باقی ہوتی۔ پانچویں کمیشن (سنہ ۶۹-۷۰ء سے سنہ ۷۳-۷۴ء تک) کے ایوارڈ سے ریاستوں کے بجٹوں میں مجموعی طور پر منفی رودکڑ باقی ۲۵ر۳۰۴ کروڑ روپئے ہوگئی۔ صرف آندھرا، ہریانہ، کرناٹک، مدھیہ پردیش، ناگالینڈ، پنجاب اور اتر پردیش کی بجٹوں میں مثبتی رودکڑ باقی ہوئی۔ چھٹے مالیاتی کمیشن (سنہ ۷۴-۷۵ء سے سنہ ۷۸-۷۹ء تک) کے ایوارڈ میں ہماچل پردیش، جموں وکشمیر اور اتر پردیش کو منفی رودکڑ باقی کا سامنا کرنا پڑا۔

ریاستوں کے بجٹوں کی اس تصویر سے مالیاتی کمیشنوں کی کارکردگی نمایاں نہیں ہوتی۔ ہندستان میں وفاقی مالیاتی منتقلی کے مجموعی اثر کا صحیح معنوں میں اندازہ لگا سکتے ہیں اگر ہم یہ دیکھیں کہ مرکزی حکومت اور دیگر ایجنسیوں سے ریاستیں زیادہ سے زیادہ رقوم بطور قرض حاصل کرتی ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر مالیاتی کمیشن کے ایوارڈ کے بعد ریاستیں زیادہ سے زیادہ رقوم بطور قرض حاصل کررہی ہیں۔ ریاستیں ہر کمیشن کے دور کے آخر تک کتنی رقوم بطور قرض حاصل کرتی ہیں، انکی تفاصیل درج ذیل ہیں:

کمیشنوں کا آخری سال	سال	مجموعی قرض (کروڑ روپے میں)
پہلا کمیشن	سنہ ۵۶-۵۷ء	۱۴۸۵ر۰۳
دوسرا کمیشن	سنہ ۶۱-۶۲ء	۳۱۴۷ر۶۵
تیسرا کمیشن	سنہ ۶۵-۶۶ء	۵۵۱۱ر۷۸
چوتھا کمیشن	سنہ ۶۸-۶۹ء	۷۴۴۰ر۰۰
پانچواں کمیشن	سنہ ۷۳-۷۴ء	۱۱۵۸۰ر۰۰
چھٹا کمیشن	سنہ ۷۸-۷۹ء	۱۶۱۳۹ر۰۰
	سنہ ۱۹۸۰ء	۲۱۶۲۶ر۰۰
	سنہ ۱۹۸۱ء	۲۴۲۵۴ر۰۰

(کرنسی اینڈ فائننس، ریزرو بینک آف انڈیا)

ریاستوں کے موجودہ قرض کا تفصیل سے جائزہ لینے سے قبل یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سابق صوبائی حکومتوں کے بقیہ قرض ۱۵ر اگست سنہ ۱۹۴۷ء میں ۹۶ر۳۰۴ کروڑ روپئے سے بڑھکر یکم مارچ سنہ ۱۹۵۱ء میں ۴۱ر۱۹۵ کروڑ روپئے ہوگئے۔ سنہ ۱۹۵۲ء سے مالیاتی کمیشن کے ایوارڈ کے ساتھ ساتھ ریاستوں کی معیشت بری طرح متاثر ہونے لگی۔ پہلے مالیاتی کمیشن کے پہلے سال میں (سنہ ۱۹۵۲ء) ریاستیں کل ۹۸ر۵۶۲ کروڑ روپے کی مقروض تھیں اور مارچ سنہ ۱۹۸۱ء کے آخر میں تمام ریاستیں ۲۴۲۵۴ کروڑ روپئے کی مقروض تھیں۔ ریاستوں پر قرض بڑھتا ہی جارہا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ مرکز کی مالیات کی منتقلی کا اثر ہے اور نوآبادیاتی حکومت کی میراث ہے ٭ ٭ ٭

غزل

صفدر علی خاں خموش
کلکتہ

ساری دنیا سے ہوں بیزار و خفا آپ کے بعد
زندگی کیا ہے فقط جرم و سزا آپ کے بعد

حسرتیں دل کی لٹیں، جل بھی گئی کشتِ امید
اب کہاں شوقِ صنم، ذکرِ خدا آپ کے بعد

زندگی اپنے ہی شانوں پہ ہے اک بارِ گراں
عشق میں مجھ کو ملی ہے یہ سزا آپ کے بعد

وہ نظر ہے نہ وہ دل ہے نہ وہ نظارے ہیں
کتنی غمگین ہے دنیا کی فضا آپ کے بعد

اب تو جینے کی تمنا بھی نہیں ہے دل میں
ہو گیا جذبۂ ہستی بھی فنا آپ کے بعد

لب پہ آہیں ہیں تو آنکھوں میں سلگتے آنسو
وقت نے ہم کو دیا ہے یہ صلہ آپ کے بعد

داستانِ دلِ پُر درد سناؤں کس کو
دل ہی سنتا نہیں جب اپنی صدا آپ کے بعد

کیوں نہ میں شام و سحر غم سے لپٹ کر رو دوں
اب کسی شے میں نہیں کوئی مزا آپ کے بعد

میں خموشؔ آج کہاں ہوں مجھے معلوم نہیں
کون پائے گا بھلا میرا پتا آپ کے بعد

مضافاتی علاقوں کی جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن کا کردار

مغربی بنگال جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن دیہی نوجوانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کی خود روزگاری، دیہی عورتوں اور بچوں کی صحت و معیشت اور آبپاشی کیلئے ٹیوب ویلوں کے انتظام کے ایک بالکل نئے نظام کے سلسلے میں ایک مخلوط پروگرام کو روبہ عمل لا رہا ہے۔ اس سلسلے میں تین پروگرام حسب ذیل ہیں:

جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن اعلیٰ نسل کی مرغیوں کی پیداوار کے سلسلہ میں ایک عظیم پروگرام شروع کرنے والا ہے۔ یہ پروگرام ۲۲۰۷ پیداواری یونٹوں پر مشتمل ہوگا۔ یہ ایک سال میں کل ۱۲۰۰ ٹن صاف ستھری مرغیوں کا گوشت فراہم کرے گا۔ اس سے فی کس ۳۰۰۰ روپئے خود روزگار نوجوان کی اوسط آمدنی ہوگی اور اس سے ۲۲۰۷ افراد مستفیض ہوں گے جن میں ۲۰۰۰ عورتیں شامل ہیں۔ اس طرح کے گوشت کی پیداوار میں کل سالانہ لاگت ۲.۴ کروڑ روپئے کی آئے گی۔ اس پروگرام کو UNICEF، DRDA اور تجارتی بنکوں کی حمایت حاصل ہوگی۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ ایک سال کی مدت میں اس ریاست میں اعلیٰ نسل کی مرغیوں کی فراہمی کا ایک بڑا ذریعہ مغربی بنگال میں واقع سی اے ڈی سی کی ۲۱ پروجیکٹس ہیں۔ اس کی سپلائی خصوصاً ریاستوں کے بڑے شہری اور صنعتی مراکز کو ہوگی۔ خود روزگار عورتیں، اس اسکیم کا جن پر اطلاق ہوتا ہے، عورتوں اور بچوں کے لئے ایک بڑے پروگرام کے ایک حصہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں گی۔ جسے UNICEF کی شرکت میں سی اے ڈی سی کے تحت اپنایا گیا ہے۔ اس پروگرام کے تحت پینے کے پانی کے لئے ۴۵۴ عدد ٹیوب ویل، ۱۱۳ عدد کنوئیں اور پینے کے پانی کی دوسری سہولتیں مزید برآں ۴۵۶ عدد نمونے کے طور پر پاخانوں کی تعمیر کی گئی ہے یا کی جاری ہے۔

مزید برآں اوسطاً ۱۷۷۶۹ بچوں کو ٹرپل انجکشن، ڈبل انجکشن پولیو کا انجکشن دے کر بیماریوں سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اسی اسکیم کے تحت میدانِ عمل میں خدام صحت کی کل تعداد ۲۵۱ ہے جنہیں دوائیں ریاستی حکومت اور UNICEF کے توسط سے فراہم کی جاتی ہیں۔ صحت عامہ پر اس پروگرام کے اثرات حالیہ آنت کی بیماری پھیلنے کے دوران منظر عام پر آئے، جب اس بیماری سے جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن کے پروجیکٹس بالکل متاثر نہ ہوئے۔ مزید برآں عورتوں اور بچوں کے لئے ۷۰ اجتماعی مراکز تعمیر کئے جا چکے ہیں (یا کئے جا رہے ہیں) جہاں معاشی پروگرام کے اضافہ کے ساتھ ساتھ بلونڈی اور غیر رسمی تعلیمی مراکز چلانے کے لئے انتظامات کئے گئے۔ کل ۲۳۱۲ عدد بچوں نے بلونڈی میں شرکت کی اور ۲۱۰۰ جوان عمر افراد نے غیر رسمی تعلیمی مراکز سے رابطہ قائم کیا۔

وہ نوجوان اشخاص جو مرغیوں کی اعلیٰ نسل کی افزائش کے پروگرام کے تحت آتے ہیں، مغربی بنگال کے سات جامع علاقائی ترقیات کارپوریشن کے پروجیکٹوں میں ٹیوب ویل چلانے کا کام بھی کرتے ہیں اور انہیں اس کام کی اجرت کمیشن کی بنیاد پر ملتی ہے۔ فی الحال ان سات پروجیکٹوں میں ٹیوب ویلوں کو جاگیردارانہ کمیٹیوں کے حوالے کر دیا گیا ہے جو ان ٹیوب ویلوں کو رضاکارانہ طور پر خود چلائیں

گے اور اس کام کے لئے کسی کو تنخواہ پر ملازم نہیں رکھیں گے۔ اس مقصد کے تحت ۱۱۷ عدد جاگیردارانہ کمیٹیاں تشکیل ہوئی ہیں جو ۵۲۲ عدد کم گہرے ٹیوب ویلوں کو چلائیں گے اور جس سے ۵۱۴۰ ایکڑ قطعاتِ آراضی سیراب ہوں گے۔ جاگیردارانہ کمیٹی کے سمارکنان کو ٹیوب ویل چلانے اور آبپاشی کے انتظامات کے سلسلہ میں تربیت دی جا چکی ہے۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ انتظام کا یہ نیا طرز ٹیوب ویل کے بہتر استعمال کی ضمانت دے گا اور جاگیرداروں کو فراہم کی گئی سہولتوں کے ہمراہ ان کی شناخت میں مددگار ثابت ہوگا۔ اس بات کی بھی امید کی جاتی ہے کہ مستقبل میں حکومت اور عوامی جماعتیں ٹیوب ویل کے انتظامات کے سلسلے میں انتظام کے اس طرز کو اپنائیں گی اور معقول شروعات اپنے تاثرات دیہی ترقیاتی پروگراموں کے مختلف پہلوؤں پر بھی ثبت کریں گی ۔

مغربی بنگال جامع علاقائی ترقیاتی کارپوریشن کے منتخب پروجیکٹس میں آنتے کی بیماری کے واقعات

پروجیکٹ	آبادی	واقعات کی اطلاع	اموات
اجودھیا کی پہاڑیاں	۱۲۴۲۸	—	۳
بالارام پور	۵۰۸۷۴	—	—
دیبرا	۳۳۲۱۸	—	۱۸
نالا ساٹا	۲۶۴۵۵	۱۲۷۳	—
سانٹے گھاٹا	۶۸۵۲۵	مریضوں کی کل تعداد ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی	—
گوال پوکھر II	۲۴۷۷۹	۱۸	—
کالیا گنج	۲۶۷۴۷	۴۸۷	۳
کلنگ پونگ	۲۱۶۳۷	—	—
نل ہاٹی	۲۵۳۰۱	اعداد و شمار دستیاب نہیں	—
سلبھور	۲۷۵۱۰	۷	—
سلی گوڑی نکسل باڑی	۷۳۲۹۵	—	—
سونامکھی	۲۴۰۰۷	۱۳	—
تاملوک I	۷۰۹۸۵	—	—
کل	۴۸۸۷۷۰		

سندر بن میں سیاحوں کی رہائش گاہ کا قیام

سندر بن کے اندرونی علاقہ سجنا کھالی میں واقع سیاحوں کی ایک رہائش گاہ کی رسم افتتاح گزشتہ ۲۳ ستمبر سنہ ۱۹۸۲ء کو محکمہ جنگلات و سیاحت کے وزیر شری پرمل مترا کے ہاتھوں انجام پایا۔ اس رہائش گاہ کا نام سندر چیتل ٹورسٹ لاج رکھا گیا ہے۔ اپنی افتتاحی تقریر میں شری پرمل مترا نے کہا کہ سیاحوں کی رہائش گاہ سندر بن میں شب گزاری کو ممکن بنائے گی اور اس طرح یہ زیادہ بامقصد طور پر سندر بن کے اس سفر سے لطف اندوز ہونے میں سیاحوں کے لئے مددگار ثابت ہوگی۔ اس بات کا تذکرہ لازمی ہے کہ اس سے پہلے سندر بن کے علاقے میں اس طرح کی کوئی بھی رہائش گاہ موجود نہیں تھی اور یہی وجہ تھی کہ لوگ وہاں شب گزار نہیں پاتے تھے۔ اپنی تقریر میں وزیر موصوف نے مزید یہ کہا کہ مغربی بنگال کی موجودہ حکومت سندر بن کے علاقوں کی اقتصادی ترقی کے سلسلہ میں کوشاں ہے اور یہ رہائش گاہ اس سلسلے میں اس کا ایک قدم ہے۔

سندر بن ترقیات محکمہ کے ریاستی وزیر شری عبد الرزاق ملا بھی اس تقریب میں موجود تھے۔ شری ملا نے اپنی تقریر میں سندر بن کے علاقوں کے لوگوں کی بدحالی اور روزی روٹی کے لئے ان کی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس علاقہ کے لوگوں کی معاشی بدحالی کو دور کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

سجنا کھالی میں واقع سندر چیتل ٹورسٹ لاج ۴۰ کمروں پر مشتمل ہے اور اس کے ہر کمرے میں دو بستر موجود ہیں۔ اس رہائش گاہ میں قیام کرنے والے سیاحوں کو کھانا فراہم کرنے کا بھی انتظام کیا جائے گا۔

سندر بن میں سیاحت:

سارا سندر بن کا علاقہ ڈیلٹائی جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان میں داخلہ صرف ان بحری راستوں ــ کیننگ، بسنتی، رائے دیگھی، نم کھانہ اور نیزت ــــ سے ممکن ہے۔ ان تمام راستوں میں سونا کھالی (بسنتی) ہی ان معنوں میں سب سے زیادہ آرام دہ ہے کہ اس میں کشتی سے سب سے کم وقت لگتا ہے۔

سونا کھالی کلکتہ سے بری طور پر ۱۰۰ کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ نہر پار کرتے ہی ایک شہر بسنتی ہے جو سندر بن کے جنگلات کے علاقہ کے دہانہ میں واقع ہے۔ سیاحوں کا سفر سونا کھالی سے شروع ہوتا ہے اور گوسابہ نہر یا تھنکھالی کھال ہوتے ہوئے گوسابہ سے باگنا اور دیدیا ندی کو عبور کرکے آگے جانا پڑتا ہے۔ گوسابہ کے قریب باگنا اور ویدیا کا سنگم ایک لامحدود جھیل کا منظر پیش کرتا ہے۔

سندر بن کا کل علاقہ تقریباً ۴۲۶۲ مربع کیلو میٹر پر مشتمل ہے جس کا تقریباً نصف ماٹلا ندی کے مشرق میں پڑتا ہے جسے شیروں کی نسل کے تحفظ کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ سجنا کھالی ٹھیک اسی شیر کے تحفظ کے علاقے

کے احاطے میں واقع ہے اوران علاقوں سے شیر کے تحفظ کے علاقوں کے قلب تک جوجھیلا، اربیشی، بنٹی دھوبانی، جیامتا، چاندا کھالی، پان چکھانی، بیر کھالی وغیرہ جیسے مختلف بلاکوں پر مشتمل ہے' پیش رفت کی جاسکتی ہے۔ ان علاقوں کے قلب میں مختلف مناسب مقامات جیسے ہلدی، سدھانیہ کھالی، نیتی دھوآمی وغیرہ پر متعدد مینار نظارہ تعمیر کئے گئے ہیں تاکہ سیاح جنگلاتی زندگی کا بغور مطالعہ کرسکیں۔

سندربن کے اندرونی علاقوں میں داخل ہونے کا موزوں ترین راستہ کیننگ یا سوناکھالی (بسنتی) ہے۔ سیاح نم کھانہ اور رائے دیگھی سے بھی سندربن کے ان علاقوں میں داخل ہوسکتے ہیں جو شیر کے تحفظ کے علاقے سے باہر واقع ہے۔ لوتھن جزیرہ، ہالی ڈے جزیرہ' جمبودیپ، چلکاتی وغیرہ قدرتی مناظر کے مقامات ہیں ——— یہ مقامات جنگل کے درندوں' چرندوں اور پرندوں پر مشتمل ہیں۔ ان مقامات کی سیر کا انتظام شعبۂ سیاحت کرتا ہے۔

سندربن کے شیر کے تحفظ کے علاقوں میں شیر کی تعداد تقریباً ۲۸۷ ہے۔ حال ہی میں سندربن کا سارا علاقہ کو نیشنل پارک بنا دیا گیا ہے اور مختلف نوعیت کی سیاحی کی سہولتیں پیدا کی گئی ہیں۔

شعبۂ سیاحت کا سیاحی جہاز 'مدھوکر' سندربن کے اندرونی مقامات کی سیر کے سلسلہ میں دورہ کا انتظام کیا کرتا ہے۔ 'مدھوکر' میں آرام و آسائش کی' سونے کے کمرے مع بستر، شیر پروجیکٹ علاقوں کے لئے مسلح محافظ' بیچ ندی میں لنگر انداز ہونے اور شب گزارنے کی گنجائش یہ تمام سہولتیں فراہم ہیں۔ ذاتی کشتیاں اور ناؤ کنارے پر کرایہ پر ملتی ہیں۔ ان مقامات سے کچھ محدود مقامات تک کے لئے اسٹیمر سروسیں بھی دستیاب ہیں۔

سجنا کھالی آنے والے سیاحان کیننگ سے گوسابہ تک کے لئے کرایہ کا لانچ پکڑیں پھر وہاں سے بذریعہ دین رکشہ پاکھی رالا پہونچیں اور پھر کشتی کے ذریعہ ندی کے دوسرے کنارے پر پہونچیں جہاں سجنا کھالی ٹورسٹ لاج جیٹی واقع ہے۔

نظارہ کرنے کے لئے قائم شدہ میناروں کی کچھ اس طرح سے توسیع کی جائے گی کہ سیاح ان پر شب بھی بسر کرسکیں اور ان میناروں پر سے دوربین کے ذریعہ جنگلاتی زندگی کا بغور مطالعہ بھی کرسکیں۔ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ سال کے دوران جنگل کے ان علاقوں کے قلب میں ایک بہتا ہوا ہاؤس بوٹ (کشتی) کا بھی انتظام ہوجائے گا۔

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں آبپاشی کی اسکیمیں

ریاستی حکومت نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں آبپاشی کی مندرجہ ذیل اسکیموں کو بروئے عمل لانے کے لئے ۷۵ر۱۰ لاکھ روپیے دیئے کی منظوری دی ہے:

(۱) گوروباتھن بلاک میں مال کھولا آبپاشی اسکیم۔
(۲) کلمپونگ۔ I بلاک میں لاما کھولا اور سندنگ آبپاشی
(۳) مینجن بارٹی بلاک میں پاپو کھولا چھوٹی آبپاشی اسکیم
(۴) انگلی انگلیتوٹ بلاک میں انگلی کھولا چھوٹی آبپاشی اسکیم

غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافہ

گذشتہ برسوں کے مقابلے اب مغربی بنگال میں غذائی اجناس کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ سنہ ۸۳-۸۲ء میں مغربی بنگال غذائی اجناس کی مجموعی پیداوار ۹۲ لاکھ ٹن تھی۔ یہ ایک ریکارڈ ہے۔ اس عرصہ میں چاول کی پیداوار ۷۰ر۴۰ لاکھ ٹن اور آلو کی پیداوار ۳۰ر۴۰ لاکھ ٹن ہوئی۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں آلو کی پیداوار موجودہ پیداوار کی نصف تھی۔ اب مغربی بنگال کو آلو کی پیداوار کے لئے فاضل پیداوار کی ریاست تصور کیا جاتا ہے۔ گیہوں کی پیداوار میں حالیہ برسوں میں جو کمی ہوتی تھی' اسے نہ صرف روک دیا گیا بلکہ پیداوار میں کافی اضافہ کیا گیا۔ اب گیہوں کی پیداوار فی ہیکٹار ۲۵۹۵ کیلوگرام ہے ••

شہری علاقوں میں پانی کی سپلائی

۱۹۴۷ء میں آزادی کے وقت پانی کی سپلائی کی سہولتیں ریاست کے صرف ۲۷ میونسپلٹیوں کے پائپ کے ذریعہ دستیاب تھیں۔ ۱۹۸۱ء تک مختلف منصوبوں کے تحت میونسپلٹیوں کو پائپ سے پانی کی سپلائی کے انتظامات بذریعہ ۸۲ پروجیکٹوں کے کئے گئے۔ اس سلسلہ میں ۱۱۰۵ر۱۷ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔

چھٹے منصوبے کے شروع میں ریاست کی ۱۳ میونسپلٹیوں کو پائپ کے ذریعہ پانی کی سپلائی کی سہولتیں فراہم کرنے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس وقت مختلف میونسپل علاقوں میں پانی کی سپلائی کے ۲۴ پروجیکٹوں پر کام ہو رہے تھے۔ ان میں سے دو پروجیکٹ آرام باغ، کرشنا نگر، بیر نگر، خیابدہ، رام پور ہاٹ اور کھڑاگ پور کی میونسپلٹیوں کے تحت روبہ عمل لائے گئے۔ نیز اس دوران گاریشا اور ریل ڈانگہ کے تحت پانی کی سپلائی کے دیگر پروجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔

چھٹے منصوبہ کے دوران شہری علاقوں میں پانی کی سپلائی کے دو نئے پروجیکٹوں کی منظوری ملی ہے۔ علاوہ ازیں پانی کی سپلائی میں مزید اضافہ کی غرض سے دو اور پروجیکٹوں کو بھی منظوری مل گئی ہے۔ چھٹے منصوبہ کی مدت کے دوران شہری پانی کی سپلائی کے مد پر اخراجات کیلئے مجموعی طور پر ۴۲ر۳۵ کروڑ روپے دینے کی منظوری دی گئی ہے جس میں سے مجموعی ۱۰ر۶۵ کروڑ روپے پہلے منصوبہ کے تین سال میں خرچ کئے جائیں گے۔ فی الحال کل ۳۲ شہری پانی کی سپلائی کے پروجیکٹوں پر کام ہو رہے ہیں۔ ان میں ایسے سات پروجیکٹ بھی شامل ہیں جن کے لئے زندگی بیمہ کارپوریشن نے قرض فراہم کیا۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ اس دہائی کے اختتام تک ریاست کی ہر میونسپلٹی میں پائپ سے پانی کی سپلائی ممکن ہو سکے گی۔

سرکاری خبریں

دکشن گرام میں ذیلی صحت مرکز کے قیام کا منصوبہ

مغربی بنگال حکومت نے بیربھوم ضلع میں واقع مایوریشور- بلاک-۱ کے تحت دکشن گرام (رتنا) میں بہت ہی جلد ایک ذیلی صحت مرکز مع ۲ بنا خوراک زچہ بستروں کے کھولنے کے بارے میں فیصلہ کیا ہے۔ اس ذیلی صحت مرکز کے سلسلہ میں ایک سال کی مدت کیلئے سات عارضی عہدوں کے قیام کی بابت منظوری دی جا چکی ہے اور اس ذیلی صحت مرکز کو چلانے کے لئے ایک مکرر اور غیر مکرر اخراجات کی منظوری بھی دی جا چکی ہے۔

سومناتھ لاہیری کی موت پر ریاستی حکومت کے دفاتر میں چھٹی

سومناتھ لاہیری کی سوگوار موت پر سوائے رجسٹرار آف انشورنسز اور اسٹامپ ریونیو افسر کے تمام ریاستی حکومت کے دفاتر ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو دو بجے دن میں بند کر دئے گئے تھے۔ آپ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کے ایک اہم رہنما تھے۔

آپ کا ایک طویل علالت کے بعد ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو کلکتہ کے میڈیکل کالج میں دن کے ۲-۱۵ پر انتقال ہو گیا۔

آپ ۱۹۶۷ء میں پہلی متحدہ محاذ حکومت کے دوران محکمہ اطلاعات اور ۱۹۶۹ء میں دوسری متحدہ محاذ حکومت کے دوران محکمہ ترقیات و منصوبہ بندی کے وزیر رہ چکے تھے۔ آپ کی عمر ۷۶ سال کی تھی۔

ممتاز کمیونسٹ رہنما

شری سومناتھ لاہیری کا انتقال



ممتاز کمیونسٹ رہنما شری سومناتھ لاہیری طویل علالت کے بعد ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو صبح کے ساڑھے آٹھ بجے، کلکتہ میڈیکل کالج وہسپتال میں اس دارفانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔ ان کی عمر ۷۹ سال کی تھی۔ پسماندگان میں ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔ دو سال قبل ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔

شری لاہیری بہت دنوں سے بیمار تھے۔ ۱۸ جون ۱۹۸۴ء کو انہیں علاج کے لئے کلکتہ میڈیکل کالج وہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ۹ جولائی کو ان کا آپریشن ہوا۔ اس کے بعد ان کی حالت کچھ سدھری، لیکن ۱۹ ستمبر سے پھر ان کی حالت بگڑنے لگی۔ متعدد شکایتیں پیدا ہونے لگیں۔ تنفس کی دشواریوں اور مثانہ میں خرابی پیدا ہونے کے سبب پیشاب اترنے میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ یکم اکتوبر کو جب ان کی حالت دگرگوں ہو گئی اور وہ بے ہوش ہو گئے تو انہیں شدید نگراں یونٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ لیکن یہاں بھی ان پر سکتہ طاری رہا اور ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء کی صبح کے ساڑھے آٹھ بجے ان کی روح قفس عنصری سے ہمیشہ کے لئے پرواز کر گئی۔

ان کی موت کی خبر جب شہر میں پھیلی تو ہر مکتبۂ خیال کے لوگ، بائیں محاذ میں شریک پارٹیوں کے بہت سارے لیڈران بھی تعزیت کے لئے ہسپتال پہونچے۔ سی پی آئی (ایم) کے شری عبداللہ رسول اور شری سیلین داس گپتا، آر ایس پی کے شری جوتن چکرورتی اور دیگر سربراہوں نے ہسپتال میں جاکر آنجہانی کو خراج عقیدت پیش کیا۔

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور بائیں محاذ کے چیرمین شری سروج مکھرجی نے شری لاہیری کی موت پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کیا۔ آر ایس پی کی مغربی بنگال یونٹ کے سکریٹری شری ماکھن پال نے شری لاہیری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی موت سے ملک نے ایک ایسے سپوت کو کھو دیا جو غریب لوگوں کی فلاح وبہبود کے لئے تمام عمر جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ سب ایک مخلص دوست سے محروم ہو گئے۔ مغربی بنگال سی پی آئی سکریٹریٹ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ شری لاہیری کی موت سے کمیونسٹ تحریک اور پریشان حال عوام کی جدوجہد کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا ہے۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے ان کی جدوجہد ملک کے پریشان حال لوگوں کے لئے اور فرنگیوں کے قبضے سے مادر وطن کو آزاد کرانے کیلئے خود کو وقف کرنے کی روشن مثال ہے۔

شری لاہیری کی لاش ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء کی صبح کو سبودھ ملک اسکوائر میں رکھی گئی جہاں کافی تعداد میں سوگواروں نے لاش پر پھول چڑھائے۔ بعد میں لاش کو بٹو بازار میں سی پی آئی کے دفتر لے جایا گیا جہاں انہیں

آخری خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ پھر وہاں سے ارتھی کا جلوس نکالا گیا جو مختلف راستوں سے ہوتا ہوا نیم تلہ شمشان گھاٹ پہونچا جہاں ان کے جسدِ خاکی کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔

شری سومناتھ لاہیری ستمبر سنہ ۱۹۰۹ء کو شانتی پور ضلع ندیا میں پیدا ہوئے۔ وہ آنجہانی سریندر موہن لاہیری کے بیٹے تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔ ایس سی پاس کرنے کے فوراً بعد ہی آپ سنہ ۱۹۳۰ء میں سیول نافرمانی میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کل ہند کانگریس کمیٹی کے ممبر بن گئے۔ اس کے بعد آپ کل ہند ٹریڈ یونین کانگریس کے بھی ممبر بن گئے۔ آپ کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے انگریز حکام نے آپ کو سنہ ۱۹۳۴ء میں جیل میں قید کر دیا کیوں آپ اس وقت کمیونسٹ تحریک کے سرگرم کارکن بن چکے تھے۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں جب کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل ہوئی تو اس وقت آپ اس کے جنرل سکریٹری منتخب کئے گئے۔ اس وقت آپ کو چھپ چھپ کر پارٹی کا کام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۳۶ء اور پھر سنہ ۱۹۴۰ء میں آپ کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ لیکن رہائی کے بعد آپ سنہ ۱۹۴۲ء میں پھر چھپ چھپ کر پارٹی کے کام میں مشغول ہو گئے۔ سنہ ۱۹۴۴ء میں آپ کلکتہ کارپوریشن کے کاؤنسلر منتخب ہوئے۔ آپ نے سنہ ۱۹۴۶-۴۷ء میں دستور ساز اسمبلی میں بھی خدمات انجام دیں۔

شری لاہیری سنہ ۱۹۵۷ء سے مغربی بنگال اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے رہے۔ سنہ ۱۹۶۷ء کی پہلی متحدہ محاذ حکومت میں آپ شعبہ جات اطلاعات اور لوکل سیلف گورنمنٹ کے وزیر تھے۔ پھر سنہ ۱۹۶۹-۷۰ء میں دوسری متحدہ محاذ حکومت میں آپ منصوبہ بندی، لوکل سیلف گورنمنٹ اور مکانات شعبوں کے وزیر ہو گئے۔ سنہ ۱۹۴۸ء سے سنہ ۱۹۵۱ء تک آپ سی پی آئی کے پولٹ بیورو کے اور کل ہند ٹریڈ یونین کانگریس کے ممبر رہے۔ آپ پارٹی کے اخبار "سادھینتا" کے بانی۔ مدیر تھے۔ آپ بنگلہ کے بہت اچھے ادیب بھی تھے۔ آپ نے "کول جگیر گوپو" (کلجگ کی کہانی) کتاب لکھی۔ اور مارکسزم۔ سوشلزم پر بنگلہ میں پہلی کتاب "سامیاباد" لکھی۔ اس کتاب کو سامراجی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔ انہوں نے لینن کی "ریاست اور انقلاب" کا بنگلہ میں ترجمہ کیا تھا۔

شری لاہیری کمیونسٹ پارٹی کی ریاستی کاؤنسل کے ممبر بھی تھے۔

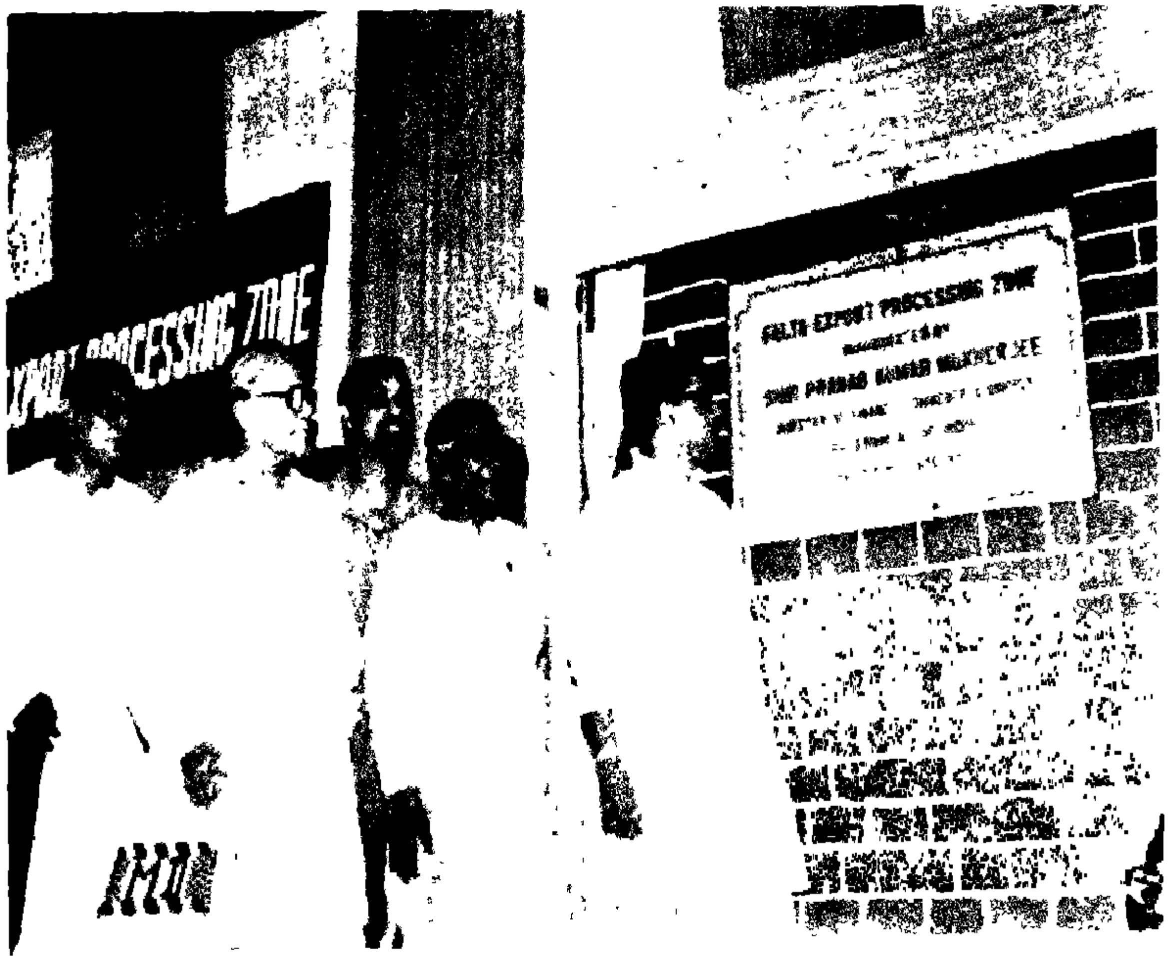
سیلاب سے تباہ شدہ سڑکوں کی مرمت

شری دیابرتا بندھوپادھیائے، ریاستی وزیر برائے جیل وفلاح نے ۲۴؍اگست سنہ ۸۲ء کو رائٹرس بلڈنگ میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ فی الحال وہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی شعبہ کی بھی نگہداشت کر رہے ہیں۔ حالیہ سیلاب کی وجہ سے ریاست کی مجموعی ۱۷ ہزار کیلومیٹر کی سڑکوں میں سے ۴ ہزار کیلومیٹر کی سڑک ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ شری بندیادھیائے نے کچھ خصوصی اقدامات کئے ہیں تاکہ سڑکوں کی مرمت کا کام جلد از جلد مکمل ہو۔

وشودھانند ہسپتال تحقیق انسٹی ٹیوٹ کو عطیہ

ریاستی حکومت نے شری وشودھانند ہسپتال تحقیق انسٹی ٹیوٹ، کلکتہ کو سنہ ۸۲-۸۳ء کیلئے اپنے اخراجات برداشت کرنے کیلئے ۱۵۰۰۰ روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

ضبط کی ہوتی ہے اک حد ضبط کرتے تا بکے
ہم بھی عاجز ہو کے معروفِ فغاں ہونے لگے
——— وحشت کلکتوی



فالتا برآمدات پروسیسنگ علاقہ کا افتتاحی منظر

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T
Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
1 NOVEMBER 1984

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 20
PRICE 12 Paise



زیر تعمیر ٹمک تہ بازار، کلکتہ

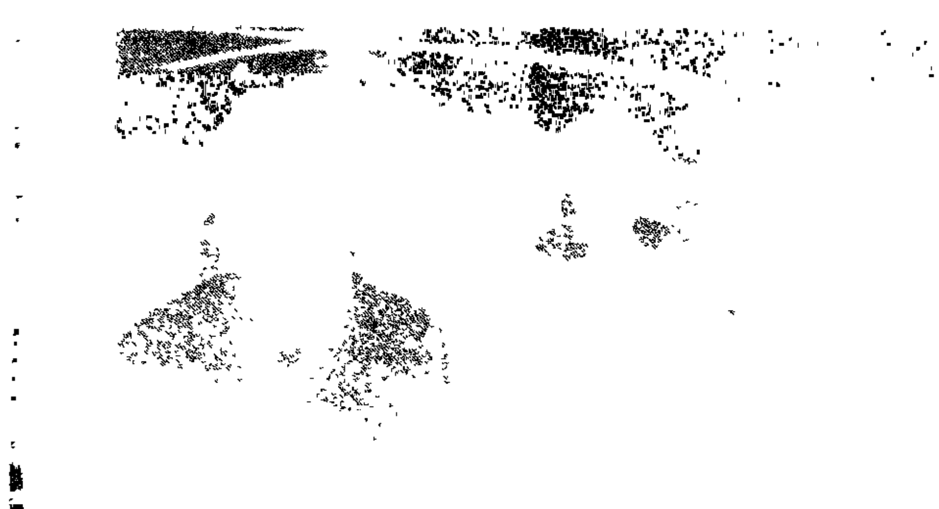


طوفان گنج پنچایت کے تحت ایک پُل کی مرمت کا کام

مغربی بنگال

۱۵ر نومبر ۱۹۸۲ء





پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ ۱۵ر نومبر ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۲۱

شرح خریداری

سالانہ : تین روپئے : اس خصوصی شمارہ کی قیمت : ۲۵ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

سرورق پر : آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی

شریمتی اندرا گاندھی دمدم کے ہوائی اڈہ پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے ساتھ



سارے ہندوستان میں امن و امان بحال رکھنے کیلئے کلکتہ میں ۱۸ر نومبر ۱۹۸۴ء کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی سربراہی میں

امن مارچ

شریمتی اندرا گاندھی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا

ان کے دو سیکورٹی گارڈ نے اسٹین گن سے ان پر گولیوں کی بارش کر دی

ایک حملہ آور ہلاک، دوسرا گرفتار، ملک غم واندوہ کی فضا میں ڈوب گیا

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو صبح سوا نو بجے ہندستان کی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو، ان کی رہائش گاہ کے لان پر جب وہ اپنی کوٹھی سے نکل کر متصل دفتر میں جا رہی تھیں، ان کے دو سیکورٹی گارڈس نے ریوالور اور اسٹین گن کی گولیوں سے انہیں ہلاک کر دیا۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی رہائش گاہ صفدر جنگ روڈ پر واقع ہے اور اس سے متصل دوسری طرف (یعنی نمبر ۱، اکبر روڈ پر) ایک اور عمارت ہے جہاں وہ لوگوں سے ملاقات کیا کرتیں اور انٹرویو بھی دیا کرتی تھیں۔ اس دن یعنی ۳۱ اکتوبر کو انہوں نے پیٹر یوسٹینوو کی ایک آئرش ٹیلی ویژن ٹیم کو انٹرویو دینے کا وقت دیا تھا۔

ان دونوں مکانات کے درمیان ایک چوڑی سی پگڈنڈی ہے۔ جب شریمتی اندرا گاندھی صفدر جنگ کی رہائش گاہ سے نکل کر پگڈنڈی سے ہوتے ہوئے اکبر روڈ کی عمارت میں جانے کے لئے ایک گیٹ تک پہنچیں تو وہیں ان کے دونوں سیکورٹی گارڈس نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک گارڈ سب انسپکٹر بینت سنگھ تھا جس نے پستول سے فائر کیا اور دوسرا گارڈ ستونت سنگھ نے خودکار رائفل سے اندرا گاندھی پر گولیوں کی بوچھار کر دی۔ اندرا گاندھی وہیں گر گئیں۔ اس کے بعد دونوں قاتلوں نے بھاگنے کیلئے صفدر جنگ کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ لیکن وہاں گیٹ پر ہند۔تبتی سرحدی پولس کا مسلح دستہ موجود تھا۔ پہلے تو دستہ کے سپاہی کچھ سمجھ نہ پائے کہ کیا ہو رہا ہے، لیکن عین اسی وقت ایک قاتل نے اس دستہ کے ایک سپاہی کے ہاتھوں سے بندوق چھیننے کی کوشش کی۔ اس پر دستہ کے ممبروں نے ان دونوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ بینت سنگھ اسی جگہ گر کر مر گیا اور ستونت سنگھ شدید زخمی ہو کر وہیں گر گیا اور اسے اسی وقت وہاں سے اٹھا کر رام منوہر لوہیا ہسپتال میں لے جایا گیا، جہاں وہ زیر علاج ہے۔

گولی کے چلنے کی آواز سنتے ہی شریمتی اندرا گاندھی کی بہو سونیا گاندھی فوراً گھر سے باہر نکل آئیں اور اپنی ساس کو خون میں لت پت پگڈنڈی پر پڑا پایا۔ اس کے فوراً بعد ہی انہیں گاڑی کے ذریعہ آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس میں لے جایا گیا اور انہیں آپریشن تھیٹر میں پہونچایا گیا۔ وہاں پہلے ان کے جسم میں خون چڑھایا گیا پھر آپریشن کیا گیا اور ان کے جسم سے بندوق کی گولیاں نکالی گئیں۔ پھر سانس لینے اور حرکت قلب کی مشینوں کے ذریعہ ان کے دل اور پھیپھڑوں کو حرکت میں لانے کی کوششیں کی گئیں، لیکن آخرکار ڈاکٹروں کو ناکامی ہوئی اور تقریباً دن کے ڈھائی بجے ڈاکٹروں نے ان کی موت کا اعلان کر دیا۔

ان کی موت کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی اور ہر طرف اداسی اور خاموشی کے بادل چھا گئے۔ جب ان کی موت واقع ہوئی تو اس وقت ان کے بیٹے راجیو گاندھی مغربی بنگال کے دورے پر تھے۔ خبر پاتے ہی وہ بذریعہ ہوائی جہاز دہلی چلے گئے۔ اسی دوران ہندستان کے صدر شری ذیل سنگھ بھی اپنے غیر ملکی دورہ کو منسوخ

کرکے دہلی پہنچ گئے۔

شریمتی اندرا گاندھی کی لاش ۳۱ راکتوبر کی رات کے دس بجے ہسپتال سے ۱ صفدر جنگ روڈ پر واقع گھر لائی گئی۔ پھر یکم نومبر کی صبح سات بجے انکی لاش کو عام دیدار کے لئے تین مورتی بھون میں رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد ۳ رنومبر کو راج گھاٹ کے پاس شانتی بھون کے ایک حصہ میں ان کے جسد خاکی کو سپرد آتش کر دیا گیا۔

پھر انکی استی (راکھ) کو مراحی میں بھر کر ملک کی تمام ریاستوں میں بھیجا گیا جہاں عام لوگوں نے انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔ پھر ان کی استی کو دہلی میں ۱۰ رنومبر کو واپس لایا گیا۔ اس کے بعد آنجہانی کی خواہش کے مطابق استی کو لیکر ہوائی جہاز کے ذریعہ ان کے بیٹے شری راجیو گاندھی نے ہمالیہ پہاڑ پر بکھیر دیا۔

شریمتی اندرا گاندھی کی موت کی خبر پاتے ہی ۳۱ راکتوبر کی شام کو حکومتِ مغربی بنگال کی کابینہ کی ایک نشست ہوئی جس میں اس قومی حادثہ پر دلی صدمے کا اظہار کیا گیا۔ ریاستی حکومت نے آنجہانی وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کو خراج عقیدت پیش کیا اور قوم و ملک کے لئے انکی خدمات کو سراہا۔

ریاستی حکومت نے اس کے ساتھ ہی لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ڈسپلن اور متانت سے ساتھ سوگ منائیں۔ نیز ریاستی حکومت نے اس امید کا اظہار کیا کہ اس سانحہ کے وقت لوگ متحد رہیں گے اور امن وسلامتی کو برقرار رکھیں گے۔

ریاستی حکومت کے اعلانیہ کے مطابق آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کے سوگ میں تمام سرکاری دفاتر یکم اکتوبر اور ۲ رنومبر ۱۹۸۴ء کو بند رہے اور ساری ریاست میں ۱۲ دنوں تک قومی جھنڈے کو سرنگوں کر دیا گیا۔

مغربی بنگال میں بائیں محاذ نے ۳۱ راکتوبر کو اپنی ایک ہنگامی نشست میں شریمتی گاندھی کے بہیمانہ قتل کی مذمت کی اور اس پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ ایک قرارداد میں بائیں محاذ نے صبر و تحمل سے بحران کا سامنا کرنے اور قومی جمہوری اقدار کو برقرار رکھنے کی اپیل کی۔ تشدد کی سیاست کی مذمت کرتے ہوئے بائیں محاذ صہم

صہ

نے عوام سے پرامن رہنے کی اپیل کی۔

بائیں محاذ کے چیئرمین شری سروج مکھرجی نے دہلی میں ایک بیان جاری کرتے ہوئے وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بہیمانہ قتل پر اپنے گہرے دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے وزیراعظم کے قتل کی مذمت کرتے ہوئے اسے بربریت اور بزدلانہ حرکت قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسی حرکتوں کی مذمت نہیں کی گئی تو ملک میں جمہوریت زندہ نہیں رہ سکتی۔ بائیں محاذ کے متعدد لیڈروں نے بھی شریمتی اندرا گاندھی کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ٭٭٭

ہندستان کے نئے وزیراعظم

شری راجیو گاندھی

شری راجیو گاندھی نے ۳۱ راکتوبر ۱۹۸۴ء کی شام کے سات بجے کے قریب راشٹرپتی بھون کے اشوک ہال میں ہندستان کے وزیراعظم کی حیثیت سے حلف لیا۔ صدر جمہوریہ ہند شری ذیل سنگھ نے شری راجیو گاندھی کو بطور وزیراعظم حلف دلوایا۔ ان کے ساتھ ساتھ چار اور وزراء شری پرنب مکھرجی، شری پی۔ وی۔ نرسمہاراؤ، شری شیو شنکر اور شری بوٹا سنگھ کو بھی حلف دلایا گیا ٭٭٭

فرقہ وارانہ امن وامان برقرار رکھنے کیلئے
وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی اپیل

۳ر نومبر ۱۹۸۴ء کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کلکتہ دوردرشن اور آل انڈیا ریڈیو سے اپنے پیغام میں مغربی بنگال کے عوام کے تمام لوگوں سے یہ اپیل کی کہ وہ قوم کی اس بحرانی گھڑی میں آپس میں متحد رہیں۔ وزیر اعلیٰ نے لوگوں سے یہ پرزور اپیل کی ہے کہ وہ شریمتی اندرا گاندھی کی نہایت ہی افسوسناک موت پر سوگ منانے کے دوران نہایت ہی صبر وضبط سے کام لیں اور امن وامان برقرار رکھیں۔ شریمتی اندرا گاندھی کے قتل کے بعد مغربی بنگال کے چند حصوں میں جن میں کلکتہ کے کچھ علاقے بھی شامل ہیں، ہونے والے افسوسناک واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے یہ کہا کہ یہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے کہ جب پوری قوم شدید طور پر غم واندوہ سے دوچار تھی اس وقت سماج دشمن عناصر اور مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں نے غنڈہ گردی اور تشدد کا بازار گرم کیا۔ بہرحال یہ بہتر ہوا کہ نہایت ہی مختصر مدت میں ریاست میں صورتحال پر قابو پالیا گیا۔ اس کام کے لئے فوج بلالی گئی اور کچھ علاقوں میں کرفیو بھی نافذ کئے گئے۔ انہوں نے اس ریاست کے عوام کی اکثریت کا شکریہ ادا کیا کہ ریاست کی اس صورتحال کو معمول پر لانے میں انہوں نے ریاستی حکومت کی ہر طرح مدد کرکے اپنی اچھی سمجھ بوجھ کا اعلیٰ ثبوت دیا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ وہ مغربی بنگال کے سکھ رہنماؤں سے ملے تھے اور انہوں نے ہر طرح کے انتظامی اقدامات کرکے سکھ اقلیت کو ان کے تحفظ کا پورا یقین دلایا ہے کہ ۸ر نومبر کو وہ گرونانک جینتی شایانِ شان طور پر منائیں۔ ۲ر نومبر کو دہلی میں وزیر اعظم شری راجیو گاندھی سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے شری جیوتی باسو نے فرمایا کہ وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے ان سے کہا ہے کہ وہ موجودہ حالات سے نپٹنے کے لئے انکی یعنی کانگریس پارٹی کے لوگوں سے انتظامیہ کے ساتھ تعاون کرنے کی درخواست کریں گے۔ وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ فرقہ وارانہ بھائی چارگی کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں سیاسی پارٹیوں نے جن میں کانگریس بھی شامل ہے۔ ان کے ساتھ تعاون کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ انہوں نے اس بات کی تنبیہ کی ہے کہ جو شخص بھی امن وامان کو توڑنے کی کوشش کرے گا اس کے خلاف نہایت ہی سخت اقدامات کئے جائیں گے۔ انہیں سماج دشمن اور عوام دشمن سمجھا جائے گا اور حسبِ حال ان کے ساتھ پیش آیا جائے گا۔

وزیر اعلیٰ نے اس بات کی امید ظاہر کی ہے کہ مغربی بنگال کے عوام فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور امن وامان کو بحال رکھنے کی شاندار روایت کو برقرار رکھنے کی تمام تر کوششیں کریں گے۔ انہوں نے اس بات کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ یہ تمام شہریوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ سکھ بھائیوں اور بہنوں کو کسی طرح کا نقصان نہ پہونچے اور انہیں بے چارگی اور عدم تحفظ کا احساس بالکل نہ ہو۔ وزیر اعلیٰ نے تمام لوگوں سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ اس مصیبت کی گھڑی میں ہمت اور استقلال کے ساتھ اس صورتحال کا مقابلہ کریں ۔۔۔

اندرا گاندھی : مختصر سوانح حیات

ایک بار شری جواہر لال نہرو نے اپنی بیٹی شریمتی اندرا گاندھی کو ایک خط لکھا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا "تاریخ کا مطالعہ کرنا اچھا ہے، لیکن تاریخ سازی کے کام میں مدد دینا اس سے بہتر کام ہے۔"

اور شریمتی اندرا گاندھی نے اپنے باپ کے کہنے پر خود کو تاریخ ساز ہستی بنا کر دکھایا۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی ملک اور قوم کی خدمت کرتے گزار دی۔ وہ نہ صرف ملک کی سیاسی سربراہ اور رہنما اور وزیر اعظم تھیں بلکہ وہ ملک کے اتحاد اور آزادی کی محافظ، ملک کی تعمیر و ترقی کی مجاہد اور عوام کی بلا تفریق و امتیاز دوست، امن عالم کی محافظ اور کمزور قوموں کے مفادات کی علمبردار بھی تھیں۔

اندرا گاندھی ۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو آنند بھون، الہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ اس زمانہ میں آنند بھون ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا ایک عظیم مرکز بن چکا تھا۔ ان کے باپ اور دادا اور دیگر رشتہ داروں کو پولس اکثر زیر حراست رکھتی اور نتیجہ میں انہیں گھر پر اکیلے رہ جانا پڑتا تو اس وقت وہ اکثر میز پر کھڑے ہو کر گھر میں چھوڑے اور دیگر لوگوں کے سامنے تقریر کرنے کی نقل کرتیں۔ ایک بار انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تھا کہ ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ان کے بچپن سے ہی، جب وہ تین سال کی تھیں، ہوا تھا۔

بچپن میں انہوں نے "جون آف آرک" کی کہانی پڑھی تھی۔ اس کہانی کا ان پر بہت ہی اچھا اثر ہوا۔ وہ خود کو "جون آف آرک" تصور کیا کرتیں اور ایک ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس ملک سے برٹش کو نکالنے کے لئے میدانِ عمل کی طرف بڑھتی جاتیں۔

چونکہ ان کے والدین کو اکثر جیل میں دن گزارنے پڑتے اس لئے اندرا گاندھی بچپن میں کسی ایک اسکول میں تعلیم حاصل نہ کر سکیں۔ انہوں نے کنڈر گارٹن کی تعلیم دہلی کے اسکول میں حاصل کی پھر جب ان کی عمر چھ سال کی ہوئی تو انہیں الہ آباد کے انگریزی اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ پھر انہوں نے ثانوی تعلیم ۳۵-۱۹۳۳ء پونے کے پیپلس اون اسکول میں حاصل کی اور اسی اسکول سے بمبئی یونیورسٹی کا میٹریکولیشن امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ان کے والد شری جواہر لال نہرو نے اعلیٰ تعلیم کے لئے ان کا داخلہ شانتی نکیتن میں کر دیا۔ یہاں گرودیو ٹیگور کے تحت انہوں نے تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ بچپن میں انہوں نے ٹیگور کی نظم 'اکیلے چلو' پڑھی تھی۔ اس نظم نے انہیں بہت متاثر کیا تھا۔

لیکن اندرا گاندھی شانتی نکیتن میں زیادہ دنوں تک نہ رہ سکیں۔ ان کی والدہ شدید بیمار پڑ گئیں اور انہیں ان کی ماں کے ساتھ سوئٹزر لینڈ جانا پڑا۔ یہاں ماں کا علاج جاری رہا، لیکن وہ صحت یاب نہ ہو سکیں اور ۱۹۳۶ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد انہیں تعلیم کے لئے سمرویلے کالج، آکسفورڈ میں بھیج دیا گیا، لیکن یہاں بھی شدید علالت کی وجہ سے وہ تعلیمی کورس مکمل نہ کر سکیں۔

پھر دوسری عالمگیر جنگ کے دوران وہ سوئٹزر لینڈ کے ایک شفا خانے میں زیر علاج تھیں، انہیں گھر واپس آنے کو کہا گیا، لیکن وہ وہاں سے روانہ ہو کر لندن آگئیں اور جنگ کے ناسازگار حالات کے پیش نظر

کچھ دنوں تک لندن میں قیام کیا، پھر ہندستان واپس آگئیں۔

سنہ ۱۹۳۹ء میں وہ کانگریس کی رسمی طور پر ایک ممبر بن چکی تھیں۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران، ہندستان واپس آنے کے بعد انہوں نے ملک بھر کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا۔ اس کے بعد فروری سنہ ۱۹۴۲ء میں انہوں نے فیروز گاندھی سے شادی کر لی۔ اسی دوران بمبئی کے ایک جلسہ میں کانگریس نے 'ہندستان چھوڑو' تجویز کو تسلیم کر لیا اور اس کے بعد سے سارے ہندوستان میں یہ تحریک شروع ہو گئی۔ اندرا گاندھی کی شادی کے چند دنوں بعد ہی انہیں اور ان کے شوہر کو گرفتار کر لیا گیا اور ان لوگوں کو ۱۳ مہینے تک قیدخانہ میں رہنا پڑا۔

۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو ہندستان آزاد ہو گیا اور ان کے والد شری جواہر لال نہرو آزاد ہندستان کے پہلے وزیر اعظم بنے۔ اس وقت سے لیکر مئی سنہ ۱۹۶۴ء تک یعنی جب جواہر لال نہرو کی موت واقع ہوئی، اندرا گاندھی نے اپنے باپ کے گھریلو معاملات کی ذمہ داری سنبھالی۔ اسی دوران جب کبھی فرصت ملتی تو آپ اپنے شوہر کے پاس لکھنؤ بھی جا کر رہتیں۔

شریمتی اندرا گاندھی نے اپنے والد شری جواہر لال نہرو کے ساتھ بہت سارے ملکوں کا دورہ کیا نیز انہوں نے بذاتِ خود اپنے طور پر بھی بہت سے ممالک کا دورہ کیا

انہیں بیرونی ممالک سے مندرجہ ذیل ایوارڈ ملے۔
مدرس ایوارڈ (امریکہ۔ سنہ ۱۹۵۳ء)، یونیورسٹی کا ہتولین ایوارڈ (سنہ ۱۹۶۰ء)، بین الاقوامی سوجھ بوجھ کے لئے آئی سابیلا ڈیسٹے پرائز (اٹلی سنہ ۱۹۶۵ء)، اور ایف اے او کا دوسرا سالانہ تمغہ (سنہ ۱۹۷۲ء)۔

سنہ ۱۹۵۵ء میں شریمتی اندرا گاندھی کانگریس ورکنگ کمیٹی کی ممبر منتخب ہوئیں۔ اس کے بعد ہی مرکزی پارلیمانی بورڈ کی ممبر منتخب ہوئیں۔ پھر سنہ ۱۹۵۹ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی صدر منتخب ہوئیں۔ ۸ ستمبر سنہ ۱۹۶۰ء کو ان کے شوہر فیروز گاندھی کا انتقال ہو گیا۔

انہیں ۱۸ نومبر سنہ ۱۹۶۰ء کو یونیسکو کی اکزیکیوٹیو کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا۔ اپریل سنہ ۱۹۶۴ء میں میں آپ نے نیویارک میں منعقدہ عالمی میلہ میں ہندستان کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس میلہ میں شرکت کرنے والے تمام ملکوں کی نمائندہ کی حیثیت سے انہیں اس میلہ میں تقریر کرنے کیلئے مدعو کیا گیا۔ ۲۷ مئی سنہ ۱۹۶۴ء کو ان کے والد شری جواہر لال نہرو کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جولائی سنہ ۱۹۶۴ء کو وزیر اعظم لال بہادر شاستری کی کابینہ میں آپ شامل ہو گئیں اور اطلاعات و نشریات کے شعبہ کی وزیر بنیں۔ پھر جولائی سنہ ۱۹۶۴ء کو آپ نے لندن میں دولت مشترکہ حکومتوں کے سربراہوں کے جلسہ میں شرکت کی۔ ۲۰ اگست سنہ ۱۹۶۴ء کو اتفاق رائے سے آپ راجیہ سبھا کی ممبر منتخب ہوئیں۔ ۲۳ نومبر سنہ ۱۹۶۵ء کو حکمتِ عملی میں نمایاں کارگذاری کے لئے آپ کو اٹلی کا آئی سابیلا ڈی لوسٹاٹ ایوارڈ ملا۔

۱۰ جنوری سنہ ۱۹۶۶ء کو لال بہادر شاستری کا انتقال ہو گیا۔ ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۶۶ء کو آپ وزیر اعظم منتخب ہوئیں اور انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ اس سال انہوں نے اکالی دل کے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا کہ پنجابی بولنے والے لوگوں کی اپنی ایک ریاست ہو۔ ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۶۶ء کو دہلی میں ایک سہ طرفہ کانفرنس میں آپ نے ٹیٹو اور ناصر سے ملاقات کی اور دورہ حاضرہ پر بات چیت بھی کی۔

سنہ ۱۹۶۷ء کو آپ دوسری بار وزیر اعظم منتخب ہوئیں۔ ۶ جون سنہ ۱۹۶۷ء کو آپ نے لوک سبھا میں تقریر کرتے ہوئے مغربی ایشیا میں بحران کے لئے اسرائیل کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ پھر ۶ تا ۸ نومبر سنہ ۱۹۶۷ء کو آپ نے ماسکو میں اکتوبر انقلاب کے جشنِ آزادی میں شرکت کی۔ پھر ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۶۸ء کو انہوں نے اقوام متحدہ کے عام اجلاس میں تقریر کی۔

پھر مارچ سنہ ۱۹۷۱ء میں انہوں نے وزیر اعظم کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ ۹ اگست سنہ ۱۹۷۱ء کو انہوں نے امن، دوستی اور تعاون کے لئے ایک ۲۰ سالہ معاہدے پر روس کے ساتھ دستخط کیا۔ ۴ دسمبر سنہ ۱۹۷۱ء کو پاکستان نے ہندستان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس جنگ میں ہندستان کو فتح حاصل ہوئی اور مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کی ہندستان نے مدد کی۔ اس طرح بنگلہ دیش عالمِ وجود میں آیا۔ ۶ دسمبر سنہ ۱۹۷۱ء کو ہندستان نے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا۔ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۷۱ء کو ہندستان کے صدر شری گیری نے انہیں 'بھارت رتن' کا خطاب عطا کیا۔ ۸ مارچ سنہ ۱۹۷۲ء میں انہوں نے ڈھاکہ میں اس برصغیر کی علاقائی یکجہتی، امن، تحفظ اور آزادی کا

کے لئے بنگلہ دیش کے ساتھ ایک مشترکہ اعلامیہ میں دستخط کیا۔ ۱۴ر جون ۱۹۷۲ء کو انہوں نے انسانی ماحول پر یو۔ این کانفرنس کے ایک اجلاس میں تقریر کی۔ ۳ر جولائی ۱۹۷۲ء کو انہوں نے پاکستان کے وزیر اعظم جناب بھٹو کے ساتھ شملہ کانفرنس میں ایک معاہدے پر دستخط کیا۔ ۵ر جولائی ۱۹۷۳ء کو انہیں اعزاز کا ایف۔ اے۔ او تمغہ پیش کیا گیا۔ ۲۸ر اپریل ۱۹۷۵ء کو وہ دول مشترکہ کے وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے جمائیکا گئیں۔

۱۲ر جولائی ۱۹۷۵ء کو الٰہ آباد ہائی کورٹ نے لوک سبھا کیلئے رائے بریلی سے ان کے انتخاب کو مسترد کر دیا۔ اس کے بعد سپریم کورٹ نے اپنے ایک فیصلہ میں انہیں وزیر اعظم کی حیثیت سے بلا معاوضہ کام کرنے کی اجازت دی مگر ان کے ووٹ دینے کے حق کو اس وقت تک کیلئے چھین لیا جب تک کہ ان کی اپیل کے سلسلہ میں عدالت کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ اسی دوران حزب اختلاف نے ان پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیں۔ اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے انہوں نے سارے ملک میں ۲۵ر جون ۱۹۷۵ء کو ایمرجنسی نافذ کر دیا۔ ایمرجنسی کے دوران انہوں نے دستور ہند کی دفعات میں ترمیمیں لائیں جن کی روشنی میں سپریم کورٹ نے ان کے انتخاب کو صحیح قرار دیا۔ ایمرجنسی کے دوران ۲۹ر جون ۱۹۷۵ء کو میسا ایکٹ میں ترمیم لائی گئی جس کی رو سے ایک مخصوص عرصہ کے لئے کسی بھی شخص کو زیر حراست رکھنے کیلئے سرکار کو اسباب بتانے سے مبرا قرار دیا گیا۔ ہنگامی حالات کے بعد ۲۱ مارچ ۱۹۷۷ء کو عام انتخاب ہوا جس میں جنتا پارٹی کے سربراہ شری راج نارائن نے انہیں رائے بریلی کے حلقہ انتخاب میں شکست دے دی۔ اس دوران ان کی کانگریس میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور انہوں نے کانگریس (آئی) کے نام سے اپنی الگ پارٹی قائم کی۔ پھر جنتا پارٹی کے زوال کے بعد ان کی پارٹی یعنی کانگریس (آئی) نے وسطی مدت کے عام انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۸۰ء کو شریمتی اندرا گاندھی نے چوتھی بار ملک کے وزیر اعظم کے عہدے کا حلف لیا۔

۴ تا ۹ر ستمبر ۱۹۸۰ء میں انہوں نے نئی دہلی میں منعقدہ ایشیا۔ پیسفک علاقہ میں دول مشترکہ ممالک کے سربراہوں کی ایک جلسہ میں شرکت کی اور تقریر کی۔ اپنی تقریر میں انہوں نے اس علاقہ میں عظیم طاقتوں کی موجودگی پر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء میں ان کی حکومت کو دو شدید مسئلے سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلا مسئلہ تو آسام کا تھا جہاں غیر ملکیوں کی بابت احتجاج کئے جارہے تھے اور دوسرا مسئلہ پنجاب کا تھا۔ شریمتی گاندھی نے ان مسائل کو حل کرنے کے لئے کئی بار آسام کے طلبا اور دیگر تنظیموں اور پنجاب کی متعلقہ پارٹیوں کے نمائندوں سے بات چیت کی۔ ۱۰ تا ۱۲ر اگست ۱۹۸۱ء انہوں نے افریقہ کے ملکوں کا دورہ کیا۔ وہاں انہوں نے نائی روبی میں توانائی کے نئے اور قابل تجدید ذرائع پر یو۔ این کی کانفرنس میں شرکت کی۔ انہوں نے یہاں اپنی تقریر میں اس بات کو عیاں کیا کہ بڑے بڑے ملکوں کی توانائی کے امکانات پر اجارہ داری سے غریب ملکوں کی افزائش اور ترقی پر ناموافق اثر پڑ رہا ہے۔ ۲۲ تا ۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کو انہوں نے کینکن، میکسیکو میں بین الاقوامی تعاون اور ترقی پر چوٹی کی ایک کانفرنس میں شرکت کی۔

۲۲ر فروری ۱۹۸۲ء کو شریمتی اندرا گاندھی نے نئی دہلی میں منعقدہ ترقی پذیر ملکوں کی ایک کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اس کانفرنس میں اپنی افتتاحی تقریر میں انہوں نے عالمی معاشی بدحالی پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور صنعتی ملکوں کی "اپنی صنعتوں کی حفاظت" کی پالیسی کی تنقید کی۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو انہوں نے پاکستان کے صدر جناب ضیاء الحق کو خط لکھا جس میں انہوں نے بیگم بھٹو کو بیرونی ممالک میں علاج کے لئے رہا کر دینے کی درخواست کی۔ ۷ر مارچ ۱۹۸۳ء کو انہوں نے دہلی میں منعقدہ ۱۰۱ قوموں کی ساتویں ناوابستہ ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس کا افتتاح کیا اور اس کانفرنس کی صدارت کیوبا کے صدر فائیڈل کاسترو کی جگہ آپ نے سنبھالی۔

انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں نیوکلیائی ہتھیاروں کی کمی پر زور دیا، ساتھ ہی انہوں نے ناوابستہ ملکوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ دوسرے ملکوں کی خیرات اور سخاوت پر انحصار نہ کریں بلکہ اپنی معیشت کو اپنے بل بوتے پر مستحکم بنانے کی کوشش کریں۔

جولائی ۱۹۸۳ء میں سری لنکا میں فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے جن میں تامل لوگوں کو کافی جانی و مالی نقصانات برداشت

باقی صفحہ ۲۶ پر

مشرق

مخدوم محی الدین

جہل، فاقہ، بھیک، بیماری، نجاست کا مکاں
زندگانی تازگی عقل و فراست کا مساں

وہم زائیدہ خداؤں کا روایت کا غلام
پرورش پاتا رہا ہے جس میں صدیوں کا جذام

جھڑ چکے ہیں دست و بازو جس کے اس مشرق کو دیکھ
کھیلتی ہے سانس سینے میں مریضِ دق کو دیکھ

ایک قبرستان جس میں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں
اک بھٹکتی روح ہے جس کا مکاں کچھ بھی نہیں

پیکرِ ماضی کا اک بے رنگ اور بے روح خول
ایک مرگِ بے قیامت ایک بے آواز ڈھول

اک مسلسل رات جس کی صبح ہوتی ہی نہیں
خواب اصحابِ کہف کو پالنے والی زمیں

اس زمینِ موت پروردہ کو ڈھایا جائے گا
اک نئی دنیا نیا آدم بنایا جائے گا

نومبر انقلاب سے حاصل کردہ سبق

از: —— ڈاکٹر پلوب داس گپتا

بنی نوع انسان کی تاریخ میں ۷۰ سال قبل ایک نئے باب کا اضافہ ہوا جب بالشیویکوں نے وی۔ آئی۔ یو۔ لینن کی سربراہی کے تحت مسلح انقلاب کے ذریعہ ایک نئی ریاست، ایک سوشیلسٹ ریاست قائم کی۔ ۱۹۱۷ء میں سوویت روس ایک پسماندہ ملک تھا جس کی ۸۰ فیصد سے زیادہ آبادی دیہی علاقوں میں رہا کرتی تھی اور جس کی صنعتی بنیاد بھی بہت کمزور تھی۔ انقلاب کے فوراً بعد ہی اس نئی ریاست کو "سفید فوج" کے حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس فوج کو مغرب کی سرمایہ دارانہ طاقتوں کی تائید حاصل تھی۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء تک شدید جدوجہد کرنے کے بعد سازش کرنے والوں کی "سفید فوج" کو مکمل طور پر شکست دی گئی۔ ۱۹۲۴ء میں لینن کا انتقال ہو گیا اور انکی موت کے بعد ان کی پارٹی میں نصوراتی تفریق پیدا ہو گئی۔ ان باتوں کی وجہ سے ۱۹۲۸ء میں پہلے پنج سالہ منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا کام شروع کیا گیا۔ منصوبہ کے دور کے شروع میں، جو ایک نیا تجربہ تھا اور اس سے قبل اس کی مثال ہی نہیں ملتی، روس کی پیداوار کی سطح اور فی کس آمدنی ۱۹۱۳ء کے عرصہ کے مقابل بہت کم تھی۔ اس کے باوجود ۱۹۲۸ء سے دو دہائی کے عرصہ میں سوویت یونین دنیا کے صنعتی ملکوں کی فہرست میں دوسرے نمبر پر آگیا اور اس دور میں سوویت روس میں صنعتی اور زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔

زرعی اور صنعتی میدان میں سوویت روس اور ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں کے درمیان جو فرق ہے وہ بنیادی نظریہ کا ہے۔ سرمایہ دارانہ ملکوں کی معاشی سرگرمیاں نفع کے مقصد کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ لوگ لازمی طور پر خود غرض ہوتے ہیں اور اگر ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کے لئے کام کرے تو ذاتی مفادات کا مجموعہ سماجی مفادات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے سماج میں نابرابری نہ صرف قائم و دائم رکھی جاتی ہے بلکہ غیر مساوی سوسائٹی کی تائید میں زبردست دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ دلائل میں ان باتوں پر زور دیا جاتا ہے کہ امیر تر لوگوں کی آمدنی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ضروری اخراجات کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ بچت کرتے ہیں اور اس بچت کی رقم سے صنعتوں کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ یہ کام غریب لوگوں کی بساط سے باہر ہوتا ہے۔ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ ایک سماج میں جہاں نفع کو زیر نظر رکھا جاتا ہے، وہاں غریب لوگوں کو نسبتاً مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن ان کی معیار زندگی میں کچھ نہ کچھ بہتری ہوتی ہے۔ نیز نابرابری غریبوں کی اس سلسلہ میں ہمت افزائی کرتی ہے کہ وہ سب زیادہ سے زیادہ محنت کریں اور امیر بن جائیں۔ اس منطق کے مطابق حکومت کو کوئی خاص کردار ادا کرنا نہیں پڑتا ہے۔ حکومت کی ذمہ داریاں امن و امان قائم رکھنے، سڑکیں، ہسپتال اور اسی طرح کی دیگر بنیادی سہولتیں فراہم کرنے، مناسب طور پر صنعتوں کو بڑھاوا دینے کی اسکیم کو فروغ دینے اور اپنے ٹیکس اور اخراجات کی پالیسی سے امیروں کو بڑھاوا دینے کی اسکیم کو فروغ دینے تک محدود ہوں گی۔ مختصر طور پر یہی سرمایہ داری کا فلسفیانہ بنیاد تھا۔

نفع اور بازار میں فروخت کے اس نظریہ کے مقابلہ میں سوویت یونین نے شدید ریاستی سربراہی کے ذریعہ تیز تر ترقیاتی پالیسی کو اپنایا۔ بازار میں مانگ اور سپلائی کے مسئلہ کی روشنی میں یہاں

ترغیباتی اقدامات کو روبہ عمل نہیں لایا جاتا۔ ایک سرمایہ دار کے خیال میں ایک شخص عالم وجود میں نہیں رہ سکتا جس میں قوتِ خریداری نہ ہو، جیسے کھانے کو نہ روٹی ملے اور رہنے کو نہ مکان ملے۔ سرمایہ دار کے خیال میں غریب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس پیسے کی کمی ہوتی ہے۔ لیکن اشتراکیت کے تحت یہ ایک شخص کی ضروریاتِ زندگی، نہ کہ اس کی قوتِ خریداری، ہوتی ہے، جن کے پیشِ نظر سرکاری پالیسی مرتب کی جاتی ہے۔ اور اس بات پر زور نہیں دیا جاتا کہ ایک کھیت کے پیدا کردہ اناج کو بازار میں فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں بلکہ اس بات کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے کہ ملک کے لوگوں کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کتنے اناج اور دیگر چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک اشتراکیتی ریاست ہونے کے ناطے سوویت روس اپنے لوگوں کے چند حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ حقوق نوعیت کے لحاظ سے ہندستانی یا امریکہ کے تحت دیے گئے حقوق سے کچھ مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر ہندستان کے دستور میں اجتماع اور گفتار کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی لیکن ملک کے مفاد کی خاطر ان حقوق کو واپس بھی لے لیا جا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ حقوق بے معنی ہو جاتے ہیں جب ان کا برسرِ اقتدار سیاسی طاقت کے مفاد سے تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہندستان کی آزادی کے بعد سے ہی ایک شخص کو عدالتی کارروائی کے بغیر احتیاطی طور پر زیرِ حراست رکھنے کے قوانین نافذ العمل ہیں۔ اس کے مقابلے میں سوویت روس میں ایسے حقوق کو مسلم طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور برسرِ اقتدار حکومت ان حقوق کو چھین نہیں سکتی۔ ہر شہری کو کام کرنے کا حق، تعلیم حاصل کرنے کا حق، طبی دیکھ بھال کا حق اور بڑھاپے میں دیکھ بھال کی سہولتیں پانے کا حق حاصل ہے۔ ایسے حقوق سوویت روس کے تمام شہریوں کو بلا لحاظ سماجی حیثیت اور خیالات، حاصل ہیں۔ سوویت روس میں منصوبہ بندی کے طریقۂ کار ایسے حقوق کی بنیاد پر مبنی ہیں۔ اگر تعلیم ہر شہری کا حق ہے تو اسکولوں، کالجوں، پالی ٹکنک اور دیگر تعلیمی اداروں کی تعمیر اور اساتذہ کے روزگار کے لئے حسبِ ضرورت فنڈ فراہم کرنا ہوگا۔ صحتِ عامہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے متوقع ضرورتوں کی بنیاد پر اور خاص طور پر بچوں اور بوڑھوں کے علاج کے لئے سارے ملک میں ہسپتالوں کا جال بچھا دینا ہوگا۔ اسی طرح اگر کام کرنے کا حق بنیادی حق ہے تو صنعت کاری کی رفتار کو اس قدر تیز کرنی ہوگی کہ روزگار کے جتنے نئے مواقع فراہم ہوں وہ مزدوروں کو اور ساتھ ہی ہر سال مزدوروں کی تعداد جتنا اضافہ ہوتا ہے، ان لوگوں کے لئے دستیاب ہوں۔ درحقیقت تجربہ شاہد ہے کہ روزگار کے جتنے مواقع پیدا کئے جاتے ہیں وہ تعداد میں ابھرتے ہوئے نو مزدوروں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔ مزید برآں ان لوگوں کے لئے صرف روزگار ہی فراہم کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ ان کی رہائش کے لئے بھی انتظام کرنا ضروری ہے، اس لئے سوویت روس میں لوگوں کی رہائش سے مکانات تعمیر کئے گئے اور ابھی بھی یہ کام جاری ہے۔ اسی طرح سوویت یونین کے شہریوں کو خوراک تو فراہم کرنی ہوگی خواہ ان میں قوتِ خرید ہو یا نہ ہو۔ اس بات کے پیشِ نظر سوویت یونین میں لوگوں کی اور مویشیوں کی خوراک کی ضرورت کا منصوبہ بند طریقہ سے تخمینہ لگایا جاتا ہے اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کے اقدامات کئے جاتے ہیں اور درآمدات کی طرف بھی توجہ دی جاتی ہے۔ ان اقدامات سے یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ منصوبہ مرتب کرنے کے سلسلے میں اس بنیادی نظریہ کو اپنایا جاتا ہے کہ شہریوں کی ضروریاتِ زندگی کے سامان فراہم کئے جائیں لیکن ایک سرمایہ دارانہ نظام میں قوتِ خرید کی غیر موجودگی میں بھی انفرادی طور پر لوگوں کی ضرورتوں کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا۔

منصوبہ مرتب کرنے کے سلسلہ میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ لوگوں کی غذائی ضرورتوں کے علاوہ دیگر ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے تکنیکی اور دیگر اقدامات کی تفصیل مقرر کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سوویت یونین کے شہریوں کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کتنے فولاد، تیل، سمنٹ، باہنر مزدور اور دیگر چیزوں اور خدمات کی ضرورت ہوگی۔ اس بات کا تعین کرنے کے بعد حسبِ ضروری چیزیں تیار کرنے کیلئے پیداواری پروگرام کو تیزی سے بروئے عمل لایا جاتا ہے اور سرمایہ کاری کے لئے سرمایہ بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ اگر ملک کی اندرونی کوششوں کے ذریعہ ایسی ضرورتیں پوری نہیں کی جا سکتیں،

تو ایسی چیزوں کی درآمد کرنے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے ۔

منصوبہ بندی کے سلسلے میں ایک اور اہم طریقہ کار یہ بھی ہوتا ہے کہ ترجیحات کو الگ تعین کر دیا جاتا ہے اور منصوبہ بندی کے لئے ایسا کرنا ضروری بھی ہے ۔ کیوں کہ لوگوں کی تمام ضرورتوں کو ایک ساتھ پورا نہیں کیا جا سکتا اور پیداوار اور درآمدات پر منبط کی وجہ سے حسب ضرورت وسائل دستیاب بھی نہیں ہو سکتے ۔ ایسی صورت حال میں منصوبہ تیار کرنے والے ادارہ کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ مثال کے طور پر مسابقتی مطلوبات کے درمیان دستیاب فولاد یا کوئلہ کو کس طرح تقسیم کیا جائے ۔ ان میں سے کتنا فولاد یا کوئلہ کارخانوں کو، کتنا اسکولوں اور ہسپتالوں کو اور کتنا دفتروں کو دیا جائے گا ۔ تقسیم کا یہ کام سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے کیوں کہ اس کے لئے اشتراکیتی معیشت کے ہر مرحلے کے مقاصد کے مطابق مختلف مفادات کے درمیان مصالحت کو فروغ دینا پڑتا ہے ۔

آخر میں ایک اشتراکیتی منصوبہ کے لئے خاص طور پر لمبے مرحلے کے مقاصد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے ۔ حالانکہ سرمایہ دارانہ معیشت میں عموماً ملکو بازاروں میں فروخت کرنے پر زور دیا جاتا ہے ۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں مستقل آمدنی کی جگہ موجودہ آمدنی پر زور دیا جاتا ہے کیونکہ انکے خیال میں بیس سال بعد جو آمدنی ہوگی موجودہ افادیت کے لحاظ سے وہ اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہوگی، اس لئے بہت ہی کم سرمایہ دار مستقبل کے نفع کی بابت اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں ۔ اسی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام ایسی ترقیاتی حکمت عملی کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے جس سے فوری فائدہ ہو ۔ حالانکہ اس کوشش سے اس کے مستقبل کی نسل کے مفادات کو نقصان پہونچتا ہے لیکن وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا ۔ ۱۹۲۸ء سے سوویت روس کے پنجسالہ منصوبوں میں وسیع اور بڑے پیمانے کی صنعت کاری پر زور دیا گیا ۔ صارف کی چیزوں کی فوری تیاری کے کام کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی، لیکن چوتھی دہائی کے آخری برسوں سے ایسی پالیسی کے پھل ملنے لگے کیوں کہ صارف کی چیزوں کی قربانی دے کر صنعتوں کی اتنی وسیع اور تیز تر ترقی ممکن ہو سکی ۔ نیز بنیادی چیزوں اور خدمات کی قیمتوں کو سوویت دیش کے مزدوروں کی آمدنی سے وابستہ رکھ کر عوام کے روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے کام کو برقرار رکھا جا سکا ۔ ساتھ ہی مستقبل کی نسل کے مفاد کیلئے ترقی کی رفتار کو تیز تر بنایا جا سکا، عام طور پر بنیادی خوراک اور نقل و حمل کی قیمتوں میں اشتراکیتی ملکوں میں ۱۹۲۵ء سے کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ۔

اشتراکیت سے حاصل ہونے والے فوائد صرف معاشی محاذ تک محدود نہیں بلکہ اس حقیقت نے کہ استحصال کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا، آمدنی کام سے نہ کہ جائیداد سے حاصل کی جاتی ہے اور سماج شہریوں کی بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کے لئے کوشاں رہتا ہے، ایک نئے سماج کی بنیاد ڈالی جہاں لوگ اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے اتنے پریشان نہیں ہوتے جتنی کہ وہ پوری قوم کے لئے ہوتے ہیں ۔ کیوں کہ وہ تو قوم کے جزو ہوتے ہیں ۔ انفرادی طور پر لوگوں کی ہمت افزائی کرنے کی جگہ اجتماعی طور پر لوگوں کی ہمت افزائی کی جاتی ہے ۔ بہرحال اشتراکیتی اور سرمایہ دارانہ نظام کے بڑھتے ہوئے تعلقات کے منفی اثر کی وجہ سے ان مقاصد کی مکمل طور پر حصولیابی کچھ حد تک محدود ہو گئی ہے ۔ سوویت یونین آج ایک ایسی دنیا میں کام کر رہا ہے جہاں سرمایہ دارانہ ملکوں کی اکثریت ہے اور اس لئے سرمایہ دارانہ ملکوں سے رونما ہونے والی انفرادیت، قدریں اور رویے کے اثرات سے سوویت روس مکمل طور پر مبرا نہیں ہے ۔

نومبر انقلاب کے ۷۰ سال بعد ہمیں سوویت روس کی کامیابیوں اور اس کے منصوبوں کے طریقہ کار کو زیر غور رکھنا ہوگا ۔ ایسی بات نہیں کہ سوویت روس کو ناکامیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا ۔ ناکامیاں ہوئیں لیکن اس سے کہیں زیادہ کامیابیاں ہوئیں جنہیں سوویت یونین نے ہی ہمارے سامنے پیش کیا ۔ ہمیں یعنی ہم ہندوستانیوں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ سوویت روس کا تجربہ کس حد تک ہمارے ملک کے ٹھوس سماجی اور معاشی حالات سے وابستہ ہے اور ہمارے اپنے سماج کے مستقبل کے لئے اس تجربہ سے کس حد تک رہنمائی حاصل ہوتی ہے ؛

جن سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کا دل جس سے دہل جائے وہ طوفان
—— : اقبال

اکتوبر انقلاب اور سوشلزم کیلئے جدوجہد

از: ——— ڈاکٹر وادم زگلادن، پی ایچ ڈی (فلسفہ)

اکتوبر انقلاب کا تجربہ اس حقیقت کی وجہ سے بالخصوص اہم اور دلچسپ بن جاتا ہے کہ یہ تاریخ میں پہلا فتح مند سوشلسٹ انقلاب تھا۔ انسانی سماج نے پہلی بار ایک بالکل نئے عہد میں قدم رکھا۔ اس بار یہ ایک سماجی نظام سے دوسرے سماجی نظام میں عبور کا ہی سوال نہیں تھا بلکہ یہ استحصال کرنے والے نظاموں کے لمبے راج سے ایک ایسے سماج میں عبور کا سوال تھا جو استحصال اور جبر و استبداد سے پاک تھا۔ اس صورتحال نے سوشلزم کے معماروں، خاص طور پر دنیا کے پہلے سوشلسٹ سماج کے معماروں کے سامنے ایسے فریضے پیش کئے جو غیر معمولی حد تک پیچیدہ اور الجھے ہوئے تھے۔

کارل مارکس، فریڈرک اینگلس اور وی۔ آئی۔ لینن نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ سوشلزم کو سرمایہ داری سے بالکل مختلف یعنی ایک ایسا سماج ہونا چاہئے جو نہ صرف یہ کہ محنت کش عوام کے مادی فوائد میں اضافہ کرے بلکہ ان کے لئے ایک نیا طرزِ زندگی بھی پیدا کرے، سوشلزم کو اجتماعیت اور برابری یعنی انسانی دوستی کا سماج ہونا چاہئے۔ مارکس کے الفاظ میں سوشلزم کو حقیقی معنوں میں انسانی سماج ہونا چاہئے۔

عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی فتح نے لینن اور سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کو سوشلسٹ سماج کے آدرشوں کی صورت گری کیلئے عملی قدم اٹھانے کا موقع دیا۔ یہ آسان کام نہیں تھا اور آج بھی آسان کام نہیں ہے۔ سوشلزم کے معماروں کو ہر مرحلہ پر ایسے مسائل سے نپٹنا پڑا جو اس سے پہلے کہیں بھی حل نہیں کئے گئے تھے۔

سوشلزم کا تجربہ ابھی بھی پختگی کی منزل میں نہیں پہونچا ہے۔ اور اس کی عمر ۷۰ سال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی اس نے اپنی تمام تر طاقت و توانائی سامنے نہیں لائی ہے۔ جیسا کہ سوویت کمیونسٹ پارٹی کی دستاویزوں میں کہا گیا ہے کہ آج کا سوشلزم اپنی تمام کامیابیوں، امکانات اور اپنے تمام مسائل کے ساتھ ابھی بھی نوجوانی کی منزل پر ہے۔ وہ ایک ایسا بڑھتا ہوا نظام جسمانی ہے جس میں بہت سے آثار چڑھاؤ آنے باقی ہیں اور جس پر پچھلے تاریخی ادوار کی بہت چھاپ ہے۔ سوشلزم ابھی بھی بہاؤ کی حالت میں ہے اور اس میں سے نئے نئے دھارے نکل رہے ہیں۔ اس کے باوجود یہ تجربہ بہت باوزن ہے۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں کی برادرانہ پارٹیوں نے، نئے سماج کی تعمیر کے بنیادی سوالات کے بارے میں جو نظریات وضع کئے ہیں وہ ایک بیش قیمت اور زبردست دولت ہیں۔

سوشلزم کے طبقاتی دشمن بھانت بھانت کے طریقے استعمال کرتے ہیں جن میں ہتھیاروں کی دوڑ کو تیز کرنے، سوشلزم کیلئے فوجی خطرہ پیدا کرنے، بلیک میل کرنے، طاقت کی سیاست سے کام لینے، سوشلسٹ ملکوں کو غلام بنانے، معاشی ناکہ بندی کرنے اور نفسیاتی جنگ شروع کرنے کے طریقے شامل ہیں۔ ان سب کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ سوشلسٹ نظام کو اندر سے کمزور کیا جائے۔ لیکن سوشلسٹ تاریخ کے تقریباً ۷۰ برس اس کے دشمنوں کو یہ سبق سکھلانے کیلئے کافی ہیں کہ دنیا

کی کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو سوشلسٹ دنیا کے لوگوں کی کامیابی کو تباہ کر سکے۔

سامراجی پروپیگنڈے نے ابتدا میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ اکتوبر انقلاب "ناجائز" اور "خلاف قانون" ہے۔ کیوں کہ روس میں سوشلزم نہیں بلکہ ایک ایسا غیر انسانی نظام قائم ہوا ہے جسے تباہ کر دینا چاہئے۔ لیکن جب سوشلزم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے منصوبے ناکام ہو گئے تو یہ پرچار کیا جانے لگا کہ سوویت یونین میں جو سوشلزم آیا ہے وہ نیم ترقی یافتہ ملک کے لئے ہے۔ سوشلزم کے دشمن اس طرح یہ کہنا چاہتے تھے کہ سوویت تجربہ ترقی یافتہ ملکوں کے کسی کام کا نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد کمیونسٹ پارٹی جن مسائل سے دوچار تھی ان میں سے بعض کا سبب یہ تھا کہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ریاستوں کے مقابلے میں روس معاشی اور تہذیبی طور پر پسماندہ تھا۔ اسی وجہ سے سوویت یونین کو ایسی بہت سی آزمائشوں اور مشکلوں سے گزرنا پڑا جن سے آج بہت سے سوشلسٹ ممالک نہیں گزر رہے ہیں۔

روس درمیانہ درجے کی ترقیاتی سطح کا ملک تھا۔ لہٰذا اس کا تجربہ ان ملکوں کے انقلابیوں کے لئے بہت کار آمد ہو سکتا ہے جن کی سماجی اور معاشی پختگی کی سطح روس جیسی ہی ہے۔ اس کا سب سے پہلے اطلاق زرعی سوال اور ان دوسرے مسائل کے حل پر ہوتا ہے جو دیہاتوں میں سرمایہ داری سے پہلے کے تعلقات کی موجودگی کی وجہ سے سامنے آتے تھے۔

لیکن دوسری طرف روس ایک ایسا ملک بھی تھا جس کی صنعت اور بینک سرمایہ کی سطح انتہائی پختہ تھی۔ یہاں پیداوار اور سرمایے کا ارتقا جرمنی اور امریکہ سے زیادہ تھا۔ اسی کی وجہ سے انقلاب نے اجارہ دارانہ سرمایہ داری کے استحصال کے خلاف جدوجہد کو ایک نیا اور اہم تجربہ دیا۔ اسے محض اتفاق نہیں کہا جا سکتا کہ لینن کی تصنیف "سر پر منڈلاتی ہوئی تباہی ـــــ اسے کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟" میں جو ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی تھی ریاستی اجارہ دارانہ سرمایہ داری سے انقلابی جمہوری ریاست میں عبور کا ایک تفصیلی پروگرام شامل تھا۔ یہ انقلابی جمہوری ریاست اب ایک عبوری دور اور سوشلزم کے راستے پر ایک مرحلہ ہے۔

علاوہ ازیں روس میں طبقاتی استحصال کے ساتھ قومی، نوآبادیاتی استبداد کا بھی دور دورہ تھا۔ لہٰذا روس کے انقلابیوں کو سماجی انقلاب کے سوال کے علاوہ قومی آزادی انقلاب کے سوال بھی حل کرنا تھے۔ اس طرح ایک انقلاب میں دو انقلاب ضم ہو گئے۔

دوسرے الفاظ میں اکتوبر انقلاب میں جدوجہد کے انتہائی مختلف دھارے، لائنیں اور تحریکیں مل گئی تھیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اکتوبر انقلاب کے تجربے کو ہر جگہ جوں کا توں دہرایا جانا چاہئے۔ اس طرح کا رویہ بنیادی طور پر غلط ہوگا۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اکتوبر انقلاب کا تجربہ اب ویسا نہیں ہے جیسا کہ ۶۰ یا ۳۰ سال پہلے تھا۔ اس میں اضافہ ہوا ہے، اسے ترقی دی گئی ہے اور اس میں بعد کے سوشلسٹ انقلابوں کے تجربے نیز سرمایہ دار ملکوں میں سوشلزم کیلئے جدوجہد کا تجربہ شامل ہوا ہے ÷ ÷ ÷

باقی صفحہ ۲۹ کا

تانے بانے کے ساتھ بے نقاب کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کا ذہن انسان اور اس کے اعمال کے ظاہر و باطن دونوں پر حاوی نظر آتا ہے۔ ان کی حقیقت پسندی انسانی ہمدردی کے محور پر واقعات کو اس طرح ترتیب دیتی ہے کہ کردار نہ فرشتے بنتے ہیں نہ شیطان بلکہ حالات کی چکی میں پس کر اپنی اصلی شکل نمایاں کر دیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ پریم چند اپنی تخلیقات کی روشنی میں ایک حقیقت پسند انسانیت کے علمبردار اور زندگی کے ترجمان نظر آتے ہیں اور یہی سب سے بڑی ترقی پسندی ہے۔

"پریم چند کا فن مجموعی طور پر پڑھنے والوں پر یہی اثر ڈالتا ہے کہ وہ ملک کی عوامی زندگی کو ابھارنے اور بہتر بنانے کے لئے جدوجہد کے مجاہد تھے۔ ان خاص دورِ حیات میں زندگی کے صرف انہی تقاضوں کو پورا کرنا ترقی پسندی کی دلیل بن سکتا ہے۔" (احتشام حسین)

شعاعِ فردا

تیرہ و تار فضاؤں میں ستم خوردہ بشر
اور کچھ دیر اجالے کے لیے ترسے گا
اور کچھ دیر اٹھے گا دلِ گیتی سے دھواں
اور کچھ دیر فضاؤں سے لہو برسے گا

اور پھر احمریں ہونٹوں کے تبسم کی طرح
رات کے چاک سے پھوٹے گی شعاعوں کی لکیر
اور جمہور کے بیدار تعاون کے طفیل
ختم ہو جائے گی انساں کے لہو کی تقطیر

اور کچھ دیر بھٹک لے مرے درماندہ ندیم
اور کچھ دن ابھی زہراب کے ساغر پی لے
نور افشاں چلی آتی ہے عروسِ فردا
حال تاریک و سم افشاں سہی لیکن جی لے

ساحر لدھیانوی

عظیم اکتوبر انقلاب اور ہندوستانی ادب

از: ——— محمد اعظم

یورپ میں یوں تو بہت سارے انقلابات رونما ہوئے، لیکن روس میں عظیم اکتوبر اشتراکیتی انقلاب کی طرح کسی اور انقلاب کا اتنا زیادہ اثر دنیا پر نہیں ہوا۔ روس میں رونما ہونے والا انقلاب ایک نئے قسم کا انقلاب تھا، یعنی لینن کی سربراہی میں مزدوروں اور کسانوں کا انقلاب۔ اس وقت کی برٹش حکومت نے اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ انقلاب روس کی خبر ہندوستان نہ پہونچے لیکن انقلاب کی خبر ہمارے ملک میں پہونچ ہی گئی اور اس خبر نے لوگوں کے دلوں میں ایک نیا جذبہ اجاگر کر دیا۔

لینن اور اکتوبر انقلاب کا ہندوستانی ادب پر اثر انداز ہونے میں کچھ وقت کی ضرورت تو ہوئی، کیوں کہ حکومتِ برطانیہ نے ہندوستان میں اکتوبر انقلاب کی خبروں کی آمد پر ایک طرح سے پابندی عاید کر دی تھی۔ وجہ یہ کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس عظیم عوامی فتح سے یہاں کے لوگ واقف ہوں اور اس طرح اس کے استحصال کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو۔ لیکن لینن کی مقبولیت اور تعلیمات کی جھلک ہمارے قومی اخباروں کے ذریعہ سب سے پہلے سیاسی میدان میں رونما ہوئی۔ قومی اخبارات جیسے پونا کے کیساری جس کے ایڈیٹر لوک مانیہ بال گنگادھر تلک تھے، کانپور کے پرتاپ جس کے مدیر گنیش شنکر ودیارتھی تھے، مدراس کے سودیشا مترن جس کے سب ایڈیٹر سبرامانیہ بھارتی تھے، اور دیگر اخباروں میں اکتوبر انقلاب اور لینن کی بابت خبریں شائع ہونے لگیں۔

سبرامانیہ بھارتی نے اکتوبر انقلاب کے تین ہفتہ کے اندر نومبر ۱۹۱۷ء میں ایک نظم "نیا روس" شائع کی اور انقلاب کے تین مہینہ کے اندر ۲۹ر جنوری ۱۹۱۸ء کو بال گنگادھر تلک نے اپنے اخبار میں ایک اداریہ زیر عنوان "روسی لیڈر لینن" لکھا۔

روسی انقلاب کا ہندوستانی شاعری پر بھی گہرا اثر پڑا۔ ہندوستان کے شعراء رومان اور محبت کے ماحول سے باہر نکل آئے اور سرمایہ دارانہ نظام اور برٹش ظلم کے خلاف اور غریب اور پسماندہ لوگوں کی تائید میں نظمیں لکھنا شروع کر دیا۔ اسی دوران بہت سارے ہندوستانی روس گئے اور وہاں لینن سے ملاقاتیں بھی کیں۔ راجہ مہندر پرتاپ، مولانا برکت اللہ، مولوی عبدالرب پشاوری، تارکول منڈیام پرائیوری بھایا نکراچاریہ، دلیپ سنگھ جل، ابراہیم، پروفیسر عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری نے ماسکو میں ۱۹۱۸ء اور ۱۹۱۹ء میں لینن سے ملاقات کی۔

راجہ مہندر پرتاپ نے لینن کو اپنے چند پمفلٹ پیش کئے، ان میں ایک پمفلٹ "محبت کا مذہب" بھی تھا۔ اس پمفلٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد لینن نے راجہ سے کہا "مذہب ہندوستان کے لوگوں کو نہیں بچائے گا۔ ٹالسٹائی اور اس طرح کے دیگر لوگوں نے بھی روس میں اس طرح کی کوششیں کیں لیکن وہ ناکام ہوئے۔ آپ ہندوستان واپس جائیے اور طبقاتی جدوجہد کا پرچار کیجئے اور اس طرح ہندوستان کی آزادی کا راستہ نزدیک تر ہو جائیگا۔"

جواہر لال نہرو نے ۱۹۲۷ء میں اور شاعر اعظم رابندر ناتھ ٹیگور نے ۱۹۳۰ء میں سوویت روس کا دورہ کیا اور انہوں نے نئی اشتراکیتی

ریاست اور اس کے سربراہ لینن کی بابت اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اس سے ہندوستان میں لوگوں میں دلچسپی کی لہر پیدا ہوگئی۔ مصنفوں نے اس نئی تہذیب کی بابت لکھنا شروع کر دیا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند ادیبوں کی ایسوسی ایشن قائم کی گئی۔ منشی پریم چند جنہوں نے مزدوروں اور کسانوں کے مسائل پر بہت سارے مضامین لکھے، اس ادارے کے صدر تھے۔ اس تحریک میں ہندوستان کے بہت سارے ادیبوں اور شاعروں نے شرکت کی۔ جن میں ڈاکٹر ملک راج آنند (انگریزی)، یشپال، راہول سنکرتیاین، مکتی بودھ، گجانن اور ڈاکٹر شیو منگل سنگھ سومن (ہندی)، سجاد ظہیر، کرشن چندر، سردار جعفری، کیفی اعظمی اور مخدوم محی الدین (اردو)، انا بھاؤ ساٹھے، کھندیکار اور ماما واریکر (مراٹھی)، تارا شنکر بندوپادھیا، مانک بندوپادھیا، وشنو دے اور پریمندر مترا (بنگلہ) اور ملک کے دیگر زبانوں کے بہت سارے ادیب اور شاعر شامل ہیں۔

ترقی پسند مصنفوں کی نئی تخلیقات کی ایک خصوصی نوعیت یہ تھی کہ پہلے کے ادیبوں کے عام طور پر اصلاح پسندی کے مقابلے میں ان ترقی پسند ادیبوں کی تصانیف میں بنیادی معاشی اور سماجی تبدیلیوں پر روشنی ڈالی گئی۔ ان ادیبوں نے اپنی تصانیف میں معاشی اور سماجی ناانصافیوں کو عیاں کر دیا اور ہر قسم کے استحصال سے پاک ایک انصاف پسند اور خوشحال سماج کی تصویریں پیش کیں۔ مارکسزم۔ لینن ازم کے تصورات اور کامرانیوں کا ہندوستان کی تمام زبانوں پر اثر ہوا۔

ذیل میں ہندوستان کے چند مشہور ادیبوں کی تخلیقات سے چند اقتباسات درج کئے جا رہے ہیں جن سے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ "اکتوبر انقلاب" اور لینن کا کتنا گہرا اثر ہندوستان اور ہندوستانی ادب پر پڑا۔

ڈاکٹر وشوا ناتھ ترپاٹھی لکھتے ہیں:

"ہندی ادب کے مفکران، سماجی اور سیاسی لیڈران اور ادیبوں کو عوام کی معاشی اور سماجی بدحالی کے درد اور دشواریوں کا تجربہ ہو رہا ہے۔ اکتوبر انقلاب میں انہیں ان تمام بدحالیوں سے نجات پانے کا راستہ نظر آیا۔ اسی لئے انہوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اکتوبر انقلاب کو خوش آمدید کہا اور لینن کو مظلوم انسانیت کا سربراہ قرار دیا۔"

سنہ ۱۹۱۹ء میں اس وقت کے مقبول عام ہندی اخبار پرتاپ نے ایک کتاب بعنوان "سمیادو" (کمیونسٹ) شائع کی۔ اس کتاب کے مصنف شری شیو نرائن مسرا ودیا تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لینن کی بابت لکھا کہ ان کی ناقابل تسخیر ہمت، چٹان جیسی رضا اور انکساری کی وجہ سے ان کے ساتھی تقریباً ان کی پوجا کیا کرتے۔"

رام شنکر اوستھی نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک لینن پر اور دوسری بعنوان "روس میں ریاستی انقلاب"۔ پہلی کتاب کا عنوان تھا "بالشیوک جادوگر"۔ اس کتاب کے سرورق پر لینن کی تصویر تھی اس تصویر کے نیچے یہ باتیں لکھی ہوئی تھیں: "یہ لینن ہیں، دنیا سے نابرابری مٹانے والے۔ یہ ایک ایسے شیر ببر ہیں، ایک گرجتے ہوئے شیر ببر۔"

اس کتاب میں اوستھی نے لکھا "لینن کی یہ خواہش تھی کہ دنیا کے سارے ملکوں میں انقلابات رونما ہوں اور تمام ممالک آزاد ہو جائیں۔"

پران ناتھ ودیا شنکر نے سنہ ۱۹۲۰ء میں اپنے ایک مضمون میں لینن کو ایک مہاتما بتایا۔ لینن کو مہاتما کہنے کی اہمیت اس بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں نے صرف گاندھی جی کو مہاتما کہا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لینن اس ملک کے ہندی ادیبوں کے کتنے قریب آ گئے تھے۔

جب سنہ ۱۹۲۴ء میں لینن کا انتقال ہوا تو کرشنا کانت مالویہ نے اپنے اخبار "ابھیودایا" کے اداریہ میں لکھا: "دنیا کا عظیم ترین انسان ہم لوگوں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔"

ایک اور اخبار "وارتمان" نے اپنے پڑھنے والوں سے مرحوم سربراہ کی یاد میں "لینن ہفتہ" منانے کو کہا۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ لینن اور اکتوبر انقلاب کی کامیابی کو ہندوستانیوں نے اس ملک کے لئے غیر ملکی اور بلاواسطہ قرار نہیں دیا۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ برٹش حکومت اور اس کے جبر و تشدد کا اس ملک میں صرف انقلاب کے ذریعہ ہی خاتمہ ہو سکتا ہے۔ روسی انقلاب کے بعد جب وہاں غربت اور افلاس کا خاتمہ ہو گیا تو ہندوستان کے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیوں کہ وہ سب خود مصائب میں

مبتلا تھے اور یہ جانتے تھے کہ استحصال کے شکار غریب اور نادار لوگوں کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ اکتوبر انقلاب میں انہیں انسانی تکالیف سے نجات کا راستہ نظر آیا۔

ہندی کے مشہور ادیب سریندر چودھری ہندی ادب پر لینن اور ان کی کارگزاری کے اثر کی بابت یوں رقمطراز ہیں:

"اکتوبر انقلاب کا اثر ہندوستان میں اس صدی کی دوسری دہائی کے عرصہ میں محسوس ہوا جب ہندوستان کی سیاسی آزادی کی تحریک نے ایک نیا عوامی رخ اختیار کر لیا۔ اس رخ کو رجحان ذرا بائیں طرف تھا اور مجاہدین آزادی کی نئی نسل میں یہ رجحان مقبول ہوا۔ اس وقت کی عالمی صورتحال کا لینن نے بہت ہی صحیح تجزیہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا "ساری دنیا میں تسلط کے لئے اور چھوٹی اور کمزور قوموں کو لوٹ کھسوٹ کر مالِ غنیمت کی تقسیم کے لئے سامراجی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اس خطرناک اور مہیب جنگ نے تمام ملکوں کو تباہ و برباد کر دیا اور عام لوگوں کو ان کا خون چوس کر نادار بنا دیا ہے۔ اب بنی نوع انسان کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ اپنی تہذیب کی قربانی دے اور خود مٹ جاتے یا انقلابی طریقہ کار سے سرمایہ داروں کو مار بھگائیں۔ بورژوائی حکومت کا خاتمہ کریں اور اس طرح اشتراکیت کا قیام عمل میں لائیں اور امن و سکون سے زندگی گزاریں۔"

عالمی صورتحال میں تبدیلی کی بھی ادب عکاسی کرتا ہے ہندی ادب نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور ہندوستانی سماج میں بنیادی تبدیلی لانے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ راہل سنکرتیاین نے سوویت روس پر ہندی میں بہت ساری کتابیں لکھیں۔ انہوں نے لینن کی سوانح حیات بھی لکھی۔

بنگلہ ادب پر بھی اکتوبر انقلاب کا اچھا اثر پڑا۔ بنگلہ ادب پر لینن ازم کے اثر کی بابت بنگلہ کے مشہور ادیب گوتم چٹوپادھیہ یوں رقمطراز ہیں:

"کمیونسٹ انٹرنیشنل کے دوسرے کانگریس کے بعد جب نوآبادیاتی ملکوں کی آزادی کی بابت لینن کی تھیسس کو منظور کیا گیا، اور ہندوستان میں عدم تعاون تحریک کی پہلی لہر کے بعد بھی بنگلہ پریس اور بنگلہ ادب نے بہت ہی خلوص کے ساتھ اشتراکیتی تصورات کی عکاسی کرنی شروع کی۔ اس طرح اس سلسلہ میں بنگلہ سیاسی جرائد نے اس کی ابتدا کی۔

'بیجلی' بنگلہ سیاسی ہفتہ وار جس کے ایڈیٹر مشہور انقلابی رہنما بریندر کمار گھوش تھے، نے کہا:

"اشتراکیتی انقلاب نے روس کے لئے کیا لایا؟ پہلی کامیابی تعلیم ہے۔ زارشاہی کے دنوں میں ۸۵ فیصد آبادی جاہل تھی۔ اب پوری آبادی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ دوسری کامیابی یہ ہے کہ روس نے دولت کی دیوی کی پوجا کرنی ترک کر دی۔ مغربی جمہوریت کو ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا ہے۔ سرمایہ دار پریس اور سیاسی سربراہوں کو اپنے زیر اختیار رکھا۔ بڑے بڑے کارخانوں کے مالکان اپنی دولت کے جادو سے لاکھوں لاکھ لوگوں کو سحر میں مبتلا رکھتے تھے اور اجرت کی غلامی میں مشغول رکھتے تھے اور ان کے کان پکڑ کر انہیں ووٹ ڈالنے کی بوتھ میں لے جایا کرتے تھے۔"

کاکوری سازش کیس کے مشہور سچن سانیال نے لینن کی بابت یوں لکھا:

"روایتی سیاسی جمہوریت سے رائج کرنے کے ساتھ ساتھ غربت کا مسئلہ غائب نہیں ہو جائے گا، کیوں کہ اس وقت بھی سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر صورتحال کو اپنے تحت رکھیں گے۔ لینن نے پہلی بار روس میں اس بات کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ یہ لینن ہی ہیں جنہوں نے روس میں پہلی بار اشتراکیت کی بابت کارل مارکس کے تصور کو عملی جامہ پہنایا۔"

اس عرصہ میں صحافتی تحریر میں ایک تیز سیاسی بیداری رونما ہوگئی۔ ایک اہم رسالہ کے اداریہ میں یوں اظہار رائے کیا گیا۔ "روس میں بولشیوزم کی فتح کے ساتھ ساری دنیا میں ایک زبردست تحریک اس نعرہ کے ساتھ شروع ہوگئی "سرمایہ داروں کو مٹا دو، زمینداروں کو مٹا دو"۔ ان کی جگہ تمام مسرتیں ان لوگوں کو فراہم کی جانی چاہئیں جنہوں نے اپنی محنت سے دولت پیدا کی۔ خوابِ غفلت میں پڑی ہماری اس سرزمین کو اس پکار نے بیدار کر دیا!"

انقلابی شاعر نذرل اسلام نے روسی انقلاب پر بہت

ساری نظمیں لکھیں۔ ان کی ایک نظم کے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

وہ سیلاب جس نے سائبیریا میں لاکھوں زندان کو نیست ونابود کر دیا،
اسی سیلاب کی گرج اب آپ کے دروازے پر سنائی دے رہی ہے۔
جاگو بھائیو، نئی ماں کو خوش آمدید کہو
اُن تباہی سے کیوں ڈرتے ہو
انقلاب تو نئی روح کو جنم دیتا ہے،
نیا دور آتا ہے
یہ برائی کی طاقت کو چیر پھاڑ کر نیست ونابود کر دے گا

ایک اور بنگلہ ادیب اسیش سانیال نے یوں لکھا:

"عظیم اکتوبر انقلاب کا اثر تو پہلے سماج اور سیاسی مضامین کی تحریر اور صحافت تک محدود تھا۔ برٹش حکمراں اس سے بہت اکتا گئے تھے۔ انہوں نے اس عظیم انقلاب کی خبروں پر سنسر عائد کرنے کی کوشش کی اور لینن اور روس کی بابت غلط پروپیگنڈہ پھیلانے کی کوشش کی ..... لیکن عظیم اکتوبر انقلاب کے تصورات کی اشاعت اور فروغ کو روکنے کے لئے برٹش حکومت کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں"

سنہ ۱۹۱۷ء سے لینن کی بابت بہت سارے سماجی اور سیاسی مضامین لکھے گئے۔ لینن کی سوانح حیات بھی لکھی گئی۔ ایک مشہور بنگلہ رسالہ میں سنہ ۱۹۲۱ء میں لینن کی سوانح حیات سلسلہ وار شائع ہوئی۔ ادیبوں کے نئے طبقہ نے، جو مارکس، لینن اور عظیم اکتوبر انقلاب سے متاثر ہوتے تھے، اپنی کہانیوں اور افسانوں میں ان مردوں اور عورتوں کو ہیرو اور ہیروئن کی طرح پیش کرنا شروع کر دیا جو عام طور پر نچلے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بنگلہ ادب میں نظم کو بھی کافی اہم مقام حاصل ہے اس لئے بنگلہ نظم پر عظیم اکتوبر انقلاب کا اثر بہت زیادہ نمایاں ہے۔ انقلاب کے رونما ہوتے ہی ہمارے ادب میں مارکسی خیالات کا اثر ہوا اور انقلابی تصورات کی اشاعت وفروغ کے لئے سماجی اور سیاسی مضامین لکھے گئے۔

رابندرا ناتھ ٹیگور بھی عظیم اکتوبر انقلاب سے متاثر تھے۔ اپنی ایک نظم میں وہ یوں لکھتے ہیں،

آؤ نوجوانو
آزادی کے لئے جدوجہد کا اعلان کر دو
ناقابلِ عبور عقیدہ کے جھنڈے تلے، اُٹھو،
نفرت نے اس روئے زمین پر جو پھوٹ پیدا کی ہے،
اسے پُر کرنے کے لئے اپنی زندگی سے پُل بناؤ
آگے بڑھو۔

اسی طرح اپنی نظم "اس بار مجھے لوٹا دو" میں انہوں نے یوں تصویر کشی کی ہے:

ان سب ناداں، حیراں، افسردہ جان، گونگے چہرے کو زبان دینی ہوگی،
ان سب تھکے ہارے اور اجڑے ہوئے سینوں میں
امیدوں کی ترنگ پیدا کرنی ہوگی، پکار کر کہنا ہوگا
ایک لمحہ کے لئے سر اٹھا کر سب ایک ساتھ کھڑے ہو جاؤ
دیکھو تو!
جس کے ڈر سے تم ڈرے ہوتے ہو، وہ ظلم تم سے ڈرا ہوا ہے
جوں ہی تم جاگو گے وہ دوڑ کر بھاگ جائے گا
جوں ہی کھڑے ہو جاؤ گے تم روبرو اس کے، وہ کترا جائیگا۔

....

بڑا دکھ ہے، بڑا درد ہے، سامنے مصائب کی ایک دنیا ہے۔
بہت غریب، سونی، بہت معمولی، بندھی ہوئی، تاریکیوں سے بھری ہوئی
اناج چاہئے، زندگی چاہئے، روشنی چاہئے اور چاہئے کھلی ہوا،
چاہئے طاقت، چاہئے تندرستی، چاہئے خوشی سے جگمگاتی ہوئی لمبی عمر

چاہتے ہمت و حوصلہ سے پھیلی ہوئی چھاتی، اس فزبی کے بیچ
اے شاعر!
اک بار لے آؤ جنت سے اعتماد و اعتقاد کی دولت
اس بار مجھے لوٹا دو، مجھے لے جاؤ سنسار کے کنارے۔

تلیگو ادب پر اکتوبر انقلاب کے اثر کے سلسلے میں مشہور تیلگو ادیب ڈی۔ انجنے یولانے یوں کہا: "ڈاکٹر مٹا بھی ستیا رامیہ نے سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں آندھرا پتریکا کے اگادی خصوصی نمبر میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں سنہ ۱۹۱۷ء کے اکتوبر انقلاب پر روشنی ڈالی اور اس کی وضاحت کی۔ تیلگو زبان میں ایک ناول مالا پالی (ہریجنوں کا گھر) سنہ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔ اس میں عام طور پر اشتراکیت اور خاص طور پر بالشیوک تجربات کا ذکر کیا گیا۔ اس ناول کو برٹش حکومت نے ضبط کر لیا۔ اس ناول کو اُناوا لکشمی نارائن نے لکھا تھا۔ وہ اشتراکیت کے تصور سے بخوبی واقف تھے۔ ہریجنوں کے ایک جلسہ میں ان کی کی گئی تقریر کی چند باتیں درج ذیل ہیں:

"روس میں سوویتوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ ان کی تحریک کو بالشیوزم کہتے ہیں جس کے معنی اکثریتی پارٹی کا تصور ہے۔ سوویت حکومت نے لکھ پتیوں کی تمام دولت مع محلات اور کارخانے چھین لی۔ بوڑھے، بیمار اور معذور لوگوں کے علاوہ صرف اسی کو کھانے کی اجازت ہے جو پیدا کرنے کے قابل ہوگا۔ یہ توان کا اعتقاد ہے کہ ہر شخص کو دنیا کی مادی دولت میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔ یہ بات نہایت ہی نامناسب ہے کہ چند افراد دولت میں لوٹ پوٹ کریں اور عیش و عشرت کریں۔ جبکہ لوگوں کی اکثریت کو نہ کھانے کو خوراک ملتی ہے اور نہ پہننے کو کپڑا ملتا ہے۔ ناانصافی پر مبنی ان اصولوں کی سبھوں نے مذمت کی۔"

اس عرصہ میں قومی جدوجہد کے لئے اس طرح کے بہت سارے مضامین شائع کئے گئے جن میں اسی مقصد کو اجاگر کیا گیا کہ آزادی کے لئے جدوجہد کا مقصد اشتراکیت کا قیام ہے۔

اسی طرح مارکس اور لینن کی تعلیمات اور عظیم اکتوبر انقلاب کا مراٹھی ادب پر اثر کی بابت او۔ پی۔ بھاٹ نگر یوں لکھتے ہیں:

"ہمارے عظیم قومی سربراہ بال گنگادھر تلک نے جوش و خروش اور خلوص کے ساتھ اکتوبر انقلاب کو خوش آمدید کہا۔ آزادی کے لئے جاری جدوجہد کے ساتھ، اس انقلاب نے صحافتی ادب میں ایک نیا جوش و خروش پیدا کر دیا اور صحافی آزادی کے ساتھ ساتھ ظلم اور استحصال کے خلاف بھی جدوجہد میں شریک ہونے لگے۔ ایک عظیم سماجی مصلح اور ادیب جیوتی با پھولے نے مہاراشٹر کے لوگوں کو اشتراکیت کے اصولوں اور تصورات سے روشناس کرانا شروع کیا۔ نیز بہت سارے اخبارات جیسے 'لوک شکشان' 'ڈیویدیہ دیان ویستار' 'نشا یادری' اور دیگر اخباروں نے لوگوں کے درمیان اشتراکیت کے تصور کو فروغ دینے کے لئے اپنے اخباروں میں اچھے اچھے مضامین شائع کئے۔ بہت سارے لوگوں نے اشتراکیت کا غائر مطالعہ کیا اور اس پر کتابیں لکھیں۔ ایل۔ این جوشی نے 'روس میں انقلاب'، وی۔ ایس سروا سے نے 'سوشلزم'، لالجی پینڈسے نے 'مذہب یا انقلاب' ڈی۔ کیلکر نے 'کل کی ثقافت' اور پی وی گیدگل نے "اشتراکیت کی طرف" کتابیں لکھیں۔"

"انقلاب اور اشتراکیت مراہٹی ادب کی ترقی میں کافی معاون ثابت ہوئیں۔ اس بات کی بیداری کہ سماج طبقوں میں بٹا ہوا ہے، اس سے رونما ہونے والی طبقاتی جدوجہد، قدرت اور مذہب سے زیادہ توجہ مادیت کی طرف، قسمت اور کرم سے زیادہ تاریخ اور معاشی جدوجہد، ناانصافی اور نابرابری کے خلاف جدوجہد کرنے کی ضرورت، ادب میں زندگی کے حقائق کا اظہار، وغیرہ تمام انقلاب روس اور اشتراکیت کے ادب پر براہ راست اثر کے نتائج ہیں۔"

گجراتی ادب پر انقلاب روس کے اثر کی بابت پشکر چند رویکر یوں ذکر کرتے ہیں:

"قید خانوں میں بھی نوجوان گجراتی ادیب کارل مارکس، اینجلس، لینن اور دیگر لوگوں کی تصانیف کا مطالعہ کیا کرتے اور آپس میں انکی بابت تبادلہ خیال کیا کرتے۔ سیاسی محاذ پر نوجوان

اور جوشیلے ہندستانی مفکروں نے جمہوری اشتراکیت کے اس نصب العین کیلئے راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا۔ ...... اشتراکیتی رجحانات کو گجراتی ادب میں کافی تیزی سے فروغ حاصل ہوا۔ گجراتی نظموں، کہانیوں، افسانوں اور ادبی مضامین میں اشتراکیت کی جھلکیں نمایاں ہونے لگیں۔ اوما شنکر جوشی اور سندرم جیسے گجراتی شاعروں کے کلام میں ہمیں اشتراکیت کی خوبو ملتی ہے۔ اوما شنکر کے مجموعہ کلام "گنگوتری" میں بہت ساری نظمیں ایسی ہیں جن میں اشتراکیت کے رجحانات نمایاں ہیں۔ ان کی ایک نظم "جٹھا راگنی" (بھوک) میں مارکسسٹ نظریہ یوں پیش کیا گیا ہے :

تعمیر کرو، تعمیر کرو، اونچے محلیں
انہیں جو چھوئے دو فلک کو
تعمیر کرو شاندار محلیں اور مینا ریں،
شان و شوکت سے ابھرتی ہوئیں
ایک دن جب انکی بھوک کی آگ
بھڑک اٹھے گی
تباہ کر دے گی اس جاہ و جلال کو
تم اسے تلاش بھی نہ کر سکو گے۔

ہتھوڑا کا گیت، سوکھا آم، پتھر، بلبل اور سبکارن، اور دھوبی۔ اوما شنکر جوشی کی چند نظمیں ہیں جو براہ راست یا بالواسطہ اکتوبر انقلاب سے حاصل کردہ اشتراکیتی اور ترقی پسند تصوریت سے پُر ہیں۔

پنجابی ادب پر اکتوبر انقلاب کا گہرا اثر پڑا۔ بھائی سنتوکھ سنگھ ایک ماہنامہ رسالہ "کیرتی" شائع کرتے۔ اس رسالہ میں آپ اکتوبر انقلاب کی بابت خبریں شائع کیا کرتے۔ بھائی سنتوکھ سنگھ پہلی عالمی جنگ کے بعد تعلیم کے لئے ماسکو گئے۔ وہاں انہوں نے مشرق کے لوگوں کی یونیورسٹی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد وہ ہندستان لوٹ آئے اور اشتراکیت کے پرچار کا کام شروع کر دیا۔ پھر ترقی پذیر مصنفین کی تحریک نے اس پرچار کے کام کو جلا بخشی۔ نریندر پال سنگھ نے اپنی نظم "میرا یقین" میں لینن کو تاریخ کی عظیم ترین ہستیوں میں شمار کیا۔

اڑیسہ کے مشہور ادیب نرنجن موہانتی یوں رقمطراز ہیں :

"روسی انقلاب عام آدمی کا علم بن چکا ہے۔ اس نے نئے تصورات کو اجاگر کیا۔ نئے یقین کی تشکیل کی اور آزادی، بھائی چارگی اور مساوات کیلئے جد و جہد کرنے کے لئے لوگوں کو بیدار کیا۔ انقلاب روس نے ایک نئے ادب کو یعنی ترقی پذیر ادب کو جنم دیا۔ عام لوگوں کی زندگی اور ان کے مسائل کی عکاسی ہی اس ادب کی شان ہے۔ اس انقلاب نے اڑیسہ کے ادب کو ایک نئی سمت عطا کی۔

بھگوتی چرن پانی گراہی نے اڑیسہ میں ترقی پذیر ادب کا سنگ بنیاد رکھا اور سچی راؤتڑے نے اسے ایک شاندار شکل دی۔ سچی بابو تو عوام کے شاعر تھے۔ انہوں نے لینن کو سب سے بیدار شخص، دوست اور فلسفی اور محنت کش طبقہ کا رہنما بتایا۔ اپنی ایک نظم "مہا کال" (وقت) میں انہوں نے انقلاب کو ناگزیر بتایا۔ ان کے لئے انقلاب تو انسان کی زندگی کی نجات کا صحیح راستہ ہے۔ پُر امن بامعنی اور بامقصد زندگی کے لئے انقلاب لازمی ہے۔ بہت ساری روسی نظمیں، ناولوں اور کہانیوں کا اڑیا زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ لینن اور مارکس کی سوانح حیات کا بھی اڑیا زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

ملیالم ادب کی بابت شری ٹی۔ آر۔ شری نواس یہ فرماتے ہیں :

"اکتوبر انقلاب سے بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ ہندستان میں مہاتما گاندھی کی سربراہی میں آزادی کی جد و جہد جاری تھی تو اس کے ساتھ ہی کمیونسٹ تحریک بھی زور و شور سے آگے بڑھ رہی تھی۔ کیرالا میں کمیونسٹ تحریک تو شاید سب سے زیادہ مستحکم تھی۔ ملیالم ادب میں ترقی پذیر تحریک کا نصف صدی کا ایک ریکارڈ ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں مشہور سودیشا بھیمانی رام کرشن پلائی (سنہ ۱۸۷۹ء - سنہ ۱۹۱۶ء) نے ملیالم میں کارل مارکس کی سوانح حیات لکھی اور اسے شائع کیا۔ تین مشہور ادیب اکور پرامیشورا ایّر، اپی۔ کیارن اسان اور ولاتھول ناراین مینن ترقی پذیر خیالات سے سرشار تھے۔ ان میں سے ولاتھول نے لینن اور اشتراکیت

کی بابت بہت ساری نظمیں لکھیں۔ نیز دیلو پتی شری ہری مینن بھی بڑے ترقی پسند شاعر تھے۔ انہوں نے اشتراکیت پر ایک لمبی نظم 'کوری یوزمیسق' لکھی۔ یہ نظم ترقی پذیر اسکول کی ایک کلاسیکی نظم بن چکی ہے۔ نیز انہوں نے 'لینن' نظم بھی لکھی۔

سندھی ادب پر بھی انقلاب روس کا اچھا خاصا اثر پڑا۔ اس سلسلے میں سندھی ادیب ایم۔ کے۔ جیٹلے یوں رقمطراز ہیں :

"اکتوبر انقلاب کی انوکھی کامیابی نے مختلف ملکوں کے پسماندہ اور جبر کے شکار لوگوں کو نہ صرف اپنی طرف کھینچا بلکہ اس نے ساری دنیا کے دانشوروں اور عظیم مفکروں کو بھی اپنی طرف کھینچا۔ سندھی دانشور لینن اور ان کے اشتراکیتی تصورات سے کافی متاثر ہوئے۔"

سندھ کے انقلابی شاعروں اور ادیبوں میں کشن چند تیرتھ داس کھترا عرف بیوس کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ شاعر تھے اور اپنی نظم 'ساہوکار' (امیر آدمی) میں انہوں نے استحصال کرنے والوں کو للکارا۔ امیر آدمی جونک ہوتے ہیں، جوئیں ہوتے ہیں جو غریبوں کا خون چوستے ہیں۔ انکی خوشیاں، انکی عیاشی ہزاروں لوگوں کے آنسوؤں پر مبنی ہوتی ہے۔ دولت کے اضافہ سے زار جیسے لوگوں کا ظلم اور جبر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اے امیر! اگر ہندوستان میں پرولتاریت برسر اقتدار آجائے اور حاکم بن جائے تو تمہارا حال بھی وہی ہوگا جو اترکھنڈ (روس) میں ہوا۔ اس صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں لینن کے اشتراکیتی تصورات اور اکتوبر انقلاب کے اثرات سندھی ادیبوں کی تخلیقات سے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں 'ہندوستان چھوڑو تحریک' کے دوران سندھ کے بہت سارے شاعروں اور ادیبوں نے خود کو ترقی پسند ہونے کا اعلان کیا۔

اکتوبر انقلاب کی کامیابی اور اشتراکیت نے اردو دنیا میں بھی ایک نئے قسم کا سماجی شعور اور بیداری پیدا کر دی۔ اردو ادیبوں اور شعراء نے سماجی نظام کی نو تخلیق پر زور دیا اور وہ سب قومی تحریک کے ساتھ ساتھ، سماج کے کمزور اور غریب طبقوں کی آزادی اور نجات کے لئے میدان عمل میں کود پڑے۔ یہاں

یہ بات قابل ذکر ہوگی کہ انقلاب روس سے بہت پہلے اقبال نے اشتراکیت کا پیغام لوگوں کو دیا۔ انہوں نے ۱۹۱۲ء میں اپنی نظم 'خضر راہ' میں محنت کشوں کو بیدار کیا اور انہیں عمل کا پیغام دیا۔ ان کی نظموں — 'سرمایہ و محنت' اور 'فرمان خدا' کے عنوانات کے تحت چند اشعار درج ذیل ہیں :

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

فرمان خدا (فرشتوں سے)

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

انقلاب روس کے بعد اقبال نے بہت ساری نظمیں لکھیں جن میں انہوں نے اشتراکیت کے اصولوں کو اجاگر کیا۔ اپنی ایک نظم 'لینن خدا کے حضور میں' میں شاعر لینن کی زبان میں خدا سے فریاد کرتا ہے :

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں !
حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

پھر اپنی نظم "اشتراکیت" میں اقبالؔ یوں رقمطراز ہیں:

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار
اندیشہ ہوا شوخیٔ رفتار پہ مجبور!
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

اقبالؔ اپنی نظم "کارل مارکس کی آواز میں" فرماتے ہیں:

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش

اردو میں لینن پر بہت ساری نظمیں لوک لہروں میں ہی لکھی گئیں۔ سجاد ظہیر نے ۱۹۳۰ء میں ایک نظم "لینن تھا نام اس کا" لکھا۔ نیاز حیدر ایک مشہور اردو شاعر نے لینن پر بہت ساری نظمیں لکھیں اور اپنے مجموعۂ کلام کو ایک کتاب کی شکل میں جس کا عنوان ہے "لینن کے دور کو دعوت" شائع کیا۔ ساحر نے بھی "لینن" کے عنوان سے دو نظمیں کہیں۔

ساحر لدھیانوی نے اپنی نظم "طلوعِ اشتراکیت" میں انقلابی صورتحال کی یوں تصویر کھینچی ہے:

جشن بپا ہے کٹیاؤں میں اونچے ایواں کانپ رہے ہیں
مزدوروں کے بگڑے تیور دیکھ کے سلطاں کانپ رہے ہیں
چوک چوک پر گلی گلی میں سرخ پھریرے لہراتے ہیں
مظلوموں کے باغی لشکر سیل صفت امڈے آتے ہیں
جمع ہوتے ہیں چوراہوں پر آکر بھوکے اور گداگر
ایک لپکتی آندھی بن کر، ایک بھبھکتا شعلہ ہو کر
کاندھوں پر سنگین کدالیں، ہونٹوں پر بیباک ترانے
دہقانوں کے دل نکلے ہیں اپنی بگڑی آپ بنانے
ایک نیا سورج چمکا ہے، ایک انوکھی ضوباری ہے
ختم ہوئی افراد کی شاہی، اب جمہور کی سالاری ہے

پھر ساحر نے اپنی ایک اور نظم "لہو نذر دے رہی ہے حیات" میں یوں آواز بلند کی ہے:

مری صدا کو دبانا تو خیر ممکن ہے
مگر حیات کی للکار کون روکے گا
فصیلِ آتش و آہن بہت بلند سہی
بدلتے وقت کی رفتار کون روکے گا
نئے خیال کی پرواز روکنے والو
نئے عوام کی تلوار کون روکے گا
پناہ لیتا ہے جن مجلسوں کا تیرہ نظام
وہیں سے صبح کے لشکر نکلنے والے ہیں
ابھر رہے ہیں فضاؤں میں احمریں پرچم
کنارے مشرق و مغرب کے ملنے والے ہیں
ہزار برق گرے، لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں

مخدوم محی الدین انقلابی شاعر تھے ۔ وہ انقلاب روس سے سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے کا انتظار کرنے لگے ۔ انہوں نے اشتراکیت سے بھرپور بہت ساری نظمیں لکھیں ؎

نظم مشرق

جہل، فاقہ، بھیک، بیماری نجاست کا مکاں
زندگانی، تازگی، عقل و فراست کا مساں
اس زمین موت پرور وہ کو دھایا جائیگا
اک نئی دنیا نیا آدم بنایا جائے گا

نظم جہانِ نو

ایسا جہان جس کا اچھوتا نظام ہو
ایسا جہان جس کا اخوت پیام ہو
ایسا جہان جس کی نئی صبح و شام ہو
ایسے جہانِ نو کا تو پروردگار بن

اپنی نظم "انقلاب" میں انہوں نے نئے نظام عالم کا یوں ذکر کیا ؎

اے جانِ نغمہ جہاں سوگوار کب سے ہے
ترے لئے یہ زمیں بے قرار کب سے ہے
ہجومِ شوق سرِ رہگذار کب سے ہے
گذر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے
حیات بخش ترانے اسیر ہیں کب سے
گلو تے زیرہ میں پیوست تیر ہیں کب سے
قفس میں بند ترے ہم صفیر ہیں کب سے
گذر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

سردار جعفری اپنی نظم "کارل مارکس" میں یوں رقم طراز ہیں ؎

وہ آگ مارکس کے سینے میں جو ہوئی روشن
وہ آگ سینۂ انساں میں آفتاب ہے آج
وہ آگ جنبشِ لب جنبشِ قلم بھی بنی
ہر ایک حرف نئے عہد کی کتاب ہے آج
وہ جلوہ جس کی تمنا تھی چشمِ آدم کو
وہ جلوہ چشمِ تمنا میں بے نقاب ہے آج

سردار جعفری نے اس انقلاب کا پیغام اپنی نظم "وقت کا ترانہ" میں لوگوں کو پیش کیا ؎

قافلہ انقلاب کا ہے رواں
بج رہی ہے خوشی کی شہنائی
زلزلوں سے دہل رہی ہے زمیں
لے رہے ہیں پہاڑ انگڑائی
جن کو کچلا گیا ہے صدیوں سے
آج تک ان کے دل دھڑکتے ہیں
زندگی کے بجھے ہوئے شعلے
اک نئی شان سے بھڑکتے ہیں
ہر سڑک پر سمندروں کا ابال
ہر گلی میں ہے جوشِ طوفانی
غرق کر دے گی بادشاہی کو
آدمی کے لہو کی طغیانی!!

روس کے انقلاب کی ہوا جب ہندوستان میں بہنے لگی تو جوش ملیح آبادی نے یہاں بھی "آثارِ انقلاب" کی نشاندہی کی ؎

قسم اس روح کی جو مرتوں کو رفعت سکھاتی ہے
کہ راتوں کو مرے کانوں میں یہ آواز آتی ہے
اٹھو وہ صبح کا غرفہ کھلا زنجیرِ شب ٹوٹی!
وہ دیکھو پو پھٹی غنچے کھلے پہلی کرن پھوٹی!
اٹھو چونکو بڑھو منہ ہاتھ دھو آنکھوں کو مل ڈالو
ہوائے انقلاب آنے کو ہے ہندوستاں والو

اسی طرح جمیل مظہری نے اپنی نظم "مزدور کی بانسری" میں انقلاب کی یوں پیش گوئی کی ہے۔

بازارِ تمدن بھی ان کا، دنیائے سیاست بھی انکی
مذہب کا ادارہ بھی انکا، عادل کی عدالت بھی انکی
پابند ہمیں کرنے کے لئے تدبیریں نکالی جاتی ہیں
قانون بنائے جاتے ہیں زنجیریں ڈھالی جاتی ہیں
پھر بھی آغاز کی شوخی میں انجام دکھائی دیتا ہے
ہم چپ ہیں لیکن فطرت کا انصاف دکھائی دیتا ہے
منظر کی کدورت دھو دے گا، دھرتی کی پیاس بجھائیگی
موسم کے اشارے کہتے ہیں یہ بدلی کچھ برسائے گی
یہ ابر جو گھر کر آتا ہے گر آج نہیں کل برسے گا
سب کھیت ہرے ہو جائیں گے جب ٹوٹ کے بادل برسے گا

اسرار الحق مجاز نے اپنی نظم "انقلاب" میں سرخ آندھی کے بارے میں پیش گوئی کی ہے۔

آ رہے ہیں جنگ کے بادل وہ منڈلاتے ہوئے
آگ دامن میں چھپائے خون برساتے ہوئے
ختم ہو جائے گا یہ سرمایہ داری کا نظام
رنگ لانے کو ہے مزدوروں کا جوشِ انتقام
کوہساروں کی طرف سے سرخ آندھی آئے گی
جا بجا آبادیوں میں آگ سی لگ جائے گی

حامد اللہ افسر میرٹھی نے بھی طلوعِ خورشیدِ نو[۹] کی اطلاع دی ہے۔

اس کے مشرق سے پھر ظاہر سحر ہونے کو ہے
آفتابِ عافیت پھر جلوہ گر ہونے کو ہے
فرق مٹ جانے کو ہے انسان اور انسان کا
وحدتِ اقوامِ عالم جلوہ گر ہونے کو ہے
مل رہا ہے خاک میں خشتِ روایاتِ قدیم
مطلعِ خورشیدِ نو پر بام و در ہونے کو ہے

اسی طرح جاں نثار اختر نے انقلاب روس سے ایک "سویرا" کے آنے کی خبر دی ہے۔

تاریک افق کے ماتھے سے صدیوں کی سیاہی چھوٹ گئی
ظلمات کا سینہ چاک ہوا، لو سانس بھی شب کی ٹوٹ گئی
لو صبح کی پو بھی پھوٹ گئی
افلاس کی بے رنگ آنکھوں میں امید کی لالی چھانے لگی
مزدور کے سادہ ماتھے پر گل رنگ شفق لہرانے لگی
رنگین کرن بل کھانے لگی
اک اور نظارا جاگ اٹھا، اک اور سماں بیدار ہوا
اک اور زمیں، اک اور فلک اک اور جہاں بیدار ہوا
گل رنگ نشاں بیدار ہوا

اسی طرح اردو نثر پر بھی روس کے انقلاب کا نمایاں اثر پڑا۔ لینن اور انقلاب روس اور اشتراکیت پر بہت سارے مضامین، ناول اور افسانے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔ کرشن چندر کا مضمون " لینن کی تصویر سے تصوراتی بات چیت" ایک ادبی شہ پارہ ہے۔ انقلاب روس اور اشتراکیت کے زیر اثر پریم چند، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی وغیرہ نے متعدد افسانے اور ناول لکھے۔

اردو ادب پر عظیم اکتوبر انقلاب کے اثر کی بابت لکھتے ہوئے محمد حسن یوں رقمطراز ہیں :

"عظیم اکتوبر انقلاب تاریخ کی پوشیدہ طاقتوں پر ایک نئے سماجی نظام کی فتح ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ جس نے ساری دنیا میں سامراجیت اور سرمایہ داروں کے خلاف جد و جہد کرنے والے پسماندہ اور استحصال کے شکار لوگوں کو بھائی چارگی کے رشتہ میں باندھ دیا۔"

"ایشیا میں اور خاص طور پر ہندوستان میں ادب پر اکتوبر انقلاب کے تین طرح کے اثرات پڑے۔"

"پہلا، اس سے زندگی کے جو ابہام اور احتمال سے بھری ہوتی ہے، سائنسی مزاج اور ترقی پذیر نظریہ میں اعتماد پیدا کیا۔"

دوسرا یہ کہ اس نے اس بات کو کہ بورژوائی اور سامراجی طاقتیں ناقابلِ تسخیر ہیں، غلط ثابت کر دکھایا اور غلام ملکوں کے مظلوم لوگوں کو جدوجہد آزادی میں فتح کی یقین دہانی کرائی اور تیسرا یہ کہ اس نے دنیا کا ایک نیا سائنسی تصور پیش کیا کہ انسانیت کا مستقبل مزدوروں اور کسانوں کے ہاتھوں میں ہے کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ یہی لوگ انسانی ترقی کی سربراہی کریں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت تاریخ کے دھارے کو نہیں موڑ سکتی۔

اردو ادب کی روح میں اکتوبر انقلاب رچ بس گیا۔ یہ صرف ایک دور دراز کے ملک کا واقعہ نہ تھا بلکہ اپنے ہی گھر میں اور ملک میں اس کے دھماکے کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس نے ادبی سوجھ بوجھ، تصورات اور قدروں میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کر دیں اور انہیں سائنسی اور سماجی حقائق کی راہ پر گامزن کر دیا۔ اس نے ادب میں ایک عظیم سماجی فرض کو اجاگر کیا، ایک ایسا فرض جسے سماجی تبدیلی لانے کیلئے روبہ عمل لانا ضروری ہے اور جسے بنی نوع انسان کی نجات کے لئے موثر کردار ادا کرنا ہے۔

اردو کے مشہور ادیب قمر رئیس نے بھی انقلاب روس کے سلسلہ میں یوں کہا:

"اس عظیم واقعہ کے پیچھے اشتراکیت کے محرک نصب العین اور عوامی بیداری کی لہر ہے۔ اکتوبر انقلاب کے فوراً بعد ہی اردو ادب پر بھی اس کا اچھا خاصا اثر پڑا اور بہت سارے نوجوان شاعر اور ادیب اس سے متاثر ہوئے۔ سیاسی اور سماجی مفکروں، شاعروں اور ادیبوں نے اشتراکیتی سوچ و چار کو فروغ دینا شروع کر دیا۔ بہت سارے نوجوان اردو شاعروں اور ادیبوں نے معاشی اور سماجی مساوات پر اپنے اعتقاد کو مرکوز کر دیا اور اس طرح ان میں قومی آزادی کیلئے جوش و خروش پیدا ہوا۔"

عزیز لکھنوی اردو کے بڑے مشہور شاعر تھے۔ انہوں نے اکتوبر انقلاب پر بہت ساری نظمیں لکھیں اور شائع کیں۔ ۱۲ جنوری ۱۹۱۸ء کو انہوں نے ایک نظم لکھی تھی جس کا متن یوں ہے:

"گرے ستارے اب چمک رہے ہیں تمہاری تیز آنکھیں اپنی تاریکی میں دیکھ سکتی ہیں۔ روسی پیغام کو سنو۔ اتحاد تمہارے لئے نجات لا سکتا ہے کیوں کہ اتحاد نے ہی روس کے لئے نجات لائی۔"

ہندوستان کے دیگر علاقوں کے ادب پر لینن اور انقلاب روس کا اچھا خاصا اثر پڑا۔ تامل ادیب جیسے سبرامنیم بھارتی اور وینکٹا رامن نے اپنے مضامین میں اشتراکیت اور سماجی رفاہ کے تصورات پر روشنی ڈالی۔ کشمیری ادیب جیسے دینا ناتھ ندیم اور عبدالاحد آزاد نے بھی کشمیر کے مظلوم اور پسماندہ لوگوں کی زندگی اور ثقافت کو اپنے مضامین میں اجاگر کیا۔ ✽✽

باقی صفحہ ۸ کا

کرنے پڑے۔ ان فسادات کے سلسلہ میں شریمتی اندرا گاندھی نے ہندوستان کی تشویش کا اظہار کیا۔ پھر ۱۰ تا ۱۲ اپریل ۱۹۸۳ء کو نئی دہلی میں سری لنکا کے صدر کے بھائی مسٹر ہیکٹر جیا وردینے نے شریمتی گاندھی سے ملاقات کی۔ شریمتی گاندھی نے پارلیامنٹ میں ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سری لنکا نے اس مسئلہ کے تشفی بخش حل تلاش کرنے کے لئے ان کی پیش کش کو قبول کر لیا ہے۔

۲۷ ستمبر ۱۹۸۳ء کو شریمتی گاندھی نے اپنے زیر صدارت سی، ایچ، او، جی، ایم کا افتتاح کیا۔ ۹ تا ۱۲ دسمبر ۱۹۸۳ء میں دہلی میں واسطہ کی بابت منعقدہ ناوابستہ ملکوں کی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ ۵ جون ۱۹۸۴ء میں انہوں نے پنجاب میں دہشت پسندوں کا مقابلہ کرنے کیلئے فوجی اقدامات کئے۔

اس کے بعد شریمتی گاندھی نے ۱۹۸۵ء میں ہونے والے لوک سبھا انتخابات کیلئے ملک کا دورہ کرنا شروع کر دیا۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو اڑیسہ میں دو دن کے دورہ کے لئے گئیں۔

پھر ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو صبح کے تقریباً سوا نو بجے ان کے گھر میں جب وہ اپنے کمرے سے نکل کر باہر باغیچہ ہوتے ہوئے دوسری عمارت کی طرف ایک انٹرویو دینے کیلئے جا رہی تھیں تو ان کے دو ذاتی باڈی گارڈوں نے انہیں ریوالور اور بندوق کی گولیوں سے ہلاک کر دیا۔ ✽✽✽

غزل

ایم۔ کے۔ اثر
کلکتہ

نئے مکاں کے اندر ہے کون ہے کیوں ہے
سلگتے جسم کا منظر ہے کون ہے کیوں ہے

سوال میں ہوں ؟ مرا ڈر ہے ؟ کون ہے کیوں ہے
اداس میں ہوں ! مرا گھر ہے ! کون ہے کیوں ہے

سوال لفظوں میں پیوست ہوگیا ہے غلط
کہ سر بہ سر کوئی خنجر ہے ؟ کون ہے کیوں ہے

چلو کہ دیکھ لیں چل کر وہ چاہتا کیا ہے
کہ اس کے ہاتھ میں خنجر ہے ؟ کون ہے کیوں ہے

ہر ایک شخص ہے اپنے مکان سے باہر
مرے مکان کے اندر ہے کون ہے کیوں ہے

ہزار موجوں سے پتھر کو ہے بچاتے ہوئے
کہ جسم جسم سمندر ہے کون ہے کیوں ہے

مرے نشاط کا مفہوم جاننے کے لئے
خود اپنی ذات میں ششدر ہے کون ہے کیوں ہے

صلیب اپنی اٹھائے سڑک سے گزرا ہے
مری طرح یہ پیمبر ہے کون ہے کیوں ہے

وہ سر اٹھائے کھڑا ہے اداس سورج ہے
کہ اپنے عکس کے اندر ہے کون ہے کیوں ہے

منشی پریم چند

صفدر علی خاں خوشی

پہلا ترقی پسند ادیب

قبل اس کے کہ ہم منشی پریم چند اور ان کے ترقی پسند ادب کا جائزہ لیں قاری کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ترقی پسند ادب کیا ہے؟ ترقی پسند ادب کس کو کہتے ہیں؟ یا ایسا ادب جو کسی خاص نظریہ یا اصول کا پابند ہو اور اس کی تشہیر کرتا ہو اس پر ترقی پسندی کی مہر ثبت کر دینی چاہئے؟ کیا شعرا کی بات نہیں ہے، ورنہ ترقی پسندی کا یہ مفہوم ہے کیونکہ سید احتشام حسین مانتے ہیں کہ اگر وہ (ترقی پسندی) کسی بندھے ٹکے اصولوں کے ماتحت ہر شے کا فیصلہ کر دیتی ہے یا اگر وہ ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانک دیتی ہے تو ہم ترقی پسند ادب کیا ہے۔

ترقی پسند ادب [illegible] زندگی کا ترجمان ہو۔ زندگی کی حقیقت آفرینیوں سے [illegible] زندگی کے روشن اور تاریک پہلوؤں پر روشنی ڈالے، اپنے معاشرہ کی خامیوں سے [illegible] ان کو دور کرنے کی تجویز کرے کیونکہ ادب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ زندگی کے راستوں پر روشنی ڈالے۔ حیات کے بکھرے اجزاء سے موزوں نقشہ تیار کرے۔

اب ہمیں پریم چند کے ادب کو اسی زاویے سے دیکھنا ہے کہ کیا وہ اس معیار پر اترتا ہے یا نہیں؟ مگر اس سے پہلے پریم چند سے متعلق دور اور اس ماحول کا سرسری جائزہ لینا بہتر ہوگا۔

پریم چند کو بیسویں صدی کے ابتدائی اور انیسویں صدی کے آخری دور کا انسان سمجھنا چاہئے۔ ان کے شعور کی تشکیل میں ان اصلاحی تحریکوں کا ہاتھ تھا جن کی ابتدا غدر کے کچھ دنوں پہلے ہو چکی تھی اور جو بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں پھل پھول لا رہی تھی۔ وہ ایک دیہات کے رہنے والے تھے۔ نچلے متوسط طبقے کا ایک خاندان ان کا گہوارہ تھا۔ تحصیلِ علم کی آسانیاں ان کو میسر نہ تھیں۔ انہیں خود اپنا راستہ ڈھونڈنا، فطرت کے تیور پہچاننا اور مصیبتوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ انہیں کشمکشِ حیات کے سمندر میں کودنا اور زندہ رہنے کے لئے جد و جہد کرنا تھا۔ سیاسی اور سماجی حیثیت سے بیسویں صدی کے ابتدائی دور کا ہندوستان نہ تو وہ زوال آمادہ اور انحطاط پذیر ہندوستان تھا جو انیسویں صدی کے وسط میں تھا اور نہ وہ ہندوستان جو خود اعتمادی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہو۔ امکانات کی بکھری ہوئی زنجیر کی کڑیاں جوڑنے والوں کی منتظر تھیں اور ہر شخص اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق سرمایۂ خیال جمع کر سکتا تھا۔ [illegible] اس دور کے لکھنے والوں کا رومانی بن جانا بھی ممکن تھا اور حقیقت پسند بھی۔ لبرل (LIBERAL) بھی بن جانا ممکن تھا اور کانگریسی بھی۔ انسان فرقہ پرست بھی بن سکتا تھا اور متحدہ قومیت کا حامی بھی، برطانوی حکومت کا ساتھی بھی ہو سکتا تھا اور مخالف بھی۔"

(احتشام حسین)

چنانچہ پریم چند نے ہندوستان کی اسی الجھی ہوئی دنیا کو اپنی ذہانت، خلوص اور وسیع النظری سے سمجھنے کی کوشش کی۔ اس وقت ہندوستانی زندگی پر ایک دو جگہ نہیں، ہزاروں جگہ ناسور تھے۔ پریم چند نے جب ایک سچے اور حساس ادیب کی حیثیت سے ان تمام ناسوروں کو دیکھا تو درد سے تلملا گئے اور اپنے افسانوں اور ناولوں میں ان ناسوروں پر

مرہم رکھنا شروع کیا۔ سماجی اور اخلاقی پستی، علم و ہنر کی بے قدری، عصمت فروشی، اللہ کے نام کا سودا، تعلیم کی ابتری، کچلی ہوئی غریبی، بے کاری، دھوکا فریب، مکر و ریا، محبت کے کھوٹے سکوں کا چلن، اور نہ جانے کتنی برائیاں تھیں جن پر پریم چند کی نگاہ ایک ساتھ گئی اور انہوں نے اپنی تخلیقات میں ہندستانی اور انسانی زندگی کے ان تمام دکھ بھرے پہلوؤں کی ترجمانی کی۔ چنانچہ دموت، آخری تحفہ، بڑے بابو، تالیف، ستیہ گرہ اور بازارِ حسن میں وہ انہی باتوں کے ترجمان نظر آتے ہیں۔

پریم چند کی تخلیقات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی نگاہ دور بین تھی اور وہ ہمیشہ حقیقت پسند رہے۔ انہوں نے کہیں بھی اس حقیقت سے گریز نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان پہلوؤں کے ترجمان ہیں جو غلامی پر آزادی کو، قدامت پرستی پر اصلاح کو، تنگ نظری پر بلند نگاہی کو، طبقاتی جبر و ظلم پر انصاف و مساوات کو، سامراج یا آمریت پر جمہوریت کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی کبھی کشمکش نے طبقاتی اختلاف کی شکل اختیار کرلی ہے وہاں انہوں نے زبردست اور ظالم طبقے کے مقابلے میں محکوم اور کمزور طبقے کی طرف سے آواز بلند کی ہے۔ مہاجنی رواج میں انہوں نے سرمایہ داری کے غیر انسانی رویے اور لوٹ کھسوٹ کی پورے جوش سے مذمت کی ہے لیکن ساتھ ہی وہ انصاف پسند اور حقیقت بین ادیب کی طرح محض مذمت کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس برائی کو دور کرنے کا ذریعہ بھی بتاتے ہیں۔ گرچہ پریم چند کی ہمدردی زیادہ تر ہندستان کے کسانوں کے ساتھ تھی مگر یہ کہنا سراسر بے جا ہوگا کہ انہوں نے دوسرے طبقہ کی ترجمانی نہیں کی ہے بلکہ ان کی تخلیقات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ پریم چند مالک اور مزدور ہر دو طبقہ کے باہمی میل جول کے خواہاں تھے۔ انہوں نے جہاں مالکوں کی بدمنوایوں اور جور و ظلم کے خلاف ان پر نفرین کی ہے وہیں مزدوروں کو ان کی بے راہ روی پر بھی ٹوکا ہے۔ چنانچہ گئودان اور چوگان ہستی اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔

گئودان کا مطالعہ کرنے والا اپنے مطالعہ کے دوران اس بات کو نظر انداز نہیں کرسکتا کہ یہ ناول اس عہد کا ترجمان ہے۔ اس وقت کے مروجہ نظام کو پیش کرتا ہے اور اس دور کے تلخ حقائق کی عکاسی کرتا ہے جس کا تعلق بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے ہندوستان سے تھا۔ یہ دور آزادی سے قبل کا ہے جب آزادی کی جد و جہد تیز ہونے کی وجہ سے ہندستان کی عوامی زندگی کی وہ خصوصیتیں ابھر کر نگاہوں کے سامنے آگئی تھیں جن کا حسن اور گھناؤنا پن ہر حساس شخص کو اپنی طرف متوجہ کرسکتا تھا۔

"یہ تم روز روز مالکوں کی خوشامد کرنے کیوں جاتے ہو۔ لگان نہ چلے تو پیادہ آکر گالیاں سناتا ہے۔ بیگار دینی ہی پڑتی ہے۔ نذر نذرانہ سب تو ہم سے ہی بھرایا جاتا ہے۔ پھر کسی کو کیوں سلامی کرو؟"

یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو نسلوں کی آواز۔ ایک بوڑھی اور تھکی ہوئی۔ دوسری جوان اور پُرجوش اور حقیقت بھی یہ ہے کہ پریم چند نے سیاسی حالات پر کسان سبھا اور آزادی کی تحریک کا ذکر کئے بغیر تقدیر پرست کسان اور روایتی محکوم کی مٹتی ہوئی نسل اور بہتر مستقبل کے لئے جد و جہد کرنے والے کسان کی ابھرتی ہوئی نسل کو بڑی خوش اسلوبی سے پیش کر دیا ہے اور گو دوسرا پہلو نمایاں نہیں ہے پھر بھی اسکی طرف اشارے مل جاتے ہیں۔

پریم چند کے نزدیک ہندستان کی آزادی کا نصب العین صرف انگریزوں کو ہندستان سے نکالنا نہیں تھا بلکہ ان کے سامراجی اقتدار کی استحصالی مشین کے ان پرزوں کو بھی نکالنا تھا جو گاؤں میں بسنے والے اسّی فیصدی غریبوں کا خون چوس رہے تھے۔

گئودان میں دیہاتی زندگی کے تاثر کو ابھارنے اور اس مجموعی فضا کو پیش کرنے میں پریم چند نے شہری زندگی بھی پیش کی ہے۔ اس طرح شہری اور دیہاتی زندگی کے بے شمار کردار اور ان گنت واقعات گئودان میں اس خوبی سے رونما ہوتے ہیں کہ زندگی کی وسعت اپنی پوری رنگا رنگی کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اس طرح پریم چند گاؤں اور شہر کی زندگی کا تضاد ہی نہیں دکھاتے، ان کے تضاد و تصادم کے پیچھے جو اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی محرکات کام کر رہے تھے ان کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ غرض انہوں نے ہندستانی زندگی کو اس کے سارے سماجی اور معاشی

(باقی صفحہ پر)

تبصرہ

نام کتاب	:	"تحقیق اور تنقید"
مصنف	:	ڈاکٹر جاوید نہال
ناشر	:	ادیب پبلی کیشنز، کلکتہ
ملنے کا پتہ	:	۳۸- رپن لین - کلکتہ ۱۶
قیمت	:	۲۱ روپئے

"تحقیق اور تنقید" ڈاکٹر جاوید نہال کی ابتدائی دس سالہ تحقیقی و تنقیدی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مجموعہ میں مختلف موضوعات پر لکھے گئے کل گیارہ تحقیقی و تنقیدی مضامین ہیں جو کل ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہیں۔

زیر نظر کتاب میں مصنف کا لکھا ایک مختصر سا تعارف ہے اور فرزند مصنف اقبال جاوید ایم۔ اے کا تحریر کردہ ایک "عرض حال" بھی ——— جس میں خاندان کے فرد فرد کی تعلیم و مشغلہ کی داستان ہے۔ کتابت اچھی ہے، طباعت معمولی اور قیمت مناسب ہے۔

شامل کتاب کچھ مضامین مثلاً "مسجد قرطبہ: اقبال کی شاہکار نظم" "میر انیس کی رزمیہ شاعری" "بہار دانش اور فسانۂ عجائب" "غالب کا کلکتہ سے رشتہ" اور "غنچۂ ارم" تخلیقی مضامین سے زیادہ نصابی اور درسی معلوم ہوتے ہیں ——— باوجودیکہ یہ قابل مطالعہ ہیں۔

مضمون "ترقی پسند تحریک اور بنگال کا اردو ادب" معلومات افزا ہے۔ اس کے مطالعہ سے مغربی بنگال کے اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے آغاز و ارتقا کی تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ویسے اس عنوان کے تحت مزید لکھنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ موجودہ صدی میں "بنگال کی اردو شاعری" کی تخلیق میں تن آسانی سے کام لیا گیا ہے۔ مضمون کی تمہید میں جو حصہ آتا ہے اسے مصنف کی پہلی کتاب "انیسویں صدی میں بنگال کا اردو ادب" کے ایک حصے کی بدلی ہوئی شکل کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ شعرائے مغربی بنگال کے انتخاب اور ان کی شاعری کے تجزیے کے معاملہ میں بھی بے احتیاطی اور غیر ذمہ داری سے کام لیا گیا ہے، جانبداری کی وجہ سے مضمون معیاری کہلانے سے قاصر ہے۔ جانبداری میں طرز نگارش بھی روایتی ہو گئی ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری اور افسانہ نگاری سے متعلق بھی دو مضامین شامل کتاب ہیں۔ جو اردو داں طبقہ کے لئے قابل مطالعہ اور معلوماتی ہیں۔ ان مضامین میں قابل گرفت بات یہ ہے کہ مضامین کی تکمیل کے سلسلہ میں معاون کتابوں اور ذرائع کے حوالے اور حواشی شامل تحریر نہیں ہیں۔

"وحشت کا فن" وحشت کلکتوی پر لکھے گئے چند اچھے مضامین میں سے ایک ہے۔ زیر بحث مضمون میں 'عنوان' "وحشت کا فن" کے بجائے صرف "وحشت" زیادہ موزوں ہوتا، وگرنہ عنوان کے تحت مضمون کے ساتھ ناانصافی کا احساس ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں جو مضمون تنقید کے معیار پر زیادہ اترتا ہے وہ ہے "علیم الدین احمد کا اسلوب"۔ اس مضمون میں مصنف کی بھاری بھرکم شخصیت کے خدوخال نظر آتے ہیں۔ جدید اسلوب نثر کے سلسلے میں اردو نثری ادب کا احاطہ قابل مطالعہ ہے۔

فنی و فکری اعتبار سے اگرچہ کتاب میں شامل کچھ مضامین اعلیٰ معیار پر نہیں اترتے تاہم یہ کتاب قابل قدر ہے کہ یہ مغربی بنگال کی شعری پسند سرزمین میں، جہاں تحقیق اور تنقید خال خال ہیں، اردو تحقیق اور تنقید کو پنپنے میں ممد و معاون ثابت ہوگی اور اس کا مطالعہ نئے لکھنے والوں میں تنقیدی ادب کی تخلیق کا جذبہ پیدا کرے گا۔

ایسی بامقصد کتاب کے مطالعہ کی ضرورت صرف شعراء و ادباء کو ہی نہیں بلکہ اردو سے تعلق رکھنے والے تمام طلباء، اساتذہ اور اہل ذوق حضرات کو بھی ہوگی۔

ڈاکٹر جاوید نہال اور بالخصوص اقبال جاوید اس کتاب کی طباعت و اشاعت پر اردو دوستوں کی مبارکباد کے مستحق ہیں÷÷

مصطفےٰ اکبر

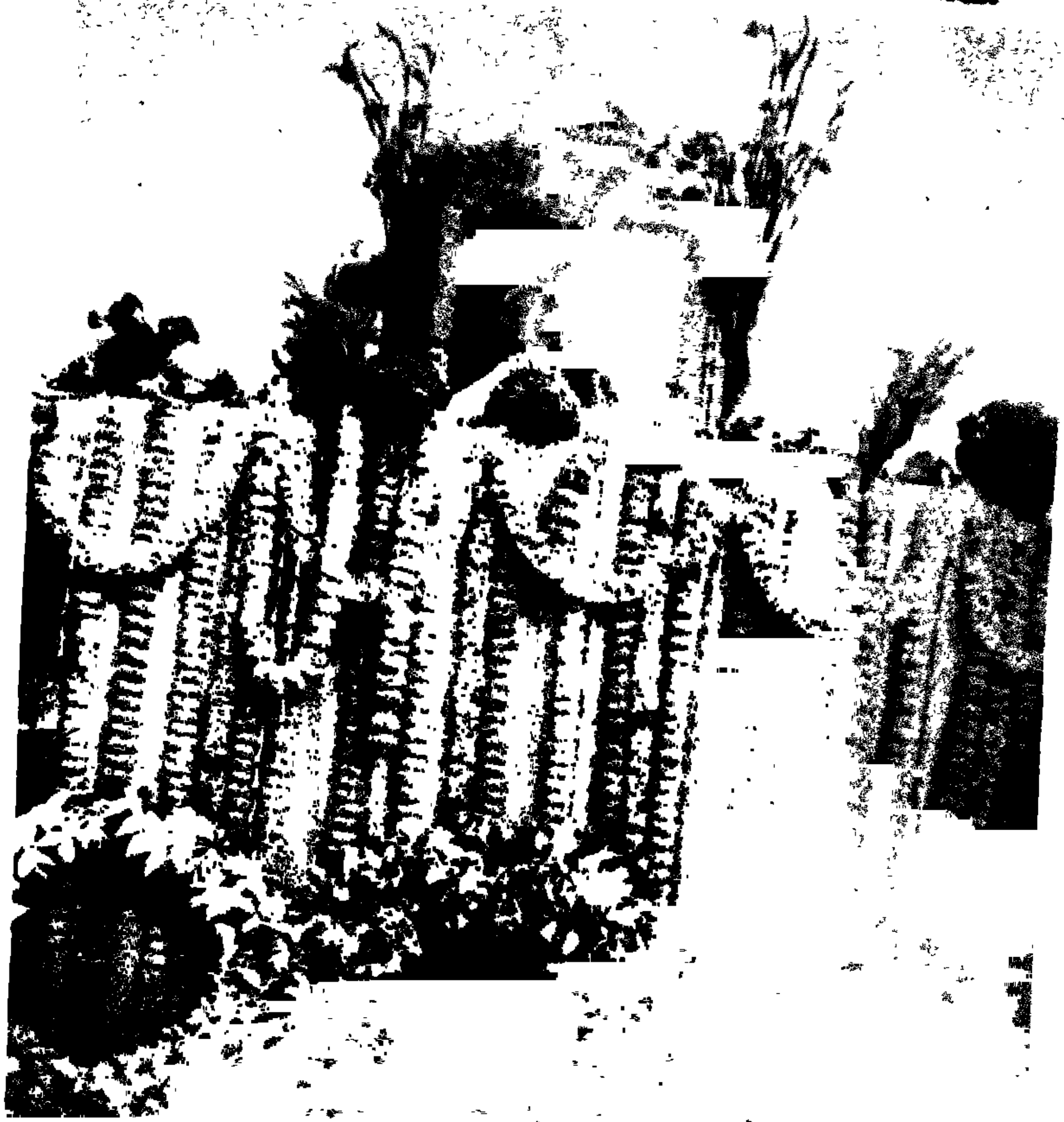


روسی کسانوں اور مزدوروں کی فوج۔ اکتوبر انقلاب سے قبل۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T
Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
15 NOVEMBER 1984

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 31 No. 24
PRICE 25 Paise



آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کی استھی (راکھ) کلکتہ بریگیڈ پریڈ گراؤنڈ میں لاکھوں لوگوں نے
انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔



پندرہ روزہ — کلکتہ

مغربی بنگال

★ مدیر اعلیٰ: پرتین بھٹاچاریہ ★ مدیر: دھریندرا ناتھ دت ★ مدیر معاون: محمد اعظم

جلد نمبر ۳۱ ★ یکم اور ۱۵ دسمبر ۱۹۸۴ء ★ شمارہ نمبر ۲۲ اور ۲۳

شرح خریداری: سالانہ ——— تین روپئے ——— اس خصوصی شمارہ کی قیمت: ۳۰ پیسے

ترسیل زر کا پتہ: بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، ۲۳-آر این مکرجی روڈ، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

اس شمارہ میں

مضامین

نظمیں

تصویریں بشکریہ: فن اور شخصیت، فیض نمبر، نرگس پبلیکیشن، بمبئی اور مغربی بنگال اردو اکیڈمی، کلکتہ

خوابِ بسیرا

فیضؔ نے یہ نظم دورانِ علالت میو اسپتال لاہور میں ۸۳ء میں لکھی تھی

اس وقت تو یوں لگتا ہے اب کچھ بھی نہیں ہے
مہتاب، نہ سورج، نہ اندھیرا، نہ سویرا!
آنکھوں کے دریچوں میں کسی حُسن کی جھلکن
اور دل کی پناہوں میں کسی درد کا ڈیرا!
ممکن ہے کوئی وہم تھا ممکن ہے سُنا ہو
گلیوں میں کسی چاپ کا اک آخری پھیرا
شاخوں میں خیالوں کے گھنے پیڑ کی شاید
اب آ کے کرے گا نہ کوئی خواب بسیرا
اک بَیر، نہ اک مہر، نہ اک ربط، نہ رشتہ
تیرا کوئی اپنا نہ پرایا کوئی میرا

مانا کہ یہ سنسان گھڑی سخت کڑی ہے
لیکن مرے دل یہ تو فقط ایک گھڑی ہے
ہمت کرو جینے کو ابھی عمر پڑی ہے

پھول مرجھا گئے خوشبو کا سفر جاری ہے

از : ——— محمد اعظم

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

اور ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں رکھنے والے فیض آج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

۱۹ر نومبر ۱۹۸۴ء کو فیض صاحب اپنے آبائی گاؤں سے جب لاہور جا رہے تھے تو ان پر دل کا دورہ پڑا اور بعد ۲۰ر نومبر کی سہ پہر کو ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور اس طرح اردو ادب کا روشن ماہتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

فیض احمد خاں فیض ۱۳ر فروری ۱۹۱۱ء کو سیالکوٹ کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد سلطان محمد خاں اپنے وقت کے مشہور بیرسٹر تھے۔ ان کے دادا صاحبزادہ خاں اور نانا عدالت خاں تھے۔ ان کے تین بھائی اور چھ بہنیں ہیں۔ بڑے بھائی طفیل احمد خاں کا ۷ار جولائی ۱۹۵۲ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کے دوسرے بھائی میجر عنایت احمد خاں اور تیسرے بھائی جناب بشیر احمد خاں ہیں اور بہنیں بیگم شجاع الدین، بیگم حمید، بیگم نجیب اللہ خاں، بیگم اعظم علی اور رشیدہ سلطانہ ہیں۔

فیض صاحب نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور یونیورسٹی سے ۱۹۳۱ء میں بی۔ اے آنرز (عربی)، ۱۹۳۳ء میں ایم۔ اے (انگریزی) اور ۱۹۳۴ء میں ایم۔ اے (عربی) کیا۔



یادر وار کا شاعر
فیض احمد فیض

اپنے طالب علمی کے زمانے میں وہ لاہور کی ایک ادبی سوسائٹی "زندہ دلان لاہور" میں شامل ہو گئے۔ یہاں انہیں جناب پطرس بخاری، مولوی محمد شفیع، جناب مجید ملک، سالک اور دیگر مشہور و مایہ ناز ادیبوں اور شاعروں کی قربت حاصل ہوئی اور ان سے انہوں نے بہت فیض حاصل کیا۔ اس سوسائٹی کے رسالہ "کاروان" کے پہلے شمارہ میں فیض کی ایک نظم شائع ہوئی جسے قارئین نے بہت پسند کیا۔

سنہ ۱۹۳۵ء میں ایم۔اے۔او کالج، امرتسر میں انگریزی کے لکچرار کی حیثیت سے آپ کی تقرری ہوئی۔ اس کالج کی فضا انہیں راس آئی۔ اس کالج کے بہت سارے اساتذہ انقلابی تخیلات سے سرشار تھے۔ ان کی صحبت سے وہ کافی مستفید ہوتے۔ اس وقت ان کے اپنے صوبہ پنجاب میں لوگوں کی خستہ حالی اور غربت نے ان کے تصورات کو جلا بخشی۔ وہاں انہوں نے رائج معاشی نظام میں صرف مٹھی بھر سرمایہ دار لوگوں کی جمع پونجی کے چاروں طرف غربت اور افلاس کا جم غفیر دیکھا۔ اس منظر نے ان کے دل میں سرمایہ دارانہ نظام سے نفرت پیدا کر دی اور ان کے دل میں محنت کشوں کے لئے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوا۔

۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۴۱ء کو ایک لندن نژاد جرمن خاتون ایلس کیتھرین جارج سے انکی شادی ہوئی۔ انکی بیوی کا نام اب ایلس فیض ہے۔ ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ پہلی بیٹی سلیمہ سنہ ۱۹۴۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئی۔ ابھی وہ کالج آف آرٹس، لاہور میں پڑھاتی ہیں۔ دوسری لڑکی منیزہ سنہ ۱۹۴۵ء میں بمقام شملہ پیدا ہوئی۔ یہ اب پاکستان کے ٹیلی ویژن میں پروڈیوسر ہے۔ بڑے داماد شعیب ہاشمی اور چھوٹے داماد ہمیر ہاشمی آپس میں سگے بھائی ہیں۔

سنہ ۱۹۴۱ء سے سنہ ۱۹۴۲ء تک آپ لاہور کے "ہیلے کالج" میں لکچرار مقرر ہوئے۔ اس عرصہ میں جب درس و تدریس کو انہوں نے بطور پیشہ اپنایا تھا، امرتسر میں ڈاکٹر محمود الظفر اور جناب رشید جہاں سے ان کا ربط ضبط قائم ہوا اور یہاں سے ہی سائنسی اشتراکیت کی طرف ان کا سفر شروع ہوا۔ انہوں نے سیالکوٹ اور لاہور میں ٹریڈ یونین کے مورچہ پر عملی جدوجہد میں حصہ لینا شروع کیا۔ ہاجرہ بیگم اور دوسرے کمیونسٹ رہنماؤں کے ساتھ انہوں نے ریلوے اور ڈاک و تار کے مزدوروں کو منظم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس عرصہ میں دوسری عالم گیر جنگ بام عروج پر تھی، اس وقت آپ نے فاشزم سے اپنی نفرت کا اظہار کرنے کے لئے فوج میں ملازمت کر لی۔ آپ مرکزی وزارت دفاع کی شاخ نشر و اشاعت میں بحیثیت لفٹننٹ کرنل کے عہدے پر فائز ہوئے اور پھر اسی عہدے پر ریٹائر کیا۔

پھر جب ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو برصغیر ہندوستان آزاد ہو گیا تو انہیں ایک دھچکا سا لگا کیوں کہ اس برصغیر کو انگریزوں نے دو حصوں میں منقسم کر دیا تھا — ایک ہندوستان اور دوسرا پاکستان۔ اس موقع پر انہوں نے ایک نظم "صبح آزادی" (اگست سنہ ۴۷ء) لکھی جس میں انہوں نے اس تقسیم اور آزادی پر یوں تبصرہ کیا ؎

> یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
> وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
> یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
> چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
> فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
> کہیں تو ہوگا شب سست موج کا ساحل
> کہیں تو جا کے رکے گا سفینۂ غم دل

آزادی کے بعد وہ پاکستان چلے گئے اور سنہ ۱۹۴۷ء میں "پاکستان ٹائمز" انگریزی اخبار میں شامل ہو گئے اور بعد میں اس کے ایڈیٹر بن گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ فیض صاحب نے اردو اخبار "امروز" کی ادارت کی بھی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ صحافت کے میدان میں ایک شاعر کا یہ نمایاں کارنامہ ہے۔

چوں کہ فیض صاحب ساری دنیا میں امن، سامراج دشمنی اور سماج کی ترقی کے ایک مجاہد بن چکے تھے اس لئے ۹ مارچ سنہ ۱۹۵۱ء میں انہیں پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی کے اس وقت کے جنرل سکریٹری اور ترقی پسند ادبی تحریک کے رہنما جناب سجاد ظہیر

(بنتے بھائی) اور بعض اعلیٰ فوجی عہدہ داروں کے ساتھ ایک فرضی "راولپنڈی سازش" کیس میں گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے مارچ ۱۹۵۱ء سے اپریل ۱۹۵۵ء تک اپنے دیگر سیاسی بھائیوں کے ساتھ سرگودھا، لائل پور، حیدرآباد (سندھ) اور منٹگمری کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اسی دوران ان کی اہلیہ اور بیٹیوں کو بھی بہت ساری مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حیدرآباد (سندھ) جیل میں انہوں نے اپنی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ "دستِ صبا" مرتب کیا۔ زنداں میں ہی انہوں نے اور بھی بہت ساری نظمیں لکھیں جنہیں "زنداں نامہ" کے عنوان سے کتابی شکل میں ۱۹۵۶ء میں شائع کیا۔ چونکہ انہیں جیل میں فرصت ہی فرصت تھی اس لئے فرصت کے ان لمحات میں انہوں نے بہت سارے تنقیدی مضامین بھی لکھے اور انہیں "میزان" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا۔ ۱۹۵۵ء میں قید سے رہائی کے بعد انہیں لاہور میں ان کے مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ گھر میں اکیلے رہنے کے دوران انہوں نے اور بھی نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ پھر انہیں ایک سال سے کچھ کم عرصہ میں جیل میں زیرِ حراست رکھا گیا۔ لیکن مارشل لا کا دور بھی ان کے قلم کو روک نہ سکا اور انہوں نے یہ نظم لکھی :

"چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے"

اس کے بعد وہ کراچی میں عبداللہ ہارون کالج کے پرنسپل بن گئے اور کئی برسوں تک انہوں نے یہاں خدمات انجام دیں اس کے بعد انہوں نے ملازمت کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا۔

فیض صاحب چونکہ اجتماعی جد و جہد کے ادراک کو اور اس جد و جہد میں شرکت کو زندگی کا ہی نہیں بلکہ فن کا بھی تقاضا سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے دنیا کے بہت سارے ملکوں جیسے ہندستان، روس، انگلستان، امریکہ، کیوبا، لبنان، ہنگری، الجیریا، مصر وغیرہ کا بار بار دورہ کیا۔

ہندستان میں آپ کئی بار آئے۔ ۱۹۴۸ء میں جب ہندستان اور پاکستان ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے، آپ مہاتما گاندھی کی میت میں شرکت کرنے کے لئے لاہور سے دہلی آئے۔ اس کے بعد آپ نے ۱۹۶۵ء میں بمبئی کے مشاعرہ میں شرکت کی۔ پھر



فیض احمد فیض اپنی اہلیہ ایلس فیض اور اپنی دونوں بیٹیوں، سلیمہ اور منیزہ کے ساتھ

۱۹۷۸ء میں انہوں نے تین مہینے تک ہندستان کا دورہ کیا۔ اپریل ۱۹۸۰ء میں افرو۔ایشیائی یک جہتی کانفرنس کی سکریٹریٹ کی میٹنگ کے سلسلے میں وہ پھر ہندستان آئے۔ اس موقع پر آپ کلکتہ بھی تشریف لائے۔ کلکتہ میں بائیں محاذ حکومت کی طرف سے مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے ۲۸ اپریل ۱۹۸۰ء کو کلکتہ کے پارک سرکس میدان میں ان کے لئے ایک استقبالیہ کا انتظام کیا۔ اس دن کلکتہ کے لوگوں، شاعروں، ادیبوں، فنکاروں اور محنت کشوں نے فیض صاحب کا دلی مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

اس موقع پر اردو اکیڈمی کی طرف سے جناب فیض صاحب کو "نذرِ فیض" کے نام سے سہ ماہی مجلہ پیش کیا گیا۔ پھر فیض صاحب نے تقریر کی اور اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور اپنا کلام سنایا۔

۱۹۸۱ء میں اپنی ۷۰ویں سالگرہ کی تقریبات کے سلسلہ میں وہ آخری بار ہندوستان آئے۔ اس موقع پر دہلی میں منعقدہ ایک تقریب میں خوشونت سنگھ نے ان سے یہ سوال کیا "کیا آپ ہنگری اور افغانستان تک کے تجربے کے بعد یہ محسوس نہیں کرتے کہ مارکسزم کا نظریہ ناکام ہو گیا؟" اس پر فیض صاحب نے جواب دیا "مارکسزم تو ایک سیاسی نظریہ ہے۔ مذہب تک کے کئی فرقے ہوتے ہیں۔ مارکسزم کی مختلف تشریحات ہو سکتی ہیں۔ ان کے عمل درآمد میں غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ مگر ان غلطیوں سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اصل نظریہ ہی غلط ہے؟

جہاں تک تاریخی مادیت اور جدلیاتی مادیت کے نظریہ کا تعلق ہے تو مجھے اس سے بہتر کوئی نظریہ نہیں ملا۔ مارکسزم آج بھی سب سے ترقی یافتہ نظریہ ہے۔ اس سے بہتر کوئی اور نظریہ نہیں۔ اس لئے اس سے الگ ہونے، اسے ناکام ماننے کا سوال کہاں اٹھتا ہے؟"

فیض صاحب پہلے ایشیائی شاعر تھے جنہیں ۱۹۶۲ء میں لینن امن انعام سے سرفراز کیا گیا۔ وہ شاعر بھی تھے اور ادیب بھی۔ ان کے مجموعۂ کلام یہ ہیں "نقشِ فریادی"، "دستِ صبا"، "زنداں نامہ"، "سرِ وادیٔ سینا"، "دستِ تہِ سنگ"، "رات دی رات"، "شامِ شہرِ یاراں" اور "میرے دل میرے مسافر"۔ نثری مجموعے یہ ہیں: "میزان"، "صلیبیں"، "میرے دریچے میں"، "متاعِ لوح و قلم" اور "ہماری ثقافت"، "مہ و سال کی آشنائی"، "سفر نامۂ کیوبا"۔ اس کے علاوہ انہوں نے اردو اور پنجابی زبانوں میں ڈرامے بھی لکھے۔

فیض صاحب کی زندگی کے آخری چند برس تقریباً جلاوطنی میں گزرے۔ آپ افرو ایشیائی رائٹرس فیڈریشن کے جریدہ "لوٹس" کے مدیرِ اعلیٰ تھے۔ کافی عرصہ تک بیروت میں رہے۔ انہوں نے بیروت کی تباہی کا مرثیہ بھی لکھا اور فلسطینی مجاہدوں کی جانبازی سے زندگی کی فتح مندی کے تعلق سے اپنے ایمان کو بھی تازہ کیا۔



فیض احمد فیض مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے زیرِ اہتمام ۲۸ اپریل ۱۹۸۱ء کو پارک سرکس کلکتہ میں منعقدہ ایک جلسۂ استقبالیہ میں اپنی نظمیں سناتے ہوئے۔

فیض صاحب اس جبری جلاوطنی سے بہت کبیدہ خاطر تھے۔ ان کے آخری مجموعہ "میرے دل میرے مسافر" کی زیادہ تر نظمیں ان کے اسی احساس کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے کہا:

"ہمیں کیا کہوں کہ کیا ہے
شبِ غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا"

آخر میں وہ پاکستان لوٹ آئے اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء کو وہ ہم لوگوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ ان کی موت سے اردو ادب اور صحافت کا ایک دور ختم ہو گیا۔

"مغربی بنگال" اس انقلابی رفیق کو دلی خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے اور سوگوار خاندان سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے ●●●

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

فیض سے میری پہلی ملاقات

سنہ ۱۹۲۱ء تھا اور اکتوبر کا مہینہ۔ مجھے سنٹرل ٹریننگ کالج سے گورنمنٹ کالج میں آئے ہوئے کوئی تین ہفتے گزرے تھے۔ سابق درسگاہ کی خشک تدریسی فضا اور ضبط و نظم سے طبیعت گھٹی گھٹی سی تھی۔ نئے کالج میں آتے ہی طبیعت میں انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ ادب و شعر کا شوق پھر سے ابھرا۔ چنانچہ "بزمِ سخن" کی وساطت سے ایک بڑے مشاعرے کی صدارت پروفیسر پطرس بخاری کے سپرد ہوئی۔ شام ہوتے ہی کالج کا ہال طلبائے سے بھر گیا۔ اسٹیج کے ایک طرف نیازمندانِ لاہور اپنی پوری شان سے براجمان تھے۔ مقابل میں لاہور کی تمام ادبی انجمنوں کے نمائندے صف آرا تھے۔ دونوں جانب سے خوش ذوقی اور حریفانہ شگفتگی ایک دوسرے کا خیر مقدم کر رہی تھی۔

روایتی دستور کے مطابق صدر نے اپنے کالج کے طلبہ سے شعر پڑھانے کا اعلان کیا۔ وہ ایک برخوردار آتے اور بڑے ادب و انکسار سے کلام پڑھ کر چلے گئے۔ اچانک ایک دبلا پتلا منحنی سا لڑکا اسٹیج پر نمودار ہوا۔ سیاہ رنگ، سادہ لباس، انداز میں متانت بلکہ خشونت، چہرے پر اجنبی ہونے کا شدید احساس۔ ادھر ادھر کچھ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اتنے میں اس نے کہا: عرض کیا ہے۔ کلام میں ابتدائے مشق کے باوجود پختگی اور اسلوب میں برجستگی تھی۔ سب نے داد دی۔ یہ حفیظ ہوشیارپوری تھے۔

پھر ایک نوجوان آئے۔ گورے چٹے، کشادہ جبیں، حرکات میں شیریں روانی، آنکھیں اور لب بیک وقت ایک نیم تبسم میں ڈوبے ہوئے۔ شعر بڑے تمکنت اور ڈھنگ سے پڑھے۔ اشارے ہوئے۔ پطرس نے کچھ معنی خیز نظروں میں لاہور کے نیازمندوں سے باتیں کیں اور ان کی نیم خاموشی کو رضا سمجھ کر دونوں نوجوانوں کو دوبارہ اسٹیج پر بلایا۔ نیا کلام سنا۔ فیض صاحب نے غزل کے علاوہ ایک نظم بھی سنائی۔ غزل اور نظم دونوں میں سوچ کا انداز اور بیان کا اچھوتا اسلوب تھا۔

مشاعرہ ختم ہوا۔ قرار پایا کہ احباب ان دونوں کو ہمراہ لے کر غریب خانے پر جمع ہوں۔ رات کافی گزر چکی تھی، انہیں بورڈنگ میں پہنچنا تھا۔ بخاری صاحب نے ان کی غیر حاضری کا ذمہ لیا اور پھر گھنٹہ بھر کے لئے شعر و سخن کی صحبت قائم رہی۔ یہ ان کی طبع آزمائی کا امتحان نہیں، اساتذہ کی حوصلہ افزائی کا امتحان تھا۔ دونوں کامیاب رہے۔

ابھی پورا مہینہ نہیں گزرا تھا کہ کالج کے امتحانات کا آغاز ہوا۔ جس دن کی میں بات کر رہا ہوں اس دن پطرس کالج ہال میں مہتمم امتحانات تھے اور ہم جیسے نوتجربہ کاروں کو چھوٹے کمرے سپرد کئے گئے تھے۔ مجھے کالج کی دوسری منزل پر متعین کیا گیا۔ یہاں ایم۔ اے انگلش کے طلبہ تھے اور ان میں فیض احمد فیض بھی تھے۔

امتحان کا کمرہ مقام احترام ہوتا ہے۔ امیدواروں کے ذہنی امتحان کے ساتھ ساتھ نظم و ضبط کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ سگریٹ نوشی ممنوع تھی۔ میں نے اپنی عادت کو دبانے کے لئے پان کا انتظام کر لیا تھا۔ مگر فیض صاحب کبھی سوالات کے پرچے پر نظر ڈالتے اور کبھی میری طرف نیم متبسم نظروں سے دیکھتے اور پھر قلم اٹھا کر سر کو کھجاتے اور کبھی خاموشی سے اپنے پڑوسیوں کی مزاج پرسی کرتے۔ کبھی کبھی ان کا بایاں ہاتھ ایسی حرکت کرتا جیسے وہ کسی نامعلوم شے کو ٹٹول رہے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا۔ وہ اٹھے اور کہا کہ یہاں ہمیں سگریٹ پینے کی اجازت



فیض انفرو ایشین رائٹرز کے ساتھ نئی دہلی میں : (دائیں سے بائیں) دیدراہی، دیوندر اسیر، فکر تونسوی، قتیل شفائی، فیض، اعجاز بٹالوی اور کشمیری لال ذاکر —————— ۱۹۵۷ء

ہے؟ میں نے کہا کہ ابھی بتاتا ہوں۔

اتنے میں پطرس مختلف کمروں کا معائنہ کرتے کرتے میرے کمرے کے باہر آ کھڑے ہوگئے۔ میں تعظیماً پلیٹ فارم سے اتر کر دروازے پر پہونچا، پوچھا: سب ٹھیک ہے؟

میں نے کہا جی۔

میں نے عرض کیا "پروفیسر صاحب (میں انہیں پروفیسر صاحب کہا کرتا تھا) بعض طلبا سگریٹ پینا چاہتے ہیں، اجازت ہے؟" —————— پطرس نے میرے کان میں دبی آواز میں کہا "جب تک پروفیسر جودھ سنگھ اس کالج کے پرنسپل نہیں بنتے اس وقت تک پی سکتے ہیں" اور پھر مسکرا کر چلے گئے۔

میں نے اندر آتے ہی فیض صاحب کی طرف دیکھا اور اشاروں سے سگریٹ نوشی کا اعلان کیا۔ فیض صاحب کے ہاتھوں میں فی الفور ایک سگریٹ نمودار ہوا جیسے قلم ہی سے ابھر آیا ہو۔

پھر قلم کے رشں اور سگریٹ کے کش میں مقابلہ شروع ہوا اور اس کشمکش میں معطر دھوئیں کے غبارے پورے کمرے میں پھیل گئے۔ میں معتمم تھا، ضبط و نظم کی زنجیروں میں جکڑا ہوا بیٹھا رہا اور قوائم داریاں کو چھوڑ کر اس خوشبو سے اپنے ذوقِ سگریٹ نوشی کی تسکین میں محو ہو گیا۔

کیا معلوم تھا کہ دھوئیں کے یہ غبارے کالج کی چہار دیواری سے دور دور تک فضا میں پھیل جائیں گے اور ان میں سگریٹ پینے والے کے معطر انفاس کی خوشبوئیں بھی لہرائیں گی اور ہنر و فن اور ادب کی دنیا کو اپنے آغوش میں لے لیں گی ÷ ÷ ÷

اے مرے ہمسفر! اے مرے راہبر!

پروفیسر اعزاز افضل

کتنی خوش ذوق تھی تیری گردِ سفر
بن گئی سرمۂ دیدۂ رہگذر
گھپ اندھیرے میں بھی آنکھ تھی سمت پر
اے مرے ہم سفر!

اپنی وحشت خرامی کے ہر دور میں
رقص کرتا رہا حلقۂ جور میں
جسم بیروت میں روح لاہور میں
آخری سانس تک ہجرتوں کا سفر
اے مرے راہبر!

سرفروشانہ آیا، صدا کر چلا
قتل گاہوں کو عبرت زدا کر چلا
قید خانوں کو عشرت کدا کر چلا
ایک دیوار میں کھل گئے کتنے در
اے مرے ہم سفر!

تجھ سے پہلے حکایت، حکایت نہ تھی
کھردرے پیکروں میں لطافت نہ تھی
تلخ باتوں میں اتنی حلاوت نہ تھی
اتنا چمکا نہ تھا گفتگو کا ہنر
اے مرے راہبر!

تو نے پائے تخیل کو رفتار دی
جسمِ گفتار کو روحِ کردار دی
میرے لہجے کو شمشیر کی دھار دی
چل پڑی شاعری تیغ کی دھار پر
اے مرے ہم سفر!

ہر سبک سر کو اک آستانہ ملا
ہر تنک پر کو اک آشیانہ ملا
مجھ کو تو اور تیرا زمانہ ملا
فکرِ نادار کو اک خزانہ ملا
ایک دامن میں ہیں کتنے لعل و گہر
احتجاجی نوا، انقلابی نظر
اے مرے راہبر!

سر اٹھانے لگے نخلِ جہد و عمل
ہاتھ آنے لگے صبر کے پھول پھل
پھولتی ہے شفق، جھومتے ہیں کنول
سج رہا ہے چمن، بج رہا ہے گجر
اپنی آواز سن! اے نقیبِ سحر
اے حدی خوانِ مشرق تری موت پر
روشنی نغمہ زن، روشنی نوحہ گر
اے مرے ہم سفر!
اے مرے راہبر!

از: خواجہ نسیم اختر

فیض: اردو شاعری کی نئی جہت

دنیا کی دیگر ترقی یافتہ زبان و ادب کے پہلو بہ پہلو اردو زبان و ادب کی بھی اپنی ایک عظیم الشان تاریخ ہے۔ اس زبان کے افق پر کئی تحریکیں نمودار ہوئیں جن میں سب سے توانا اور معیار آشنا تحریک "ترقی پسند تحریک" ہے۔

اس تحریک نے نہ صرف اردو زبان و ادب کو وہ گوہر ریزے عطا کئے جس سے نئی نسل حال کے "فہم" کو سمجھنے میں کامیاب ہوئی بلکہ یہ روشن مستقبل کا اشاریہ بھی ہے۔

فیض احمد فیض کا تعلق ترقی پسند تحریک سے رہا ہے۔ فیض کی شاعرانہ عظمت کا تعین بے نہایت فنکارانہ شعور اور ادراک کا متقاضی ہے فیض کا شعری ادراک اعتبار کئی جہات پر محیط ہے۔ لیکن سردست مجھے صرف فیض کی نظمیہ اور غزلیہ شاعری سے بحث ہے۔

فیض کی شاعری کا حسن کسی ایک شے پر ختم نہیں ہوتا۔ فیض کے کلام میں علوئے تخیل، فکری تعمق، جمالیاتی تفوق اور خوش نظری کی لپسی ہوئی بجلیاں ملتی ہیں۔ ترقی پسند شعراء کا کلام عمل کی تعلیم اور تبلیغ سے بھرا پڑا ہے۔ بجز فیض کوئی بھی ایسا فرد آدرشاعر نظر نہیں آتا جس نے پوری دیانت کے ساتھ اندرونی کرب کو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

فیض کے کلام کی دلنوازی و دلربائی اور احساس جمال و جلال کی مسرت آمیزی بابو نرد ھا کی یاد دلاتی ہے۔ فیض اپنے تخلیقی سفر میں دل اور دماغ کے اعتبار سے ان کے ہم پایہ نظر آتے ہیں۔

یوں تو فیض کی بے شمار نظمیں شعری و فکری اعتبار سے قابلِ قدر ہیں لیکن ان کی نظم "تنہائی" جو فیض کی شاعری کا جشنِ نوروز ہے، فکری و مرکزی احساسات کی بنا پر فیض کے کلام کا بنیادی محور ہے۔ یہ نظم بظاہر داخلی واردات کی ایک خاموش سرگزشت ہے لیکن بے حد معنی خیز ہے۔ اس نظم میں شاعر کا پورا وجود سمٹ کر ایک نقطہ پر مرکوز ہو گیا ہے وہ نقطہ دراصل "انتظار" ہے۔ یہ وہ کرب ناک لمحہ ہے جہاں امید اور یاس کی لہریں آپس میں ایک دوسرے سے آکر ملتی ہیں۔ نظم ذاتی ہوتے ہوئے بھی اجتماعی درد کی صدا بندی کا ایک نادر مظہر ہے اسکی باطنی سطح پر عصری Trend کا گہرا بلیغ اور موثر تاثر ملتا ہے۔ نظم ملاحظہ ہو:

پھر کوئی آیا دلِ زار نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا کہیں اور چلا جائیگا
ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
اجنبی خاک نے دھندلا دئے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا

اس نظم میں ایک جگہ لسانی تسامح راہ پا گیا ہے مثلاً

لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ

لڑکھڑانا یہاں فعل مسلسل ہے جبکہ خوابیدہ اسم مفعول ہے مصدر "خفتن" کا خوابیدہ کے معنی بجھا ہوا۔

اس باریک سی لغزش کے باوجود یہ نظم کیف و اثر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ فیض کے یہاں نظموں کی جھرمٹوں میں "مرے ندیم"

بھی ایک اچھی نظم ہے۔ اس نظم میں محبت اور رومان کے دروازے بند ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہی وہ نظم ہے جہاں فیض محبت سے بلند شاعرانہ بن جاتے ہیں۔ یہ نظم انسانیت کے درد کی شبنم کا پرتو ہے اور انسانی عظمت کا باوقار اعتبار بھی۔

"چند روز اور مری جان فقط چند ہی روز" فیض کی سیاسی فکر و بصیرت کی روشن دلیل ہے۔ یہ نظم برصغیر کی سیاسی تحریکات کے بے کراں درد آشنا رویوں کی رجز ہے، اور اس کے ساتھ اس بات کا کامل یقین بھی ہے کہ شہنشاہیت اور جاگیردارانہ نظام کی لعنتیں اب قریب المرگ ہیں ؎

لیکن اب ظلم کی میعاد کے دن تھوڑے ہیں
اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں

نظم "کتے" میں عوام کی خوابیدہ قوتوں کا کامیاب بیان ملتا ہے۔ اس نظم کے تناظر میں ان نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ عوام متحد ہو کر اگر بغاوت پر آمادہ ہو جائیں تو حکومت کی مضبوط بنیادوں کو ہلا سکتے ہیں۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ؎

کوئی ان کو احساسِ ذلت دلا دے
کوئی ان کی سوئی ہوئی دُم ہلا دے

فیض کے کلام میں تیز مشاہدہ و شدید تجربہ کی رنگ سمتی ہے اور احساس کی شدت جو جذباتیت سے یکسر محفوظ ہے۔ فن کے ساتھ بڑا مخلصانہ برتاؤ ملتا ہے۔ ایک منظم اور منضبط رضع احتیاط ہے، ایک دبی دبی سی آہ ہے۔ غم کے شعلوں میں جلتی ہوئی چتاؤں کی لپک نہیں ہے، صرف ایک دھیمی سی آنچ اور دمک ہے۔ جس میں خود ضبطی اور ٹھہراؤ کا محترم اہتمام ہے۔

ان کی نظموں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو شعری تجربے اور شعری صداقت کے تمام ذہنی تقاضوں کا امین ہے۔ مثلاً "سرود شبانہ"، "تہہ نجوم"، "ایک منظر" وغیرہ۔

نظم "ایک منظر" میں ایک پراسرار خاموشی اور معنی خیز ارتعاش ہے۔ پرسکون اور خواب آور مناظر شاعر کی روح کی طرح بوجھل اور نڈھال ہے لیکن اس اضمحلال اور افسردگی میں جو سرگوشیاں سنائی پڑتی ہیں وہ حیات کی نئی شاہراہوں اور سمتوں کا تجسس ہے۔ یہ نظم اس عبوری دور کی نشانی ہے جہاں شاعر، شاعرِ محبت سے شاعرِ انسان بنتا ہے۔ ان کی نظم "سرود شبانہ" نہ صرف عالم خود فراموشی ہے بلکہ یہ نظم اپنے گرد و پیش کے تمام تر انسلاکات سے ہم آہنگ ہے ؎

سو رہی ہے گھنے درختوں پر
چاندنی کی تھکی ہوئی آواز
کہکشاں نیم وا نگاہوں سے
کہہ رہی ہے حدیثِ شوقِ نیاز
سازِ دل کے خموش تاروں سے
چھن رہا ہے خمارِ کیف آگیں
آرزو، خواب، تیرا روئے حسیں

یہ امر مسلمہ ہے کہ فیض نے اپنی غزلوں میں نظموں کے مقابلے میں ایک گوشہ اپنے دل کے لئے بھی محفوظ رکھا۔ فیض نے "دستِ صبا" کی ابتدا میں لکھا ہے ——— "شاعر کا کام محض مشاہدہ ہی نہیں بلکہ مجاہدہ بھی ہے۔ گرد و پیش کے قطروں میں زندگی کے دجلہ کا مشاہدہ اس کی بینائی پر ہے۔ اسے دوسروں کو دکھانا اس کی فنی دسترس، اس کے بہاؤ میں دخل انداز ہونا، اس کے شوق کی صلاحیت اور لہو کی حرارت پر ہے اور یہ تینوں کام مسلسل کاوش اور جدوجہد چاہتے ہیں۔ حیاتِ انسانی کی اجتماعی جدوجہد کا ادراک اور اس جدوجہد میں حسبِ توفیق شرکت زندگی کا تقاضہ ہی نہیں فن کا بھی یہی تقاضا ہے۔ فن اسی زندگی کا ایک جز ہے اور اسی جدوجہد کا ایک پہلو ہے۔"

یہ اقتباس خالص ترقی پسندانہ سوچ کا زائچہ ہے اور ان کی بیشتر نظموں کی افہام و تفہیم کے لئے روشنی کا ماخذ۔ لیکن غزلوں میں فیض نے نظموں کی مانند واشگاف انداز اپنانے کے برعکس غزل کا مزاج کلاسیکی رنگ اور لہجہ اختیار کیا۔ ان کی غزلوں میں جمالیات کی بیکرانیاں اور ندرتِ احساس کی جلوہ سامانیاں ملتی ہیں۔ خاموش ندی کی نرم رو

کی روانی ملتی ہے، اشعار کا تفکر ملتا ہے، شبنم کی ٹھنڈک اور گلوں کی سرخی ملتی ہے۔ ان کی غزلیں نہ صرف حدیثِ دلبراں ہیں بلکہ حکایاتِ خونچکاں کا خوبصورت اظہار ہیں۔ فیضؔ نے اپنی غزلوں میں دیرینہ روایات کا بالغ احساس دیا ہے اور حال کے مضمرات کا بامعنی مزاج بھی۔ دست تہِ سنگ، زنداں نامہ، میں فیضؔ کی غزلیں مذکورہ خصوصیات کی آئینہ دار ہیں ؎

تم آئے ہو نہ شبِ انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے
یہ شہر ہے یادِ حریفانِ بادہ پیما کی
کہ شب کو چاند نہ نکلے نہ دن کو ابر آئے

فیضؔ کے سلسلے میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ انہوں نے اپنے تمام انقلابی سوچ اور انقلابی فکر کے باوجود غزل کے کلاسیکی آداب کو ترک نہیں کیا بلکہ فارسی تشبیہات و استعارات اور کسی حد تک مغربی طرزِ ادا سے اکتسابِ نور کیا ہے۔ فیضؔ اپنے اسلوب کے اعتبار سے غالبؔ سے بہت قریب نظر آتے ہیں۔ فیضؔ کا یہ شعر ؎

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

اور غالبؔ کا یہ شعر ؎

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

مزاج و منہاج کے اعتبار سے بہت حد تک مشترک ہیں۔ عظیم شاعری کی پہچان اربابِ فکر و نظر نے یہ بتایا ہے کہ شعر کی مجموعی قدر میں جمالیاتی خوبی اور سماجی افادیت دونوں شامل ہیں۔ اس لئے اچھا شعر وہ ہے جو نہ صرف فن کے معیار پر پورا اترے بلکہ زندگی کے معیار پر بھی پورا اترنا چاہئے۔ ترقی پسند شعراء میں فیضؔ کا کلام اس معیار کا بیّن ثبوت ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں احساسِ جمال اور سماجی افادیت کا بڑا گہرا خیال رکھا ہے۔

فیضؔ کی دلنواز اور دلآویز رجائیت جو اس کے دیدۂ تر سے جھانکتی ہے اور شب بھر کی مانگ ستاروں سے بھر دیتی ہے، سیاسی شعور کی غماز ہے۔ فیضؔ اردو شاعری کے سکہ بند علائم و علائق سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے تلازمات کے امکانات کی توسیع کی۔ فیضؔ نے اظہار کی اس صورت سے مستفیض ہونے کی کامیاب کوشش کی ہے اور اظہار کی ہر منزل فیضؔ کے لئے آسان ہو جاتی ہے ؎

ستم کی رسمیں بہت تھیں لیکن نہ تھی تری انجمن سے پہلے
سزا، خطائے نظر سے پہلے، عتاب، جرمِ سخن سے پہلے

فیضؔ نے پہلی مرتبہ اپنے کلام میں ارضی حسن کی بیکرانیاں سمیٹی ہیں اور حیات کے گوناگوں مسائل کو جمالیاتی کیف و کم کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا ہے کہ گویا دامنِ حیات میں جمالیات کے ستارے ٹانک دیئے ہیں۔

فیضؔ کا کلام ماضی کی عظیم المرتبت اور دلپذیر روایات کا حسین مرقع ہے، حال کا بڑا پاکباز اور دلگداز سفرنامہ ہے اور مستقبل کا ایک روشن پیغام۔

فیضؔ جیسے قدآور شاعر کی عظمت اور ان کے شاعرانہ مرتبے کا تعین متوازن نقد و نظر اور عمیق علم و فراست کا متقاضی ہے۔ بہرحال یہ میری حقیر کوشش جو شاید بہت زیادہ معتدر نہیں ہے پھر بھی فیضؔ کی ذاتِ بے بہا کے مطالعے کے سلسلے میں تمنا کا اگلا قدم ہے ؎

عزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

(میر)

بقیہ صفحہ ۱۶ کا

یہ محض اتفاق ہے کہ مسعود حسین خاں جیسے محقق کی نظر بھی جسم کے ناسور، پیپ اور خون کی غلاظت کی حد تک جا کر رہ گئی۔ انکی دوررس نظر ذرا آگے جانے کی زحمت گوارا کرتی تو یقیناً انہیں فیض کے اس جمالیاتی وجدان کا پتہ چلتا جس کے وہ متلاشی تھے۔ ان کا جمالیاتی احساس مجروح نہ ہوتا بلکہ اسے ایک حقیقی مسرت حاصل ہوتی ٭٭

فیض

ڈاکٹر یوسف تقی

متاعِ لوح و قلم عمر بھر لٹاتے رہے
قفس بدوش رہے پھر بھی گنگناتے رہے
نثار گلیوں پہ کرتے رہے وطن کی سدا
خلوص مہر و وفا، رنج و غم اٹھاتے رہے

زبان گنگ تھی جن کی سخن طراز ہوئے
تمہارے رنگِ فغاں، عاقبت سنوار چلے
دیارِ حسن کے، دار و رسن کے، زنداں کے
تمہاری ذات سے اب تک یہ کاروبار چلے

خرد سے مل کے گلے اب وہ جانِ محفل ہے
جنوں وہ جس پہ کبھی اعتبار تم کو تھا
سسک سسک کے وہ گم ہوگئی اندھیروں میں
سحر، وہ جس کا کبھی انتظار تم کو تھا

اندھیرے آج بھی ہیں بے کنار کل کی طرح
اجالے آج بھی ہیں داغدار کل کی طرح
نہیں جو تم تو نہیں انتظار کل کی طرح

فیض

رومانی مملکت سے جمالیاتی کائنات تک

از :— مصطفیٰ اکبر

غالب اور اقبال کے بعد جو مقبولیت فیض احمد فیض کو حاصل ہوئی، وہ اردو کے کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہو سکی۔ اسلئے نہیں کہ فیض عالمی سیاست میں امن کے علمبردار تھے اور ان کا اپنا ایک مقام تھا بلکہ اس لئے کہ ان کی شاعری میں جو توازن، متانت، تنوع اور آفاقیت ملتی ہے وہ ہمیں سوائے غالب اور اقبال کے کہیں اور نظر نہیں آتی۔ فیض کی انہی تنوع اور آفاقی خصوصیات کی بنا پر اردو کے تقریباً تمام نقادوں نے ان پر قلم اٹھائے اور ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کیا مگر شاعری کا احاطہ قابلِ افسوس رہا۔ ان میں تو کچھ رومان کی چوحدی کی سیر کر کے تھک جاتے ہیں، کچھ انقلاب کی اونچی سطح کو چھو کر اپنی تنقید کا حق ادا کر دیتے ہیں یا پھر رومان و انقلاب کی آمیزش سے پیدا ہونے والے جمال کی حد تک پہونچ کر تحقیق و تنقید کا دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ مگر یہ فیض کی شاعری کی حدِ آخر نہیں۔ ان کی شاعری درجہ بدرجہ مشاہدہ و مجاہدہ کی منزلیں طے کرتی ہوئی اس نقطۂ عروج تک پہونچ جاتی ہے جہاں جمالیاتی قدریں انسانی زندگی کی بنیاد بن جاتی ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں دنیا کی تمام چیزیں حسین و جمیل نظر آنے لگتی ہیں۔

اپنے عہد کے تقاضہ کے تحت فیض کی شاعری کی شروعات بھی رومان سے ہوتی ہے اور شاید رومان ہی سن بلوغت کی وہ پہلی منزل ہے جہاں ہر شخص پہونچ کر حسن و محبت کی رنگینیوں اور دل آویزیوں کا دلدادہ نظر آتا ہے۔ ہر معتدل آدمی کی طرح فیض بھی حسن اور حسن سے وابستہ رعنائیوں سے متاثر ہوئے، ان پر بھی عشق و محبت کے حادثات گزرے، اور فلک کی کج ادائی کے طفیل انتظار کی شدت جھیلنی پڑی۔ ان رومانی واقعات کے اثرات کے گوہر ریزے اس دور کی شاعری میں جا بجا نمایاں نظر آتے ہیں۔ نظم "تین منظر" ایسے ہی واقعات کی عکاسی کرتی ہے۔ نظم میں پہلا منظر "تصور" ہے دوسرا "سامنا" اور تیسرا "رخصت"۔ سرودِ شبانہ، آخری خط، حسینۂ خیال سے، مری جاں اب بھی اپنا حسن واپس پھیر دے مجھکو وغیرہ میں ایسے ہی واقعات کے گوہر ریزے ملتے ہیں۔ یہاں فیض کی آواز اختر شیرانی کی رومانی آواز سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے ؎

مجھے دے دے
رسیلے ہونٹ، معصومانہ پیشانی، حسین آنکھیں
کہ میں اک بار پھر رنگینیوں میں غرق ہو جاؤں
مری ہستی کو تیری اک نظر آغوش میں لے لے
ہمیشہ کے لئے اس دام میں محفوظ ہو جاؤں

(حسینۂ خیال سے)

مگر یہ آواز ذرا دور جا کر مدھم ہونے لگتی ہے، رومانی واقعات کے اثرات کم ہونے لگتے ہیں۔ ان کی زندگی اور شاعری زیادہ دیر تک اس دام میں مقید نہیں رہ پاتی ہے کیونکہ شاعر درد کے دبے پاؤں آنے کی آہٹ سن لیتا ہے، زندگی کی قدریں بدلنے لگتی ہیں، امیدیں دم توڑنے لگتی ہیں، انتظار کی بے خوابیوں کو جھٹک دیا

جاتا ہے، ایسے خواب گواروں کو مقفل کر لیا جاتا ہے۔ اور زندگی ؎

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

کے معترف ہو جاتا ہے۔ یہاں زندگی کے نئے اصول مرتب ہوتے ہیں۔ یہیں سے فیض کی زندگی اور شاعری میں انقلابی عناصر ابھرنے لگتے ہیں۔ زندگی کے تلخ حقائق ایک ایک کر کے سامنے آنے لگتے ہیں جن کا زہر سارے وجود میں ایک ہیجان سا پیدا کر دیتا ہے ؎

جب کبھی بکتا ہے بازاروں میں مزدور کا گوشت
شاہراہوں پہ غریبوں کا لہو بہتا ہے
یا کوئی توند کا بڑھتا ہوا سیلاب لئے
فاقہ مستوں کو ڈبونے کے لئے کہتا ہے
آگ سی سینے میں رہ رہ کے ابلتی ہے نہ پوچھ
اپنے دل پر مجھے قابو ہی نہیں رہتا ہے

(رقیب سے)

سماج کے کمزور و غریب طبقہ کے کاندھے پر ناانصافی اور ظلم و استحصال کا بوجھ دیکھ کر شاعر کے سینے میں آگ سی سلگ اٹھتی ہے، دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے، غریب اور ان کی مجبوریاں شاعر کی کمزوری بن جاتی ہیں۔ یہ فیض کی طبیعت کی نرمی و شائستگی تھی کہ ایسی حالت میں بھی شاعری میں اعتدال قائم رہا۔ ان کی شاعری عسکری انقلاب کے روپ میں ہمارے سامنے نہیں آئی بلکہ زندگی میں ناانصافی اور عدم توازن کے خلاف اس نے ایک صحت مند ردعمل اور انفرادی تجربات کے حسین شعری مرقع پیش کیا جس میں انقلاب کی گھن گرج نہیں، طبیعت کی جھنجھلاہٹ نہیں، دو رنگ نغماتی سرگوشی کا ایک دل کش اور متوازن انداز ملتا ہے جو مدھم ہوتے ہوئے بھی دھماکہ خیز ہے ؎

زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں
لیکن اب ظلم کی میعاد کے دن تھوڑے ہیں
اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں

(چند روز اور مری جان)

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے !
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

فیض کو زندگی کا رونا دھونا پسند نہیں تھا۔ وہ ہر ایک دکھ کا مداوا چاہتے تھے۔ وہ زندگی میں مصائب کو برداشت کرنے کی سکت کے متلاشی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حسن کے خیال اور عشق کے تصور سے ہی حیات کی تاریک راہوں میں چراغ جلتے ہیں، چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسانی زندگی کو غمِ حیات کے ساتھ حسن و عشق کی لذتوں سے آشنا ہونا بھی ضروری ہے لہٰذا ان کا تصورِ حسن کی رعنائیوں کو سمیٹنے میں ایک بار پھر مصروف ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ وہ غمِ حیات سے اکتا گئے تھے بلکہ یوں کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں کو ایک استوار رشتے میں دیکھنے کے خواہاں تھے، زندگی کی نیرنگیوں سے ایک خوبصورت پیکر تیار کرنے کے آرزومند تھے، زندگی کے بکھرے ہوئے معاملات میں ایک ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ان کے نزدیک اب حسن و عشق زندگی کی تلخیوں کو برداشت کرنے کے لئے لازمی تھے کہ ان کے بغیر غمِ حیات کی تلخیوں کا ایک گھونٹ بھی آتما اہر محال تھا ؎

تمہارے ہاتھ پہ ہے تابشِ حنا جب تک
جہاں میں باقی ہے دلداریٔ عروسِ سخن
تمہارا حسن جواں ہے تو مہرباں ہے فلک
تمہاری یاد سے شیریں ہے تلخیٔ ایام

(تمہارے حسن کے نام)

زندگی کی لذتوں کا احساس اور اس کو برتنے کی آرزو، حالات کو سمجھنے کا شعور اور ان کو صحیح راہ پر گامزن کرنے کی تمنا، اجتماعی طور پر شاعر کی زندگی کو ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتی ہے جہاں سے غمِ سیاست و محبت، تلخی و شیرینی، جذبات اور تخیل کے خوبصورت امتزاج سے ایک حسین شعری پیکر تیار کرتا ہے جو صرف اس کے ظاہری حسن سے ہی روشناس نہیں کراتا بلکہ رومان و انقلاب کے باہمی اشتراک سے پیدا ہونے والی تہہ دار لذتوں سے بھی متلذذ کرتا ہے ؎

دل سے پیہم خیال کہتا ہے
اتنی شیریں ہے زندگی اس پل
ظلم کا زہر گھولنے والے
کامراں ہو سکیں گے آج نہ کل
جلوہ گاہِ وصال کی شمعیں
وہ بجھا بھی چکے اگر تو کیا
چاند کو گل کریں تو ہم جانیں (زنداں کی ایک شام)

دورِ مصائب میں زندگی کی شیرینی کا احساس پیدا ہونا کوئی روایتی بات نہیں اس کے پیچھے ضرور کوئی طاقت کارفرما ہے جس نے ان کی زندگی اور شاعری میں ترتیب اور سنوار پیدا کر دی۔ اور ہو نہ ہو وہ وہی حسن ہے جو ہمیشہ فیض کی متجسس نگاہوں سے لپٹا رہا۔ فیض کو بھی اس حسن کی وفا شعاری کا احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں گئے اس حسن کی رمق دمک اپنے ساتھ لے گئے ؎

دشتِ تنہائی میں اے جانِ جہاں لرزاں ہیں
تیری آواز کے سائے تیرے ہونٹوں کے سراب
دشتِ تنہائی میں دوری کے خس و خاک تلے
کھل رہے ہیں ترے پہلو کے سمن اور گلاب (یاد)

اس جانِ جہاں حسن کی روشنی میں فیض نے زندگی کی جس شے کو دیکھا حسین و جمیل نظر آئی۔ حسن کی فراوانی شاعر کے اندر جمالیاتی حس پیدا کرتی ہے اور وہ دنیا کی ہر شے میں حسن کے مناظر نظر آنے لگتے ہیں۔ اس ایک حسن کی کارفرمائی کی وجہ سے فطرت کی ہر ادا نکھرتی سنورتی دکھائی دیتی ہے ؎

ترا جمال نگاہوں میں لے کے اٹھا ہوں
نکھر گئی ہے فضا تیرے پیرہن کی سی
نسیم تیرے شبستاں سے ہو کے آئی ہے
مری سحر میں مہک ہے ترے بدن کی سی

جمالیاتی حس ہر شخص میں ہوتی ہے لیکن جمالیاتی ذوق ورثہ، ماحول اور تربیت وغیرہ کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ فیض کو تربیت بھی ملی، ماحول بھی اور قدرتی میراث بھی۔ ان میں جمالیاتی ذوق کا پیدا ہونا ایک فعلِ لازم تھا۔

فیض محض سیاسی شاعر نہیں۔ ان کا اپنا ایک جمالیاتی وجدان ہے ـــ ایک صاف ستھری نظر ہے۔ مزاج کی نرمی اور طبیعت کی نفاست و لطافت انہیں کائنات کی سڑی گلی اور بھدی چیزوں میں بھی جمالیاتی رنگ تلاش کرنے کے لئے برابر اکساتی رہے ؎

آ جاؤ میں نے سن لی ترے ڈھول کی ترنگ
آ جاؤ مست ہو گئی میرے لہو کی تال

آ جاؤ میں نے دھول سے ماتھا اٹھا لیا
آ جاؤ میں نے چھیل دی آنکھوں سے غم کی چھال
آ جاؤ میں نے درد سے بازو چھڑا لیا
آ جاؤ میں نے نوچ دیا بے کسی کا جال
(آ جاؤ افریقہ)

جمالیات (Aesthetics) کے معنی عام طور پر ذوقِ جمال یا حسینِ لطیف سے متعلق اشیاء سے لیا جاتا ہے اور عام طور پر اس کا موضوع حسن اور فنونِ لطیفہ رہا ہے مگر یہ اپنی ہمہ گیریت اور گہرائی کے اعتبار سے زندگی کی تمام قدروں کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ علم و زندگی کے تمام گوشے اس کے دائرۂ عمل میں آتے ہیں مگر ادب میں اس کی گردش کا زیادہ تر محور حسن اور فن ہی رہتا ہے۔ فیض نے اس محور کو توڑا اور اس میں زندگی کی تمام قدروں کو شامل کیا کیوں کہ فیض کو اس بات کا احساس تھا کہ (۱) شعر کی جمالیاتی قدر کافی حد تک شاعر کی دوسری قدروں پر منحصر ہے (۲) جمالیاتی قدر بھی ایک سماجی قدر ہے جو اجتماعی مفاد میں اضافہ کرتی ہے اس لئے اسے دوسری قدروں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا فن کے ساتھ ساتھ مقصدیت پر بھی انہوں نے زور دیا، زندگی کی سچائی اور حقیقت کو بھی سامنے لایا مگر ان سب کو فنکارانہ حسن اور جمالیاتی شعور

بصیرت کے ساتھ کہ بے جان چیزوں میں بھی جان پیدا ہو گئی ؎

جام چھلکا تو جم گئی محفل
منتِ لطفِ غم گسار کسے؟
اشک ٹپکا تو کھل گیا گلشن
رنج کم ظرفیٔ بہار کسے؟ (احمد)

فن کار موجودہ حسن کو محض فروغ نہیں دیتا بلکہ اکثر وہ معمولی سے معمولی مواد سے بھی تخلیقِ حسن کی ایک اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے۔ مجنوں گورکھپوری "ادب وفن سے جمالیات کے تعلق" پر کانٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

"کانٹ کہتا ہے کہ شاعری حسن اور فکر کے اختلاط سے وجود میں آتی ہے۔ کانٹ جمالیات اور منطق کو علم انسانی کے دو جڑواں شاخیں مانتا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ حقائق کی تلاش کرتے ہیں .... شاعری ہمارے منطقی تصورات کے لئے ایک حسی نقاب ہے .... شاعری کا کام فضائل اخلاق اور تصوراتِ عقلی جیسی غیر محسوس چیزوں کو محسوس بنا دینا ہے۔ بھدی اور کریہہ چیزیں بھی فنونِ لطیفہ کا موضوع بن سکتی ہیں۔ اس لئے کہ فنونِ لطیفہ کا کام محض حسین چیزوں کو پیش کرنا نہیں بلکہ چیزوں کو حسین پیرائے میں پیش کرنا بھی ہے۔ شاعر کسی بھدی صورت یا کسی غمناک واقعے یا کسی مخربِ اخلاق بات کو حسین اور دل نشین پیرائے میں بیان کر سکتا ہے"

فیض کے پوری دور کی شاعری کو دیکھ لیجئے۔ معمولی سے معمولی مواد، بھدی سے بھدی چیزیں، بڑے سے بڑے المناک واقعات ہمیں جاذب و دل نشین نظر آتے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان بھدی چیزوں یا المناک واقعات کو بھی فیض ایک خوبصورت زاویے سے دیکھتے ہیں، محسوس کرتے ہیں اور پھر اسے خوبصورت پیرائیہ اظہار میں پیش کر دیتے ہیں جو ہمیں حد درجہ متاثر کرتے ہیں۔ یہ فیض کی ندرتِ بیان اور حسنِ تخیل کا ہی کمال ہے کہ ہمیں "افریقائی" حبشیوں میں بھی حسن کی جھلک دکھائی دیتی ہے، فلسطینی بچوں کے رونے کی صدا میں بھی ایک رجز سنائی دیتی ہے، جیل کی تاریک کوٹھریوں میں بھی جمال یار کا پرتو نظر آتا ہے۔ زندگی کی افسردہ شاہراہوں اور کربناک ایام میں بھی ہمیں زندگی کی رعنائیوں کا لطف ملتا ہے ؎

افسردہ ہیں گر ایام ترے، بدلا نہیں مسلکِ شام و سحر
ٹھہرے نہیں موسمِ گل کے قدم، قائم ہے جمالِ شمس و قمر
آباد ہے وادیٔ کاکل و لب، شاداب و حسیں گلگشتِ نظر
مقسوم ہے لذتِ دردِ جگر، موجود ہے نعمتِ دیدۂ تر
اس دیدۂ تر کا شکر کرو، اس ذوقِ نظر کا شکر کرو
ان شام و سحر کا شکر کرو، ان شمس و قمر کا شکر کرو
(شورش برپط و نے)

یہاں فیض کے فن کی صداقت، حسن اور کمال آپس میں ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ گوئٹے نے فن کے لئے خوبصورتی اور لطیف ہونے کو ضروری قرار دیا ہے۔ فیض کا فن اس نظریہ پر پورا اترتا ہے۔

ہیگل مصوری، موسیقی، شاعری، سنگ تراشی اور فن تعمیر میں سب سے زیادہ موثر اور ہمہ گیر شاعری کو مانتے ہیں اس لئے کہ شاعری کا ذریعہ اظہار زبان ہے اور زبان ہی خیالات کا موثر ترین وسیلۂ اظہار ہے۔

فیض کو قدرتِ زبان پر کمال حاصل تھا۔ زورِ بیان اس قدر شدید اور اظہارِ زبان اتنا موثر کہ لفظ لفظ حسن کا مرقع بن جاتا ہے جو دل و دماغ کو یکساں طور پر جمالیاتی فرحت بخشتا ہے۔ کروچے کے یہاں بھی فلسفۂ جمالیات میں اظہاریت کو بڑا دخل ہے۔ جمالیات کی بعض تشریحیں ڈیکارٹ کے یہاں بھی ملتی ہیں۔ جمالیات کے ضمن میں وہ تناسب اور ہم آہنگی پر زور دیتا ہے اور فنی تخلیقات میں انتخابِ الفاظ کی پاکیزگی کو اس کی اہم صفت بتاتا ہے۔

فیض کی شاعری میں اظہاریت کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی نظر میں حسن درحقیقت اظہار کا نام ہے اور حسن کا اظہار ہی مسرت و تسکین کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں انتخابِ الفاظ کی پاکیزگی بھی ہے، بیان میں تناسب اور ہم آہنگی بھی جن کے اختلاط سے ان کی شاعری میں ایسی کیفیتیں پیدا ہو گئی ہیں جن سے احساسِ جمال تسکین پاتا ہے۔ اور یہیں فیض کا فن جمالیاتی فن بن جاتا ہے۔

باقی صفحہ ۱۴ پر

فلسطین

(یاسر عرفات کی نذر)

فیض

میں جہاں پر بھی گیا ارضِ وطن
تیری تذلیل کے داغوں کی جلن دل میں لئے
تیری حرمت کے چراغوں کی لگن دل میں لئے
تیری الفت، تری یادوں کی کسک ساتھ گئی
تیرے نارنج شگوفوں کی مہک ساتھ گئی
میرے ان دیکھے رفیقوں کا جُلو ساتھ رہا
کتنے ہاتھوں سے ہم آغوش مرا ہاتھ رہا
دور پردیس کی بے مہر گزرگاہوں میں
اجنبی شہر کی بے نام و نشاں راہوں میں
جس زمیں پر بھی کھُلا میرے لہو کا پرچم
لہلہاتا ہے وہاں ارضِ فلسطیں کا عَلم
تیرے اعدار نے کیا ایک فلسطیں برباد
میرے زخموں نے کئے کتنے فلسطیں آباد

از: ایم۔ اے۔ نسیم



احمد خاں

ایک شاعر، عوام کے

فیض احمد فیض ایک شاعر تھے، سرکش اور نڈر مقرر تھے، بے باک اور بے لاگ شمع کی لو تھے، تاریک دلوں کو اشتراکیت کی روشنی سے منور کرنے والے، دوست تھے ناداروں کے، محنت کشوں کے، اپنی سماجی اور معاشی ذمہ داریوں سے انہوں نے کبھی پرہیز نہیں کیا۔ تو یہ تھے فیض جو اب ہم لوگوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے۔

فیض نے زندگی کو بہت ہی قریب سے دیکھا۔ انکی شاعری کی ابتدا ان کے طالب علمی کے زمانے یعنی ۱۹۲۸ء سے ہوئی۔ لیکن جب وہ لاہور کالج میں لیکچرار بنے تو اس وقت کالج کے دیگر لیکچراروں اور پروفیسروں کے ساتھ، جو اشتراکیت سے اچھی طرح واقف تھے، اکثر سماج اور سماجی زندگی کی بابت گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کیا کرتے۔ اس کے نتیجے میں ان میں تو زندگی کا ایک نیا شعور اجاگر ہوا، اور وہ اشتراکیت اور طبقاتی آویزش سے اچھی طرح واقف ہو گئے۔ انہیں زندگی کی محرومیوں کا احساس تھا اور وہ اس زندگی کو بدلنا چاہتے تھے۔ اوائل عمر سے ان پر یہ راز عیاں ہو گیا تھا کہ "اپنی ذات کو باقی دنیا سے الگ کر کے سوچنا اول تو ممکن نہیں اور اگر ہے تو یہ انتہائی غیر سود مند فعل ہے"۔ ان کا یہ یقین کامل تھا کہ "یہ زمین، اس کے ذخائر اور پیداوار، یہ آسمان، اس کے سورج، چاند اور ستارے، یہ سب جملہ انسانوں کے لئے ہیں نہ کہ مخصوص طبقوں کی تسکین ہوس کو پورا کرنے کے لئے۔ اس لئے ان سبھوں کو عوام کی فلاح و بہبود کے کام میں لانا چاہئے"۔ اس لئے وہ انقلاب برپا کرنے کے اور ساری دنیا میں ایک نئے نظام کو وجود میں لانے کے خواہاں تھے۔

رومان سے تو فیض کی شاعری کی ابتدا ہوئی لیکن اس رومان سے حقیقت گلے ملتی نظر آتی ہے۔ رومان اور حقیقت کا ایسا توازن اور حسین امتزاج، جیسا کہ فیض کی شاعری میں ملتا ہے کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا ہے۔ وہ زندگی کا ایک بہت واضح نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ اسی لئے ان کی شاعری میں اجتماعی زندگی کے بنیادی مسائل کی بڑی گہرائی سے ترجمانی کی گئی ہے۔ ان کے فن میں ایک رچاؤ ہے، ان کی نظموں میں ایک نیا آہنگ ملتا ہے۔

جب زندگی ایک نئے موڑ پر آتی ہے اور قافلہ نئی راہوں پر چل نکلتا ہے۔ تو شاعری بھی نئی فضا میں بدلے ہوئے حالات کے نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جدت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی سماج کے بدلتے ہوئے حالات اور سماجی نظام کے غلط اقدار بھی شاعروں کو انقلابی بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہی باتیں فیض پر بھی صادق آتی ہیں۔ انہوں نے انقلاب کی دنیا میں مزدوروں

اور محنت کشوں کے گیت لکھے اور انہیں بیدار کیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کا تجزیہ کیا اور مساوات کا پرچم بلند کیا۔ اتحاد، یکجہتی کے پیغام کو عام کیا۔ اسی سلسلے میں انہوں نے ایک جگہ یوں لکھا:

"حیاتِ انسانی کی اجتماعی جدوجہد کا ادراک اور اس جدوجہد میں شرکت زندگی کا تقاضا ہی نہیں بلکہ فن کا بھی تقاضا ہے۔ فن اسی زندگی کا ایک جزو ہے اور فن جدوجہد کا ایک پہلو ہے۔"

فیض کی شاعری میں جہاں لذتِ دلبری ملتی ہے وہاں کسانوں، مزدوروں اور متوسط طبقوں کے درد و سوز کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ اپنی نظم "انتساب" میں انہوں نے لوگوں کی زبوں حالی کا بڑے درد بھرے لہجے میں تذکرہ یوں کیا ہے:

آج کے نام
آج کے اور غم کے نام
کارخانوں کے بھوکے جیالوں کے نام
دہقاں کے نام
جس کے ڈھوروں کو ظالم ہنکا لے گئے
جس کی بیٹی کو ڈاکو اٹھا لے گئے
ہاتھ بھر کھیت سے ایک انگشت پٹوار نے کاٹ لی ہے
دوسری مالیے کے بہانے سے سرکار نے کاٹ لی ہے

اس نظم میں آج کے سرمایہ دارانہ نظام میں غریب پسے، لٹے اور استحصال کے شکار لوگوں کی زبوں حالی کی جو عکاسی کی گئی ہے، اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے۔

فیض نے اپنی شاعری کا آغاز روایتی طور پر عشقیہ یا رومانی اشعار سے کیا ہے۔ انہوں نے اپنی معشوقہ کو فطرت کے نگارخانے میں یا صنم کدے میں سجا دیکھا تھا۔

صبا کے ہاتھ میں نرمی ہے ان کے ہاتھوں کی
ٹھہر ٹھہر کے یہ ہوتا ہے آج دل کو گماں

ترا ہی عکس ہے ان اجنبی بہاروں میں
جو تیرے لب، ترے بازو، ترا کنار نہیں

تم تو غمِ دہر کے بھول جاتے ہو
ہم کو احساس پاس رہتا ہے

یہ زندگی آمیز حسن فیض کی رومانی شاعری کی خوبی ہے۔ لیکن اس رومانی شاعری کی نظمیں "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ" سے "غمِ جاناں اور غمِ دوراں" ایک ہی تصویر کے دو رخ بن جاتی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے رومان میں حقیقت پسندی کا غلبہ چھا جاتا ہے۔ ان کی شاعری گویا رومان پرستی اور حقیقت پسندی کی دھوپ چھاؤں کا ایک خوبصورت مرقع ہے۔ ان کے کلام میں یہ دونوں تناسب کے ساتھ ہم آمیز نظر آتے ہیں ؎

آج تک سُرخ و سیہ صدیوں کے سائے تلے
آدم و حوا کی اولاد پہ کیا گزری ہے
موت اور زیست کی روزانہ صف آرائی میں
ہم پہ کیا گزرے گی اجداد پہ کیا گزری ہے

اور ان اشعار میں ؎

لیکن اس شوخ کے آہستہ سے کھلتے ہوئے ہونٹ
ہائے اس جسم کے کمبخت دل آویز خطوط!
آپ ہی کہئے کہیں ایسے بھی افسوں ہوں گے
اپنا موضوعِ سخن ان کے سوا کچھ بھی نہیں
طبعِ شاعر کا وطن ان کے سوا کچھ بھی نہیں

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فیض کی شاعری رودادِ قفس بھی ہے اور سرگزشتِ دل بھی۔ ان کی شاعری گویا دو متضاد قوتوں کا سنگم ہے۔

جب ۱۹۳۶ء میں "انجمن ترقی پسند مصنفین" کا قیام عمل میں آیا تو فیض اس کے سرگرم کارکن بن گئے۔ انگریزوں کی حکومت نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی حکمتِ عملی کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں

میں انتشار کے مختلف جال پھیلا رکھے تھے۔ ادھر ترقی پسند مصنفین
کی انجمن کے قیام کا مقصد ملک کی سالمیت کا تحفظ اور قومی یکجہتی کی
بقا تھا۔ انجمن کے منشور میں ادب اور زندگی کے رشتہ کی بنیادی
اہمیت کے پیش نظر زندگی کو انگریزوں کی غلامی سے نجات اور آزادی
کے حصول کا مسئلہ بنیادی مسئلہ تھا۔

فیض اس سے پہلے انقلاب روس سے اپنے عہد کے
دوسرے ذہین افراد کی طرح متاثر ہوئے تھے۔ اشتراکیتی جذبات اور
خیالات کی چنگاری جو ان کے افکار کے نشیمن میں کہیں سلگ رہی تھی
انجمن سے وابستگی کے بعد شعلہ بن کر بھڑک اٹھی۔ ترقی پسند تحریک
سے وابستگی کے بعد خود فیض کی نجی اور داخلی زندگی تغیرات کی آماجگاہ
بن گئی۔ یہی سبب ہے کہ فیض نے زندگی کے نامعاون اور ناموافق منفی
حالات میں بھی تعمیری رویہ اختیار کیا۔ ان میں عمل سے زندگی کے جہنم
کو جنت بنا لینے کا حوصلہ تھا ؎

یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ ان کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی
اسی سبب سے فلک کا گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل برا نہیں کرتے

اشتراکیت پر ان کا اعتقاد تھا، اور اس اعتقاد کی
خاطر انہیں اپنی عمر عزیز کے تقریباً آٹھ سال جیل میں گزارنے پڑے،
لیکن زنداں کی صعوبتیں بھی ان کے لوح و قلم کو چھین نہ سکیں ؎

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
اسباب غم عشق بہم کرتے رہیں گے
ویرانئ دوراں میں کرم کرتے رہیں گے
ہاں تلخئ ایام ابھی اور بڑھے گی
ہاں اہل ستم مشق ستم کرتے رہیں گے

ہاں، زنداں کی سلاخیں بھی پرورش لوح و قلم کرنے
سے روک نہ سکیں۔ زنداں سے انہوں نے دنیا کے تمام محنت کشوں کو
انتباہ کیا کہ سرمایہ دار تو مشق ستم کرتے رہیں گے اور ان لوگوں پر
حیات کے عرصہ کو تنگ کر دیا جائے گا، لیکن یہ مشق ستم بھی انہیں
نئے افق کی تلاش سے روک نہ سکا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے
اپنی غزل میں یوں اظہار خیال کیا ہے ؎

کوئی پکارو کہ اک عمر ہونے آئی ہے
فلک کو قافلۂ روز و شام ٹھہرائے
یہ ضد ہے یاد حریفان بادہ پیما کی
کہ شب کو چاند نہ نکلے، نہ دن کو ابر آئے
صبا نے پھر در زنداں پہ آکے دستک دی
سحر قریب ہے، دل سے کہو نہ گھبرائے

اپنی نظم "شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں" میں جہاں انہوں
نے پیغام عمل دیا وہاں انہوں نے مستقبل کے خواب کی تعبیر بھی بتائی ؎

یہ ساغر شیشے لعل و گہر ٭ سالم ہوں تو قیمت پاتے ہیں
یوں ٹکڑے ٹکڑے ہوں تو فقط ٭ چبھتے ہیں لہو رلواتے ہیں
تم ناحق شیشے چن چن کر ٭ دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں ٭ کیا آس لگائے بیٹھے ہو

فیض کو اس بات کا یقین تھا کہ نظم تو ایک ہتھیار ہوتی
ہے انقلاب کی اور انہوں نے اس ہتھیار کو استعمال کرنا شروع کیا،
لیکن انہوں نے اپنی شاعری میں انقلابی نعرہ بازی نہیں کی بلکہ انقلابی نعروں
کو شگفتگی اور نرمی عطا کر کے ان کی پذیرائی میں اضافہ کر دیا۔ اس کی
وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری موعظت سطح سے نہیں بلکہ دل کی گہرائی
سے ابھرتی ہے۔

اپنی نظم "اے روشنیوں کے شہر" میں وہ یوں مشورہ
دیتے ہیں ؎

شب خوں سے منہ پھیر نہ جائے ارمانوں کی رو
خیر ہو تیری لیلاؤں کی، ان سب سے کہہ دو
آج کی شب جب دیے جلائیں، اونچی رکھیں لو

اسی طرح "صبحِ آزادی"، "ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے"، "نثار میں تیری گلیوں کے" اور "شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں" میں فیض نے زندگی کی حقیقت کو جمالیاتی شعور سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا۔ "صبحِ آزادی" اور "اے دلِ بیتاب ٹھہر" کے محرکات سیاسی محرکات ہیں۔ اس کے باوجود ان میں نغمگی کا فقدان نہیں اور موضوع کی سنجیدگی نظم کے غنائیہ لہجے میں پوری طرح گھل مل گئی ہے۔ یہ بند ملاحظہ ہو ؎

جواں لہو کی پُراسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
پکارتی رہیں باہیں بدن بلاتے رہے
بہت قریں تھا حسینانِ نور کا دامن
سبک سبک تھی تمنا دبی دبی تھی تھکن
بہت عزیز تھی لیکن رخِ سحر کی لگن

اور "اے دلِ بیتاب ٹھہر" کے یہ بند

رات کا گرم لہو اور بھی بہہ جانے دو
یہی تاریکی تو ہے غازۂ رخسارِ سحر
صبح ہونے ہی کو ہے اے دلِ بیتاب ٹھہر

فیض کی شاعری کا اصل وصف وہاں نظر آتا ہے جہاں موضوعاتی شاعری کی ہنگامہ آرائی اور گرمی نے فن کی لطافتوں پر آنچ نہ آنے دی۔ اس سلسلہ میں ان کی نظم "ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے" کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظم انہوں نے ایتھل اور جولیس روزن برگ کی یاد میں لکھی تھی۔ امریکہ کی حکومت نے مزدوروں کے ان دونوں رہنماؤں کو دار و رسن پر چڑھا دیا تھا۔ یہ نظم ان ہزارہا شہیدانِ حریت اور انقلاب پسندوں کی خونچکاں داستان ہے جنہوں نے انسانیت کے تابناک مستقبل کے خواب دیکھے تھے۔ یہ ایک المیہ تھا۔ تمام انصاف پسند لوگوں نے امریکہ کے برسرِ اقتدار طبقہ کی انتقامانہ ذہنیت اور سعادتِ قلب کو محسوس کیا۔ فیض نے اس المیہ کو زندگی کی پیاس اور ولولے کا ایک جز بنا لیا۔

نظم اس طرح شروع ہوتی ہے ؎

تیرے ہونٹوں کے پھولوں کی چاہت میں ہم
دار کی خشک ٹہنی پہ وارے گئے
تیرے ہاتھوں کی شمعوں کی حسرت میں ہم
تاریک راہوں میں مارے گئے

پھر ان عاشقانِ پاک طینت کا عزم دیکھئے ؎

جب گھلی تیری راہوں میں شامِ ستم
ہم چلے آئے لائے جہاں تک قدم
لب پہ حرفِ غزل، دل میں قندیلِ غم
اپنا غم تھا گواہی ترے حسن کی
دیکھ قائم رہے اس گواہی پہ ہم
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

اس نظم سے جہاں ان عشاق کے حوصلے کی بلندی کا احساس اور ان کے کارنامے کا حسن کارانہ تجزیہ کا اظہار ہوتا ہے وہاں ان لوگوں کے لئے، جو یہ کہتے ہیں کہ ہنگامی واقعات سے شعر نہیں بنتا، یہ نظم ایک اچھا جواب ہے۔ ہاں ہنگامی واقعات میں ابدی صداقت دیکھنے والی نظر درکار ہے۔

فیض نے اردو غزل میں ایک نئی جہت پیدا کی۔ انہوں نے اپنی بعض نظموں میں نامانوس اشاریت سے کام لیتے ہوئے ایسے علائم برتے ہیں جو اردو شاعری کیلئے بالکل نئے ہیں۔ انہوں نے نئی نئی تشبیہات، استعارات اور علامتوں کی بھی تخلیق کی اور تشبیہ منقلبہ کا تکنیک بھی استعمال کیا، جس میں ایک شئے سے متعلق خصوصیات سے کسی دوسری شئے کو متصف کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں نظم "ملاقات" کے چند مصرعے پیش کئے جاتے ہیں ؎

یہ رات اس درد کا شجر ہے
جو مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے
عظیم تر ہے کہ اس کی شاخوں
میں لاکھوں مشعل بکف ستاروں

کے کارواں گھیر کے کھو گئے ہیں
ہزار مہتاب اس کے سائے
میں اپنا سب نور کھو چکے ہیں

یہ رات سحر کی شہادت دیتی ہے۔ اس میں ملاقات درد کے رشتوں کی ایک علامت ایک قوت بن کر ابھری ہے۔ فیضؔ کی پوری شاعری پر ایک ماورائیت یا فلسفہ کا بوجھ نہیں۔ ان کی موضوعاتی شاعری میں تلخئ حیات اور تلخئ حالات کا ذکر ہے لیکن کہیں بھی تلخ نوائی جھنجلاہٹ اور زندگی سے بیزاری کا احساس نہیں ملتا ہے۔ شعریت اور عرفانِ ذات دونوں نے فیضؔ کے فن کو تقویت پہنچائی اور اسی میں انکی انفرادیت کا راز مضمر ہے۔ فیضؔ کے فن نے ایک پوری نسل کو متاثر کیا۔

فیضؔ کو زندگی کے آتش کدہ کی مقدس آنچ ملی تھی مگر اس آنچ نے انہیں جھلسایا نہیں بلکہ ان کی شخصیت کو توانائی اور ان کی شاعری کو تابناکی عطا کی۔ لیکن انہوں نے اپنی اس چنگاری پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے ہوا کے رہگذر سے دہکایا اور اس سے ایک شمع کا کام لیا۔ انہوں نے ہر وادئ خیال کو مستانہ وار طے کیا اور آگہی سے عشق کیا۔ منزل اور جادۂ منزل کے عرفان کی بھی سعی کی۔ انہوں نے زندگی کی صداقتوں سے جو غنائیت حاصل کی انکی مثال جدید شاعری میں بہت ہی کم ملتی ہے۔ لیکن یہ غنائیت فیضؔ میں کہاں سے آئی؟ زندگی کو پہچاننے سے، اقتدارِ انسانیت پر ایمان لانے سے، ایک بہتر زندگی کے جہاد میں تن من دھن سے حصہ لینے سے، اچھے مقاصد کی لگن اور سعیِ پیہم کی جرأت سے۔

فیضؔ کی شاعری میں بشارتِ سحر اور نوید بہاراں رواں دواں ہیں۔ فیضؔ انسانیت کے درخشاں مستقبل سے مایوس نہیں تھے۔ اس لئے ان کی نظموں کی تہ میں انسانیت پر اعتماد اور رجائیت موجزن نظر آتی ہے۔ "چند روز اور میری جان فقط چند روز" میں کہتے ہیں ؎

لیکن اب ظلم کی معیاد کے دن تھوڑے ہیں
اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں
عرصۂ دہر کی جھلسی ہوئی ویرانی میں

ہم کو رہنا ہے پہ یونہی تو نہیں رہنا ہے
اجنبی ہاتھوں کے بے نام گراں بار ستم
آج سہنا ہے ہمیشہ تو نہیں سہنا ہے

غیر ملکی استبداد سے انہوں نے کبھی بھی مصالحت نہیں کی۔ اس کے لئے انہیں زنداں کی سختیاں اور تکالیف بھی برداشت کرنی پڑیں، لیکن ان کے عزم اور یقین کو کوئی موڑ نہ سکا ؎

ظلم کا زہر گھولنے والے ❊ کامراں ہو سکیں گے آج نہ کل
جلوہ گاہِ وصال کی شمعیں ❊ وہ بجھا بھی چکے اگر تو کیا
چاند کو گل کریں تو ہم جانیں

سیاسی آزادی کی جدوجہد میں ہمارے سیاسی سربراہوں کے ساتھ ساتھ ہمارے شاعر اور ادیب بھی پابہ زنجیر چلے، خاک بسر چلے، خوں بداماں چلے۔ لیکن جو آزادی ملی اس سے معاشی، سماجی انصاف اور ذہنی آزادی کی توقع ٹوٹ گئی۔ فیضؔ نے بے دردی حالات کا یوں ذکر کیا ؎

کہاں سے آئی نگارِ صبا کدھر کو گئی
ابھی چراغِ سرِ رہ کو کچھ خبر ہی نہیں
ابھی گرانئ شب میں کمی نہیں آئی
نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

نظم "صبحِ آزادی" (۱۹۴۷ء) میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ؎

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شبِ سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینۂ غمِ دل

فیض نے ہمیشہ سرمایہ دارانہ ظلم، تعصب، تنگ نظری، معاشی اور سماجی ناانصافی، طبقاتی اونچ نیچ اور فسطائیت کے خلاف جہاد کیا۔ انہوں نے اپنی نظم "خورشیدِ محشر کی لو میں" کہا ؎

آج کے دن نہ پوچھو مرے دوستو
زخم کتنے ابھی بختِ بسمل میں ہیں
دشت کتنے ابھی راہِ منزل میں ہیں
تیر کتنے ابھی دستِ قاتل میں ہیں
آج کے دن نہ پوچھو مرے دوستو!

سیاسی اور معاشی احتجاج کیلئے انہیں قید و بند کی مصیبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔

کم سے کم لفظوں میں قاری کے احساس پر ماحول کی مخصوص کیفیت یا موڈ طاری کر دینا فیض کے طرزِ ادا کی ایک منفرد خصوصیت ہے۔ "زنداں کی ایک صبح" کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

رات باقی تھی ابھی جب سرِ بالیں آکر
چاند نے مجھ سے کہا "جاگ سحر آئی ہے"
جاگ اٹھے رقص میں آنے لگے چاندی کے بھنور
چاند کے ہاتھ سے تاروں کے کنول گر گر کر
ڈوبتے تیرتے، مرجھاتے رہے کھلتے رہے
رات اور صبح بہت دیر گلے ملتے رہے

اس نظم کا بنیادی مقصد منظر نگاری نہیں، اس میں ناظر کو شاعر نے ایک مخصوص تناظر اور پس منظر میں بڑی چابکدستی اور فنکارانہ بصیرت کے ساتھ ابھارا ہے۔

فیض نے نظموں کے ساتھ ساتھ قطعات اور غزلیں بھی کہی ہیں۔ ان کی غزلوں میں اُنکی اسیری کی، ان کی زندگی کی روداد ہی نہیں بلکہ عہدِ حاضر کے زخمی روح کی پُرسوز لے بھی ہے جس کے اثرات سے زندگی کا حُسن اور نکھر جاتا ہے۔ اور انسانیت اور تہذیب پر ایمان کچھ اور تازہ ہو جاتا ہے۔ چند غزلوں کے اشعار اور چند قطعات درجِ ذیل ہیں:

خیالِ یار کبھی ذکرِ یار کرتے رہے
اسی متاع پہ ہم روزگار کرتے رہے
انہی کے فیض سے بازارِ عقل روشن ہے
جو گاہ گاہ جنوں اختیار کرتے رہے

ہم پر تمہاری چاہ کا الزام ہی تو ہے
دشنام تو نہیں ہے، یہ اکرام ہی تو ہے
دل ناامید تو نہیں، ناکام ہی تو ہے
لمبی ہے غم کی شام، مگر شام ہی تو ہے

قطعات: یہ خوں کی مہک ہے کہ لبِ یار کی خوشبو
کس راہ کی جانب سے صبا آتی ہے دیکھو
گلشن میں بہار آئی کہ زنداں ہوا آباد
کس سمت سے نغموں کی صدا آتی ہے دیکھو

متاعِ لوح و قلم چھن گیا تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فیض کی نظمیں اور غزلیں ہمارے ادب کا سدا بہار نقش اور مستقل جزو بن گئیں ہیں جن میں انسانی تجربے کی کسک فن کی رعنائیوں سے ہم آہنگ ہو گئی ہے۔ فیض نے اپنے ایک مضمون میں یوں لکھا ہے "شعر کی مجموعی قدر میں جمالیاتی خوبی اور سماجی افادیت دونوں شامل ہیں اس لئے مکمل طور پر اچھا شعر وہ ہے جو فن کے معیار پر ہی نہیں زندگی کے معیار پر بھی پورا اترے۔"

فیض معاصرین کی نظروں میں

ڈاکٹر مسعود حسین خان : جدید تنقید نے ابتدا سے فیض کی نئی آواز کو پہچانا ہے اور تنقیدی عمل کے رد و قبول میں صرف فیض کا نام ہے جو پچھلے بیس سال کی تنقیدات میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ یہ فیض کی شاعرانہ انفرادیت کے لئے کافی ضمانت ہے اور اس بات کی طرف اشارہ بھی کہ ہم ان کی شاعری پر نظر جمائے رکھیں!

احتشام حسین : فیض نے اپنے انسان دوست خیالات، زندگی میں ناانصافی اور عدم توازن کے خلاف اپنے صحت مند ردِ عمل اور انفرادی تجربات کو ایسے حسین شعری پیکر میں پیش کیا ہے کہ جو لوگ ان کے نصب العین کے مخالف ہیں وہ بھی آسانی سے اس کے اثر اور جادو کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکیں گے!

پروفیسر آل احمد سرور : فیض کی حسن کاری، اس کی شیرینی اس کی نغمگی ہمیں سناتی نہیں، جھنجھوڑتی بھی نہیں، یہ بڑی سادہ اور پرکار ہے۔ یہ چپکے چپکے ہمیں ایک خاموش عزم عطا کرتی ہے۔ یہ ہمیں زندگی سے محبت کرنا سکھاتی ہے اور اس محبت کو ایک فضیلت اور اس کی خاطر جہاد کو ایک عبادت سمجھنے کا درس دیتی ہے!

مجتبیٰ حسین : فیض کی شاعری آج بھی میرے لئے کبھی کبھی ولدہی کا باعث بن جاتی ہے۔ اسے پڑھ کر یہ احساس قدرے کم ہو جاتا ہے کہ اتنے بڑے شہر میں آدمی تنہا ہے۔

احمد ندیم قاسمی : فیض انسانی معاشرے میں ایک مثبت انقلاب کے داعی ہیں۔ مگر ان کے ہاں انقلابیوں کی سی گھن گرج کے بجائے ایک نغماتی سرگوشی کا سا انداز ہے۔ وہ زندگی کو بھرپور اور خوبصورت بنانے کے لئے شاعری کو ایک ذریعہ قرار دیتے ہیں مگر مجال ہے کہ جو ان کے ہاں کہیں بھی پند و موعظت کی یبوست راہ پا سکے۔ ان کی شاعری پھولوں کی پتیوں پر شبنم ریزی کی سی مثال ہے مگر اس کے باوجود اس کی کاٹ آہنی ہے۔

ڈاکٹر ظ انصاری : فیض کی شاعری میں ان کے تراشے ہوئے متحرک پیکر، تعمیری تصرف، اینٹ سے اینٹ چننے کا بے اختیار عمل اور انہدام تک آوازوں کا بہاؤ اور کیفیت کی وارفتگی تو سہی، اس کے علاوہ دھیما پن، تیکھا پن، گہرا پن خاص ہوتا ہے۔ کہیں بھی چار مصرعے رکھ دو پہچانے جائیں گے۔

عزیز احمد : عاشقی اور انقلاب کا خطِ فاصل جس کو وہ پار کرنا چاہتے ہیں کسی طرح پار نہیں ہوتا۔ ان کی شاعری عشق اور انقلاب کے درمیان ایک گریز مسلسل بن گئی ہے۔

باقر مہدی : آج ہماری نسل اور فیض کے درمیان کے فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں، ایک سمندر حائل ہو چکا ہے۔ یہ وقت کی خلیج ہے جس پر پل بنانا تو ناممکن ہے مگر اب بھی فیض کی آواز کانوں کو بھلی لگتی ہے اور دل میں یادوں کا قافلہ رواں ہو جاتا ہے۔ شاید یہی ہے ایک سچے شاعر کی پہچان۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی : فیض کے فن میں انقلاب محض ایک نعرہ نہیں حقیقت ہے اور اس کا اظہار محض نعرے کی طرح نہیں ہوا ہے بلکہ اس کا ایک شاعرانہ اسلوب اور انداز ہے جسے فیض کی شاعری کا سانچہ یا (Pattern) کہہ سکتے ہیں۔ اس سانچے میں روایت کے تسلسل اور عظمت کا نشان اور تجربوں کی اہمیت کا احساس ایک متوازن سانچے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فیض کی غزلوں میں کلاسیکی رسم اور رچاؤ اور ان کی نظموں میں صحت مند ترقی پسندی اور آزاد خیالی جھلکتی ہے۔

پرکاش پنڈت : درد اور رحم، محبت اور سیاست، شیرینی

اور فکر کا جتنا دلکش امتزاج فیض احمد فیض کے یہاں ملتا ہے اور اس نے جس خوبصورتی سے پرانی روایتوں پر نئی روایتوں کا محل کھڑا کیا ہے، بلاشبہ وہ فیض ہی کا حصہ ہے اور اردو کی جدید شاعری اس کی عطیہ پر جتنا فخر کرے کم ہے!

ابراہیم جلیس: صرف میرے اکیلے ہی کے لئے نہیں اور صرف پاکستان یا ہندوستان کی نئی نسل کیلئے ہی نہیں بلکہ کراچی سے کیوبا اور کیوبا سے ٹوکیو تک رجعت پرستی کی جھلجلاتی کڑی دھوپ میں تیسری دنیا کے ادب اور سیاست کے لق و دق ریگزاروں کے بیچوں بیچ فیض احمد فیض جلتی بھنتی، جھلستی ترقی پسند نئی نسل کے لئے بھی بلاشبہ ٹھنڈی میٹھی حیات بخش چھاؤں والا ایک گھنیرا درخت بنا ہے!

قرۃ العین حیدر: فیض صاحب کی شاعری کبھی کمھلا نہیں سکتی۔ یہ ایسی شاعری ہے جسے آج کے فلسطین اور ایران والجیریا کا شاعر بھی اپنا سکتا ہے!

حسن کمال: آزادی کے بعد اردو کا کوئی شاعر ایسا نہیں ہے جس نے فیض کا اثر قبول نہ کیا ہو، فیض کی شخصیت بھی دلکش ہے اور شاعری بھی۔ ان کی منکسر المزاجی، ان کے تجربات زندگی اور انسان کے بہتر مستقبل کے لئے انکی قربانیاں مثال کی طرح پیش کی جاتی ہیں!

علی جواد زیدی: فیض احمد فیض اردو تاریخ میں اپنے لئے مخصوص جگہ بنا چکے ہیں اور ان کے سنبھلے ہوئے اور معتبر لہجے اور فکری متانت نے ایک پوری نسل کی رہنمائی کی ہے۔ عمل کی دنیا میں بھی انہوں نے اسی لگن اور خلوص کی راہ اپنائی جو تخلیق سفر کی کاوشوں کو دوام بخشتی ہے!

ڈاکٹر ظفر اوگانوی: فیض نے اپنی شاعری کو "آج کے غم کے نام" معنون کر کے صرف دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ آج کی استحصالی مجبوریوں کا نمائندہ شاعر ہے بلکہ اس نے اپنی طویل زندگی کی المناکیوں کو عظمت آدم کی بقا کا مفہوم بھی دیا تھا۔ اس کا آہنگِ درد اور شاعری کا نیا ڈکشن اسی دعوے کا اہم ثبوت ہے"!

انیس رفیع: فیض نے غزل کے گرد (اس) آہنی ہالے کو توڑا اور اس کی کوکھ میں ایک نیا بیج ڈالا اور غزل ایک نئے اور تازہ خون کے ساتھ عالمی ادب کے روبرو کھڑی ہو سکی۔ فیض نہ ہوتے تو شاید غزل اپنی اس عصری حسیت اور نئے شعور کے ساتھ زندہ نہ رہ پاتی

سردار جعفری:

فیض

سوز ہے دل میں نگاہوں میں محبت کا گداز
ایک بجلی ہے کہ جو شعلہ فشاں ساز میں ہے
کاٹ تلوار کی شعروں کو عطا کرتی ہے
وہ کسک درد کی جو فیض کی آواز میں ہے





اوپر: سلمیٰ صدیقی، کرشن چندر اور فیض احمد فیض
نیچے: (دائیں سے بائیں): فکر تونسوی، فیض احمد فیض، ڈاکٹر خلیق انجم اور خوشتر گرامی۔
اپریل ۸۱ء، دلی

ختم ہوئی بارشِ سنگ

لہو کا سراغ

فیضؔ

ناگہاں آج مرے تارِ نظر سے کٹ کر!
ٹکڑے ٹکڑے ہوئے آفاق پہ خورشید و قمر!
اب کسی سمت اندھیرا نہ اجالا ہوگا
بجھ گئی دل کی طرح راہِ وفا میرے بعد
دوستو! قافلۂ درد کا اب کیا ہوگا

اب کوئی اور کرے پرورشِ گلشنِ غم
دوستو! ختم ہوئی دیدۂ تر کی شبنم
تھم گیا شورِ جنوں، ختم ہوئی بارشِ سنگ
خاکِ رہ آج لئے ہے لبِ دلدار کا رنگ
کوئے جاناں میں کھلا میرے لہو کا پرچم
دیکھئے دیتے ہیں کس کس کو صدا میرے بعد
"کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد"

کہیں نہیں ہے کہیں بھی نہیں لہو کا سراغ
نہ دست و ناخنِ قاتل نہ آستیں پہ نشان
نہ سرخیِ لبِ خنجر نہ رنگِ نوکِ سناں
نہ خاک پر کوئی دھبا نہ بام پر کوئی داغ
کہیں نہیں ہے کہیں بھی نہیں لہو کا سراغ
نہ صرفِ خدمتِ شاہاں کہ خونبہا دیتے
نہ دیں کی نذر کہ بیعانۂ جزا دیتے
نہ رزم گاہ میں برسا کہ معتبر ہوتا
کسی علم پہ رقم ہو کے مشتہر ہوتا
پکارتا رہا بے آسرا یتیم لہو
کسی کو بہرِ سماعت نہ وقت تھا نہ دماغ
نہ مدعی نہ شہادت، حساب پاک ہوا
یہ خونِ خاک نشیناں تھا، رزقِ خاک ہوا

زنداں کی ایک شام

فیض

شام کے پیچ و خم ستاروں سے
زینہ زینہ اتر رہی ہے رات
یوں صبا پاس سے گزرتی ہے
جیسے کہہ دی کسی نے پیار کی بات
صحنِ زنداں کے بے وطن اشجار
سرنگوں، محو ہیں بنانے میں
دامنِ آسماں پہ نقش و نگار
شانۂ بام پر دمکتا ہے
مہرباں چاندنی کا دستِ جمیل
خاک میں گھل گئی ہے آبِ نجوم
نور میں گھل گیا ہے عرش کا نیل
سبز گوشوں میں نیلگوں سائے
لہلہاتے ہیں، جس طرح دل میں
موجِ دردِ فراقِ یار آئے

دل سے پیہم خیال کہتا ہے
اتنی شیریں ہے زندگی اس پل
ظلم کا زہر گھولنے والے
کامراں ہو سکیں گے آج نہ کل
جلوہ گاہِ وصال کی شمعیں
وہ بجھا بھی چکے اگر تو کیا
چاند کو گل کریں تو ہم جانیں

حذر کرو مرے تن سے

سجے تو کیسے سجے قتلِ عام کا میلہ
کسے لبھائے گا میرے لہو کا واویلا
مرے نزار بدن میں لہو ہی کتنا ہے
چراغ ہو کوئی روشن نہ کوئی جام بھرے
نہ اس سے آگ ہی بھڑکے نہ اس سے پیاس بجھے
مرے فگار بدن میں لہو ہی کتنا ہے
مگر وہ زہرِ ہلاہل بھرا ہے نس نس میں
جسے بھی چھیدو ہر اک بوند قہرِ افعی ہے
ہر اک کشید ہے صدیوں کے درد و حسرت کی
ہر اک میں مہر بلب غیظ و غم کی گرمی ہے
حذر کرو مرے تن سے یہ سم کا دریا ہے
حذر کرو کہ مرا تن وہ چوبِ صحرا ہے
جسے جلاؤ تو صحنِ چمن میں دہکیں گے
بجائے سرو و سمن میری ہڈیوں کے ببول
اسے بکھیرا تو دشت و دمن میں بکھرے گی
بجائے مشکِ صبا، میری جانِ زار کی دھول
حذر کرو کہ مرا دل لہو کا پیاسا ہے

غزلیں

فیض

غم بہ دل، شکر بہ لب، مست و غزل خواں چلیے
جب تلک ساتھ دے یہ عمرِ گریزاں چلیے

رحمتِ حق سے جو اس سمت کبھی راہ ملے
سوئے جنت بھی براہِ رہِ جاناں چلیے

نذر مانگے جو گلستاں سے خداوندِ جہاں
ساغر و خم میں لئے خونِ بہاراں چلیے

جب ستانے لگے بے رنگیٔ دیوارِ جہاں
نقش کرنے کوئی تصویرِ حسیناں چلیے

کچھ بھی ہو آئینۂ دل کو مصفا رکھیے
جو بھی گزرے مثلِ خسروِ دوراں چلیے

امتحاں جب بھی ہو منظور جگر داروں کا
محفلِ یار میں ہمراہِ رقیباں چلیے

ابکے برس دستورِ ستم کیا کیا باب ایزاد ہوئے
جو قاتل تھے مقتول ہوئے جو صید تھے اب صیاد ہوئے

پہلے بھی خزاں میں باغ اجڑے پر یوں نہیں جیسے ابکے برس
سارے بوٹے پتہ پتہ روش روش برباد ہوئے

پہلے بھی طوافِ شمعِ وفا تھی، رسم محبت والوں کی
ہم سے تم سے پہلے بھی یہاں منصور ہوئے، فرہاد ہوئے

اک گل کے مرجھانے پر کیا گلشن میں کہرام مچا
اک چہرہ کمھلا جانے سے کتنے دل ناشاد ہوئے

فیض! نہ ہم یوسف نہ کوئی یعقوب جو ہم کو یاد کرے
اپنی کیا، کنعاں میں رہے یا مصر میں جا آباد رہے

فیض

غزل

یہ کس خلش نے پھر اس دل میں آشیانہ کیا
پھر آج کس نے سخن ہم سے غائبانہ کیا

غمِ جہاں ہو، رخِ یار ہو کہ دستِ عدو
سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا

تھے خاکِ راہ بھی ہم لوگ، قہرِ طوفاں بھی
سہا تو کیا نہ سہا اور کیا تو کیا نہ کیا

خوشا کہ آج ہر اک مدعی کے لب پر ہے
وہ راز جس نے ہمیں راندۂ زمانہ کیا

وہ حیلہ گر جو وفا جو بھی ہے، جفا خو بھی
کیا بھی فیض تو کس بت سے دوستانہ کیا

ہمیں سے اپنی نوا ہم کلام ہوتی رہی
یہ تیغ اپنے لہو میں نیام ہوتی رہی

مقابلِ صفِ اعدا جسے کیا آغاز
وہ جنگ اپنے ہی دل میں تمام ہوتی رہی

کوئی مسیحا نہ ایفائے عہد کو پہنچا
بہت تلاش پسِ قتلِ عام ہوتی رہی

یہ برہمن کا کرم، وہ عطائے شیخِ حرم
کبھی حیات کبھی مے حرام ہوتی رہی

جو کچھ بھی بن نہ پڑا فیض لُٹ کے یاروں سے
تو رہزنوں سے دعا و سلام ہوتی رہی

وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوفِ خدا گیا
وہ پڑی ہیں روز قیامتیں کہ خیالِ روزِ جزا گیا

جو نفس تھا خارِ گلو بنا، جو اٹھے تھے ہاتھ لہو ہوئے
وہ نشاطِ آہِ سحر گئی، وہ وقارِ دستِ دعا گیا

جو طلب پہ عہدِ وفا کیا، تو وہ قدرِ رسمِ وفا گئی
سرِ عام جب ہوئے مدعی تو ثوابِ صدق و صفا گیا

لوک سبھا انتخابات

مغربی بنگال میں بیالیس (۴۲) حلقہ ہائے انتخاب میں مقابلہ کرنیوالے امیدوار

کوچ بہار (شیڈولڈ کاسٹ) — امر رائے پردھان (فارورڈ بلاک)، درگا چرن رائے کائیت (آزاد)، پراسنجیت برمن (کانگریس۔آئی)۔

۱۔ علی پور دوار (شیڈولڈ ٹرائب) — پائس ٹرکے (آر۔ ایس۔پی)، طلب مینز (کانگریس۔آئی)، لالمن لاما (آزاد)، سنیچے مارار اوراں (آزاد)

۱۔ جلپائی گوڑی — ارون موترا (کانگریس۔آئی)، حرے یو منڈل (ایس۔یو سی۔آئی)، تین لبواس (بی جے پی)، پنچانن حک (آزاد)، بنکم چندر رائے (آزاد)، مانک سانیال (سی پی آئی۔ایم)، ست لشو بھوشن داس (آزاد)۔

۱۔ دارجلنگ — آنند پرشاد پاٹھک (سی پی آئی۔ایم)، داوا زلا (کانگریس آئی)، پدم بہادر رائی (آزاد)، سمیر رائے (آزاد)، سہ مار تھ شنکر رائے (آزاد)۔

۷۔ رائے گنج — جیت نارداس (آزاد)، گوپال جی کیڈیا (آزاد)، غلام یزدانی (کانگریس آئی)، بالا کانت برمن (آزاد)، مقبول حسین (مسلم لیگ)، نورین احمد (آزاد)، اجیت بجنا سکدار (بی جے پی)، سبر تو مکرجی (سی پی آئی۔ایم)۔

۶۔ بلور گھاٹ (شیڈولڈ کاسٹ) — جینت ساہا (آزاد)، پلاس برمن (آر۔ایس۔پی)، ستیندر ناتھ رائے (کانگریس۔آئی)

۷۔ مالدہ — ابو برکات عطا الغنی خاں چودھری (کانگریس آئی)، تشر کانتی گھوش (بی جے پی)، دینیش جواردار (سی پی آئی ایم)، نارائن پرشاد اگروال (آزاد)، بردو بورکار داس (آزاد)، بھرے سرکار (آزاد)، وشوا ناتھ گرہا (آزاد)، سعید ل (مسلم لیگ)

۸۔ جنگی پور — آنیما باسو (بی جے پی)، عبدالسعید (ایس یو سی آئی)، زین العابدین (سی پی آئی ایم)، پرامانک سپیر کار (آزاد)، مرینال کانتی گھوش (آزاد)، ملا ضیا رحمٰن (مسلم لیگ)، دلیپ سنہا (آزاد)، محمد سہراب (کانگریس۔آئی)۔

۹۔ مرشدآباد — عزیز الرحمٰن (کانگریس۔آئی)، مشرف حسین (ایس یو سی آئی)، شیامل گپتا (بی۔جے۔پی)، سنتوش سرکار (آزاد)، سرکار سمیع الدین (مسلم لیگ)، سید مسعود الحسین (سی پی آئی۔ایم)

۱۰۔ برہمپور — تیش چندر سنہا (کانگریس۔آئی)، ڈاکٹر عبدالباطن جلال احمد (مسلم لیگ)، جتیندر سرکار (آزاد)، تریدیب چودھری (آر ایس پی)، پروب کمار بنرجی (بی جے پی)، شیخ مقدم (لوک دل)۔

۱۱۔ کرشنگر — موہن ادھیکاری (آزاد)، عزیز الحق (ایس یو سی آئی)، پورنیش چندر سرکار (آزاد)، ریزیڈو داس (سی پی آئی۔ایم)، شنکر داس بنرجی (کانگریس۔آئی)، سناتن منڈل (آزاد)۔

۱۲۔ نوادیپ (شیڈولڈ کاسٹ) — اپربلال مجمدار (کانگریس آئی)، بیبھا گھوش گوسوامی (سی پی آئی۔ایم)، بھوبیش دھارا (آئی سی ایس)، مدھو سدن بالا (آزاد)۔

۱۳۔ باراسات — الحاج عبدالسلام (مسلم لیگ)، امتیاز رحمٰن (بیتھی) (آزاد)، چترا باسو (فارورڈ بلاک)، جگن ناتھ بسواس (آزاد)، زیندرا ناتھ گھوش (آزاد)، تورن کانتی گھوش (کانگریس۔آئی)، سبھاش سرکار (آزاد)۔

۱۴۔ بشیرہاٹ — اندرا جیت گپتا (سی پی آئی)، کمل باسو (کانگریس۔آئی)، ترت رکانتی گھوش (آزاد)، محمد علی منظر حسن (مسلم لیگ)، جاتیندرا سیام (آزاد)، لیاقت علی منڈل (آزاد)، شمس الحق (آزاد)، ہریندرا ناتھ رائے (بی جے پی)۔

۱۵۔ جئے نگر (شیڈولڈ کاسٹ) — اردھیندو شیکھر نسکر (کانگریس۔آئی)، جگدیش چندر کرنانیہ (آزاد)، راجہ رام رائے منڈل (ایس یو سی آئی)، سنت کمار منڈل (آر ایس پی)۔

۱۶۔ متھورا پور (شیڈولڈ کاسٹ) — کوے جنارون (مسلم لیگ)

نرمل سنہا (سی پی آئی - ایم)، منورنجن ہالدار (کانگریس آئی)، سمیر شیکھر نیا (ایس یو سی آئی)۔

۱۷۔ ڈائمنڈ ہاربر ۔ امل دت (سی پی آئی - ایم)، پار سورم شا (آزاد)، محمد صلاح الدین (مسلم لیگ)، سمعیندو منڈل (کانگریس - آئی)۔

۱۸۔ جادب پور ۔ ممتا بنرجی (کانگریس - آئی)، راجہ ناتھ پرشاد (آزاد)، شکتی سرکار (انڈین کانگریس سوشلسٹ)، سومناتھ چٹرجی (سی پی آئی - ایم)۔

۱۹۔ بارکپور ۔ کلیان براتو رائے (بی جے پی)، دیبی گھوشال (کانگریس - آئی)، نریش سرکار (آزاد)، وجئے نارائن مسرا (آزاد)، محمد ہیں (سی پی آئی - ایم)۔

۲۰۔ دمدم ۔ اسوتوش لا (کانگریس - آئی)، نیرین گھوش (سی پی آئی - ایم)۔

۲۱۔ کلکتہ - شمال مغرب ۔ امیہ ناتھ بوس (فارورڈ بلاک)، ادون لسواس (آزاد)، اشوک جین (جہارڑا) (آزاد)، اشوک کمار سین (کانگریس - آئی)، ابراہیم حاں (آزاد)، اگروال درگا دت (آزاد)، درگا پرشاد نتھانے (بی جے پی)، بتن سنگھ (آزاد)، بینوئے سرکار (آزاد)، رام چھیبلا شاہی (آزاد)، رام بہاری لال تصلیا (آزاد)، حفیظ الرحمن خاں (آزاد)۔

۲۲۔ کلکتہ شمال مشرق ۔ اجیت کمار پانجہ (کانگریس آئی)، امولیندو رائے (آزاد)، کنائی لال چودھری (آزاد)، کنائی لال بوس (آزاد)، دھیریندر ناتھ چٹرجی (آزاد)، نرمالیندو دے (جنتا پارٹی)، ڈاکٹر نیلیما نندی (آزاد)، روبن مکھرجی (آزاد)، رنندرا ناتھ داس گپتا (آزاد)، راجیش گپتا (آزاد)، محمد شمس الدین (مسلم لیگ)، سنیل موئترا (سی پی آئی - ایم)۔

۲۳۔ کلکتہ جنوب ۔ چندن بانک (آزاد)، دینیش گپتا (آزاد)، بھولا ناتھ سین (کانگریس - آئی)، مریدولہ مکھرجی (آزاد)، ایم - کے رتنان (آزاد)، شیخ سلطان (آزاد)، شیام سندر ٹھاکر (آزاد)، ستیہ سادھن چکرورتی (سی پی آئی - ایم)، سوربن مترا (آزاد)۔

۲۴۔ ہوڑہ ۔ امیہ بھٹاچاریہ (انڈین کانگریس سوشلسٹ)، کاشی ناتھ چودھری (آزاد)، کیشب داس (آزاد)، جیبن دھن مکھرجی (آزاد)، پرامیشور سنگھ (آزاد)، پریہ رنجن داس منشی (کانگریس - آئی)، بابو رام تبراوال (آزاد)، سمر مکھرجی (سی پی آئی)۔

۲۵۔ الوبیڑیا ۔ شیخ انور علی (کانگریس - آئی)، چندرا داس کائل (آزاد)، سرویشور گورائی (آزاد)، ہنان ملا (سی پی آئی - ایم)۔

۲۶۔ سیرام پور ۔ اجیت باگ (سی پی آئی - ایم)، امر چودھری (آزاد)، دمدار کانجیرانی (آزاد)، پریم ناتھ ٹھاکر (آزاد)، پروفیسر بمل کانتی گھوش (کانگریس - آئی)، بسر جن پرشاد کوتیری (آزاد)۔

۲۷۔ ہگلی ۔ ابندوتی بھٹاچاریہ (کانگریس - آئی)، پرمان ند گوڑ (آزاد)، پروفیسر روپ چند پال (سی پی آئی - ایم)، سینا موئے دت (آزاد)۔

۲۸۔ آرام باغ ۔ انیل باسو (سی پی آئی - ایم)، گوپال داس ناگ (کانگریس - آئی)، ڈاکٹر نیکو نجا جانا (آزاد)، نیپال چندر بھومک (آزاد)، یوگیندر سنگھ (آزاد)۔

۲۹۔ پانسکوڑا ۔ گیتا مکھرجی (سی پی آئی)، جیترنجن چکرورتی (کانگریس - آئی)، دیوراج سارین (آزاد)، شنکاری دھوبی (آزاد)، جگدیشور پانجا (آزاد)۔

۳۰۔ تملوک ۔ اسوتوش سامنتو (ایس یو سی آئی)، مسرا ستیہ گوپال (سی پی آئی ایم)، سرادیندو سامنتو (کانگریس - آئی)، شری دھر چندر ڈولر (آزاد)، ستیا کشور شیکھر داس (آزاد)، سوابن مائیتی (آزاد)۔

۳۱۔ کونٹائی ۔ ارابندو مائتی (آزاد)، راموتوس گائونیا (آزاد)، پھول رونو گوہا (کانگریس - آئی)، مدن لال پراساری (آزاد)، سدھیر کمار گیری (سی پی آئی - ایم)۔

۳۲۔ مدناپور ۔ اجیت کمار کھارا (کانگریس - آئی)، اندو بھوشن چندرے (آزاد)، عبد الرحیم (آزاد)، اندرا دیو داس (آزاد)، کشور ہری بھٹاچاریہ (آزاد)، ڈاکٹر جتیندرا ناتھ دے (آزاد)، دلیپ مائتی (ایس یو سی آئی)، نارائن چوبے (سی پی آئی)، بھبنشور ساہا (آزاد)، مرزا وحید الرحمن بیگ (آزاد)، سرشیل کمار (آزاد)، تارک داس دت (آزاد)۔

۳۳۔ جھاڑ گرام (شیڈولڈ ٹرائب) ۔ امیہ کمار کسکو (کانگریس آئی)، چندرائی ہانسدا (آزاد)، نیتانند مورا (آزاد)، منگل باسکے (آزاد)، متی لال ہانسدا (سی پی آئی - ایم)، وشنو پدو سارن (آزاد)۔

۳۴۔ پرولیا ۔ اجیت پرشاد مہاتا (آزاد)، امولیا مہاتا (آزاد)،

(بی جے پی) ولسن (آزاد)، کے۔ پی۔ سنگھ دیو (کانگریس۔ آئی)، گوما لستا پرشاد سورین (آزاد)، جتر بھن مہاتا (فارورڈ بلاک)، ربی چودھری (آزاد) راد ھارمن گوش (آزاد)، سریٹ کمار چکرورتی (آزاد)، شوکمار داس (آزاد)، سو دم پرساد (آزاد)۔

۳۵۔ بانکوڑا۔ ورون کمار بٹاچاریہ (کانگریس۔ آئی)، اچاریہ باسودیب (سی پی آئی۔ ایم)، تپن چکرورتی (آزاد)، نند لال ماجھی (آزاد)، بھگت مہاتا (آزاد)، سبھو چکرورتی (ایس یو سی آئی)، شکتی پد کمبھاکر (آزاد)، شکتی پد سکھرجی (آزاد)، سکلین میرا (آزاد)، ساگر چند مہاتا (آزاد)۔

۳۶۔ وشنوپور (شیڈولڈ کاسٹ)۔ اجیت کمار ساہا (سی پی آئی۔ ایم)، امولیہ اہیر (آزاد)، گوکل چند رسار (کانگریس۔ آئی)، جگت دوسے (آزاد)، مہادیو منڈل (آزاد)۔

۳۷۔ درگاپور (شیڈولڈ کاسٹ)۔ گوپال منڈل (کانگریس۔ آئی)، پورن چندر ملک (سی پی آئی۔ ایم)۔

۳۸۔ اسنسول آنند گوپال مکھرجی (کانگریس۔ آئی)، گوپال کرشنا شرما (آزاد)، گنائیتی مانک چندر (آزاد)، چھیدی لال جالان (آزاد)، باما پد مکھرجی (سی پی آئی۔ ایم)، مالک ٹوٹیری (آزاد)، محمد الیس۔ ایم۔ شمس الحق (آزاد)۔

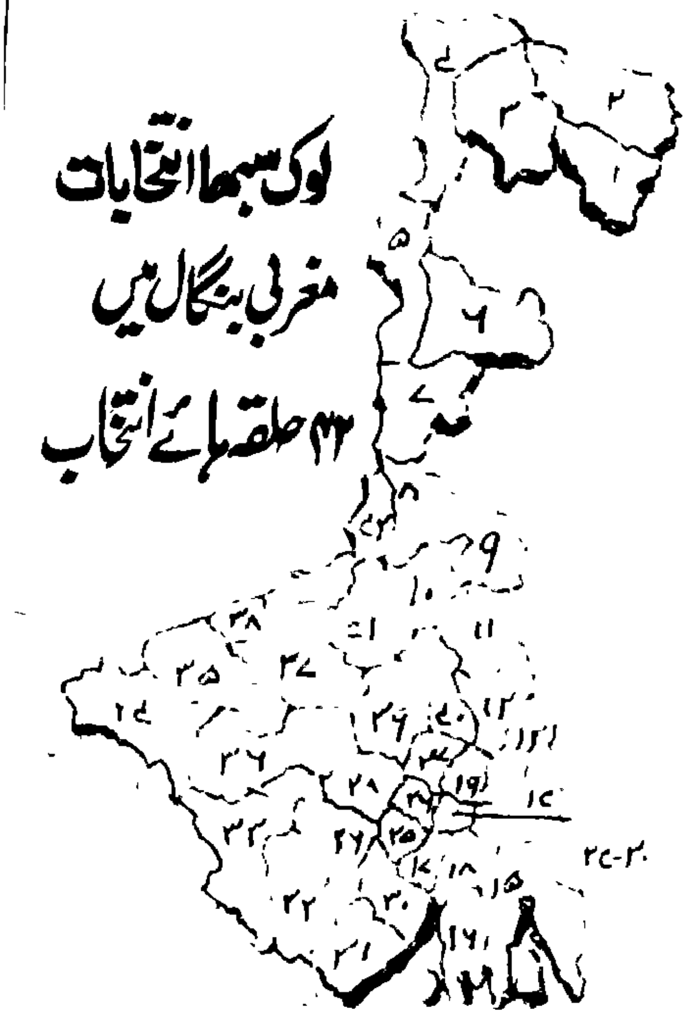
۳۹۔ بردوان۔ اشیت کمار مترا (آزاد)، بدروت گوہا (کانگریس۔ آئی)، راجیشور منڈل (آزاد)، سدھیر رائے (سی پی آئی۔ ایم)۔

۴۰۔ کٹوا۔ صدیق اللہ چودھری (کانگریس۔ آئی)، سیف الدین چودھری (سی پی آئی۔ ایم)۔

۴۱۔ بولپور۔ نارائن چندر منڈل (آزاد)، نیہار دت (کانگریس۔ آئی)، سرادیش رائے (سی پی آئی۔ ایم)۔

۴۲۔ بیربھوم (شیڈولڈ کاسٹ)۔ آشیم ساہا (ایس یو سی آئی)، گدادھر ساہا (سی پی آئی۔ ایم)، بادل باگدی (کانگریس۔ آئی)، رنجیت کمار مال (آزاد)۔

لوک سبھا انتخابات مغربی بنگال میں ۴۲ حلقہ ہائے انتخاب



۱۔ کوچ بہار (شیڈولڈ کاسٹ)، ۲۔ علی پور دوار (شیڈولڈ ٹرائب)، ۳۔ جلپائی گوڑی، ۴۔ دارجلنگ، ۵۔ رائے گنج، ۶۔ بلور گھاٹ (شیڈولڈ کاسٹ)، ۷۔ مالدہ، ۸۔ جنگی پور، ۹۔ مرشد آباد، ۱۰۔ برہم پور، ۱۱۔ کرشنگر، ۱۲۔ نوادیپ (شیڈولڈ کاسٹ)، ۱۳۔ باراسات، ۱۴۔ بشیر ہاٹ، ۱۵۔ جے نگر (شیڈولڈ کاسٹ)، ۱۶۔ متھرا پور، ۱۷۔ ڈائمنڈ ہاربر، ۱۸۔ جادب پور، ۱۹۔ بارکپور، ۲۰۔ دمدم، ۲۱۔ کلکتہ شمال مغرب، ۲۲۔ کلکتہ شمال مشرق، ۲۳۔ کلکتہ جنوب، ۲۴۔ ہوڑہ، ۲۵۔ الوبیڑیا، ۲۶۔ سیرامپور، ۲۷۔ ہگلی، ۲۸۔ آرام باغ، ۲۹۔ پانسکوڑا، ۳۰۔ تملوک، ۳۱۔ کونٹائی، ۳۲۔ مدناپور، ۳۳۔ جھاڑگرام (شیڈولڈ ٹرائب)، ۳۴۔ پرولیا، ۳۵۔ بانکوڑا، ۳۶۔ وشنوپور (شیڈولڈ کاسٹ)، ۳۷۔ درگاپور (شیڈولڈ کاسٹ)، ۳۸۔ آسنسول، ۳۹۔ بردوان، ۴۰۔ کٹوا، ۴۱۔ بولپور، ۴۲۔ بیربھوم ٭ ٭ ٭



فیض عتیق رشید کے ساتھ — کلکتہ سنہ ۱۹۸۰ء



کلکتہ میں ستیہ جیت رائے کے گھر پر (دائیں سے)، ضابر دت، ستیہ جیت رائے اور فیض احمد فیض سنہ ۱۹۸۰ء

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T [illegible] **Shampukur Street, Calcutta-700 004**

